شہر دہلی کی نئی پرانی کل عمارتوں کا مفصل بیان مع نقشہ جات کے

واقعات دار الحکومت دہلی

۱۳۳۷ھ

مشتمل بر سہ حصص

(حصہ سوم)

۱۳۳۷ھ

مصنفہ بشیر الدین احمد دہلوی

۱۹۱۹ء

شمسی مشین پریس آگرہ میں محمد بشیر الدین خان و محمد شمس الدین خان کے اہتمام سے چھپی

فہرست مضامین حصۂ سوم واقعات دار الحکومت دہلی

تا صفحہ	از صفحہ	مضمون	باب
۴	۳	۲	۱

باب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴
	بسنتی دروازے کے سامنے کے دو نقار خانے ۲۸۹/۲۹۰ - راجوں کی بائیں کے پاس کا ایک اور مقبرہ (۲۹۰) ناظر کا باغ ۲۹۰/۲۹۱ - بیچ کی بارہ دری ۲۹۱/۲۹۲ - مشرق کی طرف کا بیچ درا (۲۹۲) جنوب کی طرف کا بیچ درا ۲۹۲/۲۹۳ - مولانا مجد الدین حاجی رح کا مزار اور مسجد ۲۹۳/۲۹۴ - پاس پاس دو گنبد اور ایک قنالی مسجد ۲۹۴/۲۹۵ - قنالی مسجد ۲۹۵/۲۹۶ - چھتری (۲۹۶) مکانات جانب غرب ۲۹۶/۲۹۸ - مکانات جانب شمال - مکانات جانب جنوب - مکانات جانب شرق (۲۹۹) امریاں ۲۹۹/۳۰۰ - پھول والوں کی سیر ۳۰۰/۳۰۱ - گوڑگانویں کی سڑک پر کی عمارتیں (۳۰۱) بادشاہ پسند سرائے (۳۰۱) جہاز محل یا لال محل یا شیش محل ۳۰۲/۳۰۳ - بارہ درہ - گورکنوں کی مسجد (۳۰۳) اولیا مسجد ۳۰۳/۳۰۴ - مقبرہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی ۳۰۴/۳۰۶ - خانقاہ سید نیاز محمد صاحب رح (۳۰۷) حوض شمسی ۳۰۸/۳۱۰ - مولنا وجیہ الدین پائلی کا مزار ۳۱۰/۳۱۱ - شیخ آدھن دہلوی کا مزار - چہل تن چہل من (۳۱۱) ستون یا ہشت محل ۳۱۱/۳۱۲ - دو نامعلوم مقبرے (۳۱۲) بھڑواڑوں کا جم غفیر ۳۱۲/۳۱۳ - قلعہ رای پتھورا ۳۱۴/۳۲۲ - بابا حاجی روزبہ کا مزار (۳۲۲) شیخ شہاب الدین عاشق رح کا مزار ۳۲۲/۳۲۳ - بی بی سرخ بے نام کا مزار عیدگاہ شمس الدین التمش - اوحد الدین کرمانی - چہل بیبیوں کے مزار - جنازۂ پراں - شیخ جلال الدین تبریزی - تالاب پیراں (۳۲۳) بھیم کی چھٹنکی (۳۲۴) چبوترۂ ناصرہ ۳۲۴/۳۲۵ - قصر سفید ۳۲۵/۳۲۶ - کوشک فیروزی ۳۲۶/۳۲۷ - کوشک سبز (۳۲۷) کوشک لعل یا قلعہ مرزغن یا دار الامان اور شاہ غیاث الدین بلبن کی قبر ۳۲۷/۳۳۱ - لال کوٹ ۳۳۱/۳۳۲ - انیک تال (۳۳۲) انیک پور ۳۳۲/۳۳۳ - سورج کنڈ ۳۳۳/۳۳۴ - قطعہ تاریخ شاہ محمد جنید الحسینی صاحب (۳۳۶) قلعہ مرزغن - قلعہ علاول		

فہرست نقشہ جات عمارات وغیرہ بہ قید صفحہ

مقبرہ (۴۰) صفدر جنگ کا مقبرہ (۲۳) — جنتر دائرۃ الظل — جنتر دائرۃ العظام — جنتر قسمی دوم جنتر کرہ جنتر کرہ
خیر پور — مقبرہ محمد شاہ لودھی (۴۹) — خیر پور کا نامعلوم گنبد اور مسجد (۵۰) مقبرہ سلطان سکندر
لودھی (۵۵) — شاہ مردان (۶۰) — سلطان مبارک شاہ ثانی کا مقبرہ (۸۲) — تیر جہ (۸۶) موٹھ
کی مسجد (۹۰) — درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی (۹۱) — نقشہ دروازہ درگاہ (۹۳) مقبرہ سلطان
بہلول لودھی (۹۹) — مزار سرنالہ (۱۰۰) — ست پلہ (۱۰۲) — کھڑکی کی مسجد (۱۰۴) — درگاہ شیخ
یوسف قتال (۱۰۶) — درگاہ شیخ صلاح الدین (۱۰۹) مقبرہ لنگر خاں پنج برجہ بیرم دیو پور (۱۱۴) بستی
باوڑی (۱۱۶) فیروز شاہ تغلق کا مقبرہ (۱۳۲) بیچے منڈل یا بدیع منزل (۱۵۳) ضلع شرقی مسجد
قوۃ الاسلام یعنی اصل بت خانۂ رای پتھورا (۱۶۵) دروازۂ شرقی مسجد قوۃ الاسلام (۱۶۶) دروازہ
شمالی مسجد قوۃ الاسلام (۱۶۸) توسیعات مسجد قوۃ الاسلام (۱۷۵) درجہ سوم مسجد قوت الاسلام
درجۂ اول مسجد قوۃ الاسلام (۱۷۷) قطب صاحب کی لاٹ (۱۸۵) آشوری کی لاٹ (۲۱۶) درگاہ
امام ضامن (۲۱۹) درجۂ دوم مسجد قوۃ الاسلام مع آہنی ستون یا لوہے کی لاٹ کے (۲۲۰) —
مقبرۂ سلطان شمس الدین التمش (۲۳۳) مقبرۂ سلطان علاء الدین خلجی (۲۳۹) ادہم خاں
کا مقبرہ یا بھول بھلیاں (۲۴۱) کوٹھی دلکشا صاحب کلاں بہادر (۲۴۴) جوگ مایا کا مندر (۲۴۶)
راجوں کی بائیں (۲۴۸) درگاہ مولانا جمالی مسجد درگاہ مولانا جمالی (۲۵۰) حضرت قطب صاحب
کی درگاہ (۲۵۶) دروازہ ہائے درگاہ (۲۶۲) مسجد اور حافظ داؤد کی باولی (۲۶۴) موتی مسجد
(۲۷۵) شاہ عالم بہادر شاہ کا حجرہ (۲۷۶) مسجد و مکان حکیم احسن اللہ خاں (۲۸۵) باغ ناظر (۲۹۰)
جھرنہ (۲۹۶) درگاہ حضرت شیخ عبدالحق (۳۰۴) حوض شمسی (۳۰۷) قلعہ رای پتھورا نقشہ قلعہ
رای پتھورا (۳۱۳) مقبرۂ سلطان غیاث الدین بلبن (۳۲۴) قصر ہزار ستون (۳۴۰) مقبرہ
سلطان غاری (۳۴۵) دروازۂ سلطان محمود غوری غاری (۳۵۳) شہر تغلق آباد (۳۶۲)
قلعۂ تغلق آباد (۳۶۴) مقبرۂ غیاث الدین تغلق شاہ برج مقبرہ — برج کا اندرونی حصہ
(۳۶۸) مقبرے کا پل (۳۷۷) ستونوں کے سطح (۳۸۰) ہاف ٹون فوٹو اورنگ زیب کا فرمان
شور الپور (۳۸۷) ہاف ٹون فوٹو فرمان علی عادل شاہ ثانی (۳۸۸) شہزادہ ویلز (۴۸۳) فقط

غلط نامہ

کاتب بالعموم جیسے کم سواد ہوتے ہیں محتاج بیان نہیں ان میں بھی جو جتنے زیادہ خوش قلم اتنے ہی زیادہ بد رقم — کاتب کتابت کی دھن میں عبارت کی طرف توجہ نہیں کرتا — پروف

کی غلطیاں سنگ ساز کے سر ماری جاتی ہیں لیکن بنا بنو چھٹی پائی - بہرحال اسباب کچھ بھی ہوں غلطیاں بہت رہ جاتی ہیں - لوگ ان مشکلات پر تو نظر کرتے نہیں کتاب کو دھبہ ضرور لگا جاتا ہے اگر غلط نامہ غور سے بنایا جائے تو ناظرین اکتا جائیں - چھوٹی چھوٹی غلطیاں نون غنہ میں نقطہ دینے ایک آدھ نقطہ یا کہیں کہیں شوشہ یا مرکز چیٹ کر جانے کی نظرانداز کی گئی ہیں کہ سیاق عبارت اور طرز کتابت دونوں رہنمائی کرتے ہیں باقی رہیں بڑی بڑی غلطیاں جن سے نفس کتاب کے مضمون پر اثر پڑتا ہے اُن کو کسی طرح دیدہ و دانستہ چھوڑا نہیں جا سکتا ہاں یہ ہی نظر اُن پر نہ پڑے تو دوسری بات ہے - متوقع ہوں کہ ناظرین باتمکین اگر اس کتاب کو اُس طرح ملاحظہ فرماتے ہیں جس طرح کہ ایک تاریخ کی کتاب کو نظر غائر سے دیکھنا چاہیئے تب تو ضرور ہے کہ کتاب شروع کرنے سے پہلے ان غلطیوں کو درست فرمالیں اور اگر محض قصہ کہانی سمجھ کر سرسری نظر مدنظر ہے تو یہ غلطیاں تو درکنار اتنی ہی اور ہوں تو بھی - این ہم بر سر علم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳	۱۵	ذوق	ذوق	۱۶	۲	جائیں لے	جائیں گے
〃	۱۹	حجر رکھے	حجار رکھے	۲۳	۶	مطرہ	سطرہ
۴	آخر	بیچ	پینچ	〃	۱۶	سحد	مسجد
۶	۷	رغیت	رغبت	〃	۲۱	دوائرالطل	دوائرالظل
〃	۸	کتسش	کشش	۲۴	۱	سمرت سینتر	سمرت منتر
۱۱	۱۲	قطع	قطعے	۲۶	۶	گے	گئے
〃	〃	اسی	اتنی	۳۰	۲۱	لشانات	نشانات
〃	۱۵	صیغہ	صیغہ)	۳۳	۶	ٹھوا	کھوا
〃	۱۹	تھیٹر	تھیئٹر	۳۸	۴	او	اور
۱۳	۴	جوتیر	جیوتیر	۴۰	۴	صرح	صرح
〃	۸	چیقلس	چیقلش	〃	۱۱	کیے	کیئے
۱۴	۱۷	فزیالوجی	فزییالوجی	۴۲	۶	برسیں	برسیں،،
۱۵	〃	حالبات	طالبات	〃	۱۲	اوچی	اونچی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۲	۱۴	نقشں	نقش	۹۰	۸	بوایا	بوایا—۱۳
،	۱۹	زبینے	زینے	۹۳	۵	علمہ	علمیہ
۴۶	۵	ہیں	ہی	،	۱۱	چڑھا	پڑھا
،	۱۱	بیچ محراب	بیچ کی محراب	۹۴	۶	قبرس	قبریں
۴۸	۲	حیرپور	خیرپور	،	،	علاقہ	تعلقہ
،	۸	جیندیا	چندیا	۹۷	۳	نصیرالدین	نصیرالدین
۴۹	۲۲	دیپالپ	دیپالپور	،	۱۸	کھنڈری	کھنڈرہی
۵۲	۱۱	پڑھ	پڑھ کر	،	آخر	گئیں	گئیں
۵۸	۱۰	گنند	گنبد	۹۸	۸	دسے	ویسے
،	۸	گنبدیاں	گمزیاں	،	۱۶	سے	سا
۵۹	۱۱	پلو بیچے	پلو بیچے	،	۲۱	سجد	آبادی
۶۳	۱۴	ربالیین	زبالیین	۹۹	۱۶	سنہ ۹ھ	سنہ ۹۹ھ
،	۱۵	انا	اتنا	،	۲۰	طرب	طرف
۶۵	۱۷	دیواریں	دیواریں	۱۰۰	۲۳	۱۰ سے	تا سے
۶۹	۱۲	کی بنا	کی بھی بنا	۱۰۳	۱۴	محجرابیں	محرابیں
۷۳	۱۰	دوائی	دوائی	،	۱۸	ہوتا	ہوتا تھا
۷۴	۱۶	مرزانجف	مرزانجف خاں	۱۰۴	۱۰	لے	سنے
،	۲۲	کاخاتمہ	کا بھی خاتمہ	،	۱۳	فیروزشاہی	فیروزشاہی سے
۷۹	۱۳	ان	آں	،	۱۴	سنہ ۷۸۹ھ ۱۳۸۰ع	سنہ ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ع
۸۱	۶	سنہ ۱۲۲۱-۲۲ع	سنہ ۱۳۲۱-۲۳ع	۱۰۷	۸	سنہ ۲۱۰	سنہ ۸۱۳ھ ۱۴۱۰ع
،	۱۴	کرڈالا	کرواڈالا	۱۰۸	۱۴	کوکول	کونوں
۸۵	۲۳	کھلی	کھلکی	،	۲۳	دوبرجی	دہ برجی
۸۸	۱۰	ولقد	و لقد	۱۱۰	۱۷	شیخ صا	شیخ صلا
۸۹	۱۹	سنقوش ہیں	منقوش ہیں	۱۱۱	،	نفیس صعرت	نفیس طغرے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۱۷	۶	دو	دیا تھا مگر بلا	۱۵۵	۱۴	لاپروائی	بےپروائی
نقشہ مقابل ۱۱۶	نقشہ	کمنگر خاں	کنگر خاں	۱۵۷	۱۴	با	بابا
۱۱۸	۱۴	بوده	بودا	۱۵۸	۲	اوبان	اوباں
۱۲۰	۳	چیرہ	چہرہ	〃	۱۰ و ۱۱	سپہد	سپہبد
۱۲۱	۴	کھنڈروں	کھنڈروں	〃	۱۱	دو	دو دو
〃	۲۲ و ۲۳	پیچ	پیچ	〃	۱۳	فرود	فرو
۱۲۲	۴	باقی	باقی	〃	۱۵	دار	دار
۱۲۳	۱۵	گزد	گرد	۱۶۱	۳	الصغراء	الصحراء
۱۲۴	۱۸	سپاٹ ہو کر	سپاٹ ہو	〃	۲۴	مانند	مانند
〃	۱۳	پر	پاٹ	۱۶۳	۳	(دوکان)	(دکان)
۱۲۵	۹	بنایا	بنایا	〃	۴	سنگپست	سنگیست
۱۲۸	۵	فیق	رفیق	〃	〃	دور	درو
۱۳۴	۷	ظاہر	ظاہر ہو	〃	۱۷	انشرا	اشر
۱۳۵	۲۰	۸	۱۸	〃	۱۹	زیازت	زیارت
〃	〃	کو	سکا	۱۶۴	۱	غازی	غاری
۱۴۲	۲	کہوں	کیوں	〃	۲	پاسہ	باسہ
۱۴۳	۸	وقت	وقت بائیں طرف	〃	۵	نبض	بتص
۱۴۷	۲	دودو	دو	۱۶۶	۲۰	لستہ	بستہ
۱۴۸	۷	یسقوں	یعفوں	۱۶۷	۱۴	أرسی	؟سی
〃	۲	اوبچی	اوبچی	۱۷۰	۲	زره	ذره
〃	آخر	اور	او	〃	۱۲	حالت	حالت میں
۱۵۱	۲۲	عدلت	عدالت	〃	۱۶	بار	بارہ
۱۵۲	۱۰	کچھ قبریں	ایک قبر	〃	۱۹	سگین	سنگین
۱۵۳	۱۵	جنگ	پتنگ	۱۷۲	۱۸	ماکیوں	پاکھوں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۷۳	۵	جو	×	۱۸۴	۱۸	سلصانہ	سلطانہ
۱۷۵	۱۸	دسئے	دیسئے	۱۸۵	۲	حسروان	خسروان
〃	۲۰	برھائی	بڑھائی	〃	۳	الغدال	العدال
〃	۲۱	سبجد	مسجد	۱۸۶	۱۴	سیرھی	سیڑھی
۱۷۶	۱۲	وروزے	دروازے	〃	۱۶	وہیں	وہاں
〃	۲۳	چوکوں	چوکون	۱۹۰	۱۷	الغالم	العالم
۱۸۰	۲	پہ	یہ	۱۹۱	آخر	المعبد	المعید
۱۸۲	۱۷	اعلی	علی	۱۹۲	۱۲	فی	تا
〃	۲۰	محمدی	محمد عاقو [illegible]	۱۹۴	۱۴	العمارۃ	العمارۃ الملک
〃	۲۱	مسجد	مساجد	۱۹۵	۱۴	۱۳۳۸۳	۱۳۸۲
〃	۲۳	رافع	رفع فی	۱۹۶	۴	پرجی	برجی
۱۸۳	۴	محمد شا	محمد شاہ السلطان	۱۹۰	۵	چگردار	چکردار
〃	۸	الخلافۃ	الخلافۃ	〃	۹	اور	×
〃	۱۰	بتوفیق	بتوفیق ایزد	۱۹۹	۱۲	بادشا	بادشاہ
〃	۱۳	اللھل	اللہ	۲۰۰	۱۷	اکر	اگر
〃	۱۵	معابر	منابر	۲۰۱	۱	بانی	بانی سے
〃	۱۹	فلاع	قلاع	۲۰۳	۹	لیا	کیا
〃	〃	فحرہ	فجرہ	۲۰۵	۴-۳	پچوکوں	چوکون
〃	۲۰	بجلاول	بجلال	〃	۲۳	چ	ان
۱۸۴	۴	مشہور	مشہور [illegible]	۲۰۷	۸	تصتیں	چھتیں
〃	۵	علاء	علاو	۲۰۸	آخر	پیچھے	آگے
〃	۶	بصدف	بصدق	۲۰۹	۵	ہٹا	ہٹا
〃	۱۱	بہ	×	〃	۱۶-۱۷	کے لحاظ سے چوکسی	×
〃	۱۲و۱۳	و	×	〃	۱۷	معمولی	کے لحاظ سے آخر چوکسی معمولی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲۱۰	۷	تھیرو	ٹھیرو	۲۴۵	۹	سٹھیرے	سٹھیرول
۲۱۴	۲۳	ناکمہ	باکلمہ	۔۔	۱۰	محمد قلی خاں	؎
۲۱۶	۱۰	لو	لؤ	۲۴۶	۹	سیفدر	صفدر
۲۱۶	۴	سخشتش	سخمتش	۲۴۸	۸	پہراں	پڑاں
۲۳۰	۲	لسا	گلا	۲۵۳	۱۳	ڈنگا	ڈنکا
۲۳۱	۳۳	شے	شئے	۲۵۴	۳	بکھر	بکھیر
۲۲۵	۱۸	سنہ۱۳ کمہ	سنہ۱۳ھ مہ	۲۵۵	۹	گروے	گیروے
۔۔	۲۲	کال	کال ،،	۲۵۶	آخر	سنہ۱۳ھ	سنہ۱۵۱۳ھ میں
۔۔	آخر	سالیوہیں	سالیواہن	۲۵۸	۱	دورا	دورہ
۲۲۶	آخر	+	؎ دیکھو صفحہ آیندہ ۔ ۱۲	۔۔	۴	بالالتزام	بالالتزام
۲۲۸	۔۔	کولی	کوئی	۔۔	۱۰	دیلی	دہلی
۲۲۹	۳	جو مالک	جو	۔۔	۔۔	شاہل	شامل
۲۳۱	۱۹	سمت ۱۸۳۵	سمت ۱۸۱۳	۲۵۹	۱۲	کے	سے
۔۔	۲۰	کا ہے	کا ہے جو حساب سے ۹۹ برس [illegible] وقت ہوتا ہے	۲۶۰	۲۱	کے	کا
۲۳۱	۱۲	بشعض	بشخص	۔۔	۳۴	یہ عبارت رہ گئی ہے :-	
۲۳۲	۲۰	ساتھ تھے	ساتھ بجے تھے			ایک واقعہ شیر شاہ بادشاہ	(سنہ ۹۴۷ھ مطابق ۱۵۴۰ء)
۲۳۳	۱۳	دور	دوڑ	غیر مکار کو اس	طرف آیا اور زیارت		مزار مبارک سے
۔۔	۱۴	۳۰	۳۰	مشرف ہوا دیکھا کہ آپ کے مزار			مبارک میں کچھ
۲۳۵	۲۳	الرسل	الرسل تا آخر کوٹ	تکلف نہیں ہے چاہا کہ مزار شریف کے گرد ایک			
۔۔	۲۴	تکمل	تکمہ	چار دیواری بنوا دے اور ایک حد مقرر کی جائے جہاں			
۲۳۶	۹	قلیلاً	قیلاً	سے لوگ جوتیاں اتار کر حاضر ہوا کریں اس خیال سے اس نے			
۲۴۱	۲	سنہ۹۶۵ھ	سنہ۹۶۹ھ	چاروں طرف تیر پھینکے اور جہاں جہاں تیر گرے وہاں			
۲۴۴	۲۲	داش	واش	ایک ایک دروازہ بنا کر چار دیواری کھڑی کرا دی جو بہت			
۲۴۵	۹	عمر خاں	عمر خاں اور محمد قلی خاں	وسیع تھی جس کا نشان اب بھی ایک آدھ طرف ٹوٹا پھوٹا			

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
باقی ہر بلاد اس کے دوسرے بادشاہوں نے اپنے اپنے				۲۸۵	۱۶	آنم	آئم
عہد میں چار دیواری کو مختصر کرا کے موجودہ دروازے بنوا دیئے				۲۸۶	۴	غسالم	عالم
۲۶۱	۱۲	رورشن	روشن	۔۔	۶	تخت	شکستہ
۔۔	۲۳	ببازی	ببازی بازی	۲۸۸	۴	سنہ ۹۴۴ھ	سنہ ۹۴۳ھ
۲۶۵	۱۰	دویں	دریں	۔۔	۲۰	اپ	لوگ اب
۲۶۶	۱۴	پچبوترا	چبوترا	۲۹۰	۶	طرح	طرح سے
۔۔	۱۷	عتل	عقل	۲۹۱	۹	دیکھا	دیکھ
۲۶۹	۲۴	رقت	رخت	۲۹۳	۵	سنہ ۱۲۴۶ھ	سنہ ۱۲۳۰ھ
۲۷۰	۳	سکے	کی	۲۹۴	حاشیہ	حضرتہ	حضرتک
۔۔	۹	از سعی کمترین غلامان	از سعی کمترین غلامان	۲۹۵	۲۱	۹	۴
۲۷۲	آخر	گوارا کیا	گوارا نہ کیا	۲۹۶	۹	جنت	جنت کی
۲۷۳	۷	بمراد	بمرا	۲۹۵	۱۵	نہر	لہر
۔۔	۱۰	اور	او	۲۹۹	۱۹	پیچھ پچھ	پچھ پچھ
۔۔	۱۶	مقبری	مقبری	۳۰۱	۶	اوکھ	روکھ
۲۷۴	۱۸	باولی اوراور	باولی اور	۳۰۲	۳	آپ	اب
۲۷۷	۳	بہادر شاہ	شاہ عالم بہادر شاہ	۳۰۳	۲۴	کہرا	آگہرا
۲۷۸	۱۰	خبز	جز	۔۔	۔۔	گروانہ	گروڑ رز
۲۸۰	۱۳	ذکریا	زکریا	۳۰۴	۱۹	دہلی	دلی
۲۸۳	۱	کشتی	گشتی	۔۔	۔۔	بنادرکے	بنادر کے لیے
۔۔	۲	حدیتش	حدیثش	۔۔	۲۳	دلی میں	آپکی اولاد دلی میں
۲۸۴	۱۳	شوربست اور	شوربیست و چہار	۳۰۵	۱۰	مدرسے	مدرسہ
۔۔	۱۴	کن	مکن	۳۰۶	۱۱	تجربیہ	غریبیہ
۲۸۵	۵	مولینا	مولینا	۔۔	۱۶	گفت	گرفت
۔۔	۱۲	قوال	قوّال	۳۰۰	۲۳	دآب	آب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۰۷	۲۶	رودیبسے نو شدہ	رو و بست نو شدہ	۳۲۳	۲۲	شتمس	شمس
۳۰۸	۱	آوار	آواز	۳۲۴	۲	مں	میں
۳۰۵	۵	جھرسٹے	جھرستے	〃	۵	کہاں	گماں
〃	۱۳	سی	ہی	۳۲۵	۱۴	احاسے	احاطے
〃	۱۷	باع	باغ	〃	۲۰	قلعے	قلعہ
۳۱۰	۳	سیڑھیاں	سیڑھیاں	〃	۲۱	گے	کے
〃	۱۵	مہتی	ہنتی	〃	۲۲	الرچہ	اگرچہ
۳۱۱	۲	خطیرہ	حظیرہ	۳۲۶	۳	میں قتل	میں ہیں قتل
〃	۲۱	اِبدال	ابدال	〃	۱۲	بغایا	بنایا
۳۱۳	۱۷	وغیرہ آل	وغیرہ آل	۳۲۸	۷	ہیں	میں
۳۱۵	۳	لرایک	کرایک	〃	۸	خاص	خاص میں
۳۱۶	۱۴	ہی دور	ہی اور	۳۲۹	۱۵	خور	خود
۳۱۷	۸	حالت میں	×	〃	۲۳	سی	تھی
〃	۲۲	پلتا	پلٹا	۳۳۲	۱۷	شکم	شکم کو
۳۱۸	۱۷	ساتھ	ساتھ ہی	〃	۲۳	تا	×
〃	۲۲	دودو	دو	۳۳۴	۱۶	پچھ	بچھ
۳۲۰	۲	چاسے	دسے	۳۳۹	۱۲	اندپت	اندرپت
〃	۱۰	سے	سے آیا	〃	۲۳	سکتا	سکتے
۳۲۱	۱	پیرائی	پرائی	〃	〃	ضرور	ضرور شہر
〃	۱۳	بناسے	بتاسے	〃	۲۴	ہوگا	ہوں گے
〃	۲۳	سکے	کے	۳۴۰	۱۸	آبا	آباد
۳۲۲	۱۹	بتلاسے تھے	بتلاتے ہیں	۳۴۱	۱	اور	میں
〃	۲۰	درست	درخت	۳۴۴	۴	ذمل	ذیل
۳۲۳	۱	بھی	×	〃	۸	لکھے	لکھتے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۴۳	۱۸	غازی	غاری	۳۹۶	۵	اللیام	اللیالی
۳۵۰	۲	بحبوبة	بحبوحة	”	۶	نناسلوا	تناسلوا
مجازی ۳۵۲	نقشہ	غازی	غاری	”	۱۴	سوبل	سوچل
۳۵۸	۱۴	عزت	حضرت رب العزت	”	۱۸	نافذٌ	نافذاً
”	۱۷	لوک	لوہا	”	۱۹	علی الطریق	علی طریق
۳۵۹	۱	ہرگر	ہرگز	۳۹۷	۸	عوالیم تب	عوالیم تبت
۳۶۰	۹	بر	×	”	۱۱	مجالص	مخلص
۳۶۲	۱۲	یہ	یا	۳۹۸	۲	مزبورا	مزبوررا
۳۶۳	۱۴	پائدار	پائدار رہی	”	آخر	دریصورت	دریں صورت
۳۶۴	آخر	شیر سنڈال	شیر سنڈل	۴۰۱	۱۳	سمہ	سنہ
۳۶۵	۱۱	سما	سماں	”	۲۲	بتصرف	بیتصرف
۳۶۷	۱۳	قلعہ	قلعہ	۴۰۳	۱۳	بابستہ	بائستہ
۳۶۸	۶	طلائی	طلاقی	”	۱۹	مفخر	مفخر
۳۷۵	۲۰	ہرہز	ہرہر	”	۱۲	ہوار	ہوا
۳۷۶	۷	عظما	عظیما	۴۰۵	۱۴	سلطنت کے	سلطنت کے بعد
۳۸۳	۱۳	ا	و	۴۰۶	۳	خط	خط۵
”	۱۴	خوردان	خوددراں	۴۰۷	۱۱	کی تقویر	کے تصور
”	۲۲	بندہ رالسموم	بندر السموم	”	۱۳	افرور	افروز
۳۸۵	۲۱	بدایوان	بدیوان	۴۰۸	۸	ومیغم	ذمیم
۳۸۷	۳	نوازو	نورزو	”	۹	وخم	وخیم
۳۸۹	آخر	ازاد	آزاد	”	”	غمر	غرر
۳۹۰	۴	غالیشان	عالیشان	۴۰۹	۴	مجامع	مجامع
۳۹۵	۱	دوام	دام	”	۱۰	نالق	خالق
”	۱۸	لنیخ	تیغ	۴۱۳	۲۰	اودو	اردو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۱۷	۱۰	کروئی	کرئی	۴۴۰	۱۳	سنے	ء
"	۲۱	سنتے	سنتے کہ	"	۱۵	بجایا	بجاتی
۴۱۹	۳	استقال	انتقال	۴۴۳	۱۰	ولی عہد	ولی عہد کے
"	۱۹	نہ چاہے	چاہے	۴۴۳	۲	مانسٹر ٹیل	مانسٹریل
۴۲۰	۱۷	کوبرک	بکو برگ	"	۱۳	لومبر	نومبر
۴۲۱	۱۴	ایرٹس	ایٹرس	۴۴۴	۱۸	چمانچہ	چنانچہ
"	۲۳	متول	ستول	۴۴۹	۱۴	خفیف	خفیف سی
۴۲۲	۸	واقع	واقعے	۴۵۰	"	بیروشلم	یروشلم
"	۲۰	سنہ ۱۹ء کا	سنہ ۱۹ء میں	"	۲۲	سلطنت	سلطنت مغلیہ
۴۲۳	۱	داباد	اولاد	۴۵۲	۱۱	نربیت	تربیت
"	۸	پیپائرس	پیپائرس	۴۵۳	۱۸	اس	×
"	۱۷	ہوسکے	ہوسکے ہیں	۴۶۱	۲۲	ولابا	ولایا
۴۲۵	۱۲	کرس	کرنیل	۴۶۳	۵	نہ	—
۴۲۶	۱۸	تو۔ تو	تو	"	۷	اپ	آپ
۴۲۷	۱۷	بدولت	×	۴۶۴	۱	شفقت	شفقت
"	۱۸	پروگرام	پروگرام کا	۴۶۵	۱۶	آرچ بشپ	آرچ بشپ
۴۳۱	۷	آسمان	اکثر آسمان	۴۶۶	۱۰	تخم	تخم
"	۱۵	تھا	تھا کہ	۴۶۹	۱۴	کو مستحق	کو اس کے مستحق
۴۳۲	۱۵	بادشاہوں کو	بادشاہوں سے	۴۷۰	۲	چنانچہ	چنانچہ
۴۳۳	۵	شعب	شعبہ	۴۷۱	۳	عائد	عائد
"	۲۱	جو مذاہب	جو دیگر مذاہب	"	۸	خواب	خواب
۴۳۴	۲۳	ہو گیا	ہوگئے	"	۹	اپنی	اپنی
۴۳۶	۲۳	دوسرے	دوسرے دن	"	۲۳	دفعہ	دفعہ
۴۳۸	۱۰	کیا	کیا تھا	۴۷۳	۸	ولادت شب سیانی	ولادت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۷۲	۱۵	آرچ ببسپ	آرچ بشپ				
۴۷۴	۲۴	سہزادوں	شہزادوں	۴۹۹	۱۲	ہمر	ہیں
۴۷۵	۱۱	ستریلیا	آسٹریلیا	״	۲۱	سرزمین	تو سرزمین
۴۷۶	۱۴	احرام مصر	اہرام مصر	۵۰۲	۶	وسے	ویسے
״	۲۰	گو	کو	۵۰۴	״	مطالعہ سے	مطالعہ نے
۴۷۷	۳	کا	گا	۵۰۶	۱۱	انثاعھم	اتباعھم
״	۱۳	شکریہ	شکریہ ادا	۵۰۷	۱۰	انیند	اینفند
۴۷۸	״	و	×	۵۱۰	۱۸	مائیٹرا	مائیرا
۴۸۱	۲۲	رستے	رستے لوگوں سے	۵۱۹	۲۳	سوری	سوارئی
۴۸۵	۴	لمبورن	ملبورن	۵۲۰	۸	و رہی	وتری
״	۲۴	گہ	گا	״	۹	وقل	وخزاق
۴۸۶	۱۱	سا	بنا	״	۱۳	رالبشری	والبشریا
״	آخر	گلڈ ہال	گلڈ ہال	۵۲۸	۱	سقوھم	سبقوھم
۴۸۹	۳	رکھدوی	رکھ دی	״	۶	الاصصاء	الاحصاء
۴۹۰	۳	بڑی	کی بڑی	״	۸	فی ا	فی
۴۹۱	۱	دوسرے	دوسرے دن	״	۹	الجابیھا	لیجانبیھا
״	۵	محنت	محبت	״	۱۶	الجبہ	الجنبہ
۴۹۳	۱۳	کو	×	״	۲۰	بعضھا	بعضھا
۴۹۵	۱۰	ہم	ہم	״	۲۲	تمکنوا	تمکنوا
״	۱۱	ہوگئے	×	۵۲۲	۲	اجلدمَ	اجلد
۴۹۶	۷	کابیوں	کاہوں	״	۷	بشیرالدین صاحب	بشیرالدین احمد
״	۱۳	پنا	اپنا	۵۲۴ ۵۲۶	۳ ۷	۹ بہر ۱۳۳۸	و بہر ۱۳۲۸
۴۹۸	آخر	لطف	لگھل	״	۱۸	انتشار	انتشار
۴۹۹	۷	ضرور	ذراہم	۵۲۷	۱۳	خبس	جس

- غلط نامہ تمام ہوا -

التماس

کس چہ شناسد کہ چہ خوں خوردہ ام / کیں گہر از حقہ برآوردہ ام
ساختہ ام ایں ہمہ لعل و گہر / از خوئے پیشانی و خون جگر
تا نہم از کثرت پنہانیش / گہ بجگر گاہ بہ پیشانیش

جس وقت دلی کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا یہ کام بہت آسان معلوم ہوا کہ سر سید مرحوم کی کتاب لاجواب آثار الصنادید اندھے کی لکڑی تھی اور خیال تھا کہ کچھ تھوڑی بہت کتر بیونت اور اضافہ سے بیڑا پار ہو جائے گا مگر تصورات اور واقعات میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔ میں تاریخ کی کتاب لکھنے کی مشکلات سے واقف تھا کہ اس فن میں میری یہ تیسری تالیف ہے امتداد زمانے کی وجہ سے کچھ تو ان تکالیف کا جو میں جھیل چکا تھا احساس کم ہو گیا تھا اور کچھ شوق تالیف نے بڑھاوے چڑھاوے کر ہمت بندھائی اور سمجھا کہ جب ملازمت کی بیڑی پڑی تھی تب تو باوجود ہجوم مشاغل تو تے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے اور اب کہ پنشن لے کر خانہ نشین ہے اور ہاتھ پہ ہاتھ دھرے خالی بیٹھا ہے تیرا ہیر پھیر کرنا محض خدع نفس اور کم ہمتی ہے۔ غرضکہ ع ۔ ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم دو برس سے اس جھنجھٹ میں پھنسا ہوں کسی دن کی چھٹی نہ لی۔ کوئی تیوہار نہ منایا۔ اپنے سارے مشاغل ترک کر کے رکھ دیئے۔ باہر کا آنا جانا۔ سیر تماشہ ہوا خوری۔ لوگوں سے ملنا جلنا سب ترک۔ دن کا سونا چھوڑ دیا۔ رات کا بھی ایک حصہ اس کے لیئے وقف کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ ہر طرف سے منہ موڑ لیا اور اسی ایک مشغلے میں سارا وقت کھپایا۔ جان لڑا دی مگر اب تک [illegible]

اور دریائے ناپید اکنار کا ساحل مراد نظر نہ آیا۔ پہلے خیال تھا کہ دو حصوں میں کتاب تمام ہو جائے گی۔ اب معلوم ہوا کہ دلی میں اس کثرت سے آثار قدیمہ کا وجود ہے کہ اگر اس کو لاانتہا ہی کہوں تو بجا ہے۔ دوسرا حصہ جس میں عمارات کا ذکر ہے بڑھتے بڑھتے ایک طومار ہو گیا سانپ کے منہ کی چھچھوندر ہو نہ نگلی جائے نہ اگلی جائے نہ کتاب کو چھوڑتے بن پڑتا ہے نہ ختم ہونے ہی کی صورت نظر آتی ہے۔ چونکہ حصۂ دوم کی ضخامت خلاف توقع بہت بڑھ گئی اس سبب اس کے دو ٹکڑے کرنے پڑے اور اس طرح دو حصوں کے ادغام سے یہ تیسرا بچہ پیدا ہوا۔ ناظرین خود ملاحظہ فرمالیں گے کہ آیا اس میں نری آخور کی بھرتی ہے یا یہ کہ کام کی باتیں ہیں ؎

لازم نہیں اپنے منہ سے تعریف انہیں
خالص ہے جو مشک آپ بو دیتا ہے

آثار الصنادید اور دیگر کتب کے مطالعہ سے نہ تو میرے ذہن میں عمارت کا نقشہ کماحقہ جمتا ہے نہ میری تشفی خاطر ہوتی ہے۔ ع۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ یہ بڑی ہٹ دھرمی ہوگی اگر میں یہ کہوں کہ دوسرے لائق مصنفین کی بے بہا تصانیف سے مجھے مدد نہیں ملی۔ میں تو ہانکے پکارے کہتا ہوں کہ میں تو ان کا نام لیوا انہیں کے نقش قدم پر چلنے والا اور نقال محض ہوں۔ اصل وہی ہیں اور نقل میں۔ اپنے شوق کو پورا کرنے اور کتاب کو تا بہ امکان مکمل کرنے کی غرض سے ایک دفعہ نہیں کئی کئی دفعہ مجھے ان ساری عمارتوں کو نظر غور اور تعمق سے دیکھنا پڑا اور جب دیکھا جو کچھ ہوتی جھولی میں بھر لیا۔ بہت سی عمارتیں تو ایسی ہیں جن کا ذکر کسی کتاب میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا مگر زمین پر وہ کھڑی آسمان سے باتیں کر رہی ہیں ان کا ذکر نہ کرنا ایک صریح ظلم کے علاوہ کتاب کے نقص کا بھی باعث ہوگا۔ حجم بڑھنے تو بڑھے۔ وقت زیادہ صرف ہو تو ہو۔ دماغ سوزی کی زحمت ہے تو ہو چشم ما روشن دل ما شاد مگر محنت کی داد ملے کتاب پروان چڑھے۔ کتاب جس قدر چھپ گئی ہے بعض صاحبوں کی رائے ہے کہ اس میں سارے کے سارے ہاف ٹون فوٹو ہونے چاہئیں میں جانتا ہوں کہ جتنا گڑ ڈالو اتنا ہی میٹھا ہوتا ہے میں ہاف ٹون فوٹو تو درکنار ان اقسام عمارتوں کے نقشے ہونے کے پتھر پر چھپوانے کو طیار ہوں مگر مشکل یہ آن پڑی

کہ قیمت کون دے گا اور مول کون لے گا؟ ناچار یہ طریقہ اختیار کیا کہ دلی کے بہترین مصوروں سے نقشے بنوائے جو ہاف ٹون کو نہیں پہنچتے مگر اس کے رنگ ڈھنگ ضرور ہیں اور مقصود اصلی یعنی عمارت کا نقشہ پیش نظر ہونا جو ہے وہ اس سے بھی بہ احسن الوجوہ حاصل ہوتا ہے۔ پھر بھی اس میں چند ہاف ٹون بلاک بھی ہیں۔ کاغذ لکھائی چھپائی - غرض یہ کہ ہر چیز کی گرانی نے میری ہمت پست کر دی ہے خریدار تو اپنی جگہ رہے۔ سه

شد سخن ختم قبو ہے کہ خدایش داوہ است
تا ابد باقی باد او مباوش پایاں

دہلی - دسمبر ۱۹۱۹ء خاکسار بشیر الدین احمد عفی عنہ

قطعہ تاریخ از جناب مولوی حکیم لطیف احمد صاحب رئیس قصبۂ تھلی ضلع سارن صوبہ بہار

کیوں چھپائیں ہم جو سچی بات ہے
حق کے کہنے میں نہ کچھ ڈر ہے نہ بھو

واقعی گایا ہوا یہ گیت ہے
لیکن اس کی اور دُھن ہو اور لے

ہیں بہت اہل قلم فرسا نیاں
پہ یہ کچھ ہے اور شے وہ اور شے

تصفیہ کریں گے خود اہل تمیز
کیا نئی صافی ہے کیا ہے ڈلا مے

ایک ہی گھر کے ہیں گو یہ واقعات
لکھتے آئے لوگ جس کو پے بہ پے

تاہم اتنا تو کہیں گے ہم ضرور
وہ بھی زیر لب نہیں باوقت و فے

کامیاب اس میں اگر پورے ہوئے
تو بشیر دہلوی فرخندہ پے

ایک بھاری مرحلہ چھپنے کا تھا
کر دیا بارے خدا نے وہ بھی طے

کیا ہے لکھنا ان کا کیا حسن بیاں
آفریں صد آفریں بر ذات وے

ہے بہت کچھ اور لکھنے کو ابھی
ہو رہے کیسے اُن کو ابھی تا دیر حے

حد بھی کچھ ہے فکر سال طبع کی
رہیں گے یوں سر بزانو تا بہ کے

آئیے ہم آپ کہہ دیں لطیف
"یہ جہان آباد کی تاریخ ہے"

سلہ پہلا حی خدا کا نام ہے اور دوسرے کے معنی زندہ۔ لفظ حی بفتح اول و تشدید ثانی لفظ عربی ہے مگر فارسی میں بغیر تشدید جائز و مستعمل ہے - مے اور پے کا قافیہ حی بظاہر نادرست معلوم ہوتا ہے مگر ذیل کے دو شعر جن میں پہلا بدر الدین جاجرمی کا اور دوسرا شیخ سعدی (رحمۃ اللہ علیہما) کا ہے جواز کی معتبر سند ہے۔

(۱) هر دو صد سال اگر احمد حی گشته
این بجز حق دیگرے کو می کند

(۲) چه کم گردد او صد رفرخنده پی
نه قدر رفیعت به درگاه حی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب دلی سے قطب تک

آب ہم پہاڑ گنج کے کنارے سے قطب روڈ کے شارع عام پہ چلے جا رہے ہیں۔

کوئلے کی منڈی پہلے داہنے ہاتھ کو ایک بڑا وسیع احاطہ ملتا ہے جس کا مشرق رویہ ایک بڑا پھاٹک چوبی پٹوں کا سڑک سے ملا ہوا ہے یہ کوئلوں کی منڈی کہلاتی ہے۔ اس میں پہلے کوئلے پکا کرتے تھے اب تو نیچ لوگ کھپریل اور جھونپڑیاں ڈال کر رہتے ہیں اور ایک کٹڑے کی شکل اختیار کر لی ہے۔ دلی شہر کی نفاست سے پہلو بہ پہلو یہاں کی غلاظت بھی ملاحظہ طلب ہے۔

رنگریزوں کی مسجد کوئلوں کی منڈی کے مقابل یہ ایک پختہ تین گنبدوں اور تین دروں کی قدیم مسجد ہے جو رنگریزوں کی مسجد کہلاتی ہے۔ بیچ کا برج بڑا ہے ادھر ادھر کے چھوٹے کلس سب کے ٹوٹ گئے کیوں کہ مسجد شاہی زمانے کی بنی ہوئی ہے۔ طول وعرض ۲ گز × ۱۴ فٹ ہے۔ سامنے کا چبوترا ۲ گز × ۵ فٹ ۱ انچ–۳ فٹ بلند ہے جس پر چونے کے بچھے ہوئے ہیں بیچ کا در ۷ فٹ اونچا اور ۴ فٹ چوڑا ہے۔ چبوترے کے کنارے ایک نیم کا پرانا درخت ہے اور صحن کے سامنے ایک کنواں بھی ہے اور یہیں چند قبریں ہیں جن میں سے ایک پہ کتبہ ہے:—

(۱) بسم اللہ۔ کلمہ۔

فکر تاریخ فوت دختر بود ناگہاں گفت ہاتف ای مغموم

دہ و دو کم کن و بگو تاریخ مرقد نعمت النساء مرحوم

نعمت النساء خانم بتاریخ ۱۰ ماہ شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ ہجری مطابق ۱۹ اگست ۱۹۱۰ء یوم شنبہ از جہان فانی رحلت نمود

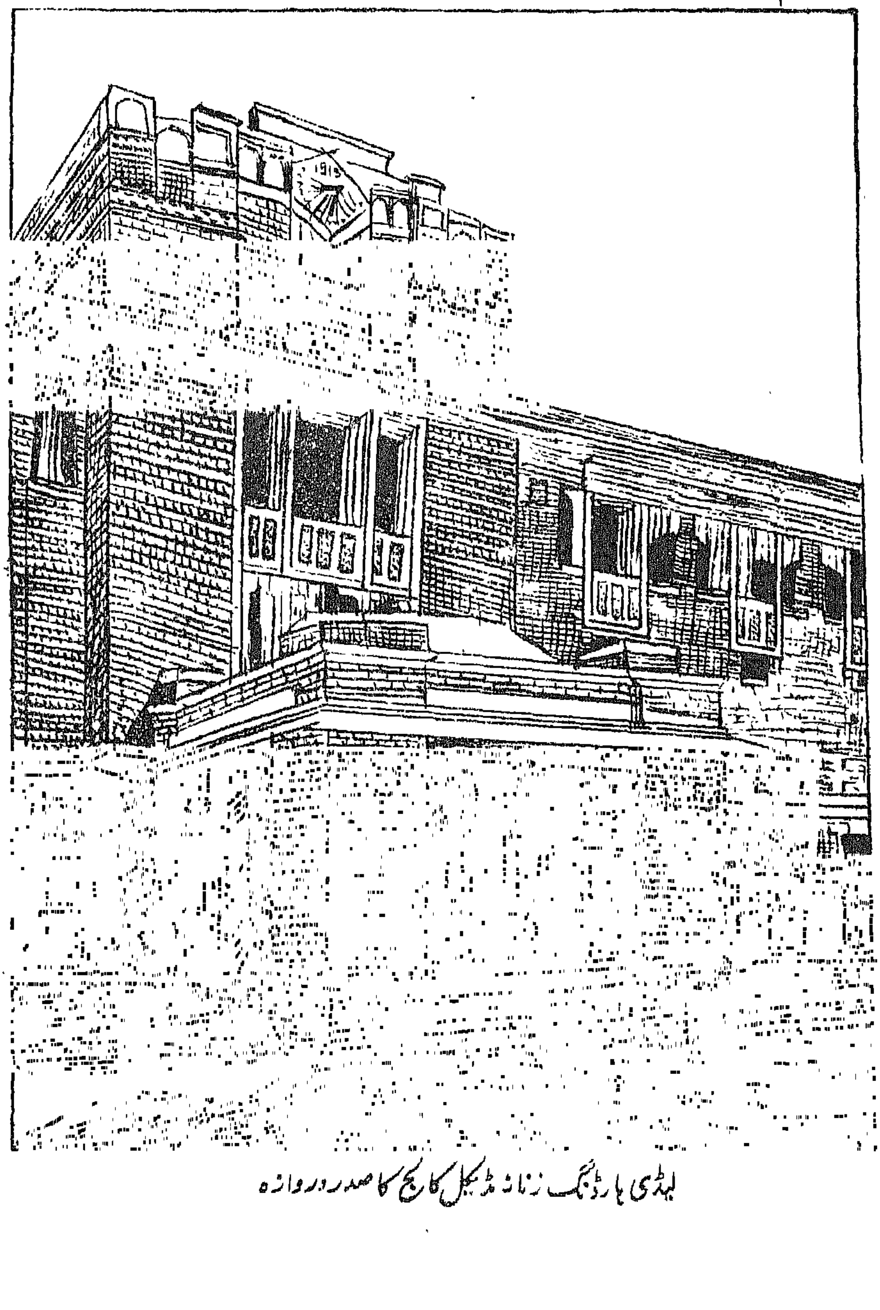
(۲) داہنی طرف مسجد کے چبوترے سے ملی ہوئی۔ ھو الباقی۔ کلمہ

گیا دنیا سے جب حاجی خدا بخش سکت سا تھا شور و شیون

لکھا سنہ ہاتف نے زیر مزار بنا خلد بریں میرا سکا مسکن

(۳) اسی مسجد کے تکیہ میں قبرستان بھی ہے۔ کلمہ اور کل من علیہا فان۔

رفیق النساء بعمر پنج سال و دو ماہ بست یوم ۲۱ ماہ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ روز یکشنبہ وفات یافت



لیڈی ہارڈنگ زنانہ میڈیکل کالج کا صدر دروازہ

دہم مسجد سے پچھواڑے سڑک کے کنارے - کلمہ -

ہوا جب شور ماتم مرگِ مرزا ہر اک فرد بشر تھا یاس غمناک
لکھا یوں سال میں نے از سرِ آہ گیا دنیا سے عوض بیگ پیراک

چونے والوں کا گنبد سڑک سے ہٹا ہوا داہنی طرف ایک بہت بڑا گنبد ہے جس پر پہلے نمبر پڑا ہوا ہے - یہ گنبد ۲۸ فٹ مربع ہے کلس ٹوٹ گیا چاروں طرف دروازے تھے - جنوبی رخ کا دروازہ مع اس طرف کے حصے کے بیٹھ گیا باقی تین طرف کے دروازے بھی دھنس گئے ہیں کہتے ہیں کہ اندر دو قبریں سیدوں کی ہیں جو بھرتی ڈال دینے سے دب گئی ہیں - اب اس میں فرش بھی نہیں رہا - مٹی پتھر اور گوبر کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں پاس چونے کی بھٹیاں ہیں چونے والوں کا قبضہ اس پر ایسا ہی قبضہ ہے جیسے کہ خانۂ خالی را دیو می گیرد -

نئی بنی ہوئی مسجد سڑک کی داہنی طرف - یہ مسجد بہت چھوٹی سی ہے - چونکہ حاجی عبدالغنی صاحب نے از سرِ نو تعمیر کرائی ہے لہٰذا پہلے کیا حیثیت تھی معلوم نہیں ہو سکتا - طول و عرض ۲۰×۹½ ہے - چبوترا ۲۲×۸ - چھت - سپاٹ چھت - داہنی طرف ایک حجرہ - کنواں غسل خانہ اور بیچ کی محراب کے ادھر ادھر دو مینار نما برجیاں -

شیرا مل کی باغیچی بڑا عالی شان دروازہ اور کمپونڈ سڑک سے ملا ہوا بائیں طرف -

رائے بابو رام کا باغ عالی شان دروازہ اور وسیع کمپونڈ سڑک کی داہنی طرف -

لیڈی ہارڈنگ کا طبیہ کالج سنہ ۱۹۱۳ء لیڈی ہارڈنگ کے میڈیکل کالج[۱] کا بہت مختصر ذکر ہم پہاڑ گنج کے ضمن میں کر آئے ہیں اب ڈاکٹر کیٹ اے - پلیٹ ایم - ڈی (لندن)، ڈبلیو - ایم - ایس پرنسپل نے اپنی بڑی مہربانی سے کالج کی سالانہ رپورٹ بابتہ سنہ ۱۹۱۸ء ۲۸۹

---

[۱] پورا نام اس کا "لیڈی ہارڈنگ کا میڈیکل (دہلی)، کالج وہسپتال مستورات اور اطفال کے لیے" ہے۔
"Lady Hardinge Medical College and Hospital for Women and Children"

صفحہ کی باتصویر بھیج دی ہے جو بہت دلچسپ ہے اور اس میں اس کالج کی بنا کی غرض غایت وحالت بالتفصیل لکھی ہے اور کالج کا ایک رخ قطب روڈ کی طرف بھی ہے لہذا یہ بیان بطور ضمیمہ لکھا جاتا ہے۔

گورننگ باڈی کی رپورٹ

مورخہ ۲۱ مئی سنہ ۱۹۱۹ء

سب سے اول اس کالج کے گورننگ باڈی یعنی منتظمین ایچ۔ ڈی کریک صاحب بہادر آئی۔ سی۔ ایس اور لفٹننٹ کرنل ایچ اسٹن سمتھ سی۔ آئی۔ ای۔ آئی۔ ایم۔ اس جائنٹ سکرٹریوں کی تمہید کا ملخص پیش کرتا ہوں۔ پرنسپل کی رپورٹ پڑھنے سے سال بہ سال طلبا کی تعداد میں مستقل ترقی پائی جاتی ہے۔ جس میں مختلف ذاتوں اور مذاہب کا شمول ہے اور امتحانوں کی کامیابی آیندہ کی ترقی کی ترغیب و تحریص دیتی ہے۔ کالج کی زندگی کے سال دوم میں کلینیکل کام (تیمارداری) نے ہماری توقعات سے زیادہ ترقی کی ہے اور پنجاب یونیورسٹی کی جانب سے جو ایک خاص کمیٹی کالج کے معائنہ کے لیئے مقرر کی گئی تھی اُس کی سب سے آخری رپورٹ میں لوازمات سازوسامان وآلات۔ عمارات اور تعلیمی سہولتوں کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس کمیٹی کے ایک ممبر ڈاکٹر اگینس سکاٹ نے یہاں کے بیوتات کے انتظام کو بغور دیکھ کر یہ نوٹ دیا ہے کہ یہاں کے طلبا تندرست اور خوش ہیں اور ان کی پرداخت خوب کی جاتی ہے۔ ہندوستان کے زنانہ طبی کالج کا مسئلہ بڑی خوشگوار اُمیدوں کے ساتھ لیڈی ہارڈنگ نے دیپہلے پہل) سنہ ۱۹۱۲ء میں چھیڑا لیکن خصوصاً سنہ ۱۹۱۴ء میں جنگ یورپ کے چھوٹ پڑنے سے بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا نظم ونسق کی کمیٹی نے ہندوستان کے لیئے زنانہ ڈاکٹروں کی سخت ضرورت کا احساس کر کے باوجود سخت مشکلات پیش آنے کے بھی (قدم) آگے بڑھانے کا مصمم ارادہ کر لیا اور ہم جب پنج سالہ گزشتہ کے (حالات) پر نظر کرتے ہیں تو اس میں کچھ بھی مبالغہ نہیں کہ جن مشکلات کو ہم نے پہلے سے تاڑ لیا تھا وہ بجائے کم ہونے کے اور بڑھ گئیں۔ گورنمنٹ پیپر (پرامیسری نوٹوں) کی قیمت کے انحطاط نے ہماری حالت کو بہت گھٹا دیا اور اسی کے ساتھ ساتھ سامان عمارتی کی گرانی اُن اقتضیات کی

تکمیل کو جن پر وہ ملیہ اولی میں کالج اور ہسپتال کا بنانا قرار پایا تھا خارج از امکان کر دیا۔ کام کرنے والی مستورات کی مانگ اور کارہائے جنگ کے لیئے خصوصاً ڈاکٹری جاننے والی عورتوں کی ضرورت نے اعلیٰ درجے کے سٹاف کے بھرتی کرنے میں سال بہ سال زیادہ دقتیں ڈالیں۔ سامان خواہ سائنس کا ہو یا کارہائے ہسپتال کے متعلق روز بروز زیادہ کم یاب ہوتا گیا۔ آخری مگر سب سے زیادہ مصیبت جس پر ہماری کامیابی کا دارومدار تھا وہ لوگوں کی نظروں میں ایسی بڑی ہسپتال کی طرف جو فی الحال ایک غیر آباد مقام میں واقع ہو رغبت دلانا اور اس کی طرف لوگوں کے دلوں کی کشش قائم کرنا تھا۔ ان مشکلات کے علاوہ سارے ہندوستان کے لیئے ایک ہی میڈیکل کالج بنانے اور اس کے چلانے میں یہ دقتیں تھیں کہ ہر صوبے کی یونیورسٹیاں جدا جدا ہیں ہر جگہ کی ابتدائی تعلیم کے مدارج بھی جداگانہ ہیں۔ طالبات کے رہنے سہنے انتظامات خانہ داری کی ضروریات ہی نہ صرف ہندوستان کے ہر حصے میں مختلف ہیں جہاں سے کہ وہ آتی تھیں بلکہ ان کے قومی اور ذات فات کے حالات بھی اسی طرح جدا جدا ہیں۔ لیکن جماعت منتظمین مطمئن ہے کہ بڑی بھاری بھاری مشکلات پر ہم غالب آ گئے ہیں اور کالج اب ایک کارآمد اور ترقی کے وسیع زمانے میں قدم دھر رہا ہے ارکان کمیشن کا یہ خیال بھی ہے کہ جو کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ زیادہ تر کالج کی پہلی پرنسپل ڈاکٹر کیٹ پلیٹ کی مستعدی۔ سرگرمی اور دل بستگی کا نتیجہ ہے۔ کافی تعداد استادوں کی عدم موجودگی میں کام کی سنبھال۔ عمارتوں کی نامکمل حالت۔ سامان آلات وادویات کی فراہمی کی دقتیں و راستہ کی طرف سے ہر وقت کی پریشانی یہ سب باتیں پرنسپل کے سر پر ایک بڑا بھاری بوجھ تھا یہ اور زیادہ گراں اس وجہ سے ہو گیا کہ ڈاکٹر پلیٹ نے کبھی کالج کی خدمت گزاری میں ڈھیل نہ دی ہم اس رپورٹ کو مرحوم سر پارڈی لیوکیس کی کالج کے متعلق گراں بہا خدمات کا ذکر کیئے بغیر ختم نہیں کر سکتے۔ بڑی حد تک یہ آپ ہی کے مشورے اور تجربہ کی وجہ تھی کہ لیڈی ہارڈنگ کا ابتدائی خیال صورت حالیہ میں پختہ ہوا۔ ہندوستان کے لوگوں پر لیڈی ہارڈنگ۔ سر پارڈی لیوکیس اور ڈاکٹر کیٹ پلیٹ کے احسان کا بار گراں ہے جو ان صاحبوں نے ہندوستانی مستورات

کی بہبودی (اور فلاح) کے لیئے کیا ہے۔

کالج کے حالات

یہ کالج ہسپتال نرسوں اور کمپونڈروں کا ٹریننگ سکول حضور ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کے ۱۹۱۱ء میں ہندوستان کی تشریف آوری کی یادگار میں بنایا گیا ہے۔ ۱۹۱۲ء میں لیڈی ہارڈنگ نے عورتوں کے طبی پیشہ میں اس قدر کم داخل ہونے کی وجہ یہ دریافت کی کہ ہندوستان میں ان کا کوئی خاص کالج موجود نہ تھا اس لیئے جناب ممدوحہ نے ایک کالج اور ہسپتال کا پیۂ مستورات طالبات کے لیئے بنانے کی سکیم (تجویز) کی جس کے سٹاف میں بھی تمام عورتیں ہی ہوں کالج میں سو طالبات ہسپتال میں ڈیڑھ سو مریضوں کے بستر اور ٹریننگ سکول میں پچاس نرسوں کی گنجائش رکھنا مد نظر تھا۔ اس کالج کو اس طرز پہ بنانا مقصود تھا کہ طالبات مرضا پردے اور ذات کے دستور کو برقرار رکھ سکیں۔ اس کے بعد لیڈی ہارڈنگ نے والیان ملک سے جن کو آپ (کی ذات مستجمع الصفات) سے ارتباط تھا اپیل (درخواست) کی جنہوں نے فیاضی سے اس (کارِ خیر) میں شرکت کی اور بہت سے وعدے کیئے گئے جن کی تعداد پندرہ لاکھ کے قریب (حسب ذیل) ہو گئی۔

مہاراجہ جے پور - مہاراجہ گوالیار - مہاراجہ پٹیالہ - حضور نظام حیدرآباد - مہاراجہ بڑودہ

تین لاکھ دو لاکھ سوا لاکھ ایک لاکھ ایک لاکھ

مہاراجہ اودے پور - مہاراجہ جودھپور - مہاراجہ کوٹا - مہارانی صاحبہ تھوا - مہاراجہ بہادر بھنگہ -

ایک لاکھ ایک لاکھ ایک لاکھ ایک لاکھ [illegible]

مہاراجہ اندور - بیگم صاحبہ بھوپال - بیوہ مہارانی صاحبہ گوالیار - ان - ایم - واڈیا ٹرسٹ

پچاس ہزار تیس ہزار تیس ہزار پچیس ہزار

بیوہ بیگم آغا خان - دیگر معطیان - مذکورہ بالا چندوں کے سوا مہاراجہ جموں وکشمیر نے (پچیس ہزار) سے تین ہزار (ایک لاکھ) روپیہ سالانہ مقرر کیا اور گورنمنٹ کی طرف سے خرچ کے لیئے سالانہ ایک لاکھ کا عطیہ (مرحمت) ہوا۔ کاؤنٹس آف ڈفرن فنڈ نے پانچ طبی پروفیسروں کی ماہوار کا خرچ اپنے ذمے لیا۔ فنڈ مذکور کی طرف سے اٹھارہ وظائف پچیس روپیہ ماہانہ کے جن میں سے تین چھ

سال کے لیئے تھے۔ وسیئے جن کی مقدار اب تیس روپیہ کر دی گئی ہے یعنی بالا
گویا بیس ہزار روپیہ سالانہ کے معادل ہے۔ رای بہادر نارائن سنگھ نے سکھ ہوسٹل
کی طرف سے سترہ ہزار روپیہ اور ایک پیانو طالبات کا من روم (کمرہ عام) کے
لیئے دیا۔ مہارانی صاحبہ اور راجی صاحبہ بھرت پور نے ساڑھے سات ہزار روپیہ
کالج کے داخلی ہال میں سنگ مرمر کے فرش کے لیئے بیادگار آن مخلصانہ تعلقات کے جو ان
دونوں رانیوں کو لیڈی ہارڈنگ کی ذات) سے تھے۔ دیئے کالج کی بنا کے بعد سے
حسب ذیل اور چندے وصول ہوئے ہیں:-

سر سرپ چند و حکم چند اندور۔ حضور پرنور اعلیٰ حضرت نظام حیدر آباد۔ گیکوار آف بڑودہ
چار لاکھ ایک لاکھ باسٹھ ہزار

مہاراجہ گوالیار۔ مہاراجہ پٹیالہ۔ بیگم صاحبہ بھوپال۔ مہاراجہ صاحب بیکانیر مہاراجہ صاحب الور
پچاس ہزار پچیس ہزار بیس ہزار بارہ ہزار دس ہزار

ہز ہائنس خان قلات۔ مہاراؤ آف کوٹہ۔ راجہ کشوری پرشاد۔ لارڈ ہارڈنگ کا پہلا عطیہ
دس ہزار دس ہزار دس ہزار پانسو

لارڈ ہارڈنگ کا دوسرا عطیہ۔ میور بھنج سٹیٹ۔ مہارانی ڈونگر پور۔ مالامنڈی سٹیٹ۔
دس ہزار پانچ ہزار پانچ ہزار تین ہزار

مہارانی صاحبہ پنّا۔ مہارانی صاحبہ ڈمراؤں۔ راجہ کلانند سنگھ اور راجہ کرتیانند سنگھ بنیلی بھاگلپور
دو ہزار دو ہزار دو ہزار

مسز آنی شور۔ سر جان اور لیڈی رمزی۔ رانی صاحبہ کنیکا۔ مہارانی صاحبہ سدن پور۔
پندرہ سو ایک ہزار ایک ہزار ایک ہزار

مہارانی صاحبہ ٹہری ڈڈلیہ) لالہ گوپی ناتھ دہلی ہز ایکسلنسی لارڈ چیمسفورڈ۔ بابو رگھوناتھ پرشاد رئیس آرہ
دس ہزار سات صد سو پانسو

خان بہادر قاضی فرزند احمد گیا۔ سر وی چرال۔ بی بی خدیجۃ الکبریٰ کداری گیا۔
اٹھ صد پانصد سوا سو

مسٹر نیارون پراور دہلی۔ مسز شادی رام گوکل چند۔ انسپکٹر جناب محمد امیر خاں ہزارہ پولیس۔
سو روپیہ سو روپیہ پچاس روپیہ

صوبہ بمبئی۔ عام چندہ۔ گورنمنٹ لیفٹیننٹ آف بمبئی مسٹر ہرجی وکیل از ٹرسٹ فنڈ۔
ڈیڑھ لاکھ ایک لاکھ ساٹھ ہزار باسٹھ ہزار

پنجاب لیڈی ہارڈنگ میموریل فنڈ ۔ بہار و اڑیسہ ہارڈنگ میموریل فنڈ ۔ صوبہ سرحدی شمال مغرب

ایک لاکھ تیس ہزار باون ہزار

بلوچستان ۔ گورنمنٹ آف انڈیا کا سالانہ عطیہ جو حسب ذیل سالانہ بڑھتا رہا:-

ساڑھے چار ہزار سنہ ۱۹۱۷-۱۸ء ۔ سنہ ۱۹۱۸-۱۹ء ۔ سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء ۔ سنین مابعد ۔

سوا لاکھ ڈیڑھ لاکھ پونے دو لاکھ دو لاکھ

سالانہ چندے ۔ فرید کوٹ دربار ۔ نواب صاحب مالیر کوٹلہ ۔

پندرہ سو بارہ سو

کالج اور ہسپتال کی عمارت کے لیئے جو مقام[1] خاص طور پر منتخب کیا گیا وہ پرانی اور نئی دلی کے شہروں کے بیچ میں آیندہ بننے والے ریلوے سٹیشن کے پاس ہے جس سے شفاخانے میں آنے جانے کی بڑی آسانی ہو جائے گی ۔

کالج کا نقشہ اور تعمیر کا کام مسٹر بیگ ماہر فن تعمیر کی زیر نگرانی بڑی مستعدی سے ہوتا رہا ۔ اُن کی اور مسٹر گلن اگزیکٹیو انجنیر اور سردار نارائن سنگھ کی بہدردانہ محنتوں کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ کالج اس قابل ہو گیا کہ فروری سنہ ۱۹۱۶ء میں لارڈ ہارڈنگ نے کالج اور ہر اکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ نے سنہ ۱۹۱۷ء میں ہسپتال کا افتتاح فرمایا ۔

کالج اور ہسپتال کی عمارتیں مع طبی طالبات کے ہوسٹل اور مکانات سکونتی تعلیمی اور طبی سٹاف کے سب ایک بڑے احاطے میں ہیں جو تقریباً ساٹھ ایکڑ کا ہے کالج کی عمارت میں ایک بڑے بلاک میں ایک بڑا لکچر تھیٹر یا کانووکیشن ہال کتبخانہ عجائب خانہ ۔ دفاتر کے مکان ۔ طالبات اور پروفیسروں کے کامن روم (کمرے) ہیں ۔ اس بلاک کے ہر دو جانب بائی آلوجی (علم موجودات زندہ) کمسٹری (کیمیا) فزکس (علم طبعی) فزی آلوجی (حیوانات و نباتات کی زیست کی حقیقت کا علم) اینا ٹمی (تشریح) پے تھالوجی (تشخیص امراض) کے ساز و سامان سے بخوبی آراستہ لیبارٹیریز (علم کیمیا کے امتحان کے کمرے) ہیں ۔ کالج کی عمارت کے پیچھے سو طالبات

[1] پہاڑ گنج کے متصل اراضی گورنمنٹ نے باغراض سرکاری معاوضہ دے کر لے لی یہ راجہ کا بازار ہے جو سنگھ پورہ بھی کہتے ہیں اور بانس کولی کی آبادی یہ سب مقامات رائےسینا دنئی دلی) میں آ گئے ہیں اور یہ کالج بھی اسی سر زمین پر قطب روڈ پر بنا ہے ۱۲

کے لیئے ہوسٹل (دارالاقامہ) کی عمارتیں ہیں جن میں ہر طالب کے لیئے ایک جداگانہ کمرہ ہے۔ ہندو۔ سکھ۔ اور مسلمانوں کے لیئے علیحدہ علیحدہ ہوسٹل ہیں جن میں ڈائننگ رومز (کھانے کے کمرے) بھی بنائے گئے ہیں لیکن تفریح کا وسیع کمرہ جو ہوسٹل کے چوک کے بیچ میں ہے وہ سب طالبات کے کام آتا ہے لیڈی ہارڈنگ آنجہانی کی یادگار میں ایک فوارہ جسکے بنوا دینے کا وعدہ مسٹر جارج ایلین نے کیا تھا تعمیر کیا گیا ہے۔

اس کا نقشہ مسٹر بیکر کا تجویز کردہ ہے اور یہ فوارہ یورپین ہوسٹل اور کامن روم کے بیچ میں ہے جس سے ہوسٹل کے چوک کی رونق بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔

ہسپتال کی عمارات علیحدہ علیحدہ قطعات میں منقسم ہیں جو اپنی اپنی جگہ ہر طرح مکمل ہیں جن میں دو تو بڑے جنرل وارڈ مع وسیع اور کشادہ برآمدوں کے ہیں۔ دو چھوٹے وارڈ ان کے علاوہ ہیں اور بیچ میں ایک عمارت انتظامی کام اور تعلیم کے لیئے بنائی گئی ہے جس میں ایک لکچر روم۔ ایک مشورہ کمیٹی کا کمرہ اور ایک کلینیکل پے تھالوجی روم (تیمارداری و تشخیص امراض کا کمرہ) ہے۔ ایسے ایسے دو قطع تو بن چکے ہیں جو دو منزلہ عمارتیں ہیں جس میں اسی بیماروں کی رہایش کی گنجایش رکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دو بڑے لیبر وارڈز (زچگی خانے) اور بارہ کاٹج وارڈز (چھوٹے قطعات) ہیں جو تین تین ملا کر ایک قطعہ ہے جن کے ساتھ ایک ایک باورچی خانہ اور حمام خانہ بھی ہے اوٹ پیشنٹس ڈیپارٹمنٹ (باہر سے آنیوالے مریضوں کا صیغہ) ہسپتال کے صدر دروازے کے پاس ہے۔ یہاں ایک ویٹنگ روم اور کئی مشورے اور معائنے کے کمرے ہیں اور اس طرح بنائے گئے ہیں کہ مریضوں کی بے پردگی نہ ہو اور باہر سے بالکل مد نظر نہ ہو۔ اس مقام اور اصل شفا خانے کے درمیان باہر سے آنے والے مریضوں کے عمل جراحی کا تھیٹر اور برقی صیغہ ہے۔

سنہ ۲۲-۱۹۱۹ء میں عمارات ذیل اور بننے والی ہیں۔

ایک ائی سولیشن بلاک (جس میں امراض متعدی کے لوگ سب سے الگ تھلگ رکھے جاتے ہیں)
ایک اکس ریز روم (اکس شعاعوں کا کمرہ جس سے جسم کے اندر کا حال معلوم ہوتا ہے)
ایک ایڈمنسٹریشن بلاک (انتظامی قطعہ) جس میں دو عمل جراحی کے تھیٹر۔ دفتر کے کمرے

لہ مریض دو قسم کے ہوتے ہیں جو دواخانے میں رہ کر علاج کراتے ہیں وہ ان پیشنٹ کہلاتے ہیں اور جو دوا لے کر اپنے ٹھکانے پر چلے جاتے ہیں وہ اوٹ پیشنٹ کہلاتے ہیں ۱۲۔

لیکچر اور سٹور روم (گودام) ہوگا اور دو قطعے اور اسی طرح کے ہوں گے جیسے کہ اب بنے ہوئے ہیں۔ ان چار بڑے وارڈوں کے علاوہ اور بارہ مزید کاٹیج وارڈ ہوں گے۔

اس کالج کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے یکم ستمبر ۱۹۱۵ء سے ہوا ہے۔

(۱) سائنس کی میڈیکل فیکلٹی میں انٹرمیڈیٹ کورس۔ بیالوجی، کیمسٹری اور فزکس کا اور مزید ٹیسٹ کیمسٹری کا

(۲) میڈیکل فیکلٹی میں فرسٹ پروفیشنل امتحان کا کورس ڈگری بیچلر آف میڈیسن (ادویہ) اور بیچلر آف سرجری (جراحی) کے لیئے۔

کالج نے واقعی طور پر اپنا کام انٹرمیڈیٹ سائنس کا ستمبر ۱۹۱۶ء سے شروع کیا۔ ہسپتال میں باہر کے مریض اپریل ۱۹۱۶ء سے آنے لگے اور رہائشی مریض مارچ ۱۹۱۷ء سے۔

اب جب کہ کالج اور ہسپتال خوب چلنے لگے تو اب ہم اُن لوگوں کی طرف جن کی بدولت یہ مہم سر ہوئی بنظر احسان مندی دیکھتے ہیں۔ سب سے پہلے تو ہمارے کالج کی بانیہ لیڈی ہارڈنگ مرحومہ ہیں جنھوں نے اس کی بنا ڈالی اُن کی دل سوزی اور سرگرمی اور ہزارہا مصیبت زدہ عورتوں اور بچوں سے اُن کی ہمدردی ہی سے اس سکیم نے نشو ونما پایا۔ اس کے بعد سر پارڈی لیوکس کالج کے ایک دوست سچے بہی خواہ تھے جن کی انتظامی قابلیت تجربہ اور دانشمندانہ مشورت ہی کی بدولت اس انسٹیٹیوشن کا آغاز کامیابی سے ہوا۔ سر پارڈی اپنا بہت سا وقت (عزیز) اور محنت اس پر صرف کرتے تھے۔ خواہ وہ کتنے ہی مصروف ہوں مگر وہ ہمیشہ (کالج کے متعلق) صلاح مشورہ دینے کو تیار رہتے تھے اور اس کی بہتری کی ہر جزئیات میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔

وہ صاحب بھی جنھوں نے عمارتوں کے نقشے بنائے اور عمارتیں بنا کر کھڑی کر دیں اور وہ بہت سے دوست جنھوں نے ضروری فنڈ مہیا کر دیئے اور وہ اصحاب جنھوں نے کالج کے کھلنے کے وقت سے ہم کو مدد دی ہے۔ (سب) کا شکریہ ہم پر واجب ہے۔ ہم خصوصاً ہر ایکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ کے بدرجہ غایت ممنون احسان ہیں جنھوں نے اپنے زمانہ قیام ہندوستان میں طالبات کی گذران اور بہی خواہی میں بڑی دلچسپی لی ہے اور کئی طرح سے ہماری مدد فرمائی

سال زیر رپورٹ (۱۹۱۸ء) میں کالج نے خاطر خواہ ترقی کی ہے۔ تعداد طالبات کی [illegible] سے بڑھ کر ستمبر ۱۹۱۸ء میں ساٹھ تک پہونچی۔ جنگ کی گراں قیمتوں کے سبب سے تعمیر کے کام میں بڑی مشکلیں پڑیں لیکن پھر بھی ہم نے کئی عمارتیں بنائیں جن کا بنانا نہایت ضروری تھا

کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لیئے ناگزیر تھا کیونکہ ضرورت کے لحاظ سے طالبات کے کوارٹر اس کام میں لائے جا رہے تھے۔ اس سال یہ عمارتیں مکمل ہوئیں۔

ایک دوسرا دو منزلہ بنگلہ پروفیسروں کے لیئے۔ جونیر اسٹاف بنگلے میں تین کمروں کا اضافہ۔ اور طالبات کے ہوسٹل میں ایک گرم آب۔ اُمید ہے کہ سال آیندہ ہم ایک اور دو منزلہ بنگلہ پروفیسروں کے لیئے بنا سکیں گے اور ایک نیا باورچی خانہ یوریپین ہوسٹل کے لیئے کالج کے بڑے کمپونڈ کے باہر بالا کلارکوں کے لیئے ایک آفس اور جن مکانوں میں چھت پر چڑھنے کی سیڑھیاں نہیں ہیں وہ بھی بنائی جائیں گی۔ کیونکہ موسم گرما میں اس ملک کی گرم و خشک ہوا۔ ایک عجیب جدقلبش کی حالت ہے ضرور ہے کہ اس اشتداد میں کچھ کمی کی کوشش کی جائے۔

طالبات میں تیرہ ہندو۔ بارہ اینگلو انڈین گیارہ لوپی عیسائی۔ چھ سکھ۔ چھ یوریپین پانچ مسلمان تین سرینج عیسائی۔ دو پرتگیز۔ ایک آرین عیسائی اور ایک یہودی ہیں۔ یہ بات اطمینان بخش ہے کہ موجودہ طالبات ساٹھ کی تعداد میں سے بیالیس خالص مشرقی النسل ہیں اس سے متبادر ہے کہ کالج جس غرض سے بنایا گیا تھا اب وہ مقصود اصلی حاصل ہو رہا ہے۔ یعنی ہندوستانی مستورات کی طبی تعلیم۔ مسلمان طالبات کی تعداد بالنسبۃ کم ہے وہ سوائے ابتدائی تعلیم کے زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہوتیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ (فی زماننا) ہندوستان میں بالعموم مستورات ترقی کی طرف قدم بڑھا رہی ہیں اور اس سے توقع کیجاتی ہے کہ آیندہ چند سالوں میں تعلیم یافتہ عورتوں کی تعداد بہت سرعت سے ترقی کرے گی ہندوستانی مستورات فطرتاً بیمار اور درماندوں کی ضروریات میں مدد دینے کا مادہ رکھتی ہیں اور اُن کا احساس ذمہ داری مشتعل ہو رہا ہے جس سے اُن میں اس بات کی تحریک پیدا ہو گئی ہے کہ مصیبت زدہ بہنوں اور بچوں کی بلا وجہ تکلیفوں کو تا بہ امکان گھٹایا جائے اس کالج میں متعدد وظائف طالبات کو دیئے جاتے ہیں جن کی تفصیل بخوف طوالت ترک کر دی گئی ہے۔ علاوہ وظائف کے ذیل کے طلائی تمغے بھی دیئے جاتے ہیں۔

کوئین امپرس میڈل۔ لیڈی ہارڈنگ میڈل۔ لیڈی چیمسفورڈ میڈل

امتحانات اپریل ۱۹۱۸ء میں لاہور یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ سائنس (طبی) امتحان میں

(۳۲۴) طالبات بھیجی گئیں جن میں سے نو پاس ہوئیں۔ (۵) ایک مضمون میں رہ گئی تھیں جس میں انہوں نے دسمبر سال مذکور میں کامیابی حاصل کی تین آرگینک کمسٹری میں فیل تھیں انہوں نے بھی پاس کرلیا اور چھ ناکامیاب رہیں۔ مس مارشل انٹرمیڈیٹ سائنس کے امتحان میں (۳۸۹) مرد اور عورتوں میں دوسرے نمبر پر آئیں اور اس لیئے ان کو لیڈی ہارڈنگ کا طلائی تمغہ دیا گیا اور دوسری بہت سی طالبات نے انٹرمیڈیٹ سائنس (طبی) کے امتحان میں اچھی جگہ پائی ۱۹۱۸ء میں لیڈی چیمسفورڈ کا طلائی تمغہ مس طامس کو اور نقرئی تمغہ مس لی بلونٹ کور کو ملا ۱۹۱۹ء میں لیڈی چیمسفورڈ کا طلائی تمغہ مس اینی کارپ کو ملا۔ کالج کے امتحانات سال میں دو مرتبہ سیشن کے خاتمے پر ہوتے ہیں۔ ہر مضمون میں ترقی کے انعامات ہز اکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ صاحبہ نے بانیہ کالج کی (برسی) کے دن ۱۷ مارچ ۱۹۱۸ء کو تقسیم فرمائے

سٹاف

اگرچہ سٹاف میں بہت کچھ ردوبدل ہوا ہے مگر موجودہ سٹاف حسب ذیل ہے:- پرنسپل اور ٹیچر پاٹڈیکا کی لکچرار۔ مس کے۔ اے۔ پلیٹ۔ ایم۔ ڈی۔ بی۔ اس (لنڈن) ویمنز میڈیکل سروس انڈیا۔ پروفیسر گائنی کالوجی اینڈ مڈوفری مس سی۔ ال ہولٹن۔ ایم۔ ڈی۔ بی۔ اس (لنڈن) ویمنز میڈیکل سروس انڈیا۔ پروفیسر آف اناٹمی مس۔ ایم۔ مرفی۔ ایم۔ بی (کلکتہ) ال۔ آر۔ سی۔ پی (لنڈن) ایم۔ آر۔ سی۔ اس (انگلینڈ) ویمنز میڈیکل سروس انڈیا۔ پروفیسر آف فزیالوجی مس ایم۔ آر۔ این ہومر۔ ایم۔ اے (ڈبلن) نیچرل سائنس ٹرائی پوس (کینٹب) ڈپلوما۔ (آکسن) اسسٹنٹ پروفیسر آف فزیالوجی مس جے پٹیل۔ ایم۔ بی۔ بی۔ اس۔ بمبئی۔ پروفیسر آف کیمسٹری مس اے۔ بین۔ ایم۔ اے۔ بی۔ اس سی (ابرڈین) اسسٹنٹ پروفیسر کیمسٹری مس۔ آر۔ کرسٹی۔ بی۔ اس۔ سی (بمبئی) پروفیسر آف بیالوجی مسز سمتھ بی۔ اس۔ سی (ڈبلن) پروفیسر ریاضیات و انگریزی مس ای۔ ایم فِن۔ ایم۔ اے ڈبلن۔ ریاضیات ٹرائی پوس (کینٹب) لکچرار فزکس مس۔ پی۔ بارتھولک۔ بی۔ اس۔ سی۔ (لنڈن) ایم۔ اس سی (برسٹل) لکچرار انگریزی مس ایم سینکچواری۔ بی۔ اے (لنڈن) سکرٹری اور وارڈن مس۔ ایم۔ ڈبلیو جیکسن۔ ریاضیات ٹرائی پوس (کینٹب) سٹیوارڈ مس اے۔ میکنزی مس ایم۔ آر۔ این۔ ہومر۔ ایم۔ اے۔ پروفیسر فزیالوجی پنجاب یونیورسٹی کی فیلو مقرر کی گئی ہیں۔ کالج کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ یہ پہلا موقع ہے کہ

کوئی عورت کسی یونیورسٹی کے سینیٹ میں شامل ہوئی ہو۔

طالبات

طالبات کو اپنے کام اور کھیل دونوں کا شوق ہے۔ ان کے کام کی بابت ایک میم صاحب نے جو ابھی ولایت سے اس سٹاف میں آئی ہیں اور جو لڑکیوں کے ایک بڑے کالج میں تعلیم دیتی تھیں کہا کہ اُن کو یہاں کی طالبات کا شوق اور موزونیت دیکھکر ایک تعجب آمیز خوشی ہوئی اور یہ کہ وہ میری سابق کے طالبات سے بخوبی ہم پلہ ہیں ہم عملی حصہ کار پر زیادہ زور دیتے ہیں اور ہر طرح کی کوشش راستی اور تحمیل کے صفاتی جذبات کے اُبھارنے کی کر رہے ہیں جو بہت ضروری ہیں۔

بانیٔ کالج کے دن ۱۷ مارچ کو لیڈی چیمسفورڈ صاحبہ نے نہایت مہربانی سے قدم رنجہ فرماکر کامیاب طالبات کو انعام تقسیم فرمایا۔ انعامی کتابوں کی جلدیں ہم نے نہایت خوشنما بنوائی تھیں جن پر ہمارے کالج کا طلائی ٹھپہ منقوش تھا۔ گیمز کلب (کھیل اور تفریح) خوب ترقی کر رہا ہے اور اس کے کل انتظام طالبات خود کرتی ہیں۔ بدقسمتی سے ان کو میچ کھیلنے کا موقعہ نہیں ملتا کہ کوئی اور باقاعدہ ٹیم ہمارے مقابلے کی نہیں ہے لیکن آیندہ سال کے لیئے یہ بات قرار پاگئی ہے کہ مختلف مدارج تعلیمی کے طالبات آپس ہی میں مختلف کھیلوں کے میچ کھیلا کریں گے باسکٹ بال۔ ہاکی ٹینس بیڈمنٹن یہ سب کھیل ہمارے ہاں کھیلے جاتے ہیں۔ اول الذکر (کھیل) بہت پسند کیا گیا ہے اور آخر الذکر کی دلدادہ بہت سی ہندوستانی طالبات ہیں۔ اب ہمارے کالج کی زندگی کا تیسرا سال چل رہا ہے اور طالبات میں یک جہتی (و اتحاد) اور پبلک سپرٹ ترقی کرتی جاتی ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ جب وہ وقت آئے گا کہ ہمارے کالج کی تعلیم یافتہ عورتیں اپنے کام کے وسیع حلقے میں پھیل جائیں گی تو ہم اُن پر فخر کرینگے اور وہ اس کالج پر ناز کریں گی جہاں کہ اُنہوں نے تعلیم پائی ہے۔

ہاسپٹل کی رپورٹ ۱۹۱۸ء

عمارات۔ ۱۹۱۸ء میں ذیل کی عمارتوں کی تکمیل ہوئی:- نرسز ہوسٹل کا ایک دوسرا ضلع جس میں سوپرنٹنڈنٹ اور یورپین اسٹاف کے کوارٹرز ہیں۔ صیغہ مریض ہائے بیرونی کے مکان کی اینٹوں کی جالی بیماروں کے پردے کے لیئے۔ چار گھوڑوں کے لیئے اصطبل معہ سائیسوں کی کوٹھریوں کے اور ایک موٹر ہوس۔ ۱۹۱۹ء میں اُمید ہے کہ ایک ای سولیشن بلاک (امراض متعدی

کے مریضوں کو علیحدہ رکھنے کا مکان) اور ایک کمرہ ایکس ریز (شعاعے اکس) جو اس شفاخانے کے لیئے بڑی جائداد ہوگی بن جائیں۔ حالات جنگ کی وجہ سے شفاخانے کے سامان میں بہت تھوڑا اضافہ ہوسکا ہے اور اس وجہ سے ابھی سازوسامان کی حالت پوری نہیں۔

سال زیر رپورٹ میں ان پیشنٹ ۱۲۳۸۔ اوٹ پیشنٹ ۱۹۵۵۱ کی تعداد تھی۔ باہر کے مریضوں میں ۶۲۰۶۔ نئے کیس تھے ۳۸ عمل جراحی کیئے گئے جن میں سے ۳۲ میجر (بڑے) آپریشن تھے۔ اور اسی میں ۱۵ پیٹ کے عمل جراحی شامل ہیں۔

اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں دہلی میں وبائی بخار انفلوانزا پھیلا۔ یہ مرض بڑی شدید قسم کا تھا۔ اکثر کیسوں میں نمونیا اور برانکو نمونیا (سوزش ورم شش) کا انضمام تھا ہمارے نرسنگ سٹاف پر بھی اس بیماری کی بڑی مصیبت پڑی اور ہمکو افسوس ہے کہ ہمارے ہاں کی ایک سب سے بہتر اور ہونہار پروبیشنر نے انفلوانزا اور نمونیا سے انتقال کیا اس مصیبت کے وقت میں جب کہ ہمارا نرسنگ اسٹاف ایسا گھٹ گیا تھا گویا کہ تھا ہی نہیں ہمکو نہایت قابلیت سے دہلی کی دو لیڈی ڈاکٹروں مسز ایڈی اور مس الٹن نے مدد دی۔ ایک بہت نازک وقت میں ان لیڈیاں ہمکو مخلصی دینے کو آئیں اور ہم کو ایک بڑی آزمائش کی حالت سے بچایا۔

زچگی کے کیس۔ ان ڈور (۵۰) باہر کے (۱۳۲) ان میں سے ۱۴۳ معمولی اور (۹) غیر معمولی بچے اور ان کی تعداد بہت تشفی بخش ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاخانے کا کام اب شہرت پکڑتا جاتا ہے اور اس کی قدر بڑھتی ہے۔ کالج وارڈ کو لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔ اچھے اچھے ہندو مسلمان اور متوسط درجے کی حالت کے لوگ جو تھوڑی سی فیس ایک روپیہ اور دو روپیہ روزانہ کے دینے کی استطاعت رکھتے ہیں سب اس میں رہتے ہیں ہم کو اس بات سے بہت اطمینان ہے کہ بہت سی اونچی اونچی ذات والی مستورات ہسپتال میں زچگی کے واسطے آئیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاخانوں کی نسبت جو بے پردگی کا خیال تھا وہ اب ٹوٹتا جاتا ہے۔

میڈیکل سٹاف (۱) طبیب۔ مس طبیب۔ ایم ڈی۔ بی۔ ایس سی وغیرہ (۲) مس سی ال ہولٹن۔ ایم ڈی۔ بی ایس۔ سی۔ وغیرہ جینیو کالوجسٹ اور اسسٹنٹ میڈیکل سرجن۔ (۳) مس ایم سی مرفی۔ ایم۔ بی وغیرہ۔ برقی محکمہ

(۴) مس ال ای میکنزی۔ نرسوں کی سوپرنٹنڈنٹ۔ (۵) مس جی ای۔ مٹڈن۔ ایم بی۔ بی ایس سی۔ ہاؤس فزیشن (۶) مس ایم اے کلسال۔ ایم پی اس۔ (صیغہ دواسازی)

ڈاکٹر ہوئٹن نے علاوہ اپنے جنیو کالوجسٹ (امراض نسوانی) اور آبسٹریکل۔ زچہ خانہ) سرجن کے وہ سارے برس شفاخانے کے عمل جراحی بھی کرتی رہیں۔ ڈاکٹر سیمن سین نے چار ے کے مہینوں میں شفاخانے کی کلینیکل پیتھالوجی کا کام اور کالج کے پیتھالوجیکل ڈپارٹمنٹ کا کام مفت کیا۔ اس مضمون پر طالبات کی تعلیم سال آئندہ شروع کیجائے گی۔ انفلوانزا کے وبائی ایام میں جب کہ کام کا سخت ہجوم تھا اور سٹاف کی قلت تھی ڈاکٹر وسٹرن نے بھی دست امداد بڑھایا۔

نرسنگ اسٹاف۔ اس سٹاف میں تین انگلش سسٹر ہونی چاہئیں لیکن بلحاظ حالات جنگ کسی وقت بھی دو سے زیادہ نہ مل سکیں۔ اب سٹاف میں چھ نرسیں اور گیارہ پروبیشنر (جو امیدوارانہ کام کرتی ہیں) ہیں ان کام سیکھنے والیوں میں چھ اینگلو انڈین ہیں اور پانچ ہندوستانی۔ اعلیٰ درجے تک تعلیم پائی ہوئی ہندوستانی کام سیکھنے والی نرسوں کا ملنا بہت مشکل ہے۔ یہ امر نہایت ضروری ہے کہ نرسوں کے پیشے کی معیار کو ہندوستان میں بڑھا دیا جائے اور جب تک کہ نرس کا پیشہ سب سے اعلیٰ اور نہایت باعزت مشغلہ نہ سمجھا جائے گا جیسا کہ انگلینڈ میں سمجھا جاتا ہے تب تک اچھے خاندان اور اچھی تعلیم یافتہ نرسوں کا اس قدر کافی تعداد میں میسر آنا جو نرسوں کے پیشے کی ضروریات کو پورا کر سکے ناممکن ہے۔

ایک اور چھوٹی سی مسجد یہ بھی سڑک کی داہنی طرف ہے۔ تین در کی اینٹ چونے سے بنی ہوئی مسجد ہے۔ اس کو بھی حاجی عبدالغنی صاحب آنریری مجسٹریٹ نے درست کرایا ہے۔ عرض و طول ۲۲ × ۹ ½۔ اسی مسجد کے پچھیت کی دیوار سے ملی ہوئی عبدالسلام صاحب کی درگاہ ہے۔ یہ مسجد اور درگاہ دونوں لیڈی ہارڈنگ کے کالج کے کمپونڈ سے ملی ہوئی ہیں۔

گلشن شاہ صاحب کا مزار ۱۱۵۳ھ سڑک کے بائیں طرف۔ (۲۰) مربع اور دو فیٹ اونچے گول چبوترے پر آپ کا مزار ہے آپ کے سرہانے ایک بہت پرانا نیم کا درخت سایہ کئے ہوئے کھڑا ہے۔

آپ خواجہ عبداللہ الاحد صاحب نقشبندی کے خلیفہ تھے قبر پختہ ہے۔ تعویذ ۷×۳½ فٹ ہے یہ کتبہ حال میں لگا دیا گیا ہے :-

،،شاہ سعد اللہ گلشن مجددی رحمۃ اللہ علیہ۔ جامع بود میان کمالات ظاہری و باطنی و زہد و تقوی و تجرید و تفرید ریاضت شاقہ کشید طعام بعد از سہ روز زیادہ از سہ لقمہ تناول نکردے و تا سی سال خود بیک گلیم گزرانید۔ آخر در ۱۱۵۳ھ وفات یافت،،

درگاہ حضرت عبدالسلامؒ اور مسجد ۱۲۱۳ھ

جہاں یہ درگاہ اور مسجد ایک وسیع اور پختہ ۱۳۱×۶۲ فٹ مستطیل احاطے کے اندر واقع ہے۔ جو ۵-۹ انچ اونچا ہے۔ وہ مقام بالنس کوٹی کہلاتا ہے پنڈت کے کوچے میں جو پیر جی عبدالصمد صاحب ایک بزرگ رہتے ہیں اُن کے والد ماجد کا یہ مدفن ہے۔ پیر جی صاحب نے ایک نفیس مسجد اور درگاہ بنوادی ہے جو عبدالغنی صاحب کی مسجد کی پچھیت کی دیوار سے ملی ہوئی ہے۔ اور اسی سبب سے یہ مسجد اس درگاہ اور سڑک کے بیچ میں حائل ہے اور راہ رووں کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس چھوٹی سی مسجد کے پیچھے کیسی خوش منظر عمارت بنی ہوئی ہے۔ لیڈی ہارڈنگ کے میڈیکل کالج کے کمپونڈ سے یہ درگاہ ملی ہوئی ہے جو ایک بڑی مشکل کا سامنا ہے۔ وہ ٹھیری شاہی عمارت اور یہ درگاہ۔ لیکن آفریں ہے پیر جی صاحب پر کہ اُنہوں نے ایسی خوش قطع اور پختہ عمارت بنوائی ہے کہ پہلے تو میں اس کو بھی کالج ہی کا ایک حصہ سمجھا۔ اب ہم درگاہ کا بیان کرتے ہیں۔

سماع خانہ

مسجد کے مشرق میں سماع خانے کا ایک تین بنگڑی دار دروں کا دالان ہے جس کے دونوں جانب ایک ایک حجرہ ہے۔ سارے کمپونڈ کے اندر متعدد نیم کے درخت گھنے سائے کے ہیں جس سے یہ مقام گرمیوں میں بہت ٹھنڈا رہتا ہوگا۔

چوکھنڈی

سماع خانے کے سامنے ۷ فٹ ۳ مربع ۱۲ انچ اونچے پختہ چبوترے پر ایک سنگ مرمر کی چوکھنڈی ۱۱ فٹ مربع دس انچ اونچے سنگ مرمر کے چبوترے پر کھڑی ہے۔ سہ دری سرتاپا سنگ مرمر کی ہے جس کے ستون نہایت نازک اور خوب صورت ہیں کہتے ہیں کہ پیر جی صاحب کو بنی بنائی مل گئی۔ اس زمانے میں ایسی سہ دری کا مل جانا پیر جی صاحب کا حسن نیت اور خوش عقیدتی کی دلیل ہے۔ اس کے

اندر تین دیوار دوز طاق نما محرابیں ہیں اور متعدد چھوٹے چھوٹے طاق بنے ہوئے ہیں۔ اس چبوترے پر دو قبریں بیچ میں سے خام زمین دوز ہیں۔ کیوں کہ شرع شریف میں قبر کو پختہ کرنا منع ہے۔ دونوں قبروں کے سرہانے ایک رنگین دائرے میں سبز زمین پر سفید حروف میں نہایت عمدہ طغریٰ نما خطِ نسخ میں یہ عبارت نقش کی ہوئی ہے:۔

(۱) شاہ عبد السلام حق پرست ۱۳۱۴ھ (۲) ام شاہ فرید الدین فخری ۱۳۱۵ھ

چوکھنڈی کا ارتفاع دس فیٹ ہے اور سوائے جنوب کے تینوں طرف افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کندہ ہے۔

سنگ مرمر کی دوہری چوکھنڈی

چوڑی ۔ ۲ ۔ ۸ × ۵ ۔ ۸ ۔ چبوترے کی اونچان ایک فٹ ۔ چار در سنگ مرمر کے چاروں کونوں پر ہیں بیچ میں سنگ مرمر کا قبر کا تعویذ ہے چبوترے سمیت اس چوکھنڈی کی بلندی ۹ فٹ ہے۔ قبر پر کوئی کتبہ نہیں یہاں جو ایک صاحب بڈھے سے رہتے ہیں لکھے پڑھے حافظ ہیں تیس سیپارے ان کو حفظ ہیں مگر یہ بھول گئے کہ یہ کس بیوی کی قبر ہے بس اتنا ہی ان کو معلوم ہے کہ حیدر آباد دکن کی کوئی بیگم تھیں ان کی میّت ان کو یہاں لائی تھی وہ یہاں آسودہ ہیں۔

دو چیز آدمی را کشد زور زور   یکے آب و دانہ دوم خاکِ گور

احاطے کے شمال کی طرف چھ حجروں کا دالان ہے جو ۲۷ لمبا ہے اور اسی کے محاذی جنوب کی طرف احاطے کی دیوار میں ایک معمولی سا دروازہ چھوڑ کر جو پچھم کو اُدھر لگا ہوا ہے

شمس العلماء منشی ذکاء اللہ خاں کی قبر ۱۳۲۸ھ

مسجد کی پچھیت کی دیوار سے ملا ہوا ہندوستان کے زمانہ حال کے مشہور مہندس اور مورخ کا مزار ہے۔ اس پہلو میں بیوی دونوں آرام کرتے ہیں۔ اللہ اللہ کیسے قول کے پکے اور بات کے سچے لوگ تھے۔ جب تک جیتے جی میں گلے کا ہار رہیں مرے تو بھی پہلو نہ چھوڑا دونوں ساتھ ہیں۔ کیسا ساتھ نبھایا تھا۔ سنگ خارا کے چبوترے پر جو ۱۶ × ۸ فٹ لمبا چوڑا اور دو فیٹ اونچا کٹہرا بنا ہوا ہے۔ دو قبریں ہیں مسجد کی دیوار سے ملی ہوئی منشی صاحب مرحوم و مغفور کی قبر ہے جس کے سرہانے سنگ مرمر کی لوح پر ذیل کا نہایت خوش خط کتبہ ہے اور اسی کے

پاس اُن کی زوجۂ محترمہ آسودہ ہیں:۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ۔

صاحب ایں قبر خان بہادر شمس العلماء منشی محمد ذکاء اللہ از مشاہیر فضلائے ایں دیار است مردے مستقیم الحال و مجموعۂ فضل و کمال بود۔ در علوم قدیمہ و شیرہ فنون جدیدہ ید طولیٰ داشت۔ تا زیست ہمت بر خدمت طلاب علم گماشت و در تالیف و تصنیف قصب السبق از اقران و امثال برد۔ چندیں کتب از مولفاتش بین الطلاب است۔ چوں ہشتاد و یک منزل از منازل عمر پیمود۔ چہارم ماہ ذیقعد ۱۳۲۸ھ ہجری روحش بفرمان ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ نقل آخرت فرمود۔ و پیکر خاکیش زیر خاک بیاسود۔

اللھم اغفر لہ

دو کتبے

(۱) مسجد کی چھت کی دیوار میں پیش طاق کے پیچھے بالکل پیچھے یہ کتبہ ہے "تعمیر کردہ منجانب حاجی احمد حسین مرحوم ۱۳۱۴ھ"

(۲) مسجد کے بائیں طرف دو منزلہ حجرے کے اوپر:۔

"تعمیر منجانب مہدی بیگم مرحومہ"

مسجد

مسجد ۲۳-۱۰ × ۱۳-۹ فٹ ایک دالان کی ہے ایک حجرہ ادھر ایک ادھر ہے صحن میں سنگ سرخ کے چوکے بچھے ہوئے ہیں۔ صحن ۴۲ × ۴۲ فٹ ہے۔ مسجد کی چھت ڈاٹ کی ہے جس میں چار آہنی گرڈر پڑے ہوئے ہیں۔ بیچ میں تین در ہیں اور ان کے ادھر ادھر ایک ایک ٹھادر اس طرح پانچ در ہوئے۔ مسجد کا دروازہ لداوی ڈیوڑھی دار جنوب کی طرف ہے جس کے دونوں جانب حجرے ہیں۔ بائیں ہاتھ کی طرف کے حجروں میں غسل خانہ اور طہارت خانہ ہے۔ داہنے ہاتھ کی طرف کے حجرے کی دو کھڑکیاں صحن مسجد میں نکلی ہوئی ہیں اور ایک دروازہ ڈیوڑھی میں نکلتا ہے۔ دروازہ مسجد اور درگاہ کا بلحاظ اندرونی عمارتوں کے کچھ زیادہ عالی شان نہیں کیوں کہ موقع ہی ایسا گڑھے واقع ہوا ہے۔

ہنومان جی کا مندر

رائے سینا کے حدود میں یہ ایک بہت پرانا اور قدیم مندر راجہ کے بازار میں ہے جو جے سنگھ پورہ بھی کہلاتا ہے۔ اب یہ تمام جائے رائے سینا کی نئی دلی میں گھیر لی گئی ہے۔ یہ مندر چوں کہ مذہبی اور قدیم عمارت تھی علی حالہ چھوڑ دیا گیا۔ اس پر پبلک ورکس کا پی ۲۷/۱۲ نمبر پڑا ہوا ہے۔ سڑک کے کنارے بائیں طرف ہے پہلے اس مندر کا تعلق مہاراجہ صاحب جے پور سے تھا کیوں کہ جے سنگھ پورے میں تھا۔

مندر کے دروازے پر کے کواڑوں کی جوڑی پر پیتل کے پتر منڈھے ہوئے ہیں اُس پر یہ عبارت بخط ناگری دونوں طرف کھُدی ہوئی ہے۔

''یہ جوڑی لالہ جگل کشور وگنپت رائے حلوائی کھر کھودے والا نے بنوائی۔ تتی۔ مہا سادی چھٹی سمبت ۱۹۷۲''

اندر مندر کے چوطرفہ سنگین اور لداوی چھت کے دالان ہیں جن میں سنگ سرخ کے چوکے لگے ہوئے ہیں۔ اور صحن کا فرش بھی چوکوں ہی کا ہے۔ جنوب اور شمال کی طرف تیج درے۔ مغرب میں تیرہ سیڑھیوں کا زینہ اُس کے بعد سہ دری ہے۔ مغرب میں اصل مندر کی عمارت ہے جس میں سنگ مرمر کا فرش ہے چوپڑ کا یعنی ایک چوکہ سنگ مرمر کا ایک سیاہ کا۔ ہنومان کی مورت کے گرد سنگ مرمر کا خوش نما کٹہرا ہے۔ مندر کے اندر طلائی اور شیشے کا بہت عمدہ اور کثرت سے کام کیا ہوا ہے۔ صحن کے بیچوں بیچ ایک بڑا بھاری پرانا نیم کا درخت ہے اور شمال رُخ کے تیج درے میں ایک سمادھی بنا ہوا ہے۔ مسجد کا گوپرم (مخروطی قبہ) بہت بلند ہے جس کے اوپر کلس چڑھا کر ہلال لگا دیا ہے۔

گنیش کی گمٹی کا برج

اس مندر کے پچھواڑے ایک چھوٹی سی ۱۲ فٹ مربع بُرجی بالکل تنہا کھڑی ہے جو گنیش کی گمٹی کہلاتی ہے۔ اس کے اندر اب کوئی مورت بھی نہیں ہے۔

راجہ کے بازار کی مسجد

مندر کے محاذی سڑک کی داہنی جانب ایک چھوٹی سی پرانی مسجد بہت خراب و خستہ حالت میں سڑک سے ملی ہوئی کھڑی ہے جس کی ایک منارے نما برجی ہے دوسری گر گئی۔ مسجد کا دالان ۲۰ فٹ × ۹ ½ فٹ ہے۔ تین در ۶ فٹ لمبے اونچے ۳ ½ فٹ چوڑے ہیں۔ چھت چوبی کڑیوں کی ہے۔ صحن ۴۰ فٹ × ۱۵ ہے جس میں ایک چھوٹا سا کنواں بھی ہے۔ گرد (۷ فٹ) اونچی کمپونڈ وال ہے۔ چوں کہ حدود چھاؤنی رائے سینا میں گھری ہوئی ہے لوگ کہتے ہیں کہ مسجد کی مرمت کرنے کا بھی حکم نہیں۔ خدا جانے سچ کہتے ہیں یا جھوٹ۔ کیوں کہ انگریزوں کو خود معابد کا احترام ملحوظ ہے اور بہت جا مسجدوں کو محفوظ کر دیا ہے۔

کھنڈیلوال جینیوں کا بڑا مندر

نمبر ۲ بی ۹ ۔ مسلمان کو اندر گھسنے نہیں دیتے ایک بڑے بھاری حصار کے اندر بہت سے مکانات ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس احاطے کی ساری عمارتیں پچاس ہزار میں سراوگیوں نے

خرید لی ہیں۔ دوسرے مکانات سے ہم کو بحث نہیں ہم صرف اصل مندر کا ذکر لکھتے ہیں۔ اندر چو طرفہ پختہ سنگ بست دالان ہیں صحن کے بیچ میں ایک بڑا سایہ دار نیم کا درخت ہے۔ بڑی وسیع عمارت ہے اور باہر کا احاطہ بھی بڑا لمبا چوڑا ہے جس میں متعدد مکانات ہیں۔ مندر کا صدر دروازہ شمال رویہ ہے اور اسی کے سامنے احاطے کا بڑا عالی شان پھاٹک ہے جس کے دونوں جانب خوش نما نشیمن بنے ہوئے ہیں۔ غرض یہ عمارت بھی پرانے زمانے کی ہے۔

شوالا اس مندر کے مغرب میں لبِ سڑک مربع ایک چھوٹا شوالا ہے جس کا ایک برج کھڑا ہوا ہے۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں جو لکھی جاوے۔

تال کٹورا قطب روڈ پر اس نام کا ایک باغ تھا۔ درخت کٹ گئے نام رہ گیا ؎

وہ دل نہ رہا اُمید کیسی　　جڑ کٹ گئی نخلِ آرزو کی

اگروال جینیوں کا چھوٹا مندر جینیوں کے بڑے مندر کے احاطے سے نکلنے کے بعد مغرب کی طرف ایک اور مندر اگروال جینیوں کا ہے جو چھوٹے مندر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بھی جے سنگھ پورے اور راجہ کے بازار میں ہے۔ یہ بھی بہت پرانا اور قدیم مندر ہے جس پر ایک کوٹھی دار گنبد ہے اور اوپر پتھر کا کلس ہے۔ کیا مجال کہ مسلمان اندر پر مار سکے اور مسلمانوں کی یہ حالت کہ سوامی شردھانند مہاتما کو جامع مسجد کے ممبر[۱] پر چڑھا دیا۔ ع

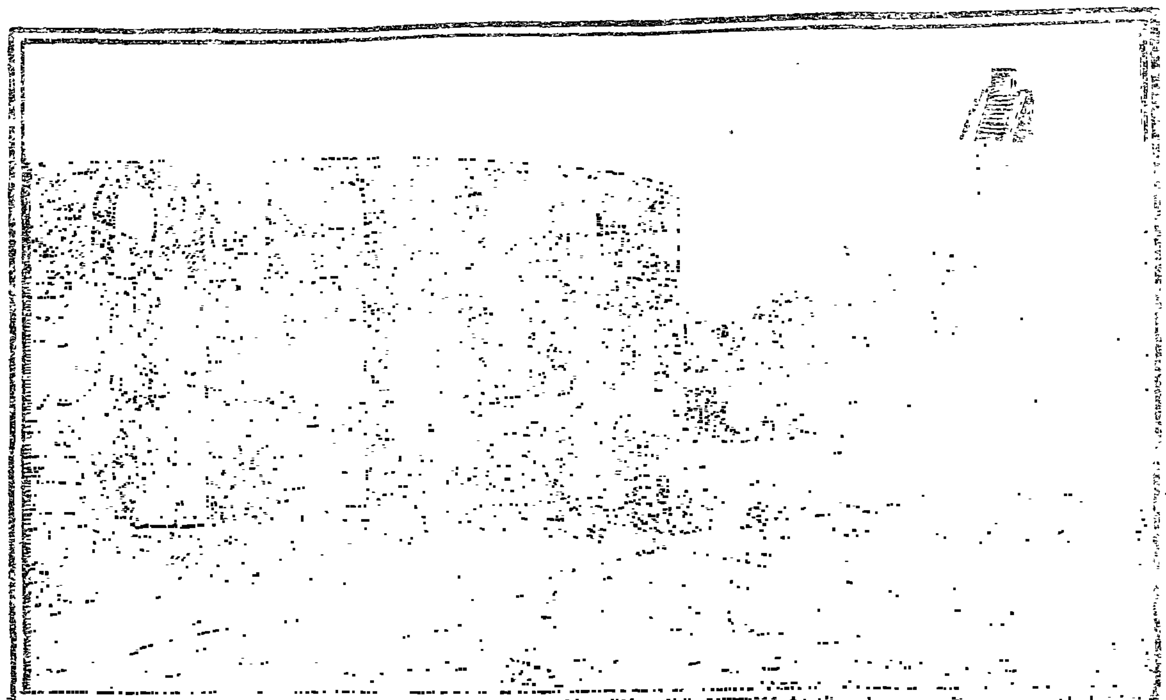
ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

ہم کو اس سے بحث نہیں کہ مسلمانوں نے اچھا کیا یا بُرا۔ وہ جانیں اُن کا کام مجھ کو ہندو صاحبان کا طرز عمل ظاہر کرنا مقصود تھا اور بس۔ اس جھگڑے میں کون پڑ کر اپنی اوقات عزیز ضائع کرے۔ ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (تم کو تمہارا دین اور مجھ کو میرا دین)۔

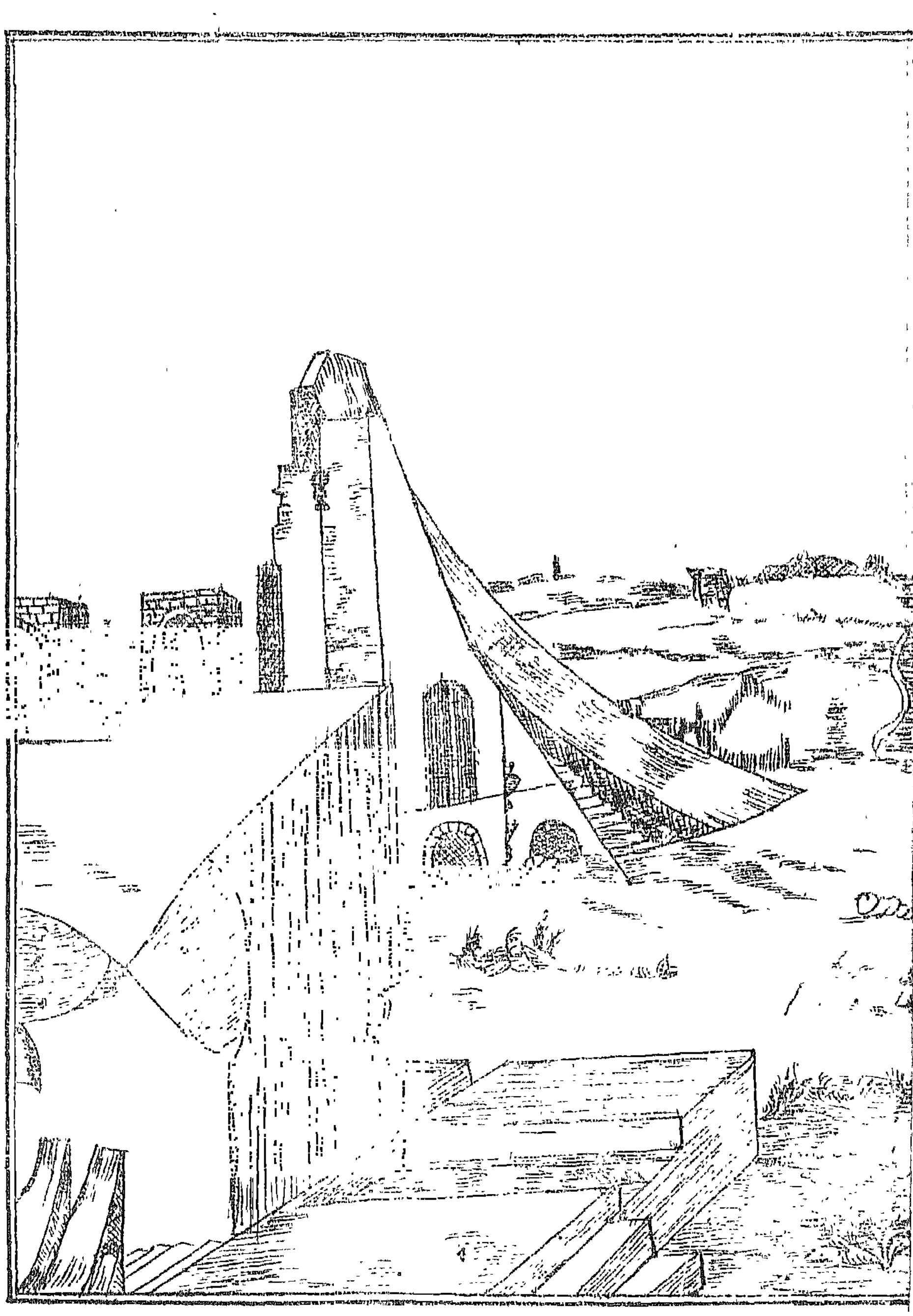
باہر سے ہم نے اس کا رقبہ ناپ لیا ۴۲ × ۸۲ فٹ کی عمارت ہے اور مندر سے لگا ہوا پجاری کے رہنے کا مکان ہے وہ بھی قریب مندر ہی کے برابر دکھائی دیتا ہے۔ مندر لالہ ٹھکن چند کا بنوایا ہوا ہے جن کا بنوایا ہوا ایک بڑا مندر مالیواڑے میں بنا ہوا ہے۔

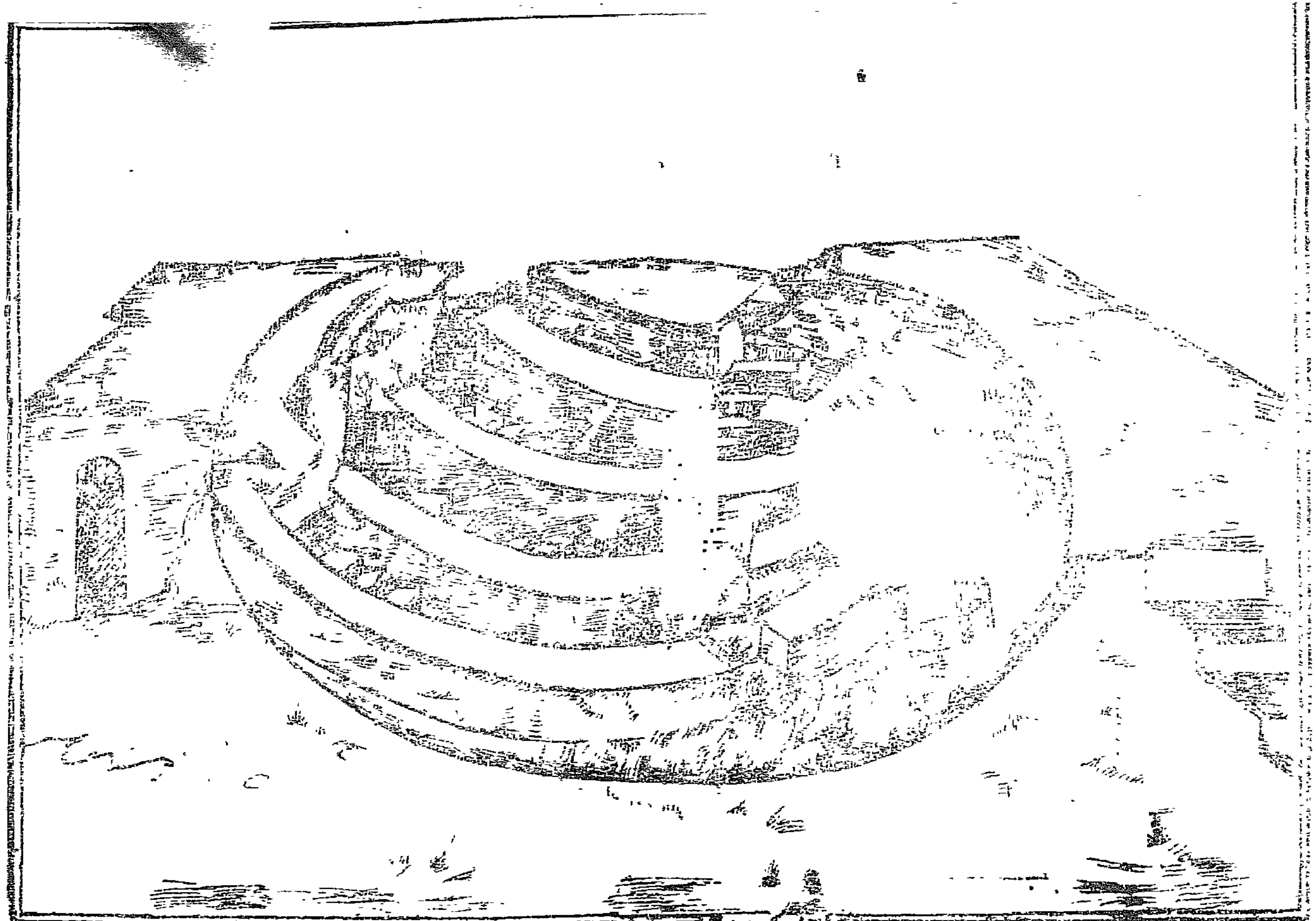
---

[۱] مسلمانوں کو تو ایک بات کا خبط لگ جانا مشہور ہے۔ جو ہونا تھا سو ہو چکا اب زخم کو کرید نے سے کیا فائدہ۔ رسالہ معارف (اعظم گڈھ) ماہ مئی و جون ۱۹۲۸ء میں ابھی بحث نے (۵۸) صفحے گھیر لیئے اور پھر اس قضیہ نامرضیہ کو جناب شیخ عمر بخش صاحب وکیل ہائی کورٹ پنجاب بیٹھے بار ایٹ لاء کے گنجان لکھے ہوئے (۲۸) صفحے کے رسالہ کی شکل میں "مساجد و غیر مسلم" کے نام سے شائع فرمایا ہے یہ مضمون دراصل مولانا ابوالکلام صاحب کا ہے اور اس فعل کا جواز ثابت کیا ہے جن صاحبوں کے مزاج میں کرید ہو وہ اس رسالہ کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

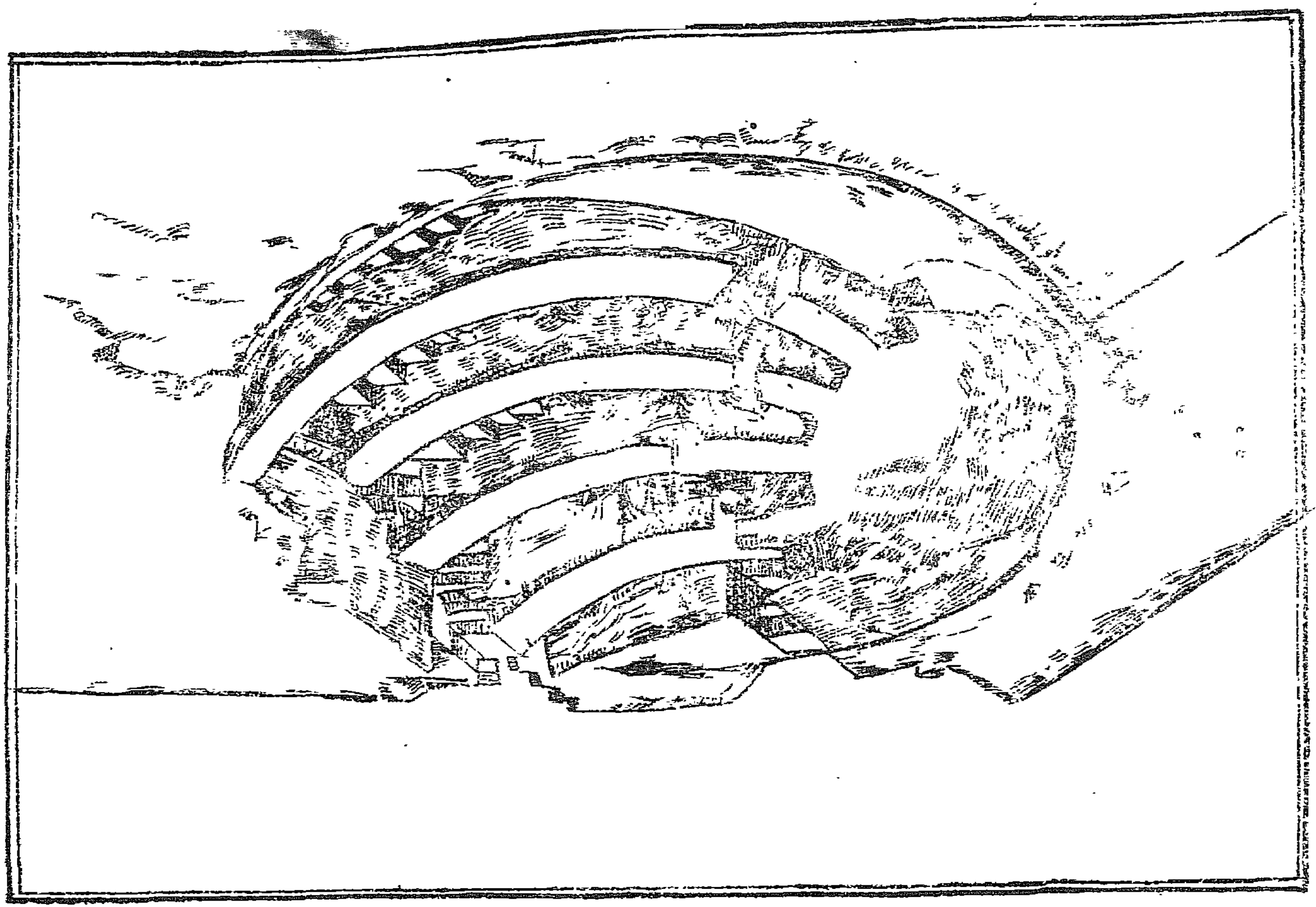


جنتر منتر (یعنی جے سنگھ کی رصدگاہ)

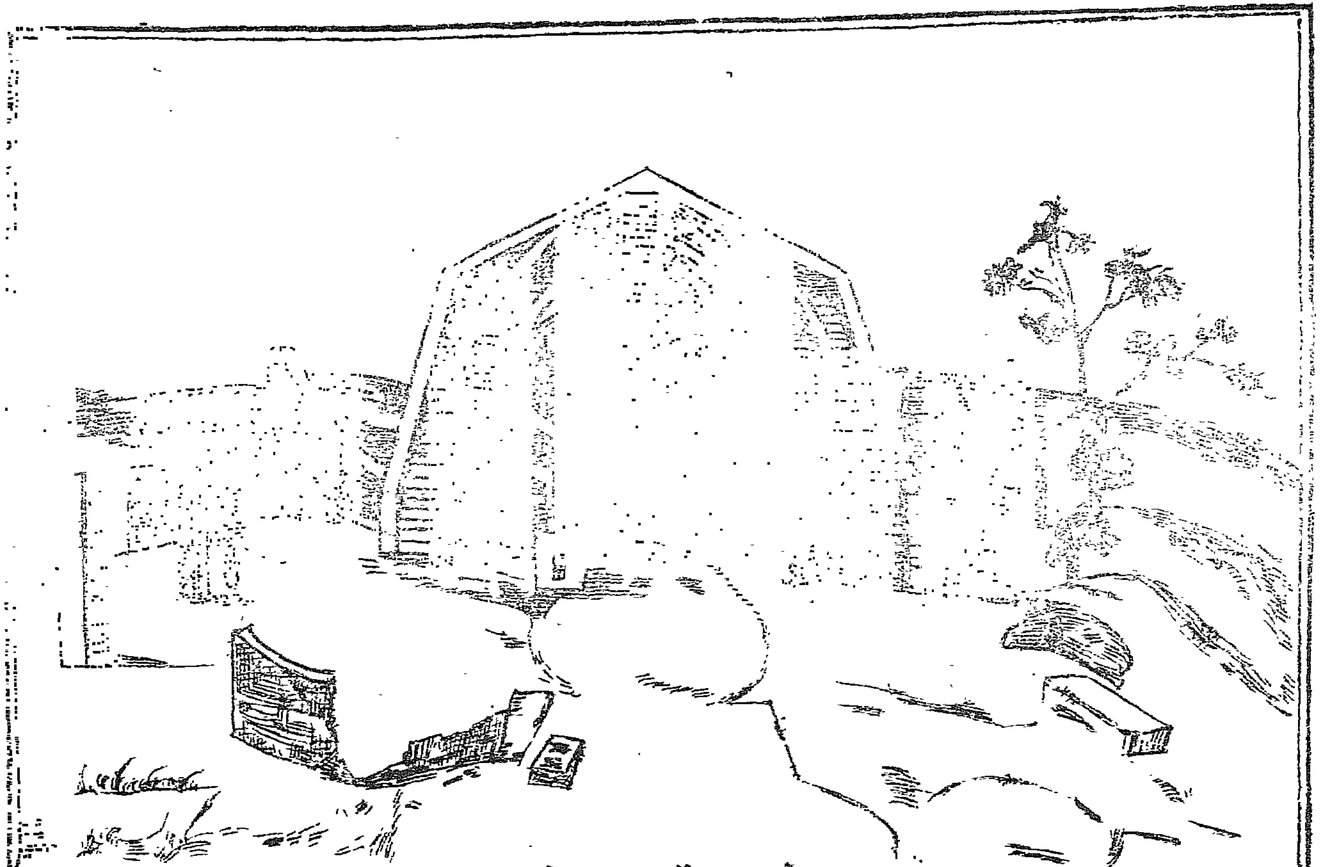




نقشه کره مقعر



نقشهٔ کرهٔ مقعر



نقشہ جنتر قسی دوایر العظم



نقشهٔ جینز ودایه پنس

مہادیو کا شوالا
اسی کے پاس مخروطی قبے کا ایک چھوٹا سا شوالا ۶ فٹ ۳ انچ مربع ہے۔

نیبان کا مٹھ
پھر اس سے اور آگے بڑھ کے ایک قدیم اور پختہ مٹھ ہے جہاں پارسناتھ کی مورتی بٹھائی جاتی ہے اور نیبان کہلاتا ہے۔

مہر ومہ وآسمان وانجم ۔ حیوان وپری ودیو مردم
دریا وزمیں وکوہ وصحرا ۔ باغ وگل وسبزہ مطرہ
سب کا ہے وہی بنانے والا ۔ ما اعظم شانہ تعالیٰ

جنتر منتر
سنہ ۱۱۳۷ھ ۱۷۲۴ء
پرانے قلعے سے مغرب وشمال کے کونے میں کوئی تین میل اور اجمیری دروازے سے بجانب جنوب ایک میل پر یہ مشہور علم ہیئات کے عملی تجربوں کی رصد گاہ ہے۔ اس رصد گاہ کے متعلق تھارن صاحب نے لکھا ہے کہ "کیمپ کو واپس آتے وقت ہم جنتر منتر کی مشہور رصد خانے کو دیکھنے کو ٹھیر گئے جس کو سنہ ۳ جلوس محمد شاہی میں ۱۷۲۴ء مشہور ہیئات دان جے سنگہ راجہ امبیر نے جو خاندان راجگان جے پور کا بانی تھا بنایا تھا۔ جس کا محل اور اصطبل موضع مادھو گنج میں تھا جو اس رصد گاہ کے قریب مشرق کی طرف ایک گاؤں ہے۔ اور اب مہاراجہ صاحب جے پور کی جاگیر ہے۔ ملک ہند کی عالی ہمتی اور سائنس کی یہ یادگار فصیل شہر کے باہر جامع مسجد سے کوئی دو میل پر واقع ہے۔ افسوس ہے کہ یہ کام بسبب اس کے بانی کی بے ہنگام وفات اور سلطنت کے عزل ونصب کے پورا نہ ہو سکا تاہم رصد گاہ کا کام جس حد تک ہو چکا تھا اس سے اس کے بانی کی علم ہیئات کی وسعت نگاہ اور صحت عمل کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اجڈ جاٹوں نے بنانے سے پچاس برس کے اندر ہی اندر اس کا بالکل ستیاناس کر دیا۔ اگر وہ مال واسباب کی لوٹ کھسوٹ پر ہی اکتفا کرتے تو بھی غنیمت تھا مگر غضب تو یہ ہوا کہ انہوں نے عمارت کے ساتھ دوائر کو بھی بہت بڑا نقصان پہونچایا۔ بڑے دوائر الحلقہ اب تک قایم ہیں لیکن خطوط اور دائرے کا محیط جس میں درجے بنے ہوئے تھے بہت سی جگہ سے شکستہ ہو گئے ہیں مثلث کے ایک ضلع کا طول (۱۱۸ فٹ) ہے اور قاعدے کا ضلع ۱۰۴ فٹ ہے۔ اس پر چڑھنے کا سیڑھی دار زینہ ہے جس کے کناروں اور محرابوں پر سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔ اس عظیم الشان آلے کی کلانیت اور صحت عمل کی وجہ سے جے سنگہ نے اس کا نام

سمرت ینتر یعنی شاہزادہ دوائر رکھا تھا کیوں کہ اسی قسم کے اور دو چھوٹے آلے بھی ہیں۔ ان تینوں آلوں کو ایک دیوار کے ذریعے سے ملا دیا گیا ہی جس پر ایک نصف دائرہ اُن اشیاء کا ارتفاع معلوم کرنے کے لیئے بنایا گیا ہی جو اس مقام سے مشرق اور مغرب میں واقع ہیں۔ اِن دوائر کے جنوب میں اسی قسم کی دو عمارتیں اور ہیں جن سے ستاروں کی بلندی۔ قوس افقی (Azimuth) اور اجرام فلکی کے مقامات اور فصل وغیرہ کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ ایک ہی قسم کی کئی کئی عمارتیں ایک ہی جگہ بنانے سے یہ غرض معلوم ہوتی ہی کہ ایک آلے سے جو عمل کیئے جائیں ساتھ کے ساتھ اُس کی صحت عملی کی جانچ پرتال دوسرے آلے سے بھی کر لی جائے۔ یہ آخر الذکر عمارتیں مدور شکل کی ہیں جو اوپر سے کھلی ہوئی ہیں جن کے نیچے ایک ایک بلند ستون عمودی شکل کا سطح زمین سے تین فیٹ بلند کھڑا ہے جس میں سے تیس خطوط قطر سے محیط دائرے کو جاتے ہیں۔ ان کا درمیانی فصل قطروں کے برابر ہی تاکہ قطروں کے باہمی فصل سے ایک کامل چھ درجے کا حصۂ دائرہ بن جائے۔ دیواروں کے اندر طاق بنے ہوئے ہیں جن میں مدارج شمس کے خطوط مماس بنے ہوئے ہیں جن پر ستون عمودی کا سایہ پڑتا ہی اور یہ خطوط ایک سے لے کر پینتالیس درجے تک بنے ہوئے ہیں۔ لیکن جب آفتاب کا ارتفاع اس بلندی سے زیادہ ہو جاتا ہی تو انہیں درجوں اور ستون عمودی سے آفتاب کا صحیح ارتفاع معلوم کیا جاتا ہی۔ اِن درجوں کو دقیقوں میں تقسیم کیا ہی لیکن جو درجے مقابل کی دیوار پر بنے ہوئے ہیں اور جن میں ہر ہر درجے کے چھ چھ حصے کیئے گئے ہیں اس قسم کے دقایق کی تقسیم نہیں ہی۔ اِن دوائر اور خطوط پر جو سایہ پڑتا ہی اُس سے فوراً آفتاب کا قوس افقی اور عمل نصف النہار معلوم ہو سکتا ہی اور اس طرح چاند اور ستاروں کا مریڈی ین (Meridian) بھی معلوم ہو سکتا ہی۔
ان دونوں عمارتوں اور بڑے سے دائرۃ الظل کے بیچ میں ایک کرہ مقعر بنا ہوا ہی جو فلکی نصف دائرے کو بتلاتا ہی جس کا قطر ۔ ۵ ہی۔ اس میں پندرہ درجے ہیں جس سے نصف النہار معلوم ہوتا ہی۔ چوں کہ یہ مقام ایک خاص فن سے متعلق ہی اس سبب سے ما وشما کو اس کی قدر نہیں ہو سکتی نہ کچھ سمجھ میں آتا ہی۔ ہاں جو لوگ علم الافلاک کے ماہر ہیں وہ جان سکتے ہیں کہ کن کن مسائل کو کس کس اسلوب سے سلجھایا ہی۔ ہمارے جیسے لوگوں کو جو اس کوچے سے نابلد ہیں بظاہر ایک بہت بڑی خط استوا کی ڈائل نظر آتی ہی اور دو مدور عمارتیں معلوم ہوتی ہیں جن میں ایک کے

اوپر ایک سیڑھی نما دائرے بنے ہوئے ہیں جن سے بظاہر ستاروں کے صعود و نزول کی پیمائش کی جاتی ہے۔ آگے ہماری عقل خود چکر میں ہے۔ ہیں نے انگریزی میں ایک بڑی مبسوط کتاب بھی دیکھی ہے جو خاص اسی جنتر منتر پر لندن میں حال میں چھپی ہے جس میں متعدد نقشے بھی دیئے گئے ہیں اور اس میں ساری بحث راجہ جے سنگھ کے عمل ہیئات پر ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سائنس دانوں کے لیئے یہ ضرور کوئی بڑی قابل قدر چیز ہے جو اس زمانے میں بھی اس کی چھان بین کی جا رہی ہے۔

رکاب گنج حال مادھو گنج

نمبر ذیلی ۱۲۲/۴۔ اجمیری دروازے سے قطب روڈ پر داہنی طرف سڑک سے کوئی سو سوا سو قدم پرے جنتر منتر کے مغرب میں ایک بڑا بھاری پختہ احاطہ نظر آتا ہے۔ اس کا قدیم نام رکاب گنج تھا لیکن اب اس پر مادھو گنج کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ چوں کہ اس گنج کے دروازے کے پاس ایک تین در کی چھوٹی سی مسجد ہے۔ اور وسط میں چبوترے پر ایک قبر بھی ہے تو اس کا بانی کوئی ہندو نہیں ہو سکتا۔ جنتر منتر کے بیان میں جو مادھو گنج کا ذکر آیا ہے وہ یہی مقام ہے جسے مہاراجہ صاحب جے پور کے علاقے کا کہا گیا ہے اب یہ ساری زمین معاوضہ دے دلا کر رائے سینا میں شامل کر لی گئی ہے۔ صدر دروازہ شمال رویہ بڑا عالی شان ہے۔ گہرائی دروازے کی ۱۳ فٹ ہے اور چوڑائی ۱۱ فٹ۔ دروازے کے اندر بغلی میں دو طرفہ سہ دریاں ہیں اور اوپر بھی سہ دری ہے۔ احاطہ چار سو فیٹ مربع ہے جس کے چاروں کونوں پر گھوگھس بنے ہوئے ہیں۔ مشرق کی طرف چوتھائی دیوار گر پڑی ہے اندر سوائے جنگلی گھانس کے کچھ نہیں

ٹیلے پر کی مسجد

اس سڑک پر داہنی طرف بالکل سڑک سے لگی ہوئی اونچے ٹیلے پر ایک مسجد بنی ہوئی ہے تین در کی مسجد ۲۴×۱۰ فٹ ہے۔ جو (۷/۴) اونچے ۳ فٹ ۸ چبوترے ہیں۔ بائیں طرف ایک حجرہ ۹×۵ فٹ ہے۔ اندر گچ کا فرش اور چھوٹا سا منبر ہے چھت چوبی کڑیوں کی ہے۔ صحن میں سنگ سرخ کا بہت پرانے چوکوں کا فرش ہے جو ۴۰×۱۴ فٹ ہے۔ احاطے کی دیوار ۵-۹ فٹ اونچی ہے۔ داہنی طرف ایک کنواں ہے۔ صحن کے کونے میں بائیں طرف ایک بہت پرانا نیم کا درخت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سڑک نکالتے وقت اس مسجد کے صحن کا کچھ حصہ سڑک میں آ گیا ہے اور دروازہ جو اب جنوب کی طرف ہے وہ ضرور سڑک کی طرف رہا ہوگا چنانچہ سڑک کی طرف ۴۳/۴ فٹ لمبی ۱۲ اونچی پتھر چونے کی بندش کی ایک دیوار مسجد کا صحن محدود کرنے کو بنا دی ہے۔ اور یہی اونچان اس ٹیلے کی بھی ہے جس پر کہ مسجد بنی ہوئی ہے۔ غرض یہ مسجد قدیم ہے اور سرکار کو اس کا موجودہ حالت پر

باقی رکھنا منظور ہے جو اس طرح بندش کرادی ورنہ اس دردسری کی کیا ضرورت تھی۔

نئی چھاؤنی کی مسجد نمبر پی $\frac{1}{119}$ گورنمنٹ ہوس رائے سینا کے سامنے مغرب کی طرف سڑک کی بائیں طرف معمولی حیثیت کی ایک قدیم مسجد تین گنبد اور تین دروں کی ۲۲×۱۳ ہے بائیں ہاتھ کی طرف ایک حجرہ ہے چھت اوپر سے سپاٹ ہے۔ چاروں کونوں پر چار مینار نما چوکور برجیاں ہیں بیچ کا در ۱۲ فٹ اونچا۔ ۳ فٹ ۹ انچ چوڑا ہے۔ بائیں طرف کی محراب پر سنگ سرخ میں یا فتاح کا طغرا کٹا ہوا کہیں اور سے لاکر لگا دیا ہے دو سیڑھیوں کا چھوٹا سا ممبر ہے۔ سامنے گے اینٹ کے فرش کا چبوترا ۲۲×۱۳ کا ہے۔ کمپونڈ ۳۷×۳۶ فٹ ۳ فٹ اونچا ہے صحن میں ایک کنواں بھی ہے۔ شمال کی طرف اینٹوں سے چنا ہوا ایک پختہ گچ کا چوکی دار دروازہ ہے۔ جسے چوبی پٹ ہیں۔ دروازے کی محراب میں کارنس پر رنگ کا کام ہے کسی نے روشنائی سے پیشانی پر یہ شعر لکھ دیا ہے:۔

نماز زاہداں سجدہ بسجودے نماز عاشقاں ترک وجودے

قدیم نام اس مسجد کا کیا تھا معلوم نہیں۔ اب نئی چھاؤنی کی مسجد کہلاتی ہے۔ اس کے کمپونڈ کی مشرقی دیوار میں پانی کا نل بھی لگا ہوا ہے۔ یہ نل کچھ مسجد کے واسطے نہیں لایا گیا بلکہ جس طرح پبلک روڈ پر لگا دیا جاتا ہے یہاں بھی لگا دیا گیا۔ یہ بھی غنیمت ہے۔

ایک نامعلوم گنبد نمبر پی $\frac{6}{15}$ بجلی گھر اور محکمۂ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کے جنوب میں ایک گنبد سر راہ کھڑا ہے۔ جو اندر سے ۱۷ فٹ ۱۰ انچ ہے۔ چار طرف چار چار دروازے ۱۰×۶ فٹ۔ اندر کوئی قبر نہیں نہ فرش۔ دیواروں میں آٹھ طاق ہیں بہت خراب وخستہ حالت میں ہے کس کا ہے معلوم نہیں۔ لوٹا پھوٹا چبوترا ۵ فٹ اونچا ہے۔

گمٹی قطب روڈ کے بائیں طرف سڑک سے کوئی سوا سو قدم ہٹی ہوئی صفدر جنگ کے مقبرے کے شمال میں چھ فیٹ مربع ہشت پہل گمٹی ہے تین طرف دروازے مغرب میں بند۔ دروازے ۲×۷ فٹ ۱/۲۔ اس کے جنوب میں ایک پختہ کنواں ہے۔ یہ بھی نامعلوم ہے۔ جہاں بڑے بڑے گنبدوں کا پتہ نہ چلے یہ کس شمار قطار میں ہے۔ اس کے آگے صفدر جنگ کا مقبرہ قطب روڈ کے داہنی طرف ہے۔

دلّی دروازے سے قطب روڈ پر کی عمارتیں

گھوگس

دہلی نظام الدین کی سڑک۔ مہابت خاں کی حویلی کے سامنے داہنی طرف ایک سڑک پھوٹ جاتی ہے جو رائے سینا سے ہوتی ہوئی قطب چلی گئی ہے۔ ببّر کے تکیئے کے پیچھے جو دہلی نظام الدین کی سڑک پر ہے اس کے عقب میں دلّی دروازہ قطب روڈ کی داہنی جانب ایک ٹوٹا ہوا سا برج گھوگس کی شکل کا ایک چبوترے پر کھڑا ہے جس کا دور ۹۲ اور بلندی (۱۱) ہے۔ یہ کسی محل کے احاطہ کے کونے پر کا ایک برج معلوم دیتا ہے۔ چنانچہ اس برج کے پاس دیوار کا کچھ گرا ہوا حصہ بھی باقی ہے۔

چھوٹی مسجد

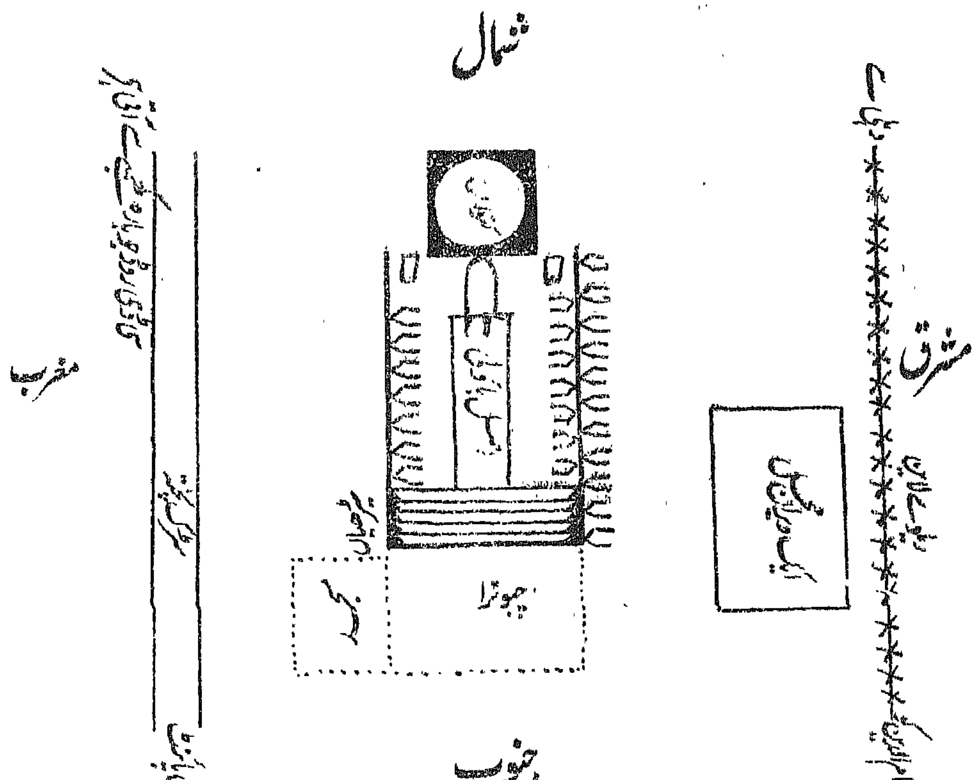
ریلوے لین دلّی سے نظام الدین کے بائیں ٹیلیگراف پول نمبر ۹۵۳/۲ کے پاس ایک بالکل گری پڑی مسجد ہے جس کے تین در اور تین گنبد ہیں۔ داہنی طرف کا پہلا گنبد اور درمیانی گنبد آدھا باقی ہے۔ تیسرا گنبد بائیں طرف کا وہ بھی نصف رہ گیا ہے اور اسی طرف ایک اونچا پاکھا کھڑا ہے۔ بیچ کے آرچ کی چوڑائی (۵۱) ہے۔ صحن کے عقب میں کنواں تھا جو اب پاٹ دیا گیا۔ اب یہ مسجد موجودہ حالت کے لحاظ سے چھوٹی مسجد کہلاتی ہے۔

اگرسین کی باؤلی اور مسجد

جنتر منتر کی رصد گاہ سے کوئی پانسو گز فاصلے سے اس نام کی ایک بہت بڑی شان دار باؤلی اور اُسی کے ساتھ ایک مختصر سی مسجد ہے جو سڑک کی داہنی طرف ہے۔ اگرسین جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کوئی ہندو تھا مگر معمولی شخص نہ تھا بلکہ صاحب ثروت و متمول تھا جب ہی تو اُس نے ایسی عمدہ باؤلی بنوا دی۔ باؤلی کے پاس مسجد ہونے سے شبہ ہوتا ہے کہ اس کا بانی شاید کوئی مسلمان رہا ہو اور اصغر حسین کو اگرسین کر لیا ہو مگر یہ بات نہیں دراصل یہ دونوں عمارتیں ہندو صاحب ہی کی بنوائی ہوئی ہیں کیوں کہ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ امام باڑے درگاہیں جیسے ہندوؤں نے بنوائے ہیں اور بعض ہنود اپنی خوش اعتقادی سے ایسا کرتے ہیں۔ کار خیرات و حسنات ہیں وہ مذہب کی تفریق کو مدنظر نہیں رکھتے۔

باؤلی کے اوپر کا چبوترا جسے مسجد کا دوسرا صحن بھی کہہ سکتے ہیں ۴۰×۳۷ ہے چبوترا خام ہے مگر

گرد بندش پختہ ہے۔ اصل باؤلی مستطیل ۱۰۰ فٹ × ۳۳ ہے۔ اور دوسرا ادھر لمبائی لونو ۳۰ فٹ × ۳۳ ہے۔ پہاڑ کا پہاڑ کھڑا ہے۔ اندر اترتے ہوئے ڈر معلوم دیتا ہے پانی بھی لبریز ہے اور شیریں تھا لیکن اب چونکہ کھنچتا نہیں ذرا ململا ہو گیا ہے۔ باؤلی کے جنوب میں سیڑھیاں دور تک چلی گئی ہیں اس وقت پانی کے اوپر چھیالیس سیڑھیاں ہیں۔ باؤلی کے گرد کی دوطرفہ دیوار ۳۳ فٹ اونچی ہے۔ مشرق کی طرف باؤلی کے اندر سے (۴۲) سیڑھیوں کا دوطرفہ زینہ ہے۔ شمال کی طرف لاؤ لگانے کی سوراخ دار کڑیاں پڑی ہیں۔ باؤلی کی دیواریں اندر کے رخ پر نیچے کے حصے میں آٹھ آٹھ دیوار دوز طاق ہیں اور اوپر کے حصے میں نو نو۔ دیوار کے بیرونی رخ پر تیرہ دیوار دوز طاقوں کا سلسلہ ہے جو بجائے خود ۷ فٹ × ۶ کی کوٹھریاں ۵ فٹ گہرائی میں ہیں۔ باؤلی کے شمال میں ایک بڑا بھاری گول کنواں ۱۸ فٹ مربع ہے جس کی چاروں طرف در ہے اور اوپر لداؤ کی گنبد ہے۔ اسی کا پانی باؤلی میں بھرتا ہے۔ قرینہ کہتا ہے کنواں اور باؤلی دونوں بہت گہرے ہیں اور ان میں چشمے سوتیں ہیں جن کا پانی ختم نہیں ہوتا بلکہ عجب نہیں کہ باؤلی کے شکم میں بھی کنواں ہو کیونکہ بڑی بڑی باؤلیوں کے پیٹے میں کنوئیں کھودے جاتے ہیں جیسے کہ حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ کی باؤلی میں ہیں باؤلی کی ہیئت کذائی بدون نقشہ نظری کے ذہن نشین نہ ہوگی لہٰذا آپ اسے ملاحظہ فرمائیے۔



مسجد نمبری ۳۴۸ - اگرسین کی باؤلی پر ایک چھوٹی سی تین در اور لداؤ سطح چھت کی مسجد ۲۸ ½ × ۱۰ ½ ہے تینوں در یکساں ۷ ½ فٹ اونچے اور ۶ ½ چوڑے ہیں۔ اندر سے چھت قلمدان نما ہے۔ بائیں طرف کے پاکھے کی دیوار گرگئی اور اسی کے ساتھ ادھر کا حجرہ بھی گرگیا۔ داہنی طرف کا حجرہ جو دس فٹ مربع ہے موجود ہے۔ ور سنگ سرخ کے میز پیا کی ½ کی ایک ہی پتھر کی کڑی ۱۰ فٹ مربع ہے۔ ادھر اُدھر اسی قسم کے سنگ سرخ کے دو دو در اور بیچ کی محراب میں چار چار در لگائے ہیں۔ تینوں دیوار دو زطاقوں کے دو طرفہ کلمہ طیبہ کا طغری ہے۔ منبر اور فرش ٹوٹ گیا۔ باہر کی دو محرابیں باقی ہیں تیسری گرگئی ان پر بھی دو طرفہ کلمہ کا طغری تھا اور سرخ رنگ بھی مسجد کے رد کار پر تھا مسجد کی بلندی ۱۱ ½ ہے سامنے پختہ چبوترہ ۵ ½ × ۲۲ ہے جس پر ایک شکستہ قبر بھی ہے

محل جو کھنڈر ہا ہے اس باؤلی اور مسجد کے مشرق میں جی آئی پی ریلوے لین کے پاس ایک بہت بڑا وسیع احاطہ تھا جس کے اندر کوئی محل تھا۔ محل کا تو اب وجود رہا نہیں مگر احاطے کی دیواریں کچھ باقی ہیں اندر پتھر اور مٹی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور مزدور برابر کھود کھود کر پتھر اور مٹی ڈھو رہے ہیں۔ انہیں پتھروں سے سڑک بن رہی ہے اور یہی رفتار ہے تو چند دن میں میدان صاف ہو جائے گا۔ اس وقت جو ایک خیالی تصویر اس محل کی تصور میں آسکتی ہے وہ موقع بھی جاتا رہے گا۔ احاطے کی وسعت۔ دیواروں کی بلندی پتھروں کے انبار مٹی کے اونچے اونچے ٹیلے بنیادوں کے نشانات سب کافی دلیل اس بات کی ہیں کہ یہ محل کوئی غیر معمولی وسعت اور شان و شوکت کا تھا۔ اب اگر گورنمنٹ ایسی مردہ اور از کار رفتہ عمارتوں کو صاف نہ کروائے تو پھر نئی دلی کے واسطے زمین کہاں سے آئے اور خدائی قدرتی ہے

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت　　رفت منزل بدیگرے پرداخت

کیوں کر صادق آئے۔ زمانہ بدل گیا۔ ہمارا طرز زندگی بدل گیا۔ ہماری ضروریات بدل گئیں۔ غرض یہ کہ آسمان بدل گیا اور زمین بدل گئی۔ یہ عمارتیں اگر باقی رکھی جائیں تو اس زمانے میں کس کام کی ہیں۔ لہٰذا ان کا مٹا دینا ہی اقتضائے ضرورت وقتی ہے۔ اب صرف انہیں عمارتوں کی نگہداشت کی جاتی ہے جن سے کوئی اہم تاریخی واقعہ متعلق ہے یا کسی اولوالعزم بادشاہ کی یادگار ہیں۔ رہیں ایسی ویسی پچکلیاں ان کی خدمت گزاری کدال پھاوڑے سے کی جانے کے

سوائے گزرنہیں ان بوسیدہ اور ناکارہ عمارتوں کی بجائے اب نئے نئے خوش نما ہوادار مکانات کوٹھیاں۔ پارک بنیں گے جن میں بجلی کی روشنی جگمگائے گی برقی پنکھے فرفر چلیں گے۔ سوڈا لمینڈ کی کاگیں وناودن اڑیں گی۔ اب وہ زمانہ نہ گیا کہ جب ان دقیانوسی ڈیزین کی عمارتوں کی ضرورت اور قدر تھی جب وہ قدردان ہی نہ رہے تو اب ان مکانات کو لے کر کیا کرنا ہے۔

مسجدی پائنٹ

نمبر پی ۱۳۵ - اگر سین کی باؤلی سے سیدھے چلے جائیے تھوڑی دور آگے کھلا چوراہا ملے گا اجمیری گیٹ بارہ کھمبے سے سی ڈی روڈ پر

پلنے سینا اکس پائنٹ

سی پائنٹ مہرولی وغیرہ

اہاتہ

دلی دروازہ

یہیں یہ مسجدی ہے جس کے سامنے بڑا قبرستان ہے۔ مسجد کے گرد سوائے مسجد اور قبور کے جسے محاط کر دیا ہے دوسری عمارتیں گراکر میدان صاف کر دیا گیا ہے یہ مسجد تین دروں کی لداؤ ہے بیچ میں ایک بڑا گنبد ہے دو طرفہ ایک ایک چھوٹی سی برجی ہے چھت کے اوپر کنگورے دار سنڈیر ہے اصل مسجد ۳۰×۱۱ فٹ بیچ کی محراب ۸×۶ فٹ ہے۔ سامنے گچ کا پختہ چبوترا ۳۱×۵ فٹ کا ہے صحن مسجد کے سامنے متعدد پختہ قبریں ہیں۔ یہاں کی چند قبروں پر گچ میں ہی نہایت بدخط نام گھسیٹ دئے ہیں، وہ یہ ہیں:۔

(۱) ہاتف گفت بحکم الہ رفت بفردوس حاجم الشار

نیاض بیگم فخر جہاں مرزا محمد سراج الدین مراد آبادی۔

سی پائنٹ اور اکس پائنٹ

رائے سینا میں پختہ سڑکوں کا ایک جال بچھ گیا ہے بہت سی سڑکیں بن گئیں بہت سی زیر تعمیر ہیں یہاں کے نام حروف تہجی کے نام سے مشہور ہیں یہ ایک ۴ مربع اور تیرہ فیٹ اونچا چبوترا التقسیم ارضی کا نشان حال کا بنا ہوا ہے جس پر تیرہ سیڑھیاں چڑھ کر جاتے ہیں۔ اس چبوترے کے اوپر تین فیٹ اونچے پول پر ایک آہنی اسکیل لگا ہوا ہے۔ یہ مقام پرانے قلعہ اور گورمنٹ ہاؤس کے بیچ میں ہے۔ اسی طرح سڑک کے غربی آخری سرے پر اکس پائنٹ ہے۔ یہ مقامات سروے (پیمائش) کے نشانات ہیں۔

ایک درگاہ نما ٹیلہ

نمبر پی ۱۳۶ - اکس پائنٹ پر دہلی گیٹ کے سڑک کے اخیر بائیں طرف ایک بلند ٹیلے پر چار چار درباقی ہیں۔ یہ عمارت سنگ خارا کی ہے۔ خواہ کوئی مقبرہ رہا ہو یا درگاہ نیم کا ایک درخت بھی اوپر

ایک کونے میں ہے۔ ٹیلا چو طرف سے کاٹ ڈالا گیا ہے۔ معلوم نہیں اصلی حیثیت کیا تھی۔ بہرحال ہے کوئی مذہبی مقام جو محفوظ کیا گیا ہے۔ چبوترے کو جو چو طرف سے تراشا ہے تو سڑک کی جانب چبوترے کے حصے کو غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دو کاسہ سر نصف نصف تراش میں آ گئے ہیں اور نصف مٹی میں جمے ہوئے باقی ہیں۔ اس کے آگے قطب روڈ مل جاتی ہے۔

قطب روڈ اور ریلوے لین کے بیچ کے میدان کی عمارتیں

اوپر والے چوراہے کی بائیں طرف بجانب مشرق نظر دوڑائیے تو یکے بعد دیگرے عمارتوں کا سلسلہ ریلوے لین تک چلا گیا ہے جو منشی جلوطا رام خزانچی اور نائی کی حویلیوں پر ختم ہوتا ہے وہیں سے باہر پور کو سڑک چلی گئی ہے۔ پھر باہر پور رستے ہم شارع عام قطب روڈ پر آن ملے ہیں۔ اس نواح کی عمارتوں کا ذکر اسی ترتیب سے کرتے ہیں جیسی کہ وہ واقع ہیں مگر سلامت ان میں سے کوئی بھی نہیں سب بہت خراب و خستہ حالت میں ہیں۔ ان عمارتوں کو اگر گورنمنٹ مسلمانوں کی عبادت گاہ اور مقابر سمجھ کر سر دست نہ بھی گرائے تو ان کا اپنی حالت پر چھوڑ دینے کا بھی وہی نتیجہ ہے جو آج گرا دینے سے ہوتا یعنی چند سال نہ گزرنے پائیں گے کہ ان کا عدم و وجود خود بخود برابر ہو جائے گا۔ مُردے کی نعش کو آخر کب تک سنبھال کر رکھیں گے کیوں کہ وہ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ[1] کا مصداق ہے۔ خاک ضرور ایک دن خاک میں مل جانے والی ہے۔

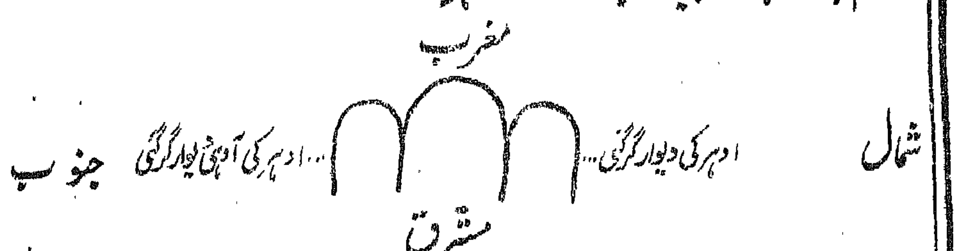
منہدم مسجد

اوپر والی سڑک کے کنارے بائیں ہاتھ کی طرف بجانب مشرق یہ مسجد لداؤ کی ہے۔ ۴۵ فٹ × ۱۱½ تین در کی ہے۔ بیچ کا در ۶ فٹ اونچا (۷ فٹ) چوڑا ہے۔ اب زیادہ تر حصہ مسجد کا گر کر صرف ۲۳ فٹ باقی رہ گیا ہے۔ بیچ میں بڑا گنبد تھا جس کی چھت قلمدان نما مبو تری لداؤ کی تھی۔ ادھر ادھر آر بیچ تھیں۔ فرش منبر چبوترا سب معدوم ہے۔ موجودہ حالت یہ ہے۔



[1] (لوگو!) اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور (مرنے کے پیچھے) اسی میں تم کو لوٹا کر لائیں گے اور اسی سے (قیامت کے دن) تم کو دوبارہ نکال کھڑا کریں گے۔ ۱۲

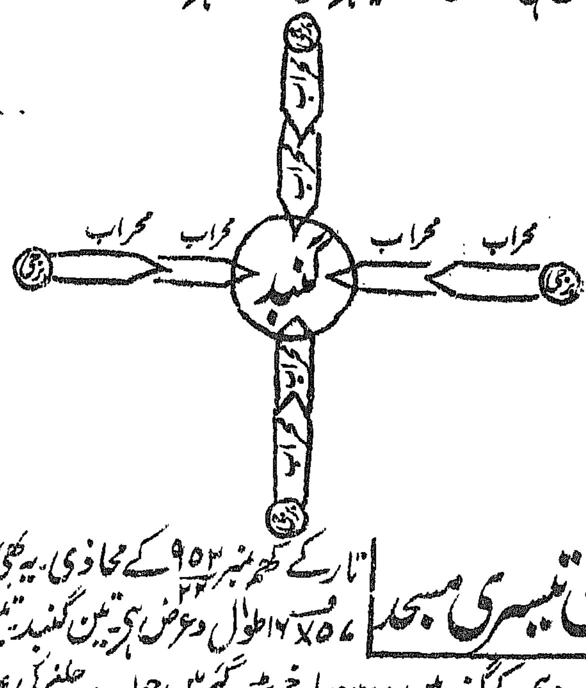
دوسری منہدم مسجد نمبر ۱/۱۴۳ یہ مسجد ایک بہت اونچے ٹیلے پر واقع ہے۔ جس پر پختہ چبوترا تھا جو اب ایسا ڈھ گیا ہے کہ اوپر پہنچنا بھی مشکل ہے یہ مسجد تار کے کھمبے نمبر ۳۳/۵ اور ۹/۲ کے محاذی قلعہ کہنہ کے غربی دروازے کے سامنے ریلوے لین کے اس طرف ہے۔ مسجد پتھر چونے سے بنی ہوئی ہے پلاستر بالکل جھڑ گیا۔ اندر کا فرش بھی اکھڑ گیا۔ اندر سے تین گنبد تین در ہیں اوپر سے چھت سپاٹ ہے۔ برجیاں بھی باقی نہیں رہیں۔ مسجد کا بہت سا حصہ گر کر چبوترے ہی پر بڑے بڑے ڈھیم پڑے ہوئے ہیں موجودہ حالت یہ ہے:—



گنبد اندر سے پھٹ کر بڑی بڑی دراڑیں پڑگئی ہیں بہت جلد بیٹھ جانے والے ہیں محرابوں پر اندر باہر کلمہ طیبہ کے طغری تھے چنانچہ بیچ کے در اور اندر دالان کے پیش طاق پر دو طرفہ اب بھی طغرے باقی ہیں چھت اور محرابوں پہ نہایت نفیس گلکاری چونے میں کی ہوئی ہے۔ اندر کی چھوٹی طاق نما دیوار دوز محرابوں پر دو طرفہ طغرے تھے جن کا صرف نشان رہ گیا ہے حروف جھڑ کر کچھ کچھ باقی رہ گئے ہیں۔ مسجد کے اندر رنگین کام تھا جس کا کچھ باقی ماندہ حصہ چھوٹی محرابوں پر ... رہ گیا ہے۔ مسجد ۳۶ فٹ ۹ × ۱۳ - ۹ ہے۔ درمیانی محراب ۱۰ فٹ × ۸ - ۳ ہے۔ بلندی مسجد کی (۲۰) ہے۔ سامنے چبوترا تھا جو منہدم ہوگیا۔ روکار پر باہر کی محرابوں کے دو طرفہ بھی طغرے تھے۔ آرچوں کے شق میں قینچی کا کام ہے۔ مسجد دو منزلہ تھی جب نیچے کی منزل کی پہ گت بنی ہے تو اوپر کا کیا کہنا وہ حصہ تو سارے کا سارا گر کر چھت پر مسجد کی چھت کی دیوار کی طرف صرف ایک محراب باقی رہ گئی ہے۔ زینہ بائیں طرف تھا جو بالکل گر گیا ایک سیڑھی بھی باقی نہیں رہی۔

ہیجڑوں کا گنبد اوپر والی مسجد سے کوئی سو سوا سو قدم ریل کی سڑک کے بائیں طرف یہ گنبد ہے لوگوں کی زبان پر تو یہی چڑھا ہوا ہے۔ در اصل کیا بات ہے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم نے جو نام سنا وہ لکھ دیا ع زبان خلق کو نقارۂ خدا کہیے

یہ گنبد تار کے کھم نمبر ۹۵۲/۲۲-۲۴ کے مابین ہی۔ ساری عمارت سنگ خارا اور اینٹوں کی ہی۔ یہ گنبد بڑا عالیشان اور بہت اونچا ہی لیکن بہت شکستہ حالت میں ہی۔ اندر تمام گچ کا پلاستر تھا جس میں کا کچھ بھی باقی نہ رہا۔ گنبد کی استرکاری کی چھلیں گر گئیں۔ اور نرہی لکھوری اینٹیں نکل آئیں۔ گنبد کی چندیا میں اتنا بڑا سوراخ پڑ گیا ہی کہ آسمان نظر آتا ہی۔ یہ بندش کی خوبی ہی جو اس حالت میں بھی کھڑا ہی اور خدا جانے کب تک کھڑا رہے گا۔ چاروں طرف ایک ایک بلند محراب دار دروازہ ہی۔ چوکھٹیں چاروں طرف کی لوگ اکھاڑ لے گئے۔ فرش ذرا بھی نہیں نشانوں پر سے معلوم ہوتا ہی کہ کئی قبریں تھیں اب تو صرف ٹوٹے ٹوٹے ایک قبر کا تھوڑا سا رہ گیا ہی وہ بھی گنبد کے وسط میں نہیں ہی بلکہ ایک طرف ہٹا ہوا ہی۔ اب یہ گنبد کبوتروں کا ہیڈ کوارٹر ہی۔ انہوں نے بھی خوب مامن تلاش کیا ع ہیچ آفت نرسد گوشہ تنہائی را۔ گنبد اندر سے ۲۵ فٹ مربع ہی۔ اندر کی آرچ ۱۵ فٹ - ۹ انچ × ۹ فٹ ہی۔ اونچان ناپی نہیں جاسکتی کہ زینہ جو شمالی محراب میں تھا گر گیا۔ چاروں طرف کی محرابوں پر برجیاں ہیں گرد پختہ چبوترا تھا جس کا صرف نشان ہی نشان رہ گیا ہی سطحی نقشہ یہ ہی:-



اسی بین بین تیسری مسجد

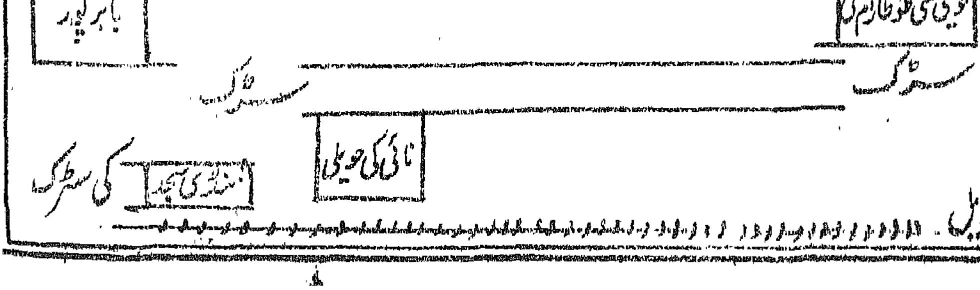
تار کے کھم نمبر ۹۵۲/۲۲ کے محاذی۔ یہ بھی بالکل شکستہ ہی ۵۷ × ۱۶ فٹ طول و عرض ہی۔ تین گنبد تین در بیچ کی محراب ۱۳ ½ × ۸ ¼ ہی۔ بیچ کے گنبد میں دو سوراخ پڑ گئے ہیں جواب چلنے کی علامت ہی۔ سامنے چبوترا تھا جواب نہیں رہا مسجد کے گرد ایک وسیع اور پختہ احاطہ بھی تھا جس میں بجانب مشرق دروازہ تھا جس کی صرف ایک اونچی محراب کھڑی ہی۔ دوسری گر گئی جس کے گرنے سے ٹوٹے ہوئے ...

پہیں پڑے ہیں۔ مسجد کے دونوں طرف زینہ تھا جو بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا۔ ایک آدھ سیڑھی اوپر کی باقی رہ گئی ہے۔

منشی طوطارام خزانچی کی حویلی

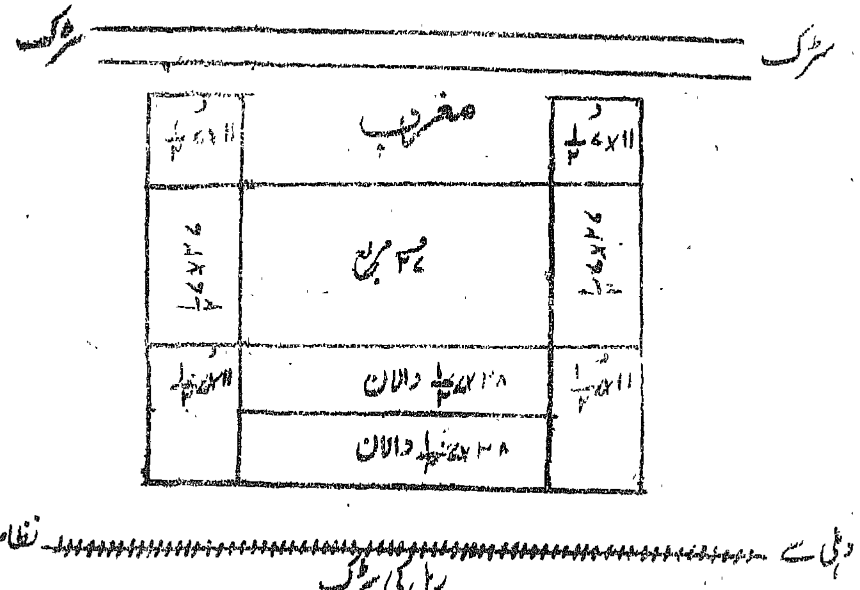
جی آئی پی بلی کی سڑک پر دلی سے آتے ہوئے داہنی طرف نمبر ۹/۵۲ ۱۹ تار کے کھمبے کے سامنے ایک بہت عالیشان اور وسیع پختہ چار دیواری کھڑی ہے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ کوئی منشی طوطارام فرخ سیر بادشاہ کے زمانے میں (۱۷۱۳-۱۹ء) خزانچی تھے اُن کی یہ حویلی ہے مگر یہ زبانی سنے ہیں جن پر مشکل سے بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال یہ حویلی تھی کسی بڑے امیر کی۔ اندر جا کر دیکھو تو نرا کھنڈر ہے سوائے چار دیواری کی اونچی اونچی دیواروں کے اور کچھ باقی نہیں۔ دو طرف کی دیواریں بھی گر گئیں صرف شمال جنوب کی باقی ہیں۔ صحن سارا جنگل ہو گیا ہے جس میں گھاس اور کانٹوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ صحن کا طول و عرض ۱۰۴ × ۹۲ ہے۔ دیواریں سربفلک ہیں جن پر نیچے سے لیکر اوپر تک طاق ہی طاق بنے ہوئے ہیں۔ صدر دروازہ کی طرف ایک شہ نشین کے کچھ آثار ہیں۔ اندر چینی کا کام تھا چنانچہ ایک چھوٹا سا ٹکڑا چینی کا جس پر نیلا کام تھا ہم کو شہ نشین کے ملبے کے ڈھیر میں ملا۔ اطراف شمال کی طرف ۹ ۱/۲ چوڑی گیلری ہے۔ صدر دروازہ جنوب کی طرف تھا جو گر گیا۔ صرف ایک پاکھا شمال کی طرف کا کھڑا ہے جس میں اوپر دار چول پھنسانے کی ایک سوراخ دار لکڑی موجود ہے۔ دوسرا پاکھا گر گیا ہے مگر اس کی بلندی کا کچھ اندازہ پڑے ہوئے دروازے کی چوکھٹ سے معلوم ہوتی ہے۔ اوپر کی محراب گر گئی پائے ہیں جن سے بلندی کا اندازہ ہو سکتا ہے مگر چھت ہی باقی نہیں لہذا اوپر چڑھنے کی کیا سبیل رہی۔ یہ مکان اس طرز کا بنایا گیا ہے کہ پہلے تہ خانے کی طرح کی لداؤ کی کوٹھریاں بنا کر ان پر عمارت کھڑی کی ہے چنانچہ مغرب کی طرف تین در کھلے ہیں اندر جا کر دیکھا تو دور تک کوٹھریوں کا سلسلہ چلا گیا ہے اور نیچے کی منزل کو کوئی گزند نہیں پہنچا ہے۔

اس کے بعد قریب ہی تائی کی حویلی ہے۔ موقعی نقشہ یہ ہے۔



نائی یا حجام کی حویلی

منڈی مسجد کے پیچھے نائی یا حجام کی حویلی کی چار دیواری ہے یہ عمارت تار کے کھمبے نمبر ۹۵ کے سامنے ہے۔ وضع قطع اس کی بھی منشی طوطا رام کی حویلی کی سی ہے۔ مگر اس سے چھوٹی ہے اور اس کی چار دیواری سلامت ہے جس میں نیچے سے اوپر تک طاقوں کی بھرمار ہے۔ نیچے سے اوپر تک طاقوں کی چار قطاریں ہیں نیچے کی تین بڑے بڑے طاقوں کی ہے۔ باقی تین قطاروں میں چھوٹے چھوٹے طاق ہیں خدا جانے ان دونوں حویلیوں کی چھتوں میں کیا نقص تھا جو چھتوں ہی پر وبال آیا۔ دونوں عمارتیں ایک ہی زمانے کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور دونوں ایک ہی لپیٹ میں آئی ہیں حویلی کے پیچھے تہ خانہ ہے۔ غربی رُخ جدھر دروازہ تھا وہ بالکل گر گیا۔ پیش میں دالان در دالان چاروں طرف ایک ایک حجرہ اور سہ دریاں ہیں۔ نقشہ نظری یہ ہے



پیش دالان اور بغلی دالانوں اور حجروں کے پختہ چبوترے موجود ہیں۔ دونوں حویلیوں کی چھت کا ملبہ بالکل نہیں ہے صحن میں گھاس بھر گئی ہے اور جنگلی خودرو جھاڑ جھنکاڑ اُگ آئے ہیں۔ سامنے سڑک پر ڈھیر کے ڈھیر روڑی کے کٹے ہوئے لگے ہیں جو سڑکوں کے کام آتے ہیں۔

سچ کہا ہے ۔۔ لَهٗ مَلَكٌ يُنَادِيْ كُلَّ يَوْمٍ ۔ لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ

لہ خدا کی طرف سے ایک فرشتہ (ہاتف) دنیا میں منادی کرتا رہتا ہے کہ جو مرنے کے لیے یعنی جو پیدا ہوتا ہے وہ ایک دن ضرور مرے گا یا یوں سمجھو کہ جس مکان کی بنیاد دیکھتا ہے وہ قبر بنا کر ہی اس حالہ دیکھے گا اور اسی طرح عمارتیں بھی کیسی پختہ بنا تو وہ بھی ایک نہ ایک دن اُجاڑ ہوں گی پہ پوری آئی وہ جو یہ نہ ہو۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کے بھی ہیں ۱۲۰

دنیا عجیب مقام ہی فنا کا بازار گرم ہی۔ یہاں بڑے بڑے بادشاہوں کا کھوج نہیں ملتا۔ بڑی بڑی عالی شان عمارتوں کے بنانے والوں کا ڈھونڈے پتہ نہیں ملتا۔ اسی نواح میں ہزار ہا روپیہ کی تیاری کے نفیس گنبد موجود ہیں معلوم نہیں ہوتا کہ کن کے ہیں تو پیچارہ نائی کس شمار قطار میں تھا۔ یہ بھی غنیمت ہی کہ اس کا نام چلا جاتا ہی۔ زمانے نے ان کی بھی حجامت کردی۔ رہے نام اللہ کا۔ ؎

دنیا عجیب مرحلۂ بے ثبات ہی — ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہی
یاں امن ایک لحظہ نہ دن ہی نہ رات ہی — جس کو فنا نہیں ہی وہی ایک ذات ہی
بیٹھی ہی موت تاک لگائے کمین میں
لے جائیگی یہ کھینچ کے آخر زمین میں
ایسا مکاں بناؤ کہ بن کر گرا نہ ہو — پیدا ہوا ہی کوئی بشر جو مرا نہ ہو
ہی کوئی حال جس میں تغیر ذرا نہ ہو — حادث نہ ہو تو دخل چون و چرا نہ ہو
فانی ہر ایک چیز ہی فانی جہان ہی
مقصود اس فنا سے مگر امتحان ہی

بابر پور کا ڈزرٹڈ ولیج ملہ حجام کی حویلی سے کوئی دو فرلانگ پر بابر پور نام کا ایک گاؤں ہی۔ رائے سینا میں بے حد و بے شمار سٹرکیں نکالی گئی ہیں۔ غرض ایک سٹرک اس موضع تک بھی ہی۔ گاؤں کے قریب پہنچ کر بڑی عالی شان اور پختہ حویلیاں نظر آتی ہیں معلوم ہوتا ہی کہ یہ کوئی چھوٹا سا شہر ہوگا جب تو اس میں ایسے پختہ اور خوش نما مکان ہیں مگر اندر جاؤ تو ویران سنسان آدمی کا نام نہیں۔ اسی واسطے ہم نے اسے ڈزرٹڈ ولیج یعنی اجڑا ہوا گاؤں لکھا ہی۔ بابر پور کا نام بابر بادشاہ کی طرف خیال دوڑاتا ہی۔ اس خطہ کو کچھ نہ کچھ تعلق اس زمانے سے رہا ہوگا۔ جب تو یہ نام پڑا۔ غرض ہی قدیم اور پرانی بستی۔ مگر اب بہت ہی مختصر ہی۔ بستی میں گھستے ہی پہلے تو ایک عالی شان پختہ عمارت ملتی ہی جو چوپال کے نام سے مشہور ہی۔ ہربنس سنگھ یہاں کے

ملہ ایک انگریز مشہور شاعر گولڈ اسمتھ نے اس نام کی ایک کتاب لکھی ہی جو بہت مشہور ہی۔ لغوی معنے اس کے وہ گاؤں ہی کہ جس کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہو ۔ ۱۲

زمیندار تھے جو عالی ہمت ہونے کے علاوہ خوش سلیقہ اور خوش مذاق بھی معلوم دیتے ہیں۔ یہ چوپال جو بطور ایک مہمان سرائے یا دھرم سالے کے ہے انھیں کی بنائی ہوئی ہے نیچے دہرے دالان کا سہ درہ ہے جس کے بغلی میں ایک ایک حجرہ ہے۔ دالانوں کی لمبان ۱۲ فٹ اور دونوں دالانوں کی چوڑان ۱۳ فٹ ہے چھت قلمدان نما لداؤ کی ہے۔ بالائی منزل پر بارہ سیڑھیاں چڑھ کر جاتے ہیں اوپر بھی اسی قسم کا مکان ہے جیسے کہ نیچے ہے اور دو منزلہ کی چھت پر چڑھنے کی بارہ سیڑھیاں اور ہیں۔ پہلی منزل کی بلندی (۱۱ فٹ) ہے۔ اور دو منزلہ ملالیں تو ۲۲ فٹ۔ یہ عمارت خوش نما اور چونے گچی کی پختہ بنی ہوئی ہے اور درست حالت میں ہے۔

ہربنس سنگھ کی کچہری اور حویلی

اس چوپال سے لگا ہوا کچہری کا عالی شان مکان ہے جس کا صدر دروازہ شمال رویہ ۹-۹ فٹ اونچا، ۷ فٹ چوڑا اور گیارہ فٹ گہرا ہے جس میں دو طرفہ ایک ایک درہ بنا ہوا ہے چھت قلمدان نما لداؤ کی ہے۔ چوک میں پختہ اور وسیع کمرے بنے ہوئے ہیں۔ احاطہ تخمینہ ۱۰۵ × ۷۰ فٹ ہے۔ اب اس میں مالی لوگ رہتے ہیں اور یہی زراعت کرتے ہیں وہ بھی صرف دو بھائی ہیں اور ان کے بال بچے اور ایک مسلمان کا گھر ہے۔ الحمد اللہ خیر صلاّ۔ اسی کے سامنے ہربنس سنگھ کی بڑی عالی شان اور وسیع سر بفلک حویلی کھڑی ہے جس میں آدمی کا نام نہیں۔

جگتا کی حویلی

اسی کے پاس ہربنس سنگھ کے بھتیجے جگتا کی حویلی ہے وہ بھی کچھ کم نہیں اور اسی طرح سارے مکان خالی پڑے بھائیں بھائیں کر رہے ہیں اور گاؤں کو دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ایک ہو کا عالم ہے۔ مالی کھیتی باڑی کو چلے جاتے ہیں تو اور بھی بھیانک ہو جاتا ہے۔

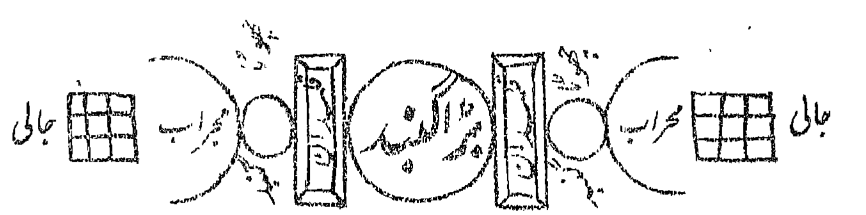
دو گنبد

گاؤں سے لگے ہوئے کوئی پچاس قدم کے فاصلے سے شمال کی طرف کھیتوں میں ایک ہشت پہل گنبد ہے جو اندر سے ۲۰ فٹ مربع ہے۔ چار طرف دروازے ۷ فٹ اونچے ۴ فٹ چوڑے ہیں کلس۔ قبر۔ فرش سب ندارد۔ چوطرف گھانس اور کانٹوں نے ایسا اپنا عمل دخل کیا ہے کہ وہاں تک پہنچنا ہی مشکل ہے۔ اس گنبد کے پاس ہی بجانب غرب ایک اور بڑا بھاری گنبد تھا جو گر پڑا مگر اس کے بڑے بڑے بھاری ڈھیم جو وہیں پڑے ہوئے ہیں اس کی عظمت اور شان کو بتلا رہے ہیں۔ اس کا چبوترا ۴۲ فٹ مربع اونچی

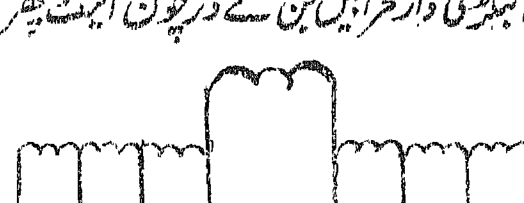
چھاتی پیران ڈھیموں کا بوجھ دھرے اب بھی موجود ہے۔ دونوں گنبدوں کا کچھ پتہ نہیں کہ کس کے تھے۔

جھالرا باغ گاؤں کے پچھواڑے مشرق کی طرف کوئی پانسو قدم پر کھیتوں میں اس نام کا ایک باغ تھا جس کے پختہ چبوترے۔ نالیاں۔ کنوئیں اور کچھ درخت اب بھی موجود ہیں۔

مسجد نمبر ۳۴۴۔ اسی میں ایک عالی شان اور نہایت ہی خوش نما سرتاپا سنگ سرخ کی بہت مستحکم اور خوش قطع بنی ہوئی ایک مسجد ہے جو دیکھنے کے قابل ہے۔ بیچ کا گنبد بڑا ادھر ادھر کے دو چھوٹے۔ کلس باقی نہیں۔ مسجد دوہرے دالانوں کی ہے۔ طول ۵۴ فٹ اور دونوں دالان ملا کر ۲۸ فٹ عرض۔ یہ مسجد سہ دری ہے۔ اندر کے دالان کے بیچ کی محراب ۱۰ فٹ اونچی اور ۸ فٹ چوڑی ہے اور باہر کے دالان کی بیچ کی محراب کی اونچان ۱۲ فٹ ۱/۲۔ دو طرفہ تیرہ تیرہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ مسجد کا ارتفاع ۳ فٹ ہے۔ سامنے چبوترا جس پر لکھوری اینٹ کا فرش ہے ۵۴ x ۲۹ ہے اور اندر دالانوں میں بھی اینٹ ہی کا فرش ہے۔ اجارے تک سنگ سرخ اور سنگ باسی لگا ہوا ہے اس کے اوپر اینٹ پتھر اور چونے کی عمارت ہے۔ اندر کے دالان کی چھت لداؤ کی ہے بیچ میں گول گنبد اور پھر قلمدان نما لبوتری کی چھت پھر چھوٹی گنبد نما چھت پھر محراب پھر جالی ہے۔ نقشہ یہ ہے:-



اس کے سامنے بنگڑی دار محرابیں جن کے در چوکن اینٹ پتھر کے تھم ہیں۔



محرابوں کے سامنے پھر دوسرا دالان جس کی چھت میں سنگ سرخ کی سلیں پٹی ہوئی ہیں۔ ادھر ادھر مینار نما برجیاں ہیں۔ ایسی تو نفیس مسجد اندر کے دالان میں کھانا پکا پکا کر دالان اور

چھت کو بالکل سیاہ کرکے تباہ کر دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بابر پور سے قطب روڈ تک کی عمارتیں

ایک عالی شان نامعلوم مسجد اور پل

یہ مسجد گو کہ اب جنگل اور ایسی جھاڑی میں کھڑی ہے کہ وہاں تک پہنچنا بھی متعذر ہے لیکن ع شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست۔ کٹنا کھانس اس طرح لیٹتی اور گوکھرو ایسی خبر لیتے ہیں کہ پیچھا چھوڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی معمولی مسجد نہیں بلکہ بڑی عالیشان خوش نما پختہ بنی ہوئی ہے۔ بابر پور سے سیدھی سڑک ہم نے پکڑی جو قطب روڈ کو جاملتی ہے اس پر بائیں ہاتھ کی طرف یہ مسجد ہے۔ پہلے ایک پل ملتا ہے جو اس مسجد کے مشرق میں ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ڈاٹ کا پل کیسا ہے اوپر روڑ کا بنا ہوا ہے۔ یہ سارا پل سنگ خارا کا ہے اس کا ایک دروازہ بھی تھا جس کا صرف ایک اونچا سا پاکھا رہ گیا ہے کبھی یہاں کوئی سڑک ہوگی اور نشیب تو یہاں ہے ہی برسات میں پانی جمع ہوتا ہوگا۔ اس کا یہ پل ہے مسجد پتھر اینٹ چونے کی ہے سنگ خارا اور سنگ سرخ دونوں اپنے موقع سے لگائے گئے ہیں مسجد دو منزلہ تھی زینہ گر گیا۔ اوپر کی منزل بالکل باقی نہیں رہی یہ مسجد طول و عرض میں ۴۳×۱۲ فٹ اور نچلی میں ہر طرف ایک ایک حجرہ ۱۲×۱۰ فٹ کا ہے۔ تین در ہیں بیچ والا بڑا اور برابر کے بالنسبت چھوٹے ۱۲½ فٹ اونچان اور ۲½ فٹ چوڑان ہے۔ اندر رنگ کا کام تھا جو سب جھڑ جھڑا گیا۔ اس مسجد میں زیادہ تر کام گچ میں ہی کیا گیا ہے۔ ندرت جو اس مسجد میں ہے وہ یہ ہے کہ گنبدوں کے جوف میں بے نظیر کنول کے پھول بنائے ہیں اور اتنا بڑا پھول بنایا ہے کہ اندرونی حصے گنبد کو سارا گھیر لیا ہے۔ اتنا بڑا پھول اور ایسا خوش نما بنانا کہ بعد انتہا ہو بڑی کاریگری ہے اسی طرح محراب کے جوف حصے میں بھی بے نظیر گلکاری کی ہے۔ افسوس ہے کہ بڑا حصہ پلاستر کا جھڑ گیا چور ہو گیا ہے جس کے دیکھنے سے بھی دل پھڑک جاتا ہے۔ سامنے پختہ چبوترا طول و عرض ۴۱×۳۸ فٹ اور چھ فٹ اونچا ہے جس کی بندش سنگ سرخ کی تھی مگر گر گئی۔ گرد کارنس اور چوڑا چھجہ تھا وہ بھی گر گیا مسجد کے شمال جنوب میں ایک ایک وسیع دالان تھا۔ ان کی بھی چھت نہ رہی۔ شمال کے دالان کے تین در تھے اور جنوب کے دو۔ ان دالانوں کا طول عرض ۳۱×۱۳ فٹ ہے۔ یہ مسجد کو

اتنی بڑی ہی مگر نفاست اور نزاکت کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ جتنا اس کے بنانے میں تکلف کیا گیا تھا اب اتنی ہی اس کی مٹی پلید ہوئی ہے۔ اس کی دیواروں کی گلکاری دیکھیے کہ ایک باغ کھلا ہے اس کا پلاستر ایسا کہ نظر پھسلتی ہے اس کا فرش ایسا سطح چکنا کہ جس پر دیدہ فرش راہ ہوا ور صرحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ[51] کا گمان ہو آج اس پر گوبر کے اُپلے پاتھ کر تھوپے جاتے ہیں نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا[52]

ڈھائی محرابیں

اس مسجد کے شمال مشرق کے کونے پر سڑک سے ذرا ہٹا ہوا ایک کھنڈر ہے جس کی اونچی اونچی دو محرابیں کھڑی ہیں اور ایک محراب کا صرف نصف حصہ اور ایک پا کھڑا ہے۔ باقی ندارد معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا مکان یا محل تھا جو کھد کھدا گیا تھوڑا سا حصہ اپنی حالت پر خدا جانے کیوں چھوڑ دیا ہے یہ بھی کوئی دن کی ہوا کھاتا ہے۔

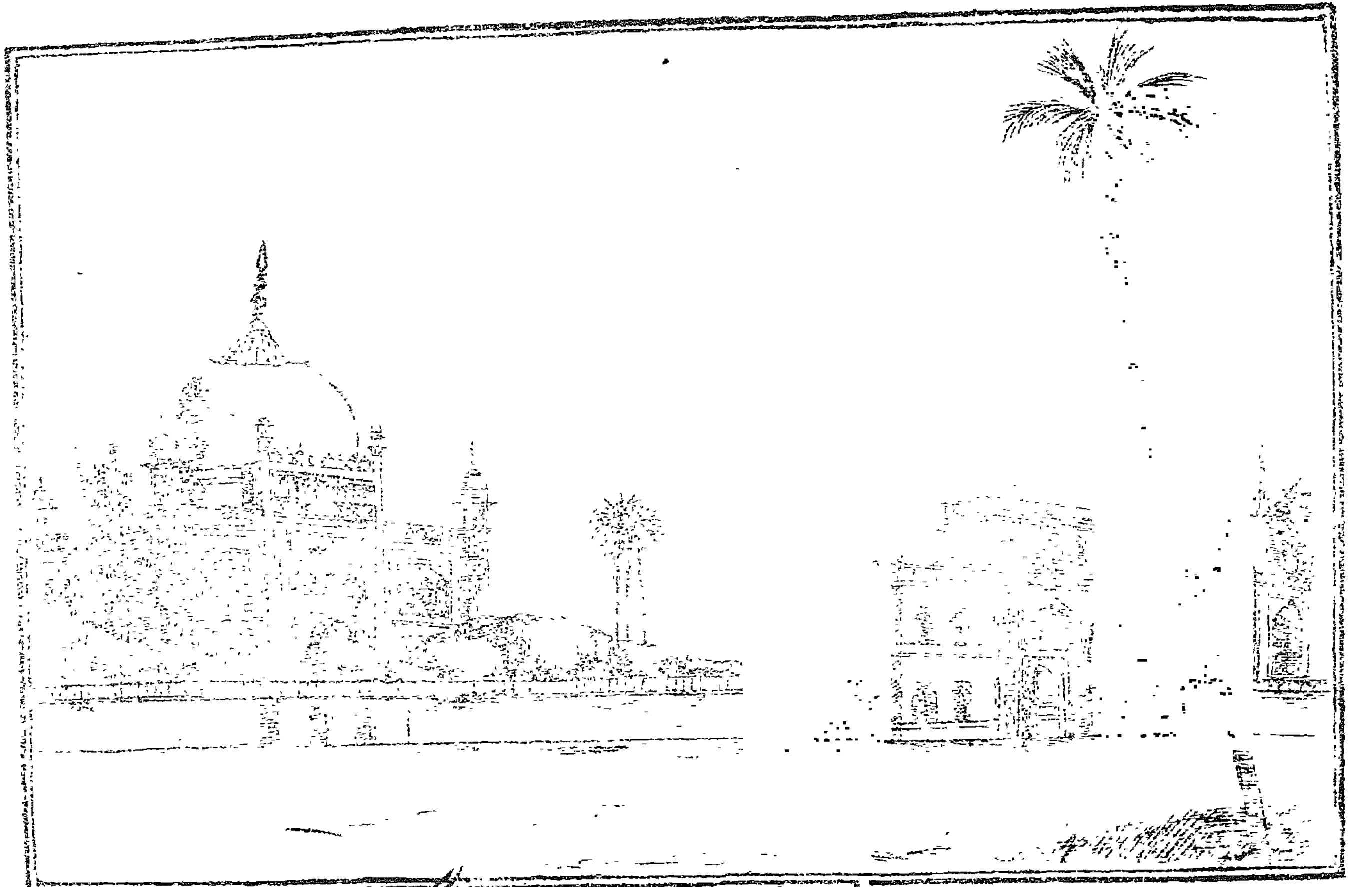
صفدر جنگ کا مقبرہ

سنہ ۱۱۶۷ھ ۱۷۵۳ء

دل سے دنیا کے ولولے جاتے ہیں آکر ان میں طوبیٰ کے تلے جاتے ہیں
ہر راہ بہشت کتنی ہموار نہیں بند آنکھ کئے لوگ چلے جاتے ہیں

ابو المنصور صفدر جنگ سعادت علی خاں صوبہ دار اودھ کا برادر زادہ اور اُن کا قائم مقام تھا۔ یہ ایرانی نژاد تھا اور اپنے چچا کی طلبی پر ہندوستان میں آیا اور چچا ہی کی بیٹی سے اس کی شادی ہوئی۔ نادر شاہ کی غارت گری کے بعد جب ہندوستان میں پھر امن چین ہوا تو دربار دہلی میں صفدر جنگ کا طوطی بولنے لگا۔ نظام الملک نے جب احمد شاہ بادشاہ کی وزارت سے معافی چاہی تو منصور خاں کو قلمدان وزارت اور خطاب صفدر جنگ سے سرفرازی ہوئی۔ صفدر جنگ ایک معمولی قابلیت کا آدمی تھا لیکن مشیران شاہی کی چرب زبانی نے اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ غازی الدین پسر نظام الملک البتہ ایک ذی ہوش صاحب ہمت و جرأت اس کی ٹکر کا آدمی تھا اور صفدر جنگ اس کے مقابلے میں ہر طرح ہیٹا تھا۔ صفدر جنگ کو لوگوں نے کچھ ایسا جھمیلے میں ڈالا کہ اس کو وزارت کے عہدۂ عظمیٰ سے دست کش ہی ہونا پڑا اور وہ جب تک زندہ رہا سازشوں کا

[51] یہ تو شیش محل ہے جس کے فرش میں بھی شیشے ہی جڑے ہوئے ہیں ۱۲
[52] ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی بدیوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں ۱۲



نقشه مقبرهٔ منصور عرف صفدر جنگ

بر صفحه

شکار رہا اور آخرکار ۱۱۶۷ھ ۱۷۵۳ء میں انتقال کیا اور اس مقبرے میں جو قطب صاحب کی سڑک پر دہلی سے چھ میل ہے مدفون ہوا۔ یہ مقبرہ بالکل ہمایوں کے مقبرے کی طرز کا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے بانی کا عندیہ بھی ہمایوں کے مقبرے کا جواب بنانے ہی کا تھا۔ یہ مقبرہ ایک بہت وسیع باغ کے بیچ میں ایک بلند چبوترے پر جس کے نیچے محراب دار کوٹھریاں ہیں بنا ہوا ہے۔ گنبد سنگ مرمر کا ہے جس کے چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں۔ لیکن یہ مقبرہ شان و شوکت اور دل آویزی میں ہمایوں کے مقبرے سے ہر حال میں گھٹا ہوا ہے۔ اور اس میں اس میں وہی فرق ہے جو ایک بادشاہ اور وزیر میں ہونا چاہیئے۔ بقول مسٹر کین کے "یہ مغلوں کی فن عمارت کی آخری بڑی کوشش ہے۔" باغ متعلق یہ مقبرہ تین سو مربع گز ہے۔ صدر دروازہ باغ کے مشرق میں ہے جس میں خدام مقبرے کے رہنے کے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ احاطے کی تین طرف کی دیواروں کے بیچ میں وسیع دالان بنے ہوئے ہیں جن میں آکر لوگ ٹھیرا کرتے ہیں۔ باغ کے چاروں کونوں پر ہشت پہلو برج بنے ہوئے ہیں جن کا ایک رخ چھوڑ کر تینوں جانب سنگ سرخ کی مشبک جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ صدر دروازے کے پیچھے شمال کی طرف تین گنبدوں کی عالی شان مسجد از سرتاپا سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ مقبرے کا بڑا چبوترہ ۱۷۹ فٹ مربع اور سطح باغ سے ۱۳½ فٹ اونچا ہے۔ سیڑھیاں (۱۲) اطراف سنگ سرخ کا جالی دار کٹہرا ہے۔ ۹ فٹ اونچا اصل مقبرے کے چھوٹے چبوترے کی کرسی ۳ فٹ کی ہے۔ اس مقبرے کے چبوترے کے نیچے تہ خانہ کے اندر بیچ میں صفدر جنگ کی اصلی قبر ہے۔ مقبرہ کی عمارت ساٹھ فیٹ مربع اور نوے فیٹ اونچی ہے جس کے بیچ کے بیس فٹی مربع کمرے میں ایک نہایت خوب صورت سنگ مرمر کے تعویذ کی قبر ہے۔ تعویذ کا پتھر بہت شفاف مجلّی اور نقش و نگار سے آراستہ ہے۔ اس بیچ کے کمرے کے گرد اور آٹھ کمرے ہیں جن میں سے چار مربع ہیں اور چار ہشت پہل۔ گنبد کے اندر کا فرش اور دیواریں اجارے تک سنگ مرمر کی ہیں۔ بیچ کے کمرے پر جو گنبد ہے وہ اندر والے سے چالیس فیٹ بلند ہے جس طرح اول منزل میں کمرے ہیں اسی کے جواب میں اوپر کی منزل میں بھی کمرے ہیں۔ گنبد کوٹھی دار سنگ مرمر کا ہے جس کے کونوں پر سنگ مرمر کی مینارں ہیں۔ گنبد کے چاروں رخ ایک ہی وضع اور ایک ہی قسم کی آرائش کے ہیں جن میں سنگ مرمر کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ گنبد کے سامنے ایک پختہ سنگ بستہ نہر اب بھی موجود ہے جس کے فوارے

ٹوٹ گئے ہیں اور پانی ندارد ہے۔ یہ مقبرہ شجاع الدولہ نائب السلطنت اودھ نے اپنے باپ صفدر جنگ کے لیئے زیر اہتمام سیدی بلال محمد خاں تین لاکھ روپئے کے صرفے سے بنوایا تھا۔ مشرقی جانب کے گنبد کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے

یا اللہ

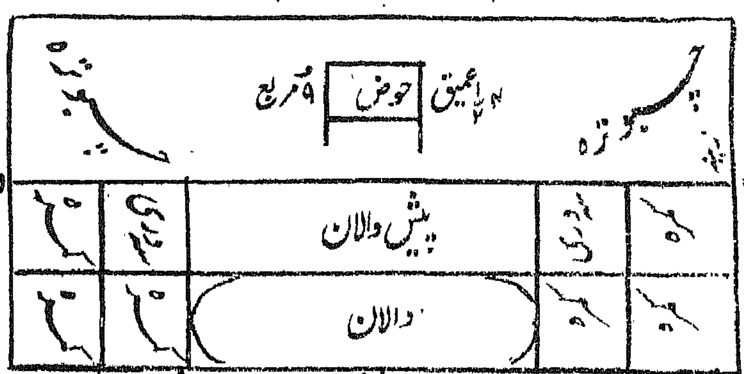
چو آں صفدر عرصۂ مردمی — زدار فنا گشت رحلت گزیں
چنیں سال تاریخ او شد رقم — کہ بادا مقیم بہشت بریں

اس مقبرے کے چاروں طرف چار دروازے ۹ف ۱/۲ اونچے اور چھ فیٹ چوڑے ہیں۔ اندر کے دروازوں میں کواڑوں کی جوڑیاں جڑی ہوئی تھیں چنانچہ چولوں کے سوراخ اب تک باقی ہیں مگر کواڑ ندارد۔ لمبے کمرے ۲۴ف ۔ ۵ × ۱۵ف ۔ ۲ا ۔ چھوٹے کمرے ۱۵ف ۔ ۳ا مربع۔ باہر کی محراب کے سامنے کا چبوترا ۲۰ف ۔ ۸ا ۱/۲ ہے۔ جس حجرے میں قبر ہے وہ ۳۴ف ۱/۲ مربع ہے اور فرش سنگ مرمر کا ہے۔ قبر کا چبوترا ۸ف ۔ ۱/۲ مربع ہے۔ قبر کا تعویذ نہایت شفاف سنگ مرمر کا ہے۔ قبر ۶ف ۔ ۴ا × ۳ف ۔ ۹ا اور ۳ف ۔ ۵ا اونچی ہے۔ صرف مشرق کی طرف دہلیز میں ایک سل سنگ مرمر کی ۸ف ۔ ۱/۲ × ۱ف ۔ ۵ا ایسی ہے جس میں رنگین پھول پتیوں کا عمدہ کام پچیکاری کا کیا ہوا ہے اور کسی طرف فرش میں نقش و نگار نہیں ہیں۔ مقبرے کے گرد کے چھوٹے بڑے کمروں کی چھتیں لداؤ کی ہیں مگر چھتوں کے اندر بہت نفیس گلکاری کا ابھرا ہوا کام کیا ہے۔ جو دیکھنے کے قابل ہے۔ قبر والے حجرے میں جو سب سے بڑا اور درمیانی ہے چاروں طرف چار خوش نما نشیمن ہیں۔ اب اوپر کی سیر کیجئے پہلی منزل تک پہنچنے کے لیئے (۳۵) سیڑھیاں ہیں اور دوسری منزل کی (۲۰)۔ درمیانی منزل کے چو طرف زینے ہیں اور دوسری میں صرف ایک جانب۔ گنبد کو دوہرا سمجھئے اور چھت پر بھی ایک نہایت خوش نما برج بنا ہوا ہے اور اسی کا وہ قبہ ہے جو دور سے سفید سفید نظر آتا ہے۔ ان برج کے چار دروازے ۶ف ۔ ۸ا اونچے ۲ف ۔ ۱۰ا چوڑے ہیں۔ اس طرح چار دروازے اور چار دیوار و در محرابیں جملہ (۸) ہوئیں۔ برج میں تین سیڑھیاں چڑھ کر داخل ہوتے ہیں۔ ۲۹ف قطر ہے۔ ہر مثمن ضلع ۸ف ۔ ۱۰ا ہے۔ گنبد کی بیرونی بندش سنگ مرمر کی سلوں کی ہے جن کی کلاسی اس خوبصورتی اور نفاست سے ملائی ہے کہ دور سے ایک سفید انڈا معلوم دیتا ہے مگر اب کئی سلیں نکل گئیں ان کی بجائے سنگ خارا کی سلیں لگا کر تھوپا تھاپی

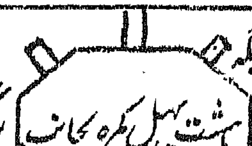
کردی ہی یعنی کمخواب میں گاڑھے کا پیوند لگایا ہی جو چغلی کھاتا ہی مگر اب تو یہ پیوند بھی لبسا غنیمت
ہی اگر یہ نہ ہوتا تو گنبد بیٹھ ہی جاتا۔ یہ گنبد کوٹھی دار اور پھیلا ہوا ہی مگر بھدا ہی۔ وہ سڈول پنا اور
نزاکت جو ہمایوں کے مقبرے کے گنبد میں ہی اس میں نہیں۔ چھت کے چاروں کونوں پر ایک ایک
ہشت دری برجی سنگ سرخ کی ہی جس کی چار سیڑھیاں ہیں۔ ان برجیوں پر سنگ مرمر کا کلس
ہی سُرخی میں سفیدی عجب لطف دیتی ہی۔ برجیوں کا قطر ۹ فٹ جن کا ہر در ۷ فٹ ۵ انچ اونچا اور ۲ فٹ ۱۰ انچ
چوڑا ہی۔ باہر ۲ فٹ ۳ انچ کا حاشیہ اُس کے آگے ۱ فٹ ۵ انچ اونچا سنگ سرخ کا جالی دار کٹہرا۔
دروازوں پر بڑی خوب صورت ہشت دری چار سیڑھی اونچی دو طرف ہی جس کے (۹) طاق نما
در آگے اور (۹) پیچھے۔ بیچ میں ۳ فٹ ۸ انچ کا فصل۔ اُن دروں کی اونچان ۱۲ فٹ ۱۰ انچ اور چوڑان
۲ فٹ ۱۱ انچ اور محرابیں بنگڑی دار۔ جس منڈیر پر یہ در بنے ہوئے ہیں وہ ۲ ½ فٹ اونچی ہی۔ ان
دروں پر کنول کے پھول کے اوپر تو چھوٹی چھوٹی برجیاں مع کلس سنگ مرمر کی ہیں جیسے
لالٹینوں کے ہنڈے اسی قسم کی برجیاں قلعہ اور جامع مسجد کے دروازوں پر بھی ہیں۔ سامنے
چبوترا ۳ فٹ ۱۰ انچ ۱۲ فٹ ۷ انچ × ۱۰ ہی جو ۷ فٹ ۸ انچ اونچا ہی۔ اوپر کی منزل مع جالی دار کٹہرے کے ۲ فٹ
بلند اور نیچے کی منزل بھی اسی کے برابر۔ اب نیچے آیئے تو تہ خانہ ہی جو اسی بلند چبوترے
کے نیچے بنا ہوا ہی۔ چاروں طرف سترہ سترہ در ہیں۔ بائیں طرف سے گیارہویں در میں چبوترے
پر چڑھنے کی سیڑھیاں ہیں۔ چودھویں اور پندرھویں در کے بیچ میں کنواں ہی۔ سامنے گرد
ہر طرف بجری کا چبوترا ۹ فٹ ۷ انچ × ۱ ۲۶ فٹ ۱ انچ کا ہی۔ ساتویں در میں تہ خانہ کا رستہ ہی جس کے
حجرے میں یکے بعد دیگرے چھ دروازے طے کرکے پہنچتے ہیں۔ یہ حجرہ جس میں اصلی قبریں
ہیں ۲۲ ½ فٹ مربع ہی۔ اس میں دو کچی قبریں ہیں مگر اوپر ایک ہی ہی۔ مقبرے کے چاروں
طرف صحن باغ میں ۲۶۲ فٹ ۶ انچ لمبے ۳۱ فٹ ۳ انچ چوڑے ۵ فٹ ۳ انچ گہرے حوض ہیں جن کی تہ پنج
کی ہی اور بیچ میں کئی فوارے لگے ہوئے ہیں۔

تین طرف تین سہ دریاں ہیں جو بجائے خود عمدہ اور قابل دید عمارتیں ہیں۔ جنوب کی
سہ دری موتی محل شمال کی بادشاہ پسند مغرب کی جنگلی محل اس وجہ سے کہلاتی
ہی کہ اس طرف کالا پہاڑ ہی۔ اور مشرق میں صدر دروازہ ہی۔ کمپونڈ کے چاروں کونوں پر
چار مثمن برج ہیں وہ ساون بھادوں کہلاتے ہیں اُن میں ہر طرف سنگ سرخ کی
جالیاں ایسی باریک اور نازک لگائی ہیں کہ اُن کی تراش بجائے خود حیرت انگیز ہی۔ ددر

سے دیکھو تو اُن جالیوں میں سے آسمان پار کی جھلملاہٹ نظر آتی ہے اور اسی واسطے ساون
بھادوں کہلاتے ہیں۔ ان برجوں کا قطر ۵ فٹ ۲½ ہر ضلع ۲ فٹ لمبا۔ گرد ۲ فٹ ۱½ جگہ چھوڑ کر ۲ فٹ [illegible]
اونچا جالی دار کٹہرا اور ہر در میں جالیاں۔ احاطہ کی دیوار پختہ ۱۱½ اونچی ہے جس میں
۱۰½ × ۴ فٹ ۵½ طول و عرض کے طاق ہیں۔ یہ دیوار فصیل نما کنگورہ ۴ فٹ ۹ اونچا ہے۔ اوپر
چڑھنے کا زینہ گچ کا (۱۹) سیڑھیوں کا ہے چار سیڑھیاں چڑھ کر ایک چبوترا ۲۷ فٹ ۱۳ × ۱۹½ ۲ فٹ
اونچا ہے جس پر سہ دری بنی ہوئی ہے۔ نقشہ نظری یہ ہے:-



ایک رخ پر (۱۵) طاق سولہویں طاق کی جگہ قلمدان نما چھت کی کوٹھڑی پھر



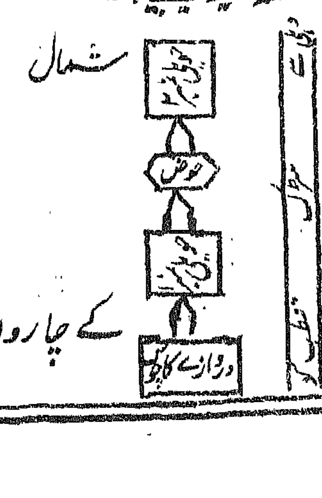
(۱۵) طاق اس کے آگے سہ دری اور پھر
بڑی سہ دری کا حال سنیے جو بادشاہ پسند
ہر کونے پر چھوٹی سہ دریاں۔ آب شمالی
کہلاتی ہے اور اسی طرح کی دوسری سہ دریاں ہیں
سہ دری کے باہر کے در دُہرے گچ کے بنے ہوئے فیل پایہ ہیں ۱۳ فٹ × ۷ اور
محرابیں کنگڑی دار ہیں۔ دونوں دالان ۲۳ فٹ ۲ - ۹ لمبے اور ۱۳ فٹ ½ چوڑے ہیں۔ دالان کی بغلی
سہ دریوں کے در ۴ فٹ چوڑے ہیں۔ پانچ سیڑھیاں چڑھ کر ہشت پہل کمرے میں
پہنچتے ہیں جو سہ دری کی پچھیت کی طرف بطور ایک بالانشین کے بنا ہوا ہے۔ اس کا قطر
۱۴ فٹ ۴ ہے اور سنگ سرخ کی نہایت نفیس جالیاں لگی ہوئی ہیں جن سے چاروں طرف
کی سیر دکھلائی دیتی ہے یعنی اس کمرے میں برج کا لطف ملتا ہے بغلی سہ دریاں ۱۴ فٹ - ۱۰ ۱ - ۶ × ۷ فٹ
ہیں اور کمرے ۱۳½ مربع چھت لداوی ہے عمارت کی کل بلندی ۲۷ فٹ گردا گرد چھجہ۔ اوپر جانے
کے زینے کے پاس جو کمرہ ہے وہ ۱۳ فٹ - ۱۹ ۱ × ۹ فٹ ۴ ہے اور اسی میں (۱۹) سیڑھیوں کا زینہ ہے
کوٹھے میں کی سہ دریاں بہ نسبت وسط میں کی سہ دریوں کے چھوٹی ہیں۔ بیچ میں ایک
ہشت پہل کمرہ ۱۴ فٹ مربع ہے جس کا طول و عرض ۲۳ فٹ ½ × ۱۱ فٹ ۴ ہے۔ در ۶ × ۷ ۹ ہیں۔ سیرے پر

ایک طرف زینہ دوسری طرف پاخانہ۔

شرق رویہ دروازہ سہ منزلہ ہے۔ پہلی منزل کی (۲۳) ۔ دوسری کی (۱۷) ۔ تیسری کی (۱۶) سیڑھیاں ہیں۔ پہلی منزل کی چھت ۳۱½ف × ۱۷ طول وعرض میں ہے اور ارتفاع ۱۱ف ۳ا ۔ گرد سنگ سرخ کا کٹہرا ۱ف ۴ا اونچا جالی دار ہے۔ دوسری منزل کا صحن قریب قریب ۸۲ف کے مربع ہے۔ اس پر ایک چھوٹی مگر خوشنما سہ دری ۱۷ × ۹ف ہے جس کی محرابیں بنگڑی دار ہیں جس کے بغل میں دو کوٹھریاں ۸ف - ۱۰ا × ۶ف - ۳ا ہیں۔ سہ دری کے سامنے برآمدہ ۱۶ف - ۸ا × ۵ف ہے جس کے آگے ایک جالی دار کٹہرا ایک فٹ اونچا ہے۔ بیچ میں سنگ مرمر کا کٹہرا ہے اور ادھر اُدھر سنگ سرخ کا۔ یہ سہ دری گویا صدر دروازے کا نشیمن ہے۔ دروازے کی بلندی ۵۰ف کی ہے۔ تیسری یعنی سب سے نیچے کی منزل کی بلندی ۳۰ف ہے اور اسی میں دروازے پر دو طرفہ سہ دریاں ہیں اور چاروں طرف چار چار حجرے ہیں مگر یہ حجرے مختلف طول و عرض کے ہیں (۱) ۱۱ف مربع - (۲) ۱۱½ × ۸½ف - (۳ و ۴) بھی دوسری کے مماثل - یہ دونوں سہ دریاں ۲۵½ × ۱۲ف ہیں اور جن میں کوٹھریاں ہیں ۵ف ۱۱ا - ۳ × ۸ف اور انھیں میں سے ایک میں زینہ ہے۔ مشرق رخ کی سہ دری کی چھت کی دیوار میں ایک نشیمن بھی ہے۔ صدر دروازے کے ہر چہار طرف بلند محرابیں ہیں۔ شمال کی طرف دو بڑی حویلیاں ہیں جو خواص پورے کے نام سے مشہور ہیں ان کے بیچ میں ایک نشیمن بنا ہوا حوض ہے جس پر اندر وار بڑا بھاری گنبد ہے اور سپاٹ اور مسجد کا صحن ہے۔ ان حویلیوں میں سات سات در کے دالان مشرق و مغرب میں ہیں۔ شمال کا دالان دوگہا ہے جس کے تین در ہیں۔ بیچ میں وسیع مستطیل صحن ۶۱ × ۳۱ف کا ہے۔ آگے سنگ سرخ کا حوض بیچ میں فوارہ۔ حوض کے چاروں طرف تین تین دروں کے گنبد دار چھت کے دالان ہیں۔ حوض کا ہر ضلع ۱۱ف لمبا ہے۔ عمق ۴ف گنبد کی چھت میں بھی ایک سوراخ رکھا گیا ہے جو صحن مسجد میں نکلتا ہے اور اسی سوراخ میں سے مسجد کے لیے اوپر پانی چڑھایا جاتا تھا اب اس پر ایک جالی دار سل ڈھکی ہوئی ہے۔ حوض کے چو طرف ۱۷ف - ۹ا کی گیلری ہے۔ فرش سنگ خارا کی سلوں کا ہے۔ مسقف حوض کا شمالی دروازہ دوسری حویلی نمبر (۲) میں جانے کا رستہ ہے اور جنوبی حویلی نمبر (۱) میں یہ دروازے ۱۲ × ۱۰ف ہیں اور اسی حویلی کا جنوبی دروازہ صدر دروازے میں پھوٹتا ہے۔ حویلی نمبر ۱ صدر دروازے سے ملی ہوئی ہے۔ ان حویلیوں کے دالانوں کی اونچائی ۱۵ف ہے۔ حویلی نمبر (۱) میں مقبرے کا

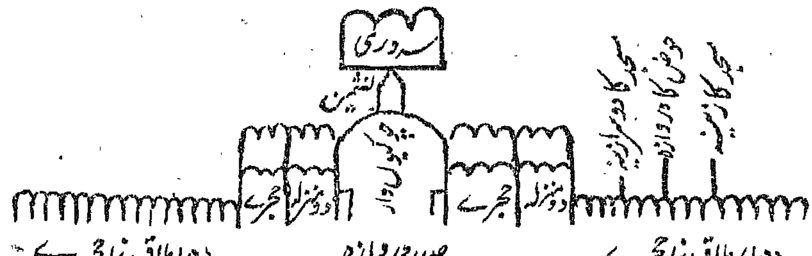
دربان رہتا ہے اور حویلی نمبر (۲) میں وہ بیل باندھے جاتے ہیں جو مقبرے کے باغ کے متعلق ہیں اور یہیں بھس بھی بھرا ہوا ہے۔ حوض کے متذکرہ بالا دروازوں کے سوا ایک دروازہ مشرق رویہ سڑک کی طرف ہے جس کو چوبی کواڑ لگے ہوئے ہیں۔ مشرق ہی کی طرف زنان خانے ہیں سے مسجد میں آنے کے سوا سوا سیڑھیوں کے دو زینے ہیں اور یہی زینے اوپر جاکر پھٹ جاتے ہیں ایک طرف زنان خانے میں نافذ ہیں اور دوسری طرف مردانے میں یعنی سڑک کی طرف نکل جاتا ہے۔ غرض یہ لداؤ کا حوض بالکل سنگ بست اور بڑا مضبوط ہے جو در اصل مسجد کا حوض ہے اور اس خوبی سے بنایا ہے کہ اوپر صحن مسجد اور نیچے حوض جو مسجد اور حویلی والوں دونوں کے کام آتا تھا۔ اب اوپر چل کر مسجد دیکھیے۔ جو بہت عالی شان اور وسیع نہایت پختہ سنگ سُرخ کی آج کی بنی ہوئی معلوم دیتی ہے۔ صحن مسجد ۶۶ × ۷۵ فٹ ہے۔ چوکوں کا فرش ہے۔ تین کنگری دار دروں اور تین گنبدوں کی مسجد ہے کلس سنگ مرمر کے ہیں۔ دو برجیاں ادھر اُدھر مینار نما ہیں۔ جو شش دری ہیں اور بیچ محراب کی دو برجیاں چار دری ہیں۔ مسجد کا دالان ۵۴½ × ۱۲ فٹ - ۴ انچ ہے بغلی میں ایک ایک حجرہ ۱۲½ × ۵ فٹ - ۹ انچ۔ محرابوں کے روکار پر سنگ مرمر کی عمودی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ بیچ کی محراب ۱۱ فٹ - ۳ انچ چوڑی ہے اور مسجد کی بلندی چھت تک ۲۵ فٹ ہے۔ تین سیڑھیوں کا سنگ باسی کا منبر ہے۔ شمال کی طرف (۲۰) سیڑھیوں کا زینہ اوپر جانے کا ہے۔ شمال جنوب میں مسجد کے احاطے کی پختہ دیوار ۶ فٹ - ۴ انچ اونچی ہے اور مشرق کی طرف ۳ فٹ اونچی منڈیر ہے۔ نیچے حوض اوپر مسجد ہونے سے کرسی بہت اونچی دی گئی ہے اس وجہ سے اور زیادہ دل کشا ہو گئی ہے۔ اتنی بڑی اور ایسی خوبصورت مسجد اور کتبہ کوئی بھی نہیں غالباً کتبے لگانے کی نوبت نہیں آئی۔

صدر دروازے کا ذرا سطحی نقشہ دیکھ لیجیے:۔



یہ چوک ۲۸ فٹ - ۹ انچ مربع ہے جس کے چاروں طرف تین تین محرابیں

ایسی ہی ہیں جیسی کہ ہم نے شمال کی طرف بتلائی ہیں۔ مشرق کی طرف یعنی سڑک کے پاس دہلی سے آتے ہوئے داہنے ہاتھ کو مقبرے کا صدر دروازہ ہے جو مغرب کی جانب مقبرے کے صحن کے کمپونڈ میں کھلتا ہے۔ ہر سہ جانب ان تینوں محرابوں کا عمق ۲۲½ ہے۔ دروازے کی گہرائی ہیں) دو طرفہ صحنچیاں ہیں جن میں دو دو کوٹھریاں بھی رکھی ہیں۔ اس چوک پر بڑا بھاری گنبد ہے اور اس کے چاروں طرف بھی سہ دریاں ہیں۔ دروازے کے پٹ بھی اسی زمانے کے کی پٹیوں سے جڑے ہوئے بڑے مضبوط ہیں۔ دروازے سے باہر سڑک کے متوازی دو طرفہ ایک قطار حجروں کی ہے جس کے بیچ میں دروازہ ہے۔ اس طرح:۔



اس مقبرے کی تعمیر میں تین لاکھ روپیہ صرف ہوا ہے۔

موضع خیر پور کے حدود میں لودھیوں کے مقبرے

دنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا — کس کس کا نہ یاں زمانہ دیکھا
برسوں رہا جن کے سر پہ چتر زریں — تربت پہ نہ ان کے شامیانہ دیکھا

مقبرۂ سلطان محمد شاہ ۸۴۹ھ ۱۴۴۵ع

صفدر جنگ کے مقبرے کے سامنے اس سڑک کے کنارے جو اس مقبرے سے نظام الدین کو گئی ہے۔ اس سڑک کی بائیں جانب جو کئی اونچے اونچے گنبد نظر آتے ہیں یہی لودھیوں کے مقبرے کہلاتے ہیں اور یہ

اور زمین بھی موضع خیر پور کی ہے۔

موضع خیر پور میں کل چار مقبرے ہیں جن کا بیان علیحدہ علیحدہ کیا جاتا ہے۔ پہلا گنبد جو ہمایوں صفدر جنگ روڈ میل (۱) فرلانگ (۳) پر داہنی طرف سڑک سے ملا ہوا ہے وہ بالکل صفدر جنگ کے مقبرے کے سامنے ہے۔ یہاں سے صفدر جنگ کا مقبرہ صرف پانچ فرلانگ رہ جاتا ہے۔ خاندان سادات کے تیسرے بادشاہ محمد شاہ کا ہے۔ یہ گنبد ہشت پہل ہے جس کا کلس ٹوٹ گیا ہے اس کا قطر[۱] اندر سے ۳۵ ہے۔ گنبد کی چھت میں اوپر وار سولہ طاق ہیں جن میں سے چار تو کھلے ہوئے ہیں اور باقی بند ہیں۔ ان سب طاقوں کے دو طرفہ اللہ اللہ لکھا ہوا ہے۔ گنبد کی چھت پر سب سے اوپر کے چھوٹے دائرے میں جسے جنید یا سمجھنا چاہیے گیروی زمین پر سفید حرفوں میں آیۃ الکرسی مع بِسْمِ اللّٰہ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ تک ہے۔

بڑے دائرے میں بِسْمِ اللّٰہ۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ تا آخر سورۂ حشر۔ (پارہ ۲۸) پھر اللہ تعالیٰ کے نودنہ نام ختم پر اَلْوَارِثُ الرَّشِیْدُ الصَّبُوْرُ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُ الْعَالَمِیْنَ الصَّادِقُ الْمُصَدِّقُ الْاَمِیْنُ۔

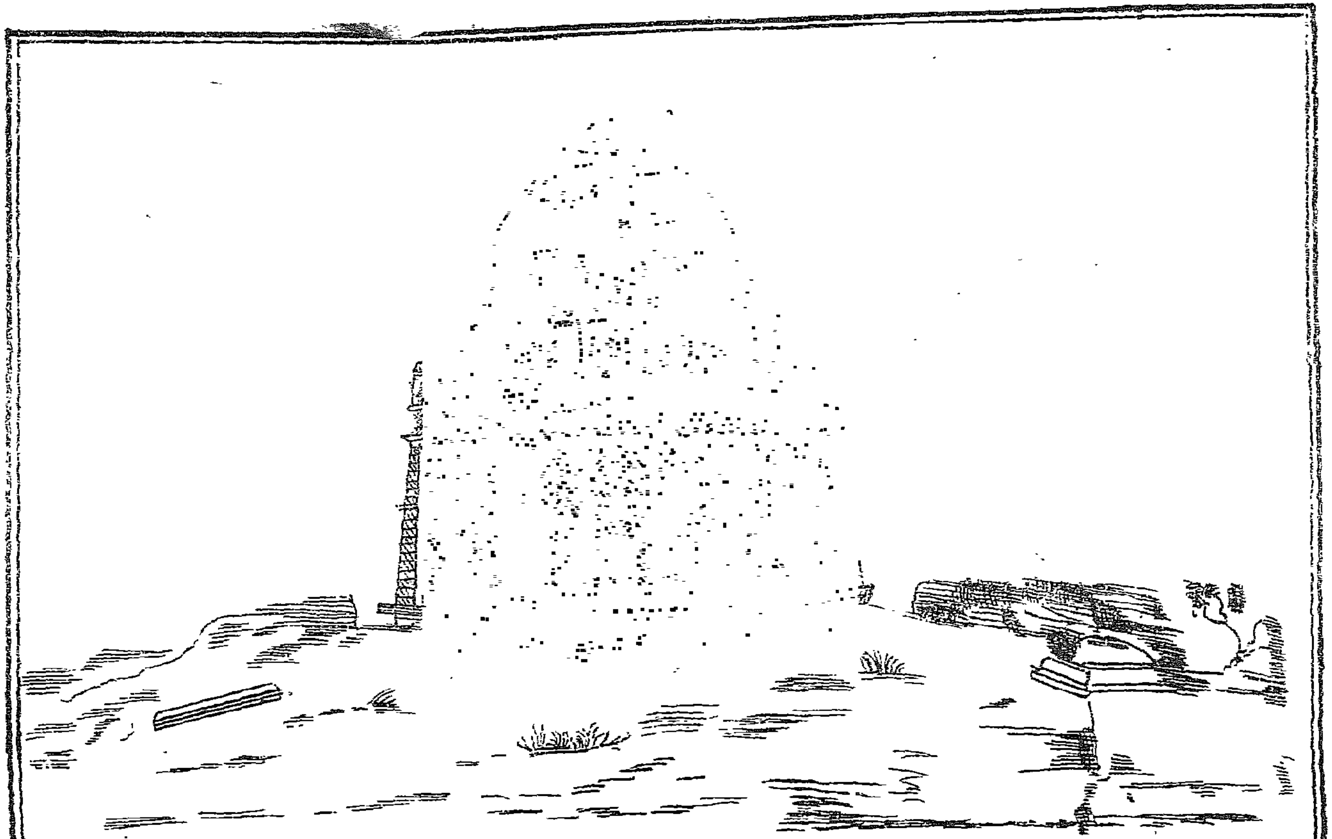
اس گنبد کے آٹھوں دروں میں سنگ سرخ کی جالیاں تھیں ان میں سے اب ایک بھی باقی نہیں رہی۔ سرکار کی طرف سے اب تار کی جالیاں لگا دی گئی ہیں کہ کبوتر وغیرہ نہ گھسیں اس گنبد کے اندر آٹھ قبریں ہیں جن کی اصلی حیثیت نہیں معلوم ہو سکتی کیوں کہ از سر نو سب پر گچ گرادی گئی ہے کسی قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

اس مقبرے کی نسبت سر سید لکھتے ہیں کہ "منصور کے مقبرے کے سامنے ایک برج ہی بہت خوش نما۔ اس برج کی عمارت اور مبارک پور کوٹلے کے برج کی عمارت اور عیسٰی خاں کے گنبد کی عمارت ایک ہی سی ہے اگرچہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ برج کس کے وقت کے ہیں مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ پٹھانوں کے وقت کی ہیں۔ کوئی امیر ہوں گے جن کے نام سے یہ گاؤں آباد ہوا اُن کا یا اُن کے لواحقوں کا یہ گنبد ہو گا۔ غرض کہ اس کی عمارت بھی بہت خوب اور نہایت عمدہ ہے"۔

ہشت پہل گنبدوں کا طرز کچھ ایسا مقبول عام ہوا ہے کہ اس طرز کے اکثر گنبد ہیں

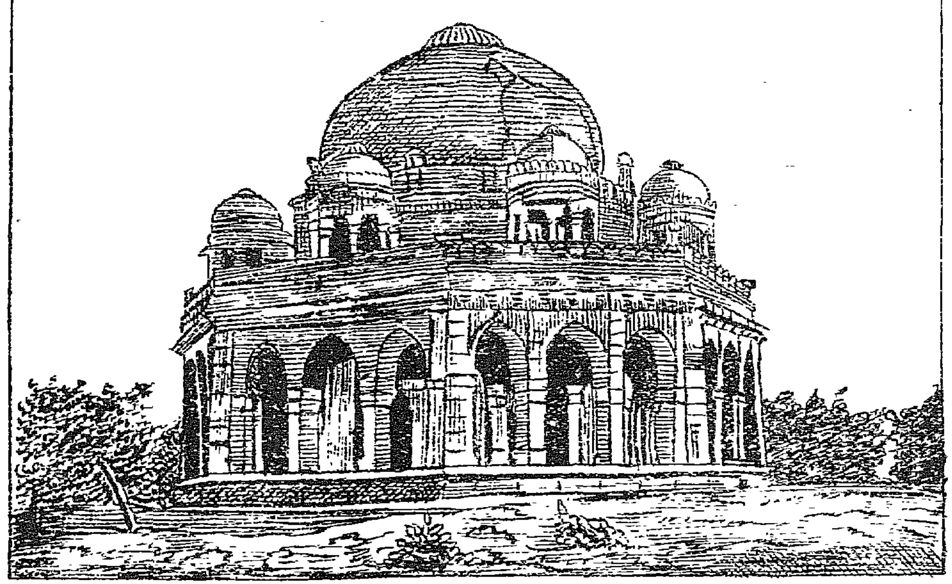
---

[۱] فرگسن صاحب نے جو قطر قریب پچاس فیٹ کے لکھا ہے وہ غالباً غلام گردش ملا کر ہے۔ ۱۲



نقشهٔ مقبرهٔ خیرلویه

مقبرہ محمد شاہ لودھی



خصوصاً لودھیوں کے۔ ان کی بنا کردہ عمارات میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ گو آیات کلام مجید کثرت سے منقوش ہیں مگر اپنے نام کا کتبہ کسی نے بھی نہیں لگایا اور اسی سبب سے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کون سا برج کس کا ہے مگر ہیں سب لودھی خاندان ہی کے۔

ہمارے خیال میں سر سید مرحوم کو مغالطہ ہوا ہے کہ اس گنبد کو نامعلوم لکھا ہے۔ در اصل یہ گنبد خاندان سادات کے تیسرے بادشاہ محمد شاہ کا ہے۔ کیوں کہ موضع خیر پور میں سب ملا کر چار ہی گنبد ہیں پہلا یہ ہے۔ دوسرا وہ ہے جس کے ساتھ وہ بے نظیر مسجد لگی ہوئی ہے جس کا بہت بڑا گنبد دار دروازہ ہے اور تیسرا موضع خیر پور کے شمالی کنارے پر وہ ہے جس پر کار کاشی کی نیلی سلیں لگی ہوئی ہیں البتہ اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کس کا ہے اور اس سے آگے چار سو گز کے فصل سے بہت بڑے احاطے کے اندر چوتھا مقبرہ سکندر بہلول لودھی کا ہے۔ سر سید کا بنایا ہوا نقشہ جس کو وہ نامعلوم گنبد قرار دیتے ہیں آثار الصنادید سے نقل کروایا گیا ہے اور دوسرا نقشہ محمد شاہ بادشاہ کے گنبد کا کارڈن رزلی ہرن صاحب کی کتاب "سون سینیز آف دہلی" کا ہے۔ دونوں کو ناظرین بالمقابلہ ملاحظہ فرمالیں ہیں دونوں ایک جس سے یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ جس گنبد کا پتہ سر سید کو نہیں لگا وہ در اصل محمد شاہ کا ہے علاوہ اس کے ایک دلیل اور ہماری اس رائے کی تصویب کی یہ بھی ہے کہ سر سید نے محمد شاہ کے مقبرے کا کہیں ذکر ہی نہیں کیا اور نہ اس ٹیلوں والے مقبرے کا ذکر کیا جو بہت عالی شان اور بڑی مسجد کے قریب میں ہے سلطان بہلول لودھی کا مقبرہ حدود روشن چراغ دہلی میں ہے اس کا بیان اپنے موقع مناسب پر کیا گیا ہے۔

محمد شاہ پنجم ابن فرید خاں بن خضر خاں ۹۔ رجب ۸۳۷ھ (۱۴۳۴ء) سے ۸۴۹ھ (۱۴۴۵ء) تک حکم راں رہا۔ سادات کا تیسرا بادشاہ تھا جس کا مقبرہ سواد موضع خیر پور میں منصور کے مقبرے کے سامنے اپنے چچا اور سابق بادشاہ سلطان معز الدین ابو الفتح بن خضر خاں کے مقبرے سے تھوڑی دور ہے کچھ عرصے تک محمد شاہ نے بہلول خاں لودھی گورنر دیپال پور[۱] کے حملوں کی خوب مقاومت کی۔ لیکن

[۱] دیپال پور منٹگمری کے ضلع میں بیاس کے پرانے سنگم پر پاک پٹن سے (۲۸) میل مشرق کی طرف واقع ہے۔ اوکاڑہ کے ریلوے سٹیشن سے (۱۷) میل جنوب میں ہے۔ جنرل کننگھم کی تحقیقات کے بموجب اس کو راجہ دیو پال نے آباد کیا تھا لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ راجہ کون سے زمانے میں تھا۔ کننگھم صاحب کہتے ہیں کہ ٹیلیموس نے جو ڈیڈالہ شہر لکھا ہے وہ یہی دیپال پور تھا۔ فیروز شاہ تغلق یہاں ایک نہر کاٹ کر لایا تھا اور اس نے ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی تھی۔

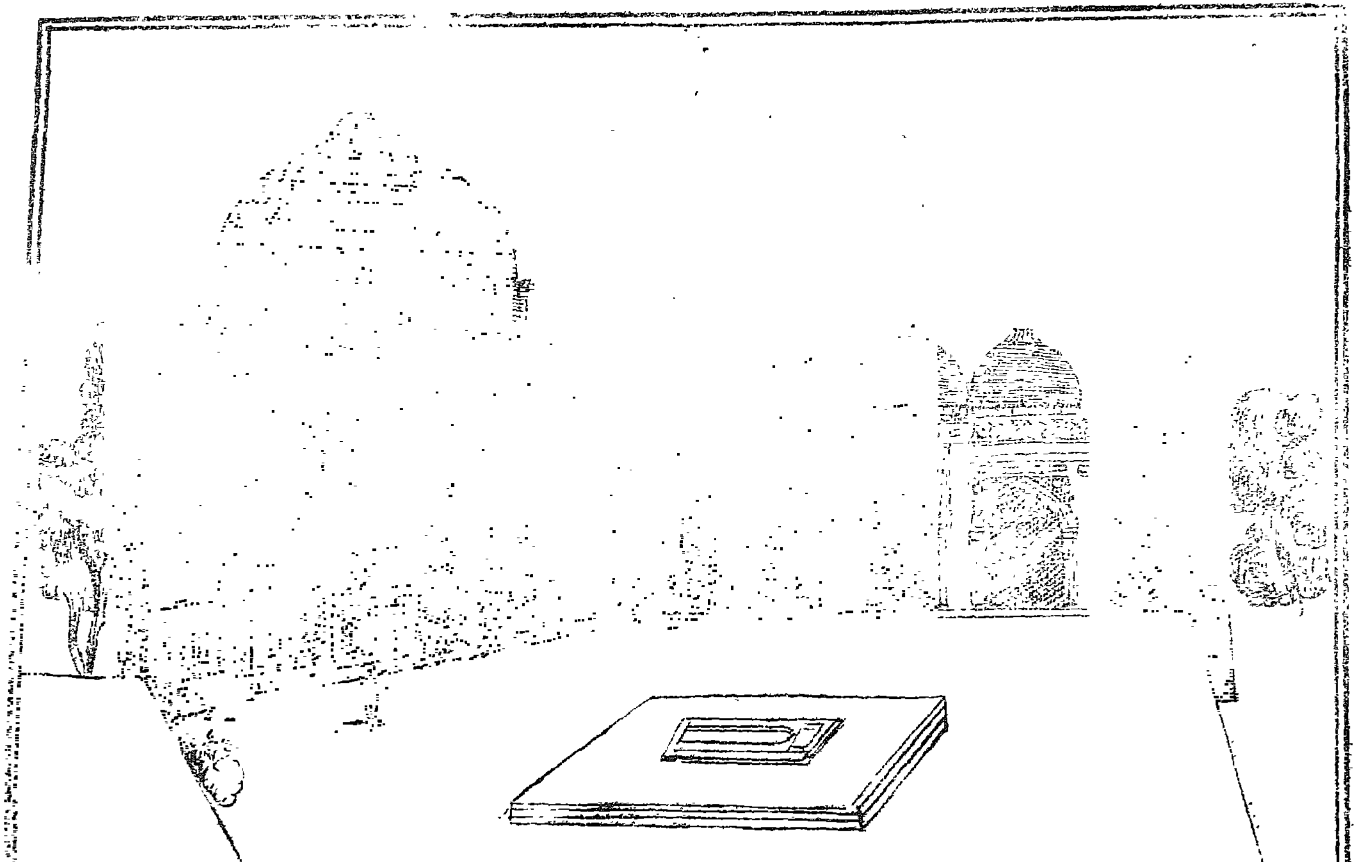
(بقیہ نوٹ دیکھو صفحہ ۹۵ پر)

بادشاہ کی طرف سے لوگ کچھ ایسے بد دل تھے کہ دہلی سے بیس کوس کے حلقے میں جو جو امرا تھے سب نے کھلی بغاوت کی اور آخر کار ۸۴۹ھ (۱۴۴۵ء) میں محمد شاہ نے وفات پائی اور اسی موضع میں دفن ہوا اور یہ مقبرہ اس کے بیٹے علاءالدین عالم شاہ نے بنوایا جو نرا پتھر اور چونے کا ہے اور قطع اس کی بہت نفیس ہے۔ اندر کا مکان اور باہر کی غلام گردش اور برجیاں بہت خوب صورتی سے بنائی گئی ہیں۔ یہ مقبرہ بالکل مبارک شاہ کے مقبرے کی طرح کا ہے اس لیے اس کی مزید توضیح غیر ضروری ہے۔ فرگسن صاحب نے اپنی کتاب ہسٹری آف آرکیٹکچر جلد دوم کے صفحہ (۵۳۶) پر اس مقبرے کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ایک ہشت پہلو مقبرہ ہے جس کا قطر قریب پچاس فیٹ کے ہے اور گرد غلام گردش ہے جس کے ہر طرف تین تین لمبوتری محرابیں ہیں جو وضع پٹھانوں کے عہد سے مخصوص تھی "

مسجد اس مقبرے کے شمال میں بہت دور نہیں قریب ہی ایک چھوٹی سی سہ دری مسجد ہے جس کے احاطے کے اندر ایک کنوئیاں بھی ہے۔ احاطے کی صرف ایک غربی دیوار رہ گئی ہے باقی ٹوٹ ٹاٹ گئی۔ اس مسجد کا چبوترہ جو ۸½ فٹ اونچا ہے بعد کا بنا ہوا ہے۔ مگر یہ مسجد کچھ اوپر والے مقبرے کے متعلق نہیں ہے بلکہ اس سے جدا ہے۔

خیرپور کا نامعلوم گنبد اور مسجد تخمیناً ۹۵۰ھ (۱۵۴۳ء) اس میں تو شک نہیں کہ یہ مقبرہ اور مسجد لودیوں کے وقت کی ہے اور تخمیناً ۹۵۰ھ (۱۵۴۳ء) یعنی قریب زمانہ شیر شاہ کے بنی ہوئی ہے اگرچہ اس کے بنانے والے کا نام تحقیق نہیں ہوا لیکن اس میں کچھ شک نہیں رہا کہ لودیوں کے وقت کے کسی امیر کا جس کے نام پر یہ گاؤں آباد ہے یہ مقبرہ ہے اور اسی کی یہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۹) سلاطین مغلیہ سے پہلے غلاموں اور خلجیوں کے وقت میں یہ پنجاب کا دارالخلافہ رہا ہے کیوں کہ ان دنوں میں چنگیز خانی مغلوں کے پے در پے حملوں کے روکنے کے لیے لاہور اور ملتان کے بیچ میں ایک ایسے شہر کی ضرورت تھی جہاں سے دونوں طرفوں کا انتظام آسانی سے ہو سکے۔ پرانے شہر کے کھنڈرات ابھی جنوب مغرب کی طرف واقع ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضافات کی بستیوں کے علاوہ خاص شہر تین میل کے رقبے میں بستا تھا۔ موجودہ شہر کی آبادی چار ہزار ہے اور تحصیل کا صدر مقام ہے۔ تیمور کے حملے کے وقت یہ شہر ملتان کی ہمسری کرتا تھا اور اس میں چوراسی مسجدیں تھیں۔ بابر کے وقت میں بھی یہ شہر آباد تھا اور لاہور سے کم درجہ کا نہیں تھا۔ ۱۲



نقشه مسجد و مقبرهٔ خیرپور

یہ مسجد بنائی ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ مسجد چونے اور پتھر سے بنی ہوئی ہے مگر اس کے خوش قطع ہونے میں کلام نہیں اور لودیوں کے زمانے کی فن تعمیر کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ ایسی خوش قطع مسجد پٹھانوں کے وقت کی بہت کم دیکھنے میں آئی ہے۔ اس مسجد میں چونہ کاری کی بہت عمدہ منبت کاری ہے اور پیشانی پر چونہ کاری سے آیات قرآنی کھدی ہوئی ہیں۔ اس مسجد کے پانچ در ہیں درمیانی محراب بہ نسبت ادھر اُدھر کی محرابوں کے اونچی ہے اور نقش ذنگار سے آراستہ ہے۔ چھت پر تین گنبد لمبوتری گردن کے ہیں۔ جن کے کلس ٹوٹ گئے ہیں۔ چھت کے اطراف کنگورا ہے۔ گنبد اندر سے چپٹے ہیں جو تمام اعلیٰ درجے کے نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ بگلر صاحب کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ "اس مسجد کے اندر تمام رنگ آمیزی کا کام تھا جس کو گاؤں والوں نے بالکل برباد کر دیا اور اب برسوں ہوئے کہ اُس کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہا۔ اس مسجد کے صحن کے جنوب میں جو ایک عمارت بنی ہوئی ہے وہ بظاہر اس مسجد کا دروازہ معلوم دیتا ہے۔ اس کی وضع علائی دروازے کی سی ہے۔

اس مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ایک عالی شان گنبد ہے۔ جو اندر سے آٹھ مربع ہے اور باہر سے ۳۵ گز... اس کا داخلی دروازہ شمال کی طرف ہے جس میں جانے کا دو طرفہ زینہ گیارہ گیارہ سیڑھیوں کا ہے۔ گنبد کے چار دروازے ہیں ایک تو یہی ہے دوسرا مسجد کے صحن میں جانے کا ہے اور دو بند ہیں۔ گنبد کی چھت میں آٹھ کھڑکیاں بطور روشن دان کے ہیں۔ اس سے اور اوپر (۱۶) طاق ہیں جن میں سے چار کھلے ہوئے اور بارہ بند ہیں گنبد کے اندر پتھر کے چوکوں کا فرش ہے۔ گنبد کی چھت پر جانے کے زینے میں (۲۳) سیڑھیاں ہیں اور بلندی گنبد کی ۵۵ ہے۔ اس گنبد میں کوئی قبر نہیں ہے اور یہ گنبد مسجد کا دروازہ کہلاتا ہے مگر اُس کی وضع قطع تو بجائے خود ایک مستقل گنبد کی ہے اور مجھے اس کو مسجد کا دروازہ قرار دینے میں تامل ہے بلکہ میں اس کو ایک مستقل عمارت خیال کرتا ہوں اور مسجد کو اسی کے متعلق سمجھتا ہوں جیسا کہ عیسیٰ خاں کا مقبرہ اور مسجد ہے۔ عموماً مقبروں کے ساتھ مسجد بھی ہوا کرتی ہے۔ مسجد کا طول و عرض ۴۷ × ۳۱ ہے۔ مسجد کی بچھیت میں داہنے بائیں دستون بطور پشتیبان کے ہیں جو چھت سے ذرا اوپر نکلے ہوئے ہیں۔ اور بچھیت کی دیوار کے اندر چار حجرے بھی ہیں۔ مسجد کی بیچ کی محراب ۲۵ اونچی اور ۱۹ چوڑی ہے اور دو فیٹ کا کنگورا اس کے سوا ہے۔ اس کے بغلی

کی محرابوں کی چوڑان ۱۲ فٹ ہے اور کنارے کی دو محرابیں ۹ فٹ چوڑی ہیں۔ مسجد کے گرد چوڑا توڑے دار بھاری چھجا بھی ہے۔ مسجد کے سامنے ایک نہایت وسیع کشادہ کرسی دار ۱۱۰ × ۸۷ فٹ کا چبوترا ہے جس پر سلوں کا فرش ہے اور کچھ ٹوٹی پھوٹی قبریں بھی اس چبوترے پر ہیں۔ صحن مسجد کے آخر میں بجانب شرق ایک نہایت پختہ لداؤ کا تین در اور دو کھڑکیوں کا دالان ہے جو ۵ فٹ ۵ × ۱۳ فٹ ہے۔ دالان اور حجروں میں پتھر کی سلوں کا فرش ہے۔ درمیانی محراب ۹ ½ فٹ اونچی اور ۸ فٹ چوڑی ہے۔ دالان کے دونوں جانب ایک ایک حجرہ گیارہ گیارہ فیٹ مربع ہے۔ چھت پر جانے کے لیے بارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے اور اس عمارت کا ارتفاع ۱۹ فٹ ہے اوپر چھت سپاٹ ہے اور گرد چوڑا اور نہایت بھاری توڑے دار چھجا ہے۔ غالباً یہ دالان بطور ایک مدرسے کے تھا۔

انگریزی کتاب "آل ابوٹ دہلی" میں اس مسجد اور گنبد کے متعلق لکھا ہے کہ "موضع خیرپور کی بستی سے شمال کی جانب کوئی دو سو گز آگے بڑھ کر ایک عجیب و غریب مسجد ہے جس میں ایک بہت نفیس دروازے سے داخل ہوتے ہیں جو دور سے دیکھنے میں (دروازہ نہیں) بلکہ ایک مقبرہ معلوم دیتا ہے۔ دروازے میں بلند سیڑھیاں چڑھ کر پہنچتے ہیں (یعنی کرسی بہت اونچی ہے) یہ گنبد عجیب سڈول اور مرتفع ہے اور غالباً علائی دروازے کے طرز پر بنایا گیا ہے۔ دروازے کے باہر ایک نہایت خوش قطع صحن ہے جس کے ایک طرف تو مسجد ہے اور دوسری جانب اسمبلی ہال یعنی مجلس خانہ ہے جس کا سال تعمیر ۱۹۹۵ء ہے (یہ سال مجھ کو کہیں نظر نہیں پڑا)۔ اس مسجد کا پلاسٹر تمام تر نہایت نفیس نقش و نگار سے آراستہ تھا جس میں کا بہت کچھ حصہ اب تک بھی باقی ہے۔ پلاستر میں جا بجا چینی کی رنگین ٹیلیز (اینٹیں) لگی ہوئی تھیں اور سارے ہندوستان میں یہ سب سے بہتر نمونہ اس قسم کی آرائش کا ہے جو اب باقی ہے۔"

گنبد کے چاروں دروازوں کے کتبے

(۱) مغرب رویہ۔ بسم اللہ۔ وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ تا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ
پارہ ۲۵۔ سورہ زخرف۔ رکوع (۱۰)

(۲) مشرق رویہ۔ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تا آخر سورہ۔ پارہ ۲۰
سورۂ قصص۔ رکوع (۱۲)

(۳) جنوب رویہ:۔ یَا ذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ تا آخر سورہ۔ پارہ ۲۳۔ سورہ ص۔ رکوع (۹)
قُلْ مَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ تا ختم سورہ۔ پارہ ۲۳۔ سورۂ ص۔ (۱۴)
(۴) شمال رویہ:۔ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ تا وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ پارہ (۷) سورۂ انعام رکوع (۱۲)
گنبد کے احاطے کے اندر مغرب رویہ دروازے کے سامنے ایک قبر سنگ سرخ کے تعویذ کی ہے جس کے سرہانے اللہ ایک طرف بسم اللہ اور قل ھو اللہ اور دوسری جانب شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ تا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ کندہ ہے (پارہ نصف ۳۔ سورۂ آل عمران) یہ قبر بہت پرانی معلوم دیتی ہے کتبہ کی روش بھی اُسی زمانے کی ہے۔

مسجد کے اندر کے کتبے

پہلے در کے اندر
(۱) داہنی طرف پہلے در کی چھت پر۔ بسم اللہ۔ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ تا وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ پارہ (۱۵) سورۂ بنی اسرائیل۔ رکوع (۹و۱۰)
(۲) لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ تا مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا پارہ ۲۶۔ سورہ فتح۔ رکوع (۱۲)
(۳) بسم اللہ۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ تا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ پارہ ۴۔ سورہ آل عمران۔ رکوع (۶)
(۴) بسم اللہ۔ لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ تا ختم سورہ حشر۔ پارہ ۲۸۔ رکوع (۶)
(۵) محراب کے گرد:۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا تا آخر سورۂ کہف۔ پارہ (۱۶) رکوع (۳)

دوسرے در کے اندر
(۱) بسم اللہ إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ تا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔ پارہ ۲۲۔ سورہ احزاب۔ رکوع (۲)
(۲) بسم اللہ۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ تا وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ۔ پارہ ۱۸۔ سورۂ مومنون۔ رکوع (۱)

تیسرے در کے اندر جو ممبر کے پاس ہے۔ بسم اللہ۔ پوری سورۂ الرحمٰن۔ پارہ (۲۷)

چوتھے در کے اندر

(۱) بسم اللہ اور سورۃ واقعہ - پوری - پارہ (۲۷)

(۲) بسم اللہ اور سورۂ تحریم - پارہ (۲۸)

پانچویں در کے اندر

(۱) بسم اللہ - سورۂ نبا پوری - پارہ (۳۰)

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ تا وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ پارہ (۱۸) - سورۂ نور - رکوع (۹ و ۱۰)

(۳) وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ تا ختم سورۂ ذریٰت پارہ (۲۷) رکوع (۲)

(۴) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ تا وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ پارہ (۲۶) سورہ حجرات رکوع (۲)

پہلی محراب کے بیرونی رخ پر

بائیں طرف - اوپر اور دونوں طرف قُلْ ھُوَ اللّٰہُ کے طغرے -

(۱) وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا تا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْنَ - پارہ ۱۱ - سورہ توبہ - رکوع (۲)

(۲) اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ تا آخر سورہ فَارْتَقِبْ اِنَّھُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ پارہ (۲۵) سورہ جاثیہ رکوع (۱۶)

(۳) لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ تا وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا - پارہ (۲۶) سورۂ فتح - رکوع (۱۱)

مسجد کے روکار کے پانچوں دروں کے کتبے

(۱) سیدھے ہاتھ کی طرف سے - پہلی محراب - پہلی سطر دونوں طرف کلمے کے طغرے - بسم اللہ وَجَآءُوْٓا اَبَاھُمْ عِشَآءً یَّبْکُوْنَ تا عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ -

دوسری سطر - وَجَآءَتْ سَیَّارَۃٌ تا قَالَ الَّذِی اشْتَرٰہُ - پارہ (۱۲) سورۂ یوسف رکوع (۱۲)

دوسری محراب - اشہد ان لا الہ الا اللہ کا طغرا دونوں طرف اور پوری سورۂ جمعہ مع بسم اللہ -

تیسری محراب - پہلی سطر - بسم اللہ - سورۂ الملک شروع سے وَاِذَآ اُلْقُوْا فِیْھَا تک -

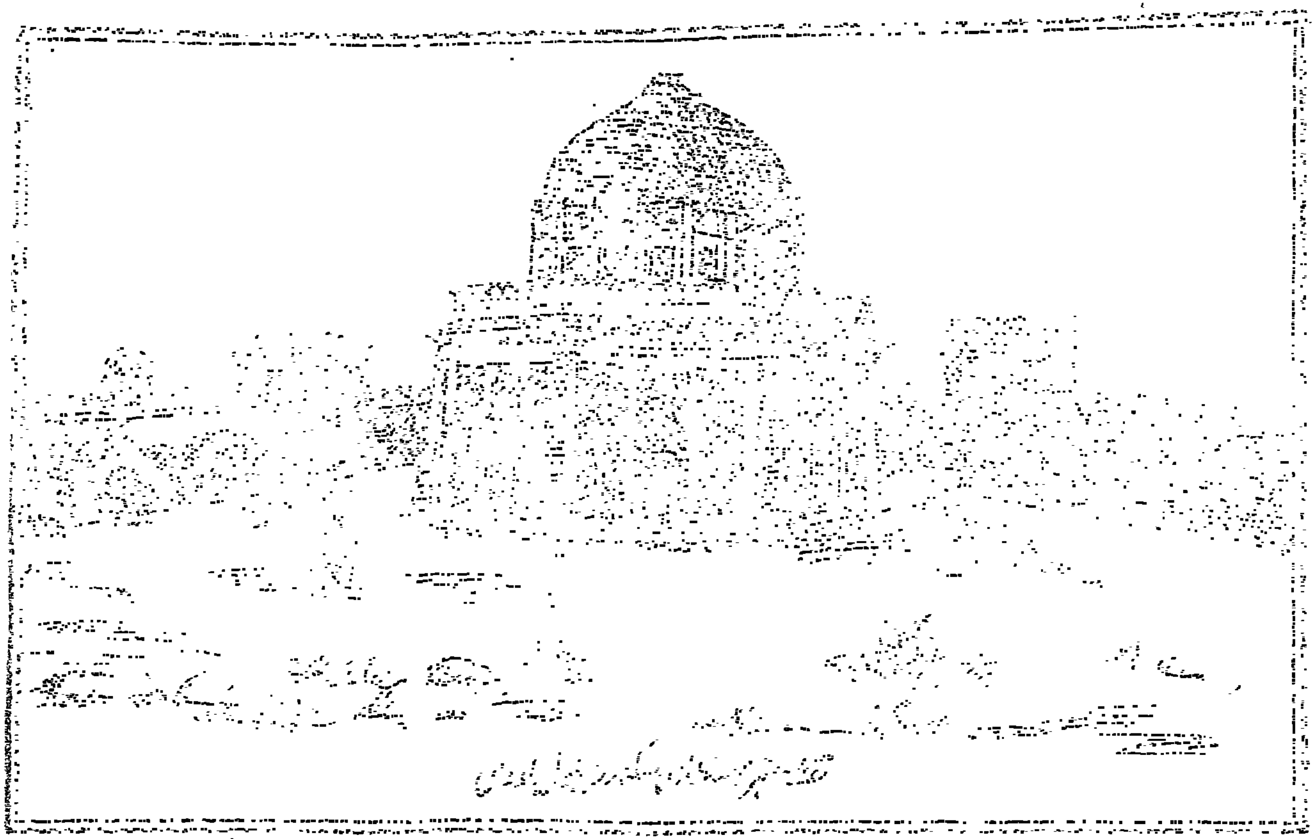
دوسری سطر - کُلَّمَآ اُلْقِیَ فِیْھَا فَوْجٌ سے وَاَسِرُّوْا قَوْلَکُمْ تک -

تیسری سطر - اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ قُلْ ھُوَ الَّذِیْ تک -

چوتھی سطر - اَنْشَاَکُمْ سے ختم سورہ تک

چوتھی محراب - پہلی سطر - بسم اللہ - سورۂ مزمل شروع سے وَکِیْلًا تک

دوسری سطر - وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا تک



پانچویں محراب - پہلی سطر - فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنۡكُثُ عَلٰى نَفۡسِهٖ‌ ... تا لَعَنَهُمۡ يَتَّقُوۡنَ - پارہ (۲۵) سورۂ جاثیہ رکوع (۱۶)
دوسری سطر - لَيۡسَ عَلَى الۡاَعۡمٰى حَرَجٌ تا اِذۡ يُبَايِعُوۡنَكَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ - پارہ ۲۶ سورۂ فتح رکوع ۱۰، ۱۱

هر کس به بهانه ازین دیر فنا … شد عازم آن سرائے جاوید بقا
باقی نبود کسے بعالم ابدا … غیر از احدے که نیست او را همتا

کاشانی ٹیلوں والا نامعلوم عالی شان گنبد

الحمد اللہ کیا زمانہ آیا ہے کہ ایک عالی شان اور بے نظیر گنبد ہزارہا روپیہ کی لاگت کا ٹوٹا پھوٹا نہیں گرا پڑا نہیں بالکل درست ہمارے سامنے کھڑا ہے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس کا ہے نہ ہم کو کوئی بتلاتا ہے کہ کس نے بنوایا تھا - خیر کسی کا بھی ہو حق تعالیٰ اس کی مغفرت کرے - طرز عمارت اور لودھیوں کے گنبد اور بے نظیر مسجد کا قرب دلالت کرتا ہے کہ ہو نہ ہو لودھیوں کے کسی بادشاہ یا بادشاہ نہ ہوگا تو بادشاہ کے ہم پلہ کسی امیر کبیر کا ہے - یہ گنبد بھی ہشت پہل ہے اندر سے ۳۶ مربع ہے - تین طرف عالی شان سر بفلک دروازے ہیں مغرب کی طرف بند - تین سیڑھیاں چڑھ کر گنبد کے اندر داخل ہوتے ہیں - اندر آٹھ قبریں پختہ گچ کی ہیں جن کو سرکار نے حال میں درست کرا دیا ہے - سات بڑی ہیں ایک چھوٹی - جس مقبرے کے باہر کی آراستگی کا اس قدر اہتمام ہے تو اندر تو کیا کچھ کام نہ کیا ہوگا - مگر اندر کا کام اب بالکل باقی نہیں رہا باہر والبتہ چینی کا رنگ برنگ کا کام کچھ کچھ باقی ہے جنوب کی طرف صدر دروازہ ہے جس کے رو کار پر بڑی بڑی اور چوڑی چوڑی چینی کی لاجوردی رنگ کی اینٹیں بطور تختیوں کے لگی ہوئی ہیں جو تعداد میں (۹۸) تھیں - جن میں سے تھوڑی ہی گر بھی پڑی ہیں مگر ان کی خالی جگہ پر سے شمار ہو سکتا ہے - صدر دروازے کی محراب مع کنگورہ ۲م اونچی ہے اور یہی گنبد کی بلندی کنگورے تک سمجھیے چونکہ اس میں شامل نہیں ہے - اوپر جانے کا زینہ (۳۳) سیڑھیوں کا ہے -

سکندر لودھی کا مقبرہ اور مسجد
۹۲۳ھ - ۱۵۱۷ء

موضع خیرپور کے پاس صفدر جنگ کے مقبرے سے کوئی یاؤ میل کے فاصلے پر ایک قدیم پختہ پل کے پاس لودھیوں کے خاندان کے سب سے بڑے بادشاہ سکندر شاہ ثانی بن بہلول شاہ (۸۹۴ھ - ۱۴۸۸ء تا ۹۲۳ھ - ۱۵۱۷ء) کا مقبرہ ہے جسے غالباً اس کے بیٹے ابراہیم شاہ ثانی لودھی نے ۹۲۳ھ میں بنوایا تھا - سکندر شاہ لودھی نے ۷ ذی قعدہ ۹۲۳ھ × نومبر ۱۵۱۷ء

میں بمقام آگرہ انتقال کیا۔ مصنف تاریخ خان جہاں لودھی نے لکھا ہے کہ بادشاہ اور اُس کے باپ دونوں کی نعشیں آگرے سے منتقل کر کے دہلی میں اسلام شاہ سور کے احاطے میں جو اسی غرض سے بنوایا گیا تھا دفون کی گئیں۔ لیکن اس بیان میں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے کیوں کہ سکندر لودھی اپنے باپ کے پاس مدفون نہیں ہے اور دونوں کی قبریں ایک ہی باغ میں نہیں ہیں بلکہ جدا جدا ہیں یہ مقبرہ وضع قطع میں خاندان سادات کے بادشاہ مبارک شاہ کے مشابہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس کے چاروں کونوں پر برجیاں نہیں ہیں اور فتنے کا ڈھلاؤ بھی کم ہے جو زمانہ مابعد کی تراش خراش ہے۔ یہ گنبد ۱۲۴ گز مربع فصیل نما احاطے میں ہے جس کے چاروں کونوں پر برجیاں تھیں جن میں سے اب صرف دو باقی رہ گئی ہیں۔ احاطے کی دیوار کا آثار آٹھ فیٹ کا ہے اور کنگورا چھوڑ کر بلندی ۹ فٹ ہے۔ احاطے کی دیواریں بھی نیچے در در بنے ہوئے ہیں۔ باہر وار کے یہ در ملالیں تو احاطے کی بلندی ۱۸ فٹ ہو جاتی ہے احاطے کا صدر دروازہ جنوب کی طرف ہے جس کی حال میں مرمت ہوئی ہے جو ۵ فٹ ۹ انچ چوڑا ہے اس دروازے کے سامنے ۵۲×۲۶ فٹ کی دیوار احاطے کی کھنچی ہوئی ہے۔ اس دروازے کے ہر دو جانب احاطے کی دیوار میں نو نو کوٹھری نما طاق ہیں یعنی احاطے کی دیوار کے اندر وار بھی طاق بنے ہوئے ہیں اور باہر وار بھی۔ دروازے کے باہر ایک بہت اونچا چبوترا ہے جس کی بلندی ۲۰ فٹ اور سیڑھیاں نو ہیں۔ جن پر چڑھ کر احاطے کے باہر والے چبوترے پر پہنچتے ہیں جو ۵۵ فٹ مربع ہے جس کے دونوں جانب دو چوکون برجیاں چار چار ستونوں پر کھڑی ہیں۔ جنوب کی طرف یہ دیوار اور آگے بڑھ گئی ہے جس کی دونوں طرف دو برجیاں ہیں جن میں چینی کی رنگین اینٹیں لگی ہوئی ہیں اور جو سنگ سرخ کے ستونوں پر ایستادہ ہیں۔ احاطے کی مغربی دیوار سے لگی ہوئی ایک مسجد ہے جس کی درمیانی محراب ۲۶ فٹ بلند اور ۳۹ فٹ چوڑی ہے اور ادھر اُدھر کی ایک ایک محراب اسی مناسبت سے کم ہے۔ باقی عمارت کی تفصیل کے لئے مبارک شاہ کے مقبرے کے بیان کی طرف رجوع کرنا کافی ہے کہ جو وہ سو یہ سوائے اس کے کہ جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اس کے کونوں پر برجیاں ہیں اور اس پر نہیں۔ اگرچہ یہ مقبرہ نرے چونے پتھر کا ہے مگر اندر کا درجہ اور باہر کی غلام گردش اور احاطے کی برجیاں بہت نفیس اور خوش نما بنی ہوئی ہیں۔ یہ گنبد ہشت پہل ہے۔ ہر ضلع میں تین تین در ہیں یہ مقبرہ بھی بالکل عیسیٰ خاں کے مقبرے کی طرح کا ہے اور لودھیوں کے سارے مقبرے ایک ہی ڈزائین کے ہیں۔

اس کے اندر صرف ایک قبر گچ کی ہے۔ فرش میں روڑی حال میں کوٹی گئی ہے۔ گنبد کا قطر ۴۳ ۱/۲ فٹ ہے۔ گنبد کا پلاسترا اندر سے گر گیا ہے۔ غلام گردش کے سات در ہیں۔ اندر تمام چینی کا کام تھا چنانچہ اب بھی طاقوں کے دونوں طغرے ہیں۔ بارہ طاق بطور روشن دانوں کے ہیں۔ جن میں سے چار کھلے ہیں اور باقی بند ہیں۔ ان میں بھی کچھ کچھ کام چینی کا باقی ہے۔ گنبد کی چھت میں سب سے اوپر سرخ زمین پر سفید حروف میں آیۃ الکرسی منقوش ہے۔ غلام گردش ۹ فٹ چوڑی ہے۔ گنبد کا دروازہ باہر سے ۸ ۱/۲ فٹ اور اندر سے ۵ فٹ چوڑا ہے۔ غلام گردش کا ہر ضلع ۱۴ فٹ اور گنبد کا ہر ضلع باہر سے ۲۲ ۱/۲ فٹ لمبا ہے۔ احاطہ عیسیٰ خاں کے مقبرے کی طرح بہت وسیع فصیل نما کنگورے دار ہے جس میں چوطرف (۲۷) کوٹھریاں طاق بنے ہوئے ہیں۔ مغرب کی طرف مسجد کی چھت کی دیوار اور ایک دیوار دو در محراب رہ گئی ہے باقی سب گر گئی ہے۔ گنبد کے اوپر جانے کا زینہ اٹھارہ سیڑھیوں کا ہے۔ گنبد کی بلندی ۳۸ فٹ ہے اور گنبد کے چاروں طرف اٹھیاسی اٹھیاسی فیٹ کے بقدر احاطے کا میدان چھوٹا ہوا ہے۔

آل انجوٹ ڈہلی میں لکھا ہے کہ "اس بادشاہ نے ۱۵۱۷ء میں یعنی مغلوں کے ہندوستان فتح کرنے سے صرف نو برس پہلے انتقال کیا۔ یہ گنبد ایک نہایت عالی شان اسی طرح کے احاطے کے اندر واقع ہے جیسا کہ روشن چراغ دہلی کا ہے یہ ایک گہرے ڈھلوان کنارے پر واقع ہے جس پر سات دروں کا پل باندھ دیا ہے جس پر سے وہ قدیم سڑک گزرتی تھی جو فیروز آباد اور شمالی حصے کو سیری اور پرانی دلی سے ملاتی تھی۔ گنبد فی نفسہا ایک عمدہ عمارت ہے لیکن زیادہ تر پسندیدہ اس کا خوش نما موقع و محل ہے۔ قبر کے سرہانے جو چراغ دان کا ستون ہے وہ جینیوں کے مندر کا ایک تھم تھا اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ مغلوں کی فتح سے تھوڑے ہی دنوں پیشتر پھر ہندوؤں کی عمارت کی توڑ پھوڑ شروع ہو گئی تھی"

لودھیوں کے گنبدوں میں ایک بات اور دیکھی گئی کہ وہ کوئی کتبہ بھی اپنے نام کا نہیں لگاتے تھے اور اسی وجہ سے کسی گنبد کو کسی بادشاہ سے منسوب کرنے میں سوائے زبانی روایات کے یقینی طور پر کوئی رائے قائم کرنی مشکل ہے۔

باولی۔ باغیچی۔ سہ دری اور دو نامعلوم گنبد

سلطان سکندر بہلول لودھی کے گنبد کے پاس ایک قدیم اور محاط بہت وسیع باؤلی بھی ہے۔ یہیں قریب میں ایک وسیع اور پختہ فصیل نما احاطہ کھنچا ہوا ہے جو باغیچی کے نام سے آج تک مشہور ہے گو اب اس چار دیواری کے اندر زراعت ہوتی ہے مگر پہلے زمانے میں ضرور باغ رہا ہوگا کیونکہ جنوب رُخ کو اس کا صدر دروازہ نہایت مستحکم اب بھی موجود ہے جس پر سہ دری بنی ہوئی ہے۔ یہیں ایک چھوٹا سا چپٹا گنبد بھی ہے جس کی چھت ٹوٹ گئی مگر چار دیواری علی حالہ کھڑی ہے۔ اس منہدمہ گنبد کے دونوں طرف دو چھوٹی چھوٹی گنبدیاں بھی ہیں۔ علاوہ ان عمارتوں کے اسی نواح میں موضع خیرپور کی حدود میں معمولی اور متوسط دو اور گنبد بھی ہیں۔ یہاں بڑے بڑے گنبد جن پر لاکھوں روپیہ صرف ہوئے ہیں آج حالت گمنامی میں ہیں تو یہ معمولی گنبد کس شمار قطار میں ہیں۔

کربلا صفدر جنگ کے مقبرے سے ذرا آگے بڑھ کے بائیں طرف ایک کچا رستہ پھٹ جاتا ہے۔ اس رستے پر داہنی طرف سر راہ ایک بڑا دروازہ اور ایک وسیع ٹوٹا پھوٹا احاطہ ملتا ہے یہی کربلا ہے اور یہیں بادشاہی زمانے کے ایک نامی گرامی رئیس کپتان اشرف بیگ خاں نے ایک پختہ چار دیواری کھچوادی ہے جو کربلا کہلاتی ہے تمام شہر کے تعزیئے یہیں ٹھنڈے کیئے جاتے ہیں اور یہاں بڑا ہجوم اور میلا ہوتا ہے۔ اس کمپونڈ میں بہت سی قبریں ہیں۔ کہتے ہیں کہ اشرف بیگ خاں کی قبر بھی یہیں ہے لیکن مجکو تو ملی نہیں۔ کمپونڈ کی دیوار ۷ گز بلند ہے۔ اس کا صدر دروازہ سر راہ شمال کی طرف ہے جو ۱۰ ۔ ۱۳ اونچا اور کم چوڑا ہے۔ اس کے دونوں پاکھوں پر سنگ سرخ لگا ہوا ہے جس میں کا ایک پاکھا داہنی طرف کا حال میں گر گیا ہے اور اس کے ڈھیم وہیں پڑے ہیں بائیں طرف کا پاکھا جوں کا توں کھڑا ہے۔ کواڑ کی چول پھنسانے کی کڑی بھی موجود ہے جس میں گول سوراخ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پٹ بھی تھے۔ دروازہ کے دو طرفہ کچھ عمارت مثل سہ دری کے تھی جو گر گئی اور اوپر بھی کچھ مکانیت ہوگی یہ سب مفقود ہے اب صرف ایک پاکھا کھڑا ہے اور بس۔ دوسرا دروازہ کمپونڈ کے مشرق میں ہے جو صرف کمپونڈ کی دیوار توڑ کر رستہ کر دیا گیا ہے اس کے دو پاکھے بچ گئے ہیں جن کے

اوپر ایک گول ممٹی تھی۔ ایک پاکھے کی گر گئی ایک کی باقی ہے۔ اس دروازے کی چکلان ۱۲ فٹ ½ ہے۔

ماہ خانم کی قبر ۱۱۳۹ھ

آہستہ برگ گل بفشاں بر مزار ما
بس نازک ست شیشۂ دل در کنار ما

کربلا کے احاطے کے اندر داخل ہوتے ہی سامنے ایک وسیع و مرتفع پکا چبوترا گچ کا نظر آتا ہے جس کی چار سیڑھیاں ہیں۔ یہ چبوترا ۸۳×۴۴ فٹ طول و عرض میں اور ۴ فٹ ½ اونچا ہے۔ اس چبوترے کے وسط میں ۵ فٹ مربع ۱½ اونچا ایک اور چبوترا ہے۔ اس چبوترے سے ملی ہوئی لداؤ کی قلم دان نما ایک برجی ہے جس کا داخلی دروازہ سنگ باسی کا بہت چھوٹا سا ۲×۳ فٹ کا ہے۔ اس دروازے میں ایک لداؤ کی کمرہ بطور ڈیوڑھی کے ۸×۱۱½ فٹ کا ہے جس کی چھت قلمدان نما ہے۔ اب چودہ سیڑھیاں اتر کر ہم تہ خانے میں پہنچتے ہیں جس کا ایک ہی دروازہ جنوب رویہ ۲×۳ فٹ ہے۔ تہ خانہ کا حجرہ ۱۳½ فٹ مربع ہے جس کے چاروں طرف روشن دان رکھے ہیں اور تین طرف دیوار در طاق ہیں۔ یہ حجرہ اوپر والے پندرہ فیٹ مربع چبوترے کے نیچے ہے۔ فرش میں اس کے سنگ مرمر کی سلیں لگی ہوئی ہیں جن میں کی بعض بعض سلیں ضائع بھی ہو گئی ہیں۔ چھت مربع لداؤ کی ہے جس میں رنگ کا کام کیا ہوا تھا جو کچھ کچھ باقی بھی ہے۔ اس حجرے کے بیچ میں صرف ایک ہی قبر ہے جس کا تعویذ نہایت عمدہ قسم کے شفاف اور چمک دار سنگ مرمر کا ۶½×۲ فٹ ۔ ۱۰۔۱ اونچا آدھ ۹ کا ہے۔ اس تعویذ کے گرد آیۃ الکرسی کچھ عجیب نزاکت سے ثبت منقوش ہے کہ خط اس کا سرمۂ نظر و باعث تجلی بصر ہے۔ زبان اس کی تعریف سے قاصر ہے اور دل اس کے دیکھنے سے سیر نہیں ہوتا۔ تعویذ کے اوپر سرہانے بسم اللہ کا طغریٰ ہے اور پائتی كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور تعویذ کے عرض میں نیچے وار یہ خط نستعلیق یہ قطعہ کندہ ہے:—

آفتاب برج عصمت ماہ خانم از قضا
در نقاب ابر رحمت کرد رو سوئے الحق
کلک قدرت سال این تاریخ بر لوح مزار
زد رقم شد مریم دوران واصل بحق

کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس کا چاند تھا جو ایک تیرہ و تار حجرے میں پڑا چمک رہا ہے اور اپنے حسن و جمال کی شعاعیں آج سینکڑوں برس کے بعد بھی چمکا رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اشرف بیگ کے دودمان عالیہ کا کوئی ماہ منور تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مقبرہ کسی بڑی نامی گرامی بیگم جن کا مرقد اس اہتمام اور صرف زر کثیر سے بنا ہے۔ مگر یہ منزل وہ ہے جہاں امیر و غریب سب برابر ہیں اور کیا سچ کہا ہے کہ ؎

چو آہنگ مردن کند جان پاک — چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک

جن کے مقبرے ہزارہا روپیہ کی لاگت سے بنے ہیں آج اُن کا پتہ نہیں چلتا کہ کون تھے پھر بادشاہ کا کیا ٹھکانا آج مرے کل دوسرا دن۔ وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

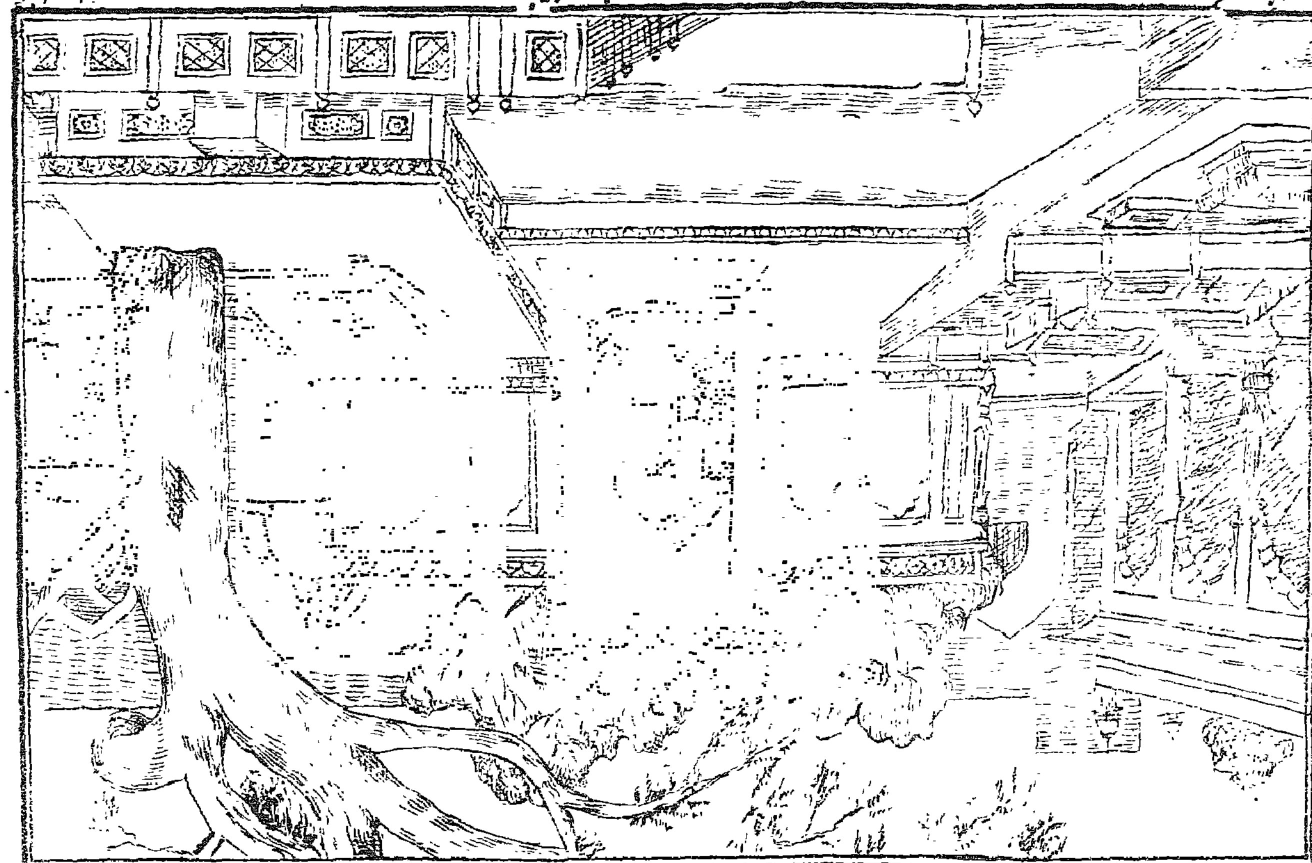
غالباً اشرف بیگ کی قبر

اوپر والے مقبرے کے شرقی دروازے کے سامنے ایک پختہ چبوترا ۲۴×۲۴ اور آٹھ فٹ اونچا ہے۔ یہ چبوترا اُس زمانے کے رواج کے موافق مسجد نما ہے یعنی مغرب کی دیوار مع تین دیوار دوز طاقوں کے اور شمال جنوب کے پاکھے کھڑے ہیں۔ جسے حصہ مسجد کہنا چاہیئے۔ اس کے محاذ میں چبوترے پر دو چونے گچی کی بہت پرانی قبریں ہیں دونوں قبریں شکستہ حالت میں ہیں۔ ان میں سے ایک قبر کے گرد پیچ میں آیۃ الکرسی کندہ ہے اور یہی ذرا ٹھیک بھی ہے ہو نہ ہو اشرف بیگ صاحب کی قبر یہی ہوگی۔ کیوں کہ اور کوئی ممیز قبر اس احاطے کے اندر نہیں ہے۔

شاہ مرداں یا علی جی یا علی گنج
۱۱۳۷ھ

کیا فیض علی کے قدم پاک سے ہے	روضہ کی زمیں بلند افلاک سے ہے
بنتا ہے وہاں دُرِ نجف قطرۂ آب	پانی کی بھی آبرو اسی خاک سے ہے

کربلا کے احاطے سے آگے ایک بہت بڑا فصیل نما احاطہ دکھلائی دیتا ہے۔ اس کے اندر مختصر سی آبادی ہے جو شاہ مرداں یا علی گنج کے نام سے مشہور ہے۔ ادہم بائی زوجہ محمد شاہ بادشاہ جن کو احمد شاہ کے عہد سلطنت میں اول نواب بائی اور پھر نواب قدسیہ صاحب الزمانی کا خطاب ملا۔ شیعہ مذہب تھیں یہاں ۱۱۳۷ھ



میں اُن کے پاس ایک ایسا پتھر آیا جس پر امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ کے قدم مبارک کا نقش تھا۔ نواب قدسیہ بیگم نے اس نقش قدم کو ایک سنگ مرمر کے حوض میں نصب کرایا اور اسی سبب سے اس مقام کو علی جی۔ شاہ مرداں اور علی گنج کہتے ہیں۔

علی گنج کا شمالی صدر دروازہ ۱۱۶۲ھ ۱۷۴۹ء احمد شاہ کے زمانے میں نواب قدسیہ بیگم نے ۱۱۶۲ھ ۱۷۴۸ء میں جاوید خاں خواجہ سرا کے اہتمام سے چار دیواری مجلس خانہ مسجد اور حوض بنوایا۔ پھر ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء میں عشرت محل خانم نے مجلس خانہ بنوایا۔ یہ دروازہ کنگورا دار ۳۰ فٹ اونچا اور ۱۲ فٹ چوڑا چوکیوں دار ہے۔ یہ دروازہ دُوہرا ہے آگے دروازہ پیچھے دروازہ بیچ میں گنبددار چھت۔ ڈیوڑھی میں دونوں طرف دو منزلہ دریاں ہیں۔ ابھی تک اس کے قدیم چوبی کواڑ بھی سلامت ہیں۔ اس کی پیشانی پر سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ نہایت خوش خط بخط نستعلیق لگا ہوا ہے:۔

کتبہ

"قال محمد حبیب اللہ انا مدینۃ العلم
و علی بابہا × در عہد مبارک احمد شاہ ۱۱۶۲
بہادر بادشاہ غازی بموجب
ارشاد نواب قدسیہ × حضرت صاحب
زمانیہ باہتمام نواب بہادر جاوید خاں صاحب
بسر براہے خاکسار لطف علیخاں تعمیر قلعہ و مجلسخانہ
و مسجد و حوض در یکسال مرتب شدہ"

اس دروازے کے اندر بستی ہے جس میں کئی بڑے بڑے عالی شان دروازوں کے گھر قدیم زمانے کے بنے ہوئے ہیں جو اب ویران ہیں یا یہ کہ کوئی معمولی شخص رہتے ہیں۔

مسجد دروازے کے پاس ہی تین گمری کی نہایت خوب صورت سفید گنبدوں کی مسجد ہے جن کے کلس بھی صحیح سلامت ہیں۔ ادھر ادھر ایک ایک مربع چار دری برجی ہے۔ مسجد کے تین در ہیں۔ بیچ کا در ۱۲ فٹ اونچا ۶ فٹ چوڑا ہے۔

مسجد ۲۵ فٹ × ۱۰ ہے۔ سامنے لکھا اینٹ کے فرش کا چبوترا ۲۷ × ۲۴ فٹ ہے۔ صحن میں نیم کا ایک بہت پرانا درخت کھڑا ہے۔ اس کے نیچے کئی خام قبریں ہیں مسجد کے گرد احاطہ ہے۔

کنواں اور سیڑھی دار باؤلی

مسجد کی جنوبی دیوار سے ملا ہوا ایک کنواں اور اُسی کے پاس سیڑھی دار اُترنے کی باؤلی ہے۔ کنواں اور باؤلی منہدمہ ہیں۔ صورت یہ ہے:۔



نقار خانے کا دروازہ
۱۲۳۰ھ
۱۸۱۴ع

درگاہ میں داخل ہونے سے پہلے نقار خانے کا دروازہ ملتا ہے جو ۲۰ × ۱۸ ہے۔ یہ دروازہ گنبد دار ہے جس پر ایک سہ دری بنی ہے۔ دروازے کے دونوں طرف دو چھوٹے چھوٹے دالان بنے ہوئے ہیں۔ اس کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے:۔

ہو الفضل

چوں کہ صادق ساختہ رفیع | ساخت بر آستانۂ حیدر
سال تاریخ آں بنا صادق | گفت نقار خانۂ حیدر
۱۲۳۰

دو سو اُنسٹھ برس کی ایک پرانی قبر

اسی دروازے کے باہر ایک بہت پرانی قبر سنگ سرخ کی ہے جس کی لوح پر یہ کتبہ ہے:۔

اللہ اکبر۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا کہ بے ما بسے روزگار | بروید گل و بشگفد نو بہار
کسانی کہ از ما بغیب اندر اند | بیایند و بر خاک ما بگزرند

بست و یکم شہر ذی حجہ مغفوری مرحومی میاں عشرت صاحب برحمت حق پیوست ۱۰۷۸

کوکا کی مسجد

تو یہ مسجد چھوٹی سی یعنی ۳۸ × ۱۲ فٹ ہے مگر عجب دل فریب اور اندر سے باہر تک سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے اور پتھر بھی چن چن کر ایسا لگایا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دلہن لال جوڑا پہنے کھڑی ہے۔ اس کے

ملا پیرمیں علی پیر شاہ بادشاہ کے گنبد کے اندر بھی یہ اشعار کندہ ہیں۔ ۱۲

تینوں گنبد ایسے خوش نما اور سجل ہیں کہ دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ گنبدوں پر کی بعض بعض سلیں گر گئی ہیں اندر سے اینٹیں نکل آئی ہیں۔ دراڑیں کھل جانے سے ان اینٹوں پر گھانس اگ آئی ہے پتھر کی سرخ سلوں کے ساتھ یہ سبزی بھی عجب لطف دیتی ہے ؎

نہ کچھ شوخی چلی باد صبا کی   بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

بیچ کا گنبد جو زیادہ بڑا ہے وہی زیادہ مخدوش حالت میں ہے۔ باقی ایک چھوٹا گنبد بھی مرمت طلب ہے اور ایک درست حالت میں ہے۔ بیچ کے گنبد اور شمال کے گنبد کے پتھر کے نازک کلس باقی ہیں جنوب کے چھوٹے گنبد کا کلس گر گیا۔ ذرا سی توجہ سے ان کی درستی ہو سکتی ہے ورنہ پانی جذب ہو ہو کر بہت جلد یہ گنبد بیٹھ جائیں گے۔ مسجد کے تین در ہیں۔ بیچ کا در ۷ فٹ ۸ انچ بلند اور ۵ فٹ ۹ انچ چوڑا ہے۔ اندر اور باہر چبوترے پر جو ۱۳ فٹ ۵ انچ × ۱۳ فٹ ۸ انچ طول و عرض میں اور ۳ 1/2 فٹ اونچا ہے چوکوں کا فرش ہے۔ ایک کنواں بھی مسجد کی داہنی طرف ہے۔ مسجد کا پختہ اور وسیع احاطہ ہے۔ احاطے کے اندر کئی قبریں ہیں جن میں سے ایک قبر کا تعویذ سنگ باسی کا ہے جس کے اوپر اللہ لکھا ہے اور لمبان میں دونوں طرف بہ خط نستعلیق یہ عبارت ہے:

ایک طرف   ناد علیاً مظہر العجائب [illegible] تجدہ عوناً لک فی النوائب [illegible]

دوسری طرف   اگر سر بندارے [illegible] بالین گور [illegible] کل ہم و غم سینجلی [illegible] بولایتک یا علی یا علی یا علی

یہ مسجد کوکا کی مسجد کہلاتی ہے خدا جانے وہ کوکا کون تھے۔ جس انا کا دودھ پیتے ہیں اس کا دودھ شریک بھائی کوکا کہلاتا ہے۔

درگاہ حضرت سید عارف علی شاہ صاحب عرف چٹے بٹے کی درگاہ سنہ ۱۰۷۲ھ

ان بزرگوار کا حال کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا سید اعجاز حسین صاحب متولی درگاہ کہ حضرت کے خاندان میں ہیں اور مرد صالح ہیں۔ آپ کے وصال کا سال سنہ ۱۰۷۲ھ بتلاتے ہیں اور چونکہ ان کا گزارا اسی درگاہ کی نذر و نیاز پر ابا عن جد چلا آتا ہے ان کا کہنا ایک حد تک قابل قبول ہے وہی کہتے ہیں کہ آپ کا وصال غوث پور ضلع بجنور میں ہوا۔ آپ کی نعش وہاں سے دلی لائی گئی چنانچہ اب تک بھی آپ کا عرس دلی اور غوث پور دونوں جگہ ہوتا ہے۔ درگاہ کی عمارت ۲۲ فٹ مربع ایک گنبد ہے جو پھیلے ہوئے پیٹے کا ہے جس پر برجی کلس ہے۔ آپ کے گنبد کے چار دروازے ہیں۔ آپ کی قبر پر شامیانہ تنا ہوا ہے اور بہت سے چٹے بٹے آویزاں

ہیں اسی وجہ سے عوام میں چھٹے ستے کی درگاہ مشہور ہے۔ آپ کے مزار کے گرد سنگ مرمر کا کٹہرا ہے۔ درگاہ کا احاطہ قسم مربع ہے جس میں ایک بہت پرانا نیم کا درخت کھڑا ہے۔ احاطے کے کونے میں ایک مختصر سی تین در کی مسجد ۱۴ فٹ ۷ × ۹ کی ہے۔ غرض جائے از بس دلکش اور پُر انوار ہے۔

قطعہ تاریخ وصال حضرت سید عارف علی شاہ صاحب رح

بعہد شاہ عالم گیر غازی ۔ سیادت مرتبت عارف علی شاہ
فقیہ و متقی و عارف عصر ۔ ملک خصلت نکو صورت حق آگاہ
بزہد و کشف و اعجاز و کرامت ۔ بعلم معرفت مشہور چوں ماہ
ازیں دار فنا با صد تجمل ۔ متاع القا برود ہمراہ

چنیں بنوشت مضطر سال رحلت
نہاں شد آفتاب دین حق آہ

درگاہ قدم مبارک
۱۱۳۷ھ / ۱۷۲۴ء

اب درگاہ شریف میں چلئے جس کا مشرق رویہ دروازہ ۹ فٹ ۱/۲ اونچا اور ۳ فٹ چوڑا چوکی دار ہے جس کے پٹ چوبی ہیں لیکن جیسی عالی شان عمارت ہے ویسا دروازہ نہیں۔ یہ درگاہ ایک بڑے احاطے کے اندر ہے۔ خود درگاہ کا احاطہ ۳۷ × ۲۶ فٹ ہے ۸ فٹ اونچا سنگ مرمر کی نفیس سلوں کا ہے۔ جنوبی دیواریں (۱۰) دس پوری سلیں سنگ مرمر کی نصب ہیں اور نصف نصف سلیں کونوں میں اور ایسے ہی شمالی دیواریں۔ مشرق کی طرف داخلی دروازہ ۷ فٹ ۹ اونچا ۵ فٹ عریض ہے جس کی چوکھٹ سنگ مرمر کی ہے اور پٹ چوبی دروازے کے ادھر ادھر دو سلیں سنگ مرمر کی ہیں جو ایک بیچ چار دیواری کی ہے۔ اسی طرح مغرب کی دیواریں دو سلیں سنگ مرمر کی اور بیچ میں ایک معمولی سا دروازہ ہے۔ اس دروازے کے دونوں پاکھوں پر سنگ مرمر کے کچھ کتبے دوسری جگہ سے لا کر نصب کر دیئے ہیں کہ رونق میں آ سکتے تھے۔

داہنے پاکھے پر (۱) اللہ محمد علی

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اللہ محمد علی فاطمہ حسن حسین علی

محمد جعفر موسیٰ علی محمد علی

حسن محمد علیہم السلام

تاریخ وفات شرف النسا بیگم عرف حاجی بیگم مرحومہ زوجہ بنت میرزا سید محمد گلستانہ عرف میرزا جانی مرحوم × دوازدہم شہر ربیع الثانی روز پنجشنبہ سنہ ۱۲۱۶

بائیں پاکھے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنہ ۱۱۴۹

صحن درگاہ میں سنگ مرمر کی سلوں کا فرش ہے جس کے بیچ میں ایک پرانا درخت نیم کا بھی کھڑا ہے۔

قدم شریف کی اصل جگہ اسی احاطے کے بیچوں بیچ سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ۸ لمبا ۴-۵ اونچا ہے جس پر زمین کا صندوق نما بناکر دیا ہے اور زمین کو سبز رنگ کا رنگ دیا ہے۔ اس صندوق کے دونوں طرف لمبان میں کھلنے بند ہونے والی کھڑکیاں رکھ دی ہیں۔ اس کے اندر سنگ مرمر کا ایک نہایت خوب صورت حوض ۴-۲ لمبا اور ۲-۱۰ چوڑا ۱-۳ عمیق ہے اسی کے اندر قدم مبارک ہے جس میں خوشبودار پانی اور پھول پڑے رہتے ہیں۔ اس حوض کے کنارے عرض میں ایک طرف یہ شعر کندہ ہے۔

برزمینے کہ نشان کف پائے تو بود سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

برج کاسۂ حضرت فاطمہؓ درگاہ قدم شریف کے احاطے کی شمالی دیوار سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا احاطہ ہے جس کے اندر ایک چھوٹا سا ہشت پہل برج ہے کہتے ہیں کہ اس برج میں نقش کاسۂ حضرت فاطمہ علیہا السلام کا ہے۔ اس احاطے کے اندر سوائے عورتوں کے مرد نہیں جاتے میں نے بھی ادباً اس میں جانے کی جرات نہ کی ایک چھوٹے سے لڑکے کو اندر بھیج کر دکھوالیا اس برج کے اندر ایک بڑے پیالے کی شکل بنادی ہے اور کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے چوں کہ یہ مقام حضرت فاطمہ کے نام سے منسوب ہے لہذا پاس ادب ضرور ہے۔

جہاز اسی سے ملا ہوا ایک بہت وسیع کشادہ اور بلند دالان ۲۷×۲۳ فٹ ہے اس دالان کا دروازہ ۸-۴ چوڑا اور بہت اونچا ہے۔ اس دالان میں

سنہ ۱۱۴۹ زینے یا سیڑھی کہ وہاں تو ایسا ہی کھدا ہوا ہے ۱۲

رنگ کا کام لاجواب برائے نام باقی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ دالان کسی سوداگر نے جب اس کی منت پوری ہوئی تو باظہار تشکر بنوایا اور اس کا نام جہاز رکھا۔ وجہ تسمیہ کوئی کچھ کہتا نہیں۔ میرے خیال میں چوں کہ یہ دالان بہت بڑا ہال ہے اور جہاز کی شکل کا لمبا چلا گیا ہے عجب نہیں کہ بلحاظ ہیئت کذائی جہاز کے نام سے موسوم کیا گیا ہو۔ اس کا ایک دروازہ باہر وار رستے پر بھی ہے اور ایک سہ دری بھی اسی کے متعلق تھی جس کے تین در باقی ہیں اس مکان میں جو ندرت ہے وہ یہ ہے کہ اس کی چھت کڑیوں کی ہے اور باوجود امتداد زمانے کے چو بینہ علی حالہٖ قایم ہے جو شہتیر دروازے پر بطور سردل لگے دیا گیا ہے اس کو دیکھنے سے اس کی غیر معمولی جسامت اور سطبری کا اندازہ ہو سکتا ہے چھت اوپر سے سپاٹ ہے اٹھارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ خدا جانے کیا بات ہے کہ جو جگہ ملی وہاں مردے دفن کر دیے گئے حالاں کہ یہ مکانات اس مصرف کے لیے نہیں بنائے گئے تھے اس میں بھی دو قبریں ہیں۔ پھر ایسی جگہ قبریں بنا دینا اور قبروں کو روندن میں لانا غور طلب ہے۔ ان دونوں قبروں کے سراہنے کے کتبے یہ ہیں:۔

(۱) ھُوَ المستعان میر خورشید علی رضوی تعزیہ دار بعمر ۵۲ سال در شب جمعہ بتاریخ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ رحلت نمود۔

(۲) سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ × فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ ھٰذَا الْقَبْرُ × اَلْمُنَوَّرْ قِبْلَۃُ الْمُنَدَّرْ فِی رَحْمَۃِ × کربلائی بیگم اَلْفَاتِحَۃُ لَھَا اَجْرُکُمُ اللہُ × فی ۲۸ شعبان المظفر ۱۳۰۲ھ

نواب ابراہیم بیگ خاں کی قبر ۱۲۴۴ھ

یوں تو درگاہ کے احاطے میں ایک چپہ بھر زمین بھی قبروں سے خالی نہیں مگر ہم انہیں قبروں کو لکھتے ہیں جن پر کتبے ہیں۔ پختہ فرش کو چھوڑ کر تمام صحن میں جو برج کا راستہ حضرت فاطمہ اور جہاز کی عمارت کے سامنے ہے صرف ایک قبر کی لوح پر جو سنگ باسی کی ہے یہ کتبہ بخط نستعلیق ہے:۔

نواب ابراہیم بیگ خاں بہادر خلف × احتشام الدولہ نواب اسمٰعیل بیگ خاں بہادر × فیروز جنگ بتاریخ پنجم جمادی الثانی × ۱۲۴۴ وفات یافت)۔

درگاہ کے احاطے کے اندر مسجد

درگاہ کے احاطے کے اندر جہاز کے پیچھے بجانب شمال ایک مسجد ہے جس کے تین گنبد

اور تین در ہیں۔ مسجد طول و عرض میں ۵۰ فٹ ½ × ۱۲ ہے۔ چار سیڑھیوں کا منبر ہے۔ سامنے چبوترا ۴۴ فٹ × ۵ ½ ہے جس پر گما اینٹ کا فرش ہے۔ بیچ کا در ۸ ½ فٹ اونچا اور ۵ فٹ ۔ ۲ انچ چوڑا ہے۔ کلس گنبدوں کے ٹوٹ گئے ہیں۔ صحن کے آگے سنگ سرخ کا ایک حوض ۲۸ فٹ ½ × ۱۵ فٹ ۔ تین فیٹ عمیق ہے جس کے بیچ میں ایک فوارہ بھی سنگ سرخ کا ہے اب یہ حوض مٹی سے اٹ گیا ہے اور اس قدر گھانس اس میں ہو گئی ہے کہ اس کے حدود کا معلوم کرنا بھی مشکل ہے۔ مسجد کے گرد سات فیٹ اونچی احاطے کی دیوار ہے۔

سنگ مرمر کا پہلا چبوترا

پھر درگاہ کے باہر آیئے تو اس کے سامنے تمام سنگ مرمر کا فرش ہے اور ایک بہت بڑا پرانا نیم کا سایہ دار درخت کھڑا ہے۔ اس درخت کے گرد بھی سنگ مرمر کا ۱۵ فٹ ½ × ۱۰ فٹ ۔ ۲ فٹ ۔ ۲ انچ اونچا دو سیڑھیوں کا چبوترا باندھ کر درخت کو ایک کونے میں لے لیا ہے۔ اس چبوترے پر دو قبریں سنگ مرمر کے تعویذ کی ہیں مگر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

چار قبروں کے کتبے

اس چبوترے کے ذیل کی قبریں سطح زمین کے برابر ہیں صرف سلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قبریں ہیں۔ سلوں کے گرد سیاہ حاشیہ کھینچ دیا گیا ہے۔ ان چار قبروں میں صرف قبر نمبر (۱) کی سل سنگ سرخ کی ہے باقی کی سنگ مرمر کی سلیں ہیں۔

(۱) مجلدار بیگم کہ گفتی بدنیا — سجود و راہل بیت است در بینم
غمش کرد خون دل دوستان خشک — شد از آتش دیدہ مومنین نم
لبید خود آں سیدہ سال رحلت — بگفتا مجلدار خلد بر بینم

(۲) مرقد منور حسام الدین حیدر موسوی ۱۲۱۹ (۳) آخریں منزل جہاں آرا ۱۲۵۹ ے

(۴) باد اجلال مسند نشین صدر نشاں۔

امراؤ مرزا صاحب[۱] کے بزرگوں کی ہڑواڑ

نیم کے درخت والے چبوترے کے سامنے یہ دوسرا چبوترا سنگ مرمر کا ۱۳ فٹ مربع ۔ ۲ فٹ اونچا ہے جس کے گرد ½ فٹ اونچا کٹہرا شمال میں اور نصف نصف مشرق مغرب میں ہے۔ اس چبوترے پر صرف دو قبریں زمین کے برابر ہیں جن پر سنگ مرمر کی سلیں اور چوطرف حاشیہ سنگ سیاہ کا ہے

۱؎ نواب امراؤ مرزا صاحب آنریری مجسٹریٹ دلی کے عمائدین میں سے ہیں آپ دریا گنج میں رہتے ہیں ہڑواڑ آپ ہی کے بزرگوں کی ہے ۱۲

قبر نمبر (۱) کے اوپر بسم اللہ الرحمن الرحیم دو طرف کلمۂ شہادت بیچ میں یا اللہ اور گرد آیۃ الکرسی ہے۔ اس کے سرہانے نہایت خوشخط بہ خط نستعلیق سنگ مرمر کی تختی پہ کتبہ ہے:

ھو الباقی

احمد حسین خاں کہ بعہد شباب مرد — زاں خوبی و نکوئی و حسن و جمال آہ
سال وفات او بدو نوع ای دقیقہ رس — خاں یکہزار و دو صد و ہفت و دو سال آہ
۱۲۶۲

(۲) دوسری قبر کے سرہانے یہ لوح ہے:

یاغفار الذنوب	الله بسم اللہ الرحمن الرحیم		یاستار العیوب
یا رحمٰن	چراغ شبستان ہشتم امام	بپای علی شاہ مرداں بخفت	یا سبحان
یا رؤف	زہاتف چو پرسیدم از سال او	مرا سکن موسو بجاں نگفت ۱۱۸۴	یا عطوف

ایک سہ درہ دالان

اس چبوترے کے سامنے ایک سہ درہ دالان سنگ سرخ کا ہے جس کی چھت بھی سرخ سلوں کی ہے۔ یہ دالان ۱۹½ x ۹ فیٹ ہے اس میں چار قبریں زمین کے برابر ہیں جو سلوں اور جدولوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ دیوار میں کتبہ تھا اس میں کچھ غلطی ہونے سے نکال لیا گیا۔ یہاں کے لوگ اکبر مرزا صاحب کے خاندان کی ہڑواڑ بتلاتے ہیں جو فراش خانے میں چوسیا کے چھتے میں رہتے ہیں۔

مہر النساء بیگم کی چوکھنڈی

اوپر والے سہ درہ کی پشت کی چھت کی دیوار میں ایک دروازہ ہے جو اس چوکھنڈی میں جانے کا ہے۔ یہ چوکھنڈی ۱۲ - ۹ x ۱۱ ہے جس کے احاطے میں سنگ مرمر کی سلیں ۶ فٹ اونچی لگی ہوئی ہیں۔ فرش بھی سنگ مرمر کا ہے۔ دروازہ مغرب میں ہے جس میں سنگ مرمر کی دو جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ اس کے اندر تین قبریں برابر برابر مشرق سے مغرب کی طرف ہیں۔ دو کے تعویذ ہیں ایک کی سل جس پر سیاہ حاشیہ ہے۔

نمبر(۱)، کی لوح نہایت خوب صورت خوش خط اور نقش و نگار سے آراستہ ہے:۔

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

چو مہر النسا بیگم خوش صفات	کہ چوں مہری داشت روشن لقا
برفت از جہان و سیہ شد جہاں	بیفگند پر تو بملک بقا
ز منوں بجستیم سال وفات	بصد محنت و درد و رنج و عنا
بُکا کرد بے انتہا و بگفت	کہ ہیہات ہیہات مہر النسا

سنہ ۱۲۳۸

نمبر(۲)، قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ... هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

نمبر(۳) پر یہ کلمہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ نہایت خوش خط)

اگرچہ یہ چوکھنڈی خود مختصر ہے لیکن اس پر جنوب رخ پر ایک چھوٹی سی لدادی سہ دری سنگ سرخ کی بنا دی ہے۔

شاہ نعمت الٰہی کی چوکھنڈی

سید عارف علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے احاطے کی مغربی دیوار سے ملی ہوئی جانب کی ہے۔ یہ چوکھنڈی ہے ۱۳ فٹ مربع ہے۔ احاطے کی بلندی ۱۳ فٹ ہے۔ درگاہ کی طرف کی دیوار کے سوا تینوں طرف دیواروں میں سنگ مرمر کی چار چار سلیں اور ایک ایک جالی لگی ہے۔ مغرب کی طرف صرف دو جالیاں ہیں کہ اسی میں دروازہ ہے۔ اس چوکھنڈی میں صرف دو قبریں ہیں۔ جو قبر بجانب درگاہ ہے اس کی مرمر کی سل پر یہ عبارت بخط نستعلیق منقوش ہے جس کی سیاہی جا بجا سے اُڑ گئی ہے:۔

اللہم اغفر لجیب الحسنات وفات

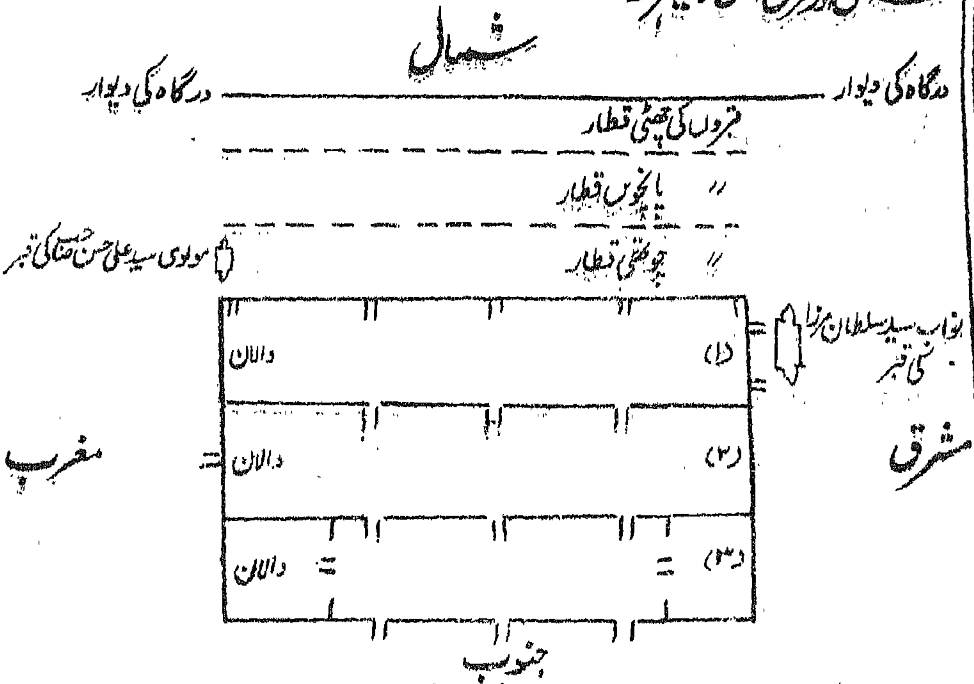
شاہ نعمت الٰہی فی التاریخ ۱۳ شعبان ۱۱۱۱

[illegible]

اسی کے برابر دوسری قبر ہے مگر اس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ سنگ مرمر کی سِل کے گرد سیاہ حاشیہ ہے۔

مجلس خانہ سنہ ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء

یہ مجلس خانہ عشرت علی خاں نے سنہ ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء میں بنوایا جو تہرے دالان کا ہے جس کے گرد چوڑا چھجہ اور چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں۔ یہ عمارت طول و عرض میں ۵۳×۴۳ ہے۔ شمال میں پانچ در، مشرق میں دو، جنوب میں تین، مغرب میں صرف ایک چھوٹا سا دروازہ۔ یہ در دہرے اور بنگڑی دار محراب کے ہیں۔ چھت لداؤ کی قلمدان نما اوپر سے سپاٹ ہے۔ چودہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔
نقشۂ سطحی و نظری اس کا یہ ہے۔



اس مکان کے پیش دالان میں شمال رویہ پاکھے پر یہ کتبہ ہے:—

(۱) بدرگاہ شاہنشہ دوسرا — علی شاہ مرداں ولی خدا
بحکم شہ اکبر نامور — چو عشرت علیخاں بیاراست جا
زسید شدم سائل سال آں — ہمیں زد رقم داد ناظر بنا ۱۲۲۳

اس مکان میں مجلسیں مرثیہ خوانی کی ہوتی ہیں۔ امتداد زمانہ کی وجہ سے مجلس خانہ بہت بوسیدہ ہو گیا تھا۔ سنہ ۱۳۰۲ھ میں نواب وزیر علی خاں نے اپنی عالی ہمتی سے اس کی درستی کرا دی چنانچہ صاحب موصوف نے دہلی کشمیری دروازے کے قصر کی ابراہیم علی خاں میں جو

درگاہ پنجہ شریف - امام باڑہ اور مسجد سید آغا جید صاحب کے بزرگوں کی ہیں ان مقامات کی مرمت بھی کرائی - درگاہ پنجہ شریف میں ۸ محرم کو علم اور ۹ کو تابوت اٹھایا جاتا ہے اور ہر نوچندی کی پنجشنبہ کو مجلس عزا سید الشہدا برپا ہوتی ہے - اوپر کے کتبے کے متوازی یہ دوسرا کتبہ ہے:-

(۲) الله

وہ عالی مرتبہ سید وزیر علی نواب	امام باڑہ مرمت کرایا اور جہاز
لگا جس گھڑی یوں بحر فکر میں غوطہ	تو کا فکر سر بد خواہ پاس خستہ جگر
برائے مادہ سن ہجری نبوی	مکان شیر خدا ہے یہ بے بدل بولا

خاکسار کی سمجھ اس معمے کے حل سے قاصر ہے کہ ہے تو یہ مکان مجلس خانہ ۱۳۰۲ ہجری اور بانی کی غرض اس عالی شان اور خوش نما عمارت کے بنانے سے انعقاد مجالس تھا مگر اب تو اس سے قبرستان کا کام لیا جارہا ہے یعنی اس کے مسقف حصہ کی بھی کوئی جگہ خالی نہیں کہ جس میں قبر نہ ہو اور جتنی قبریں مجلس خانے میں ہیں رات دن روندن میں آتی ہیں - بے تکلف لوگ جوتیاں پہن کر پھرتے اور اسی میں اٹھتے بیٹھتے اور سوتے ہیں اس پر سے ظاہر ہے کہ اس متبرک مقام کے بنانے سے غرض کیا تھی اور اب ہو کیا رہا ہے -

مجلس خانے کے اندر کی قبروں کے کتبے پہلے دالان کے باہر مشرق کی طرف - (۱) یہ ایک سنگ مرمر کی سل ہے ۲ ۱/۲ × ۱ ۱/۲ جس کا چبوترا آدھ ۸ اونچا اور کٹہرا بھی اسی قدر اونچا سنگ مرمر کا ہے - اس کے سرہانے یہ کتبہ ہے:-

هو الغفور

۱۳۲۸

آرامگاہ دائمی جناب نواب سید سلطان مرزا صاحب مغفور × پاک دامان و خوش خصال خجستہ گوہر صاحب تقویٰ × حامی دین نبی سید مومن پرور از نسل رضا × مرد با وضع اولوالعزم رئیس دہلی در شہر مئے × وا ے ۱۴ از ۸ دار فنا ۳۳۶ رفتہ ۶۸۵ محمد ۹۲ صفدر ۳۴۴ سلطان مرزا دسمبر ۱۹۱۰ء)

پہلے ۱۵ دالان ۲۲۸ کے اندر کی قبریں - (۲) ۸۶ × ۳ قبر مسمی بعباس میرزا قبلہ گاہ سجاد مرزا - (۳-۴) - خالی -

(۵) ہو اللہ سیوم ماہ عزا بود و پس از ماہ عزا ناگہاں شد بجناں ز غفلت کبریٰ بیگم
ہاتف غیب بمن گفت ز روی الہام سال تاریخ بگو تربت کبریٰ بیگم ۱۳۲۱

(۶) ہو اللہ حسین مرزا چوں مرد و رفت بہ رضوان ازاں کہ بود ز نسل امیر خیبر گیر
پئے شمارۂ سال وفات رضوان گفت بیا بگلخ جناں اے امیر ابن امیر ۱۳۲۲

(۷ و ۸) خالی۔

دوسرے دالان کے اندر کی قبریں۔ (۱) کلمہ طیبہ۔

فائز القدم بوس علی شد ہر گاہ عشرت ز غلامان علی شاہنشاہ
سید ہمہ اندیشہ چو زد سال نوشت یا بوس علی باد بعشرت اللہ ۱۳۲۲

(۲-۳) خالی۔ (۴) یا ودود غفور ۱۳۲۳ ہو الغفار ۱۳۲۳ یا واہب یا غافر ۱۳۲۳

از دہر رفت سیدہ خاتون مگر ندید بعمر سفر ز نیمۂ ماہ صیام
یکتا ز روے آہ بمعنی د نقطہ گفت یکشنبہ د ہزار و سہ صد بود و بست و سہ

یا وہاب یا غفار ۱۳۲۳ ۱۳۲۳ ہجری ہو الغافر ۱۳۲۳

(۵) ہو الغفور۔ رفت بر بست چوں محمد میر سوے خلد بریں ز دار غرور
گفت ہاتف دلیل بخشش اوست کاندہ سال رحلتش مغفور

دالان کے باہر۔ (۶) اللہ۔ محمد۔ علی۔ فاطمہ۔ حسن۔ حسین

مزار پر انوار جوانمرگ آغا محمد یوسف صاحب خلیل فرزند دلبند آغا محمد ابراہیم صاحب خلف الرشید حضرت مولانا محمد حسین صاحب آزاد اعلی اللہ تعالیٰ مقامہم۔

قطعۂ تاریخ

عمر بھر یاد رہے گی یہ کہانی افسوس داغ دل پر ہے محبت کی نشانی افسوس
ہائے مہندی بھی دلہن کی نہ چھٹی تھی شاعر خاک میں دفن ہے یوسف کی جوانی افسوس ۱۳۲۳

تیسرا دالان۔ چھ قبریں مگر خالی۔

مجلس خانے کے محاذ میں چبوترے پر۔ پہلی قطار:۔

اس لین میں کل بارہ قبریں ہیں جن میں سے صرف دو پر کتبے ہیں۔ (۱) جو محراب

کے نیچے ہے سیّد علی حسن صاحب مرحوم۔ ۱۲۹۲

(۲) ھو۔ اے دریغا سجاد۔ ۱۲۹۴

پانچویں قطار میں۔ پانچ سادی قبریں۔

چھٹی قطار میں۔ چھ قبریں ہیں جن میں سے چار سادی اور دو پر یہ کتبے ہیں:۔

(۱) جو داہنی طرف سے چوتھی قبر ہے:۔

سنہ ۱۲۶۸ھ

بتاریخ پانزدھم رمضان

رحلت ولایتی خانم صاحب نمود

(۲) جو داہنی طرف سے پانچویں قبر ہے:۔

بحکم حق سوے جنت برفت بیبا جان ۵
بہ لبست رفت ز دار فنای کہنہ رباط

ندا رسید ز ہاتف بسال تاریخش
ملال دوائی کہ تیرہ نمود بزم نشاط ۱۲۲۸

عیسیٰ خاں کی باغیچی

علی گنج کے حصار کے اندر ایک وسیع اور پختہ احاطہ ہے جس کے اندر کچھ درخت ہیں وہ عیسیٰ خاں کی باغیچی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا ایک معمولی سا دروازہ مشرق رویہ ہے۔ اندر ایک تین در کا

لہ اس سے سال وفات نہیں نکلتا معلوم ہوتا ہے کہ نام کے نیچے سال یوں ہی لکھ دیا ہے۔ آپ اٹاوے کے رہنے والے اور نواب محسن الملک بہادر مرحوم کے چچازاد بھائی تھے۔ حیدرآباد دکن میں ایک زمانے میں آپ کا طوطی بولتا تھا۔ بڑے قابل۔ ذہین دارز اور ذی خلق صاحب فیض عام تھے۔ ہر کہ و مہ آپ کا ثناخوان تھا۔ جس طرح نواب محسن الملک۔ نواب وقار الملک وانتصار الملک حیدرآباد سے علیحدہ ہوئے آپ کو بھی علیحدہ ہونا پڑا۔ وہاں سے آکر کچھ دنوں آپ اندور میں ایک معزز و ممتاز عہدے پر رہے اور پھر جاورے کے مدار المہام ہو گئے۔ آپ نے سرطان سے دہلی میں انتقال کیا۔ قبر آپ کی بہت معمولی سنگ باہی کی ہے نہ کوئی تعویذ نہ کتبہ ہے حالاں کہ اب بھی آپ کے بہت سے عزیز قریب بڑے بڑے عہدوں پر ہیں مثلاً مولوی سید حسین بلگرامی نواب عماد الملک آپ کے سمدھی۔ آپ کے داماد محمد عقیل بلگرامی نواب عقیل جنگ بہادر کمشنر حیدرآباد دکن۔ مرزا نذیر بیگ صاحب نواب نذیر جنگ بہادر معتمد افواج مولوی سید احمد حسن صاحب تعلقہ دار برادر کہین نواب محسن الملک بہادر سب ہی خدا کے فضل سے موجود ہیں۔ ان صاحبوں کی ادنیٰ توجہ سے مرحوم کی قبر عمدہ پائے پر بن سکتی ہے مگر توجہ درکار ہے۔ ۵ یوں تو سنہ دیکھنے کی ہوتی ہے محبت سب کو جیتے ہیں جانوں کہ مرنے کے بعد مراد شیان رہے۔ ۱۲

لہ نام اور نیز بزم نشاط پکار رہا ہے کہ یہ کسی طوائف کی قبر ہے مگر یاد رکھیے کہ ع مستحق کرامت گناہگاران اند۔ ۱۲

پختہ دالان ہے جس کی بغلی میں دو طرفہ ایک ایک حجرہ ہے۔ دروازے کے سامنے ایک پختہ کنواں ہے احاطے کی دیواریں دس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ اب اس میں کمہار لوگ جھونپڑیاں ڈال کر رہتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ عیسیٰ خاں کون تھے وہی تو نہیں جن کا مقبرہ اور مسجد ہمایوں کے مقبرے کے پاس ہے۔

علی گنج کی فصیل

علی گنج کی بستی کے گرد ایک بڑی عالی شان فصیل بڑے وسیع حلقے کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ فصیل اُسی وضع کی ہے جیسی کہ شہر دہلی یا روشن چراغ دہلی کی ہے۔ اس میں بڑے بڑے دیوار دوز طاق بنے ہوئے ہیں۔ یہ فصیل سنگ خارا کی ہے ۱۲ فٹ اونچی اور تین فیٹ کا کنگورا اس کے سوا ہے کنگورا ملاکر (۲۰ فٹ) کی اونچان ہے۔ فصیل تک اوپر چڑھنے کے دو رخے زینے اٹھارہ اٹھارہ سیڑھیوں کے ہیں۔ اس شہر پناہ میں تین دروازے ہیں مشرقی جانب کا دروازہ مسمار ہو گیا۔ شمال کی طرف کا دروازہ وہ ہے جس پر کتبہ ہے اور اُس کا حال ہم لکھ آئے ہیں۔ جنوبی دروازہ بھی بہت عالی شان اور اُسی وضع قطع کا ہے جیسا کہ شمالی دروازہ ہے۔ یہ دروازہ بھی بڑا شاندار ہے۔ دار چوکیوں اور دو منزلہ ہے۔ آگے ایک دروازہ ہے پیچھے دوسرا بیچ میں گنبد اور دو طرفہ بغلی میں دو منزلہ سہ دری ہے۔ اس کی بلندی ۲۲ فٹ اور کنگورہ ۳ فٹ جملہ ۲۵ فٹ ہے۔ چوڑان ۱۸ فٹ۔ لمبان ۱۰ فٹ۔ اوپر جانے کا (۲۴) سیڑھیوں کا زینہ ہے۔

نواب مرزا نجف کا مقبرہ

۱۱۹۶ھ

۱۷۸۱ء

یاران عزیزان بسر خاک من آیند ازخاک بپرسند نشان اثر من

گرخاک جہاں جملہ بغربال بہ بیزند حقا کہ نیابند نشان واثر من

نادر شاہ کے حملے (۱۷۳۹ء) کے بعد مغلیہ سلطنت کی بنیاد ایسی ہل گئی کہ کوئی انسانی طاقت اُس کو درہ راہ نہ کر سکتی تھی۔ لے دے کے نجف خاں ہی ایک ایسا شخص رہ گیا تھا کہ اُس سے کچھ امید بندھتی تھی کہ وہ موجودہ حالت کو کچھ دنوں کشتم پشتم چلائے تو چلائے لیکن اُس کے مر جانے سے اس امید موہوم کا خاتمہ ہو گیا۔ اس میں شک نہیں کہ سلطنت مغلیہ کے آخری زمانے میں جو نام کہ نجف خاں نے پیدا کیا وہ عروج کسی کو میسر نہیں ہوا۔ کہنے کو نجف خاں کی وفات کے وقت شہنشاہ شاہ عالم تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھا اور اُس کے بعد بھی اس کے جانشین ہوا اور بادشاہ ہوئے لیکن نجف خاں کی اولاد نے باغیوں سے

ساخت باخت کرکے سلطنت کی بنیاد اور بھی کھوکھلی کردی۔ مسٹر کین لکھتے ہیں کہ "ملک کے حصے بخروں اور عہدوں کی نامزدگی اور تقسیم پر جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے جس سے سلطنت مغلیہ کے رہے سہے ٹکڑے بھی بکھر بکھرا خودمختار سلطنت کا خاتمہ ہوگیا"۔ نجف خاں ایک بڑا قابل شخص تھا۔ وہ ایرانی الاصل صحیح النسب صفوی خاندان کا سید تھا۔ مسٹر کین نے اپنی کتاب مغل امپایر میں لکھا ہے کہ "سلطنت کے تمام امور و مہام اُس کے دست قدرت میں تھے جس کو اُس کی بیدار مغزی اور صفات حسنہ نے سنبھال لیا۔ چوں کہ وزیر سلطنت اودھ میں رہتا تھا اس لیے نجف خاں نیابتہً مہام سلطنت انجام دیتا تھا اس کے علاوہ وہ فوج کا سپہ سالار بھی تھا۔ تمام امور مالیہ کے انتظام کا تعلق براہ راست اُسی سے تھا اور حسب رواج ملک اُسے صوبۂ آگرہ اور جاٹوں کے علاقہ جات کا زرمالگزاری خارج از جمع بھی تفویض تھا۔ اس کے علاوہ ضلع الور[۱۹] اور کچھ حصہ بالائی دوآب کا بھی اُس کے سپرد تھا"۔ مسٹر کین نے بحوالۂ وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل نجف خاں کی وفات کی تاریخ ۲۶۔ اپریل ۱۷۸۲ء لکھی ہے مگر قبر کے کتبے پر سے ۱۷۸۱ء ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱۹] الور۔ اس ریاست کا رقبہ (۳۱۴۱) مربع میل۔ آبادی (۷۰۹۱۲۰۸) محاصل (۲۶۰۰۰۰۰) فرماں روا مہاراجہ سوائی سر جے سنگھ بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ سلامی (۱۵) توپ الور راجپوتانہ کی ایک بڑی بھاری ریاست ہے۔ یہاں تین حصہ ہندو رہتے ہیں اور پاؤ مسلمان۔ الور کے پہاڑوں میں شکار خوب ملتا ہے۔ سلی سر اور دیوتی کی جھیلوں میں مچھلیاں اور مرغابیاں افراط سے ہیں۔ جنگل میں سانبھر نیل گائے۔ ہرن۔ بارہ سنگھا۔ جنگلی سور سب ہی ہیں۔ ریاست میں دو ہزار سوار۔ ساڑھے پانچ ہزار پیدل اور تین سو کی نفری توپ خانے کی ہے۔ یہاں کا راجہ نہایت تہذیب یافتہ اور برٹش گورمنٹ سے ان کے تعلقات بہت خوش گوار ہیں۔ الور کا شہر بھی دیکھنے کے قابل ہے پچاس ہزار کی آبادی ہے۔ شہر کے گرد فصیل اور خندق ہے ایک طرف قدرتی پہاڑ آگیا ہے جس پر قلعہ بنا ہوا ہے۔ ڈاک بنگلہ ریلوے اسٹیشن ہی کے پاس ہے۔ اسٹیشن کے پاس فتح جنگ (۱۵۴۷ء) کی بڑی عمدہ عمارت ہے۔ یہ اس قدر قدیم ہے کہ اب الور میں فتح جنگ کو کوئی جانتا بھی نہیں کہ کون تھے۔ شہر اسٹیشن سے میل بھر ہے۔ بازار میں جو نفیس مندر ہے وہ جگنا تھ جی کا ہے اور ایک عجیب و غریب قدیم مقبرہ فیروز شاہ کے بھائی ترنگ سلطان کا چور لیسہ میں ہے جو تقریباً ۱۳۵۰ء کا بنا ہوا ہے۔ سینٹ پالاس کا محل زمانہ حال کی (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

صفدر جنگ کے مقبرے سے ذرا آگے بڑھ کے قطب روڈ سے بائیں ہاتھ کی طرف کچے رستے پر پہلے کربلا کا احاطہ ملتا ہے اُس کے آگے شاہ مرداں کا بہت وسیع فصیل نما احاطہ ہے جس کے اندر گاؤں آباد ہے۔ اسے ہی علی گنج بھی کہتے ہیں۔ علی گنج کے جنوبی

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ایک بہت خوش نما اور نفیس عمارت ہے جس میں خوبصورت باغ۔ نفیس دربار ہال جس کا پویلین سنگ مرمر کا ہے۔ دربار ہال کی چھت پر سے ایک عمدہ نظارہ قلعہ۔ مندروں۔ بختاور سنگھ کے مقبرے اور سارے شہر کا ہوتا ہے۔ پویلین کی دیواروں اور چھت پر بے نظیر رنگین پچیکاری کا کام ہے۔ اسی کے پاس مہاراج کا زمانہ حال کا عالی شان محل ہے۔ کتب خانے میں عجیب عجیب نایاب و نادر بیش قیمت قلمی کتابیں۔ بعض مطلا و مذہب فرامین قابل دید ہیں۔ قدیم کلام مجید۔ گلستاں کا ایک ایسا نادر نسخہ ہے جس کی قیمت پانچ لاکھ روپیہ ہے جس کی تصاویر فن مصوری اور نقاشی کا عجیب و غریب نمونہ ہیں صحن میں دو مقبرے سنگ مرمر کے ہیں جن کی جالیاں بڑی نفیس ہیں اس کے آگے کچھ اور مندر وشنو کے ہیں پھر بختاور سنگھ کا بے نظیر مقبرہ ہے جو بہت خوب صورت اور عالی شان عمارت ہے۔ اس مندر کی چھت پر کا نظارہ ایسا قابل دید ہے کہ سارے ہندوستان میں اُس کا نظیر نہیں۔ سر ایڈون آرنلڈ لکھتے ہیں "تم اس خوشنما منظر کو دیکھو جس میں چہل پہل اور لوگوں اور سواریوں کی دھکا پیل ہے مقبرے کی سنگ مرمر کی نازک اور نفیس جالیاں اُس کے خوشنما نشیمن۔ اطلس کی طرح شفاف مجلا پتھر ٹھنڈی صاف سپاٹ چھتیں۔ جالیوں کے باریک باریک سوراخوں میں سے دھوپ کی شعاع کا چھننا۔ فواروں کا اُچھلنا اور اُن کے فرش پر پڑنے کی بھینی بھینی آواز۔ تاڑ کے درختوں کے چوڑے چوڑے پتوں میں سے ہوا کا سرسرانا کیلے کے درختوں کے بڑے بڑے پتے غرض کسی مردہ حکمراں کی روح ایسی نہ ہوگی جو ایسے مدفن پر فخر نہ کرے۔ جنگلی موروں کی جھنکار۔ اُن کا خراماں خراماں پھرنا اور ناچنا اُن کی لمبی لمبی رنگ برنگ کی چمکیلی شاندار دموں کا سنگ مرمر کی دیواروں سے لگے لگے اٹھلاتے ہوئے پھرنا۔ نہروں اور نالیوں میں پانی کا دوڑنا اور لہرانا اور پیچ و خم یہ ایک ایسا عجیب و غریب نظر فریب نظارہ ہے کہ جس کا بیان قلم سے ادا نہیں ہو سکتا اور مناظر قدرت کا کوئی نقش نگار ایسا نہ ہوگا جو اس نظارے کی نفاست اور آب و تاب کے ہر طرح مکمل ہونے کا معترف نہ ہو"۔ سلاح خانے میں ایک بے نظیر ذخیرہ تلواروں اور انواع و اقسام کے سنہری اور جڑاؤ قبضوں کا ہے اور ہمیشہ صناعی اور دستکاری کے لیے مشہور ہے۔ یہاں فولادی کام تلوار۔ خنجر۔ بیچھے۔ چاقو بہت عمدہ بنتے ہیں مہاراجہ حال کے جد امجد راجہ بنے سنگھ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے بھاری بھر کم اور گراں ڈیل شخص تھے کیونکہ اُن کا (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

دروازے کے باہر ایک گرے پڑے مگر بہت وسیع پختہ اور فصیل نما احاطے میں چماروں کی جھونپڑیوں کے پاس کھیتوں میں یا یوں سمجھئے کہ کربلا اور شاہ مرداں کے درمیان علی گنج کے مغرب میں موضع مجاہد پور کی حدود میں امیر الامرا ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں بہادر کے مقبرے کا عالی شان اور وسیع چبوترا ہے۔ مقبرے کا نام سن کر لوگ گنبد کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہیں حالاں کہ سرے سے کوئی گنبد ہی نہیں خالی چبوترا ہی چبوترا پختہ اور سنگ بست ہے ۹۰ مربع اور نو فیٹ بلند ہے جس پر چڑھنے کا

(تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ) زرہ ہی زرہ علاوہ دوسرے ہتھیاروں کے وزن میں ساڑھے سولہ پونڈ ہے۔ پیارا زرہ جواہرات سے جگمگا رہا ہے۔ راجہ صاحب کے خزانے میں صندوق کے صندوق جواہرات اور اشرفیوں کے بھرے پڑے ہیں۔ ایک ہی زمرد میں تراشا ہوا ایک پیالہ ہے اور ایک ایسا ہی پیالہ لعل کا ہے۔ بیش قیمت موتیوں کے ہار۔ ایک ہیرا جس کی قیمت لاکھ روپئے ہے۔ دیواروں پر ہاتھی گھوڑوں کی شان دار جھولیں۔ گہنے۔ اور انواع اقسام کے سامان بیش قیمت اور گراں بہا پوشاکیں۔ شال دوشالے۔ عطریات اور خوشبوئیں سب ہی کچھ بھرا ہوا ہے۔ شیش خانے میں ایک عجیب وغریب چاندی کی میز ہے جس کی نالیوں میں رنگین بلوری مچھلیاں تیرتی ہیں۔ مہاراجہ صاحب کو گھوڑوں کا بڑا شوق ہے ان کے اصطبل میں بہت نفیس نفیس ہندوستانی نسل اور یورپ کے گھوڑے ہیں۔ الور کا رسالہ ہندوستان کے بہترین رسالوں میں ہے۔ اصطبل کے آگے ایک مکان میں شکاری چیتے۔ سیہ گوش۔ ہرن۔ جنگلی بارہ سنگھے اور باز۔ شکرے۔ بحری۔ ہر قسم کے شکاری جانور ہیں۔ قلعہ میں کوئی خاص بات دیکھنے کی نہیں ہے سوائے اس کے کہ پہاڑی پہاڑ فصیلوں کا سلسلہ دو میل کے حلقے میں پھیلا ہوا ہے۔ اور کچھ پرانے زمانے کی بڑی بھاری بھاری توپیں ہیں۔ قلعہ کی چڑھائی بہت مشکل ہے۔ اکثر لوگ جھمپان میں سوار ہو کر جاتے ہیں۔ صبح کا وقت قلعہ دیکھنے کے لئے بہت اچھا ہے کہ اس کی بلندی پر سے سارا شہر اور گردونواح کا بڑا عمدہ نظارہ ہوتا ہے۔ شہر کے بازاروں میں بڑی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ یہاں کے لوگ قد آور اور شان دار ہیں۔ ایک جگہ چوک میں ایک چھوٹی سی پنجری ہے شیر وغیرہ درندے اور انواع واقسام کے چھوٹے بڑے جانور ہیں۔ اس سے تھوڑی دور آگے چل کر مہاراجہ کی سواری کی وہ مشہور گاڑی ہے جس میں مہاراجہ صاحب دسہرے میں برآمد ہوتے ہیں اور جسے چار ہاتھی کھینچتے ہیں۔ یہ گاڑی دوہری اور بڑی بھاری ہے جس میں پچاس آدمی بیٹھتے ہیں۔ الور سے آٹھ میل پر سلیسرہ کی خوب صورت جھیل ہے جہاں مہاراجہ صاحب کا ایک خوشنا محل ہے اور جھیل میں ایک دخانی کشتی بھی پڑی رہتی ہے۔ یہ جھیل قدرتی نہیں ہے مصنوعی ہے جو ایک میل لمبی ہے جس کے گرد ہرے بھرے پہاڑ بڑا لطف دیتے ہیں۔ شہر میں اسی جھیل سے پانی آتا ہے اور اس سے زراعت بھی ہوتی ہے۔ ۱۲

دو طرفہ دس دس سیڑھیوں کا سنگین زینہ ہے۔ قطب روڈ کے چھٹے میل چوتھے فرلانگ کے محاذی بائیں ہاتھ کی طرف سڑک سے کوئی ایک گولی کے فصل سے یہ مقبرہ ہے۔ جس کے چبوترے کا رو کار سنگ سرخ کا ہے۔ چاروں طرف پتھر کی سلیں کھڑی کردی ہیں۔ چبوترے کی بالائی سطح پر دو قد کے چبوترے بنے ہوئے ہیں جن میں کا ایک ۲۲ فٹ مربع اور ۳ فٹ اونچا ہے اور (۱۰ انچ) اونچی منڈیر ملا لیں تو ۳ فٹ ۱۰ انچ کا ارتفاع ہو جائے گا دوسرا چبوترا پہلے سے ملا ہوا ۲۰ فٹ مربع اور ۲ فٹ ۲ انچ اونچا ہے۔ چبوترے کے چاروں کونوں پر ایک ایک ہشت پہل برجی ہے جس کے جوف میں ۸ فٹ قطر کی کوٹھری ہے۔

یہ بھی ایک عمدہ طریقہ مقبرہ بنانے کا تھا۔ زمین کے اوپر گنبد رہنے سے اس کے صدمات ارضی و سماوی سے گر جانے کا زیادہ اندیشہ ہے اس لیے اوپر ایک کھلا چبوترا بنا کر وہ ساری عمارت جو اوپر بناتے ہیں اندر تہ خانے میں بنا لیتے ہیں۔ اسی قسم کا یہ مقبرہ بھی ہے۔ اس میں یہ بھی عمدگی ہے کہ جب چاہیں اوپر گنبد کھڑا کر لیں اور یوں بڑے بڑے گنبدوں میں بھی گو تعویذ قبر کا اوپر رہتا ہے مگر اصلی قبر تہ خانے ہی میں رہتی ہے۔ اس مقبرے کا ایک وسیع اور پختہ احاطہ ہے جس کا بہت بڑا حصہ اب منہدم ہو گیا اب صرف ایک دروازہ اور اسی کے پاس کی دیوار احاطے کی باقی رہ گئی ہے۔ یہ دروازہ مقبرے سے مشرق میں ہے۔ دروازہ کنگورے دار ہے جس کی بلندی ۲۴ فٹ ہے اور کنگورہ ملا کر ۲۶ فٹ ۲ انچ۔ دروازے کی محراب کی اونچان ۱۴ فٹ اور چوڑان (۱۰ فٹ) ہے۔ دروازے پر چڑھنے کی (۲۵) سیڑھیاں ہیں احاطے کی دیوار کا ارتفاع ۱۳ فٹ ہے۔ اب بھی اس احاطے کا نشان دور دور تک نظر آتا ہے اور شمال کی طرف کچھ ڈھیم پتھر اور چونے کے پڑے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادھر بھی کوئی دروازہ اور اس کے ساتھ کوئی عمارت مثل نقار خانہ یا سہ دری کے تھی وہ سب معدوم ہو گئی۔

اب اس چبوترے کے نیچے تہ خانے میں چلیے جس کا دروازہ ۷ فٹ اونچا ۵ فٹ چوڑا مشرق کی طرف ہے جسے حال میں پٹ چڑھا دیے ہیں۔ یہ دروازہ تہرا ہے ایک کے اندر ایک محراب ہے اور اس تمام عرض میں ایک لداؤ کی لمبوتری ڈیوڑھی بن گئی ہے۔ اندر سے مقبرہ ہشت پہلو ہے جس کا قطر ۱۳ فٹ اور چھت کی بلندی (۱۰) ہے۔ تہ خانے کے اندر جنوب و مغرب میں روشنی کے لیے جالیاں لگی ہوئی ہیں اور کافی روشنی ہے مشرق میں دروازہ شمال کی طرف

بند وسط ہی میں نواب نجف خاں اور اُن کی صاحب زادی فاطمہ بیگم کی قبریں ایک ہی چبوترے پر برابر برابر ہیں۔ گویا باپ بیٹی دونوں ایک جگہ تا قیامت سو رہے ہیں۔ یہ چبوترا نہایت شفاف اور چمکتے ہوئے سنگ مرمر کا ۹×۸ ہے۔ بلندی ۱ فٹ ۱/۲ ہے یہ دونوں قبریں ۵ فٹ ۲/۱×۲ فٹ سنگ مرمر کی ہیں۔ اونچا تعویذ نہیں ہے بلکہ صرف سِل ہے جس پر نہایت خوش خط کتبے بخط نستعلیق ہیں جن میں سنگ موسیٰ کے حروف سے لکھا ہے جو بالکل سیاہی بھری ہوئی معلوم دیتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج لکھا گیا ہے۔ خط ایسا نفیس ہے کہ وہ جو کہتے ہیں کہ آنکھیں روشن ہو جائیں تو واقعی یہ خط ایسا ہی ہے کہ تہ خانے کے اندر بھی چمک رہا ہے۔

نجف خاں کی قبر کا کتبہ

هوالحی الذی لایموت

این چرخ کج نہاد کماں پشت بر سہام | کز ہم حادثات لسازد خطا ہدف
دو بر نشانہ اشرفِ سادات را کہ بود | نسلِ سیادتِ صفوی راز و شرف
شائستہ میوہ شجر باغ ہشت و چار | پاکیزہ جوہر دو گہر دُرِّ بہ صدف
بخشی الملوک امیر نجف خانِ شیر دل | کشور کشائے ہند بتائیدِ لاتخف
آن انجمی کہ دست چو بردی بذوالفقار | سلطانِ لاقتاش ستودے زہے خلف
باد اجلیس بد و رسل ختم مرسلیں | با جدِ خویش کاشفِ اسرار لوکشف
زد کلک وحی تو ام عالی بخاک او | "تاریخ سال را رقم[1] این تربت نجف"

۱۱۹۶ھ

[1] ایک مادہ تاریخ اور بھی ہے۔ ع۔ "این قدم گاہِ شہ مرداں نجف آباد کرد" ۱۱۹۶ھ

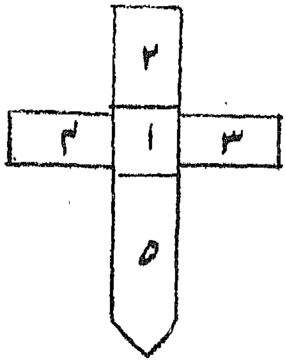
نجف خاں کی بیٹی کی قبر کا کتبہ

هوالحی لایموت

فغاں کہ رفت ازیں خاکدان غم بنیاد | فرشتہ خوبی نکو بانوی خجستہ نہاد
زہے محبہ ہمنام بنت پیغمبر | بروح فاطمہ زہرا حقش بیامرزاد
بدل فدائے ولائے علی عالی قدر | نثار دوالہ نام ائمہ امجاد
کہ بود بنتِ نجف خانِ میر بخشی ہند | بجان منزل پاکاں خداش جائید ہاد
کشیدم آہ و عیاں گشت مصرع تاریخ | علی و فاطمہ روزِ جزا شفیعش باد

۱۲۳۶ھ

بیچ میں باپ بیٹی کی قبر ہے۔ اس طرح کے کمرے کے اندر کے تین طرف ہیں ان میں بھی اور اور لوگوں کی قبریں ہیں جو نواب نجف خاں کے لواحقین ہوں گے۔



(۱) باپ بیٹی کی قبریں۔ (۲-۳-۴)۔ دوسری قبریں۔ (۵) داخلی دروازہ۔

میں نے شاہ مرداں اور کربلا میں دیکھا کہ امامیہ لوگ مثل سنیوں کے قبر کا تعویذ اونچا نہیں رکھتے بلکہ زیادہ تر قبر کو سطح زمین کے برابر رکھتے ہیں اور بجائے ابھرے ہوئے تعویذ کے صرف ایک سل پاٹ دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اہل تشیع کے ہاں قبر کا اونچا رکھنا شرعاً ممنوع ہو۔ نجف خاں کے انتقال کے پچیس برس کے اندر ہی اندر مغلیہ سلطنت انگریزی راج ہوگیا اور سلاطین مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہوگیا۔ وزرا سے سیندھیا کی لوٹ اور فرانسیسیوں کی مداخلت کی منافات جنرل لیک کو کرنی پڑی اور انگریزوں نے شاہ عالم ثانی تاجدار مغلیہ کو سرکار انگریزی کا پنشن خوار بنادیا۔

جنرل لیک کی فتح کے تیرہ دن بعد یعنی ۲۲ ستمبر ۱۸۰۳ء کو جنرل اختر لونی کا مالی اور فوجی عمل دخل دہلی میں ہوگیا۔ جب سے صرف تین قابل ذکر واقعے پیش آئے۔ شاہ عالم بادشاہ نے ۱۸۰۶ء میں انتقال اور قطب صاحب میں دفن ہوئے۔ ۱۸۳۱ء میں اُن کے پوتے مرزا جہانگیر دنیا سے رخصت ہوئے اور درگاہ حضرت نظام الدین اولیا میں رکھے گئے۔ ۱۸۳۷ء میں شاہ عالم کے بیٹے معین الدین اکبر شاہ ثانی نے رحلت کی اور قطب صاحب میں اپنے باپ کے پہلو میں آسودہ ہیں۔ ابو المظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ ۱۸۳۷ء میں برائے نام تخت پر بٹھا دئے گئے اور یہی سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار تھے۔ ان کی برائے نام سلطنت کا خاتمہ بھی غدر ۱۸۵۷ء میں ہوگیا اور آپ کو رنگون جلاوطن کیا گیا جہاں آپ نے کڑھ کڑھ کر ۱۸۶۲ء میں دنیوی آلام سے چھوٹ کر ابدی نجات

پائی۔ قطب صاحب میں بہادر شاہ کے لئے جو سردابہ اُن کے جد امجد اور والد کے بیچ میں رکھا گیا تھا لیکن مشیت ایزدی اور ہی کچھ تھی اور اُن کی مٹی رنگوں کی تھی اب تک خالی پڑا ہوا اور پڑا رہے گا۔

جوانی سے زیادہ وقت پیری جوش ہوتا ہے
بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے

شہر مبارک آباد
۸۳۴ھ ۱۴۳۲ء

سلطان مبارک شاہ ثانی نے دسمبر ۱۴۳۲ء جمنا کے کنارے ۷ ربیع الاول ۸۳۶ھ میں ایک شہر کی بنا ڈالی اور اس کا نام مبارک آباد رکھا (۳۱ اکتوبر ۱۴۳۳ء) اور اس کی طرح اندازی اور تعمیر میں اپنا بہت وقت صرف کیا۔ تبر ہند میں کچھ عرصہ رہ کر بادشاہ مع الخیر والعافیت مبارک آباد کو واپس آیا۔ ہندوستان کی طرف روانگی کے وقت بادشاہ کے ساتھ بڑا لاؤ لشکر تھا رستے میں چند دن چبوترہ سرگاہ میں قیام کر کے شہر کی تعمیر کو ملاحظہ کرنے کے لئے بادشاہ مبارک آباد میں داخل ہوا (از تاریخ مبارک شاہی)۔ بادشاہ کے ہندو وزیر سرورالملک نے سازش کر کے اپنے علاقے کے ایک ہندو شخص سے بادشاہ کو ۹۔ رمضان ۸۳۷ھ ۱۴۳۴ء میں قتل کر ڈالا۔ یہ نیا شہر جمنا کے کنارے اور غالباً خضر آباد ہی کے پاس تھا لیکن بادشاہ کی لاش مبارک پور کوٹلے میں لا کر دفن کی گئی۔ اس لئے ہم اب مبارک پور کے مقبروں کا حال لکھتے ہیں جن کا نام عوام کی زبان پر مبارک پور کوٹلہ چڑھا ہوا ہے۔

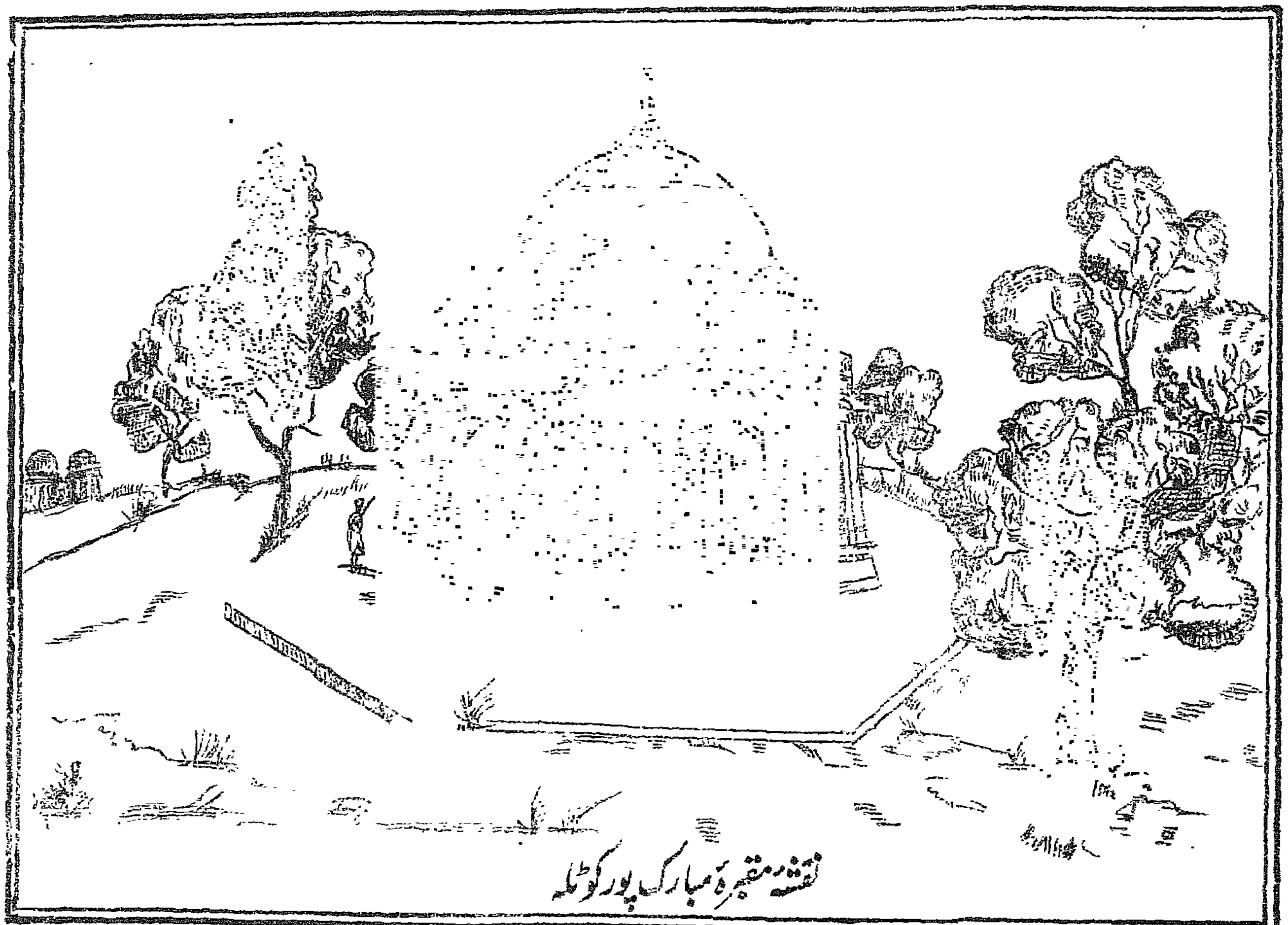
قطب روڈ کے چھٹے میل کے پانچویں اور چھٹے فرلانگ کے بیچ میں بائیں طرف ایک بورڈ لگا ہوا ہے:۔

"الیشور پاٹری ورکس رائے سینا۔ پنڈت امرناتھ بھاسکر۔ بی۔ اس سی۔ سی۔ ای۔ گلاسگو"۔ اس کے آگے کانچ سازی کا کارخانہ ہے۔ یہ زمین موضع بی بی پور غیر آباد کی ہے یہاں صرف چند جھونپڑیاں رہ گئی ہیں وہ بھی خالی اور ایک بہت بڑا بھٹہ اینٹوں کا ہے۔ یہیں سے تمام اینٹیں نئی دہلی کی عمارتوں کے لئے سپلائی کی جاتی ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر مبارک پور کوٹلے کی بستی ہے چونکہ یہ آبادی محصور ہے اس واسطے کوٹلے کے نام سے مشہور ہے۔ اب تو اس بستی کی حیثیت ایک معمولی گاؤں کی رہ گئی ہے مگر اس کی شان دار فصیل عالی شان دروازے بڑی بھاری مسجد اور متعدد و نہایت عظیم الشان گنبدوں

سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی بڑا مقام رہا ہوگا۔ اب ہم یہاں کی عمارات کا حال بیان کرتے ہیں:-

سلطان مبارک شاہ ثانی کا مقبرہ
۸۲۴ھ-۸۳۷ھ　۱۴۲۱ء-۱۴۳۴ء

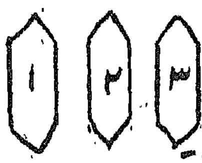
بادشاہ کے قتل کیئے جانے کے بعد اس کی نعش مبارک پور کو ٹلے میں لائی گئی جو صفدر جنگ کے مقبرے کے پاس اور شہر دہلی سے کوئی (۶) میل کے فاصلے پر ہے اور یہیں اس مقبرے میں دفن کیا گیا جو مبارک شاہ کے مقبرے کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقبرہ ایک وسیع صحن کے درمیان واقع ہے جس کے اطراف فصیل کی شکل کا احاطہ ہے۔ ساخت اس مقبرے کی ایسی معلوم دیتی ہے جیسے شیر شاہ اور اسلام شاہ کے وقت کی عمارات ہوتی تھیں اور بعینہ اسی وضع قطع کا ایک اور مقبرہ عیسیٰ خاں کا ہمایوں کے مقبرے کے پاس ہے۔ سرسید کے خیال میں یہ عمارت اتنی مدت کی بنی ہوئی نہیں معلوم دیتی بہرحال عام شہرت ہے کہ یہ مقبرہ مبارک شاہ کا ہے اور اسی کے نام سے یہ گاؤں مبارک پور کوٹلا مشہور ہے۔ یہ عمارت نہایت خوش قطع سنگ خارا سے بنی ہوئی ہے لیکن سنگ خارا اس خوب صورتی سے لگایا ہے کہ دیکھنے سے علاقہ رکھتا ہے قطع اس کی نہایت خوب ہے اور گرد اس کے بہت خوش قطع مثمن غلام گردش بنی ہوئی ہے ستون اور پاٹاؤ بھورے پتھر کا ہے ستون بجز سرے کے لمبوترے ہیں۔ فصیل کے دروازے کے قریب ایک پتلا ٹیکہ گرم کر کے بٹھلائی ہوئی رنگین اینٹوں کا ہے جس کے نیچے سنگ مرمر کی تختی پر دو خوب کھلے ہوئے کنول کے پھول ہیں۔ اس دروازے سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر گنبد کی عمارت ہے جو مثمن شکل کی بڑی بھاری عمارت سنگ خارا کی ہے جو ایک بلند چبوترے پر کھڑی ہے جس کی سات سیڑھیاں رخ جنوب کی طرف بنی ہوئی ہیں۔ مقبرے کے اطراف غلام گردش میں چوبیس ستون چبوترے کی نرہ پر استادہ ہیں۔ یہ ستون خاص وضع کے قابل دید ہیں جو لمبوترے ہیں اور اس طرح تراشے گئے ہیں کہ دو ستون جدا جدا ہیں مگر ایک باریک ٹیکے سے جڑے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔ اس ہشت پہل عمارت کے ہر بیرونی ستون کو ایک سنگین پشتیبان دے کر اور مضبوط کر دیا گیا ہے جس سے ایک نئی شان اور پائیداری ظاہر ہوتی ہے۔ گنبد ایک پست استوانے پر ایستادہ ہے جس کے بالائی حصے میں سولہ طاقچے رنگین



نقشۂ مقبرۂ مبارک پور کوٹلہ

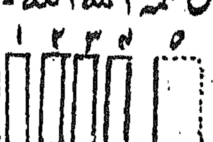
گلدستے ہیں۔ گنبد کی چھت میں ایک ہشت پہلو شکل کا روشن دان ہے۔ گنبد کے کونوں پر آٹھ برجیاں پست فیل پایوں پر ایستادہ ہیں۔ اس مقبرے کا ایک ہی دروازہ جنوب رُخ پر ہے جو اسی وضع قطع کا ہے جیسا کہ احاطہ کا دروازہ ہے۔ دروازے کی چوکھٹ اور محراب کی گولائی کے درمیان پتھر کی ایک جالی لگی ہوئی ہے۔ دوسرے چھ دروں میں سوائے اُس در کے جو بجانب مغرب جنوبی دروازے کے جواب میں ہے۔ سب میں پتھر کی جالیاں نصب ہیں جن کی لمبائی میں دو دو پتلی پتلی پتھر کی کڑیاں ڈال دی ہیں۔ مغرب کی طرف جالی کی تراش نہایت نازک اور خوب صورت ہے۔ جس کے پیچھے بھی نقش و نگار ہیں ان دروازوں کے اوپر چار محراب دار کھڑکیاں ہیں جن کے اوپر سے گنبد کا ارتفاع شروع ہوتا ہے۔ گنبد کا قطر بہت کافی ہے جس میں رنگین کھڑی پٹیاں ہیں جو نیچے سے اوپر جاکر ایک رنگین دائرے میں جا ملتی ہیں۔ گنبد کے وسط میں قبریں پتھر کی ہیں لیکن چوں کہ سابق میں ایک عرصے تک یہ گنبد بطور رہائشی مکان کے استعمال میں رہا ہے اس وجہ سے باوجودیکہ ساری قبریں سنگ مرمر کی تھیں مگر سب کی آب و تاب جاکر ایسا میلا ہو گیا ہے کہ اب اُسے سنگ مرمر شناخت کرنا بھی مشکل ہے۔ یہ مقبرہ مبارک شاہ سے منسوب ہے اور قرائن بھی اسی کے مقتضی ہیں۔ گنبد کی تراش خراش۔ چینی کی اینٹیں۔ دروازوں کے نقش و نگار۔ یہ سب پندرہویں صدی کے طرز کے ہیں۔ گنبد کی وسیع عمارت۔ اس کی خیطر لاگت اس کا وسیع اور شان دار احاطہ یعنی فصیل اور پھر مسجد۔ خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ دہلی کی حالت بالکل خراب اور پست تھی ایسی عمارت کا بنا کر کھڑا کر دینا سوائے بادشاہ وقت کے کسی ایسے ویسے امیر کے بل بوتے کی بات نہ تھی۔ اس لیئے کوئی وجہ شک کی نہیں ہے اور گمان غالب یہ ہے کہ یہ مقبرہ ہو نہ ہو خاندان سادات کے دوسرے بادشاہ یعنی مبارک شاہ ثانی ہی کا ہے۔ پہلے شاید ایسا نہ ہو اب تو اس مقبرے کو بالکل مکانات نے چاروں طرف سے دبا لیا ہے اور وسط آبادی میں آگیا ہے بستی کے لوگ اسے لودھی خاں پٹھان کا مقبرہ کہتے ہیں یہ مقبرہ مثمن ہے جس کا ہر ضلع ۱۳ فٹ ۸ انچ ہے۔ ہر طرف تین تین در جملہ (۲۴) در ہیں۔ گنبد ۱۳ فٹ ۳ انچ گھیر سے پتھروں کا فرش ہے۔ ایک پر ایک تین چبوترے ہیں پہلا ایک فٹ ۴ انچ دوسرا ۲ فٹ ۳ انچ تیسرا ۱ فٹ ۔ اونچا ہے۔ گیلری کی چوڑان ۔ فٹ ہے۔ دروں کی چوڑان ۔ فٹ۔ گیلری اور مقبرے

کے اندر بن گھڑے پتھروں کا فرش ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب سارے مقبرے میں عمدہ گھڑا ہوا صاف اور نفیس پتھر لگایا گیا ہے۔ تو فرش میں اس کا خیال کیوں نہ رکھا گیا۔ مقبرہ کا دروازہ ایک ہی ہے جو جنوب کی طرف ہے جس کی بلندی ۸ فٹ اور چوڑائی ۴ فٹ ۱/۲ ہے۔ اندر سے قطر ۲۳ فٹ ہے۔ اندر چھ جالیاں سنگ خارا کی ہیں مغرب کی طرف کا در بند ہے۔ چھت میں چار روشن دان ہیں اوپر (۱۲) طاق دیوار دوز ہیں۔ قبروں کا موجودہ نقشہ یہ ہے:۔



(۱) بائیں طرف سے پہلی لین۔ یہ تینوں قبریں بڑی اور اونچی سنگ مرمر کی ہیں۔ نمبر (۱) کی مردانی قبر کے سرہانے اینٹوں کا بھدا سا چراغ دان بعد میں بنا دیا ہے۔ اوپر کلمہ دو طرف اللہ اللہ۔ (۲) زنانی۔ کلمہ اور دو طرفہ اللہ اللہ اس کے گرد شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو تا وھو العزیز الحکیم (۳) زنانی۔ کلمہ اور اللہ اللہ۔

(۲) دوسری لین بائیں طرف سے۔ (۱) خام۔ (۲) مرمر زنانی کلمہ اللہ اللہ۔ (۳) مرمر مردانی کلمہ اور اللہ اللہ (۴) مرمر مردانی کتبہ ندارد۔ (۵) خام صرف ایک طرف کا پتھر رہ گیا ہے۔



گنبد کی ہر محراب پر دو طرفہ طغرے کلمے وغیرہ اور یا فتاح جا بجا لکھا ہے۔ گنبد کی چھت کے ایک بینڈ میں اسمائے حسنیٰ ہیں۔ باوجود روشن دانوں کے بھی گنبد کے اندر اندھیرا ہے اور گنبد کی چھت پر کا کتبہ صاف نظر نہیں آتا۔ اور بوجہ بلندی کے پڑھا نہیں جاتا اور یہی حال محراب کے دو طرفہ طغروں کا ہے۔

پیش طاق۔ جو مغرب میں ہے اس کی پہلی لین میں اللہ اللہ (۲) شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو تا وھو العزیز الحکیم۔ ان الدین عند اللہ الاسلام الخ (۳) آیۃ الکرسی۔ (۴) بسم اللہ اور اشہد ان لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ (۵) الملک للہ (۶) کلمہ گنبد کے اوپر ہشت دری آٹھ برجیاں سنگ خارا کی ہیں جن کا قطر ۶ فٹ ۱/۲ ہے۔ گنبد کے گرد چوڑا اور بھاری چھجہ ہے گنبد کے اوپر چو دری برجی بھی ہے جس پر کلس ہے۔ کلس ٹوٹ کر نیچے کا تھوڑا رہ گیا ہے۔ مغرب کی طرف (۲۰) سیڑھیوں کا چکردار زینہ ہے۔ کل بلندی مقبرے کی چھت تک ۳۲ فٹ ہے۔ بستی چاروں جانب سے کنگورے دار فصیل سے محصور ہے اور چار طرف چار عالی شان دروازے سنگ خارا کے ہیں ۱۱ فٹ ۱/۲

تین برجیاں اور باغیچی

جنوبی دروازے کے بالکل پاس ایک ہشت دری برجی اور چوڑے رستے کے اُس پار دو گمٹیاں اور ہیں اور یہیں ایک باغیچی کا پختہ احاطہ ہے۔ آگے والی گمٹی اور پچھلی چونکہ شکستہ ہے منڈی کہلاتی ہے۔ کچھ پتہ نہیں کہ یہ کن کی ہیں۔

مسجد

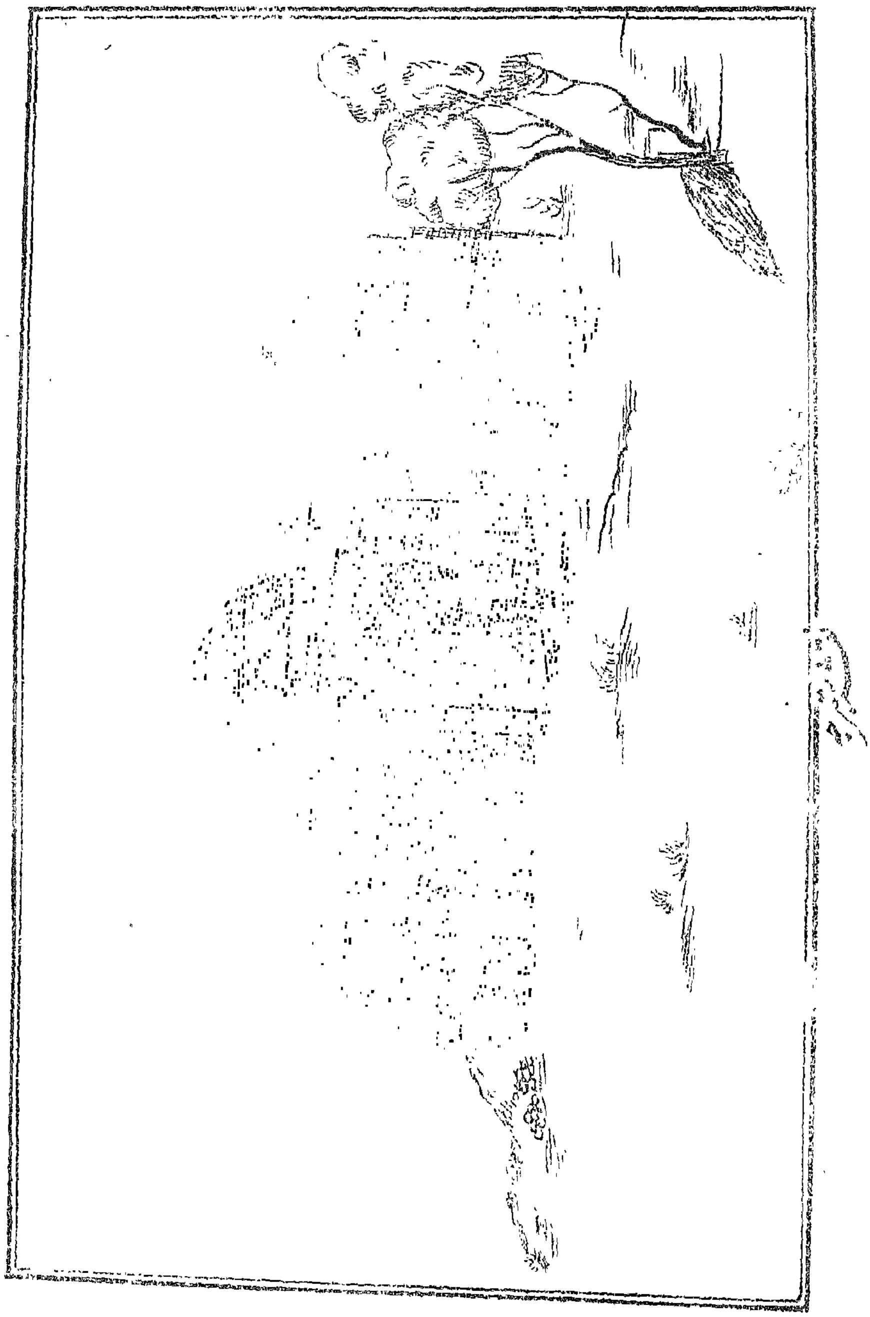
مبارک شاہ کے مقبرے سے تھوڑی ہی دور فصیل کے اندر جنوب و مغرب کی طرف تین گنبدوں اور پانچ دروں کی ایک مسجد دوہرے دالانوں کی اُسی زمانے کی تمام تر سنگ خارا کی بنی ہوئی ہے جس کے بھورے پتھر کے چوکس ستون ہیں اور بیچ میں بھی ستونوں کی ایک قطار ہے۔ بیچ کا گنبد بڑا ہے اِدھر اُدھر کے چھوٹے۔ اندر دونوں دالانوں کی چھت میں پانچ پانچ گنبد جملہ دس گنبد ہیں۔ لوگوں نے پکا پکا کر بالکل کالا کر دیا ہے۔ مسجد کے دونوں دالان ۲۲×۲۵ فٹ ہیں۔ منبر باقی نہیں رہا۔ فرش اکھڑ گیا خالی زمین رہ گئی۔ پانچوں در ساڑھے گیارہ گیارہ فیٹ چوڑے ہیں۔ در دوہرے سنگ خارا کی کڑیوں کے ہیں در کا پتھر ۴½ فٹ اونچا اور بیٹھک ۱½ فٹ اونچی ہے۔ در سوا فٹ مربع ہیں۔ صحن ۲۲×۴۵ فٹ ہے جس میں سلیں بچھی ہوئی ہیں۔ زینہ (۱۲) سیڑھیوں کا جنوب میں ہے۔ بلندی مسجد کی چھت تک ۲۲ فٹ ہے۔ دروں کے رو کار پر دو طرفہ کلمہ طیبہ کا طغری ہے۔ سامنے چوڑا اور بھاری چھجہ ہے۔ مبارک شاہ کے مقبرہ کی طرح یہ عمارت بھی بہت مضبوط بنی ہے پتھر کے سوا اینٹ کا نام نہیں۔ جس طرح مقبرہ مکانوں سے گھر گیا ہے یہ مسجد بھی مکانوں کے شکنجے میں کس گئی حتی کہ صحن کا ایک حصہ بھی داب لیا ہے۔ اس وقت بھی اس مسجد میں مویشی باندھے جاتے ہیں۔ اس مسجد کو نانک چند بقال نے اپنی ملک سمجھ لیا ہے کیوں کہ اُس کا مکان یہیں ہے اور اُس نے ایک دروازہ لگا کر مسجد کو بند کر رکھا ہے بنیئے کے مکان کی ڈیوڑھی میں سے جسے دیہاتی بروٹھا کہتے ہیں گزر کر مسجد میں جانا ہوتا ہے۔ بستی میں مسلمان بالکل کم اور ہندو زیادہ ہیں مسلمان جو ہیں وہ مفلس اُن کو پیٹ سے آگے مسجد کی کیا پڑی۔ غرض مسجد کی حالت افسوس ناک ہے اور زیادہ افسوس اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مسجد بالکل درست حالت میں ہے کہیں سے ذرا بھی نہیں کھلی گو کہ اسے بنے ہوئے (۴۷۶ برس ہو گئے۔

تبرجہ
۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء

مبارک پور کوٹلے کی بستی سے نکلتے ہی بجانب مغرب کئی گنبد پہاڑ کے پہاڑ کھڑے ہیں جنھیں سرسید نے تبرجہ لکھا ہے لیکن دراصل دو برجہ ہے تیسرا گنبد تو ان دو برجوں سے بہت دور ہے۔ البتہ یہ دونوں گنبد جو چھوٹے خاں اور بڑے خاں کے کہلاتے ہیں پاس پاس ہیں اور دونوں میں دس ۱۰ قدم کا فصل ہے رہا تیسرا جو کالے خاں کا گنبد کہلاتا ہے وہ ان سے الگ ہے اور اس لین میں نہیں ہے۔ گاؤں والے اب تو چھوٹا گنبد۔ بڑا گنبد اور کالا گنبد کہتے ہیں نام سے کسی کے منسوب نہیں کرتے سرسید نے لکھا ہے کہ عام طور پر لوگ ان گنبدوں کو متذکرہ بالا اشخاص کے بیان کرتے ہیں جس کے سوائے زبانی روایات کے اور کوئی سند نہیں اور سند ہو بھی کیا سکتی ہے اُس زمانے میں بانی گنبد کے نام کا کتبہ لگانے کا رواج ہی نہ تھا۔ حالاں کہ سارے گنبد قرآنی آیات سے لپے پڑے ہیں اور اس کثرت سے چھوٹے گنبد میں کلام اللہ منقوش ہے کہ میں نے تو سوائے خیر پور کی مسجد کے اور کہیں دیکھا نہیں مگر نام کا کتبہ نہ کہیں گنبد پر ہے نہ کسی قبر پر۔ سرسید لکھتے ہیں کہ یہ گنبد بلحاظ ساخت لودھیوں کے عہد کے بنے ہوئے معلوم دیتے ہیں اور اس سبب سے قیاس کیا جاتا ہے کہ ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء میں سکندر لودھی کے عہد میں بنے ہوں گے۔ درمیانی برج اِدھر اُدھر کے برجوں سے دو چند اونچا ہے۔ یہ تینوں گنبد مربع ہیں جن کے سکڑے ہوئے گردنے لودھیوں کا طرز خاص ہے۔ دروازوں سے دو فیٹ اوپر دیوار میں ایک چھوٹی سی کھڑکی بھی رکھی گئی ہے۔ کالا گنبد تو غیر معمولی ہے مگر چھوٹا اور بڑا یہ دونوں گنبد معمولی لوگوں کے نہیں۔ یقیناً یہ لوگ لودھیوں کے زمانے کے کوئی بڑے امیر کبیر رہے ہوں گے جب تو بادشاہوں کے جوڑ کے گنبد بنوائے ورنہ ایسے ویسے امیر کے بل بوتے کا یہ کام نہیں۔

کالا گنبد

کالا نام اس وجہ سے پڑا ہے کہ باہر سے امتداد زمانے کی وجہ سے بالکل کالا ہو گیا یا یہ کہ کالے خاں کا ہو۔ لیکن آج نہ کوئی کالے خاں کو جانتا ہے نہ بڑے خاں کو نہ چھوٹے خاں کو۔ اس گنبد کے چار بڑے دروازے ۱۰×۶ فٹ ہیں اور ہر بڑے دروازے کی بغل میں ایک ایک چھوٹا دروازہ بھی ہے ۷×۳ فٹ کا ہے گنبد اندر سے [illegible] فٹ مربع [illegible] اور باہر سے [illegible] [illegible] مگر سب موقت مغرب جانب کی دیوار دو محراب پر کلمہ اور بسم اللہ اور ہر دروازے کی



محراب پر کلمے کے طغرے ہیں۔ کرسی ۳-۳ بلند۔

گھانس والی گمری چوں کہ اس میں گھانس بھری رہتی ہے لہٰذا یہی نام پڑگیا۔ مذکورہ بالا گنبد سے (۴۸) قدم کے فصل سے ہے۔ ۱۲ مربع اندر سے باہر سے ۲۳-۲۳ تین دروازے ۸×۴ مغرب کی طرف بند۔ گنبد کی چندیا پر آیۃ الکرسی اور دروازوں پر طغرے الملک للہ کے۔ کرسی چھ فیٹ۔

چھوٹا گنبد یا چھوٹے خاں کا گنبد۔ اب نہ بڑے رہے نہ چھوٹے موت کے زبردست ہاتھوں نے سب کو خاک میں ملادیا۔ باہر سے (۳۴) مربع بالکل سنگ خارا کا۔ اس پر کثرت سے چینی کا کام تھا جس کی لمبی لمبی عمودی پٹیاں اب بھی باقی ہیں۔ تین طرف دروازے مغرب کی طرف بند۔ دروازوں کی دونوں جانب برجیاں ہیں۔ کرسی ۳-۳۔ محرابوں کے روکار پر نیلی اینٹل کی ٹھیکریاں ہیں۔ اندر سے قطر (۲۴) فرش ندارد۔ اندر ایک قبر کا کچا ڈھیر۔ گنبد کے اوپر (۱۶) طاق۔ چبوترا مقبرے کا پہلے تھا اور اس پر قبریں بھی تھیں وہ ڈھ گئیں گڑھے باقی رہ گئے۔ گنبد کے اندر قلعی اور رنگ کا کام ہے۔ گنبد کی چندیا پر آیت الکرسی منقوش ہے (۴۴) سیڑھیوں کا زینہ مشرق کی طرف۔ تین طرف ہشت پہل برجیاں چھ فیٹ قطر کی صرف جنوب کے طرف کی برجی گرگئی ہے۔ چاروں طرف کے روکار پر اوپر سے نیچے تک چھوٹے چھوٹے طاق محض خوب صورتی کے لیے بنادیے ہیں۔ بلندی گنبد کی چھت تک (۲۹) ۔ محرابوں میں ہر طرف سنگ سرخ کی جالیاں تھیں جو سب ندارد ہیں صرف شمال کی طرف ایک جالی کا کچھ حصہ باقی بچ رہا ہے وہ بھی چند روزہ مہمان ہے۔

مقبرے کے باہر وار کتبے بجانب شمال۔ (۱) بسم اللہ فاما آدہ زلفۃً تا ختم سورۃ الملک۔

(۲) اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (پارہ ۳ نصف) قُلْ ھَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا (پارہ ۱۶ سورہ کہف ع) (۳) ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ تا آخر سورہ پارہ (۲۸) سورۂ حشر (۴) لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَاؤُھُمْ فَھُمْ غَافِلُوْنَ (پارہ ۲۲ سورہ یس ۱ ع) وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ (پارہ ۲۹ س ملک ع) ۔ آیۃ الکرسی

جانب مغرب۔ (۱) بسم اللہ۔ سورۂ قدر۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (۲) آیۃ الکرسی

جانب مشرق ۔ (۱) بسم اللہ ۔۔۔۔ یؤمن ربنا لد علیہ ۔۔۔۔ (۲ و ۳) سورۂ جمعہ کامل ۔
جانب جنوب (۱) بسم اللہ ۔ قال ۔۔۔۔ لیلف کل آفات النبی ۔۔۔۔ قال النبی
علیہ الصلوٰۃ ۔۔۔۔۔ فاتقوا صوا ۔۔۔۔ باللہ یا غفور ۔ (۲ و ۳ و ۴) آیۃ الکرسی ۔

گنبد کے اندر کے کتبے

جانب مغرب (۱) وَتِلْکَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ تا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ ۔ پارہ (۷)
س انعام ع ۔ (۲) لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ تا ختم سورہ پارہ (۲۶) س فتح ع ۔
گوشہ جنوب مغرب ۔ بسم اللہ ۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ تا ختم سورۃ البقرہ پارہ (۳)
جانب جنوب (۱) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا تا آخر سورۃ کہف ۔ پارہ (۱۶)
گوشہ جنوب مشرق ۔ (۱) وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ پارہ (۲۶) س ق ع
(۲) وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ تا وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۔ پارہ (۱۸) س مؤمنون
ع ۔ (۳) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ تا وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰکِرِیْنَ ۔ پارہ (۴) س آل عمران ع ۔ (۴) اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ
یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ۔ پارہ (۲) س البقرۃ ع کلمہ ۔ سورۂ کوثر اور اخلاص ۔
جانب شمال (۱) هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ تا آخر سورہ حشر پارہ (۲۸) ع (۲) الم نشرح (۳) والضحیٰ
گوشہ شمال مغرب ۔ (۱) رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً تا عَذَابَ النَّارِ ۔ پارہ (۲) س البقرۃ ع ۔ (۲) سورۃ الرحمٰن ۔
پر اندرونی محراب کے دو طرفہ طغرے ہیں ۔

بڑا گنبد

جسے بڑے خاں کا گنبد کہتے ہیں اور یوں بھی یہ گنبد بہت بڑا اور نہایت عالی شان ہے اور کسی لودھی بادشاہوں کے گنبد سے کم نہیں ہے ۔ تین طرف دروازے سنگ سرخ کے ہیں مغرب کی طرف بند ۔ کرسی ۵ف ۔ گرد چبوترا ۲ف مربع ۔ دروازوں کی چوکھٹ ۸ف ۔ گنبد ہشت پہل ہے جس کا قطر اندر سے ۴۷ف ۔ فرش ندارد پہلے تھا اب تو جا بجا گڑھے پڑے ہوئے ہیں ۔ اندر پانچ قبریں ہیں ۔ جن میں دو بڑی باقی بالکل شکستہ ہیں ۔ ایک سب سے بڑی قبر ۱۰ف لمبی چوڑی اور ۳ف اونچی ہے غالباً یہی بڑے خاں کی قبر ہوگی ۔ باقی قبروں کے نرے پتھر ہی پتھر رہ گئے ہیں چونا جھڑ گیا جس طرح کہ لودھیوں کے مقبرے کی قبروں کی مرمت سرکار نے کرا دی ہے ان قبروں میں سونے والے زبان حال سے اُسی سلوک کے طالب ہیں ۔ چاروں محرابوں پر چار روشن دان ہیں ۔ قبہ کے اندر تمام رنگ آمیزی کا کام تھا

اب صرف چند پایوں گیروی سطح پر سفید حروف میں آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے اس کے سوا اور کوئی کتبہ نہ گنبد میں ہے نہ قبروں پر البتہ محرابوں کے دونوں طرف کلمہ وغیرہ کے طغرے ہیں۔ گنبد کے اندر ہر چہار طرف سنگ سرخ کی جالیاں تھیں جن میں کی صرف ایک شمال کی طرف باقی رہ گئی ہے اور دوسری طرف کی جالیاں لوگ اکھاڑ لے گئے اُن دروں کو معمولی پتھر لگا کر بند کر دیا ہے۔ گنبد کے اندر مغربی رُخ کا دروازہ جو بند ہے اُس میں ایک محراب سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے جس پر نقاشی کا کام بہت خوبی سے کیا ہوا ہے اور اس پر کلمۂ طیبہ کھدا ہوا ہے۔ مقبرے کے اندر مشرق کی طرف دو طرفہ (۵۶) سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ چھت تک بلندی گنبد کی (۳۶ فٹ) ہے۔

گنبد اوپر سے شکستہ ہو کر قبہ میں جابجا گھالس اُگ آئی ہے جو اُس کو قبل از وقت بٹھا دے گی کہ پانی اُس میں جذب ہوتا ہے۔ گنبد کی چاروں طرف ہشت پہل برجیاں ۸-۹ فٹ قطر کی ہیں جن میں سے جنوب کی طرف کی گر گئی ہے۔

دریا خاں کی درگاہ

چھوٹے اور بڑے گنبدوں سے قطب روڈ کی طرف چلو تو رستے میں کھیتوں کے بیچ میں دریا خاں کی درگاہ ایک وسیع اور پختہ (۹۰ فٹ) مربع چبوترے پر بنی ہوئی ہے جو ۸ فٹ اونچا ہے۔ اور بارہ سیڑھیاں ہیں۔ اس کے علاوہ ایک خام چبوترا اور ہے جس کے گرد سرکار نے تار کی باڑھ لگا دی ہے۔ دریا خاں کون تھے کچھ معلوم نہیں نام سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اُسی زمانے کے لودھی پٹھان ہوں گے۔ اس چبوترے کے چاروں کونوں پر (۱۲) در کے چار برج سنگ خارا کے بنے ہوئے ہیں جن کا چبوترا ۲۳ فٹ مربع ہے ستونوں کی ایک ہی کڑی ۱۰ فٹ ۵ انچ چورس چھ فیٹ لمبی ٹھیک ۱۲ فٹ اونچی اور کل در کی بلندی و عرض ۱۰ فٹ ۸ انچ × ۵ فٹ ہے۔ مشرق کی طرف کا برج نصف گر گیا ہے باقی تین طرف کے سلامت ہیں۔ ان کے اندر آیۃ الکرسی منقوش ہیں۔ چبوترے کے بیچ میں ایک ہشت پہل چبوترا ہے جس کا قطر ۲۳ فٹ ۱۰ اور اونچائی ۳ فٹ ہے جس کے بیچ میں دو قبریں زیر سماء گچ کی ہیں جن میں کی ایک بالکل شکستہ ہے اور ان میں سے ایک قبر دریا خاں کی ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک اور چبوترہ ۱۹ فٹ مربع ۲ فٹ اونچا ہے اُس پر ایک ہی قبر گچ کی ہے۔ کتبہ کسی قبر پر نہیں۔

مجاہد پور کا نامعلوم گنبد

قطب روڈ میل (۷) فرلانگ (۴) پر ذرا سڑک سے ہٹ کر بائیں ہاتھ کی طرف ایک سڑک اس گنبد کو گئی ہے جس کا نمبر ۱۶۷/۵ ہے۔ چار طرف چار دروازے ہیں۔ ۶ × ۴ فٹ۔ باہر سے ۴۲ فٹ اور اندر سے ۲۷ فٹ مربع عمارت ہے فرش اور قبر دونوں ندارد۔ اندر باہر سے پلاستر جابجا سے گر گیا ہے پتھر چونے کا بنا ہوا ہے۔ گنبد کا قبہ چاروں طرف سے کھنڈر کر بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئی ہیں۔

گرد خام چبوترا تھا جو گر گیا۔ گنبد کی چند یا پر آیۃ الکرسی کے سوا اور کوئی کتبہ نہیں ہے۔ موضع مجاہد پور کی حدود میں یہ گنبد ہے لیکن کچھ نہیں معلوم ہو سکتا کہ کس کا ہے۔ مگر ہے بہت قدیم۔

یوسف سرائے

(۸) میل (۲) فرلانگ سڑک کے داہنی طرف اس نام کا ایک ویران موضع ہے جس میں اب چند مکانات رہ گئے ہیں۔ گرد اس موضع کے پختہ فصیل ہے اور کوئی خاص بات نہیں۔ پہلے سرائے ہوگی اب تو نرا گاؤں ہی گاؤں رہ گیا وہ بھی بالکل چھوٹا۔

موٹھ کی مسجد
سنہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء

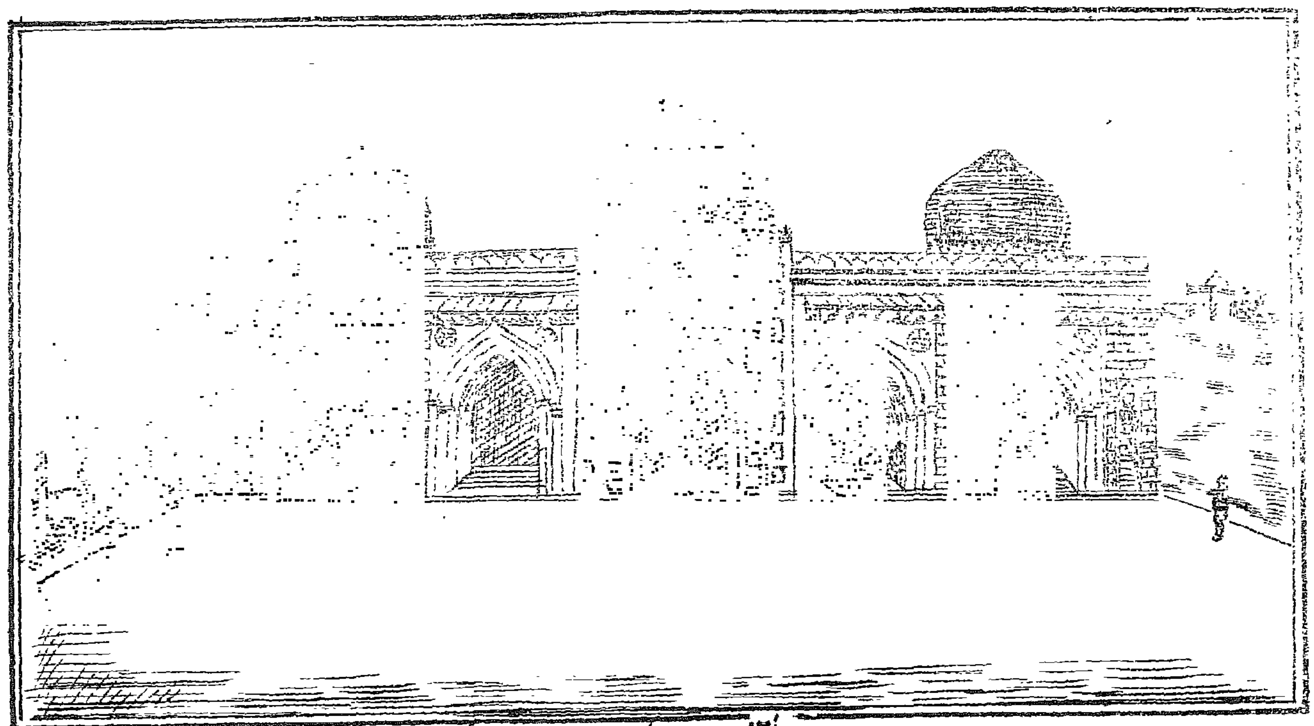
یہ مسجد مبارک شاہ کے مقبرے کے پاس ہے جو خاندان سادات کا دوسرا بادشاہ تھا۔ یہ مسجد سنہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء میں بعہد سکندر شاہ ثانی بن بہلول لودی تعمیر کی گئی تھی۔ مسجد کے پاس ایک بہت بڑی باؤلی بھی بنائی گئی تھی جس کے اندر سنگ سرخ کی لوح پر ذیل کا کتبہ ہے جو لونی لگ کر جابجا سے جھڑ گیا ہے۔ اب جو کچھ بمشکل پڑھا جا سکتا ہے وہ یہ ہے اور اس کے علاوہ اور عبارت بھی ہے جو پڑھی نہیں جاتی:-

.... (ایں) مسجد در عہد
دولت بندگی حضرت سلیمان ...... سلطان (ہند) سکندر شاہ بن بہلول شاہ
لودی خلد اللہ سلطانہ .... بن معصر
اللہ حسین شہاب الساکن قصبہ سہارن پور۔ سنہ ثمان و تسعین و ثمانمائہ ہجری علیٰ ۸۔

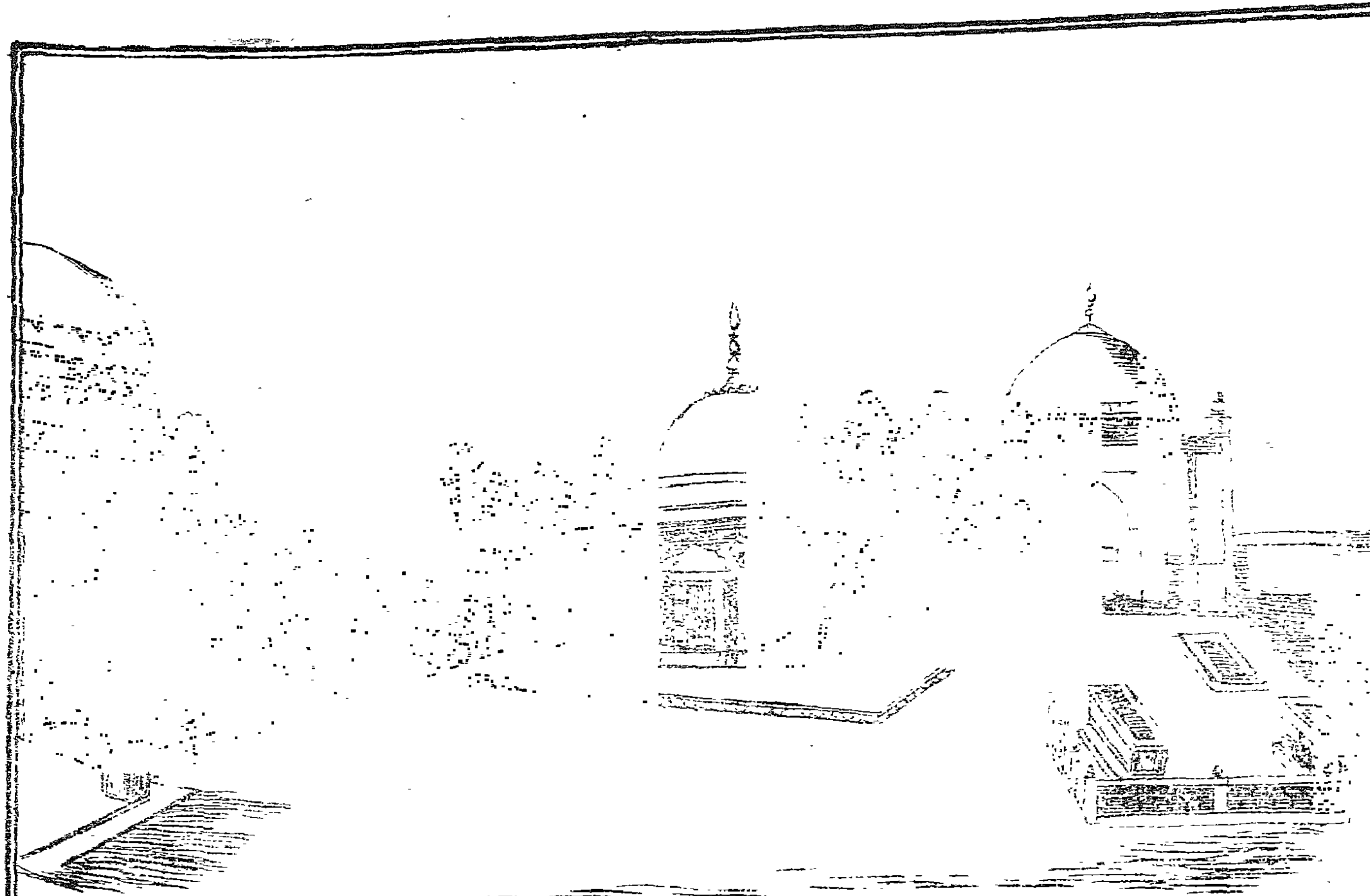
اس مسجد کا صدر دروازہ کسی زمانے میں بڑا عالی شان رہا ہوگا اب بالکل حالت انہدام میں ہے۔ اس مسجد کی وجہ تسمیہ یہ کہی جاتی ہے کہ کسی شخص نے[1] راہ چلتے میں ایک موٹھ کا دانہ پڑا ہوا دیکھ کر اٹھا لیا اور اسے بو دیا وہ اُگا اُس سے جو دانے نکلے وہ پھر بوائے و علیٰ ہذا۔ چند سال میں پیداوار بڑھتے بڑھتے بہت روپیے جمع ہو گئے اور اُسی روپیہ سے یہ مسجد بنی ہے۔ اور اسی وجہ سے موٹھ کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مسجد لودیوں کے زمانے کی طرز عمارت کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس کا چبوترہ چھ فٹ اونچا ہے اور عرض و طول میں ۱۳۰ فٹ × ۳۰ ہے چبوترے پر سے گنبد کی چوٹی تک (۶۰ فٹ) کی بلندی ہے۔ اس میں پانچ در ہیں اور ادھر اُدھر دو در چھوٹے چھوٹے اور ہیں جن میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ درمیانی بلند دیوار دوز محراب میں دروازہ نصب ہے۔ ان محرابوں کے دیوار دوز ستون چھوٹے چھوٹے طاقوں سے جو آٹھ ہیں ایک کے اوپر

---

[1] اور کوئی کہتا ہے کہ بادشاہ سلطنے دانہ پایا اور وزیر کو دیا اُس نے تعظیماً اس دانے کو بوایا



نقشہ مسجد موٹھ



درگاه حضرت روشن چراغ دہلی

ایک آراستہ ہیں اور پانچ پانچ طاق پہلو کی محرابوں میں ہیں۔ درمیانی محراب کی روکار کے بہت سے پتھر لوگ اکھاڑ لے گئے ہیں جس سے دیوار ٹنڈی اور بدنما ہو گئی۔ چھت پر تین گنبد ہیں ایک بیچ کے حجرے پر اور دو دونوں پہلوؤں کے حجروں پر گنبد چونے اور پتھر کے ہیں مگر نہ بڑے ہیں اور نہ مثمن۔ ان کی گردنیں لمبوتری ہیں جو لودیوں کا خاص طرز تھا۔ پہلو کے دونوں گنبدوں کی حالت خستہ ہے۔ بیچ کی محراب اونچی ہے اور ادھر اُدھر کی اُسی مناسبت سے کم۔ ان کے سامنے بھاری چھجہ تھا جس کا بہت ہی تھوڑا حصہ اب رہ گیا ہے۔ غرض یہ کہ اس مسجد کے ایک عمدہ عمارت ہونے میں کچھ شک نہیں مگر بے درد لوگوں کے ہاتھوں سے جو تباہی اس کی ہوئی ہے وہ مسٹر بگلر کے ذیل کے ریمارک سے ظاہر ہو گی:-

"اس مسجد کے روکار پر بہت کچھ نقش و نگار اور رنگ آمیزی تھی۔ یہ ساری عمارت بن گھڑے پتھروں اور چونے کی ہے لیکن بعض بعض مقامات پر تراشے ہوئے پتھر بھی نصب ہیں خصوصاً ستون جو کھڑے ہوئے ہیں۔ صدر دروازے پر سنگ مرمر کی تختیوں پر آیات قرآنی کندہ ہیں جو سادی اور رنگین ہیں۔ مسجد کے اندر کی تمام گل کاری اور رنگ آمیزی کا کام دھوئیں کی تہ چڑھ جانے سے برباد ہو گیا لیکن دروازے پر اب بھی سبز اور سرخ رنگوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ پتھر بھی ہر قسم کا سرخ۔ سفید۔ زرد۔ سیاہ جا بجا لگا ہوا تھا۔ احاطے کی دیواریں اندر باہر چاروں طرف طاق بنے ہوئے ہیں۔ شمالی اور جنوبی دیواریں دو زینے چھت پر چڑھنے کے ہیں۔ یہ مسجد اب تک مبارک پور کے گنواروں کی بود و باش میں پھنسی ہوئی ہے جنھوں نے جا بجا اپلے پاتھ کر مسجد کی ساری صناعی کو خاک سیاہ کر دیا اور طرفہ یہ کہ جا بجا کچی دیواریں کھڑی کر کے چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں بنا کر رہی سہی رونق بھی برباد کر دی"

درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی

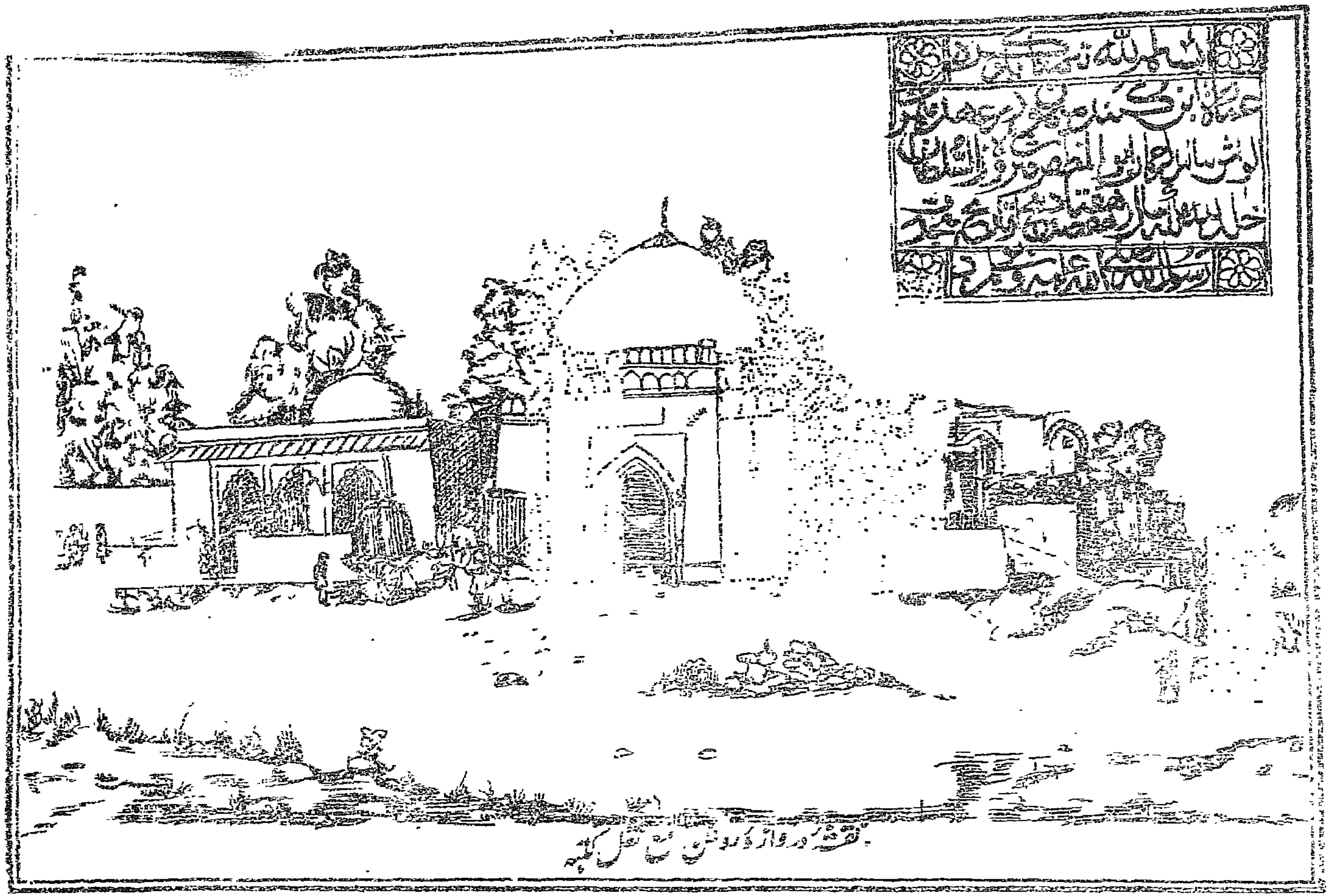
سنہ ۷۵۷ھ
۱۳۵۶ء

ہنگامہ گرم ہستی ناپائدار کا
چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

شیخ نصیر الدین محمود خاندان چشت کے دلی کے سب سے اخیر بزرگ تھے۔ آپ حضرت نظام الدین اولیا کے اکبر خلفا میں سے تھے۔ آپ بڑے ذی علم مقدس اور خدا پرست تھے۔ بڑے واعظ اور صاحب تصانیف کثیرہ بھی تھے۔ مذہب اسلام کی آپ نے بہت کچھ اشاعت کی۔ سلطان

محمد تغلق سے آپ سے بھی ان بن تھی آپ نے بہت صبر و تحمل اور استقلال کو کام فرمایا۔ جب مخدوم جہانیاں سید جلال صاحب مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو آپ سے عبد اللہ یافعی نے طواف کعبہ میں دریافت کیا کہ اب تو دہلی کے بیشتر بزرگان دین مر مرا گئے اب وہاں کون رہا ہوگا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ "نہیں اب بھی دلی میں نصیر الدین محمود ہیں جو دلی کے روشن چراغ ہیں"، جب سے آپ کا لقب روشن چراغ دہلی مشہور ہو گیا۔ آپ کے صفات اور کمالات سے کتابیں بھری پڑی ہیں غایت شہرت سے حاجت بیان کی نہیں۔ سلطان فیروزشاہ کو آپ کی خدمت بابرکت میں بڑی عقیدت تھی اور آپ کی خدمت بہت کیا کرتا تھا۔ آپ کی درگاہ کا گنبد آپ کی حین حیات سلطان فیروزشاہ نے سنہ ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء میں بنوادیا تھا۔ شب جمعہ ۱۸ ر رمضان المبارک سنہ ۷۵۷ھ[1] ۱۳۵۶ء میں آپ کا وصال ہوا اور اُسی گنبد میں آسودہ ہوئے۔ آپ کو ایک سن چلے جالندھری فقیر نے جو آپ کے پاس کچھ خیرات مانگنے آیا تھا خنجر سے شہید کیا۔ وقت شہادت آپ کا سن شریف (۸۲) سال کا تھا۔ آپ یہیں قریب موضع کھڑکی میں اسی حجرے میں رہتے تھے جہاں کہ آپ دفن ہیں۔ آپ کی قبر میں آپ کے ساتھ جبہ۔ عصا۔ کلاہ اور مصلی جو آپ کو آپ کے مرشد حضرت نظام الدین سے ملا تھا۔ دفن کیا گیا۔ آپ کا مقبرہ ایک مستطیل احاطے کے اندر ہے جو ۱۸۰×۱۸۰ فٹ اور ۱۲ فٹ بلند ہے۔ اس احاطے کا بڑا حصہ اور قصبے کے گرد جو فصیل ہے محمد شاہ بادشاہ نے سنہ ۱۱۴۲ھ ۱۷۲۹ء میں بنوایا۔ یہ فصیل بہت بڑی اراضی کو گھیرے ہوئے ہے جو نالے سے بہت بلندی پر بنائی گئی ہے۔ بستی کے سامنے اُس زمانے میں ایک پُل بھی نالے پر بنا ہوا تھا اور آگے چل کر نالے کے بہاؤ کی طرف نیچے وار ایک اور پُل بھی تھا۔ اب دونوں پُلوں میں سے ایک بھی باقی نہیں رہا۔ درگاہ کا صدر دروازہ آپ کی وفات کے ۱۲ سال بعد سنہ ۷۷۵ھ ۱۳۷۳ء میں فیروزشاہ نے بنوایا تھا جس پر

[1] بعض کتابوں میں جمعہ کے دن آپ کا وصال ہونا لکھا ہے۔ کتاب مخبر الواصلین میں ۷۵۷ھ ہی سال رحلت درج ہے:۔ آنکہ دانش چراغ راہ یقین ست۔ نام نامی او نصیر الدین ست۔ ذات او را چراغ دہلی داں۔ بلکہ خورشید ہر دو عالم خواں۔ عمر از شصت و پنج سالہ شمار۔ بے کم و بیش اے ستودہ شعار۔ بشب جمعہ داد حق را جاں۔ ہژدہم بود از مہ رمضاں۔ شد ز دنیا چو آں نصیر زماں۔ سال نقلش "مہ بہشت" (۷۵۲) بداں۔ "شمع جمع صوفیاں" (۷۵۷) بھی آپ کی وفات کی تاریخ ہے۔۱۲



ایک بڑا گنبد ہے۔ یہ دروازہ درگاہ کے شمال مشرق کے کونے میں ہے جس پر ایک سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ ہے:۔

بسم اللہ تیمناً بذکرہ

عمارت این گنبد در عہد ہمایون الواثق باللہ ابوالمظفر فیروز شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ
سال ہفتصد ہفتاد و پنج از تاریخ ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بود

اس دروازے کا کمرہ ۱۹ مربع ہے جس کے سامنے ایک پختہ چبوترہ ۲۱ فٹ بلند ہے دو جانب ہے۔ آپ کے گنبد کا ارتفاع دیواروں تک (۲۷ فٹ) ہے اور یہاں سے گنبد شروع ہوا ہے جس کی بلندی ۱۵ فٹ ہے اس طرح سب ملا کر (۴۲ فٹ) کی اونچائی ہے۔ دروازے کی منڈیر کے دونوں طرف دو برجیاں ہیں۔ دروازے سے کوئی ۳۵ فٹ شمال کی طرف ایک حجرے میں آپ کا مزار ہے جو تیس فیٹ مربع اور (۵۰) فیٹ اونچا ہے جس پر ایک گنبد ہے اور گنبد پر سنہرا کلس چڑھا ہوا ہے۔ گنبد کے چاروں کونوں پر آٹھ فیٹ بلند پتلی پتلی میناریں ہیں چھت کے گرد کنگورہ ہے جس کے نیچے چوڑا چھجہ ہے۔ اس گنبد کے بارہ در ہیں جن میں سنگ خارا کے ستون لگے ہوئے ہیں سب دروں میں سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں جنوب کی طرف ایک در میں گنبد کے اندر جانے کا رستہ ہے۔ گنبد چونے اور پتھر کا بنا ہوا ہے۔ گنبد کے اندر سنہرا کٹورا لٹکا ہوا ہے۔ **اکبر شاہ ثانی** کے عہد میں شاہزادے **مرزا غلام حیدر** پسر اکبر شاہ ثانی نے اس گنبد کے گرد سنگ سرخ کی بارہ دری بنوادی تھی اور حضرت نظام الدین کی درگاہ کے ستون یہاں لا کر لگائے تھے مگر یہ بارہ دری ایسی بودی بنی تھی کہ دس برس کے بعد ہی گر پڑی۔ گنبد درگاہ شریف کے پاس ہی ایک مسجد چونے اور پتھر کی بنی ہوئی ہے کہتے ہیں کہ یہ مسجد فرخ سیر بادشاہ کی بنوائی ہوئی ہے اس مسجد پر کوئی کتبہ نہیں جس سے بننے کا صحیح صحیح حال معلوم ہو سکے۔ اگر فرخ سیر کا زمانہ لیں جو ۱۷۱۳-۱۹ء ہے۔ تو آج اس مسجد کو بنے ہوتے پورے دو سو برس ہوئے۔ اس گنبد کے پاس دو برج اور ہیں۔ ایک برج میں جو جانب غرب ہے حضرت شیخ **فرید شکر گنج** کے پوتے سوتے ہیں دوسرے میں جو شرق کی طرف ہے اس میں **مخدوم زین الدین علی** صاحب حضرت کے بھانجے کی قبر ہے۔ اس کے متصل سنگ باسی کے جالی دار حجرہ میں شیخ **کمال الدین علامہ**۔ جانشین حضرت آرام فرماتے ہیں آپ کے گرد سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے اس حجرہ

میں دس جالیاں سنگ سرخ کی ہیں۔ آپ خلیفہ اور ہمشیرہ زادے مخدوم چراغ دہلی کے ہیں۔ نسب شریف آپ کا حضرت امیر المومنین امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما تک پونہچتا ہی۔ علم تفسیر اور حدیث اور فقہ میں علامہ مشہور تھے۔ کچھ مدت احمد آباد میں سکونت کی اور گجرات اور دکن کے لوگوں کو ارشاد و تلقین فرماتے رہے بعد ازاں دہلی تشریف لاکر تلقین خلایق کی۔ اولاد اور خلیفہ آپکے اب تک دکن میں موجود ہیں۔ ۲۷ ذی قعدہ ۷۵۵ھ میں آپنے رحلت فرمائی۔ رحمت حق تاریخ وفات ہی اور باقی بہت سی قبریں ہیں من جملہ اُن قبروں کے فیض طالب خان بنگش اور مفتی صدرالدین خاں صاحب کی قبریں ہیں۔ خواجہ کمال الدین علاقہ کے حجرے کے جنوب میں مرزا شبو ولی عہد بہادر کی قبر ایک دوسرے اور کشادہ سنگ مرمر کے چبوترے پر بنی ہوئی ہی۔ پہلا چبوترا ۱۹ فٹ مربع اور اُس کے اوپر کا ۹ فٹ ۲ انچ مربع ہی۔

حضرت روشن چراغ دہلی کے مزار مبارک کے مشرق میں خواجہ طاہر کا مزار ایک جالی دار کٹہرے کے اندر ہی۔ تعویذ قبر سنگ مرمر کا ہی جس کے گرد آیۃ الکرسی ہی اور پیر کلمہ طیبہ اور ایک طغرٰی یا دائما بلا فناء ... ولا زوال کا کرم یا بقاء ... جو سلسل پڑھا نہیں جاتا اور پائینتی یہ قطعہ کندہ ہی:-

خواجہ طاہر خواجۂ صاحب رضا — آنکہ دایم بود با جود و کرم
چون شنید از ہاتف غیب ارجعی ندا — کرد رحلت از جہان سوے ارم
سال فوتش ما در ایام گفت ۹۷۶ — آہ از خواجہ محمد طاہرم

اس درگاہ کے احاطے کے اندر دو عالی شان گنبد پٹھانوں کے وقت کے ہیں معلوم نہیں کہ اُن میں کن کن کی قبریں ہیں درگاہ کے خدام کہتے ہیں کہ محرم علی صاحب چشتی نے ان گنبدوں میں کی قبروں کی جو بہت شکستہ ہوگئی تھیں مرمت کرادی ہی اور یہ بات موجودہ حالت کے نظر کرنے سے صحیح معلوم دیتی ہی درگاہ کا گنبد اور مسجد نہایت بے مرمت ہوگئی تھی خصوصاً غلام گردش کے گرنے سے جس کو مرزا غلام حید رنے بنایا تھا گنبد درگاہ کا بہت بودا ہوگیا تھا اور خادم وہاں کے ہر شخص سے مرمت کی درخواست کرتے تھے۔ خواجہ محمد خاں نے تمام درگاہ اور مسجد اور دروازے اور

۱؎ یہ لفظ جھڑ گئے ہیں سیاق عبارت پرسے میں نے لکھ دیئے ۱۲

صحن کی مرمت اور استرکاری کروادی اور درگاہ کے گنبد کے گرد چھجہ سنگیں بنوادیا اس مرمت کی بدولت حقیقت میں سارا مکان نیا ہوگیا۔ درگاہ کی چار دیواری اور تین درکا ایک دالان شمال کی طرف اور چھوٹا سا سنگین کٹہرا مولوی فخرالدین صاحب نے بنوایا ہے اور غلام گردش جو گر پڑی تھی۔ اس کے ستون صحیح وسالم اب تک درگاہ کے سامنے پڑے ہیں۔ آپ کا عرس شریف ۱۷ رمضان شریف کو ہوتا ہے اور بہت لوگ جمع ہوتے ہیں اور رات کو رہتے ہیں اور اٹھارویں تاریخ قُل کے بعد چلے جاتے ہیں۔ دروازہ کے باہر خدام نے مل کر ایک دالان بنا لیا ہے جس سے لوگوں کو بڑا آرام ہوگیا ہے درگاہ میں ایک تخت سال کی لکڑی کا ۸×۸ تین فیٹ اونچا ایک ہی لکڑی میں تراشا ہوا رکھا ہے جس پر بہت ہی عمدہ گلکاری اور نقاشی کی ہے۔ یہ تخت دکھنی بیگ نے بنگالے سے بھیجا تھا اور اس پر یہ شعر اور عبارت کھدی ہوئی ہے: ؎

تخت چوبی نیاز دکھنی بیگ — بجناب نصیر دیں محمود قدس سرہ العزیز

سنہ ۱۱۴۳ھ مطابق سنہ ۱۲ جلوس محمد شاہ غازی

اس درگاہ کے پاس ایک بستی آباد ہے جس میں ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں۔ گرد اس بستی کے محمد شاہ بادشاہ نے فصیل بنوادی جس میں چار دروازے اور ایک کھڑکی ہے کہتے ہیں کہ اس فصیل پر پہلے چار لاکھ روپیئے خرچ ہوئے۔ گو یہ فصیل بہت پختہ مستحکم اور بلند ہے مگر پھر بھی اُس ارزانی کے زمانے میں اتنا زرِ خطیر صرف ہونا قرین قیاس نہیں ہے۔

جو کچھ بیان درگاہ شریف کا اوپر لکھا گیا اُس پر میری طرف سے یہ اضافہ ہے کہ آپ کے گنبد کا فرش سنگ مرمر کا ہے اور مزار منور کے گرد ایک نہایت مصفی اور مجلی کٹہرا سنگ مرمر کا لگایا گیا ہے جس کی نو جالیاں ہیں دسویں جالی پر ذیل کا کتبہ بہ خط نستعلیق نہایت خوش خط کندہ ہے:-

"گزرانیدہ غلامان غلام فدوی محی الدین خاں
شمس الامرا امیر کبیر خورشید جاہ بستم رمضان المبارک
سنہ ۱۳۰۳ ہجری"

اس کٹہرے کا طول و عرض ۸ فٹ ۱۰ انچ × ۶ فٹ ۱۰ انچ اور بلندی ۳ فٹ ۵ انچ ہے۔ یہ فرش اور کٹہرا حیدرآباد دکن کے امیر کبیر مرحوم مغفور نے بنوایا تھا جس سے رونق مزار مبارک کی اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی۔ درگاہ میں کچھ ایسی شفافی اور جلائے ظاہری ہے جو نظر میں کھبی جاتی ہے اور شفاء الصدر اور جلائے باطنی کی طرف منجر ہوتی ہے۔ حضرت کے مزار مہبط الانوار کے سراہنے ایک قلمی قرآن شریف ۲ فٹ × ۱ فٹ ۱۰ انچ رکھا ہے جس کے آخر پر یہ لکھا ہے: "نوشتہ سید سلطان علی ولد سید فیض علی بن سید محمد علی ساکن قصبہ فریدآباد بتاریخ ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۱۰ ہجری"۔ ایک صاحب رحیم بیگ نامی نے ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں ایک نہایت خوش خط رباعی آئینہ دار چوکھٹے میں لگا کر نذر گزرانی ہے جو سراہنے آویزاں ہے۔

الله اکبر　　　تعالیٰ شانہ　　　عزّ اسمہ

غلام بخت بلندش ایاز مقصود است　　　کسیکہ ہمت او چوں نصیر محمود است

شب حصول وصول خدا بصر اجتش　　　کمینہ منزل وادنیٰ مقام محمود است

اب ساری عمارات اندرون درگاہ عمدہ حالت میں ہیں اور نئی مرمت ہوئی ہے۔ حضرت کے گنبد کی جالیاں سنگ سرخ کی ہوں گی مگر اب تو اُن پر اس قدر سفیدی کی تہیں چڑھی ہوئی ہیں کہ وہ گچ ہی کی معلوم دیتی ہیں۔ صحن درگاہ شریف میں ایک کھرنی کا بڑا بھاری بہت پھیلا ہوا بہت پرانا درخت دور دور اپنا سایہ پھیلائے ہوئے ہے۔ جس کی سبزی اور تروتازگی نظروں میں کھبی جاتی ہے اور نظر میں نور دل میں سرور پیدا کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ اُسی زمانے کا ہے کہ جب درگاہ مقدس بنی تھی۔ اور غالباً ایسا ہوگا بھی۔ احاطۂ درگاہ کے دروازے کا گنبد ہشت پہل ہشتین اور لداؤ کا ہے جس کے دونوں جانب لمبی لمبی کشادہ سہ نشین ہیں۔ حضرت علاوہ درویشی کے بڑے ذی علم تھے۔ شریعت کے بدرجۂ غایت پابند۔ سماع مزامیر وغیرہ ممنوعات شرعیہ سے سخت اجتناب کرتے تھے۔ کبھی کبھی اشعار بھی فرمایا کرتے تھے مگر وہ بھی عشق الٰہی میں ڈوبے ہوئے۔ ایک غزل آپ کی جو بہت مشہور اور لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے تبرکاً لکھتا ہوں:-

بے کارم و باکارم چوں مد بحساب اندر　　　خاموشم و گویانم چوں خط بکتاب اندر

اے زاہد ظاہر بیں از قرب مپرس از من　　　او در من و من در وی چوں بو بگلاب اندر

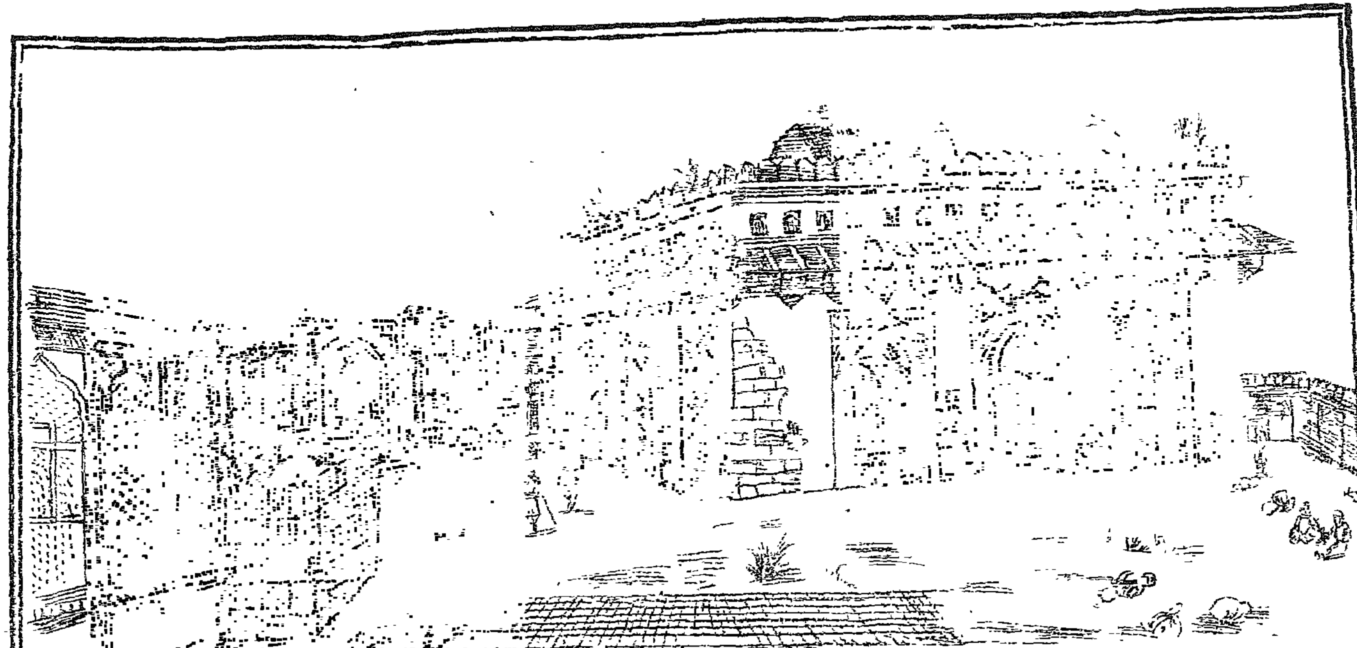
دریا بود واز چشم لب تر نشود ہرگز زیں تشنہ چرا ہم نشستہ بآب اندر
گہ رنج و گہ شاداں از حالتِ خود غافل گہ خندم و گہ گریاں چوں طفل بخواب اندر

در سینہ نصیر الدین جز دوست نمی گنجد
ایں طرفہ تماشہ بیں دریا بہ حباب اندر

حضرت کی جہاں درگاہ ہے وہ آبادی بھی آپ ہی کے نام نامی اور اسم گرامی سے مشہور ہے قطب روڈ کے آٹھویں میل پر سے بائیں ہاتھ کی طرف ایک کچا رستہ پھٹ جاتا ہے۔ دو میل وہ خام رستہ طے کرنے کے بعد آپ کے در دولت پر حضوری نصیب ہوتی ہے۔ راستہ ناہموار، خراب اور پتھریلا۔ اتنی بڑی زیارت گاہ مرجع خلائق اور سڑک ندارد اسی سبب سے لوگ کم فیض یاب ہوتے ہیں بستی کے قریب وہی نالہ رواں ہے جس پر کہ ست پلہ ہے بستی کے گرد ایک بڑی وسیع عظیم الشان اور نہایت مستحکم فصیل ہے جو اب تک زمانے کے حوادث کا مقابلہ کر رہی ہے اس کے چار عالی شان سر بفلک دروازے ہیں پھر ایسی فصیل پر اگر چار لاکھ روپیہ صرف ہوا ہو تو کیا کچھ بے جا اندازہ ہے۔ اب اس فصیل کا کچھ کچھ حصہ جابجا سے گرنا شروع ہو گیا ہے پھر بھی ابھی اس کے گرنے کو صدہا برس چاہئیں بستی کے اندر جانے کا دروازہ اسی فصیل میں ہے لیکن جیسا کہ قدیم زمانے کا دستور تھا دروازے کے سامنے بڑے بڑے پتھروں کی ایک ریٹ بنی ہوئی تھی اس کے پتھر جابجا سے اکھڑ جانے سے پیدل تو خیر مگر کوئی سواری نہیں جا سکتی قطب صاحب کی سڑک کے دو طرفہ دور دور تک جہاں تک نظر دوڑتی ہے گنبد ہی گنبد اور کھنڈر ہی کھنڈر نظر آتے ہیں اور سڑک چھوڑ کر دو میل جو ہم پیادہ پا گئے تو ادھر ادھر مبارک پور، کھیڑ پٹپڑ گنج، کالو سرائے، کھڑکی، بیگم پور، شاہ پور جٹ، زمرد پور (سرائے شاہ جی یہ موضع اب اجاڑ ہے) کی بستیاں تھیں۔ ان میں بھی عمارات قدیم کثرت سے ہیں خیر رستے میں سرائے شیخ کی بستی ملی جس کو شیخ علاء الدین اور شیخ صلاح الدین حضرت بابا فرید شکر گنج کے پوتوں نے جو سکندر بہلول لودھی کے زمانے میں ([illegible]) آئے تھے آباد کیا تھا اس سے کوئی دو تین فرلانگ پر روشن چراغ دہلی کی بستی اور درگاہ ہے غرض یہ کہ سارے کا سارا وسیع میدان جو کوسوں تک چلا گیا ہے عمارات سے پاٹا ہوا تھا جن میں بہت سی گر گئیں

کچھ اب گرنے کو ہو رہی ہیں اور کچھ اپنی حالت پر کھڑی ہیں۔ اگرچہ اس میدان میں ہل پھر گیا اور کھیت ہی کھیت ہو گئے مگر کوئی کھیت ایسا نظر نہ آیا جس میں عمارتوں کا نشان نہ پایا جائے کچھ نہیں تو اینٹوں کے ٹکڑے۔ روڑے۔ چونے کے ڈلے اب تک کثرت سے بکھرے پڑے ہیں۔ یہ حصہ مجھے بہت تباہ اور ویران معلوم ہوا اور زیادہ ترکس مپرسی کی حالت میں ہے کئی گنبد ایسے نظر آئے کہ اچھے خاصے ہیں مگر ہم اندر نہیں جا سکتے۔ پاس جا کر دیکھا تو دروازے چُن دیے گئے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کسی جاٹ صاحب کے قبضے میں ہیں کسی نے اوپلے بھر رکھے ہیں تو کسی نے بھوسہ کیا خدا کی شان ہے۔ گنبد کس کا اور قابض و متصرف کون ع آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت یہاں کے لوگ کسی ہندو ڈپٹی صاحب کا نام لیتے ہیں کہ انھوں نے بوقت بندوبست قبضہ قابضین کا بحال رکھا یہ بات تو ظاہر ہے کہ ایسی جائداد و پر کسی کا قبضہ جائز طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا اگر کوئی قابض مستحق ہو سکتا ہے تو گورنمنٹ نہ کہ بادشاہ۔ اگر لارڈ کرزن کا زمانہ کچھ دن اور رہتا تو اُن قابضین کی قلعی کھلتی۔ راقم کے نانا مولوی عبد القادر صاحب نے پنجابی کٹہرے کی مسجد کا جس کے وہ امام تھے معاوضہ طلب کیا تھا کہ وہ حدود ریلوے سٹیشن دہلی میں آ گئی تھی تو سرکار نے اُن کو ٹکہ سے کورا جواب دے دیا کہ مسجد شاہی تھی کچھ تمہاری ملک نہ تھی تم خواہان معاوضہ کون اور یہ جواب ایک حد تک معقول و مُسکت تھا بجنسہ یہی حالت ان گنبدوں کی ہے۔ ورنہ جاٹ کجا اور یہ گنبد کجا۔ درگاہ شریف کے اندر مکانات کا حال ہم لکھ چکے اب بستی کے حصار کے اندر جو چند عمارتیں قابل الذکر ہیں اُن کا مختصراً بیان کرتے ہیں :۔

دو نامعلوم گنبد درگاہ کے شمال میں بیرون احاطہ درگاہ مگر حصار بستی کے اندر فصیل کے بالکل قریب ایک ہی وضع قطع کے دو گنبد ہیں جو پٹھانوں کے زمانے کے معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں بیس بیس فیٹ مربع ہیں کلس ٹوٹ گئے۔ امتداد زمانے سے باہر سے کالے پڑ گئے۔ ہر چہار طرف دروازے ہیں۔ قبریں دونوں میں نہیں۔ جو لوگ ان میں رہتے ہیں قبریں اُن کی بود و باش کی آسائش میں خلل انداز ہوتی ہیں۔ بجائے اس کے کہ قبروں کو توڑ تاڑ کر برابر کر دیتے انھوں نے بھرتی کر کے قبروں کو دبا دیا۔ اوپر سطح جگہ نکل آئی۔ تدبیر تو اچھی کی۔ ایک



مقبرہ سلطان بہلول لودھی

گنبد کے اندر تو ہم جا ہی نہ سکے کہ کسی کا زنانہ تھا۔ باہر سے ہی دیکھ لیا۔

جلال الدین خلجی کی ناتمام مسجد سنہ ۶۹۵ھ – ۱۲۹۰ء

درگاہ کے غرب میں بڑی بھاری عمارت ہے۔ کہتے ہیں کہ علاء الدین خلجی نے بنوائی تھی اور ناتمام رہ گئی۔ اب وہ ساری ہی گر پڑی ہے تو ہم اس کا کیا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مکمل ہو چکی تھی یا ادھوری رہ گئی تھی۔ مسجد کے سامنے صحن ہے جو اب خام ہے اور اس پر بہت سی قبریں ہیں۔ اوپر وار چھت سپاٹ ہے نہ گنبد نہ مینار۔ اندر سے البتہ گنبد دار لداؤ چھت ہے۔ مسجد تین در کی ہے ۸۳ × ۲۳ فٹ ہے اور بلندی ۲۷ فٹ ہے اور یہی بلندی محرابوں کی ہے۔ چھت پر جانے کا (۲۸) سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ چھت پر کی کنگورے کی منڈیر گر گئی ہے۔ صحن مسجد جس طرح آگے ہے پیچھے بھی تھا۔ مسجد کے گرد فصیل نما کنگورے دار احاطہ تھا وہ بھی جا بجا سے گر گیا ہے۔ داہنی طرف کے در کی چھت بیٹھ گئی ہے۔ زینہ ادھر بھی تھا۔ اندر باہر کا سارا پلاستر جھڑ کر قالی پتھر نکل آئے ہیں۔ مسجد کے اندر باہر کہیں پختہ فرش نہیں رہا۔ مسجد بہت بری حالت میں ہے علاوہ مویشیوں کے باندھے جانے کے لوگ بھی غلاظت پھیلانے میں کمی نہیں کرتے۔ خدا کی شان ہے کہ اب اس مسجد کی یہ حالت ہے!

مقبرہ سلطان بہلول لودھی سنہ ۸۹۴ھ – ۱۴۸۸ء

جسم یوں روح سے لگا کہنے تن سے جب ہو کے بے قرار چلی
چھوڑ کر ساتھ ایک عمر کا آج حیف اے جان غمگسار چلی

سکندر لودھی پسر بہلول لودھی نے یہ مقبرہ سنہ ۸۹۴ھ – ۱۴۸۸ء میں بنوایا اور موضع بدھولی سے اپنے باپ کی نعش لا کر یہاں دفن کی۔ یہ مقبرہ حضرت نصیر الدین روشن چراغ دہلی کی درگاہ کے احاطے کی غربی دیوار سے ملا ہوا ایک باغ کے اندر ہے جو جودھ باغ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ مقبرہ ٹھم ٹھم مربع ہے جس کے تین طرف در ہیں جن کے بارہ ستون آٹھ فٹ اونچے اور دو فٹ مربع سنگ سرخ کے ہیں۔ محرابوں کی پیشانی پر نقش و نگار اور بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں جن کے اوپر ایک سنگین چھجا ہے۔ چھت پر ایک سنگین اور مستحکم منڈیر ہے۔ چھت زمین سے ۲۸ فٹ بلند ہے۔ گنبد کے اندر سنگ سرخ کے چوکوں کا فرش ہے۔ قبر کا تعویذ نقش و نگار سے آراستہ ہے جس کا رنگ امتداد زمانہ سے بھورا ہو کر سیاہی مائل ہو گیا ہے۔ باربر نے اپنے وقائع میں لکھا ہے کہ دہلی کے فتح

کرنے کے بعد وہ سلطان بہلول اور سکندر لودی کے مقبروں اور باغوں میں گیا تھا[1] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب جہاں چٹیل میدان ہے وہاں باغ بھی تھے۔ اس مقبرے کے اوپر نہایت خوب صورت پانچ برجیاں چھوٹی چھوٹی کی ہیں۔ جن میں بیچ کی برجی اوروں سے اونچی ہے گنبد دھاری دار کگری وضع کا ہے۔ اب اس گنبد میں حضرت روشن چراغ دہلی کے خدام رہتے ہیں۔ اس مقبرے سے چند گز کے فاصلے پر ایک ۴۰ فٹ مربع چبوترہ سنگ سرخ کی جالیوں کا ہے اور عام خیال ہے کہ اس میں جو قبریں ہیں وہ وزرائے بادشاہان خاندان لودی کی ہیں اٹاوے سے دلی کو آتے ہوئے بہلول لودی نے رستے میں انتقال کیا۔ تاریخ جہان جہان لودی میں لکھا ہے کہ بادشاہ نے موضع ملاولی میں انتقال کیا۔ مگر تاریخ داؤدی میں قصبہ جلالی (ضلع علی گڑھ) میں وفات پانا درج ہے۔ بادشاہ کی نعش اس کا بیٹا نظام خان الملقب بہ سکندر لودی دلی لایا اور درگاہ روشن چراغ دہلی کے پاس اس مقام پر دفن کیا جہاں کہ اب ہے۔ یہاں سے درگاہ روشن چراغ دہلی کی فصیل جو محمد شاہ بادشاہ نے ۱۷۲۹ء میں بنوائی تھی وہ اور اس کا ایک دروازہ نہایت خوشنمائی سے دکھلائی دیتا ہے

گیارہ دری

اب یہی مقام گیارہ دری کے نام سے شہرت پا گیا ہے اس کا ایک دروازہ درگاہ کے صحن میں بھی نکلتا ہے۔ جو وہ باغ جس کا اوپر ذکر آیا ہے اس کا تو اب نشان بھی نہیں رہا۔ ایک عرصے سے اس مقبرے میں درگاہ کے لوگ مع اپنے اہل و عیال کے مستقلاً سکونت پذیر ہیں اور چوں کہ مسلمان اور پردہ دار ہیں کسی کا اندر جانا بھی مشکلات سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ عمارت نہایت شان دار اور پختہ بنی ہوئی ہے اور ساری امدادی ہے گنبد اور مقبرے کا طرز جا کر بارہ دری کے مشابہ ہے تینوں طرف تین تین در ہیں۔ پشت پر یعنی بجانب غربی صرف دو در ہیں اسی سبب سے گیارہ دری مشہور ہے۔ اور اس سے ملی ہوئی وہ مسجد ہے جس کا ذکر اوپر آیا۔

مزار سرنالہ

یہ گنبد اور مزار درگاہ روشن چراغ دہلی کے نیچے نالے کے اوپر واقع ہے ہر چند تحقیقات کی گئی کہ یہ کس کی قبر اور کب بنی ہے اور کس نے بنائی ہے کچھ معلوم نہ ہوا مگر یہ ہے بھی ایک فضا کا مقام ہے نالے کے سرے

[1] آثار الصنادید میں موضع بعد دلی تواریخ سکیت میں مرنا لکھا ہے واللہ اعلم بالصواب ۔ ۱۲



پر واقع ہے۔ جب کبھی نالے میں پانی بہتا ہوگا تو یہ جگہ بھی نہایت سیر گاہ ہوگی۔ یہ برج مع ستون اور فرش وغیرہ کے سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے اور اس پر بہت خاصی منبت کاری بھی کی ہے۔ ہیئت مجموعی اس مکان کی خالی از لطافت نہیں۔ اس برج کی وضع اور ساخت اور خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اوپر جس مسجد کا ہم ذکر کر آئے ہیں اُس کے غرب میں بستی کی فصیل کے باہر ایک بالکل ہی ہوئی عمارت ہے جسے سر سید مرحوم نے مزار سر نالہ لکھا ہے مگر اس کا طرز عمارت بتلا رہا ہے کہ یہ کوئی خانقاہ تھی۔ جس نالے کے اوپر ایک بلند ٹیلے پر ایک وسیع اور پختہ چبوترا بنا کر خانقاہ بنائی گئی تھی وہ نالہ کھڑکی بند کہلاتا ہے اور اسی پست پلہ ہے یہ نالہ **فیروز شاہ کی شکارگاہ** سے آتا ہے اور اب بھی بستی کی فصیل کے برابر رواں ہے۔ چبوترے کی بندش وہ گئی ہے مگر شکل باقی ہے۔ یہاں جو عمارت ہے اُس کے بھی بارہ در ہیں اور چھت لداؤ کی ہے۔ گو بارہ دری مختصر ہے۔ مگر بڑی ہی خوش نما اور سڈول ہے۔ وائے برحال! کہ کسی جاٹ نے سارے در بن گھڑے پتھروں سے چن کر اُپلے بھر دیئے ہیں جس کے سبب ہم اندر نہ جا سکے یہ بارہ دری ۱۷ فٹ مربع ہے۔ باہر سے ہی دل کو اپنی طرف کھینچے لیتی ہے اندر کی حالت خدا ہی جانے۔ چبوترے پر متعدد پرانی پرانی قبریں ہیں۔ شمال میں ایک لداؤ کی دالان تھا جس کی چھت کی دیوار اور کچھ حصہ پاکھے کی دیوار کا کھڑا ہے۔ چھت کا بھی تھوڑا حصہ باقی ہے۔ طرز عمارت پٹھانوں کے عہد سے مختلف اور زیادہ نزاکت لیئے ہوئے ہے۔ پلاستر بھی سیاہ نہیں ہوا بلکہ سفید ہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پٹھانوں کے بعد کی بنی ہوئی ہے۔

بھولا گنبد

حضرت روشن چراغ دہلی کی درگاہ کے شمال میں نالے کے اس پار ایک گنبد بارہ در کا سنگ سرخ کا چاروں طرف سے کھلا ہوا ہے یہ برج ۲۲ فٹ مربع ہے کرسی اس کی تین فیٹ ہے۔ گرد فصیل نما پختہ احاطہ ۱۰۰ فٹ × ۱۰۰ فٹ ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور احاطہ بیرونی بھی تھا جو گر گیا۔ اندرونی احاطے میں بجانب غرب ساٹھ فیٹ لمبی اور ۱۰ فٹ ۹ انچ اونچی کنگورے دار دیوار کھڑی ہے جو ایک ضلع اندرونی احاطے کے عرض کا ہے جو قناتی مسجد کی دیوار معلوم ہوتی ہے کہ اس کے پیچھے پشتی بان بھی لگے ہوئے ہیں اور طاق طاق بطور چھا نجیوں کے بنے ہوئے ہیں۔ گنبد کے اندر دو قبروں کی اوپر کی سلیں اکھڑی پڑی ہیں ایک سیدھی ہے دوسری اوندھی۔ ایک کے

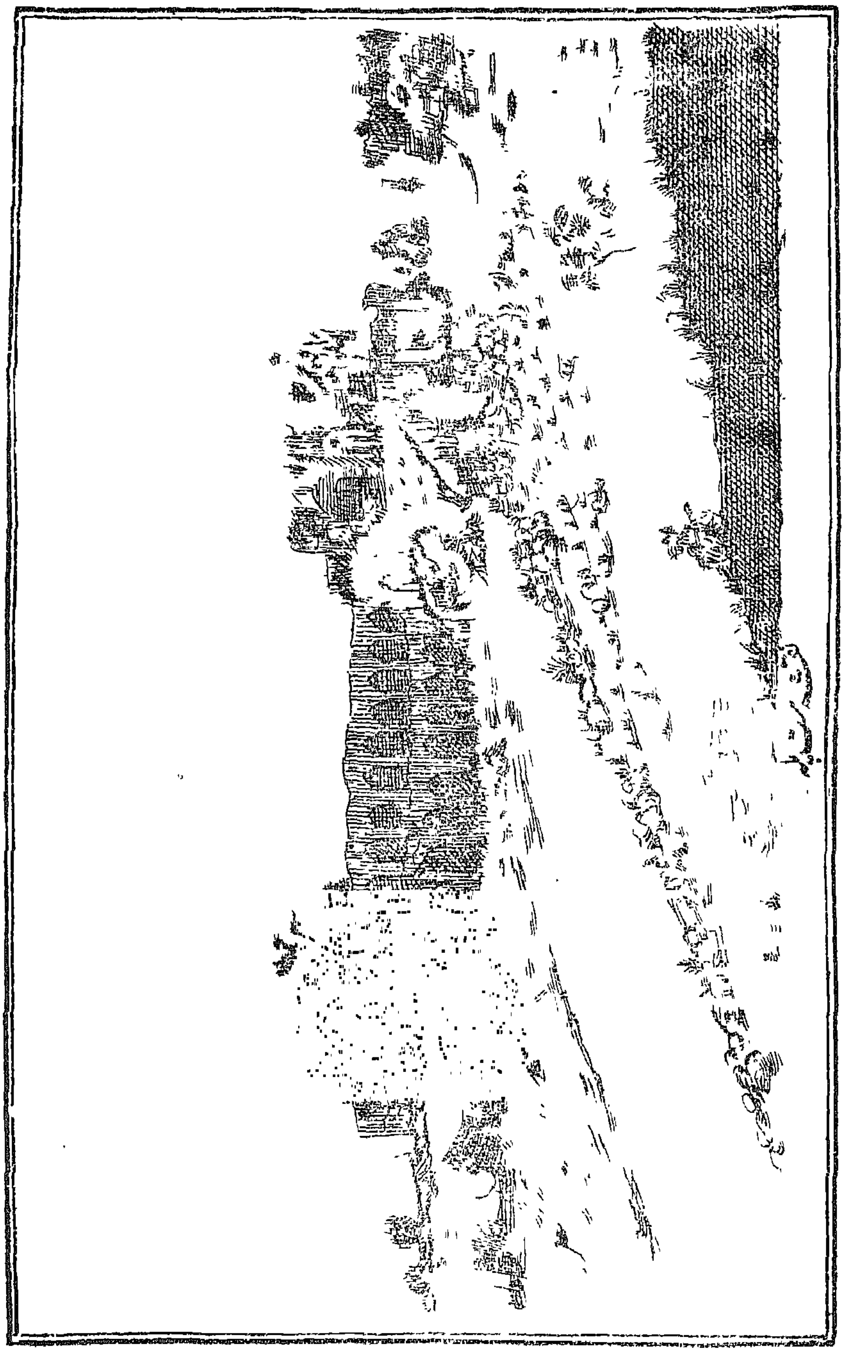
اوپر کی طرف اللہ اللہ اور اوپر ہی جدول کے طور پر آیۃ الکرسی منقوش ہے۔ دوسری اوندھی پڑی ہے اور بہت بھاری سل ہے اُٹھائے نہ اُٹھ سکی مگر ہے وہ اسی کے جوڑ کی اور اس پر بھی اسی قسم کا کتبہ معلوم دیتا ہے۔ قبر کی جگہ اب گڑھا ہے۔ خوب دل کھول کر کھرا کھود ہے۔ قبر کے ساتھ فرش بھی کھود ڈالا ہے کمپونڈ کا صحن پختہ تھا وہ بھی اُکھڑ بکھر گیا۔ کمپونڈ کا صدر دروازہ شرق رویہ ہے اس کمپونڈ میں متعدد قبور ہیں۔ اس گنبد کے دور دور تک کھنڈر پھیلے ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گنبد کے گرد اور عمارتیں تھیں جو گر پڑ گئیں۔ یہ گنبد بھوتلا گنبد اس وجہ سے مشہور ہے کہ اس ویرانے میں بس یہی ایک عمارت رہ گئی ہے۔ یہاں کا بھیانک سا ایسا ہے کہ بھوتلا گنبد کہنا کچھ بیجا نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مقبرہ **جلال الدین خلجی** کا ہے لیکن اس کی کوئی سند نہیں۔ خود جلال الدین خلجی کا مزار بے ٹھور ٹھکانے ہے کہ آج تک اس کا مقام متحقق نہیں ہوا۔ ایسے بڑے نامی گرامی اولوالعزم بادشاہ کا مزار یوں معرض گمنامی میں ہے تو وائے بر حال ما و شما۔ اسی گنبد کے پاس بجانب مغرب **قلعہ سیری** کا گھوگس ہے جس کی شکستہ فصیلوں اور برجوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے اور یہ سارے کا سارا خطہ تباہی اور ویرانی کا ایک وحشت خیز منظر ہے۔ جہاں یہ گنبد ہے وہاں سے شرق کی طرف کوئی ایک میل کے فصل سے دمروپور کی بستی ہے۔ اس گنبد کے شمال میں اور ایک شکستہ چار دیواری میں بھی پرانی پرانی قبریں ہیں

ست پلہ **۷۲۷ھ ۱۳۲۶ء**

شمردان کہ ماند بس از وے بجاے … پل و مسجد و چاہ و مہمان سرائے

ست پلہ موضع کھڑکی کی سرحد میں ہے۔ درگاہ روشن چراغ دہلی کے قریب یہ پل محمد عادل تغلق شاہ نے ۷۲۶ھ ۱۳۲۶ء میں بنایا۔ یہ درحقیقت ایک قسم کا

سلہ آثار الصنادید مطبوعہ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء میں تو ست پلے کو محمد تغلق شاہ ہی کا بنایا ہوا لکھا ہے مگر ایڈیشن ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۴ء میں اس کا بانی فیروز شاہ کو بتلایا ہے حالاں کہ انگریزی کتابوں میں بھی روایت اول ہی لی گئی ہے۔ اگر ست پلے کو فیروز شاہ کی تعمیر خیال کیا جائے تو اس کا قصہ یوں ہے کہ فیروز شاہ کا بیٹا فتح خاں جو بہت عقل مند اور نہایت لائق تھا ۷۷۶ھ ۱۳۷۴ء میں مر گیا۔ بادشاہ کو اس کے مرنے سے اتنا غم ہوا کہ اپنے جینے کو مرنے سے بدتر جانتا اور بادشاہی کو گدائی سے کمتر سمجھتا کسی کام میں اس کا دل نہ لگتا اور سلطنت کے انتظام میں خلل پڑتا۔ امیروں نے بہت سمجھایا اور اس غم کے بھلانے کو یہ بند بنا لیا۔ بہت اچھا وسیع اور کشادہ جنگل دیکھ کر کئی کوس کے فاصلے پر دیواریں کھنچیں اور اس میں طرح طرح کے درخت لگا کر شکار گاہ بنائی۔ آن ہیں کی (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)



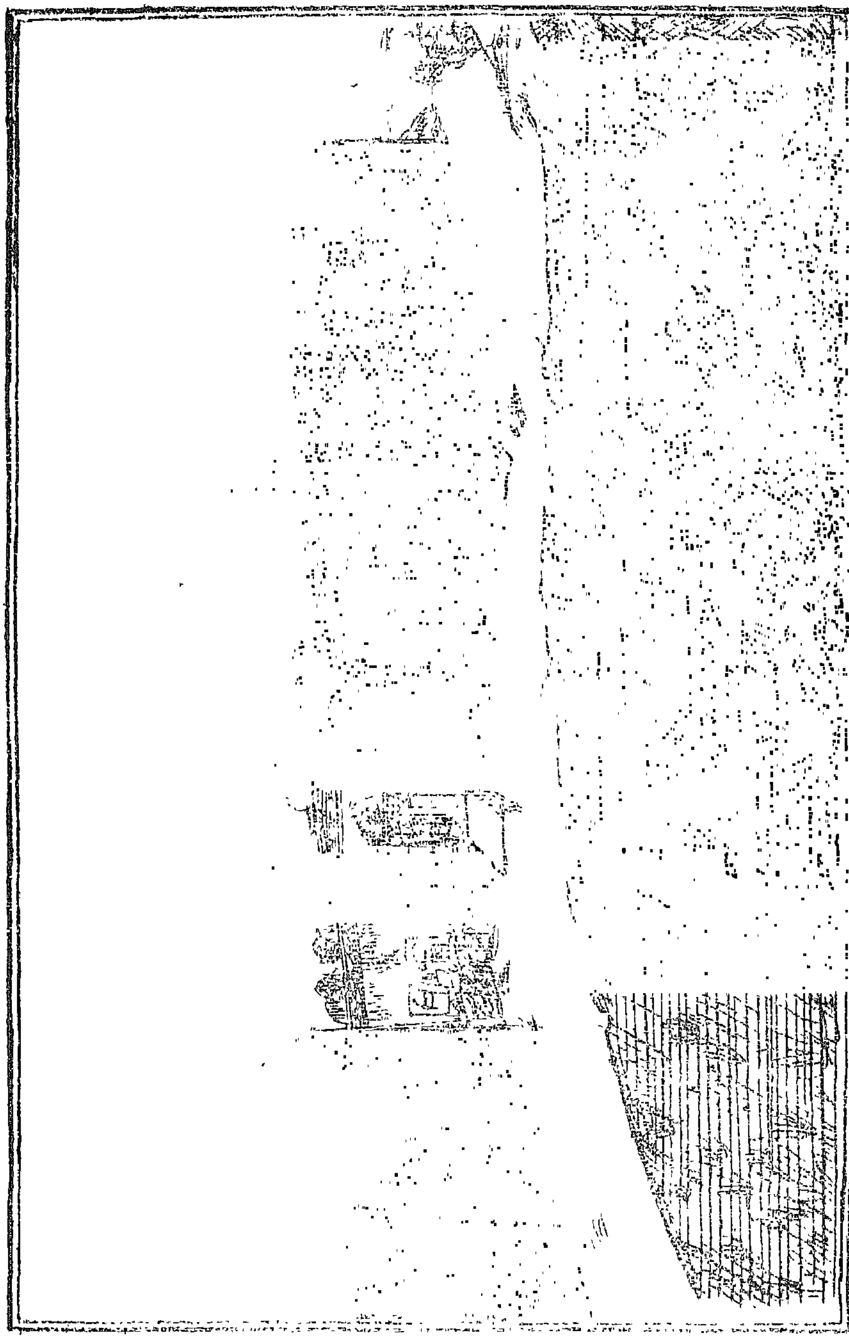
بند ہے جس سے دور دور کے پانی کو روک کر نالے کے بیچ میں یہ پُل سات در کا نہایت پختہ اور مضبوط ۲۸ فٹ اونچا باندھ دیا ہے اور اسی وجہ سے ست پلہ مشہور ہے۔ درمیانی تین در گیارہ گیارہ فیٹ اور باقی نو نو فیٹ عریض ہیں۔ پُل کی لمبان ۷۷ فٹ ہے اور دونوں سرے کے دروازے ملالیں جو ۸۹ فٹ چوڑے ہیں تو پل کی پوری لمبان ۲۵۵ فٹ ہوگی۔ پل کے اوپر بھی مکان بنے ہوئے ہیں اور دروازے بہت خوش نما بنائے ہیں۔ ان برج دار دروازوں کی وضع افاغنہ کے عہد کی سی ہے جو ۲۴ فٹ لمبے اور بیس فیٹ سے کچھ ذرا ہی زیادہ اونچے ہیں۔ ان برجوں میں ایک ایک ہشت پہلو کمرہ ہے اور ان کمروں کے بیچ میں ایک ایک طاق بھی بنا ہوا ہے۔ مشرقی محراب جس کے بیچ میں ایک دروازہ ہے سات فیٹ چوڑی اور جو دروازہ سوا فیٹ چوڑا ہے۔ اور اس میں بھی طاق بنے ہوئے ہیں۔ پُل کے دونوں دروازوں کے سامنے ایک ایک چبوترا ۷۵ فٹ مربع پل کی سطح کے برابر ہے مگر سطح زمین سے ۴ فٹ اونچا ہے دو دو دروں بیچ ایک ایک محراب بھی ہے جو چودہ فیٹ اونچی اور گیارہ فیٹ چوڑی ہے۔ پُل کے دونوں طرف سطح زمین کے برابر دونوں طرف کھلی محرابیں ہیں۔ جن میں اوپر چڑھنے کا زینہ ہے۔ بعض بعض جگہ سے دیوار گر پڑی تھی تو سرکار کی طرف سے کچا بند باندھ دیا گیا تھا اور دروں کو بند کرکے پانی روک دیا۔ تمام کھیتیاں اسی پانی سے سیراب ہوتی ہیں اور زمینداروں کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اس مقام پر حضرت روشن چراغ دہلی کے خادموں نے اپنی کمائی کا عجیب ڈھنگ نکالا ہے کہتے ہیں کہ جس جگہ اس بند کے در ہیں اس مقام پر ایک دفعہ حضرت روشن چراغ دہلی تشریف لائے تھے اور عصر کی نماز کا وقت تنگ ہوتا اور پانی نہیں ملتا تھا۔ آپ نے اس مقام پر زمین کو کریدا فوراً پانی نکل آیا جس سے آپ نے وضو کیا اور یہ دعا دی کہ جو کوئی اس پانی سے نہائے گا وہ تمام بیماریوں سے شفا پائے گا اور اس بات کو کرامات ٹھہرا کر ان دروں کے آگے ایک چھوٹی سی کوئیاں کہ جس کا پانی شرعاً بھی پاک نہیں کھود رکھی ہے اور بے نذر بھینٹ لیئے اس کا پانی کسی کو نہیں

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ایک دیوار ہے۔ اس دیوار کے بیچوں بیچ ایک بہت بڑا نالہ ہے کہ قطب صاحب کی امریوں اور تمام نالوں کا پانی مل کر اس نالے میں بہتا ہے۔ اس واسطے اس دیوار کے بیچ میں نالے کے بہنے کو پُل کے طور پر در بنا دیے ہیں۔ ۱۲

دیتے۔ یہ بات اوّل تو کسی روایت سے ثابت نہیں اور اگر ایسا ہوا بھی ہو تو شکم نالے میں ذرا سا کھودنے سے بالعموم پانی نکل آتا ہے۔ غرض مسلمانوں نے بھی اس جگہ کو ایک تیرتھ مقرر کیا ہے اور بیماروں کو اُس پانی سے نہلاتے ہیں۔ کاتک (اکتوبر) کے مہینے اور دیوالی کے قریب اتوار منگل کے دن اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ جس کا کچھ بیان نہیں۔ عورتیں بچوں کو لے کر آتیں اور یہیں پانی سے نہلاتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی ٹھلیوں میں پانی بھر اور سر کے پیچھے رکھ تبرک لے جاتی ہیں۔ اور لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہاں کے پانی سے آسیب جن۔ جادو اور بھوت پریت سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان دنوں میں خادموں کی بن آتی ہے چھ ٹکے سے کم پانی کی ٹھلیا نہیں دیتے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو شرک و کفر سے بچاوے اور اعتقاد فاسد سے نجات دے۔ جس کسی نے اللہ کے سوا دوسرے کو پوجا اُس نے اپنے ہاتھ سے اپنے دین کو کھویا۔

کھڑکی کی مسجد ۷۸۹ھ

ست پلے کے پاس قدیم زمانے میں ایک گاؤں ہے جو کھڑکی کہلاتا ہے اس مقام پر خان جہاں فیروز شاہی۔ جب کہ یہ پل بنوایا تھا ۷۸۹ھ میں ایک مسجد بنوائی تھی جو ایک عظیم الشان قابل دید عمارت ہے اور ایک مقام مرتفع پر سیاہ رنگ کے پتھر سے بنی ہوئی ہے جس پر گچ کا پلاستر ہے جو اب استداد زمانے سے بالکل کالا پڑ گیا ہے اس تبدیل ہیئت نے اس مسجد کی ظاہری حالت میں اور عظمت اور وقار پیدا کر دیا ہے یہ عمارت چوکھونٹی اور چاروں طرف مربع کے ضلعوں کے بیچ میں ایک ایک مربع بطور تاج کے نکلا ہے سہ منزلہ گاؤ دم اور ایک ایک برج چاروں تاج کے مربعوں پر ہے جو پچاس پچاس فیٹ بلند ہے اور مسجد میں نو جگہ ملے ہوئے نو برج بنائے ہیں اور ہر ہر برج کے تلے چار چار ستون ہیں اور اس کے سوا اور بھی بہت سے ستون جا بجا لگے ہوئے ہیں پہلی منزل ست نیچی ہے اور دوسری منزل کی چھت مسجد کے فرش کے متوازی ہے اور تیسری منزل اس چھت کے اوپر دار ہے مسجد کے تین بڑے بڑے عالی شان دروازے شمال جنوب و مشرق میں پٹھانوں کی عمارات کے طرز کے بنے ہوئے ہیں جو مسجد کی دیوار سے ۲۳ فیٹ کے فاصلے پر نو فیٹ اونچے ہیں شمالی دروازے میں چوبی کواڑ لگے ہوئے ہیں ہر دروازے



پر ایک لداؤ کا گنبد ہے جس کی چھت پر بھاری منڈیر ہے اور بیرونی کونوں پر آٹھ فٹ
اونچی مناریں ہیں۔ مسجد کی مشرقی مغربی اور جنوبی دیواروں میں کھڑکیاں ہیں جن میں سنگ
سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ دروازے کے دونوں طرف اس قسم کی چھ چھ کھڑکیاں
ہیں اور اسی قسم کی کھڑکیاں دروازے کے داہنی اور بائیں طرف کی دیواروں میں بھی
ہیں۔ مغربی دیوار کے وسط میں مسجد کی بڑی محراب ہے یہ جگہ شمال سے جنوب کو (۲۰)
فٹ اور مشرق سے مغرب کو (۱۹) فٹ ہے اور اس دیوار میں کوئی کھڑکی نہیں ہے۔ یہ مسجد
دو منزلہ ہے۔ حصہ اوّل (۱۵) فٹ بلند ہے جس میں پست اور گہرے حجرے ہیں اور دوسری
منزل (۲۲) فٹ بلند ہے جس میں (۸۹) چھوٹے چھوٹے گنبد سادی وضع کے نہایت
مستحکم بنے ہوئے ہیں۔ پہلی منزل کی دیوار کا آثار (۷) فٹ ہے اور بالائی منزل کی دیوار
کا آثار ۵ فٹ اور اس طرح جوں جوں بلندی ہوتی جاتی ہے آثار کم ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ اوپر پہنچ
کر دو ہی فٹ کا آثار رہ گیا ہے۔ یہ تمام عمارت سوائے شمال و مشرقی رخ کے اب تک
اچھی حالت میں ہے اس کونے کی چھت گر گئی ہے۔ یہ نقصان مسجد کی عمارت کے نقص
کی وجہ سے نہیں پہنچا بلکہ (۱۳۲) برس ہونے آئے کہ مسجد کے اس حصے میں گاؤں
والوں نے چارہ بھر رکھا تھا جسے کسی نے آگ لگا دی جس کی وجہ سے یہ حصہ
منہدم ہو گیا جب سے ویسا ہی پڑا ہے۔ یہ عمارت مال مسالے کے اعتبار سے بالکل
کالی مسجد کی وضع قطع کی ہے اور اس کا طرز بھی مصری ہی سا ہے۔ کالی مسجد برج ملا کر (۱۴۳ فٹ)
لمبی ہے اور یہ مسجد برجوں سمیت طول میں (۲۱۰ فٹ) ہے۔ کلاں مسجد کی شکل قائم الزوایا متوازی
الاضلاع ہے اور یہ مربع۔ کالی مسجد میں وسط عمارت میں ایک دالان ہے اور اس میں چار
دالان ہیں۔ اس مسجد میں داخل ہوتے ہی ایک بہت بڑا وسیع ہال نظر آتا ہے جس کی بہت
بڑی بھاری چھت علاوہ دیوار دوز ستونوں کے دوسرے ستونوں کی چودہ قطاروں پر
ٹکی ہوئی ہے تمام مسجد میں سینکڑوں ستون ہیں کہ گنتی میں نہیں آ سکتے مسجد کے صحن میں چار چار چوک تیس
تیس فٹ مربع ہیں۔ مسجد کی پہلی منزل میں (۱۰۴) محراب دار حجرے ہیں جو نو نو فٹ
مربع ہیں علاوہ اس کے نیچے بھی حجرے ہیں جو کُل ملا کر تعداد میں (۱۱۲) ہیں جن میں سے اکثر
کوڑے کرکٹ سے بھرے ہوئے ہیں اور بعض میں مٹی اَٹ گئی ہے۔ قریب (۱۴۲)
برس کے گذرے ہوں گے کہ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں جو انقلاب عظیم ہوا اُس

وقت موضع کھڑکی کے گوجروں نے اسی مسجد میں پناہ لی تھی اور مدتوں اسی میں رہے سہے اور اپنی بود و باش کے لیے جابجا در بند کرکے اپنے گھر بنا لیے۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ حکام مقامی نے اسے خالی کروا لیا۔ بہتر برس پہلے مسٹر اے۔ اے۔ رابرٹسن نے اس مسجد کو دیکھا تھا تو لکھا تھا کہ "اس مسجد میں اٹھارہ گھرانے بستے ہیں جن میں بیالیس مرد اور بیالیس عورتیں بتیس لڑکے اور بیس لڑکیاں جملہ (۱۳۴) نفوس کے علاوہ (۱۴۷) مویشی بھی بندھے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے صرف (۳۸) مسلمان تھے باقی سب ہندو تھے۔" افسوس کہ ہونے کو تو یہ اتنی بڑی مسجد مگر کتبہ کوئی بھی نہیں جس سے اس کی بنا کی صحیح تاریخ معلوم ہو سکے۔

درگاہ شیخ یوسف قتال ۹۰۳ھ / ۱۴۹۷ء

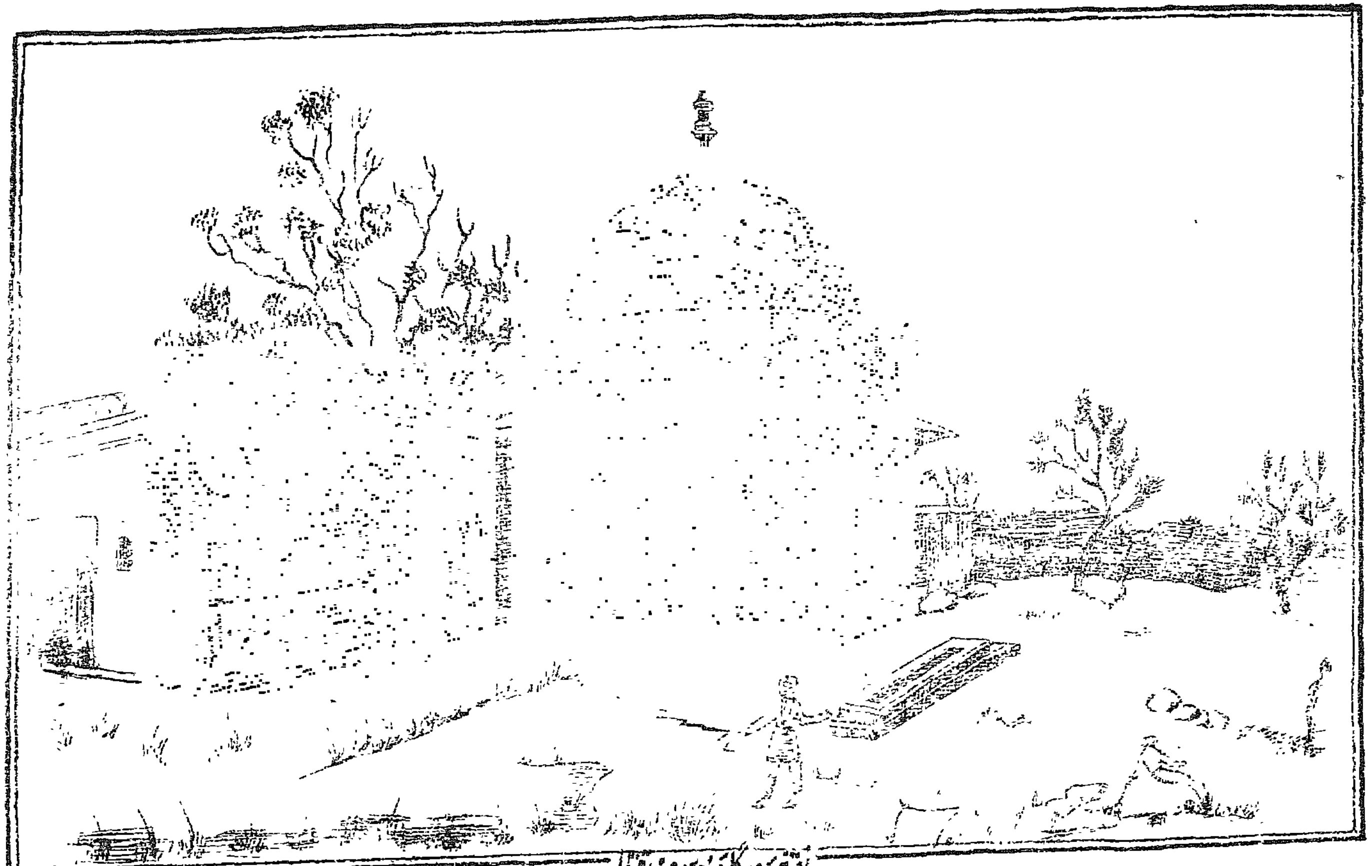
یہ درگاہ حضرت شیخ یوسف قتال کی کھڑکی کی مسجد کے پاس ہے جو مرید ہیں قاضی جلال الدین لاہوری کے ۹۰۳ھ / ۱۴۹۷ء میں سلطان سکندر شاہ ابن سلطان بہلول لودھی کے عہد میں بنی ہے اور حضرت شیخ علاء الدین شیخ فرید شکر گنج کے نواسے نے بنوائی ہے۔ برج اور گرد کی جالیاں سنگ سرخ کی ہیں اور گنبد چونے کا ہے اور حاشیہ گنبد پر چینی کا کام بنا ہوا ہے اور ایک طرف کو چونے پتھر کی مسجد ہے۔ جس زمانے میں کہ یہ گنبد اور مسجد بنی ہوگی پاکیزگی اور لطافت سے خالی نہ ہوگی لیکن اب پرانی ہو گئی ہے اور کوئی مرمت کرنے والا نہیں رہا۔ گنبد تو بہرحال اچھا ہے مگر مسجد بہت خراب خستہ ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ کھڑکی کے رہنے والے زمیندار اس درگاہ کو بہت مانتے ہیں اور "یوسف اولیا صاحب" کی درگاہ کہتے ہیں۔ درگاہ پر یہ کتبہ بخط عربی ہے:۔

بنای این عمارت گنبد در عہد سلطان الاعظم ابوالمظفر
سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بانی گنبد علاؤالدین
نور تاج بن شیخ قطب العالم شیخ فرید شکر گنج ماہ محرم سنہ ثلث تسعمائۃ ۹۰۳

حضرت یوسف قتال کا وصال ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء میں ہوا ہے اور درگاہ بنی ہے ۹۰۳ھ میں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے عین حیات درگاہ بن گئی تھی۔

لال گنبد یعنی مقبرہ کبیر الدین اولیا

یہ عمارت سر تا پا سنگ سرخ کی ہے جس میں جابجا سنگ مرمر بھی بطور آرائش



نقشۂ درگاہ یوسف قتال

کے رنگا گیا ہے۔ اس کی دیواریں بھی تغلق شاہ کے مقبرے کی طرح گاؤدم ہیں۔ یہ گنبد حضرت شیخ یوسف قتال کی درگاہ کے پاس شمال مغرب کی طرف ہے۔ آپ شیخ مغر کے صاحب زادے اور اپنے والد ماجد کی طرح بڑے صاحب کرامت تھے۔ یہ مقبرہ عموماً **لال گنبد** کے نام سے مشہور ہے۔ اسی کے پاس چند متفرق کھڑے ہوئے پتھر کے ستونوں کو یکجا کرکے کھڑا کر دیا ہے جن کے اوپر ایک پتھر ڈھنک دیا ہے یہاں ایک تحت الارض چھوٹی سی کوٹھری تین فیٹ چوڑی ہے جواب کوڑے کرکٹ سے اٹ گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ دن کو آپ اسی مختصر حجرے میں اور رات کو اوپر رہتے تھے۔ یہیں ایک پرانا کنواں بھی ہے جس پر سنہ ۷۴۱ھ کندہ ہے۔ اس گنبد کے شمال اور مشرق میں **سبری** کی فصیلوں کے کھنڈر اور درخت ہیں جو آڑ ہو جانے سے صاف نظر نہیں آتے موضع **شاہ پور جٹ** یہیں ہے۔ **روشن چراغ دہلی** کے احاطے کے باہر **جہاں پناہ کی** فصیل کا سلسلہ جابجا سے گرا پڑا اب تک موجود ہے۔ عوام میں یہ گنبد **بنجارے کے گنبد** کے نام سے مشہور ہے لوگ کہتے ہیں کہ کسی بنجارے نے اپنی خوش اعتقادی سے بنوا دیا تھا۔ اس گنبد کا چبوترا ۵ مربع اور ۴ بلند ہے۔ اصل مقبرہ ۵۵ مربع ہے جس کا قطر اندر سے ۲۹ ہے۔ اور سنگ خارا کی سلوں کا فرش ہے۔ دروازہ داخلی مشرق رویہ ہے دو طرف جالیاں ہیں مغرب میں بند۔ اندر چار چار کی دو قطاروں میں آٹھ قبریں چونے گچی کی بہت بڑی بڑی بنی ہوئی ہیں سوائے ایک قبر کے کہ اس پر قل ہو اللہ کندہ ہے۔ اور کسی پر کوئی کتبہ نہیں نہ گنبد پر کسی قسم کا کتبہ ہے۔

اس گنبد کے متعلق ایک روایت مشہور ہے کہ کلس اور کنگورا چرانے کو چور آئے تھے چنانچہ انہوں نے اوپر چڑھنے کو چوکا بیں گاڑی تھیں ان میں کی ایک دو اب بھی باقی ہیں جب چور اوپر چڑھ گئے تو اندھے ہو کر گرے چنانچہ ان کے خون کے دھبے مشرق کی جانب جدھر کا سب گرا ہوا ہے اب بھی توڑوں اور دیوار میں غور کرنے سے معلوم دیتے ہیں۔ واللہ اعلم اصل معاملہ کیا تھا۔

معروف کا مقبرہ لال گنبد کے پاس ہی بجانب مشرق یہ بہت پرانا گنبد ۲۹ فٹ مربع ہے۔ اندر آسیب بھر کے چاروں طرف کے در چن دیئے ہیں لہٰذا ہم کسی مزید کیفیت کے لکھنے سے مجبور ہیں یعنی لوگ اسے عبد الصمد کا مقبرہ

بتلاتے ہیں۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ صحیح حال کچھ کھلتا نہیں۔ بہر حال کسی صاحب کا بھی ہو جو صاحب اس میں آسودہ ہیں تھے وہ حضرت کبیرالدین اولیا ہی کے ساتھیوں میں کے۔

دو محاط ہاڑوار یں اسی جگہ دو احاطے گھرے ہوئے ہیں۔ یہ احاطے بہت مضبوط اور مستحکم فصیل نما بنے ہوئے ہیں۔ وضع قطع مسجد کی ہے اندر جا کر دیکھو تو مسجد کی طرح کی ایک دیوار کھینچ کر ایک بلند چبوترا بنا کر اس پر صرف قبریں بنا دی ہیں۔

(۱) اس احاطے کا ایک چھوٹا سا معمولی دروازہ غرب رویہ ہے۔ یہ احاطہ ۲۰ فٹ مربع اور اچھی حالت پر قایم ہے۔ مغرب کی طرف مسجد نما ایک دیوار کھینچ کر اس میں تین دیوار دو محرابیں بنادی ہیں جس کے سامنے ۲۹ مربع اور چار فیٹ بلند چبوترے پر تین پختہ قبریں بنی ہوئی ہیں۔ چھت پہلے ہی سے نہ تھی۔ ایسا ہی ایک اور چبوترا ۳۳ مربع فٹ اونچا ہے جس پر نو پختہ قبریں بنی ہوئی ہیں جن میں سے صرف دو اچھی حالت میں ہیں باقی ٹوٹی پھوٹی ہیں۔ اس احاطے کی دیوار پر کنگورا نہیں ہے سادی ہے۔

(۲) یہ احاطہ پہلے احاطے سے بہت بڑا ہے اور احاطہ کی دیوار بھی کنگورے دار ہے جس کے چاروں کونوں پر برج تھے۔ تین طرف کی دیواریں اور برج گر گئے صرف مغرب کی طرف کی دیوار اور ایک برج باقی ہے۔ گو اب اس میں زراعت ہوتی ہے تب بھی قدیم احاطے کا نشان باقی ہے ۲۲ فٹ مربع تھا اس احاطے میں اسی طرح کا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں ایک پختہ چبوترا ۱۵ فٹ مربع اور سات فیٹ اونچا ہے جس پر دو شکستہ اور ایک سالم قبر ہے۔

یہ دونوں مجھے اس زمانے کے امرا کی ہڑواڑیں معلوم دیتی ہیں۔ اب بھی بڑے بڑے لوگ اپنی ہڑواڑوں کی جگہ محصور کر لیتے ہیں جیسے کہ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت سید حسن رسول نما میں موجود ہیں۔

دو برجی مسجد موضع شیخ سرائے کی حدود میں یہ ایک بہت پرانی مسجد ہے جو کالو سرائے اور بیگم پور کی مسجد کی وضع قطع کی ہے۔ جو اسی نواح میں فیروز شاہ کے عہد میں ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء کی بنی ہوئی ہے۔ قوی قرینہ اس کا ہے یہ مسجد بھی اسی زمانے کی تعمیر ہوگی۔ یہ مسجد دہرے دالانوں کی تھی۔ ہر دالان پر پانچ پانچ گنبد تھے

عمارتیں بھی تھیں جو سب کی سب گر گئیں۔ اس گنبد اور دو برجوں میں حضرت فرید شکر گنج اور شیخ صلاح الدین کے خاندان کے لوگوں کی قبریں ہیں۔ سرسید مرحوم اس درگاہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "حضرت صلاح الدین بڑے فقیروں میں سے تھے اور روشن چراغ دہلی کے پاس آپ کی درگاہ ہے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ درگاہ کب بنی اور کس نے بنائی (کیوں کہ کوئی کتبہ نہیں ہے) مگر اس کی عمارت کی طرح اور ساخت فیروز شاہ کے عہد کی عمارت سے بہت ملتی ہے اور بے تامل کہا جا سکتا ہے کہ یہ فیروز شاہ کے وقت کی عمارت ہے۔ حضرت شیخ صلاح الدین کے مزار پر ایک گنبد ہے اور اس کے چاروں طرف جالیاں لگی ہوئی ہیں اور اس کے پاس ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور اس مسجد کے پاس ایک اور بڑی مسجد گنبد دار ہے کہ وہ اکثر جگہ سے گر پڑی ہے۔ اور بیشتر طاق بھی ٹوٹ گیا ہے مگر بعض بعض در باقی ہیں اور حضرت شیخ صلاح الدین کے گنبد کے قریب شرق کی طرف ایک برج اور ہے اس میں بھی ایک قبر ہے مگر نہیں معلوم کہ وہ کس کی قبر ہے اور اسی کے پاس ایک مختصر دالان بنا ہوا ہے کہ اس کو مجلس خانہ کہنا چاہیے۔ اس درگاہ پر کوئی میلہ یا عرس نہیں ہوتا"۔ ۲۸ صفر کو آپ کا عرس ہوا کرتا تھا وہ بھی ایک عرصے سے موقوف ہے۔

میں نے کیا دیکھا

اب تو جنگل میں کھیتوں کے بیچ میں آپ کی درگاہ ہے اطراف میں کھیت ہی کھیت اور گری پڑی عمارتوں کے مہیب ڈھیروں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا چنانچہ یہ میدان عرف میں "شیخ جی کا جنگل" کہلاتا ہے۔ درگاہ کے گرد ایک وسیع پختہ احاطہ تھا جو جا بجا سے گر گیا۔ درگاہ کا کوئی چبوترا ۳۳ مربع اور ۴ فٹ اونچا ہوگا۔ اب دراصل کوئی چبوترا باقی نہیں ہے۔ گنبد کا چبوترا ہے جو ۲۴ مربع اور دو فٹ اونچا ہے۔ درگاہ کے سامنے زیادہ تر قبریں ہیں وہ بہت پرانے طرز کی سنگ خارا کے لمبے اور بھدے تعویذوں کی ہیں جو بالکل سادہ طور پر چورس کر لیے گئے ہیں ان میں کوئی نزاکت یا صنعت نہیں ہے۔ درگاہ سے جنوب کی طرف دو پختہ برج ہیں ان میں بھی قبریں ہیں۔ ایک بڑی سنگین مسجد کا بھی باقی ماندہ حصہ کچھ در اور گنبد باقی ہیں اور دور تک کھنڈر ہی کھنڈر چلے گئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ درگاہ کے اطراف دور دور تک عمارتوں کا سلسلہ تھا۔ مسجد ۴۳ x ۳۳ ہے۔ مسجد کے تین گنبد باقی ہیں

اوپر چڑھنے کا زینہ بھی تھا جو اب بہت مخدوش حالت میں ہے مسجد کے تین در ہیں یہ مسجد دالان در دالان تھی آگے کا دالان مع گنبدوں کے گر گیا پچھلا حصہ جوں کا توں کھڑا ہے۔ مسجد کے متصل ایک عمارت تھی اُس کا طرز پکار رہا ہے کہ وہ مدرسہ رہا ہوگا جس میں تین تین دروں کے دوہرے دالان تھے چھت گنبد دار لداؤ کی تھی جس میں صرف ایک در گرا ہے اور پانچ در باقی ہیں۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔

درگاہ حضرت شیخ علاؤالدین
۹۱۳ھ

شیخ سرائے کی بستی سے بالکل لگی ہوئی آپ کی درگاہ ہے جس کا ایک بہت بڑا وسیع اور پختہ فصیل نما احاطہ ہے جس میں متعدد قبریں ہیں اس احاطہ کے اندر آپ کی درگاہ کا نہایت عالی شان اور خوش نما گنبد ہے اور علاوہ درگاہ کے اور کئی عمارتیں بھی اسی احاطے کے اندر ہیں۔ آپ کا گنبد ۲۹ فٹ مربع ہے۔ گنبد کا داخلی دروازہ مغرب رویہ ہے۔ اندر دو دو قبروں کی تین قطاریں ہیں قبریں چونے گچی کی ہیں اور گرد بارہ جالیاں لگی ہوئی ہیں جس قبر پر پست کٹہرا چونے گچی کا ہے وہ آپ کا مزار ہے باقی پانچ قبریں آپ کے اعزہ و اقربا کی ہوں گی سہ دروازہ پر بسم اللہ اور کلمہ طیبہ کا طغریٰ ہے۔ گنبد کی چھت پر سب سے اوپر آیۃ الکرسی ہے یہ پہلا بند ہے دوسرے ٹکے میں بسم اللہ کے بعد ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ تا آخر سورۂ حشر رکوع (۶) پارہ ۲۸۔ اور اسمائے حسنیٰ ہیں تیسرے ٹکے میں حضرت رسول اللہ صلعم کے اسمائے مبارک ہیں اور سر ہر جالی کے دو طرفہ نہایت نفیس طغرے ہیں۔ صدر دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ بخط نسخ ہے:۔

بنا ایں عمارت گنبد در عہد سلطان الاعظم ابو المظفر سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ بانی گنبد شیخ علاؤ الدین نور تاج شیخ بنسہ قطب العالم الشیخ فرید شکر گنج ماہ محرم سنۃ ثلث عشر و تسعمائۃ (۹۱۳ھ)

آپ حضرت شیخ فرید شکر گنج کے نواسے تھے۔ علاؤ الدین اجودھنی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ نور الدین اجودھنی۔ تاریخ ولادت ۸۱۲ھ وفات ۹۴۸ھ صحن میں معمولی سنگ خارا کے چوکوں کا فرش ہے۔ صدر دروازے کی جالی کے ایک طرف یا علیا مظہر العجائب والغرائب اور دوسری طرف تجدہ عونا لک

فی النوائب کے طغرے ہیں - جنوب کی طرف لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کے طغرے ہیں اور مغرب میں فاللہ خیرٌ حافظاً وھو ارحم الراحمین ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین (پارہ (۸) سورہ اعراف) ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ تا آخر سورۂ بقرہ - شمال میں - اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ - یا اللہ الحمد فی کل حال - پھر کلمہ - مشرق میں یا دائماً بلا فناء ..... ولا زوال - لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین - با الٰہ الآلھۃ الرفیع جلالہ ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیداً لاولنا وآخرنا وانت خیر الرازقین - پارہ (۷) رکوع (۵) سورۂ مائدہ - وغیرہ چاروں طرف طغرے ہی طغرے ہیں -

چوکھنڈی ۲۲ مربع - آٹھ جالیاں تین دروازے چوتھا مغرب کی طرف کا بند - اندر تین قبریں پختہ -

ہشت درہ برج کھلا ہوا اس میں دو قبریں پختہ ہیں -

مدرسہ ۹ الم درگاہ کے شمال میں مسجد کے شکل کی تین در کی ایک وسیع عمارت ۱۱×۳۰ ہے اس کے بیچ کے در کی پیشانی پر یہ کتبہ بہ خط نسخ ہے :-

بنی ھذا المدرسۃ باسم قطب العالم شیخ فرید شکر گنج فی زمان السلطان الاعظم نصیر الدین محمد ہمایون بادشاہ سلطان غازی وکان بانیہ نورباج شیخ سنۃ احدیٰ واربعین وتسعمائۃ

اس مدرسے کی اصلی عمارت تین ہی دروں کی تھی بعد میں دو دو در اور داہنی طرف بڑھا دیئے گئے صحن مدرسہ جو عقب درگاہ ہے اس میں ابھی سنگ رخام کی سلیں بچھی ہوئی ہیں -

سہ دری مدرسے کے داہنی طرف تین در کا ایک دالان ہے جس کے آگے کا برآمدہ گر گیا - یہ سہ دری بھی غالباً مدرسہ ہی کے متعلق تھی یا کوئی جداگانہ قطع رہا ہو تو بھی عجیب نہیں -

ایک پرانی مسجد درگاہ سے تھوڑی دور بجانب غرب ایک شکستہ مسجد ہے جس کا چبوترہ ۳۳ فٹ ۷ × ۴۹ اور سمتی اونچا ہے - اس کی صرف دو محرابیں کھڑی ہیں - یہ بھی موقع شیخ سرائے کی حدود میں ہے -

بارہ کھمبا

ایک نہایت خوش نما سنگ سرخ کا ہشت پہل بارہ دروازہ کا گنبد ہے جو ۳۰ فٹ مربع ہے۔ اطراف وسیع اور پختہ احاطہ ہے۔ اندر ایک قبر بھی ہے بارہ کھمبا کہلاتا ہے شیخ سرائے کے ایک معمر شخص نے اس کو شیخ فرخ کا گنبد بتلایا جو شیخ علاؤ الدین و شیخ صلاح الدین کے خاندان کے کوئی بزرگ تھے زیادہ حال کچھ معلوم نہیں۔ اس گنبد کے اطراف کھیت ہی کھیت ہیں۔ جو لوگ کھیتوں میں تھے وہ شیخ منجھے والا پیر کا گنبد کہتے ہیں۔ اصل میں کسی بزرگ کا مدفن ہے پردہ خفا میں ہے۔ کوئی کتبہ نہ گنبد پر ہے نہ قبر پر پھیر پتہ چلے تو کیسے چلے۔

اکیس دری۔ کالا گنبد اور حمام

موضع شاہ پور جٹ کی حدود میں کھیتوں کے درمیان یہ تینوں عمارتیں پاس پاس ہیں۔

(۱) بارہ دری کی عالی شان اور بہت پختہ لداؤ کی عمارت پٹھانوں کے زمانے کی معلوم دیتی ہے جس کا طول و عرض ۶۰ فٹ × ۳۰ فٹ ہے اندر تو گنبد ہی گنبد ہیں مگر اوپر چھت سپاٹ ہے۔ ستون سنگ رخام کے ہیں۔ فرش اب باقی نہیں رہا کچی زمین ہے۔ یہ عمارت تہرے دالانوں کی ہے۔ سات در لمبان میں ہیں اور تین چوڑان میں اس طرح ۷ × ۳ = ۲۱ در کی عمارت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اکیس دری مشہور ہے۔

(۲) اسی کے پاس ایک پختہ وسیع اور فصیل نما شکستہ احاطے کے اندر ایک مرتفع گنبد ہے جو ۲۹ فٹ مربع ہے گنبد کے چار دروازے چار طرف ہیں۔ کسی جاٹ کے قبضے میں ہے اس لئے اندر بھس بھر کر چاروں در چن دیئے ہیں۔ جب اندر کسی کا دخل نہ ہو تو حال کیا معلوم ہو کہ کوئی قبر بھی ہے یا نہیں۔ کالا گنبد اس وجہ سے مشہور ہے کہ امتداد زمانے سے دہلی کی کالی مسجد کی طرح باہر سے کالا ہی کالا نظر آتا ہے۔

(۳) اس گنبد کے پاس ہی ایک پرانی لداؤ کی عمارت ہے جو حمام کے نام سے مشہور ہے یہ عمارت سہ گجی اور نو گنبدوں کی ۲۷ فٹ مربع ہے۔ عمارت کہیں سے گری پڑی نہیں جوں کی توں کھڑی ہے۔ فرش خام ہے۔ اندر جانور باندھ باندھ کر ایسا غلیظ کر دیا ہے کہ پاؤں دھرنا بھی مشکل ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس موقع پر حمام کیسا؟ قیاس چاہتا ہے کہ اس کے گرد جو اب کھیت دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں کوئی محل رہا ہوگا۔ جس کے متعلق یہ حمام تھا اور بارہ دری بھی اسی محل کا ایک جزو ہوگی۔

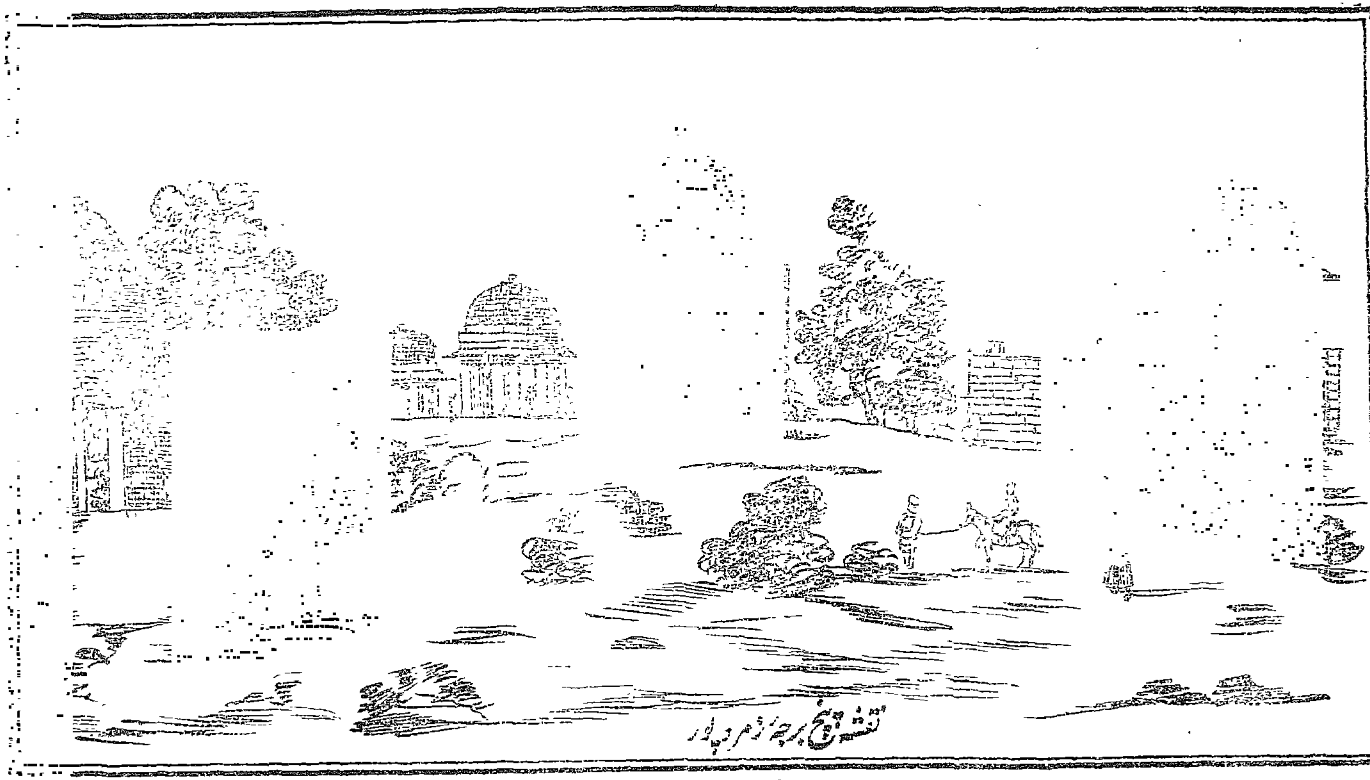
لنگر خاں کا مقبرہ
۹۰۰ھ
۱۴۹۴ء

یہ مقبرہ موضع زہرد پور اور رائے پور کے سوانے میں واقع ہے اور یہ دونوں سوانے ملے ہوئے ہیں۔ رائے پور بالکل اجاڑ ہے آس پاس کے گاؤں کے زمیندار اس گاؤں کی زمین کی کاشت کرتے ہیں اس مقبرے کو لنگر خاں نامی سکندر لودھی کے عہد کے ایک بڑے امیر نے ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ء میں تعمیر کرایا تھا۔ اس مقبرے میں سوائے اس کے کہ بڑی بھاری۔ نہایت مستحکم اور عالی شان عمارت ہے اور کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ یہ گنبد آٹھ فٹ اونچے اور ستر فٹ مربع چبوترے کے مغرب جانب بنا ہوا ہے۔ گنبد (۴۳ فٹ) مربع اور (۴۶ فٹ) بلند ہے جس کے چار دیواروں پر چار برجی دار حجرے (۱۸ فٹ) مربع اور (۲۰ فٹ) اونچے تھے۔ شمال و مغرب کے کونے کا حجرہ تو گر گیا جس کا نشان اب بھی معلوم دیتا ہے اور شمال مشرق کی طرف کے حجرے کی برجی گر گئی۔ ان حجروں میں قبریں تھیں۔ چنانچہ شمال و مشرق کے حجرے میں اب بھی ایک قبر موجود ہے۔ جس گنبد میں لنگر خاں کی قبر ہے وہ سطح زمین سے چھت تک (۳۳ فٹ) بلند ہے اور چھت سے گنبد کی چوٹی تک اور (۲۳ فٹ) کی بلندی ہے اس میں تین طرف تین دروازے ہیں۔ مغربی دیوار میں تین دیوار دوز محرابیں بشکل ایک مسجد کے ہیں۔ اس حجرے میں تین قبریں ہیں جن میں سب سے بڑی مغربی دیوار سے ملی ہوئی لنگر خاں کی قبر ہے جو چولنے گئی کی ۱۳ فٹ لمبی۔ (۹ فٹ) چوڑی اور (۳ فٹ) اونچی ہے۔ مسجد کے وسط میں ایک کھلا ہوا سقف مقام (۲۳ فٹ) مربع ہے جس کے بارہ ستون ہیں اور اس پر ایک برجی بھی ہے۔ صحن سے چھت تک اس کا ارتفاع (۱۶ فٹ) ہے اور چھت سے گنبد کی چوٹی تک اور (۱۶ فٹ) کی اونچان ہے۔ گنبد اور اس کی ملحقہ عمارت سب پختہ چونے گچی کی ہیں جن کی دیوار کے باہر دار استرکاری ہے۔ بلحاظ صناعی کے لودیوں کے زمانے کی عمارات کا یہ کوئی بہت عمدہ نمونہ نہیں ہے۔

پنج برجہ زہرد پور
۸۹۴ھ
۱۴۸۸ء

موضع زہرد پور جو شہر دہلی کے جنوب میں چھ میل کے فاصلے پر ہے یہ گاؤں پٹھانوں کے وقت سے آباد ہے اگلے زمانے میں اس گاؤں کو کچھن سرائے کہا کرتے تھے پھر یہ گاؤں نذر خاں نامی کو جاگیر میں ملا جب سے زہرد پور نام ہو گیا۔ اس




نقشه پنج برجه نزد جیپور

مقام پہ پانچ برج چونے اور پتھر کے پختہ بنے ہوئے ہیں اور اُن میں بہت سی قبریں ہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ زمرد خاں کون تھا اور یہ برج کس کے عہد میں بنے ہیں مگر ساخت عمارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ برج پٹھانوں کے عہد کے بنے ہوئے ہیں ان برجوں میں سے کسی پر کتبہ نہیں ہے کہ جس سے تاریخ بنا اور بنانے والے کا نام معلوم ہوسکے اس واسطے بجز اس کے نہیں کہا جاسکتا کہ پٹھانوں کے وقت کی یہ عمارت ہے اور جتنی مدت پٹھانوں کی سلطنت کو ہوئی اتنی ہی مدت ان برجوں کے بننے کو بھی ہوئی۔ یہ زمرد خاں کی بڑی واڑ بھی ہے اور اس خاندان کے پانچ نامی آدمی مشاہیر یہاں مدفون ہیں اور اسی وجہ سے پانچ برج کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقابر سارے کے سارے لودیوں کے بنوائے ہوئے ہیں اور سر سید کی تحریر قرین قیاس ہے کہ سکندر لودی کے زمانہ سلطنت میں ۸۹۴ھ (۱۴۸۸ء) میں بنائے گئے ہیں۔ انھیں برجوں کے پاس اسی عہد کا ایک بہت بڑا کنواں ہے مگر اس میں پانی کی چلو ہوگا گھنگی کے سبب سے یہ کنواں اندر سے بالکل بودہ اور بوسیدہ ہوگیا ہے کہ مرمت کے قابل بھی نہیں رہا۔ انھیں برجوں کے نیچے موضع زمرد پور آباد ہے اور زمینداروں نے چھپڑیاں ڈال رکھی ہیں۔

پہلا برج داخل ہوتے ہی ملتا ہے جو چالیس فٹ مربع احاطے میں ہے جس کی دیواریں گیارہ فٹ بلند ہیں۔ سامنے کے رخ پر ٹوٹی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کے ایک پھاٹک میں سے گزر کر احاطے میں پہنچتے ہیں۔ پھاٹک ۱۵ فٹ بلند اور ۱۳ فٹ عریض ہے جس میں خالص دروازہ چار فٹ چوڑا ہے۔ احاطے کی پچھلی دیوار گر کر زمین کے برابر ہوگئی ہے۔ مقبرہ ایک کھلا ہوا مربع مقام ہے جو دو فٹ بلند چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ گنبد بارہ پتھر کے ستونوں پر ٹھہرا ہے۔ سطح زمین سے گنبد کی بلندی ۱۵ فٹ ہے۔ چھت کے اطراف کنگورہ اور ایک پتھر کی چوڑی کنگنی ہے۔ گنبد پتھر اور چونے کا بنا ہوا ہے۔ گنبد کے اندر کی قبریں سب ٹوٹ پھوٹ کر نیست و نابود ہوگئی ہیں۔ احاطے کے کونے پر جو چاروں برجیاں تھیں وہ بھی گر گرا گئیں۔

دوسرا برج یہ گنبد شش پہلو (۵ فٹ) مربع اور سطح زمین سے (۹ فٹ) بلند ایک احاطے کے اندر ہے۔ یہ گنبد دو فیٹ کرسی کے چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ گنبد کا قطر ۱۵ فٹ ہے۔ گنبد کے چھ ستون ہیں۔ کل بلندی گنبد کی ۲۳ فٹ ہے۔ اس گنبد پہ

بھی کوئی قبر باقی نہیں رہی۔

تیسرا برج یہ بھی ۱۹ فٹ مربع ہے جس کا گنبد بارہ سنگین ستونوں پر استادہ ہے۔ سطح زمین سے تا بسقف ۱۳ فٹ اور گنبد کی بلندی تک ۲۴ فٹ کی اونچان ہے۔ پتھر اور گچ کا بنا ہوا ہے۔ بیچ میں ایک قبر سنگ سرخ کی ۴ فٹ لمبی ۲ فٹ چوڑی اور چھ انچ اونچی ہے۔

چوتھا برج ان برجوں میں یہ برج سب سے زیادہ شاندار اور پر رونق ہے ۲۸ فٹ مربع ہے۔ مگر چبوترا نہیں ہے۔ گنبد کے اطراف کنگورا ہے۔ چھت تک ۲۴ فٹ کی بلندی ہے اور چھت سے لے کر گنبد کی چوٹی تک ۳۸ فٹ اور ہے۔ یہ بھی چونے پتھر کا ہے۔ گنبد کے تین دروازے اور بیس ستون پتھر کے ہیں۔ اس میں چھ قبریں ہیں جو نہیں معلوم ہوتا کہ کس کی ہیں۔ جنوب مغرب کی طرف سیڑھیاں بھی ہیں جن سے اوپر چڑھ سکتے ہیں۔

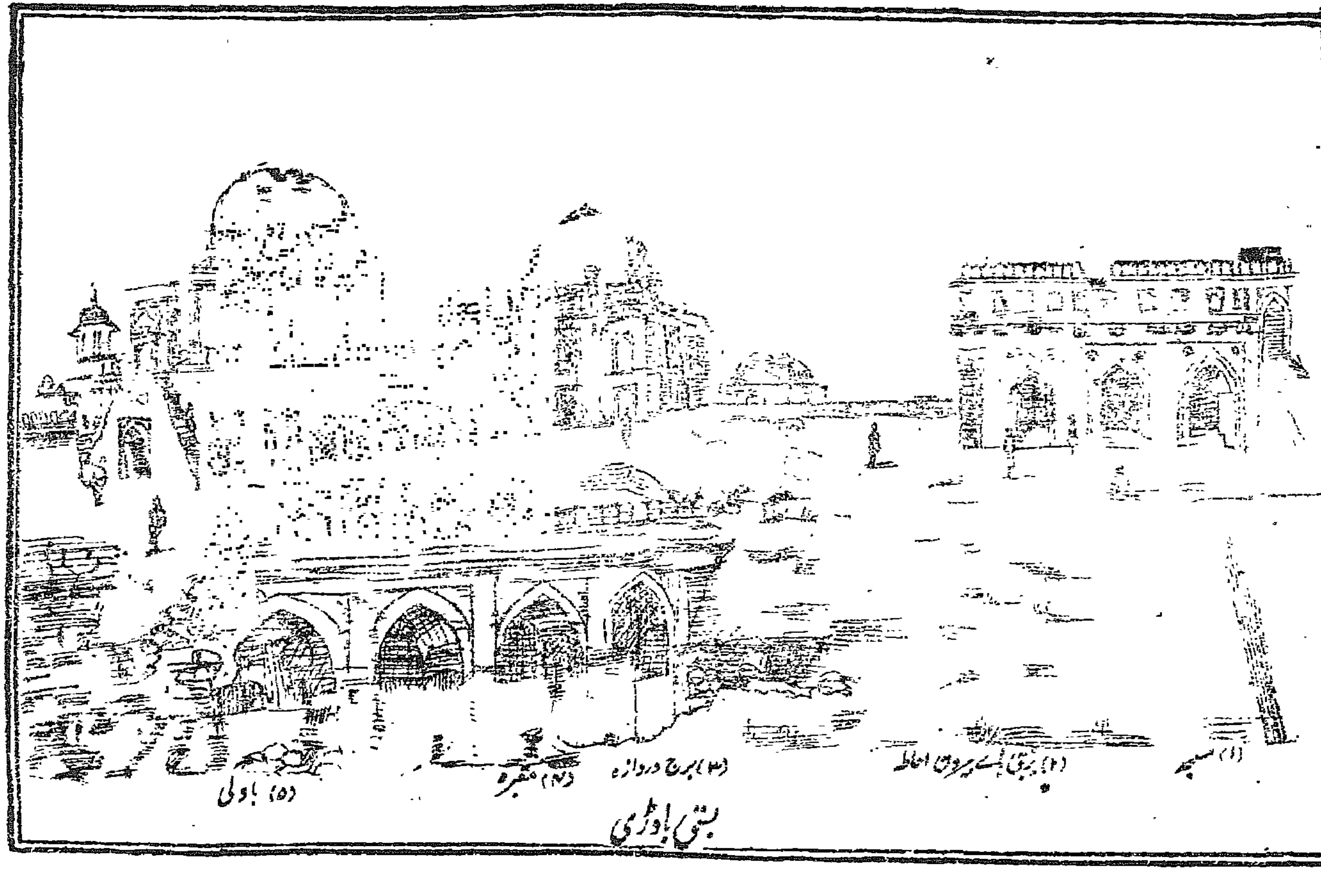
پانچواں برج یہ ایک محاط عمارت ہے جو بلحاظ تعمیر سب میں عمدہ اور حالت موجودہ کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہے۔ گنبد ۱۸ فٹ مربع ہے اور سات فیٹ کے کرسی دار چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ سطح زمین سے چھت تک ۱۳ فٹ اور گنبد کی چوٹی تک ۳۰ فٹ کا ارتفاع اور مستزاد ہے۔ گنبد پتھر اور سیچ کا ہے۔ باقی عمارت بھربھرے پتھر کی ہے۔ شمال اور جنوب اور مشرق میں تین دروازے ہیں۔ چھت چوبیس سنگین ستونوں پر ٹکی ہوئی ہے۔ اس گنبد میں تین سادی قبریں ہیں جن پر نہ نقش و نگار ہے نہ کوئی کتبہ۔

بستی خاں[۱] کی باؤلی مسجد دروازہ اور مقبرہ سنہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء

بستی خاں خواجہ سرا سکندر لودھی کے زمانے میں ایک ذی شان اور باوقعت امیر تھا جس نے موضع نظام پور کی حدود میں بہت سی اراضی محاط کر کے ایک بہت بڑا گنبد دار مسجد کا دروازہ، مسجد، نہایت کشادہ باؤلی اور اپنا مقبرہ سنہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء میں بنوایا۔ اگلے زمانے میں باؤلی کو باؤڑی یا بائیں کہتے تھے پھر باؤلی کہنے لگے۔

---

[۱] حضرت نظام الدین کی درگاہ سے جو عام رستہ روشن چراغ دہلی کو جاتا ہے اسی پر ارادت مند خاں کا کٹرہ ہے اس کے پیچھے وا ریل کی سڑک اور تین در کا آہنی پل ہے سڑک کے پار پگ ڈنڈی کا رستہ ہے (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)



بستی باوڑی

باؤلی

یہ باؤلی بہت بڑی اور بہت گہری ۱۱۲×۱۳۱ فٹ ہے مگر اب بالکل ڈھ گئی اور خشک ہو گئی ہے۔ اگلے زمانے میں باؤلی کو باوڑی یا بائیں کہا کرتے تھے۔ اس باؤلی ہی کے سبب سے اور اس کے بانی بستی خاں کے نام سے یہاں جو بستی تھی بستی باوڑی مشہور تھی۔ اب نہ کوئی گاؤں ہے نہ بستی اب تو جہاں تک نظر دوڑاؤ کھیت ہی کھیت نظر آتے ہیں جس میں نظام پور، روشن چراغ دہلی، مبارک پور کوٹلہ، مجاہد پور وغیرہ کے لوگ زراعت کرتے ہیں۔ باؤلی کے چوطرفہ نہایت خوش نما دالان بنے ہوئے تھے۔ اب آمنے سامنے کے دالان تو رہے نہیں گر گر اُن کا ملبہ باؤلی کے اندر اٹ گیا ہے۔ داہنے بائیں یعنی شمال اور جنوب کی طرف ایک ایک سہ دری کوٹھری ہے جو ۹ فٹ مربع اور ۱۸ فٹ اونچی ہے اُس میں کا بھی ایک ایک اونچا اور بڑا در جس میں زینہ تھا گرا پڑا ہے۔ مشرق کی طرف کا دالان تو اب رہا نہیں مگر اس رُخ پر لاؤ لگا کر پانی کھینچا جاتا تھا چنانچہ لاؤ کی لکڑیاں کھڑی کرنے کی پتھر کی دو کڑیاں دائیں بائیں موجود ہیں جن میں ایک ایک سوراخ ہے۔ اس باؤلی کے اوپر وار مغرب کی طرف ایک مسجد ہے اور یہ باؤلی گویا اُس مسجد کا حوض ہے۔ غرض یہ کہ باؤلی جب درست حالت میں رہی ہوگی تو ایک پُر لطف اور دلچسپ سیرگاہ ہوگی۔ اب تو دیکھنے سے ڈر لگتا ہے۔ باؤلی کی بندش کی دیواریں ۵ فٹ بلند ہیں۔ باؤلی کی سیڑھیاں اب تک تھیں اب اُن میں سے صرف نو باقی رہ گئی ہیں وہ بھی شکستہ ہیں اور باقی ملبے میں دب گئی ہیں۔ باؤلی کے شکم میں اب اس قدر جنگل جھاڑی ہو گیا ہے کہ سوائے ایک گڑھے کے باؤلی کی صورت پہچاننا بھی مشکل ہے۔

مسجد

باؤلی کے غرب میں ایک مسجد ۴۵ فٹ × ۱۲ اور ۱۳ فٹ اونچی ہے۔ یہ مسجد حسب معمول تین دروں کی ہے اور چھت سپاٹ ہے۔ کوئی مینار نہیں ہے۔ بلندی مع کنگورے کے ۲۳ فٹ ہے۔ دو طرفہ چھتیں ہیں سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ بیچ کا در ۹ فٹ ۶ انچ چوڑا اور ادھر اُدھر کے درے ۳ فٹ ۲ انچ چوڑے ہیں۔ بلندی دروں کی ۹ فٹ ۹ انچ ہے۔ سڑک کی طرف جو

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) درگاہ سے قریب قریب ایک میل جا کر داہنی جانب کھیتوں میں بستی باؤلی کی عمارت نظر آتی ہے جس کے آگے مبارک پور کوٹلہ مجاہد پور وغیرہ ہیں اور نصیر صفدر جنگ کے مقبرے سے جو سڑک قطب کو جاتی ہے وہ مل جاتی ہے اور بستی باؤلی کے آگے ہی حضرت روشن چراغ دہلی کی درگاہ شریف ہے۔ ۱۲

مسجد کے چھپت کی دیوار ہے وہ ۲۳ فٹ بلند ہے جس میں دو کھڑکیاں ہیں اور پانچ دیوار دوز محرابیں۔ مسجد کے محاذ میں ۱۲ فٹ چوڑا پختہ چبوترا ہے جو بلندی میں (۷) ہے۔ مسجد کے داہنے بائیں جہاں اوپر چڑھنے کا زینہ ہے وہاں ممٹیاں تھیں جو گر گئی ہیں مگر اُن کے چبوترے ابھی باقی ہیں۔ مسجد کے اندر رنگ آمیزی کا کام تھا جس میں کا اب بہت کم نظر آتا ہے کیوں کہ کھیت والوں نے مویشی باندھ باندھ کے ستیاناس کیا ہے اور پھر کھانا پکا پکا کر مسجد کی ساری دیواروں خصوصاً پیش طاق کو بالکل سیاہ کر دیا ہے۔ مسجد کے اندر چونہ کاری سے قرآن شریف کی آیتیں منبت لکھی ہوئی ہیں جو جا بجا سے جھڑ گئی ہیں۔ پیش طاق پر پہلی سطر میں یہ آیت ہے:-

پہلی سطر...... هوالله الذی لا اله الا هو عالم الغیب والشهادة له الاسماء الحسنیٰ......

شروع کا اور آخر کا حصہ جھڑ گیا۔

دوسری سطر قل یا ایها الکافرون۔ بسم الله الرحمن الرحیم۔ قل هو الله اور قل اعوذ برب الفلق۔ مگر اس کا بھی کچھ حصہ جھڑ گیا ہے۔

گنبد کے گرد پہلے بیلٹ پر۔ اسماے حسنیٰ چھوٹے حلقے میں آیۃ الکرسی۔ مسجد کے ہر کونے پر جا بجا الله الله کھدا ہوا ہے۔ تینوں محرابوں پر دو طرفہ طغرے حسبی اللہ کے ہیں۔

دروازہ پہلے تو ہم اسی کو بستی خاں کا مقبرہ سمجھے تھے کیوں کہ یہ مسجد کا دروازہ نہیں معلوم دیتا بلکہ ایک مستقل گنبد معلوم دیتا ہے گو کہ اس میں کوئی قبر نہیں ہے۔ یہ صدر دروازہ برج دار پتھر اور گچ کا ۲۳ فٹ مربع دس فیٹ بلند چبوترے پر ہے۔ چبوترے سے لے کر چھت تک ۲۷ فٹ اور چھت سے گنبد کی چوٹی تک ۲۳ فٹ جملہ بلندی اس دروازے کی (۶۰) فٹ ہے۔ اس دروازے کی دونوں جانب بلند دیوار دوز محرابیں ہیں اور چاروں طرف ۶ فٹ چوڑے اور ۹½ فٹ اونچے دروازے ہیں۔ گنبد کے زینے میں (۲۶) سیڑھیاں ہیں۔ فرش بالکل خام ہے۔ گنبد ہشت پہل ہے اور ہر محراب پر دو طرفہ حسبی اللہ کے طغرے ہیں۔ گنبد میں اندر رنگ کا کام تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ دروازہ کی مغربی جانب محراب میں ایک چھوٹی سی محراب دار کھڑکی بطور نشیمن کے لگی ہوئی ہے دروازے کا مغربی رو کار نقش و نگار سے آراستہ ہے جس میں جا بجا سنگ سرخ لگایا گیا ہے۔ چبوترے سے اجارے تک کھردرا کھردرا پتھر لگا ہوا ہے۔ اس گنبد کا کلس ٹوٹ گیا ہے۔

بستی خاں کا مقبرہ

اس دروازے سے چند گز کے فصل سے بالکل سامنے مشرق کی طرف بستی خاں کا نہایت خوش قطع مقبرہ ایک چھتری کی وضع کا چاروں طرف سے کھلا ہوا ہے اس برج کا پہلا چبوترہ ۴۶ فٹ مربع اور ۸ ½ فٹ اونچا ہے دوسرا چبوترہ ۲۷ فٹ مربع ۳ ½ اونچا۔ تیسرا چبوترا اصل چوکھنڈی کا ۲۰ فٹ مربع د۲ اونچا ہے۔ بلندی چھتری کی ۱۵ ½ ہے۔ یہ مقبرہ دومنزلہ ہے پہلے ہم اوپر کی منزل کا حال لکھتے ہیں۔ یہ سر سے پا تک سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے جس کے ہر طرف تین تین در ہیں اور اس طرح چاروں طرف کے بارہ در ہوئے بیچ کا در ۶ فٹ چوڑا اور ۹ ½ اونچا ہے اور بغلی کے دو دو در کم چوڑے اور اونچان وہی ۹ ½ فٹ ہے۔ اس چوکھنڈی کے پہلے چبوترے کے چاروں کونوں پر سنگ سرخ کی ۷ فٹ مربع برجیاں تھیں جن میں چار چار ستون پندرہ پندرہ فیٹ اونچے تھے تین طرف کی برجیاں تو گر گئیں اب صرف ایک مشرق کی باقی ہے۔ چوکھنڈی اوپر سے ہشت پہل ہے۔ اندر چونے کا ایک ڈھیر رہ گیا ہے جسے قبر کا تعویذ سمجھنا چاہیے کیوں کہ اصل قبر نیچے کی منزل میں ہے۔ اس کا احاطہ کنگورے دار تھا جس کا دروازہ مشرق کی طرف ہے جو ۵ ½ فٹ چوڑا اور ۹ ½ اونچا ہے اور اگر کنگورے کو شامل کریں تو اونچان ۳ فٹ اور بڑھ جائے گی اس کے باہر طرف بارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ گنبد بھی سنگ سرخ کا تھا جس کی سلوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے اور ان دراڑوں میں سے اس کثرت سے گھاس اگی ہے کہ گنبد خضرا کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ ہم جب گئے تو برسات کا موسم تھا ہم کو حیرت ہوئی کہ یہ سبز مخمل کا گنبد کیسا ہے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ گھاس اس گنبد کی موت قبل از وقت کی نشانی ہے حکام کی ذرا سی توجہ سے یہ گھاس نکالی جا سکتی ہے مگر کون ہے جو اس طرف توجہ کرے اور کسے غرض پڑی ہے اور کسے درد ہے۔ قبر کے گرد بھی ایک پست چبوترا تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ گنبد کے چاروں طرف یا اللہ یا اللہ بیسوں جگہ کھدا ہوا ہے اور گرد گنبد کے ایک چوڑا چھجہ ہے جو جا بجا سے گر گیا ہے۔ گنبد کے باہر چھجے کے اوپر چاروں طرف سورۂ فتح اور سورۂ قدر پتھر کے تراشے ہوئے حروف سے لکھی ہوئی ہے۔ یہ حروف جا بجا سے جھڑ گئے ہیں۔ اس قبر کو عجیب طرح سے بنایا ہے پہلے تو بہت اونچا چبوترا بنا کر اس میں در در کے نیچے کوٹھریاں سی بنا دی ہیں اور بیچ میں بستی خاں کی اصل قبر کا مقام ۱۳ فٹ مربع چاروں طرف سے بند ہے گرد اس کے ۲ ½ فٹ چوڑی غلام گردش دی ہے۔

جس کے ہر طرف پانچ پانچ در ہیں اس طرح بست دری ہوئی اور اسی طرح ہر طرف پانچ پانچ گنبد چھت کے اندر ہیں چھ گنبد بھی بیس ہوتے اور بیچ میں اصل برج ہے اور اسی پیر اوپر کا برج بنا ہوا ہے۔ نیچے کی منزل ۵۴ فٹ مربع ہے بارہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاؤ تو بستی خاں کی قبر کا چھتری ہے اس برج کے دروں میں کسی زمانے میں جالیاں لگی ہوئی تھیں۔ مگر اب جالیاں تو لوگ اکھاڑ کر لے گئے صرف ستون اور برج باقی رہ گیا ہے۔ برج کے اوپر کلس تھا اس کو اکھاڑنے میں شاید دقت پیش آئی جو اس بے دردی سے نکالا گیا ہے کہ چھت میں بغارا پڑ گیا ہے۔ جس چبوترے پر بستی خاں کی قبر ہے اس پر بھی تین سیڑھیاں چڑھ کر جانا ہوتا ہے۔ یہ گنبد اوپر کے چبوترے سے ۲۷ فٹ اور زمین سے ۴۴ فٹ بلند ہے ان چاروں عمارتوں کے گرد ایک وسیع فصیل نما کنگورے دار احاطہ ۲۹۰ × ۱۹۰ فٹ ہے جس کی دیوار دس فیٹ بلند ہے۔ یہ مقام کسی زمانے میں بہت نفیس ہوگا۔ اب بھی ایک اچھی سیرگاہ ہے۔ ان مکانوں پر کوئی کتبہ ایسا نہیں ہے جس سے تاریخ بنا معلوم ہو سکے اس سبب سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عمارت پٹھانوں کے وقت کی بنی ہوئی ہے۔

ایک منہدم مسجد

بستی باولی سے جنوب مشرق کے کونے میں ایک بڑا شان دار وسیع اور پختہ فصیل نما کنگورے دار احاطہ ہے جس کے چاروں کونوں پر ایک ایک برجی تھی اب صرف شمال مغرب کے کونے کی برجی رہ گئی ہے وہ بھی آدھی گری ہوئی ہے باقی تینوں طرف کی بالکل منہدم ہو گئیں۔ مغرب رویہ مٹی دار محراب میں سے چھت پر چڑھنے کا (۱۳) سیڑھیوں کا زینہ ہے اسی طرح جنوب مغرب کے کونے کی محراب میں بھی زینہ ہے۔ اس احاطے کے تین طرف ایک ایک بڑا عالی شان دروازہ تھا جن میں سے دو شمال جنوب کے اب بھی موجود ہیں مشرق کی طرف کا گر گیا۔ احاطہ کی دیوار کے ہر سکشن میں جو (۳۰ فٹ) ہے تین تین دیوار دوز طاق ہیں دیوار کی بلندی دس فیٹ ہے مسجد کی چھت گر گئی صرف پختہ چبوترا اور سامنے بائیں پاکھے کی دیواریں جن میں زینہ ہے اوپر کی مٹی کے موجود ہیں۔ یہ احاطہ ۸۵ فٹ مربع ہے۔ دروازہ ۸۵-۳ فٹ اونچا اور (۵ فٹ) چوڑا ہے جس کے سامنے چھ چھ سیڑھیوں کا دو طرفہ زینہ ہے۔ چبوترے کی کرسی (۱۰ فٹ) بلند ہے اسے شامل کر لیں تو دروازے کا ارتفاع ۱۸-۳ فٹ ہو جائے گا صحن مسجد جو تمام جھاڑیوں سے ایسا بھرا ہوا ہے۔

کر چلنا مشکل ہی جا بجا کچھ پختہ قبریں بھی ہیں نہ کوئی مینار باقی ہے نہ گنبد کیوں کہ مسجد کا دالان تو پہلے ہی گر چکا ہے۔ مسجد کے گرد عمارات منہدمہ کے کھنڈروں کے نشانات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد آبادی میں تھی اور اب بجائے آبادی کے کھیتوں کے بیچ ہیں نظام پور کے حدود میں ہے۔

ایک چھوٹی سی مسجد

بستی باولی کے مغرب میں مبارک پور کوٹلے کی حدود میں ایک برج اور تین در کی ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ اندر رنگ آمیزی کا کام تھا صحن پہلے ہوگا۔ کھیتوں کی وجہ سے باقی نہیں رہا طول و عرض مسجد کا ۲۳ × ۱۲ فٹ ہے۔

شیخ علی کی گمٹی

اس مسجد کے مغرب میں کوئی پانسو قدم کے فاصلے پر یہ ہشت پہلو چھوٹا سا برج ہے جس کے آٹھ در سنگ سرخ کے ہیں۔ اس کے اندر تین قبروں کے نشان ہیں مگر اب کوئی قبر نہیں رہی۔ یہ عمارت ۱۸ فٹ مربع ہے۔ در ۹ فٹ اونچے اور ۵ ۱/۲ فٹ چوڑے ہیں۔ شیخ علی کی گمٹی مشہور ہے۔

دولت بیگ کا باغ

اوپر والی گمٹی کے مشرق میں کھیت میں ایک پختہ دیوار تخمیناً ۳۰ فٹ لمبی اور ۱۰ فٹ اونچی کھڑی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں دولت خاں نامی کسی امیر کا باغ تھا۔ حدود دیکھنے سے ہزار فیٹ مربع کا اندازہ معلوم ہوتا ہے۔ چوں کہ اب اس زمین میں کھیت ہوگئے ہیں باغ رہا نہ چار دیواری اب صرف ایک رخ کی دیوار باقی ہے اس کو بھی دیر سویر لوگ توڑ کر اپنے مصرف میں لے آئیں گے اس احاطے کے بیچ میں ایک چھوٹے سے شکستہ چبوترے پر ایک پختہ قبر باقی رہ گئی ہے قیاس چاہتا ہے کہ وہ صاحب باغ کی ہو۔

ایک ہشت پہل برجی

ایک گرے ہوئے چبوترے پر جو اب صرف ایک ٹیلے کی شکل کا رہ گیا ہے۔ بستی خاں کے گنبد کی پشت پر صرف پیچ کا رستہ چھوڑ کر سنگ سرخ کی ایک بہت خوش قطع ہشت پہل برجی ہے جس کے بیچ میں چونے گچی کی ایک قبر ہے اس کا ہر ضلع ۳ ۱/۲ فٹ چوڑا ہے اور یہی دروں کی چوڑان بھی ہے اور اونچان (۵ فٹ) ہے۔ ستون سنگ سرخ کے ہیں جس کی بیٹھک اور اوپر کی ٹھیپی الگ چوکون پتھر کی ہے اور بیچ میں ستون

کا سا الگ ٹکڑا الگ۔ آٹھ ستونوں میں سے ایک گر پڑا ہی مگر پڑا یہیں ہی مشرق کی طرف کے ایک ستون کے گرد کلمہ طیبہ منقوش ہی باقی تین ستونوں پر چاروں طرف "الملک للہ" تین ستون سادے ہیں اور گرا ہوا ستون بھی سادہ ہی ہی۔

دو طرفہ عمارات کے کھنڈر

بستی باؤلی اور اس برجی کے شمال میں پگ ڈنڈی راستے کے دو طرفہ دور دور تک جا بجا عمارتوں کے کھنڈر نظر آتے ہیں۔ کہیں کوئی اونچا ٹیلہ ہی کہیں دیوار کا کوئی حصہ رہ گیا ہی کہیں کسی محراب کا ایک پاکھا ہی کھڑا ہی۔ داہنی طرف کی حالت بھی یہی ہی اول تو بستی باؤلی کے آگے ایک بڑے وسیع پختہ احاطے کی دیوار چلی گئی ہی۔ جو اکثر جگہ سے گر گئی ہی اور بعض جگہ موجود بھی ہی پھر اس کے بعد اور ایک احاطہ اسی قسم کا شروع ہوتا ہی یہی سلسلہ حضرت نظام الدین رح کی درگاہ تک مسلسل چلا گیا ہی۔ کہیں چپہ بھر زمین خالی نہیں اور قبروں کا تو کچھ شمار ہی نہیں بہت سی مٹ مٹا گئیں اور بہت سی متفرق طور پر موجود بھی ہیں۔ جب اس سرزمین پر سالہا سال سے ہل پھر رہا ہو اور کھیت جوتے بوئے جاتے ہیں تو اب کسی عمارت یا قبر کا نشان کیسے باقی رہ سکتا ہی مزارعین کا پہلا فرض یہ ہی کہ وہ اپنے کھیت کو ان رکاوٹوں سے صاف کریں اور انھوں نے کر ہی لیا اور جہاں تک موقع ملتا ہی کرتے ہی جاتے ہیں۔ سنا کرتے ہیں کہ اگلے زمانے کے بادشاہ جب کسی سے ناراض ہوتے تھے تو ان کے زن بچے کولھو میں پلوا دیا کرتے تھے اور ان کے مکانوں کی جگہ گدھے کا ہل پھروا دیا کرتے تھے یعنی بال بچوں سمیت مروا ڈالتے تھے اور ان کے گھر جڑ بنیاد سے اکھڑوا کر پھینک دیتے تھے اس طرح کہ نشان تک باقی نہ رہ جاتے۔ پس کسی عمارت کو معدوم کرنے کا سریع الاصول نسخہ ہل کا پھروا دینا ہی جو اب بھی کثرت سے شائع ہی البتہ شان دوسری ہی۔ یعنی پہلا طریقہ سزا کا تھا اور اب محض اقتضائے لیل و نہار ہی۔

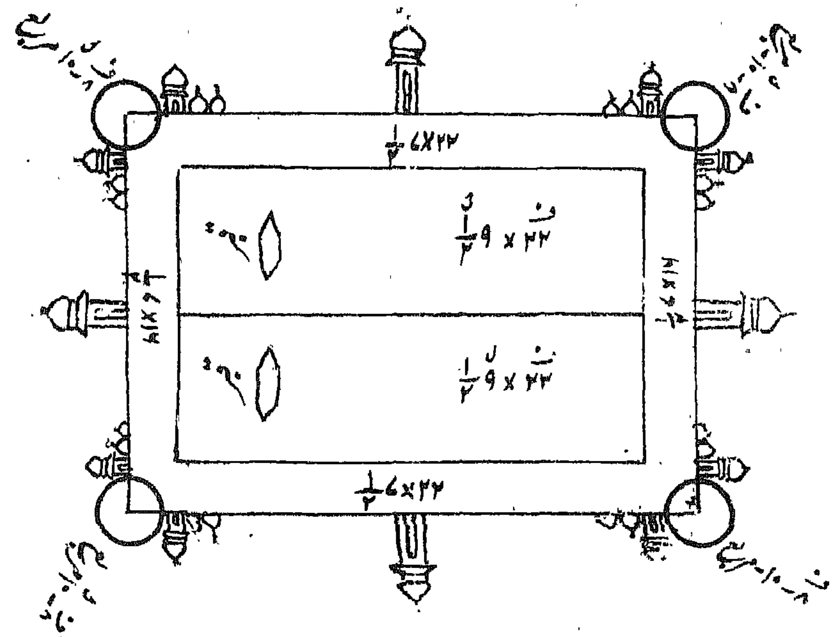
بیوی باندی کا گنبد

اسی رستے پر بائیں طرف بستی باؤلی کے شمال میں یہ مقبرہ ہی جس کا قبہ اندر سے بہت خوب صورت ہی اور اس قسم کا ہی جیسے کہ کالی ٹوپی ہوتی ہی۔ یہ گنبد بہت خستہ ہی۔ قبے میں چاروں طرف

ایسی بڑی بڑی گہری دراڑیں نیچے سے چوٹی تک پڑی ہیں کہ قبے کی چار پھانکیں ہوگئی ہیں اندر جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ اندر سے ان دراڑوں میں سے روشنی نظر آتی ہے خدا جانے یہ حالت کب سے ہے اور کب سے اس طرح کھنڈا ہوا کھڑا ہے اور اب تک گرا کیوں نہیں۔ خیر آج نہ گرا تو کل گر جائے گا۔ رہے نام اللہ کا۔ نہ اندر فرش باقی رہا ہے نہ کوئی قبر۔ تین طرف در ہیں ۱۱ فٹ اونچے ۵ فٹ چوڑے اور مغرب کی طرف صرف دیوار دو طاق ہے۔ یہ گنبد ۱۸ فٹ مربع ہے۔ اس گنبد میں اندر کے رخ پر کمری کی وضع کی پھانکیں بنی ہوئی ہیں اور جہاں دیوار ختم ہو کر گنبد شروع ہوتا ہے وہاں گنبد کے گرد ۱۶ طاق ہیں غرض ہے اپنی طرز ہیں نرالا اور بہت خوب صورت۔ مقامی روایات سے یہ بیوی باندی کا گنبد کہلاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک محراب کا ٹھنڈ
یہیں کھیت میں صرف محراب کا بہت اونچا ایک ٹھنڈ یعنی ایک پاکھا کھڑا ہے جس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ محراب تھی بہت اونچی۔ خدا جانے وہ عمارت کیا تھی جس کا یہ باقی ماندہ حصہ ہے۔

ایک نفیس محل نما مقبرہ
رستے کے داہنی طرف ایک محل دکھلائی دیتا ہے جو بالکل تماشہ محل کی وضع قطع کا ہے جیسا کہ ہمایوں کے مقبرے کے پاس ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ اس میں ایک ہال اور چاروں طرف دالان اور کمرے ہیں اور اس میں دوسرے دالان اور گرد کمرے ہیں۔ آپ ذرا نقشہ ملاحظہ فرمالیں تو خوب سمجھ میں آجائے گا۔ مگر ہم سے یہ نہ پوچھئے گا کہ یہ کس کا محل یا مقبرہ ہے جس طرح آپ ناواقف ہیں ہم بھی گم ہیں۔ ع۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ کیوں کہ ایسی عمارتوں کو کسی سے منسوب کرنے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے۔ بعض عمارتوں کی نسبت تو لوگ آئین پاچ شاہیں سنی سنائی روایات پر کسی نام سے منسوب کر دیتے ہیں جن کی کچھ تصدیق نہیں اور جو حافظہ اور روایات کی دست رس سے بھی زیادہ پرانی ہیں اُن کا خدا ہی حافظ ہے وہ یا وشما کسی سے متعلق نہیں کی جاسکتیں اور یہی حال کی یہ عمارت بھی ہے۔ اس کی وضع قطع سے ہم نے اسے کسی کا محل سمجھے اندر جاکر دیکھا تو ایک چھوڑ دو دو قبریں موجود اور پھر کلام علیہا فان کے طغرے نے تصدیق کر دی کہ یہ محل نہیں ہے کسی صاحب کا مقبرہ ہے۔



چاروں طرف مثمن کمرے ۸ فٹ ۔ ۱۰ انچ مربع ہیں۔ گرد دالان اور بیچ میں دو دالان ہر طرف داہنے بائیں دو چھوٹے دروازے اور بیچ کا بڑا دروازہ انہیں کے دو طرفہ طغرے ہیں جو جھڑ جھڑا گئے چنانچہ مغرب کی جانب بڑے دروازے کے پاکھوں پر کل من علیہا فان کا طغریٰ بہ مشکل پڑھا جا سکتا ہے۔ اندر دار چھت قبر دار لداؤ کی ہے چاروں طرف اور بیچ کے دالانوں میں تین تین گنبد ہیں جن میں کے دو ادہر اُدہر کے چھوٹے اور بیچ کا قلم دان نما لمبوترا۔ زینے کی (۱۳) سیڑھیاں ہیں چھت اوپر سے سپاٹ ہے مگر اوپر ایک چبوترا ۲۲ فٹ مربع اور ۱½ فٹ اونچا بنا ہوا ہے مگر اس پر قبر کا تعویذ نہیں ہے جیسا کہ بتاسا محل میں ہے۔ مقبرے کی عمارت باہر سے ۸ۂ فٹ مربع ہے۔ جس کے گرد ۴ۂ فٹ × ۱۲½ فٹ کا چبوترا ہے جو ۳ فٹ ۹ انچ اونچا ہے۔ کل بلندی عمارت کی ۱۶ فٹ ہے۔ مقبرے کے گرد احاطہ بھی تھا جو کھیتوں کے سبب سے باقی نہیں رہا۔ ہاں نشان اب بھی باقی ہے۔ مقبرے کے اندر کثرت سے رنگ آمیزی کا کام تھا جو سب ماند پڑ گیا یا جھڑ گیا۔ باہر بھی سر سے پا تک رنگ کا کام جو باوجود امتداد زمانے کے جا بجا اب بھی نمایاں ہے۔

باجی والی گمٹی

مقبرۂ بالا کے شمال میں رستے کے بائیں طرف ایک مقبرہ ہے۔ جسے مقامی لوگ اسی نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک

نئی طرز کا دہرا گنبد ہے۔ بیچ میں ایک پورا قبہ ہے اور اِدھر اُدھر آدھے آدھے اس طرح:۔



اندر ایک پختہ قبر ہے باہر سے یہ عمارت ۲۷ × ۲۰ فٹ ہے۔ مشرق کی طرف صرف ایک بڑا دروازہ ۶ فٹ - ۳ انچ اونچا ۴ ۱/۲ فٹ چوڑا ہے۔ شمال جنوب میں دو کھڑکیاں ۴ فٹ اونچی ۲ فٹ - ۳ انچ چوڑی ہیں۔ کل عمارت کی بلندی ۱۸ فٹ ہے گنبد کے اوپر ایک ہشت درہ برج بنا ہوا ہے جو ۹ ۱/۲ فٹ مربع ہے۔ یہ ایک نیا طرز ہے اور میرے خیال میں خوش نما بھی ہے۔ چھت پر جانے کی (۱۳۱) سیڑھیاں ہیں۔ چوکھٹیں ندارد۔ گرد ایک مختصر چبوترا تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ نہ کلس ہی رہا۔ یہ ساری عمارت سنگ خارا اور چونے کی ہے۔

منگل والے پیر کا برج یہ نام بھی گاؤں والوں کا بنایا ہوا ہے۔ یہ ایک ہشت پہل گنبد ہے بہت شکستہ۔ چوکھٹیں جو چار طرف تھیں ندارد کلس غائب۔ پلاستر اندر سے سب جھڑ گیا۔ ۱۴ ۱/۲ فٹ مربع عمارت ہے چاروں طرف دروازے ۱۱ فٹ × ۸ ۱/۲ فٹ ہیں۔ بلندی ۱۵ فٹ۔ فرش ندارد۔ قبر بھی باقی نہیں۔ غرض بالکل خراب وخستہ حالت میں ہے۔ گرد وپیش کے کھیت والے دوپہر اس میں کاٹتے ہیں۔

ایک پختہ کنواں اور حمام اوپر والے برج سے آگے بڑھ کر ایک بڑا بھاری پکا کنواں ہے جس کے پاس چھ گُنبد دار حجرے ہیں جن میں کے چار سالم ہیں اور دو ٹوٹ گئے۔ دیواروں کے کونوں میں مٹی کے نل لگے ہوئے ہیں اور کنوئیں میں بھی ایک ڈاٹ لگا کر نل لگایا ہے اور اسی نل سے اس مکان کے ہر کمرے میں پانی پہنچتا تھا۔ گو یہ عمارت جا بجا سے گر گئی ہے مگر نلوں کی موجودگی اور اس کے پاس کوئیں کے ہونے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حمام تھا حمام کے قرب وجوار میں محل یا مکان کا ہونا ضرور ہے۔ کوئی جنگل میں حمام نہیں بنایا کرتا لیکن اب محل تو غائب ہیں نرا حمام رہ گیا اور وہ بھی ٹوٹا پھوٹا۔

بے چھت کی مسجد

اب ہم حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کی طرف چلے جا رہے ہیں اور جوں جوں آگے بڑھتے جاتے ہیں ریل کی سڑک پاس آتی جاتی ہے یہ ایک بہت چھوٹی سی بے چھت کی مسجد ہے۔ مگر جتنی چھوٹی ہے اتنی ہی خوب صورت بھی ہے۔ ۵ فٹ ۱ انچ × ۶ فٹ۔ بلندی دیوار کی ۷½ فٹ پچھیت کی دیوار میں صرف تین دیوار دوز طاق ہیں جن کے دو طرفہ طغرے کلمہ اور یا فتاح کے ہیں۔ اندر دیواروں پر تمام رنگ آمیزی کا کام تھا۔ یہ مستقل مسجد نہیں ہے بلکہ جس طرح ہڑ واڑوں میں مغرب رویہ دیوار۔ اور دو پاکھے کھینچ کر مسجد بنا دیتے ہیں ویسی ہے صحن تو کچھ ہے ہی نہیں صرف چھ فیٹ ہے اس کے سامنے تین در سنگ سرخ کے آگے پیچھے ۱۰ فٹ ۲ انچ × ۶ فٹ ۴ انچ اور ۱۱ فٹ ۳ انچ اونچی ایک چوکھنڈی ہے جس کی چھت قلمدان نما لداؤ کی ہے اس کے آگے چبوترے پر چار قبریں ہیں۔ چبوترا منڈیر چھوڑ کر ۳۳ فٹ × ۱۵ فٹ ہے۔ اونچان ۵ فٹ ۸ انچ چبوترے کے گرد احاطے کا نشان موجود ہے احاطے میں بھی بہت سی قبریں ہیں۔

چبوترا

نالے کے پاس ایک چبوترا ۲۶ فٹ مربع ۵ فٹ اونچا ہے جس پر تین پختہ قبریں ہیں بیچ والی قبر پر چوکے میں آیۃ الکرسی کندہ ہے۔

گمٹی

عین نالے کے کنارے تین گرڈر کے ریلوے آہنی پل کے پاس۔ تار کے کھمبے نمبر ۱۵۱/۹ کے سامنے دلی سے آتے ہوئے ریل کی سڑک کے داہنی طرف ۲۳ فٹ مربع ۳ فٹ اونچے چبوترے پر ایک چھوٹی سی ۱۴ فٹ مربع گمٹی بنی ہوئی ہے جس کے چار در دانے چاروں طرف ۶ فٹ ۳ انچ اونچے اور ۳ فٹ ۲ انچ چوڑے ہیں چوکھٹیں اور قبر باقی نہیں ہے۔ چھت قلمدان نما ہے۔ گمٹی کے اندر رنگ آمیزی کا کام تھا۔ اب صرف کہیں کہیں ایک آدھ ٹپکا نظر آتا ہے اور بس۔

اور دو چبوترے

اور ذرا آگے بڑھئے دو پختہ چبوترے ریلوے فنسنگ یعنی تار کی باڑھ کے پاس ہیں جن کے اوپر قبریں ہوں گی مگر اب تو خالی ہیں اور یہی سلسلہ ریل کی سڑک کے دوسری طرف تھا۔ بہت سی قبریں ریل کی سڑک میں آگئیں اور حسب ضرورت میدان صاف کر دیا گیا۔

ایک برج کی مسجد

ٹیلیگراف پوسٹ نمبر ۱۰/۹ ۲ ریلوے کے محاذی سڑک کی داہنی طرف ایک چھوٹی سی مسجد ایک برج اور تین در کی ہے۔ داہنی

جانب کا در ٹوٹ گیا ہی۔ بیچ کا در ۱۱×۷ فٹ اور چھوٹے در ۸×۴ فٹ ہیں مسجد ۳۵×۱۵ فٹ ہی صحن کا چبوترا ۴۵ فٹ مربع ہی۔

ایک نامعلوم برج

اسی مسجد کے پاس ایک چھوٹا سا برج بہت خستہ حالت میں ہی۔ اندر کوئی قبر نہیں۔ دروازہ بھی ایک ہی ہی وہ بھی چھوٹا سا یہ عمارت ۱۶ فٹ مربع ہی۔

ایک نامعلوم گنبد

ریلوے لین تار کے کھم نمبر ۹۵۰/۲۲و۲۳ کے بیچ میں سڑک کی بائیں طرف کوئی سو قدم کے فاصلے سے یہ گنبد پختہ اور اچھی حالت میں ہی اندر رنگ آمیزی پھول بوٹوں گلدستوں کا کام ہی۔ گنبد ۳۲ فٹ مربع ہی۔ قبر نہیں ہی اندر اینٹ کے پوستے لگا کر دروں میں چوبی چوکھٹیں اور دروازے لگا دیے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہی کہ کسی شخص کا مقبوضہ ہی اور سامان زراعت رکھنے کے لیئے یہ سب کارستانی کی گئی ہی۔ ایں ہمہ شغل برائے اکل۔ دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ بھس بھرا جاتا ہی۔ اصلی دروں کی بلندی اور چوڑان ۱۳×۹ فٹ ہی۔ پختہ چبوترا ۵۸ فٹ مربع ہی۔ قبہ کے چاروں کونوں پہ چار برجیاں اور اوپر سنگ سرخ کا کلس ہی۔ معلوم نہیں کس کا ہی۔

حوض خاص کے گردو نواح کے متعدد مقبرے

موضع کھریڑے کے محاذی دلی سے جاتے وقت سیدھے ہاتھ کی طرف آٹھویں میل پر قطب روڈ سے بالکل ملے ہوئے دو گنبد نظر آتے ہیں یہیں سے حوض خاص کا رستہ گیا ہی اور ایک سڑک نکال دی گئی ہی۔ یہاں سے گنبدوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہی اور میرے خیال میں کوئی پانچ میل تک کے حلقے میں جا بجا گنبد ہی گنبد ہیں جن کا سلسلہ موضع منیرکے سے آگے تک چلا گیا ہی اب ہم ان گنبدوں کا بیان تفصیل وار لکھتے ہیں

کھریڑے کی حدود کے مقبرے

بیوی باندی کے مقبرے

یہ دونوں گنبد بالکل سڑک کے کنارے ہیں۔ ان میں ایک بڑا ہی دوسرا اس سے چھوٹا اور یہ دونوں

مقبرے "بیوی باندی کے مقبرے" کے نام سے مشہور ہیں۔ اب نہ بیوی کو کوئی جانتا ہے نہ باندی کا کچھ ٹھکانا ہے۔ مرنے کے بعد دونوں کا تفرقہ حکومت اور محکومیت کا مٹ گیا دونوں ایک ہی فرش زمین پر ایک ہی حیثیت سے سو رہی ہیں ان کا قصہ یوں زبان زد خاص و عام ہے کہ بڑا گنبد بیگم نے اپنے لیئے بنوایا تھا اور چھوٹا باندی کے لیئے وہ باندی بھی کوئی ہمدم اور رفیق ہوگی جب تو گنبد میں دفن ہوئی۔ اُس زمانے کی باندیاں بھی آج کل کی بیگموں سے بدرجہا بڑھی ہوئی تھیں۔ آج اچھے سے اچھے امیر کو مقبرہ بنانے کی سکت نہیں۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ باندی مری اوّل۔ بیگم تھیں قدر دان بلحاظ تقدم موت اپنے گنبد میں اُسے جگہ دی اور جب بیگم کی باری آئی تو وہ باندی والے چھوٹے گنبد میں آسودہ ہوئیں۔ سڑک سے ملا ہوا پہلا اور چھوٹا گنبد بیوی کا ہے جو (۲۳ فٹ) مربع ہے۔ جس کے تین طرف دروازے اور مغربی رُخ بند ہے محراب کی چوڑان ۶ فٹ ۴ انچ ہے۔ فرش اب باقی نہیں رہا۔ تین قبریں پختہ ہیں مگر شکستہ۔ ان میں ایک بڑی زنانی قبر ہے غالبًا یہی بیوی کی ہے جو ۹ × ۴ ½ فٹ طول و عرض میں ہے بلندی قبر کی ۲ ½ فٹ ہے۔ اس مقبرے پر بجائے کلس کے سنگ سرخ کی ایک چودری برجی ہے دوسرا گنبد جو باندی کا مشہور ہے اوپر والے گنبد کے برابر میں ہے یہ ۳۰ فٹ مربع ہے اس میں بھی چار طرف محرابیں ہیں مغرب کی طرف بند۔ بیچ کے در کے ادہر اُدہر ایک ایک چھوٹا در ہے بڑی محراب عرض میں ۷ ½ چھوٹی محراب کی بلندی اور عرض ۸ فٹ × ۲ فٹ ۱۰ انچ ہے۔ مقبرے کی چنیا پر بسم اللہ اور آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے اور محرابوں کی ہر دو جانب کلمہ اور حسبنا اللہ کے طغرے ہیں۔ اس میں چھ پختہ قبریں ہیں مگر سب ٹوٹی پھوٹی جن میں دو اونچی ہیں باقی زمیں دوز۔ اس کا فرش بھی اکھڑ پکھڑ گیا چاروں محرابیں بھی تڑخ گئی ہیں۔

بارہ کھمبا

اس کے چاروں طرف تین تین در ہیں بارہ کھمبے کے نام سے مشہور ہے۔ معلوم نہیں کس کا ہے۔ ۲۲ ½ مربع ہے۔ قبر اور فرش دونوں ندارد بیچ کی آرچ ۶ فٹ ۱۱ انچ اور چھوٹی آرچ ۴ فٹ ۹ انچ عریض ہے۔ اس گنبد کی شمالی جانب بالکل چبوترے سے ملی ہوئی ایک کوئیاں ہے جو بہت خطرناک ہے کم سے کم اُس کی منڈیر بن جاتی۔

ستیوں کے دو مٹھ

بارہ کھمبے کے پاس مغرب کی طرف دو چھوٹے چھوٹے ستیوں کے مٹھ ہیں ہندو ان پر پھول ڈول چڑھایا کرتے ہیں

گمزی

چار کھلے دروازے۔ باہر سے ۱۵½ مربع۔ قبر اور فرش ندارد۔ یہاں گنبدوں کا ٹھور ٹھکانا نہیں گمزی رہی اپنی جگہ۔

اور دو نامعلوم گنبد

(۱) تین طرف دروازے ایک طرف بند۔ ایک ٹوٹی چھوٹی قبر۔ فرش ندارد۔ لوگ چوکھٹوں کے بڑے چور ہیں کہ دہلیز کے پتھر کام آتے ہیں۔ اکھاڑ لے گئے۔ یہ گنبد باہر سے ۲۴½ مربع ہے۔ (۲) اسی طرح کا جیسا اوپر والا ہے۔ ۲۳½ مربع۔ بیچ میں گچ کی ایک شکستہ قبر۔ تین طرف دروازے مغرب کی طرف بند۔ در کی چکلان (۷)۔

گنبد باغ عالم یعنی شیخ شہاب الدین تاج خاں اور سلطان ابو سعید کا مقبرہ ۹۰۶ھ ۱۵۰۱ء

در اصل یہ گنبد جو کھڑپے کے مقبروں میں سب سے بڑا اور بہت شان دار ہے شیخ شہاب الدین تاج خاں اور سلطان ابو سعید امرائے سکندر لودھی کا ہے لیکن اب جس سے پوچھو اسے باغ عالم کہتا ہے۔ ممکن ہے کہ پہلے اس کے گرد کوئی باغ رہا ہو کیوں کہ دور دور تک جگہ چھٹی ہوئی ہے۔ غرض یہ معمولی عمارت نہیں ہے یہ مقبرہ بہت خوب صورت بنا ہوا ہے۔ اندر سے ۴۳ مربع ہے۔ تین طرف تین تین دروازے اور ہر در کے ادھر ادھر ایک ایک کھڑکی۔ مغرب کی طرف کا بڑا در بند ہے مگر ادھر ادھر کی کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں۔ بڑی محراب کی چوڑان ۸ فٹ۔ سیڑھیاں نہیں کہ بلندی معلوم کر سکیں۔ گنبد کی چندیا پر بسم اللہ اور اسمائے حسنیٰ دوسرے حلقے میں آیۃ الکرسی منقوش ہے۔ گنبد اس قدر اونچا ہے کہ بالادو زمین سے پڑھ نہیں سکتے۔ چار قبریں چونے گچی کی ہیں جن میں ایک ذرا بڑی اور اونچی ہے۔ فرش اب بالکل نہیں رہا۔ باہر دار سنگ سرخ کے چوکھٹوں کی چاروں طرف بڑی نفیس کھڑکیاں ہیں جن کے تین طرف نیلے ٹائیل لگے ہوئے ہیں اور اوپر دار پھر تین تین چھوٹے نہایت خوب صورت طاق بنا کر پھر سنگ سرخ کا چوکھٹا لگا کر طاقوں کے اندر نیلے ٹائیل لگا دیئے ہیں جو بہت ہی بھلے لگتے ہیں۔ اس مقبرے کی ایک ندرت اس کا نفیس اور خوش خط خط نسخ میں طغرے کا کتبہ ہے مگر غضب یہ کیا ہے کہ اتنا اونچا لگا دیا ہے کہ اسے پڑھنا از بس دشوار ہے یہ کتبہ سنگ سرخ کے چوکھٹے میں سنگ موسیٰ کی تختی پر ۵ سطری ہے اور

دور سے ایسا معلوم دیتا ہے جیسا کہ گن مٹل کی لوح ہو۔
یہ کتبہ مغرب کی طرف لگا ہوا ہے بلا دوربین کے پڑھا نہیں جاسکتا اسی وجہ سے لوگوں نے ایک باد ہوائی بات اڑا دی ہے کہ اس کتبے میں اُس زمانے کا نرخ اجرت اور اجناس کی تشریح ہے حالاں کہ کتبہ یہ ہے۔

(۱) بنای این عمارت در عہد دولت سلطان الاعظم سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ
(۲) این گنبد بنای شیخ شہاب الدین تاج خان سلطان ابو سعید بتاریخ نہم ماہ رمضان سنہ ست وتسعمائۃ (۹۰۶ھ) اس گنبد کے اندر چار قبریں چونے گچ کی ہیں جن میں ایک ذرا بڑی ہے اس گنبد کا کلس تو اب رہا نہیں مگر اس کے گرد کا کنگورے دار کنول بہت ہی نفیس ہے یہ اس وضع کا ہے جیسے مراد آبادی خاصدان کے اوپر زردہ رکھنے کی ڈبی ہوتی ہے

قناتی مسجد

مغرب کی طرف جدھر کتبہ ہے اُدھر ہی گنبد کے پاس ہی ایک وسیع قناتی مسجد ہے جس میں بہت سی قبریں ہیں۔

ایک اور قناتی مسجد

اس سے آگے بڑھ کر ایک اور احاطہ ہے یہاں بھی ایک اور قناتی مسجد ہے اس میں بھی قبریں ہی قبریں ہیں۔

توپوں والا گنبد

یہ نام کیوں پڑا کچھ خبر نہیں۔ یہ گنبد ۳۳ فٹ مربع ہے۔ اندر چار قبریں سنگ خارا کی اچھی حالت میں ہیں۔ تین در کھلے مغرب کی طرف بند۔ یہ گنبد بھی عالم گم نامی میں ہے۔

حوض علائی یا حوض خاص

اور سنہ ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء سنہ ۶۵۳ھ ۱۲۸۸ء

آخر آں شاہ صحیح الاعمال | ساخت حوضیکہ پر ز آب بود
وہ چہ حوضیکہ غیرت بحر است | بلکہ از ہفت بحر اتراب بود
نی کہ در صحن لیس زیر ہمتا | ہر حبابش چو ماہتاب بود
پیش از چشمہ سار آب حیات | خشک شد آب چوں سراب بود
حوض کوثر بود مگر کہ مدام | آب او خوشتر از گلاب بود

یہ تالاب کاہے کو تھا ایک جھیل تھی جو ستر ایکڑ کے وسیع رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس تالاب کو سلطان علاء الدین خلجی نے ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء میں بنوایا تھا۔ اس تالاب کی بندش ہر چہار طرف سے سنگ بست اور پختہ تھی ۷۵۵ھ ۱۳۵۴ء میں فیروز شاہ تغلق کا زمانہ آیا تو یہ تالاب

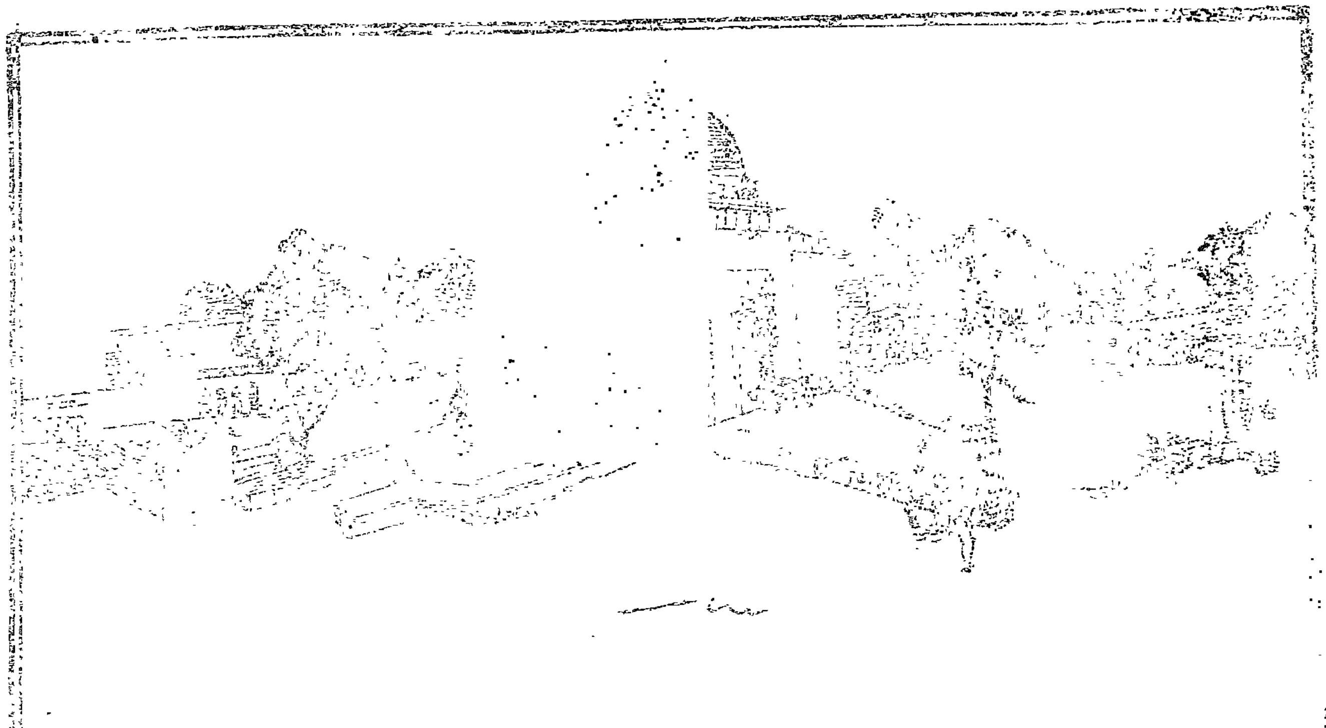
بہت شکستہ ہوگیا تھا مٹی سے تمام اٹ گیا تھا اور پانی کا نام نہ تھا۔ لوگ اس کے شکم میں کوئیں کھود کھود کر زراعت کرتے تھے فیروز شاہ نے گل بر آری کرا ایسی مرمت کروائی کہ گویا از سرِ نو بنوا دیا اور جب ہی سے حوض خاص نام پڑا اور اسی سبب سے امیر تیمور نے اس تالاب کو فیروز شاہ ہی کا تالاب لکھا ہی چنانچہ امیر موصوف نے لکھا ہی کہ "یہ تالاب فیروز شاہ کا بنایا ہوا ہی جس کے چاروں طرف پختہ سلامی اُتری ہوئی ہی"۔ اس تالاب کے چاروں طرف ایک ایک تیر کی زد پر اور نیز تالاب کے گرد عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ برسات کے پانی سے تالاب لب ریز ہو جاتا تھا اور اس قدر وافر پانی جمع ہوتا تھا کہ رعایا کی سال بھر کی ضروریات کو کافی ہوتا تھا۔ مولینا شرف الدین یزدی نے ظفر نامے میں بحوالۂ ملفوظات تیموری اس حوض کو فیروز شاہ کا بنایا ہوا گہرا اور عمیق کنواں لکھا ہی۔ سنہ ۷۵۳ھ ۱۳۵۲ء میں فیروز شاہ نے اس تالاب پر ایک مدرسہ بھی بنایا تھا (از تاریخ مبارک شاہی)۔ اس تالاب کے جنوبی رُخ پر اس سرے سے اُس سرے تک مکانات ہی مکانات تھے۔ فیروز شاہ کے مدرسے میں پختہ اور پست حجرے ہیں جن میں گاؤں والے رہتے ہیں۔ اس مدرسے کے متولی سید یوسف بن جمال نے سنہ ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء میں انتقال کیا اور مدرسے کے صحن میں ہی آسودہ ہیں۔ کسی زمانے میں یہ مقام دل کش اور خوب ہوگا کہ اُس کے دیکھنے کو بے اختیار دل چاہتا ہوگا اور ایک معقول سیرگاہ ہوگی۔ اب بجائے سیرگاہ کے زراعت کا میدان ہی رات دن ہل چلتا ہی اور اس کے شکم میں کھیت ہی کھیت کھڑے ہیں۔ اب یہ حوض کی شکل نہیں رہا۔ بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا اور بھر بھرا کر برابر ہوگیا ایک قطرہ پانی کا نہیں ٹھیرتا سوکھا پڑا رہتا ہی اور لوگ زراعت کرتے ہیں۔ کھڑ ہڑے سے آتے وقت تھوڑی دور تک اس کا ایک بلند بند ملتا ہی جو حال میں ڈالا گیا ہی یا ممکن ہی کہ پہلے بند پر نئی مٹی ڈال دی ہو۔ اب اس گاؤں ہی کا نام حوض خاص ہوگیا ہی اور گنواروں کی زبان پر ہوز کھاس چڑھ گیا ہی ورنہ اب نہ حوض خاص رہا نہ تالاب رہا۔ وہ وسیع سلسلہ مکانات کا جو اس کے گرد تھے اکثر اُن میں سے کھنڈر ہوگئے مگر پھر بھی یہ مقام دیدۂ عبرت سے دیکھنے کے قابل ہی۔

فیروز شاہ تغلق کا مقبرہ

۷۹۲ھ — ۱۳۸۹ء

یاد ایام عشرتِ فانی ⁂ نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی
خاک میں رشکِ آسماں ہے ملی ⁂ ہائے کیسی بلند ایوانی
ایسی وحشت سرا میں آئے کون ⁂ بے دری کر رہی ہے دربانی
کیا ہوئی وہ بلندیٔ دیوار ⁂ کیا ہوئے وہ عمادِ طولانی
جائے گل ہیں چمن میں ریزہ و سنگ ⁂ کاہ کرتی ہے نازِ ریحانی ⁂ اٹ گئے حوض و نہر غیر از چشم ⁂ ایک قطرہ کہیں نہیں پانی
نہ ملا کچھ نشانِ آبِ رواں ⁂ خاک سارے جہان میں چھانی ⁂ سقفِ رنگیں و زرنگار کہاں ⁂ جز سپہر و نجوم نورانی
شور زاغ و زغن ہے سمع خراش ⁂ اب کہاں بلبل و غزل خوانی ⁂ نظر آتی نہیں وہ تصویریں ⁂ نقش دیوار کیوں ہوئی ہوانی
اس چمن زار کو خزاں تھی ضرور ⁂ میں نے کیا تہ کی بات پہچانی

حوض خاص کے پاس ہی ایک کنارے پر فیروز شاہ (۸۸-۱۳۵۱ء) پسر سالار رجب برادر خورد تغلق شاہ کا مقبرہ ہے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حوض اور مکانات ملحقہ تو فیروز شاہ کے بنوائے ہوئے ہیں اور مقبرہ سلطان محمد ناصر الدین بن سلطان فیروز شاہ (۹۲-۱۳۸۹ء) نے جو اپنے بھتیجے ابوبکر شاہ بن ظفر خاں بن فیروز شاہ کے مرنے کے بعد بادشاہ ہوا ۷۹۲ھ (۱۳۸۹ء) میں بنوایا تھا۔ یہ مقبرہ اندر سے ۲۹ فٹ – ۳ انچ مربع ہے جو بہت عمدہ پتھر کا پختہ بنا ہوا ہے جس کے دو جانب مغرب اور شمال میں ایک ایک لین مکانات اور حجروں کی ہے جو غالباً فیروز شاہ کا مدرسہ تھا۔ گنبد کے دو دو دروازے کھلے ہیں۔ مغرب اور شمال کی طرف بند اور دروازوں کے جواب میں دیوار دوز محرابیں ہیں۔ مقبرے کا صدر دروازہ جنوب کی طرف ہے جس کے سامنے پتھر کی ایک منڈیر کوئی دو فیٹ اونچی گھیر دینے سے ایک مختصر سا خوش نما صحن نکل آیا ہے۔ اور اسی صحن میں سے ہو کر تین سیڑھیاں چڑھ کر مقبرے کے اندر پہنچتے ہیں۔ دروازے کی محراب ۱۰ فٹ بلند اور ۶ فٹ – ۳ انچ چوڑی ہے۔ مقبرے کے اندر چار قبریں ایک ہی قطار میں ہیں۔ مغرب کی جانب سے (۱) قبر سب سے بڑی ۹ فٹ – ۹ انچ × ۵ فٹ – ۴ انچ اور ۲ فٹ – ۴ انچ اونچی سنگ مرمر کی ہے اور یہی فیروز شاہ کی معلوم دیتی ہے۔ اس کے پہلو میں مشرق کی طرف دوسری قبر سنگ مرمر کی اور تیسری گچ کی ہے۔ چوتھی نیچے وار قبر نمبر ۴ کے پائین میں ایک چھوٹی سی قبر سنگ مرمر کی ہے۔ سرسید لکھتے ہیں کہ اس گنبد میں فیروز شاہ کا بیٹا نصیر الدین محمد شاہ اور علاء الدین سکندر شاہ پسر نصیر الدین بھی مدفون



نقشہ مقبرہ فیروز شاہ بادشاہ سر حوض خاص

ہیں لہذا نمبر ۲ و ۳ کی قبریں ان دونوں صاحبوں کی ہوں گی۔ چوتھی قبر نامعلوم ہے۔ گنبد کا دروازہ چوڑا مستطیل اور محراب دار ہے جس کے بالائی حصے پر سنگ سرخ کی جالی لگی ہوئی ہے۔ دروازے کے اوپر کا پٹاؤ اور دونوں جانب کے ستون ذرا آگے بڑھے ہوئے ہیں جن پر نقش ونگار بنے ہوئے ہیں۔ مشرقی دروازہ بھی وضع قطع میں بجنسہ جنوبی دروازے کی طرح کا ہے مگر اس کے سامنے احاطہ کی منڈیر نہیں ہے۔ شمال رُخ کی دیوار در محراب میں ایک نوکدار محراب کا دروازہ ہے جس میں سے ہو کر مدرسے میں جانے کا رستہ ہے۔ مقبرے کی دیواروں کی شکل بہت اوپر جا کر بدل جاتی ہے جو مربع سے مثمن اور پھر سولہ ضلعوں کی شکل کی ہو جاتی ہیں اور اس طرح ایک نہایت پیچ در پیچ شکل کا چھتہ بن جاتا ہے۔ مقبرے کی چھت کے اطراف ایک پست منڈیر ہے۔ گنبد نصف دائرے کی شکل کا ہے جس کا قطر بہت بڑا ہے جو چوٹی تک پونہچتے پونہچتے ایک خوب صورت دائرے کی شکل کا ہو جاتا ہے جس میں سے پٹیاں باہم تقاطع کرتی ہوئی گنبد کے وسط تک پونہچتی ہیں۔ ان پٹیوں کے باہمی تقاطع سے تین قطاریں مختلف اقسام واشکال کے گلدستوں اور پھولوں کی تراشی گئی ہیں۔ ان پٹیوں اور گلدستوں پر اور گنبد کی سقف کی سفید سطح پر مختلف اقسام کی رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ جنوبی دروازے کی پیشانی پر ایک نہایت عمدہ دوسطری کتبہ بخط طغریٰ نسخ چونے میں کھدا ہوا ہے جس کے کھپرے جھڑ جانے سے بہت ناقص ہو گیا ہے۔ جو عبارت جھڑ گئی اُس سے قطع نظر کرکے بھی جو باقی ہے وہ ایسی پیچ در پیچ لکھی ہوئی ہے کہ طبیعت پر بہت زور ڈالنے کے بعد بھی پوری طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ الفاظ اوپر نیچے اور پیچ پیچ ہونے سے کتبہ کیا ہے ایک بھول بھلیاں ہے۔ بہر حال کافی غور کے بعد جو الفاظ نکل سکے ہیں وہ یہ ہیں:- کتبہ

پہلی سطر :- ..... اللہ محمد رسول اللہ لناں ..... باتباع فرمایش درمیان دہ ماہ مرتب کرد سال لحد در عہد ..... سلطان السلاطین سکندر بن سلطان السلاطین ..... بہلول شاہ خلد اللہ ملکہ وسلطانہ واعلی امرہ وشانہ در بستم ماہ رمضان سنۃ ثلثہ عشر تسعمائۃ۔

دوسری سطر:- سلطان السلاطین سلطان فیروز شاہ طاب ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ در ..... بن شیخ قاضی بن شیخ حاجی لہ لنبا دے ہزار

انصار بردا اللہ انار حیوۃ .. فیروز میان وجلال میان در سال منالیون

یہ چیدہ چیدہ الفاظ بہ شکل نکلے ہیں جن سے کوئی مطلب نہیں نکل سکتا۔

سر سید نے صرف دوسری سطر پڑھنے کی کوشش کی ہے لیکن اوّل سطر کو بغور ملاحظہ نہیں فرمایا اس میں تو کلام نہیں کہ یہ گنبد فیروز شاہ بادشاہ کا ہے اور اغلب قیاس یہ ہے کہ انھی کے بیٹے نے بنوایا ہوگا۔ لیکن کتبہ کی عبارت بحث طلب ہے۔ اس کتبے کی پہلی سطر میں صاف طور پہ تام سکندر بن بہلول شاہ اور سال ۹۱۳ھ درج ہے جو لودھیوں کا زمانہ ہوتا ہے اس سے صاف ظاہر کہ کتبہ زمان مابعد میں بعہد سکندر شاہ ثانی لگایا گیا ہے نہ اس سے قبل۔ اس کتبہ کو مرتب گردانیدہ سلطان السلاطین فیروز شاہ خلد اللہ ملکہ ..... بن سلطان فیروز شاہ طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کیسے پڑھا گیا اصل کتبے میں نہ مرتب گردانیدہ ہے اور نہ بن سلطان فیروز شاہ اور نہ زندہ آدمی کے نام کے ساتھ طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ لکھا جا سکتا ہے۔ گنبد کے گرد اس مقام پہ جہاں سے کہ گنبد شروع ہوتا ہے سنگ سرخ کا ایک ٹپکہ لگایا گیا ہے۔ جس پر بہت عمدہ نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ مقبرے کے سامنے جنوب رخ پر احاطے کی ایک بہت لمبی اور اونچی فصیل نما دیوار کھڑی ہے جس میں طاق طاق بنے ہوئے ہیں غالباً ایسی ہی دیوار احاطے کی چوطرف تھی اب صرف ایک ہی طرف باقی رہ گئی ہے۔ لارڈ کرزن کو یہ کھنڈر بھی دعا دے رہے ہیں جس طرح فیروز شاہ کے کوٹلے۔ پرانے قلعے ہمایوں اور صفدر جنگ کے مقبروں قطب صاحب کی لاٹ میں دوبارہ جان ڈال دی ہے فیروز شاہ کے مقبرے کے کھنڈروں کو بھی چمن بنا دیا ہے۔ لال لال بجری کی خوش نما روشیں اور ہری ہری دوب کے ہموار تختے کے تختے عجب بہار دیتے ہیں کھنڈروں پر بھی نکھار ہے گرے پڑے پتھروں کو بھی سمیٹ کر خوش سلیقگی سے قرینے اور ڈھکانے سے لگا دیا ہے۔ کوڑے کرکٹ کا نام نہیں چوطرف سبزہ زار اور تازگی ہے۔ عمارات کی بھی تا بہ امکان مرمت کرا دی ہے گویا مرنے کے حلق میں پانی ڈال دیا۔ لاٹ صاحب نے یہ کام ایسا کیا ہے کہ ان کو جتنی دعائیں دی جائیں کم ہیں۔

حوض خاص کی اور عمارتیں

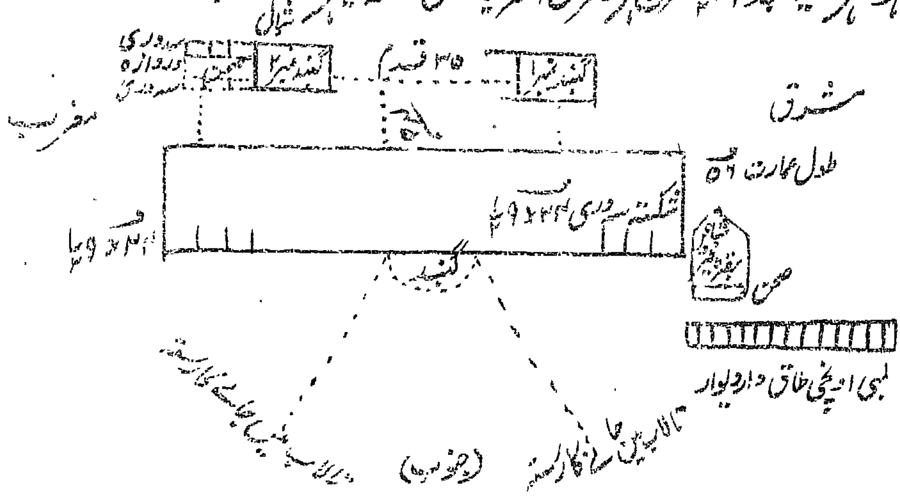
دو گنبد

(۱) اندر سے ۱۷ فٹ ۔ ۹ انچ مربع ۔ چاروں طرف چار دروازے ۔ محراب ۸ فٹ ۔ ۹ انچ بلند ۶ فٹ ۔ ۵ انچ چوڑی ۔ قبر ندارد ۔ فرش حال میں سنگ خارا کی سلوں کا کیا گیا ہے۔

(۲) اوپر والے مقبرے کی سیدھ میں مشرق کی طرف ۔ دونوں گنبدوں میں (۳۵) قدم کا فصل ہے ۔ ۱۷ فٹ ۔ ۹ انچ مربع ۔ محراب ۸ فٹ ۔ ۳ انچ بلند ۴ ۱/۲ فٹ چوڑی ۔ مشرق مغرب کے در کھلے باقی دو طرف کے بند ۔ قبر باقی نہیں ۔ فرش سنگ خارا کی سلوں کا زمانہ حال کا ہے ۔ اس مقبرے کے سامنے ۱۲۳ × ۲۱ ۱/۲ فٹ کا صحن ہے جس کی دونوں جانب ۲۳ ۱/۲ × ۱۲ ۱/۲ فٹ سہ دریاں تھیں جن کے در ۱۰ فٹ بلند اور ۶ ۱/۲ فٹ چوڑے ہیں ۔ سہ دریوں میں ایک ایک بغلی کوٹھری بھی ہے ۔ مغرب کی طرف گنبد اور سہ دریوں پر جانے کا (۱۳) سیڑھیوں کا زینہ ہے ۔ سہ دریوں کے سامنے چبوترا بھی سنگ خارا کی سلوں کا تھا جو اکثر جگہ سے گر گیا۔

مدرسے کے مکانات

ان دونوں گنبدوں کے شمال میں ۱۲۵ فٹ لمبا قطع مکانات کا ہے جس میں کا ۲۵ فٹ کا حصہ گر گیا ہے ۔ اس حصے کے وسط میں ایک گنبد ہے ۔ گنبد کے دو طرف نیچے اترنے کا زینہ ہے جس میں سے تالاب تک اتر جاتے ہیں یہی حوض خاص ہے ۔ گنبد کے تین دروازے ہیں شمال کی طرف ایک شہ نشین ہے جس سے تالاب کا نظارہ ہوتا ہے ۔ یہ گنبد ۱۹ ۱/۲ فٹ مربع ہے ۔ فرش اکھڑ گیا ۔ سطحی نقشہ یہ ہے۔



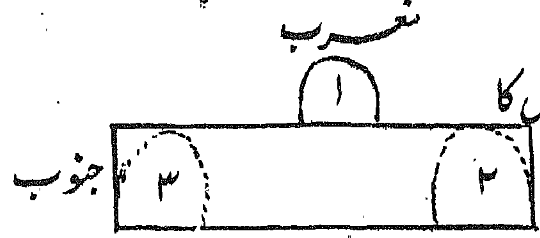
مقبرے کے شمال میں بھی اسی قسم کا بلاک مدرسہ کی عمارت کا ہے اور اس طرح اب دو بلاک ہیں۔ بالجملہ دونوں بلاک ملا کر بہت وسیع عمارت ہے جس میں کشادہ دالان، سہ درے اور حجرے ہیں جو ایک بڑے کالج کے لیے بالکل مکتفی ہو سکتے ہیں۔

فیروز شاہ کے مقبرے کے شرقی جانب کے برج

(۱) ہشت درہ ہشت پہلو برج جس کا ایک ضلع ۹ فٹ ۳ انچ ہے۔ (۲) اسی لین میں اس کا جواب دوسرا برج۔ (۳) ایک شکستہ لداوی کوٹھری برج نمبر (۱) کے پاس۔
(۴) ہشت درہ برج دوہرے دروں کا۔ ایک ضلع ۱۱ فٹ ۳ انچ۔ (۵) ہشت پہل برج۔ ایک ضلع ۱۱ فٹ ۳ انچ۔ اس میں سنگ سرخ کے تعویذ کی ایک قبر زمین کے برابر ہے۔ (۶) بارہ کھمبا (۴۲×۴۲ فٹ) مربع جس کے بیچ میں ایک قبر زمین کے برابر ہے۔

دو دالان

(۱) اس شکل کا



یہ عمارت ۸۰×۲۶ فٹ سنگ خارا کی بالکل صحیح سلامت ہے۔ لمبان میں گیارہ اور چوڑان میں تین در ہیں۔ دونوں سروں پر دو گنبد۔ گنبد نمبر (۱) ۳۰ فٹ ۲½ انچ × ۲۳ فٹ ۹ انچ۔ گنبد نمبر ۱ کے سامنے بالکل تالاب کے کنارے ایک دو منزلہ نہایت وسیع اور مرتفع دالان ۱۷۰×۳۰ فٹ ہے۔ اس کے دونوں سروں پر بھی گنبد تھے۔ شمال کی طرف کا برج نصف گر گیا اور جنوب کی طرف صرف دو دروں سمیت ایک پاکھا کھڑا ہے۔ چھت نام کو نہ رہی۔ تحتانی حصہ طولاً نصف گر گیا اور نصف باقی ہے۔ عجب نہیں جل محل یہی ہو اور یوں تو جتنی عمارتیں ہیں سب تالاب کے کنارے ہیں اور سب ہی کا ایک رخ تالاب کی طرف ہے جسے چاہو جل محل کہہ لو۔

تالاب کے کنارے کی مسجد

یہ مسجد عمارات ملحقہ کی شان و شوکت کے لحاظ سے بہت بڑی اور شاندار بنائی گئی ہے۔ صدر دالان ۵۶ فٹ × ۱۰ فٹ ۲½ انچ ہے۔ دائیں بائیں دو سہ درے دالان ہیں۔ داہنی طرف کا دالان گر گیا۔

دالان ۳۵ فٹ × ۱۶ فٹ ہیں۔ مسجد پانچ در کی ہے اور دو دو در بغلی دالانوں کے ملالیں تو نو دری سمجھو۔ موجودہ صحن مسجد کا ۴۸ فٹ مربع ہے جس کے بیچ میں ایک پرانا درخت نیم کا اور دو قبریں سنگ سرخ کے تعویذوں کی ہیں۔ اس صحن کے علاوہ مسجد کے گرد ایک وسیع پختہ احاطہ بھی ہے۔ مسجد کے صحن میں ایک حوض بھی ہے جس میں مٹی بھری ہوئی ہے جو ۳۹ فٹ مربع ہے۔ مسجد کی چھت کی دیواریں تالاب کے رخ پر تین سنگ سرخ کی شہ نشینیں رکھی گئی ہیں۔ بیچ کی شہ نشین بڑی ہے اور ادھر ادھر کی چھوٹی۔

نگینہ گمٹی

حوض خاص سے ہم موضع منیرکہ کو چلے جو کوئی ڈیڑھ میل جگہ ہے۔ فیروز شاہ کے مقبرے کے مغرب میں حوض خاص کے کنارے ایک ٹیلے پر ایک برجی کھڑی ہوئی ہے جسے لوگ نگینہ گمٹی کہتے ہیں۔ یہ ایک شش دری برجی ہے جس کا ایک ضلع ۵ فٹ ۲ کا ہے۔ قبر نہیں ہے۔ گرد کا چبوترا شکستہ ہو گیا۔ ایک خشک کنواں بھی چبوترے پر ہے۔ اس سے ذرا آگے بڑھ کر ایک وسیع اور پختہ چار دیواری کے اندر بہت سی قبریں ہیں۔

بجلی خاں کا گنبد

منیرکہ جاتے وقت داہنے ہاتھ کی طرف ایک بلند ٹیلے پر جو گنبد ہے وہ بالعموم بجلی خاں سے منسوب کیا جاتا ہے مگر فنا کے اندھیرے گھپ کے سامنے بجلی کی کوند بھی کچھ روشنی نہیں ڈالتی۔ گمنامی کی ایسی گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے کہ ٹٹولنے سے بھی رستہ نہیں ملتا۔ یہ مقبرہ اندر سے ۴۸ فٹ مربع ہے۔ سارا پلاستر اندر باہر کا گر پڑا کہیں کہیں کچھ ٹکڑا لگا رہ گیا ہے۔ ایک ہی لین میں چار قبریں سنگ سرخ کی ہیں ایک قبر سب میں بڑی اور اچھی حالت میں ہے اس کو سمجھ لو کہ یہی بجلی خاں کی ہے۔ باقی شکستہ ہیں۔ تین طرف کے در کھلے ہوئے ہیں۔ شرقی جانب کا بند کر دیا گیا ہے۔ (۱۸) سیڑھیوں کا زینہ اوپر چڑھنے کو ہے۔ چوں کہ اس نواح میں سارے گنبد فیروز شاہ کے عہد کے پٹھان امرا کے ہیں ہو نہ ہو بجلی خاں ان ہی میں کے ایک ہوں گے۔ اس مقبرے کے مغرب میں ایک اور چھوٹی سی گمزی ۱۸ فٹ مربع ہے جس میں ایک ٹوٹی پھوٹی قبر بھی ہے مگر جب اتنے بڑے گنبد کا کچھ حال نہ کھلا تو یہ گمزی کس شمار قطار میں ہے۔

چھوٹا گنبد بجلی خان کے گنبد کے پاس ہی اس نام کا ایک ادھ بنا گنبد ہے۔ اس کو دیکھنے سے تو چھوٹے کا نام غلط معلوم دیتا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ سارے کا سارا بن گیا صرف قبہ بننا باقی رہ گیا۔ چھت کا نہ نشان ہے نہ چھت کا کوئی گرا پڑا حصہ ہے خدا جانے کیا اتفاق پیش آیا کہ بنتے بنتے رہ گیا۔ یہ اندر سے ۳۵ فٹ مربع ہے۔ قبر نہیں ہے۔

حاجی لنگیا کا مقبرہ اور مسجد حاجی صاحب کا اصل نام کیا تھا معلوم نہیں مگر اب تو گاؤں والے اسی نام سے پکارتے ہیں۔ گو یہ گنبد اور اس سے اگلا دونوں موضع حوض خاص کی حدود میں ہی ہیں مگر موضع منیرکہ سے قریب ہیں ۳۰ فٹ مربع ایک گنبد ہے اندر پولیاں بھری ہوئی ہیں خبر نہیں کہ قبر ہے یا نہیں۔ مشرق اور شمال میں ایک ایک دروازہ ہے۔ سامنے ایک پانچ دری پختہ مسجد ہے جس میں کے دو در گر گئے مسجد کا دالان ۸۵ فٹ × ۹ ہے صحن مسجد ۱۰۰ × ۸۵ فٹ ہے۔ اسی کے کنارے مقبرہ ہے۔

ایک گمزی اوپر والے گنبد کے شمال مغرب کے کونے میں ایک گمزی ۱۲ فٹ مربع کھڑی ہے۔ بیچ میں قبر کا صرف گڑھا رہ گیا ہے اور گمزی کا قبہ بھی بالکل کھنڈ گیا ہے۔ چونکہ یہ گمزی اوپر والے مقبرے کے پاس یعنی اس کے احاطے میں ہے قیاس یہ چاہتا ہے کہ بڑے گنبد والے صاحب کے یہ کوئی متوسل ہوں گے ہم کو نہ آقا کا پتہ ملا نہ متوسل کا۔

موضع منیرکہ کے حدود کے گنبد

قنالی مسجد گاؤں سے دور سے کوئی دو گولی کے ٹپے پر اوپر والے گنبد کے مغرب میں ساٹھ فٹ مربع قنالی مسجد ہے۔ چبوترے پر بہت سی قبریں اور بیچ میں ایک پرانا نیم کا درخت کھڑا ہے چبوترے کے گرد منڈیر اور چاروں کونوں پر گول فیل پائے بنے ہوئے ہیں چبوترے کی دیواریں چو طرف طاق طاق بنے ہوئے ہیں پچھیت کی دیواریں بیش طاق کے پیچھے ایک بڑا طاق اور ادھر ادھر تین تین چھوٹے طاق اس طرح کل سات طاق ہیں۔ بہت پرانی عمارت معلوم دیتی ہے سارا چبوترا جھاڑیوں اور کانٹوں سے ڈھک گیا ہے۔

موضع منیرکہ کے کئی گنبد

منیر خاں اور وزیر خاں فیروز شاہ کے زمانے کے دو امرا تھے کہتے ہیں کہ دونوں بھائی بھائی تھے۔ اُنہوں نے دو گاؤں بسائے تھے جو اُنھیں کے نام سے مشہور ہیں۔ منیر خاں کا منیر کھاں ہوا جو کثرت استعمال سے منیرکہ ہو گیا اور امیر خاں کا گاؤں امیرکہ کہلانے لگا۔ امیرکہ کی بستی کا تو اب پتہ بھی نہیں رہا ہاں منیرکہ موجود ہے۔ منیر خاں کی نسبت کہتے ہیں کہ شکار کا بہت شوق تھا اور چیتے پالا کرتے تھے۔ دونوں بھائیوں نے دونوں گاؤں جاٹوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالے۔ اس بستی کے متصل تو صرف دو گنبد ہیں ایک تو بالکل بستی کے اندر ہے اور دوسرا بستی کے باہر۔ پہلے گنبد سے کوئی ہزار قدم پرے دونوں گنبدوں کو لوگ منیر خاں ہی کا بتلاتے ہیں لیکن میرے خیال میں بستی کے اندر والا گنبد کسی اور کا ہوگا رہا باہر والا گنبد وہ بہت عالی شان ہے اور قیاس یہ چاہتا ہے کہ وہی منیر خاں کا ہوگا۔

بستی کا اندر والا گنبد

(۱) ادھر اُدھر دو دو لداوی محرابیں ہے مربع۔ بہت خراب و خستہ حالت میں ہے بیچ میں ایک قبر ہے وہ بھی خام جس پر گاؤں والے اُپلے تھاپتے ہیں۔ اس گنبد کے شمال میں دو کوٹھریاں ہیں وہ بھی گنبد کی طرح بوسیدہ ہیں۔

(۲) بستی کے باہر اوپر والے گنبد سے کوئی ہزار قدم کے فصل سے ایک بہت بلند ٹیلے پر (۲۵) سیڑھیاں چڑھ کر یہ گنبد (۲۰) مربع ہے جس کے دو دروازے ہیں۔ چاروں کونوں پر چار بُرجیاں ہیں اور دونوں دروازوں پر دو دو۔ اس میں تین قبریں سنگ سرخ کی ہیں۔ چوں کہ یہ گنبد بہت بلند ٹیلے پر بنا ہوا ہے اور خود بھی اونچی عمارت ہے دور دور سے دکھلائی دیتا ہے۔ ہو نہ ہو یہی منیر خاں کا گنبد ہوگا۔

مراد آباد پہاڑی کے چار گنبد

منیرکے سے مغرب رُخ پر کوئی ایک میل کے فصل پر ایک بڑا گنبد ہے جو بارہ گنبد کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے آگے ایک اور گنبد ہے مگر چھوٹا جو یاجنا گنبد کہلاتا ہے۔ اور آگے بڑھو تو پہاڑی پر دو گنبد اور ہیں ایک بڑا اور ایک چھوٹا۔ یہ چاروں گنبد کن کے ہیں معلوم نہیں۔ پہلے مراد آباد پہاڑی کوئی گاؤں تھا اب اُس کا وجود نہیں ہے۔

اب تو یہ چاروں گنبد موضع منیرکے کی ہی حدود میں ہیں۔

وزیرکے کے مقبروں کا گروپ

منیرکے سے دوگولی کے ٹپ پر پانچ مقبرے برابر برابر ہیں۔ (۱) گمزی ۲۲ فٹ مربع۔ (۲) وزیر خاں کا مقبرہ جو سب میں بڑا اور عالی شان ہے ۶۰ فٹ مربع۔ اندر ٹھاٹھس پولیاں بھری ہوئی ہیں کہتے ہیں کہ اس میں سنگ سرخ کی ایک قبر ہے۔ (۳ و ۴) دونوں ایک ہی طرز کے ۲۶ فٹ مربع گنبد نمبر ۴ میں ایک چونے کی قبر ہے۔ منیر خاں کے گنبد نمبر ۲ کے سامنے ایک گمزی نمبر (۵) ۱۵ فٹ ہے۔ یہ گمزی معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں بنائی گئی ہے کیوں کہ ایسی بے موقع منیر خاں کے مقبرے کی دیوار میں گھسا کر بنائی ہے کہ اُس کے پیش کو عیب لگا دیا اور بالکل آڑ ہو گئی۔ مقبروں کی اس لین کے محاذی بجانب جنوب ایک بہت بڑی اور عمیق مستطیل باؤلی ہے جو بالکل ڈھ گئی ہے۔ باؤلی کے عرض میں ادھر اُدھر دو برجیاں ہیں جن کے بیچ میں کنواں ہے اور ادھر ہی ایک سہ دری بھی بنی ہوئی ہے۔

دو ثنائی مسجدیں

منیرکہ اور امیر خاں کے گنبد کے درمیانی میدان میں بائیں ہاتھ کی طرف تھوڑے تھوڑے فصل سے کھیتوں میں دو ثنائی مسجدیں ہیں جن میں کوئی خاص بات نہیں۔

موضع محمد پور کے تین مقبرے

محمد خاں کا مقبرہ

(۱) منیرکے سے کوئی میل بھر اور منیر خاں کے گنبد سے نصف میل پر محمد پور نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کی نسبت سر سید نے لکھا ہے کہ "اس موضع میں ایک مقبرہ ہے جس کی نسبت معلوم نہیں ہوتا کہ کس کا ہے"۔

سراغ عمر گزشتہ کا ڈھونڈیئے گر ذوق
تمام عمر گزر جائے جستجو کرتے

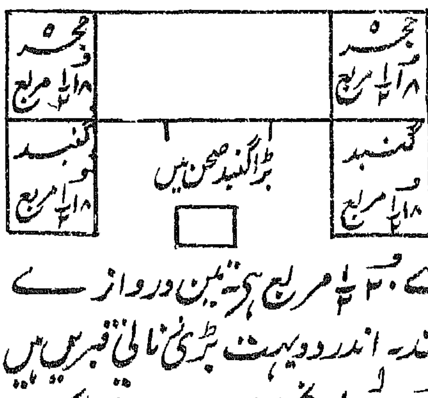
میں اس عرض کرنے کی معافی چاہتا ہوں کہ میرے خیال میں سر سید نے اس مقام کو دیکھا نہیں اور سنی سنائی بات پر یہ مختصر سا فقرہ لکھ دیا ورنہ اس عمارت کی

عظمت وشان اس بات کی متقاضی نہ تھی کہ یوں سرسری طور پر ایسی گراں ڈیل شاہانہ عمارت کا ذکر کیا جاتا۔ موضع محمد پور یا محمد شاہ[لہ] بادشاہ کے نام پر آباد ہے یا کوئی محمد خاں اس کے بانی ہوں گے۔ پہلی صورت میں یہ شاہی عمارت ہوگی اور دوسری صورت میں محمد خاں کی اگر شق آخر اختیار کی جائے تو محمد خاں بھی منیر خاں اور امیر خاں کے جوڑی دار اور ہم عصر ہوں گے۔ بہرحال یہ خیالی تکے ہیں کوئی دل ٹھکتی اور ٹھکانے کی بات ہمارے ہاتھ نہیں لگی۔ مجھے اس عمارت کو مقبرہ کہنے ہی میں تامل ہے۔ اگر مقبرہ لغوی معنوں میں لیا جائے یعنی ہر وہ جائے کہ جہاں قبر ہو تو صحیح ہے اور اگر مترادف معنوں میں لیا جائے تو یقیناً غلط ہے۔ کیوں کہ اس عمارت کی صورت بھی مقبرے کی نہیں ہے۔ صدہا مقبرے ہماری نظر سے گزرے سب ایک ہی وضع قطع کے ہیں کہ یا مربع ہیں یا ہشت پہل۔ چار طرف چار در اوپر گنبد مگر یہ کیسا مقبرہ ہے جو مسلسل ۱۶۲ فٹ تک چلا گیا ہے۔ میرے خیال ناقص میں تو یہ تین در کی مسجد ہے ۱۶۲×۶۰۔ تین بڑے بھاری در ہیں ۲۵ فٹ چوڑے۔ اس عمارت کے تین گنبد ہیں بیچ کا بڑا اور ادھر ادھر کے چھوٹے۔ اس طرح تین قطعے ہیں ۴۸ فٹ مربع۔ بیچ کے گنبد میں دو قبریں ہیں وہ بھی شکستہ۔ کتبہ کوئی ہے نہیں جس سے کچھ پتہ چل سکے۔ سیدھے ہاتھ کی طرف کے پہلے قطعہ کی چھت کی دیوار میں اوپر وار ایک سنگ باسی کا ٹکڑا کہیں کا لاکر چن دیا ہے جو کسی دہلیز کا ٹکڑا معلوم دیتا ہے جس پر بسم اللہ اور کچھ آیت لکھی ہوئی ہے جو صاف پڑھی نہیں جاتی یہ پتھر بہت

لہ اس نام کے کئی بادشاہ مختلف خاندانوں میں ہوئے ہیں (۱) محمد بن تغلق (۱۳۲۵–۱۳۵۱ء) ناصر الدین محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق (۱۳۸۹–۹۲ء)۔ خاندان سادات میں محمد شاہ بن فرید خاں بن خضر خاں (۱۴۳۴–۴۵ء) سلاطین مغلیہ کے آخری زمانے کے محمد شاہ (۱۷۱۹–۴۸ء) آخر الذکر تو رنگیلے ہی مشہور تھے وہ تو اتنی بڑی عمارت کیا بنواتے اور پھر عمارت ٹھیری بہت پرانی یوں بھی ان سے منسوب نہیں کی جاسکتی نہ اتنی پرانی اور اس طرز کی ہے کہ محمد شاہ تغلق کی سمجھی جاسکے نہ اس کا طرز خاندان سادات کے بادشاہوں کی عمارتوں کا سا ہے لے دے کے دل اگر ٹھکتا ہے تو اسی پر کہ محمد شاہ بن فیروز شاہ نے یہ مسجد بنوائی ہوگی اور اسی کے نام پر یہ گاؤں آباد ہے یہ میری ذاتی رائے عمارت کے طرز و انداز پر ہے ورنہ خدا معلوم حقیقت نفس الامر کیا ہے۔ ۱۲ من المصنف

بلندی پر ہے کوئی ڈیڑھ فٹ لمبا اور چھ انچ چوڑا ہوگا لیکن یہ اس عمارت کے متعلق کوئی کتبہ نہیں ہو سکتا نہ وہ جگہ جہاں یہ لگایا گیا ہے کتبہ کی ہے۔ اس عمارت کی بلندی اٹھ ہے اور (۹ لم) سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ عمارت کے پیش میں سنگ خارا کی سلوں کا چوڑا چھجہ تھا یہ سلیں بہت سی گر گئیں ایک آدھ رہ گئی ہے البتہ سنگ سرخ کے توڑے باقی ہیں۔ عمارت کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں والے اس میں فراغت سے رہتے تھے کیوں کہ اندر تمام اُنھوں نے خام دیواریں اُٹھا اُٹھا کر گھروندے بنا لیے ہیں۔ فرش باقی نہیں رہا۔ مویشی باندھ باندھ کر سارے گڑھے ڈال دیئے ہیں۔ ایسی نفیس عمارت کو اس درجے برباد کرنے کے بعد اب شاید خالی کرا لیا گیا ہے کیوں کہ اس میں اب کوئی رہتا نہیں۔ صحن مسجد کا باقی نہیں رہا لوگوں نے مسجد کے اندر تک اپنے مکانوں کو گھسا دیا ہے اور ایسا گھیر لیا ہے کہ جب تک ان کے مکانوں میں سے نہ گزرو مسجد میں پہنچ نہیں سکتے اور یہ سارے مکانات جب سے کوئی پرسان حال نہ رہا بعد میں بنائے گئے ہیں جو تمام تر جاٹوں کے گھر ہیں۔

گاؤں کے اندر ایک گنبد اور مسجد عین آبادی میں یہ چھوٹا سا ۲۳ فٹ مربع گنبد ہے اسی کے پاس ایک سہ دری جے لمبی مسجد ہے۔ گنبد میں دو قبریں ہیں ایک پتھر کی ایک چونے کی۔ گاؤں والوں نے پولیاں بھر رکھی ہیں کہ اندر جا نہیں سکتے۔ خانۂ خدا کو دیکھئے اور اس بے حرمتی کو! شکل یہ ہے:-



سہ دری مسجد۔ دونوں طرف دو حجرے سامنے دو حجرے جن پر گنبد ہیں۔ صحن میں ایک بڑا گنبد۔ مسجد کی چھت مسطح ہے۔

ایک اور گنبد بستی کے کنارے ۲۰½ فٹ مربع ہے تین دروازے مغرب کی طرف بند۔ اندر دو بہت بڑی نالی قبریں ہیں گچ کی مگر شکستہ۔ ایک قبر ۲ فٹ ۳ انچ × ۳ فٹ ۵ انچ اور ۳ فٹ ۱ انچ اونچی ہے اور دوسری قبر اس سے ذرا چھوٹی ہے۔

برجی تجلی خاں کے مقبرے اور محمد پور کی بستی کے کھیتوں میں ایک چھوٹی سی برجی ہے

ہمایوں پور کا مقبرہ

محمد پور سے کوئی دو فرلانگ پر ہمایوں پور کی بستی ہے۔ پہلے اس گاؤں کے گرد فصیل تھی جس کا تھوڑا سا حصہ اور ایک کونے کا برج باقی رہ گیا ہے یہاں بھی بستی سے ملا ہوا ایک گنبد ۱۲ فٹ مربع شکستہ حالت میں ہے۔ اس میں بھی پولیاں بھری ہوئی ہیں۔ قبر کا حال معلوم نہیں۔ اب ہم اپنا چکر ختم کر کے پھر حوض خاص کے سامنے آگئے اور یہاں سے تاج خان کے گنبد پیچھے ہوتے ہوئے کھرپڑے جا پونہچے۔

موضع کھرپڑہ

قطب روڈ کے آٹھویں میل کے پانچویں اور چھٹے فرلانگ کے درمیان دلّی سے جاتے وقت سڑک سے ملا ہوا فصیل سے محصور جو گاؤں ہے وہ کھرپڑا ہے اور سڑک کی دوسری طرف سڑک سے ہٹا ہوا حوض خاص۔ فصیل اب جابجا سے گر پڑی ہے۔ اس وقت تو اس گاؤں میں مشکل سے ایک درجن گھر ہوں گے وہ بھی اُن لوگوں کے جو کہ بضرورت زراعت یہاں رہ پڑے ہیں مگر یہاں کی دو مسجدیں اور بڑے پکانے کے لحاظ سے کسی زمانے میں یہ بڑی بستی رہی ہوگی اس موضع میں دو مسجدیں ہیں ایک حد کے اندر ایک باہر

مسجد

اندر والی مسجد قدیم زمانے کی ہے جس کی مرمت دلّی والے حاجی محمد اسحاق صاحب پنجابی نے کرواکر درست کرا دیا ہے۔ پہلے اس کا صحن زیادہ وسیع تھا اب بقدر ضرورت ۴۴×۲۴ رکھ کر ۶ فٹ ۹ انچ اونچی دیوار اٹھادی ہے۔ مسجد تین در کی ہے۔ محراب کی اونچان ۹ فٹ ۱۰ انچ اور چوڑان ۸ فٹ ۳ انچ۔ بلندی مسجد کی ۲۵ فٹ ۴ انچ اوپر چڑھنے کی زینے کی ۱۹ سیڑھیاں ہیں دالان اکہرا ۴۲ × ۱۶ فٹ ۳ انچ ہے۔ بیچ کے در پر گنبد ہے اِدھر اُدھر قلمدان نما لداؤ کی چھت۔ ممبر تین سیڑھیوں کا ہے۔ سنگ سرخ کے فیل پایہ نما در ہیں۔ مسجد کے سامنے چوڑا چھجہ تھا چھجہ تو گر گیا توڑے باقی ہیں۔ فرش دالان اور صحن مسجد میں گچ کا ہے۔ چاروں کونوں پر چار برجیاں اور درمیانی محراب کے دو طرفہ ایک ایک برجی۔ شمال میں ایک چھوٹا سا دروازہ ہے اُس کے سامنے کنواں۔ مسجد کے رو کار پر بہت سے چھوٹے چھوٹے طاق بنے ہوئے ہیں۔ آیات قرآنی کے کتبے تو بہت سے تھے لیکن نااہلوں کے ہاتھ میں پڑنے سے سفیدی اور زرد مٹی لیپ لیپ کر سب غارت کر دیئے اُن میں تمام سفیدی بھر گئی کہ الفاظ کی تمیز نہیں ہوسکتی۔ چھت کا پلاستر جابجا سے جھڑ گیا ہے۔ داہنی طرف کی سنگ سرخ کی چھوٹی محراب پر کلمہ اور درود شریف۔ بائیں طرف کی چھوٹی محراب پر بسم اللہ۔ پوری قل ھو اللہ

اور سبحان اللہ۔ جنوبی قلمدان نما در میں اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء تابیدک الخیر
دوسری طرف کلمہ اور کوئی آیت ہے جو صاف نہیں پڑھی جاتی غالباً اقرا ہے۔ گنبد کے دائرے
میں اسمائے حسنیٰ۔ شمال کی طرف بسم اللہ۔ الحامد۔ المجیب۔ العالم۔ الصاید۔
الظاہر۔ الباطن۔ الحفیظ۔ الحکیم۔ لیس کمثلہ شئی وھو السمیع البصیر
دوسری سطر۔ بسم اللہ۔ الملک۔ القدوس۔ السلام۔ المومن۔ العزیز
الجبار۔ المتکبر۔ تیسری سطر۔ قل ھو اللہ۔ کلمہ۔ چوتھی سطر۔ بسم اللہ۔ قل اعوذ
برب الفلق۔ چھوٹی محراب پر (۱) بسم اللہ۔ الحمد للہ الذی خلق السموات
والارض۔ الخ (۲) اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء تابیدک الخیر۔

دروازہ فصیل

عالی شان صدر دروازہ مشرق میں موضع شاہ پور کی طرف ہے جس کا ردکار سنگ سرخ کا ہے ۳۰ فٹ بلند۔ چھ فٹ چوڑا۔
بغل میں دو طرفہ سہ دری۔ باہر نکلئے تو ایک اور مسجد ہے۔

نیلی مسجد

سہ دری۔ دالان ۴۴ فٹ ۳ انچ × ۱۳ فٹ ۲ انچ۔ محراب ۲۰ فٹ ۲ انچ اونچی۔
۸ فٹ چوڑی بیچ کی محراب کے اوپر سنگ مرمر کی شفاف سل پر بہت ہی خط نسخ
کا خوش خط کتبہ لگا ہوا ہے۔ بس یہی ایک چیز اس مسجد میں دیکھنے کی ہے ورنہ یہ مسجد اب
مویشیوں کا کوٹھا ہے کہ دالان اور صحن سب گوبر سے ایسا بھرا ہوا ہے کہ قدم دھرنا بھی
مشکل ہے۔ کتبہ کچھ ایسا پٹواں ہے کہ دو دن کی کوشش میں بھی پورا نہیں پڑھا گیا مگر جتنا
پڑھ لیا گیا ہے اس سے بانی کا نام اور سال بنا تو نکل آیا یہ بھی غنیمت ہے۔

کتبہ پنج سطری۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بناء ھذا المسجد المتین در عہد سلطان
السلاطین ظل اللہ فی الارضین × المتوکل علی الرحمٰن سکندر شاہ بن بہلول شاہ
خلد اللہ ملکہ و سلطانہ واظہر کل ... برھانہ بعمل ... شہر داد خان اعظم مسند عالی
خواصخان دام عالیا بانیہ عمارۃ الملک لورۃ حنفیہ ... الذی رحمۃ اللہ المالک المناجی
... خانزادہ اعظم و مکرم میاں فتحخان بن خواصخان الثانی من ماہ
ربیع الاول سنہ احدی عشر وتسعمائۃ بحلہ درین مسجد دائم برائے
عبادۃ ... علی اھل الایمان بانیہ ... ثم ابن فتحخان ... کاتب
حروف ... لاول محمد۔

عیدگاہ

آٹھ میل چھ فرلانگ پر قطب روڈ کی بائیں طرف۔ طول و عرض ۱۹۰×۳۷ فٹ بلندی دیوار (۲۰) پانچ پانچ دیوار دوز محرابیں ادھر اُدھر بیچ میں صدر محراب اسی کے پاس (۱۳) سیڑھیوں کا زینہ۔ کنگورے دار دیوار۔ دونوں سروں پر دو ہشت پہل برجیاں جن کا قطر (۷) ہے۔ دیوار بھی مخدوش حالت میں ہے اور برجیاں تو کھنڈ ہوگئیں مگر ابھی قبہ قایم ہے۔ بائیں ہاتھ کی طرف کی برجی کے پاس سنگ سرخ کی سل پر ایک ہفت سطری کتبہ ہے۔ جو کسی طرح پڑھا نہیں جاتا اول تو کچھ نہ کچھ دوسرے لونی لگ کر حروف مندرس کا ئی جم کر حروف کی اصلی صورت باقی نہیں رہی اور سب سے بڑھ کر اناڑیوں نے چربے اتار اتار کر کول تار اور سفیدی لگا لگا کر اور غارت کیا۔ افسوس ہے کہ ہماری کئی دن کی کوشش بیکار گئی۔ دھلوایا صاف کرایا سیڑھی لگا کر چڑھے مگر نہ پڑھا جانا تھا نہ پڑھا گیا مجھ سے جو پڑھا گیا وہ لکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ اگر چیدہ چیدہ لفظ نکال لیے تو اس کا شمار پڑھے جانے میں نہیں ہے۔

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم چون قبل الاسلام ... دار الملک دھلی ولادہ دار الملک از شہر مغل ملاعید و بہادر الکفر۔

(۲) سلطنت غوری ... الی داود مسلمین و السید المساجد و المقلد ... خلیفات

(۳) .... در گاہ بانی اقبال خان عرف ....

(۴) .... السلطان و اقبال مسند عالی الملک فی ....

(۵) ....

(۶) .... خاص بنا فرمودہ تا ... مسلمانان لفضل او۔

(۷) ....

اب اس عیدگاہ کی یہ گت بنی ہے کہ سارا چبوترا جوت ڈالا بس چلا کر دیوار کو بھی کھود کر پھینک دیتے۔ عیدگاہ کے چبوترے کے سامنے دور دور سڑک کے لیے کنکر نکال کر کنکر کی کان بنا دیا ہے۔ کہتے ہیں جو اقبال خاں کا نام ہے اس کا عرف ملو خاں پٹھان تھا جو سنہ ۸۰۰ھ میں فیروز آباد پر قابض ہو گیا تھا اس حساب سے یہ عیدگاہ سنہ مذکور کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

عیدگاہ کے پیچھے کی دو عمارتیں

(۱) اس گری پڑی جگہ کو مکان سمجھ لو یا کوئی قنالی مسجد۔ مگر عیدگاہ کے اتنے

پاس مسجد کے بنانے کا کوئی موقع نہیں شاید کوئی بڑا محل ہوگا۔ اس کی چھت کی دیوار ۹۶ فٹ لمبی چلی گئی ہے جو بیچ میں سے گر بھی پڑی ہے۔ یہ مستطیل عمارت ہے ایک سرے پر ایک حجرہ اور زینہ موجود ہے دوسری طرف کی صرف ایک محراب کھڑی رہ گئی ہے اور بس۔

(۲) اوپر والی عمارت کی سیدھ میں ایک ۳۲ فٹ مربع گنبد ہے جس کے اندر گچ کی ایک بڑی قبر ہے۔ گنبد سے لگا ہوا ایک طرف کو ایک پختہ چبوترا ۲۶½ فٹ مربع ہے جس پر ایک نیم کا درخت ہے جس کے نیچے تین پختہ قبریں ہیں۔

ایک برج اور قناتی مسجد

(۱) عیدگاہ سے جنوب میں وہیں قریب کے قریب کھیت میں ایک گول تور کھڑا ہے اسے برج کہیے یا مینار غرض و غایت اس کی کھیت کے بیچوں بیچ بنانے کی زمانہ حال کی موقعی حالت سے تو کچھ سمجھ میں آتی نہیں۔ اس برج کا دور ۶۰ فٹ ہے جس چبوترے پر کھڑا ہے وہ (۲۷ فٹ) مربع اور ۷½ فٹ اونچا ہے۔ اس پر جو برج ہے وہ ۲۱ فٹ اونچا ہے اور ۳۳ سیڑھیاں ہیں۔ اسی کے سامنے ۳۵½ فٹ کے فصل سے مشرق کی طرف ایک قناتی مسجد ۷۰ فٹ لمبی ہے جس کی دیوار کا بہت سا حصہ گر گیا ہے۔ قرینہ یہ چاہتا ہے کہ اب جو چوطرف کھیت ہیں یہاں آبادی رہی ہوگی اور اس برج کے ساتھ کے اور برج بھی رہے ہوں گے۔

شاہ پور

موضع کھڑے کے مشرق رویہ صدر دروازے کے سامنے ایک میل کے اندر ہی اندر شاہ پور کا موضع ہے جو فی زمانناشاہ پور جٹ کہلاتا ہے۔ یہ موضع پہلے بہت آباد ہوگا جیسا کہ اس کی موجودہ ویران اور گری پڑی عمارتوں سے ظاہر ہے۔ شہر سیری کے حصار کے اندر یہ بھی تھا۔ یہاں کی مرتفع فصیل اور شاندار برجوں کے سبب سے جو درحقیقت سیری کی فصیل کے ہیں اس حصے کو شاہ پور کا قلعہ کہا جاتا ہے ورنہ اصل میں کوئی خاص قلعہ یہاں نہیں ہے۔ گاؤں میں داخل ہونے سے پہلے فصیل کا گرا پڑا حصہ اور کئی لوٹے پھوٹے اونچے نیچے برج ملتے ہیں بستی کے باہر ہی ایک بڑا بھاری گنبد ہے جسے گاؤں والے تخت کا گنبد کہتے ہیں مگر غور

سے دیکھا تو یہ گنبد ایک وسیع مسجد کا سنٹرل ڈوم (بیچ کا گنبد) ہے جس کی حالت مخدوش ہونے سے سرکار کی طرف سے اس کی بہت کشادہ محراب میں دو دو فیل پائے لٹو اڑواڑے کے لگا دیتے ہیں جس سے گرتا ہوا گنبد تھم گیا۔ مسجد کا یہ درمیانی حصہ اندر سے ۲۴½ فٹ اور باہر سے ۳۴ فٹ مربع ہے ہم اس کو مسجد کا درمیانی حصہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے داہنے بائیں پاکھے کی دیواریں اب تک کھڑی ہیں ان دونوں پاکھوں کا درمیانی فصل د ۲۷ فٹ ۱۱ ہے۔ صحن مسجد کا ۱۳۰ فٹ مربع ہے۔ بیچ کا در جس میں دو تھم لگا دیئے ہیں ۲۲ فٹ چوڑا ہے نیچے تو مربع ہے مگر اوپر جاکر گنبد ہشت پہل ہو گیا ہے۔ جنوب کی طرف اوپر جانے کا زینہ تھا ادھر کی چھل گر جانے سے اب اوپر جانے کا رستہ نہ رہا۔ بستی میں گھستے ہی ایک بہت لمبی اور اونچی دیوار کھڑی ہے جو استداد زمانے سے کالی پڑ گئی یہ کسی عالی شان محل کی پچھیت کی دیوار معلوم دیتی ہے۔ اس طرح کے گرے پڑے بہت سے مکان اس بستی میں ہیں۔ بستی کے اندر ایک قدیم عمارت **بارہ دری** کی ہے جو اب کھنڈر ہے اس کے باقی ماندہ حصے میں جاٹ وغیرہ نچلے لوگ رہتے ہیں۔ **تھانے والا گنبد** اس کا اصلی نام کچھ اور ہوگا اب کچھ دنوں تھانہ رہنے سے یہ نام پڑ گیا۔ بیچ میں ایک چپٹا گنبد ہے دونوں طرف در اور ایک ایک حجرہ ہے۔ جس کا طول و عرض ۴۳ × ۴۸ فٹ ہے محراب کی چوڑان ۱۱½ فٹ۔ بلندی عمارت کی ۱۳½ فٹ اس کے گرد ایک خام مگر وسیع احاطہ کھینچ لیا ہے اور جاٹ لوگ رہتے اور اپنے مویشی باندھتے ہیں۔ اسی گنبد کے پچھواڑے سیری کی فصیل کا ایک بہت بڑا گول برج ہے جس کی منڈیر کنگورے دار ہے۔ برج اچھی حالت میں ہے مگر اوپر چڑھنے کا رستہ نہیں۔ اس برج کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیری کی فصیل معمولی فصیل نہ تھی بلکہ بڑے استحکام سے مناسب مناسب فصل سے عالیشان برج بنا کر بنائی گئی تھی۔ بستی کے باہر بجانب مغرب کھرپڑے کی عیدگاہ کے مشرق جانب ایک شکستہ مسجد ۴۲ × ۱۹ فٹ ہے چھت تو گر گئی صرف مغرب کی طرف کی دیوار ۱۰½ فٹ اونچی کھڑی ہے۔ گاؤں کے لوگ اس کے چبوترے پر گٹی کاٹا کرتے ہیں۔

چوکھنڈی اور مسجد حضرت مخدوم سبزواری

اسی موضع کی حدود میں واقع ہے چوکھنڈی کے ساتھ ایک تین در کی مسجد ہے جس کا دالان ۵۸ × ۱۱ فٹ ہے۔ محراب ۱۲½ فٹ اونچی گیارہ فیٹ چوڑی ہے شمال جنوب میں بھی دو دو در ہیں ستون

۴ فٹ ۳ انچ اونچے - چوڑان ۱ فٹ ۴ انچ - بیٹھک ایک فٹ اونچی - بغلی دالان ۷ × ۳ فٹ اا انچ ہیں جن میں
دو دو حجرے ۲/۱ ۲ فٹ مربع بھی بعد میں بڑھا دئے گئے ہیں ایک مسجد کے روکار پر چوڑا توڑے دار چھجہ ہے
منبر اور اندر کا فرش باقی نہیں مسجد کے دالان کے بیچ میں ایک بڑا گنبد ہے اور ادھر اُدھر
ایک چھوٹا - کلس گر گیا ہے - بغلی دالانوں کے دو دو حجروں میں سے آخیر کے مشرقی حجرے میں
سنگ سرخ کی جالیاں بھی لگی ہوئی ہیں اس طرح کی جالیاں بطور جواب اُس کے مقابل
کے حجرے میں بھی ہوں گی لیکن اب نہیں ہیں - بیچ کی محراب پر جو مغرب کی طرف ہے
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین اور اس کے اوپر لہ ما فی السموات
والارض اور کچھ آیت ہے جو برابر پڑھی نہیں جاتی - مشرق کی طرف آیۃ الکرسی ہے باہر کے سب
دروں پر دو طرفہ بیل کے اندر اللہ اللہ لکھا ہوا ہے - صحن مسجد ۵۸ × ۴۳ فٹ ہے - فرش باقی
نہیں رہا مسجد کے صحن سے ملی ہوئی مشرق کی طرف چوکھنڈی ہے جس کا چبوترا ۲۹ فٹ مربع
اور ایک فٹ اونچا ہے - اصل چوکھنڈی ۱۷ ۲/۱ فٹ مربع ہے جس کے بیچ میں ۱۰ ۲/۱ فٹ مربع - ۹ انچ
اونچے چبوترے پر ایک شکستہ قبر ہے - ۷ فٹ ۱ انچ × ۳ فٹ - ۹ انچ - ۲ ۲/۱ فٹ اونچی - چاروں طرف کے
ملاکر بارہ در سنگ خارہ کے ہیں - بیچ کے در کی چکالان ۵ فٹ ۴ انچ ہے اور بغلی دروں کی
چوڑان ۴ فٹ - ۲ انچ - بلندی دروں کی ۸ فٹ - ۱ انچ - گرد چوڑا سنگین چھجہ ہے - اندر سے چوکھنڈی
ہشت پہل ہے - چاروں طرف دروں میں سنگ سرخ کی جالیاں تھیں جن میں سے
اب صرف شمال کی طرف ایک ہی جالی باقی رہ گئی ہے - چوکھنڈی کے اندر تمام
رنگین کام بہت کاریگری سے کیا تھا جس کا کچھ حصہ باقی ہے اور گنبد کے قعر میں اب
بھی کثرت سے گلکاری کا حصہ باقی ہے - گنبد کی چھت میں چھ حلقے بنا کر گیروی
زمین پر سفید حروف کے یہ کتبے ہیں جو جابجا سے جھڑ گئے ہیں -

(۱) بسم اللہ اور یسین شریف آخر میں وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین -

(۲) اللھم ادخل فی الجنۃ . . . .

(۳) پھول - (۴) سورہ الرحمن جس میں صرف برزخ لا یبغیان باقی ہے -

(۵) آیۃ الکرسی - (۶) سب سے نیچے چوکھنڈی کے گرد نیلی رنگ سے بہت خوش خط
بخط نسخ کچھ اشعار کندہ تھے جو سب رنگ اڑ جانے سے ماند پڑ گئے - پڑھے
نہیں جاتے - صرف مغرب کی طرف ایک مصرعہ ہے وہ نقشبند اور بدست سجدہ گاہے از قلم

اور جنوب کی طرف صرف ایک لفظ "رقیب" پڑھا جاتا ہے اور کچھ نہیں۔ خط بے نظیر ہے۔

بیگم پور کی عمارتیں

کھڑ برے سے میل بھر قطب روڈ کے بائیں طرف مگر سڑک سے ہٹا ہوا یہ گاؤں ہے اس میں کئی عمارتیں قابل الذکر ہیں۔

ہردم خیالی کی درگاہ

گاؤں کے لوگ اسے کوٹ اور بعض صرف مقام اور چند لوگ ہردم خیالی کی درگاہ کہتے ہیں غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ ہردم خیالی محض خیالی نام ہے یا اس کی کچھ اصلیت بھی ہے ہمیں خبر نہیں۔ ایک اونچے ٹیلے پر گاؤں کے باہر ایک بہت بڑا ہال تین در اور تین گنبدوں کا بہت مستحکم سفید قسم کے سنگ خارا کا بنا ہوا ہے جو اندر سے ۳۷×۴۷ فٹ ہے اور دوہرا ہے یعنی سامنے تین در اور پچھیت میں بھی تین در ہال کی دونوں طرف ایک ایک بغلی حجرہ (۱۱ فٹ) مربع۔ باہر سے اس ہال کی لمبان ۵۸ فٹ ہے اور بھی حجروں کا سلسلہ تھا جو گر گرا گئے پچھیت کی دیوار سے کل عمارت کی لمبان ۲۰۰ فٹ ہے۔ سامنے ایک وسیع چوکس اور پختہ صحن ہے جس پر کئی پکی قبریں ہیں اور پیلو کے درخت ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مکان لنگر خانے کا ہے پہلے یہاں تنور گڑے ہوئے تھے لیکن اب تو گاؤں کے مویشی بندھتے ہیں۔ غرض یہ ہال ہے بہت اچھا اور دیکھنے کے قابل ہے۔

بیگم پور کی مسجد سنہ ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء

بیگم پور کے گاؤں میں گھستے ہی بیچ منڈل کے پاس خان جہاں نے سنہ ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء میں یہ عالی شان اور بے نظیر نہایت وسیع مسجد بنوائی تھی جس کی وضع طرح بھی دلی کی کلاں مسجد اور کھڑکی کی مسجد کی سی ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ یہ ایک منزلہ ہے جو ایک وسیع چبوترے پر بنائی گئی ہے۔ یہ مسجد بھی پتھر چونے سے پختہ بنی ہوئی ہے اور عہد فیروز شاہی کے دوسری مسجدوں کی طرح امتداد زمانے سے بالکل کالی پڑ گئی ہے۔ اس کی شکل مستطیل ہے۔ شمال سے جنوب کو (۳۰۷ فٹ) اور مشرق سے مغرب کو (۲۹۵ فٹ) ہے اور چبوترا ملا کر (۱۳ فٹ) اونچی ہے۔ اس کے تین دروازے مشرق شمال اور جنوب میں ہیں۔ صدر دروازہ مشرق کی طرف ہے جس کے تین طرف پندرہ پندرہ سیڑھیاں ہیں۔ باقی دو دروازوں کی طرف کی سیڑھیاں یا تو مٹی میں دب گئیں

یا ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ مشرقی اور جنوبی دروازے جو دیوار کے بیچ میں ہیں مسجد کی دیوار سے دس فٹ آگے بڑھے ہوئے ہیں اور مشرقی رُخ کا دروازہ جو صدر دروازہ ہے مشرقی دیوار سے (۳۰) فٹ کے فصل سے ہے جس میں سے ایک رستہ اندر وار کو ہے اور دو باہر وار کو۔ مسجد کی چار دیواری کے باہر بازو کے دروازوں میں ایک ایک کمرہ (۲۳ فٹ) مربع ہے اور چار دیواری کے اندر ایک اور کمرہ (۲۵ فٹ) مربع ہے۔ مشرقی دروازے کی طرف کا بیرونی کمرہ (۲۵ فٹ) مربع ہے اور اندرونی کمرہ مستطیل (۲۵ فٹ) لمبا (۱۲ فٹ) چوڑا ہے۔ مسجد میں سنگ سرخ کا فرش ہے[سلہ]۔ صحن مسجد طول میں شمال سے جنوب کو (۲۴۷ فٹ) ہے اور مشرق سے مغرب کو چوڑان میں (۲۲۳ فٹ) ہے۔ صحن کے اطراف محراب دار کوٹھریاں (۱۲ فٹ) اونچی ہیں۔ مشرق شمال اور جنوب رُخ کی کوٹھریاں ۱۶ فٹ چوڑی ہیں۔ باقی کی چوڑان مختلف طور پر (۶ فٹ) سے (۱۲ فٹ) تک ہے۔ دروازوں کے دونوں جانب سات سات حجرے ہیں۔ مغربی رُخ کے حجرے تہرے ہیں اور محراب درمیانی کے دونوں جانب بھی سات سات حجرے ہیں اس طرح صحن کے ہر سہ جانب کے حجرے بہ شمول دروازوں کے حجروں کے سب ملا کر (۵۴) ہیں۔ مغربی دیوار میں بلند محرابیں ہیں اصل مسجد بیچ کے حصے میں ہے جو (۳۰ فٹ) مربع ہے۔ مسجد کی چھت پر (۴۶) گنبد ہیں جن میں سے بڑے گنبد (۹ فٹ) اونچے ہیں اور ان کی وضع کھڑکی کی مسجد کی سی ہے۔ یہ مسجد جیسی کچھ بھاری بھرکم چوڑی چکلی مستحکم اور عالی شان تھی اور اپنی عظمت و شان کے لحاظ سے جس قدر مستحق قدر تھی اُتنی ہی خراب اور نچلی حالت میں ہے۔ بیگم پور کا سارے کا سارا گاؤں جاٹوں کا مع اُن کے مویشیوں کے اسی میں بستا ہے اس وجہ سے سچ پوچھو تو اس کو اب مسجد کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ سنا ہے بڑی مقدمے بازی کے بعد صرف مغرب جانب کا درمیانی درہ مسلمانوں کو نماز پڑھنے کو مل گیا ہے جو ۳۲ – ۳۴ مربع ہے۔ اسی میں سنگ موسیٰ کی دہلیز کا پیش طاق ہے۔ کتبہ کوئی نہیں ہے۔ فرش سنگ خارا کی سلوں کا ہے۔ اس حصے کی محراب ۳۸ فٹ چوڑی ہے اس پر سے اس مسجد کے پھیلاؤ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ چوں کہ یہ حصہ بھی بود و باش کے کام میں تھا گنبد کا سارا قبہ اندر سے کالا ہو گیا ہے۔ اوپر جانے کا زینہ بتیس سیڑھیوں کا ہے۔ افسوس لارڈ کرزن کو خبر نہ ہوئی ورنہ اس مسجد کے نصیب بلا مقدمہ بازی

[سلہ] اب فرش درمیان کچھ نہیں رہا ۱۲

کے منٹوں میں جاگ جاتے۔ اب کوئی امید نہیں کہ یہ مسجد کبھی اس مصیبت سے نجات پاسکے گی۔

مقبرہ شیخ فرید بخاری
سنہ ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۵ء

بیگم پور[۵۱] کی مسجد سے بجانب شرق آدھ میل کے اندر ہی اندر یہ مقبرہ شیخ فرید الدین ابن سید احمد بخاری کا ہے۔ جہانگیر کی سلطنت میں آپ مرتضیٰ خاں کے نام سے مشہور تھے جن کا ذکر ہم سلیم گڈھ کے بیان میں کر آئے ہیں۔ مسٹر بلاکمین نے آئین اکبری میں آپ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ آپ اوائل عمر میں اکبر شاہ کی ملازمت میں بعہدۂ میر بخشی سرفراز ہوئے۔ اکبر کی وفات کے بعد شیخ صاحب جہانگیر کے جان نثاروں میں رہے۔ آپ ہی نے شاہزادہ خسرو کو دریائے بیاس کے کنارے شکست دی اور اسی کے صلے میں آپ کو خطاب مرتضیٰ خاں کا ملا اور گجرات کے صوبہ دار مقرر ہوئے اس کے بعد آپ پنجاب کے صوبہ دار رہے آپ نے پاک پٹن شریف میں ۱۱ سنہ جلوس جہانگیری ۱۰۲۵ھ میں انتقال فرمایا اور بیگم پور میں مدفون ہوئے۔ غالباً قبر پر کوئی مقبرہ رہا ہوگا مگر اب تو قبر زیر سما ہی گرد و پیش کی ساری عمارتیں شکستہ حالت میں ہیں وہ سیج احاطے قبروں اور شکستہ مکانوں سے پٹے پڑے ہیں گھٹنوں گھٹنوں برابر جنگلی گھانس اور جھاڑی ہے کہ قدم دھرنا دشوار ہے قبر کے اطراف آہنی جنگلا غالباً محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے لگا دیا گیا ہے حضرت شیخ صاحب کی قبر سنگ مرمر کی ہے ۷ فٹ ۳ فٹ ۳ انچ۔ قبر کے سرہانے ایک بہت عمدہ لمبی لوح ۷ فٹ ۳ فٹ ۵ انچ کھڑی ہوئی ہے جس پر نہایت خوش خط نستعلیق کا واضح اور روشن بندرہ سطر کا یہ کتبہ ہے:-

یا اللہ

سبحان الملک الحی الذی لا یموت ولا یفوت + در زمان دولت حضرت عرش آشیانی جلال الدین اکبر بادشاہ + غازی شیخ فرید الدین ابن سید احمد بخاری بعنایات آنحضرت ممتاز بودہ ور + عہد عدالت نور الدین جہانگیر بادشاہ ابن اکبر بادشاہ بخطاب مرتضیٰ خان سرفراز گردید بتاریخ ۴ سنہ جلوس مطابق ۱۰۲۵ +

[۵۱] گو یہ مقبرہ بیگم پور کے قریب ہو لیکن دراصل یہ حدود میں موضع شیخ سرائے کے جو روشن چراغ دہلی کے پاس ہے اور یہاں سے بھی بالکل قریب ہے ۱۲

ہجری برحمت الٰہی پیوست +

مرتضیٰ خاں چو بحق واصل شد گشت اقلیم بقا منقوش
بہر تاریخ ملائک گفتند باد پر نور الٰہی روحش

جس پختہ اور بلند احاطے میں شیخ صاحب کی قبر ہی وہیں ایک سہ دری بطور خانقاہ کے اور ایک قناتی مسجد ہی۔ زبانی روایت یہ مشہور ہی کہ لوح مزار کا پتھر اچھا اور خوب صورت دیکھ کر کوئی جاٹ اکھاڑ لے گیا تھا جسے اُس نے اپنی حویلی میں لگانا چاہا۔ رات کو دست لگ گئے جان بلب ہوگیا صبح ہی پتھر جوں کا توں لاکر نصب کر دیا۔ گو اس بات کو نئی روشنی والے نہ مانیں مگر بزرگان دین کی شان میں بے ادبی کرنے والوں کو زک پہنچنے کے کئی واقعے میری چشم دید ہیں یہیں دلّی کی دلّی میں بھی ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہی کہ کسی انگریز سینڈرسن نامی نے قطب صاحب کی لاٹ کے پیچھے کچھ قبریں اکھڑوا کر میدان صاف کروا دیا تھا وہ بھی دفعتہً رات کو بیمار ہوگیا صبح ہی اُس نے اُس قبر کو جوں کا توں درست کرا دیا چنانچہ اب تک بھی لاٹ کے پاس وہ قبر موجود ہی۔

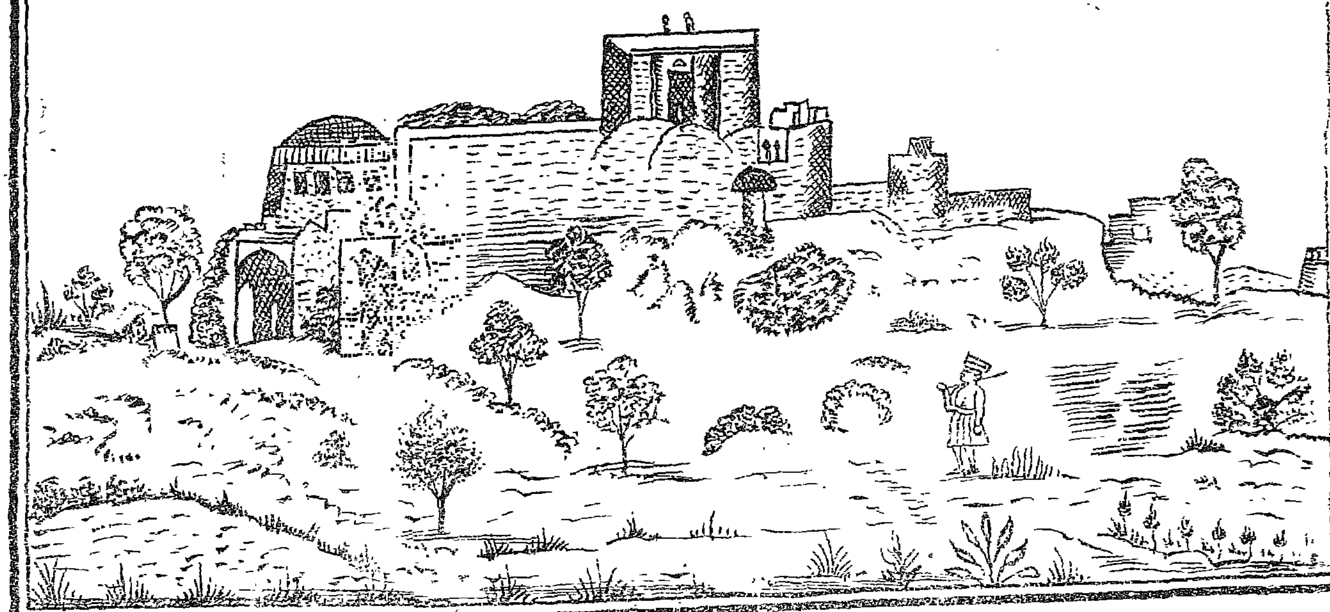
بنگلہ اور چھوٹی بارہ دری

مقبرے کے احاطے سے ملا ہوا ایک دوسرا پختہ اور وسیع احاطہ ہی اس میں ایک بڑا مکان تھا جو بنگلے کے نام سے مشہور ہی اب اس عمارت میں کا سامنے رخ کا ایک لداوی سہ درہ باقی ہی اور دوسری جانب بارہ دری کے صرف تین در کھڑے ہیں جو حالت موجودہ کے لحاظ سے چھوٹی بارہ دری کہلاتی ہی۔

بارہ کھمبا اور رجبنی کوٹھی

حضرت شیخ فرید بخاری کے مقبرے کے پاس بے چراغ موضع شاہ جی کی سرائے میں ایک بہت وسیع اور پختہ ۲۰۸×۲۰۲ فٹ احاطے کے اندر علاوہ قبرستان کے ایک نہایت پختہ اور وسیع لداوی عمارت بارہ کھمبے کی ہی جو ۳۴ مربع فٹ ہی اب اس میں گاؤں کے ڈھور ڈنگر رہتے ہیں ایسا عمدہ کمپل سٹ کہاں ملے گا۔ اس وسیع احاطے کے بیچوں بیچ ۴۰×۲۳ فٹ کے ایک پست احاطے کے اندر گچ کی پانچ قبریں ہیں۔ اس کے گرد یعنی بڑے احاطے کی دیواروں میں شمال جنوب میں سات سات اور مشرق مغرب میں پانچ پانچ اس طرح چوبیس کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں مغرب کی طرف صدر دروازہ اور ۲۴ میں چودہ سیڑھیاں

بدیع منزل عرف بجے منڈل



کا زینہ ہی جس پر سے ہم بارہ کھمبے کی چھت پر پہنچتے ہیں یہیں ایک دو منزلہ سہ دری ہی جس کے دو دالادی گنبد ہیں اور ۲۳×۱۲½ فٹ کا دالان ہی۔ پھر پچیس سیڑھیاں چڑھ کر سہ دری کی دوسری منزل پر پہنچتے ہیں جس کی چھت گر گئی ہی دو منزلہ کمرہ ۲۱ فٹ مربع ہی اور کل بلندی اس عمارت کی ۴۵ فٹ ہی یہاں جنوب کی طرف دیوار میں ایک چھوٹا طاق ہی جس کی سطح میں سنگ سرخ کی ایک سل ہی اُسے بجاؤ تو کھن کھن کرتی ہی اسی وجہ سے یہ بیجنی کوٹھی کہلاتی ہی۔ گنواروں کو لبھانے کا یہ اچھا نسخہ ہی ورنہ در اصل کچھ بات نہیں سل کے نیچے خلا رکھا گیا ہی جس کے لیے وبیریشن دگونج) ضرور ہی یہی صنعت فتح پور سیکری کی حضرت سلیم چشتی کی مسجد کے ایک ستون میں رکھی گئی چوں کہ وہ بہت بڑی عمارت ہی اس کی بہ نسبت اُس میں گونج بھی زیادہ ہی۔ گنوار لوگ اسے بھی ایک معجزہ اور کرامت سمجھتے ہیں۔

بجے منڈل یا بیڑی منزل یا بدیع منزل ۷۵۵ھ ۱۳۵۴ء

از روے یار خرگہی ایواں ہمی بنیم تہی
وز قد آں سرو سہی خالی ہمی بنیم چمن
جاے کہ بود آں دلستاں با دوستاں در بوستاں
شد گرگ و روبہ را مکاں ہم بوم و کرگس را وطن
برجاے رطل و جام مے گوراں نہادستند پے
برجاے جنگ و ناے و نی آواز زاغ ست و زغن

کالو سراے اور بیگم پور کے درمیان یہ ایک مکان ہی قطب صاحب کے رستے میں بائیں طرف نہایت رفیع و دلچسپ و دل کشا فیروز شاہ کا بنایا ہوا اور اس کو جہاں نما بھی کہتے ہیں اور بدیع منزل بھی مشہور ہی عوام الناس اُسے بجے منڈل یا بیڑی منڈل کہتے ہیں۔ کتب تواریخ کی رو سے یہ مکان اُسی زمانہ میں بنا ہی جس زمانے میں فیروز شاہ[۱] نے فیروز آباد بسایا تھا یعنی ۷۵۵ھ۔ پس اس کی تعمیر پیش ازیں نسبت کہ چند سال بعد ہوئی ہوگی۔ جنرل کننگھم صاحب کا یہ خیال کہ اس نام کی عمارت تغلق آباد میں تھی صحیح نہیں ہی شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی مصنف اخبار الاخیار جو عہد اکبری و جہانگیری میں ایک مشہور

[۱] اخبار الاخیار میں اس عمارت کو سلطان محمد عادل تغلق شاہ (۷۲۵-۷۵۲ھ) کے وقت کا لکھا ہی۔ ۱۲

بزرگ صاحب تقویٰ تھے اور جن کی وفات سنہ ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ء) میں ہوئی ہے وہ اس عمارت کو جہاں پناہ کا ایک برج بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سکندر لودھی کے زمانہ سلطنت میں شیخ حسین طاہر نامی ایک بزرگ دہلی تشریف لائے تھے وہ بحکم شاہی اسی محل میں ٹھیرائے گئے تھے اُن کا انتقال سنہ ۹۰۹ھ (۱۵۰۳ء) میں ہوا اور اسی مکان کے باہر دفن کیئے گئے چنانچہ اس جگہ اور قبور بھی اُن کے اعزہ اقربا کے ہیں۔ یہ مکان ایک اونچے ٹیلے پر واقع ہے جو سنگ بست اور سطح زمین سے (۸۳ فٹ) بلند ہے جس پر جانے کی سیڑھیاں ہیں۔ سیڑھیاں اور ٹیلے کے ہر دو جانب کی بندش اب امتداد زمانہ سے بہت خراب ہوگئی ہے۔ یہ ایک مثمن شکل کا کمرہ ہے جس کی چھت گر پڑی ہے۔ سرسید لکھتے ہیں کہ اس مکان کی قطع بھی عجیب ہے کہ ایک بلند برج پر چار دروازوں کا ایک کمرہ بنایا ہے اور اُس کی دیواروں سے اوپر جانے کا زینہ رکھا ہے اور اُس کے اوپر اگلے زمانے میں بہت خوش نما بارہ دری تھی جو اب لوٹ ٹاٹ گئی ہے مگر اوپر چڑھ کر دیکھنے سے اُس کی علامات معلوم ہوتی ہیں۔ ایسے مکانات عرض لشکر کو بنائے جاتے ہیں اور یہ مکان بھی اغلب ہے کہ اسی غرض سے بنایا گیا ہوگا۔ یعنی بادشاہ سلامت فوج کا ملاحظہ فرماتے تھے اور دیگر تقاریب میں بھی جلوس ملاحظہ سے گزرتا تھا جس کمرے کا ذکر اوپر آیا ہے وہ سنگ بست اور پختہ بنا ہوا ہے جس کے چاروں کونوں پر سنگ سرخ لگا ہوا ہے۔ یہ کمرہ (۳۸ فٹ) مربع اور ۲۰ فٹ مرتفع ہے۔ دیوار میں نیچے پھیلی ہوئی اور اوپر جاکر سکڑی ہوگئی ہیں چنانچہ بیس فیٹ میں چار فیٹ چوڑان بڑھ گئی ہے۔ اس محل کے قریب ہی ایک گنبد دار دالان بھی ہے جو (۵۰ فٹ) مربع اور (۳۷ فٹ) بلند ہے یہ بھی پختہ اور اچھی حالت میں ہے قبرستان کے پاس ایک مسجد بھی ہے۔ کل مقام پر ویرانی برستی ہے اور اسی کے پاس بیگم پور کا گاؤں بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ فیروز شاہ نے ایک سرنگ بنائی تھی جو قلعۂ فیروز آباد سے اس مکان کے نیچے نیچے ہوتی ہوئی حوض خاص تک چلی گئی تھی۔ اس میں تین کوس کا فصل ہے۔ یہ مکان بہت شکستہ حالت میں تھا۔ لیکن محکمہ آثار قدیمہ سے خاطر خواہ مرمت کرادی گئی ہے۔ اس کی وضع قطع اور ہیئت کذائی نقشے کے ملاحظے سے ظاہر ہوگی۔

پنج منڈل کے دامن میں ایک گنبد

پنج منڈل کے ٹیلے کے نیچے بجانب مغرب ایک بہت پرانا

نگر بڑا بھاری گنبد اندر سے ۱/۲ ۳۱ مربع ہے۔ قبر اور فرش دونوں باقی نہیں ہر طرف دو دو در ہیں۔ مشرق کی طرف کے در بند کر دیئے گئے ہیں۔ پلاستر اندر باہر سے سب گر گیا ہے خصوصاً گنبد کا سارا پلاستر جاتا رہا اور سنگ خارا کی سلیں اور پتھر نکل آئے جن میں برسات کا پانی خاطر خواہ جذب ہوتا ہے اور اگر خبر نہ لی گئی تو عجب نہیں کہ بہت جلد گر جائے۔ اس کے در آٹھ فیٹ چوڑے ہیں۔ گنبد کے سامنے ایک گرا پڑا چبوترا ہے جس پر ایک قبر اب تک بھی باقی ہے۔ یہ بھی نامعلوم اور بن پتہ گنبدوں میں ہے۔

کالو سرائے کی مسجد ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء

بیگم پور کی مسجد کے پاس ہی کالو سرائے کی بستی ہے جو قطب روڈ سے ایک فرلانگ بائیں طرف ہوگی۔ اس موضع میں بھی **خاں جہاں** فیروز شاہی نے ایک اور مسجد بنوائی۔ اتنے قریب قریب مسجدیں بنوانے کی مصلحت کچھ سمجھ میں نہیں آتی ممکن ہے کہ اس زمانے میں کالو سرائے کوئی بڑی جگہ رہی ہو اور یہ تو ظاہر ہے کہ زمانۂ حال کی بہ نسبت جب کہ سلطنت اسلامی عروج پر تھی روزے نماز کا چرچہ زیادہ تھا نماز کی طرف سے اس زمانے جیسی لاپروائی تو یقیناً نہ تھی۔ بہر حال مسجدیں موقعی ضرورت کے لحاظ سے بنائی گئی تھیں ورنہ اتنی عقل تو اُن لوگوں میں بھی ہوگی کہ بے ضرورت روپیہ صرف نہ کیا جائے یہ مسجد بھی چونے اور پتھر سے برجیوں دار بنی ہوئی ہے اور چوں کہ خان جہاں وزیر نے کئی مسجدیں قریب قریب زمانے میں بنائی ہیں اس واسطے اس کی سال بنا بھی قریب قریب تصور کیا گیا ہے۔ اس مسجد کے شمالی اور جنوبی ضلعے منہدم ہو گئے ہیں اور گاؤں کے لوگ اس میں بستے ہیں مگر ہیں سب مسلمان۔ یہ مسجد بھی ایک مرتفع مقام پر بنی ہوئی ہے جو ہفت دری تھی دو در گر گئے پانچ رہ گئے ہیں۔ دالان سہ گہے ہیں۔ دروں کی اونچان ۱۰ فٹ ۱ انچ چوڑان ۹ فٹ ۱/۲ ۳ ہے۔ لمبان اس مسجد کی ۳۰ فٹ ۷ ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس گاؤں میں کوئی ہندو نہیں رہتا بنیا بھی مسلمان ہی ہے۔

شیخ ضیاء الدین رومی کا گنبد

آپ کا گنبد قطب روڈ کے کنارے بائیں طرف کالو سرائے کے سامنے ۴ میل ۲ فرلانگ پر ہے یہ گنبد کچھ بہت بڑا نہیں ہے اندر سے ۲۰ فٹ ۲ مربع ہے اندر باہر سے پلاستر تمام گر گیا ہے

دروں میں کی جالیاں ٹوٹ گئیں اب پتھروں سے چن دیا ہے۔ بارہ درہ گنبد ہے۔ اندر دو قبریں گچ کی ایک مردانی دوسری زنانی ۸ فٹ ۳ انچ ۔ دس انچ اونچے چبوترے پر ہیں گاؤں والے جھاڑو بہارو دیتے رہتے ہیں اور قبروں کی بھی از سر نو مرمت کردی گئی ہے۔ مردانی قبر کے سرہانے دیوار میں پتھر پر یہ کتبہ ہے "شیخ ضیاء الدین رومی در ۷۲۲ ہجری نبوی رنگرائے عالم بقا شدند" آپ مشائخ کبار میں سے ہیں شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ ہیں سلطان قطب الدین بن علاءالدین آپ کا معتقد اور مرید تھا کہتے ہیں کہ وصال کے تیسرے دن جب شیخ نظام الدین اولیاء آپ کی زیارت کو تشریف لے گئے تو سلطان قطب الدین وہاں پر حاضر تھا شیخ نظام الدین کو نہ تعظیم دی اور نہ سلام کا جواب دیا۔ حضرت شیخ نظام الدین سے منقول ہے کہ انہوں نے شیخ ضیاء الدین سے سنا تھا کہ ان کا ایک دوست تھا جسے سماع میں حال اور ذوق بہت ہوتا تھا اس کی وفات کے بعد انھوں نے اسے خواب میں دیکھا کہ بہشت میں اسے مقام رفیع ملا ہے مگر مغموم بیٹھا ہے۔ آپ نے اسے ایسے عمدہ مقام ملنے پر مبارک باد دی اور پوچھا کہ اداس کیوں بیٹھے ہو انھوں نے کہا کہ یہ سب کچھ مجھے ملا مگر وہ لذت اور حال جو سماع میں ملتا تھا میسر نہیں۔

اڑھہ چینی یا بی بی نور

قطب روڈ کہ نویں اور دسویں میل کے درمیاں بائیں ہاتھ کی طرف یہ گاؤں ہے اور داہنی طرف بی بی نور کی درگاہ۔ اصل نام تو اس موضع کا اڑھہ چینی ہے مگر مسلمانوں نے بستی ہی کا نام بی بی نور رکھ لیا ہے۔ درگاہ کا ایک وسیع احاطہ ہے جس کے اندر درگاہ ہے اور ایک چھوٹا سا گبند چلے کا ہے۔ سب قبروں پر کتبے لگا دیئے ہیں جس سے بہت آسانی ہوتی ہے احاطے کے اندر خدام کے رہنے کے لیئے ایک شش درہ بھی بنا ہوا ہے احاطے میں نیم کے بہت سے درخت ہیں اور ایک منہدمہ باؤلی بھی ہے۔ قبور کی یہ تفصیل ہے:-

چلے کے سامنے (۱) حضرت بی بی زلیخا صاحبہ۔ والدہ ماجدہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی شیخ نظام الدین اولیا قدس اللہ اسرارہم غرہ جمادی الاخری ۶۴۸ھ سفر آخرت اختیار نمود"۔ آپ کا مختصر حال حضرت کے تذکرے کے ضمن میں آچکا ہے (۲) حضرت بی بی جنت صاحبہ دختر نیک اختر بی بی زلیخا رحمتہ اللہ علیہا۔

(۳) حضرت بی بی زینب صاحبہ دختر نیک اختر حضرت بی بی جنت رحمتہ اللہ علیہا اور

آپ ہی کے برابر آپ کی چار صاحب زادیوں کی قبریں ہیں۔
جنگلے کے پیچھے۔ حضرت بی بی حور رحمۃ اللہ علیہا۔ حضرت بی بی نور رحمۃ اللہ علیہا۔ دختران شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ۔

بی بی فاطمہ سام کا حال

حصہ دوم کتاب ہذا میں حضرت بی بی فاطمہ سام کے مزار کا ذکر آیا ہے اس وقت آپ کے حالات میری نظر سے نہیں گزرے اب چونکہ نسائے صالحات کا ذکر درپیش ہے یہیں لکھ دیتا ہوں کہ ناظرین اس نیک نہاد بیوی کے حالات سے محروم نہ رہ جائیں "از صالحات و قانتات و عابدات زمانہ بود ذکر او در ملفوظات شیخ نظام الدین و خلفائے ایشاں بسیار است می گویند کہ سلطان المشایخ در روضۂ فاطمہ سام بسیار مشغول بودے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر فرمودے کہ فاطمہ سام مردیست کہ او را بصورت زناں فرستادہ اند۔ شیخ نظام الدین فرمود، کہ شیر از بیشہ بیروں آید کسے نپرسد کہ آں شیر نر است یا مادہ فرزندان آدم را طاعت و تقوی باید خواہ مرد باشد و خواہ زن بعدہ در مناقب بی بی فاطمہ سام غلو فرمود کہ در غایت صلاحیت و کبر سن شدہ بود من او را دیدہ ام بس عزیز عورتے بود او را با شیخ فرید الدین و شیخ نجیب الدین متوکل برادر خواندگی و خواہر خواندگی بودہ است۔ بیت ہا بر حسب حال ہر چیزے گفتے ایں دو مصرع من ازو یاد دارم ؎

ہم عشق طلب کنی و ہم جان خواہی　　　ہر دو طلبی و لے میسر نشود

و نیز فرمود کہ من از بی بی سام شنیدہ ام کہ می گفت از برائے آں کہ پارۂ نان و کوزہ آب بہ کسے دہند نعمت ہائے دینی و دنیاوی نثار او کنند کہ بہ ہزار روزہ و نماز نتواں یافت و در ملفوظات میر سید محمد گیسو دراز می نویسد کہ روزے در مجلس شیخ نصیر الدین محمود سخن در فضائل بی بی فاطمہ سام بود فرمود فاطمہ سام بعد از موت با شخصے حکایت کرد کہ روزے بر معہود خویش در حضرت رب العزت می رفتم از طور ملکے در گذشتم ناگاہ فرشتہ گفت کیستی بایست چہ باشد کہ نیک بیباک داری گذری و من سوگند خوردم کہ من ہم آں جا نشستہ ام تا خود رب العزت تعالی مرا نہ طلبد بیشتر نروم ساعتے گذشت بی بی خدیجہ و بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما آمدند در پائے ایشاں افتادم گفتند اے فاطمہ امروز ہیچ تو کیست کہ خدائے تعالی بطلب تو ما را فرستادہ است گفتم من کنیزک شمام کہ ام عزت بالا تراں باشد کہ شما بطلب

من بیا سید آما من سوگند خورده ام فرمان شد. فاطمہ راست می گوید شما از سیدان دور شوید. الحق
الحق خاست من از جا جنبیدم بحضرت گفتم خداوند در حضرت تو این چنین بے ادبان
هم باشند که آیندگان حضرت ترا نشناسند. این سخن گفت و آہے زد و در میان گور خود
بنشست. میر محمد گیسو دراز کنایت از خود کرده می فرماید کمترین خدمتگاران عرضه می دارد
که چنین گمان دارم که خواجه این حکایت از خدمت شیخ می کرد آما بر ہم قدیم بلفظ غیبت می فرمود و
در خیر المجالس می گوید که روزے مولانا حسام الدین بخدمت شیخ نظام الدین آمده بود فرمود
مولانا حسام الدین، امروز ابدالے را دیدم عرضه داشت کرد کجا دیدید فرمود بزیارت
بی بی سام رفته بودم نزدیک حظیره حوضے ست یک مرد پیدا شد سبد خیار بر سر کرده کرانه حوض
فرود آورد و خیارها انبار کرد و خود وضوے ساخت که مرا از وضوے او تعجب آمد چون
وضو تمام کرد دو رکعت براحت تمام نماز گزارد و مرا از ذوق نماز او عجب آمد
بعد آن از میان آب رفت و سه بار سبد بشست بعد از آن یگان یگان خیار می شست و می گرفت
و در سبد می انداخت تا تمام خیارها همچنین بشست بعد از آن سبد برگرفت و سه بار میان
حوض فرو برد و باز برآورد و در کرانه نهاد تا آب بچکید من از غایت تعجب برخاستم و یک
تنکه سفید در دستار چه من بود باز کردم و پیش او بردم و گفتم خواجه قبول کنید گفت شیخ
مرا معذور دار گفتم خواجه تو برے سلے ده تبل چندین بار می گیری و زحمت می بری یک تنکه نقره
خدا تعالی فتوح بہ تو می رساند چرا التفاتی باز گفت معذور دارید گفتم کیفیت بگو چرا بے التفاتی
گفت بنشین تا بگویم من و آن مرد هر دو نشستیم آغاز کرد پدر من همین کار کردے من خورد
بودم که پدر از سر من رفت مادر مرا آن قدر احکام عبادت آموخته بود که پنج وقت نماز
گزاردن می دانستم بعد از آن چون وقت نقل مادر شد مرا نزدیک خود طلبید و گفت درین
چپر گرہے نهاده ام پیش بیار دست بہ چپر بردم گرہے بیرون آمد پیش مادر نهادم گره
باز کرد و چیزے علیحده کرد و گفت این وجه کفن و غسال و برآوردن گور بود و مقدار بیست
درهم مرا داد و گفت این مایه عمر تست - پدر تو در باغات رفتے خیارے و سبزی بستدے
و آن را بشهر فروختے و روزگار بدان گزرانیدے تو نیز خیارے و سبزی بستانی و بشهر فروشی و
جز این وجه هیچ وجه نخوری. چون آن مرد این حکایت تمام کرد دریافتم که او از ابدال
است از [illegible] قبول [illegible]

سیر الاولیا می گوید کہ بی بی فاطمہ در حوالی قصبہ اندرپت خفتہ است و روضۂ او قبلۂ حاجات خلق گشتہ۔ قبر دے نزدیک دروازۂ نخاس دہلی در خرابہ افتادہ است ہیچ کس نمی داند الا ماشاء اللہ۔ مردم آں را بی بی شام گویند و بعضے عوام الناس بی بی صائمہ گویند ہر دو لفظ غلط است نام ایشاں بی بی فاطمہ سام است (از اخبار الاخیار)

حضرت نجیب الدین متوکل کی درگاہ اور مسجد

بی بی نور کے احاطے سے ملا ہوا ایک اور وسیع احاطہ ہے جس کے اندر ایک اور چھوٹے سے احاطے ۲۴ لمبے ۲۱ چوڑے کے اندر پانچ قبریں ہیں اور پیلو کا بہت پرانا درخت ہے جس کی جڑ تک امتداد زمانے سے کہنہ ہوگئی ہے سلسلہ قبروں کا بائیں طرف سے یوں ہے اور سب پر کتبے لگے ہوئے ہیں:-

(۱) حضرت شیخ احمد فرزند شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہم۔

(۲) یا اللہ مزار مبارک حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ۔ وفات سنہ ۶۷۱ ہجری

(۳) حضرت شیخ اسمٰعیل صاحب فرزند شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) حضرت شیخ محمد صاحب فرزند شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہم

(۵) حضرت بی بی فاطمہ دختر شیخ الشیوخ العالم شیخ فرید الدین گنج شکر قدس اللہ العزیز

حضرت نجیب الدین متوکل حضرت فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اور خلیفہ ہیں۔ آپ بڑے بزرگ اور متوکل تھے۔ دلی شہر میں برابر ستر برس تک رہے۔ آپ کا ظاہری ذریعہ گزر اوقات کا کچھ بھی نہ تھا اور بالکل متوکل تھے باایں ہمہ مع اپنے اہل و عیال کے خوش گزرانی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ دنیا اور مافیہا سے اس قدر بے تعلق تھے کہ آپ کو یہ بھی خبر نہ رہتی تھی کہ آج کون سا مہینا ہے اور کون سا دن ہے اور یہ بھی نہ جانتے تھے کہ یہ درم کس مقدار کا ہے۔ درویشوں کی عید کے دن آپ کے گھر میں بہت سے فقیر جمع ہوگئے اتفاق سے اس دن آپ کے پاس کچھ نہ تھا آپ کوٹھے پر چڑھ گئے اور یاد الہی میں مصروف ہوگئے اور راز و نیاز ہونے لگے۔ دل میں خطرہ گزرا کہ سبحان اللہ کیسی عید ہے کہ بال بچے بھوکے ہیں اور جو مسافر آئیں وہ بھی ترستے چلے جائیں۔ معاً دیکھتے کیا ہیں

کوٹھے پر ایک پیر مرد تشریف لائے اور یہ بیت پڑھی۔ ع

بادل گفتم دلا خضر را بینی دل گفت اگر مرا نماید بینم

ان بزرگ نے کھانا آپ کے سامنے رکھا اور فرمایا کہ تیرے توکل کا ڈنکا تو ملاءِ اعلیٰ پر بج رہا ہے اور تیرا حال یہ ہے۔ آپ نے فرمایا خدا بہتر جانتا ہے کہ میں نے اپنے لیئے کچھ خیال نہیں کیا بلکہ یہ لوگ جو آئے بیٹھے ہیں اُن کی وجہ سے خیال آگیا۔ شاید وہ بزرگ خواجہ خضر ہی تھے۔ حضرت نظام الدین بابا صاحب (حضرت فرید گنج شکر) سے بیعت کرنے سے پہلے آپکے پاس تشریف لائے اور کہا کہ دعا فرمایئے کہ میں کہیں کا قاضی ہو جاؤں۔ آپ سن کر خاموش ہو گئے جب دوبارہ آئے اور پھر یہی خواہش کی تو آپنے فرمایا ”اجی قاضی بن کر کیا کروگے تم تو کچھ اور ہی بننے والے ہو“۔ غرض آپ کے محامد اور فضائل بیرون حدود شمار ہیں آپ کی قبر پر حال میں سنہ ۶۷۱ھ کا کتبہ لگا دیا ہے لیکن بروئے تحقیق معلوم ہوا کہ صحیح سن آپ کی وفات کا سنہ ۶۷۹ھ ہے جہاں آپکا مزار ہے یہیں آپ کا اور حضرت نظام الدین اولیا کا مکان بھی تھا۔ ٹوٹے احاطے کے اندر ہی ایک قناتی مسجد ہے اور صحن مسجد میں کنواں بھی ہے۔ یہ مسجد سہ دری ۱۳×۶۵ فٹ ہے۔ دو طرفہ زینہ بھی ہے۔ پیش طاق پر اسمائے حسنیٰ۔ کلمہ کا طغریٰ اور یہ حدیث ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المومن فی المسجد کالسمک فی الماء والمنافق فی المسجد کالطیر فی القفص۔

دونوں طرف طغرے سبحان اللہ۔ سورہ الفلق۔ انا فتحنا کا کچھ حصہ۔ طاق کے اندر خلا میں سورۂ فاتحہ

شیخ عین الدین قصاب کی قبر

بالکل سڑک سے ملی ہوئی داہنی طرف ایک قبر پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔ شیخ عین الدین قصاب رحمۃ اللہ علیہ

قناتی مسجد اور گنبد

قطب روڈ کی وائیں طرف ایک وسیع قناتی مسجد ہے جس کی پشت بالکل سڑک سے ملی ہوئی ہے اسی مسجد کے صحن میں ایک گنبد ۲۳ فٹ۔ ۶ انچ مربع ہے۔ گنبد کس کا ہے معلوم نہیں۔ مسجد اور گنبد دونوں میں جاٹ رہتے ہیں۔ پولیوں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ پرندہ وہاں پر نہیں مار سکتا۔

درگاہ پنجہ شریف

ایک احاطہ ہے جس کے چو طرف مکانات تھے سب گر گرا گئے اب صرف ایک صدر دروازہ اور دو درہ رہ گیا ہے یہاں ایک چبوترہ پختہ ہے ۱۸×۱۱ فٹ۔ ۳ فٹ۔ ۹ انچ اونچا۔ جس کو لوگ عام طور پر فرخ سیر بادشاہ کی قبر بتلاتے ہیں حالانکہ بروئے آثار الصنادید فرخ سیر بادشاہ تو ہمایوں کے مقبرے کے چبوترے پر

دفن ہی۔ یہ غلط روایت غالبًا اس وجہ سے مشہور ہی کہ یہ مقام درگاہ پنجہ شریف ہی جو فرخ سیر کے زمانے میں بنی تھی جس کتبے کا آگے ذکر آتا ہی وہ اسی درگاہ کا تھا۔ اب تو اس کی حیثیت نہ درگاہ کی ہی نہ مقبرے کی گرد جاٹ رہتے ہیں اور اس چبوترے پر جو ہر حال میں پنجہ شریف کے نام سے مسلّم ہی کُھلے خزانے اُپلے تھاپے جاتے ہیں اور ایسا معلوم دیتا ہی کہ گویا یہ چبوترا اُپلے تھاپنے ہی کے واسطے بنوایا گیا تھا۔ خیر اور کچھ نہ ہو تو اس مقام کو مسلمانوں کی ایک متبرک جگہ سمجھ کر گاؤں والوں کو اُپلے تھاپنے سے تو روک دینا چاہیئے اور کم سے کم اس چبوترے کے گرد آہنی کٹہرا گھیر دیا جائے تو اس جگہ کی جو پنجہ شریف سے نامزد ہی ایسی ہٹی پلید ہوئی ہیں چونکہ مسلمان ہوں یہ حالت دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اس طرح کی غلاظت تو کسی مذہبی مقام پر خواہ وہ کسی فرقہ و ملت کا ہو روا نہیں ہی۔ اس گورستان کے صدر دروازے سے ملی ہوئی ایک تین در کی چھوٹی سی مسجد ہی جس پر گوبر کی کہگل چڑھی ہوئی ہی اور جاٹ رہتے ہیں مسلمان اندر قدم بھی نہیں دھر سکتا یہ بات یقینًا مسلمان کے دل کو تو ضرور کھٹکے گی اور اس سین کو دیکھ کر ضرور دل کڑھے گا۔

موضع اڑھے چینی کا کتبہ
۱۱۲۷ھ
۱۷۱۵ء

اس کتبے کو سب سے پہلے ۱۹۱۰ء میں ڈاکٹر وگل قائم مقام ڈایرکٹر جنرل آثار قدیمہ نے دیکھا ہی۔ اس کے متعلق مولوی ظفر حسن صاحب بی۔ اے نے مقامی تحقیقات کے بعد ایک قابل قدر آرٹیکل اپی گریفیا انڈو مسلیمکا میں دیا ہی انھی پر سے ہم یہ اندراج کرتے ہیں یہ کتبہ ایک سنگ مرمر کی ۱ فٹ ۱ انچ × ۲ فٹ ½ انچ کی تختی پر بخط نستعلیق کھدا ہوا ہی یہ ایک احاطے کے اندر ایک قبر کے سراہنے موضع اڑھے چینی میں لگا ہوا تھا۔ اس سنگ کتابہ کی حالت بہت افسوس ناک تھی۔ کئی جگہ سے تو پتھر ٹوٹ گیا تھا اور تختی کے کئی ٹکڑے تھے خصوصًا اس کے آخری حصّے کو بہت صدمہ پہنچا تھا اور ایک چھوٹا سا ٹکڑا جھڑ بھی گیا تھا علاوہ بریں لوگوں نے پتھر توڑنے کی غرض سے عبارت کو بھی کئی جگہ سے ضائع کر دیا تھا اس لیے مزید نقصان محفوظ کرنے کی غرض سے یہ کتبہ اب قلعہ کے نوبت خانے کی دیوار میں لگا دیا گیا ہی جہاں پہلے میوزیم تھا۔ یہ کتبہ اُنیس سطری ہی اور خوش خط اور صاف کھدا ہوا ہی۔ یہ کتبہ سنہ ۱۱۲۷ھ [illegible] کی عبارت سے معلوم ہوتا ہی کہ اس کو ایک شخص [illegible] معصوم نامی نے کھدوایا تھا جس کو [illegible] آپ کا پنجہ شریف ملا تھا حضرت رسول مقبول کے پنجے اور قدم کے نقش [illegible] کئی جگہ ہیں۔ خود دہلی

ہی میں قدم شریف موجود ہی اور نیز گوڑ وغیرہ مقامات پر بھی ہیں لیکن پروفیسر وان برچم Prof Van Berchem لکھتے ہیں کہ بہ مقابلہ ملک ہند کے دیگر بلاد اسلامیہ میں ایسے نقوش بکثرت ہیں چنانچہ فلسطین بصرہ وغیرہ مقامات میں موجود ہیں۔ بیت المقدس میں قبۃ الصخرا میں حضرت کا ایک مشہور قدم شریف ہی جس کے حالات عجیب وغریب ہیں کہ جنگ ہائے صلیبی سے پیشتر وہ قدم النبی کہلاتا تھا لیکن صلیبی جنگ والوں نے اسے حضرت عیسیٰ کا قدم بتلایا جس کے بعد الی الآن وہ قدم حضرت محمد صلعم کہلاتا ہی۔ اسی طرح عراق اور فارس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پنجہ شریف بغداد۔ عکبرہ (متصل بغداد) موصل۔ اردبیل (آذربائیجان) وغیرہ مقامات میں موجود ہیں اس قسم کے پنجوں اور قدموں کے نقوش کی روایات قریب قریب ہر مذہب میں ہیں۔ اور بقول جینوا کے پروفیسر ڈبلیو ڈیینز Deonna کے اس بارے میں ایک خاص کتاب بدویوں کی موجود ہی جس پر پتھر کی چٹانوں پر نقوش قدم کے تذکرے ہیں محمد معصوم کی قبر جس احاطے میں ہی وہ مشرق سے مغرب رخ ۹۶ فٹ اور شمال سے جنوب ۸۱ فٹ ہی اور باغیچی کے نام سے مشہور ہی۔ یہ احاطہ اینٹوں کا ہی جس کے چاروں کونوں پر ہشت پہلو برجیاں ہیں اور داخلی دروازہ مغرب رویہ ہی۔ احاطے کے جنوبی جانب ایک چھوٹا سا پویلین ہی جس کے بلند محراب دار در ہیں اور چھت لداؤ کی ہی۔ کچھ عجب نہیں کہ اس زمانے میں یہی مقام پنجہ شریف کی نگاہ کا رہا ہو اب یہ احاطہ اور الان گاؤں والوں کے قبضہ میں ہی اور پنجہ شریف کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کدھر گیا وہ کیفیت ہی۔

یا اللہ یا محمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاتم الرسالت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

از انجا کہ پنجہ مبارک حضرۃ یافتہ ام شنیدم بمکہ معظمہ بر کوہ حرا کہ آنرا جبل نور گویند پینگ نشان بدن انور حضرت است کہ ابتداء وحی جبرئیل علیہ السلام بر آن سنگ سینہ پر نور چاک کردہ[1] بانوار پر نمودہ و در غار جبل ثور کہ حضرت در وقت ہجرۃ پنہان شدہ بودند نشان پہلو و پشت دست مطہر است و بطائف متصل مسجد النبی در غاری نشان پہلو و پشت دست اقدس و نقش پای آہو مادہ ہم و قطرات شیر موجود است و حضرۃ در مسجد الحرام . . نماز میگذشتند در زقاق الحجر متکئ گشتہ کسی از ناسعب ثبت گما نقش نگینہ بدیوار پایانہ نمایان

[1] یہ واقعہ حضرت رسالت پناہی کی صغر سنی میں ہوا ہی جب کہ آپ اہل عرب کے دستور کے موافق دائی حلیمہ کے ہیر دتھے اور ان کے لڑکوں کے ساتھ بکریاں چرانے باہر جنگل میں جایا کرتے تھے ۱۳۰ سطر ۹۲ زقاق کے لغوی معنے گلی (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

آرنج مبارک بسنگ در آمد واز دیوار چپ سنگی عرض کرد جماعۃ تیار وآں دروغ گو ابلیس بود اثر زبان سنگ ظاہر است آخر کتاب[1] الاعلام باعلام بیت الحرام اماکن زیارت نوشتہ خلاصہ ترجمہ آنکہ مابین مولد النبی وخانۂ حضرۃ خدیجہ در راہ مسجد بیت بکوچہ نام او زقاق المرفق الحجا... دو دکان (؟) دیگر (؟) بود در وصوف سیفر دخت قریش بدیواری سنگیت سود اثر آرنج دستیت ودر کتاب بحر العمیق از زبدۃ الاعمال نوشتہ کہ آن اثر آرنج ید مبارک است وتقی قدسی بتاریخ مکہ گفتہ مردم زیارت آں می کنند ومیگویند آنحضرت تکیہ بران سنگ کردہ سخن میگفت باسنگ دیگر کہ پیش انحضرت بود بجانب چپ[2] زیارت او نیز میکنند غالب کہ این سنگ ہمان باشد کہ حضرۃ فرمودند سنگی میدانم در مکہ ہرگاہ برا و میگذشتم سلام میکرد بما ودر جبل ابو قبیس قبر حضرۃ آدم وحوا وشیث علیہم السلام است دخلص ترجمہ تاریخ آنکہ حدود حرم مکہ شریفہ حضرۃ ابراہیم باشارہ جبرئیل علیہما السلام

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۲) یا کوچے کے ہیں اور حجر پتھر کو کہتے ہیں۔ زقاق الحجر مکہ معظمہ میں ایک گلی کا نام ہے جہاں ایک پتھر ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ ایک شہر پول اٹھاتا تھا۔ حاجی لوگ کہتے ہیں کہ اس پتھر پر زبان کی طرح کا اب بھی ایک نشان موجود ہے۔

[1] اس کتاب کا پورا نام "کتاب الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام" ہے مطبوعہ وسٹن فلیڈ ۱۸۵۷ء جس فقرے کا حوالہ اس کتاب میں ہے وہ پورا (نہیں) ہے اور چونکہ کتبہ ناقص ہوگیا ہے لہٰذا اُس روایت کی پوری عبارت نقل کردینا مناسب معلوم ہوا۔ قال القاضی ابو البقاء ابن ابی الضیا فی البحر العمیق ذکر سعد الدین الاسفرائنی فی کتاب زبدۃ الاعمال ان اہل مکہ یمشون اذا ارادوا المولد من دار خدیجۃ رضی اللہ عنہا الی المسجد یقولون انہ دکان ابی بکر الصدیق کان یبیع فیہ الخز واسلم فیہ علی یدہ عثمان بن عفان وطلحۃ والزبیر رضی اللہ عنہم قال وفی جدار الدکان الذی مرفق رسول اللہ صلعم یروی ان رسول اللہ صلعم جاء دار ابی بکر ذات یوم ونادی یا ابا بکر رضہ انتہی۔ ترجمہ قاضی ابو البقاء ابن الضیا البحر العمیق میں کہتے ہیں کہ سعد الدین اسفرائنی نے اپنی کتاب زبدۃ الاعمال میں لکھا ہے کہ مکے کے لوگ جب مقامات مقدسہ کی زیارت کو جاتے تھے تو حضرت خدیجہ رضہ کے مکان پر سے گذر کر ایک مسجد ملتی ہے جس کو لوگ حضرۃ ابو بکر صدیق کی دکان بتلاتے ہیں۔ جہاں آپ ریشم فروخت کیا کرتے تھے اور اسی دکان میں عثمان بن عفان طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہوئے۔ سعد الدین ناقل ہیں کہ اس دکان کی دیوار میں حضرت رسول اللہ صلعم کی کہنی کا نشان ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلعم ایک دن حضرت ابو بکر رضہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور آواز دی یا ابا بکر...

[2] الکلام المبین مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ صفحہ ۲۹–۱۲۸ بحث نمبر ۱۱ اس پتھر کا ذکر ہے لیکن پتھر کے تعین میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ پتھر .... اسود ہے جسے لوگ چومتے ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ پتھر زقاق المرفق نامی گلی میں ہے۔ (زقاق = گلی۔ مرفق = کہنی ہے)

بنگ دگل نبا نمودہ وحد طرف عرفات کوہ نمرہ یازدہ کردہ[51] از مکہ زیر کوہ در غازی منزل آنحضرة روزمرہ بود و سابق برائے آدم از جنت خیمہ یاقوت سرخ یا سپ (تفادیل؟) طلا و حجر الاسود بروشنی ستارہ ملائکہ آوردہ جائے کعبہ داشتند روشنی انہا تا حدود حرم[52] .... سپردند تا نظر شیاطین بروے نیفتد و جبرئیل .... انہ آدم .... گفت .... باشارت انگشت مبارک دو نیمہ شد ہر دو نیمہ[53] ... بعض احادیث ثابت است بآسمان رفت نزلیبا بیدہ محمد معصوم مخاطب .... (اعتبار؟) خان عظیم الشانی سنہ ۴ مبارک محمد فرخ سیر پادشاہ غازی ۱۱۲۷ھ جس پنجہ شریف کا ذکر اس کتبے میں ہے ممکن ہے کہ اُسے وہابیوں نے چرالیا ہو جو اس قسم کے معجزات اور پرستش کے سخت مخالف ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے کچھ دنوں پیشتر بھی وہابیوں نے دلی کی مشہور درگاہ قدیم سے قدم رسول کے اڑا دینے کا قصد کیا تھا۔ اس قدم شریف کو مصر سے سید جلال الدین بخاری عرف مخدوم جہانیاں بزمان فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) لائے تھے۔ یہ راز عین وقت پر افشا ہو گیا اور بہادر شاہ بادشاہ نے اُن لوگوں کا معقول تدارک کیا۔ مولوی محمد عمر صاحب قادری المعروف بہ سراج الحق نے قدم رسول کی اصلیت اور واقعیت پہ ایک عمدہ رسالہ الاستشفا والتوسل باثار الصالحین و سید الرسل (مطبوعہ ۱۳۱۹ھ مطبع خادم الاسلام دہلی) لکھا ہے۔ اس رسالے میں مصنف نے اس معجزے کے متعلق کہ حضرت رسول مقبول کے لیے پتھر نرم پڑ جاتا تھا اور آپ کے قدم کا نقش اُبھر آتا تھا تفصیلی بحث کی ہے اور روایات معتبرہ سے اس معجزے کی صحت کو ثابت کیا ہے۔

---

[51] کروہ اور کوس دونوں سنسکرت کے لفظ "کروس" سے مستخرج ہیں جس کے لفظی معنے ہیں آواز بلند۔ کوس عموماً دو میل کا شمار کیا جاتا ہے۔

[52] یہاں تعمیر خانہ کعبہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جب کہ حرم کی حدود مقرر کی گئی تھیں۔

[53] معجزۂ شق القمر کا ذکر ہے جس کا ذکر الکلام المبین کے صفحہ ۱۰۸ معجزے نمبر (۱۱۰) میں ہے۔ یہ معجزہ حضرت کے مکہ چھوڑ کر مدینہ جانے سے قبل کا ہے۔ ۱۲

مسجد جامع یا مسجد قوۃ الاسلام سنہ ۵۸۷ھ ۱۱۹۱ء

صفتِ مسجدِ جامع کہ چناں ست درو | شجرۂ طیبہ ہر سو چو طوبیٰ بجناں
مسجدِ او جامع فیضِ الٰہ | زمزمۂ خطبۂ او تا بماہ
بر سرِ نہ تخت گرفتہ شہی | منبرش از خطبۂ بیت الٰہی
آمدہ در روی زمیں سپہر کبود | فیض بیک خواندنِ قرآں فزود
غلغلِ تسبیح بگنبد دروں | رفتہ ز نہ گنبدِ والا بروں
گنبدِ او سلسلہ پیوندِ راز | سلسلہ چوں کعبہ شدہ حلقہ ساز
خواندہ امم کعبۂ دین خودش | پیش نشستہ حجر الاسود وش
بندہ سنگش در و لعل و عقیق | زدہ ہمہ آزادیِ بیت العتیق
ہر کہ سعادت بودش رہنمائے | بر درِ او سر نہد انگاہ پائے
در تہِ سقفش ز سما تا زمیں | نصب شدہ جملہ ستونہائے دیں
قامتِ خود کردہ موذن دراز | دادہ اقامت بہ ستونِ نماز

(امیر خسرو — از مثنوی قران السعدین)

راے پتھورا کے اُس مندر کا یقینی طور پر کچھ حال نہیں معلوم ہوتا جہاں کہ مسجد کا بنانا بیان کیا جاتا ہے۔ یوں بہت سے بے سر و پا بیانات ہیں کہ وہ بڑا بھاری مندر تھا جس میں تہری تہری اور چوہری چوہری قطاریں ستونوں کی تھیں اور اس کے علاوہ بھی بڑی بڑی عالیشان اور وسیع عمارتیں تھیں۔ بات اصل یہ ہے کہ جب وہ چیز ہی موجود نہیں تو اُس کا اندازہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سلطان محمد غوری کے نامور اور مورد مراحم خسروانہ جنرل قطب الدین ایبک نے دلی کی فتح کے بعد ہی جا بجا جو مندر تھے اُن کو توڑ تاڑ جگہ ہموار کر کے مسجد بنانی شروع کر دی تھی۔ مسلمان مورخین اور بعض یورپین وقائع نگار کہتے ہیں کہ سلطان قطب الدین ایبک نے مسجد بنانے کے لیے مندر کی صرف مورتی تڑوا ڈالی تھی اور باقی جوں کا توں کھڑے کا کھڑا چھوڑ دیا۔ لیکن جنرل کننگہم صاحب کی راے یہ ہے کہ نہیں مندر کی عمارت تمام ہا سواے چند ستونوں کے جن کا بیان آگے آئے گا ڈھا دی گئی تھی البتہ چبوترے کا اونچا حصہ پہلے ہی کا ہے جس پر کہ مسجد کی وسیع عمارت بنائی گئی ہے اور اسی سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مندر کی عمارت کہاں کہاں پھیلی ہوئی تھی لیکن اس چبوترے کے نیچے کے حصے کی جا پڑواری

بحالہ چھوڑ دی جو اپنی اصلی حالت پر کھڑی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوؤں کے مندر چن چن کے نیست و نابود کیے گئے اور یہ تعصب اس قدر بڑھا کہ شمس الدین التمش کے زمانے میں جو قطب الدین کا جانشین تھا مندروں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا (از ظفرنامہ)

یہ مسجد باہر سے دیکھنے میں بے رونق اور بھدی معلوم ہوتی ہے کیونکہ پتھر کی مربع عمارت ہے جو بنتے بنتے ادھوری رہ گئی استرکاری اور تکمیل کی نوبت ہی نہ آئی ورنہ اس کی صورت شکل نکلتی۔ محراب دار صدر دروازہ شرقی دیوار کے بیچ میں ہے سات بھاری بھاری سیڑھیاں چڑھ کر ہم اس دروازے میں داخل ہوتے ہیں اور پھر مسجد کا صحن ملتا ہے۔ مسٹر بگلر نے بغرض حصول معلومات جب جا بجا سے کھدائی کی تھی تو معلوم ہوا کہ سیڑھیوں اور مسجد کے صحن کی حالت پہلے کچھ اور ہی تھی۔ ان سیڑھیوں کا سلسلہ اور آگے تک تھا جن کے آگے ایک پختہ چبوترا تھا۔ مسجد کی بیرونی مشرقی دیوار ۱۴۷ فٹ لمبی ہے جس میں چار کھڑکیاں ہیں۔ مشرقی دروازے پر ایک محراب ہے جو ذرا پیچھے دار کو ہٹی ہوئی ہے جس کے بالائی حصے میں بہت کچھ نقش و نگار بنے ہوئے ہیں اور تحتانی حصے پر یہ کتبہ بخط عربی نہایت پیچیدہ طرز میں کندہ ہے:-

این مسجد را بنا کرد قطب الدین ایبک خدا بر آن
رحمت کناد هر که بر نیت بانی این خیر دعای ایمان گوید

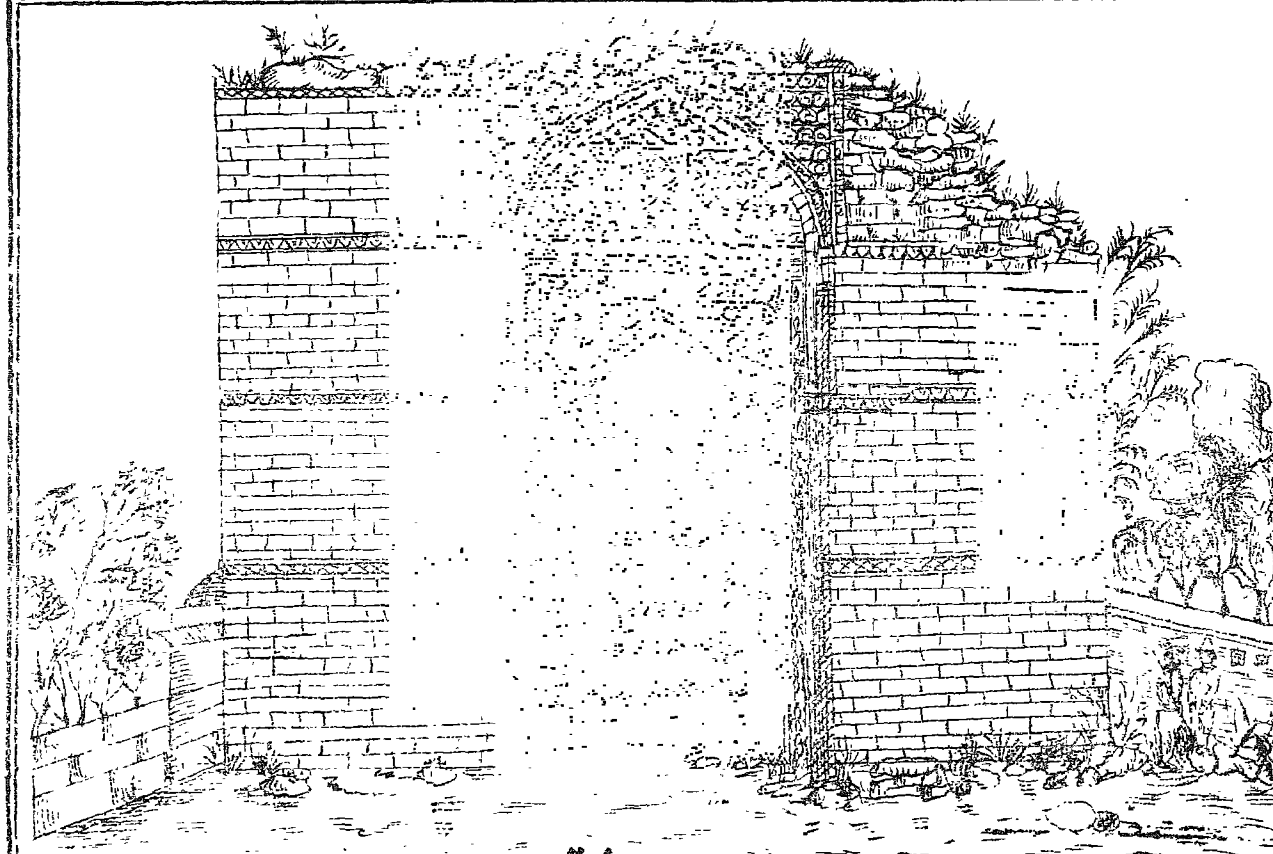
بسم اللہ الرحمن الرحیم ومن دخله كان آمنا ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا ومن كفر فان الله غني عن العلمين خدا عزوجل بر آن بنده رحمت کند هر که بر نیت بانی خیر دعای ایمان گوید

این حصار را فتح کرد و این مسجد جامع را بساخت بتاریخ فی شهور سنه سبع وثمانین وخمسمائة امیر اسفهسالار اجل کبیر قطب الدولة والدین امیر الامراء ایبک سلطانی اعز الله انصاره و بست و هفت اله بتخانه در کنی در هر بتخانه دو بار هزار دلیوال صرف شده بود درین مسجد بکار بسته شده است

مسجد کی شرقی دیوار کے پائے کی کرسی ۴ ۱/۲ فٹ ہے۔ دو دیواریں ۱۲ فیٹ لمبی اصلی دیوار کے متصل بہ شکل زاویہ قائمہ کھڑی ہیں جن میں وہ سیڑھیاں ہیں جو مسجد میں پہنچاتی ہیں اور دروازے

حاشیہ ۵ فرگسن صاحب جن سے مسٹر ایڈورڈ ٹامس بھی اتفاق کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ اگر ہر مندر کی تخمینی لاگت ساٹھ ہزار روپیہ بھی محسوب کی جائے تو ستائیس مندروں کی لاگت سولہ لاکھ بیس ہزار دلیوال ہوئی۔

دلیوال روپیہ کا پانچواں حصہ ہوتا تھا۔ ۱۲



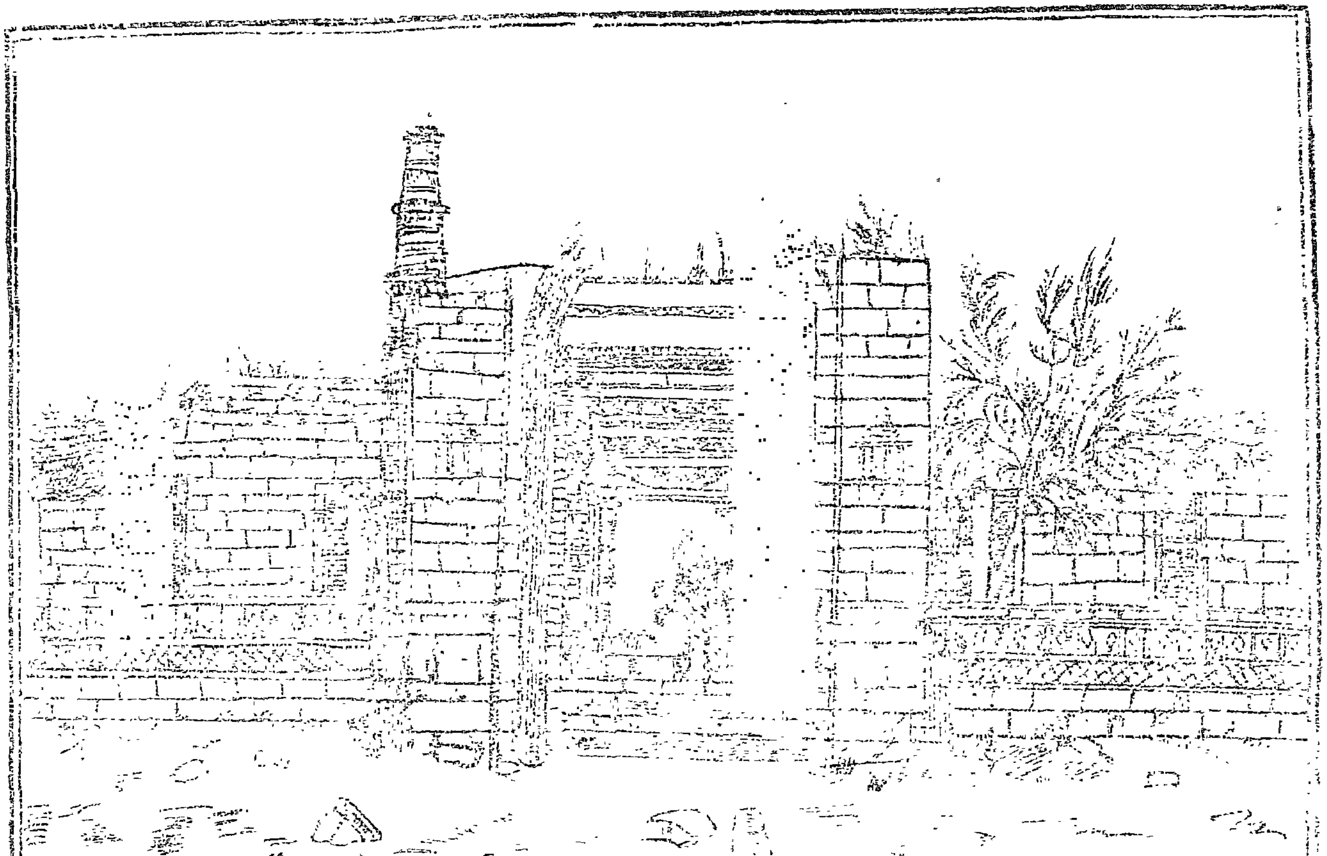
نقشہ دروازۂ شرقی مسجد قوۃ الاسلام

کی محراب کے اندر تک ہیں - دروازہ گیارہ فیٹ چوڑا ہے لیکن زیادہ اونچا نہیں - مسجد میں داخل ہونے کے بعد ایک چھوٹا سا گنبد ملتا ہے جس کے دائیں اور بائیں دونوں طرف ستونوں کا سلسلہ اور صحن ہے - جو تمام حجروں سے پٹا ہوا تھا لیکن صرف آدھے سے زیادہ صحن میں حجرے باقی رہ گئے ہیں - صحن طول میں ۱۴۲ فٹ اور عرض میں ۱۰۸ فٹ ہے - گنبد ہشت پہلو ہے جو مربع نیچے پر ٹھہرا ہے - گنبد میں چار چار ستون یکجائی ہیں جن پر گنبد ٹکا ہوا ہے - یہ ستون تیرہ فٹ لمبے اور پائے میں ڈھائی فیٹ چوڑے ہیں اور اوپر کی چھپی ڈیڑھ فیٹ چوڑی ہی ہے - گنبد باہر سے نوکدار مخروطی شکل کا ہے - فرگسن صاحب مسجد کے حجروں کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ عمارتیں اس قسم کی ہیں کہ ان کے گرانے اور دوبارہ پھر کھڑے کر دینے میں کوئی اشکال نہیں - کیوں کہ ستونوں کی کلاسی نہایت عمدگی سے ملائی گئی ہے جو بالکل ہندوؤں کی صناعی ہے - ہر ہر حجرے میں نو نو سلیں پتھر کی اس طرح جمی ہوئی ہیں کہ چار تو ستون کے پاکھے پر ہیں اور چار کونے میں اور ایک بیچ میں - ان سلوں کے جوڑ نہایت عمدگی اور ایسی صفائی سے پیوستہ کیئے گئے ہیں کہ ان میں مسالا بھرنے کی مطلق ضرورت نہیں - ان کو اتار کر پھر اسی طرح نہایت آسانی سے جما سکتے ہیں - گنبد بھی اسی طرز سے بنایا گیا ہے اس کی سلوں کے جوڑ بھی خوب ملائے گئے ہیں اور اس کی سلیں بھی اسی آسانی سے نکالی اور لگائی جا سکتی ہیں جیسی کہ حجروں کی (از ہسٹری آف آرکیٹکچر جلد دوم صفحہ ۶۳۸) -

زائرین کے داہنی طرف ستونوں کی قطاریں ہیں جو شمالی دیوار کی آخری حد تک ہیں - ان میں سے بعض - کے سامنے برآمدے بھی ہیں - پہلی قطار میں سات ستون دیوار سے لگے کھڑے ہیں دوسری قطار پہلی قطار سے چھ فیٹ کے فاصلے سے ہے اس میں چھ ستون ہیں - تیسری قطار بھی دوسری قطار سے چھ فیٹ ہے اور اس میں بھی چھ ستون ہیں - چوتھی قطار صحن میں ہے جو تیسری قطار سے پانچ فیٹ دور ہے جس میں سات ستون ہیں یہ سارے ستون اور نیز وہ ستون جو گنبد کی بائیں جانب ہیں سب نقش و نگار سے بھرے ہوئے ہیں بعض پر مختلف قسم کی تصویریں - کڑے - چوڑیاں - زنجیریں - بیلیں - لہریے بھی ہیں جن کے سرے پر گھنٹی یا پھندنا ہے - مشرقی دالانوں کے دونوں سروں پر ایک ایک گیلری دو منزلہ بیس فیٹ مربع ہے - پست گنبد اسی طرح کے جیسے مشرقی دروازے پر ہیں اس طرف بھی ہیں - مسجد کی دیواروں میں گیلریوں پر چڑھنے کی سیڑھیاں ہیں - گیلری پر کا گنبد ہشت پہلو

ہے جو ایک مربع پر جس کے آٹھ ستون ہیں بٹا ہوا ہے۔ چار ستون چار کونوں پر ہیں اور چار بیچ بیچ میں۔ جنوب و مشرقی گیلری میں ایک نواں کھم بطور اڑواڑ کے لگا ہوا ہے۔ گیلری کے بیچ میں گنبد ہے اور گنبد کے ستونوں کے اطراف چھ فیٹ چوڑی کھلی جگہ ہے۔ اس گیلری کے مشرقی اور جنوبی رخ پر مسجد کی مشرقی اور جنوبی دیوار آگئی ہے جس میں چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں ہیں۔ دوسری جانب چھوٹے چھوٹے ستون ہیں جو دالان کے ستونوں سے آدھے ہیں گیلری کی چھت انھیں ستونوں پر ٹھہری ہوئی ہے۔ ان ستونوں میں سے اکثر پر نقش و نگار ہیں۔ ایک امر یہاں خاص طور پر ذکر کرنے کے قابل ہے جس سے بلاشائبہ شک کے ثابت ہو جاتا ہے کہ فرش تو قائم رکھا ہے مگر بالائی عمارت مندر توڑ کر مسجد بنائی گئی ہے۔ اول تو یہ کہ دیواروں سے ستونوں کے بالائی ٹکڑے آگے بڑھے ہوئے ہیں اور ان کی بیٹھک کا پتھر بھی نہیں ہے۔ شمال مشرق کی گیلری میں بھی اسی طرح کے ستونوں کے اوپر کے ٹکڑے موجود ہیں چھت کی بعض سلوں میں بودھ کی مورتیں بنی ہوئی ہیں جو کبھی وشنو کے مندر میں نہیں ہو سکتیں۔ جس طرح کی گیلری جنوب مشرق کے کونے میں ہے ویسی شمال مشرق کے کونے میں بھی ہے۔ شمال مشرق کے دالان کے ایک کونے میں سے ہم شمالی دالان میں جا نکلتے ہیں جو مسجد کے صحن کی آخری شمالی حد ہے۔ اس دالان میں ستونوں کی چار چار قطاروں کی جگہ صرف تین تین قطاریں ہیں یہاں کے ستون ایسی اچھی حالت میں ہیں جیسے کہ مشرقی دالان کے ہیں۔ اس دالان میں (۴۹) ستون ہیں جن میں سے سترہ تو دیوار سے چسپاں ہیں اور یہی گویا پہلی لین ہے۔ دوسری قطار پہلی قطار سے ساٹھ فیٹ کے فصل سے ہے اور اس میں بھی سترہ ہی ستون ہیں۔ رہی تیسری قطار وہ بالکل صحن کے کنارے پر ہے اور اس میں پندرہ ستون ہیں اور اس قطار میں اور دوسری قطار میں آٹھ فیٹ کا بعد ہے۔ شمالی دالان کے بیچ میں ایک مخروطی گنبد ہے جو مشرقی دروازے کے گنبدوں سے چھوٹا ہے۔ اس گنبد کے بالمقابل مسجد کا شمالی دروازہ ہے اور گنبد کی دونوں جانب کی دیوار میں تین بڑی بڑی کھڑکیاں ہیں۔ اس دروازے کی صرف دو سنگین سیڑھیاں ہیں۔ یہ شمالی دروازہ بھی بعض لحاظات سے مشرقی دروازے ہی کی طرح کا ہے مگر اس کی محراب کو استداد زمانے سے زیادہ نقصان پونہچا ہے۔ اس دروازے کی پیشانی پر بخط عربی یہ کتبہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم واللہ یدعوا الی دار السلام ویھدی من یشاء الی



تصویر دروازۂ شمالی مسجد قوۃ الاسلام

صراط مستقیم فی ۵ شہور سنۃ اثنی وتسع

جرت ہذہ العمارۃ بعالی امر السلطان المعظم معز الدنیا والدین محمد بن سام ناصر امیر المومنین

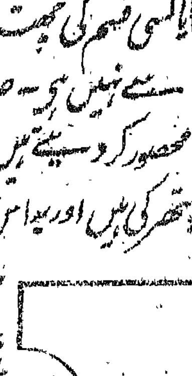
ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ شمال کی طرف کی دیوار اور اُدھر کا دالان دونوں ادھورے ہیں - اس دیوار کے شمال مغرب کے سرے پر تیس فیٹ کا خلا ہے اور ادھر کی گیلری خستہ و شکستہ ہے - جنوب رخ کا دالان صحن مسجد کی جنوبی حد بھی ہے - جو اس سے بھی بدتر حالت میں ہے - اس دالان کے جنوب مشرق کے سرے پر کوئی ساٹھ فیٹ لمبی دیوار اور پندرہ ستونوں کا دالان ابھی تک کھڑا ہے - اس کے ستونوں پر دوسرے دالانوں کے ستونوں کی طرح نقش و نگار نہیں ہے بالکل سادے ہیں - یہ دالان چھت کی دیوار سمیت میجر آر سمتھ صاحب اگزیکیوٹو انجنیر دہلی کا بنایا ہوا ہے - صاحب موصوف نے سلطان التمش کی توسیع کردہ عمارت کے اُس حصے میں سے جو مسجد کے مشرقی دروازے کے محاذی ہے یہ ستون نکال کر یہاں لگا دئے جو صاف جعلی کھاتے ہیں - مسٹر کیمبل اگزیکیوٹو انجنیر دہلی لکھتے ہیں کہ مسٹر سمتھ کے تصرف اور اُلٹ پلٹ سے قطب الدین ایبک کی بنائی ہوئی کھڑکیاں بھی اپنی اصلی حالت پر قائم نہ رہ سکیں - اس دالان کے پندرہ ستونوں کے من جملہ چھ تو دیوار سے لگے ہوئے ہیں - دوسری قطار پہلی قطار سے پانچ فیٹ کے فاصلے پر ہے جس میں پانچ ستون ہیں اور تیسری قطار بھی اسی فصل سے ہے اور اس میں چار ستون ہیں - جنوب مغرب رخ کی گیلری اور گنبد بالکل نیست و نابود ہو گئے ہیں - مسجد کے جنوبی جانب بیچ کے حصے میں جتنی دیواریں اب کھڑی ہیں اُن کے سرے پر مسجد کا جنوبی دروازہ ہے جو بالکل شمالی دروازے کے طرز کا ہے ادھر صحن میں جانے کی سات سیڑھیاں ہیں - اس دروازے میں جنوب و مشرق کی طرف کھڑکیاں ہیں مگر جنوب مغرب کی طرف کی دیوار اور کھڑکیاں سب کچھ گر گرا گیا - مسٹر بیگلر نے

ﻪ معلوم ہوتا ہے کہ کتبے کے کھودنے والے پڑھے لکھے کچھ نہ تھے صرف صورت نویس تھے - یہ تو صرف سنہ ۹۲ ہوتا ہے جو غلط ہے معلوم ہوتا ہے کہ خمس مائۃ رہ گیا ہے یعنی سنہ ۵۹۲ھ (۱۱۹۵ء) کیوں کہ سلطان معز الدین بن سام کا یہی زمانہ ہوتا ہے - پھر اس میں بھی تسع کے نقطے [illegible] صحیح نہیں تو ع کے نیچے کے نقطے سے سبع کا احتمال ہوتا ہے اور سبع صحیح نہیں [illegible] ت کے نقطے [illegible] ہو جاتے ہیں - اور اس قسم کی غلطیاں [illegible] کتبوں میں بھی کئی جگہ ہیں بلکہ [illegible] کہ لفظوں کی ترکیب [illegible] کا پیچ ڈال [illegible] چھوڑ دیا - ۱۲

اس دروازے کے نیچے دار بھی کھدا دیا تھا تو دو ستونوں کے پایوں کے نشان نکلے تھے
جو چبوترے کی نذر ہو گئے گویا شرقی دروازے کی سیڑھیوں اور پایوں کا جواب تھا۔ اندازے
سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور اسی طرح کا ایک دروازہ مغرب کی طرف بھی تھا چنانچہ اُس طرف
بھی پانچ سیڑھیاں ابتک موجود ہیں جن کی موجودگی بزبانِ حال بتلا رہی ہے کہ یہاں بھی دروازہ
تھا۔ صحن مسجد کے جانب مغرب پانچ بلند محرابیں ہیں لیکن بلحاظِ زمانِ تعمیر اُن کا ذکر آگے
چل کر آئے گا کہ انھیں محرابوں کے پیچھے نمازگاہ کا صدر مقام قطب الدین ایبک کی بنا کردہ
مسجد کا تھا۔ یہ عظیم الشان ہال بھی دوسرے دالانوں کی وضع قطع کا تھا جس پر ایک بڑا
گنبد شرقی دروازے کے گنبد کی طرح کا تھا۔ لیکن مسجد میں پچھواڑے کی دیوار میں سے
کوئی رستہ تھا بلکہ اس میں تین اونچی اونچی دیوار دوز محرابیں تھیں۔ ریاست لوہارو کے
رئیس سابق نواب ضیاء الدین خاں بہادر پانچ طاق بتلاتے ہیں۔ یہ درمیانی ہال
بہت اہم تھا جس کی چھت سب سے عمدہ اور نفیس نقش و نگار کے ہندوانی ساخت
کے ستونوں کی چار قطاروں پر کھڑی تھی۔ اب یہ مسجد ایسی شکستہ اور تباہ حالت ہے کہ اس کا
عدم وجود برابر ہے۔ تھوڑا سا حصہ جو باقی رہ گیا ہے وہ صرف وہی ہے جو چبوترے کے شمالی رخ
پر ہے اور پیشان دار کمانیں کھڑی ہیں جن کا ذکر ابھی اوپر آیا ہے۔ یہ حصہ قطب الدین ایبک کا
بنایا ہوا تھا۔ بیچ والی کمان کا کچھ حصہ چبوترے کے اوپر ہے اور کچھ حصہ چبوترے کے جنوبی رخ
کے پیچھے دار اور یہیں مسجد کے چند ستون بھی باقی ہیں۔ شمالی رخ پر چار قطاروں میں بارہ ستون
لگے ہیں ان ستونوں کے سروں اور بیچ کے حصے پر سنگ تراشی کا کام کیا ہوا ہے
ان ستونوں کے ہی ستون ایسا ہی ہیں پر کچھ کام نہیں اور سادہ ہے۔ بعض ستونوں
پر اب بھی چھت کی سنگین کڑیوں کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے ادھر ادھر رکھے ہیں۔ اور چھت
کا بھی ٹوٹا پھوٹا تھوڑا سا حصہ دو مقام پر نظر آتا ہے۔ دوسرا حصہ دس ستونوں کا اُسی طرح کا
ہے جیسا کہ شمالی چبوترے پر ہے اور بیچ کی کمان کے دوسرے چبوترے پر ہے۔ اس کی بھی
چار قطاریں ہیں۔ جنرل کننگھم کی رائے یہ ہے کہ قطب الدین ایبک نے مسجد بناتے وقت
ان ستونوں کو ہلایا چلایا نہیں بلکہ جہاں پہلے سے تھے ویسے ہی رہنے دیا۔ لیکن اس
بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ انھیں ستونوں میں سے ایک ستون پر یہ کتبہ ہے۔ "بعمل فضل
ابن ابی المعالی ستون" مسجد کی مغربی دیوار کا ایک تہائی حصہ شمال کی طرف اب بھی موجود ہے

لیکن جنوب کی طرف کا گر گیا - موجودہ دیوار کے وسط میں طاق نما محرابیں بنی ہوئی تھیں جن میں سے دو کا کچھ کچھ حصہ اب بھی نظر آتا ہے - بیچ کی محراب کا نیچے کا حصہ جو دیوار کا بھی وسط ہے اب بھی سطح زمین سے اونچا ہے - اس کا باقی حصہ گر گیا - اس کے شمال میں جو طاق نما محراب ہے وہ البتہ جوں کی توں پوری کھڑی ہے لیکن جنوب والی محراب بالکل گر گئی - شمال رخ کی دیوار بھی ابھی آدھی باقی ہے جو اسی رخ کے دالان کے سلسلے میں ہے لیکن مغربی دیوار تک نہیں پہنچ پاتی - جنوبی دیوار ایسی گری ہے کہ اب اس کا نشان تک باقی نہیں ہے - مسجد سے کوئی تیس فیٹ پر لوہے کی لاٹ کھڑی ہے جو غالباً مسجد کے بننے کے پہلے ہی سے یہاں ہے - مسجد کے صحن میں چار پختہ قبریں ہیں جن کے چبوترے بلند اور تعویذ خوش نما ہیں - مسجد کے اندر آنے کا رستہ بھی ڈیوڑھی کی وضع کا بنا ہوا تھا - فرگسن صاحب اس مسجد کی اس حیثیت کی نسبت جو سلطان قطب الدین ایبک کے زمانے میں تھی لکھتے ہیں کہ "اس مسجد کی وضع قطع بالکل جین کے مندروں کی سی ہے ستون اسی تراش خراش کے ہیں جیسے کہ کوہ آبو کے مندروں کے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ان پر زیادہ کام کیا ہوا ہے اور یہ ہیں بھی زیادہ عمدہ - ان ستونوں کی ساخت غالباً بارہویں یا تیرھویں صدی کی ہے - اب اس نمونے کے ستون کہ جن میں اس قدر نقاشی کا کام ہو ہندوستان میں بہت کم باقی ہیں - ان ستونوں کی یہ حالت ہے کہ سر سے پا تک ان میں عمدہ صناعی سے ایک انچ بھی خالی نہیں" (ہسٹری آف آرکیٹکچر صفحہ ۶۴۸) آگے چل کر اسی کتاب کی جلد دوم صفحہ ۶۵۰ میں لکھا ہے کہ "اس مسجد کے جہاں اور عجائبات ہیں وہاں اس کی تعمیر کی نوعیت بھی عجیب و غریب ہے - افغان فاتحین کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ ایک خاص قسم کی نوکدار محراب بنانے کو فن تعمیر کا اصول سمجھتے تھے لیکن سائنٹفک اصول پر وہ اس طرز کی خوبی بتلانے سے قاصر تھے اس لیئے انھوں نے ہندو معماروں اور کاریگروں کی مرضی پر چھوڑ دیا کہ وہ اپنی رائے اور سمجھ کے موافق بنائیں - لیکن ہندو معماروں میں اس زمانے تک کمان اتارنے کے طریقے سے کوئی واقف ہی نہ تھا بلکہ اس کے بعد بھی کئی صدیوں تک وہ اس اصول سے نابلد رہے اس لیئے وہ اسی اصول پر محراب بنانے لگے جس طریقے پر کہ گنبد بنتا ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے تو وہ جہاں تک بلند کر سکتے تھے اٹھاتے چلے جاتے تھے بعد پتھر کی سلوں سے پاٹ کر سلوں کا سرا اوپر سے ملا دیتے تھے ... مسجد قوۃ الاسلام کی ابتدائی حالت ۵۹۲ھ میں تھی کم

بصراحت بیان کر آئے ہیں۔ وہ بڑی بڑی محرابیں جو بے موقع نظر آتی ہیں بعد کی بنی ہوئی ہیں۔ مسجد کی سطح دالانوں کی سطح سے اونچی ہے۔ مسجد کے فرش کی سطح میں ہر سو فیٹ میں آٹھ انچ کا ڈھلاؤ ہے۔ مغربی دیوار سے جہاں سب سے زیادہ مرتفع سطح ہے مشرقی دیوار تک جو سب سے زیادہ پست حصہ سطح کا ہے۔ اس سرے سے لے کر اس سرے تک سترہ انچ کی ڈھلان ہے۔ سلطان محمد غوری کی طلب پر قطب الدین ایبک غزنی چلا گیا تھا وہاں سے واپسی کے بعد اس نے مسجد کے سامنے والی محرابیں بنائیں جن کو فرگسن صاحب اس مسجد کی جان کہتے ہیں (ہسٹری آف آرکیٹکچر جلد دوم صفحہ ۶۴۹)۔ ان محرابوں کے آثار اُن کی آٹھ فیٹ کے ہیں جن کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ درمیانی بلند دیوار اور ادھر ادھر دو چھوٹی دیواریں۔ درمیانی دیوار ۵۳ فٹ اونچی اور ۱۳ فٹ چوڑی ہے جب تمام چھوٹی محرابیں بھی قائم تھیں تو بازو کی ہر دیوار ۵۲ فٹ بلند اور ۵۳ فٹ چوڑی تھی۔ اس دیواروں میں پانچ محرابوں کی جگہ رکھی گئی ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے بانی کا ارادہ آیا یہاں پٹاؤ کرنے یا کسی قسم کی چھت بنانے کا تھا یا کیا۔ مسجد کے ہر حصہ کے لئے چھت کا ہونا کچھ لازمات سے نہیں ہے۔ صرف قبلہ رخ ایک دیوار ہونا کافی ہے اور اکثر مسجدوں کو احاطے سے بھی محصور کر دیتے ہیں تاکہ نماز وغیرہ میں خلل نہ ہو۔ یہ کمانیں سنگ سرخ اور زرد رنگ کے بھربھرے پتھر کی ہیں اور بیداس شکل کی ہیں۔ بیچ کی محراب ۲۲ فٹ چوڑی ہے۔ اس کے اطراف کی



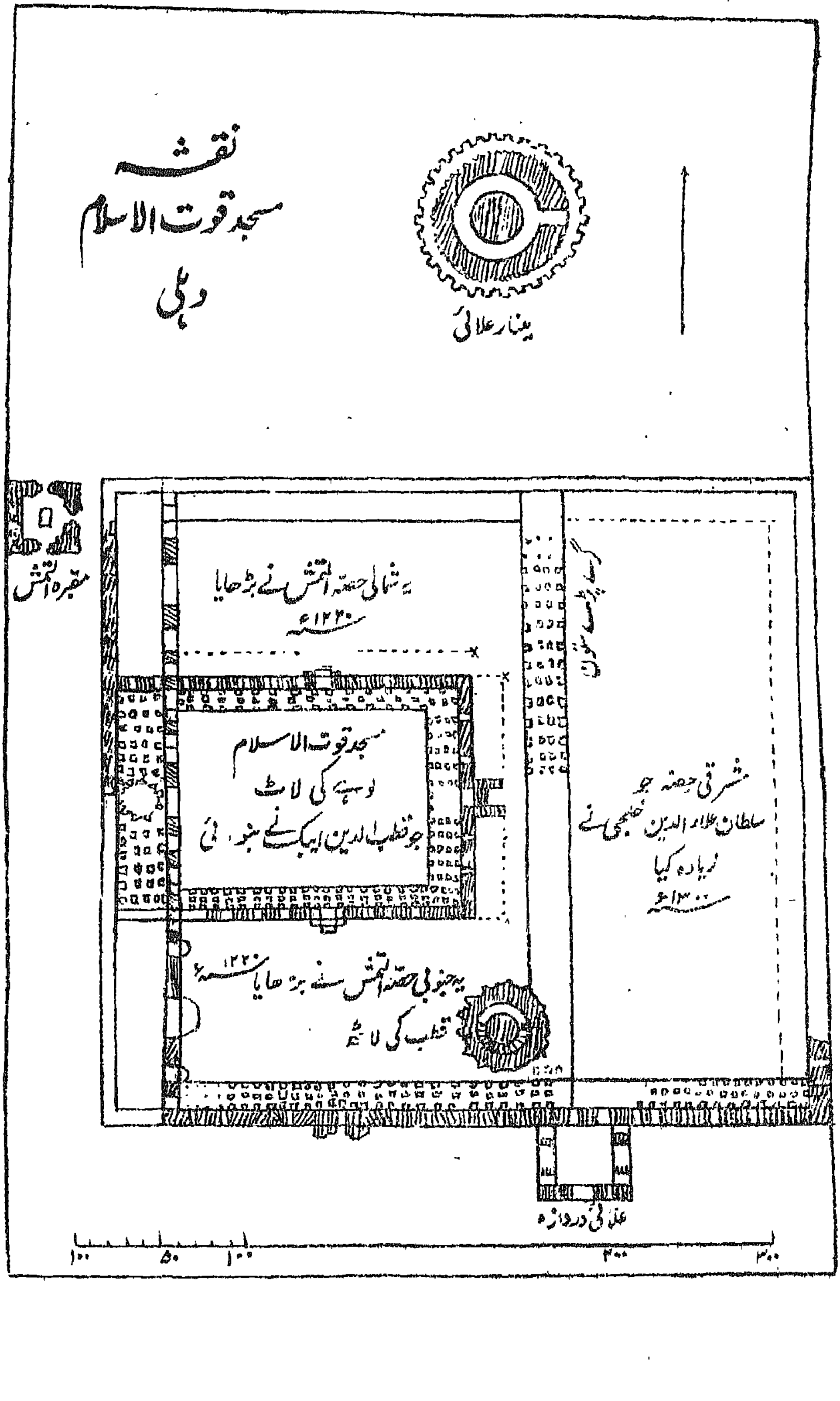
چار محرابوں میں سے اب صرف تین رہ گئی ہیں۔ دو شمال میں اور ایک بیچ کی محراب کے جنوب میں۔ یہ محرابیں ۲۴ فٹ بلند ہیں اور بیچ والی محراب کے دونوں طرف کی ۱۱½ فٹ اونچی اور دس فیٹ چوڑی ہیں ذرا دور ہٹی ہوئی ہیں۔ بیچ والی کمان کے ستون ۹½ فٹ مربع ہیں اور داہنی بائیں کمانوں کے ۵ فٹ مربع اور جو کمانیں پرے ہیں ان کے ستون مستطیل ۳×۵ فٹ ہیں۔ ان محرابوں میں کوئی طاق نہیں ہیں اور ستون بن تراشے رہ گئے ہیں۔ غرض یہ کہ ادھوری ہیں۔ ان پر سرے سے پاؤں تک نہایت خوشنما کتبے آیات کلام مجید کے ہیں۔ یہ محرابیں ۵۹۴ھ میں بنائی گئی ہیں اور بیچ کی محراب کے بائیں بازو کے سرے پر زمین سے آٹھ فیٹ کی اونچائی پر تاریخ ۲۰ ذی قعدہ ۵۹۴ھ (۱۱۹۷ء) کندہ ہے۔ قطب الدین کا اس مسجد کے متعلق یہ آخری کام تھا۔ کمانوں اور ستونوں کے سنگی تحریر نقش و نگار اور خوش خط و خوشنما کتبات کے علاوہ

مسجد کی دیواریں بھی آیات قرآنی اور مختلف اقسام کے بیل بوٹوں سے آراستہ تھیں اور ان میں ایک غرض یہ بھی مضمر تھی کہ تمام نامشروع تصاویر اور بتوں کی شکلیں جو مندر کی تھیں ان کے نیچے ڈھک گئی تھیں۔ امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "جب مسجد کی تکمیل ہو گئی تو نقش و نگار اور آیات قرآنی یا پتھروں میں کھدوا دی گئیں یا پلاستر میں نقش کر دی گئیں" اب پلاستر جا بجا سے جھڑ گیا ہے اور جن تصاویر کا چھپانا مقصود تھا خود بخود پھر نمودار ہو گئی ہیں۔ پلاستر جیدہ جیدہ اب اُن مقامات پر باقی رہ گیا ہے جو محفوظ تھے ــ ـــ مسجد کی چھت اور دیواروں میں بعض بعض سلیں اور پتھر اب بھی ایسے لگے ہوئے ہیں جن میں کرشن کا بچپنا اور دیوتاؤں کی مجلس بنی ہوئی ہے۔ سب سے صاف اور بہتر حالت میں دو جگہ مورتیں موجود ہیں جنھیں جنرل کننگھم نے نوٹ کیا ہے۔ مسجد کی شمالی دیوار کے باہر دو کمروں کا نقشہ بتلایا ہے۔ جس کا درمیانی دروازہ نصف کھلا ہوا ہے۔ ان دونوں کمروں میں سے ہر ایک میں ایک ایک عورت اپنے پاس ایک بچے کو لیئے ہوئے لیٹی ہوئی ہے اور تخت پر شامیانہ تنا ہوا ہے اور ایک خادمہ پاؤں کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ بائیں ہاتھ کی طرف کے کمرے میں دو عورتیں اپنے اپنے بچوں کو لیئے ہوئے دروازے کی طرف جا رہی ہیں۔ داہنے ہاتھ کے کمرے میں دو اور عورتیں اپنے اپنے بچوں کو ایک دیوتا کی طرف لے جا رہی ہیں۔ دالان کے شمال مشرقی کونے میں ایک پتھر پر اُن کھڑکیوں کے پاس جو شمال مشرقی گیلری میں ہیں ایک دم سے چھ مورتیں وشنو۔ اندر۔ برہما۔ شیو۔ اور دو غیر معلوم دیوتاؤں کی پائی جاتی ہیں۔ بدھا کی بیٹھی ہوئی کئی مورتیں دونوں گیلریوں میں بنی ہوئی ہیں۔ بعض اُن میں کی بالکل صاف نمایاں ہیں اور بعض مدھم ہیں۔ لوہے کی لاٹ کے گرد کے دالانوں میں جنرل کننگھم نے (۳۴۰) نقشین ستون گنے ہیں لیکن جب کہ یہ دالان مکمل حالت میں تھے اس کے حساب کی رو سے (۴۵۰) ستون ہوں گے۔ بلا نقش و نگار کے جنرل صاحب نے (۳۷۶) ستون شمار کیئے ہیں اور موقعی حالت کے لحاظ سے اندازہ لگاتے ہیں کہ کل دالانوں کی تکمیل کے لیئے اور بارہ ستون ہونے چاہئیں۔ قطب الدین ایبک کی تعمیرات کی خصوصیات یہ ہیں۔ خاص طرز کے گنبد جو اوروں سے بالکل الگ تھلگ پہچانے جاتے ہیں مسطح چھتیں۔ دروازوں پر پاٹو۔ دالانوں کے ستون سرخ اور زردی مائل بھربھرے پتھر کے ستونوں کا بلندی اور سطبری میں دوسروں سے مختلف ہونا۔ ستونوں کے ٹکڑوں کی تعداد۔

اُن کے نقش و نگار - یہ سب باتیں اپنی وضع اور طرز میں نرالی ہیں - ستونوں کی نشست کا سلسلہ بھی پچھلے زمانے کی عمارتوں سے جدا ہے - ان ستونوں کے نادر اور نتیجہ خیز بیان کو ہم جنرل کننگھم صاحب کی آثار قدیمہ کی رپوٹ سے نقل کرتے ہیں "ان شکستہ مندروں کی چھٹائی بڑائی کی حالت اُس معلومات سے جو میں نے ۱۸۵۳ء میں حاصل کی تھی اور جس کی تکمیل اب میں نے ۱۸۶۳ء میں کی عجیب طرح بہم پونہچی ہے - مسجد کے متعلق جنوب و مشرقی کونے میں جو دالان ہیں اُن کے ستون پائے اور سرے سمیت تمام نئی وضع اور جسامت کے ہیں اور بالکل الگ پہچانے جاتے ہیں - ان ستونوں کے تین حصے ہیں اوپر اور نیچے کے اور درمیانی - ان ستونوں کے بالائی حصے پر نمبر بھی پڑے ہوئے ہیں اور جہاں تک پتہ چلا سب سے اونچا نمبر (۱۹) ملا ہے - اور پندرہ خالی تھم نمبر پڑے ہوئے ملے ہیں جن میں کا نمبر (۱۳) کا تھم شمالی دالان میں نصب ہے - جو اپنے سلسلے کے نمبروں سے بالکل الگ اور دور کھڑا ہے - تیرہ نمبر پڑے ہوئے حصۂ زیریں اور سات بالائی حصے ملے ہیں - لیکن ان میں صرف ایک ستون نمبر (۱۰) کا ایسا ہے جس کے تینوں حصوں پر یکساں نمبر پڑے ہوئے ہیں اور سب جوڑ بھی برابر ملے ہوئے ہیں - اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کوئی ستون اپنی اصلی جگہ پر قائم نہیں ہے - کسی کا سر ہے تو کسی کا پیر کوئی کہیں کھڑا کر دیا گیا تو کوئی کہیں - نمبر پڑے ہوئے تھم کل (۱۵) ملے ہیں نمبر لگی ہوئی پٹھکیں (۱۴) ملیں - جن میں چار چوکون ہیں اور پانچ کے کونے گول کیئے ہوئے ہیں ایک ہی وضع قطع کے بیس بالائی حصے ملے ہیں جن میں سے ایک پر نمبر (۱۹) پڑا ہوا ہے - ان امور سے یقین ہوتا ہے کہ جن مندروں کے یہ ستون ہیں اُن میں کل (۲۰) ستون تھے نمبر (۱۲) کے تھم پر بخط ناگری ایک طرف لفظ "پچل" اور دوسری طرف (۱۱۲۴) کندہ ہے جو بکرماجیت کا سمبت ہے اور ۱۰۶۷ء کے مطابق ہوتا ہے - یہ زمانہ انیک پال[1] ثانی بانی لال کوٹ کا تھا جب کہ وہ دلّی پہ حکمراں تھا - راجوں اور سنگ تراشوں نے نہ صرف ستونوں ہی پر نشان ڈالے ہیں بلکہ اسی قسم کے نشان جا بجا پورے پیل پایوں پر ہیں - یہ نشان صاف اور مکمل ہیں مگر پھر بھی صاف طرح ان نشانوں اور ان الفاظ اصطلاحی کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا - نشانوں کی تفصیل یہ ہے

---

[1] سرسید انیک پال لکھتے ہیں اور انگریزی میں جہاں دیکھو اننگ پال ہے - ۱۲


نقشہ
مسجد قوت الاسلام
دہلی
مینار علائی
مقبرہ التمش
یہ شمالی حصہ التمش نے بڑھایا
سنہ ۱۲۳۰ء
مسجد قوت الاسلام
لوہے کی لاٹ
جو قطب الدین ایبک نے بنوائی
مشرقی حصہ جو
سلطان علاء الدین خلجی نے
زیادہ کیا
سنہ ۱۳۰۰ء
یہ جنوبی حصہ التمش نے بڑھایا سنہ ۱۲۳۰ء
قطب کی لاٹ
علائی دروازہ
۱۰۰
۵۰
۱۰۰
۲۰۰
۳۰۰

(۱) چپ ویڑا ۳ = بالائی ویڑا (؟) نمبر ۳ - (۸) پچھم راکی داشن = مغربی جانب کا سر دل -
(۲) ″ ″ ۴ = ″ - (؟) نمبر ۴ - (۹) پورب پراتھما = مشرقی پہلا سر دل -
(۳) پوچکی ۴ = پچھلا حصہ (؟) نمبر ۲ - (۱۰) پورب ۳ = مشرق نمبر ۳
(۴) ۵ پچھم = ″ (؟) نمبر ۵ منتقر (۱۱) پچھم را ۳ = آدگی (؟) = مغرب نمبر ۳ معاون (؟)
(۵) وہی چوتھی = ویڑا (؟) چہارم - (۱۲) ″ راکی پچھی = مغرب عقب
(۶) وہی پنچم = ″ (؟) پنجم - (۱۳) ″ راکی ۶ = نمبر ۶ عقب
(۷) پراتھما داشن = پہلا سر دل

ستونوں کے نمبروں میں ایک اور خصوصیت قابل غور ہی کہ ہندسے کے اول اُسکا سر حرف بھی کھدا ہوا ہی - مثلاً (۳) کے ہندسے کے اول "تِی" یعنی تین اور (۱۰) کے اول "دَ" اور سولھا کے اول "سو" - اسی قسم کے نشانات ایک دوسرے مندر کے ستونوں پر بھی ہیں اور ایک دوسرے نمونے کے ستون پر بھی "دو ۲" کھدا ہوا ہی - اسی طرح ایک دیوار دوز ستون بھی اسی قسم کا ملا جس پر "ی ۱۹" کھدا ہوا ہی - مذکورۂ بالا ستون کی پیمایش یہ ہی :- اوپر کا حصہ - ایک فٹ - ۴ - انچ - خالص کھم درمیانی حصہ ۴ - فٹ - ۱۱ $\frac{1}{4}$ انچ - پایہ - ۱ - فٹ - ۱۱ $\frac{1}{2}$ انچ -

سلطان التمش کے عہد کی توسیعات سنہ ۶۰۷-۶۳۳ھ / ۱۲۱۰-۱۲۳۵ع

نخواہد ایں چمن از سرو لالہ خالی ماند
یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید

سلطان التمش نے قطب الدین ایبک کے بنائے ہوئے دالانوں میں ادھر اُدھر دو دالان اور بڑھا دیئے اور مشرقی شمالی - جنوبی - تین طرف کے دالان بنوائے - مسجد کے پچھاں رخ کی دیوار دونوں طرف تقریباً ۱۱۵ فیٹ بڑھوا دی - اس طرح ساری دیوار کی لمبائی ۳۸۰ فٹ ہو گئی - اس بڑھائی ہوئی دیوار کا اب بہت تھوڑا حصہ رہ گیا ہی - البتہ مسجد کے شمال مشرقی کونے کی طرف جو دیوار کھڑی ہی وہ التمش ہی کی بنائی ہوئی ہی لیکن اس میں سے بھی بیس فیٹ کا ٹکڑا منہدم ہو گیا ہی اور باقی اور دیواریں جو اس رخ پر تھیں اُن کا پتہ صرف باقی ماندہ بنیادوں کے نشانوں سے چلتا ہی - شمالی دالان ۳۸۰ فٹ لمبا تھا جس کا پتہ اب بھی بڑی مشکل سے صرف بنیادوں کے پائے پر سے چلتا ہی - جنوبی رخ کی دیوار بھی ۳۸۰ فٹ لمبی ہی جو فی الجملہ درست حالت میں ہی - صرف

تھوڑی سی بیچ میں سے گرگئی ہی۔ التمش کے بنائے ہوئے مسجد کے جنوبی مغربی حصے کی دیوار بھی ستر فیٹ گرگئی ہی مگر یہاں بھی بھری ہوئی بنیاد صاف موجود ہی۔ یہاں سے پر مسجد کی پچھیت کی دیوار کوئی تیس فیٹ تک جابجا گرگئی ہی لیکن ایک دالان جس میں ستونوں کی تہری قطاریں ہیں اُسی طرح کا جیسا کہ مسجد کے جنوبی دروازہ کے پاس ہی یہ بھی ہی جو مسجد کے دروازے سے جا ملا ہی ابھی موجود ہی۔ اس دروازے کی محراب گرپڑی ہی اب صرف دونوں طرف کے پاکھے سولھا فیٹ اونچے کھڑے ہیں یہیں پانچ دُھرے ستون منہدمہ دیوار کی بنیاد کے برابر کھڑے ہیں اور یہی گویا پہلی لین ہی۔ دوسری لین میں سات ستون ہیں جو پہلی لین سے چھ فیٹ کے فاصلے پر کھڑی ہی۔ تیسری قطار میں بھی سات ستون ہیں یہ دوسری قطار سے ۶ فٹ کے فصل سے ہی۔ چار ستونوں پر ایک سپاٹ چھت جس کی سلیں ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی ہیں موجود ہی۔ دروازے کے پاس یہاں ستونوں کا سلسلہ ختم ہوگیا ہی سو فیٹ کی ایک دیوار کھڑی ہی جو علائی دروازے تک بڑھی چلی گئی ہی۔ لیکن اس دیوار میں کوئی بیس فٹ تک کے ستون گرگئے ہیں۔ ستونوں کی بلندی اور ایک دوسرے کا باہمی فاصلہ اور چھت سب اُسی وضع کے ہیں جیسے کہ اُس دالان میں ہیں جس کا بیان ہم ابھی اوپر کر آئے ہیں۔ یہاں بھی ستونوں کی تہری قطار ہی جس میں سے چودہ دیوار سے لگے ہوئے ہیں۔ دوسری قطار میں سولھا اور تیسری میں پندرہ۔ اس دیوار میں سات بڑی بڑی بلند کھڑکیاں ہیں جن میں کی پانچ تو پوری بھی نہ ہوسکے پائیں اور ویسی ہی ناتمام رہ گئیں جن کے سامنے پردے کی دیوار تک نہیں ہی باقی دو ان سے بھی بڑی ہیں جن کے سامنے سنگ سرخ کی جالیاں علائی دروازے کی کھڑکیوں کی جالیوں کی طرح کی ہیں۔ اس مقام سے دس فیٹ پر قطب صاحب کی شان دار لاٹ کھڑی ہی۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہی کہ التمش کی توسیعات یہیں ختم ہوگئی ہیں اس سے آگے نہیں بڑھیں بلکہ وہ بڑی کھڑکیاں جو دیوار میں ہیں وہ بھی علاء الدین خلجی کی بنوائی ہوئی معلوم دیتی ہیں۔ بیشک یہ کھڑکیاں علاء الدین کے وقت کی معلوم دیتی ہیں لیکن علاء الدین کی بنائی ہوئی عمارت کا سلسلہ عجب ہی جو کیوں ہوسکتا ہی جب کہ جنوبی دیوار کو علائی دروازے سے جا ملائیں اور اغلب یہ ہی کہ علاء الدین نے یہ کھڑکیاں التمش کے دالان کو گرواکر بنائی ہیں۔ علائی دروازے کے داہنی طرف چھوڑ کر ٹھیک



نقشہ درجہ سوم مسجد قوۃ الاسلام



نقشہ درجہ اول مسجد قوۃ الاسلام

شمال کی طرف سامنے ہی التمش کے بنائے ہوئے مشرقی دالانوں کے کھنڈر مٹی کے تلے دبے پڑے ہیں - اس کے بعد ہم قطب الدین کی مسجد کے مشرقی دروازے پر جا نکلتے ہیں جو علائی دروازے سے دو سو فیٹ کے فاصلے پر ہے - یہاں سے تیس فیٹ پر التمش کے شرقی دالانوں کا کچھ باقی ماندہ حصہ ہے جس میں (۳۴) ستون ہیں - جن میں سے انیس کھڑے ہیں اور پندرہ گرے پڑے ہیں - ان ستونوں کی چار قطاریں ہیں - پہلی قطار میں نو ستون اُس سڑک پر ہیں جو مسجد اور دالانوں کے درمیان ہے - دوسری قطار میں گیارہ - تیسری میں گیارہ اور چوتھی میں صرف تین - ان قطاروں میں چھ چھ فیٹ کا فاصلہ ہے اور چھت کا تھوڑا سا حصہ یہاں کہیں باقی رہ گیا ہے وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ جنوبی دالانوں کا ہے - اس دالان کے بعد التمش کی توسیعات ختم ہو جاتی ہیں - التمش نے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے نہ صرف حوالی مسجد میں اور دالان بنوائے بلکہ اُس نے قطب کی محرابوں کی بھی توسیع کی - فرق صرف اتنا ہے کہ التمش کی بنائی ہوئی کمانیں قطب الدین کی کمانوں سے زیادہ اونچی ہیں مگر پست سطح پر بنائی گئی ہیں اور ان کے پاکھوں میں طاقچے ہیں اور فیل پائے چوکھٹیں ہشت پہلو تراشی ہوئی ہیں اور اوپر کٹہرا ہے اور فیل پایوں ہی پر ساری نوکدار محرابوں کا وزن ہے - یہ فیل پائے بوجھ خوب سنبھالتے ہیں - ان کمانوں کے نقش و نگار پہلے زمانے کی صناعی سے بدرجہا نفیس اور بہتر ہیں قطب الدین کی کمانوں کے دونوں پہلوؤں میں التمش نے بھی تین کمانیں بنائی ہیں ان دونوں زمانوں کی محرابوں کے بیچ میں آٹھ فیٹ چوڑا رستہ ہے - التمش کی پہلی محراب اب بھی موجود ہے جس کا کنگورا البتہ گر گیا ہے مگر کمان جوں کی توں کھڑی ہے جو ۲۶ فٹ اونچی اور تیرہ فٹ چوڑی ہے - اس محراب کا شمالی پیل پایہ جو درمیانی محراب کا جنوبی پیل پایہ ہے ۱۵ فٹ چوڑا ہے - بیچ کی کمان جس کی محراب بڑی عالی شان ہوگی ۲۲½ فٹ چوڑی ہے - اس کے صرف دو ہی پاکھے ہیں اور تیسری کمان التمش کی بنائی ہوئی گر گرا گئی اب اُس کا نشان بھی نہ رہا - جنوبی سمت میں جو کمانیں التمش نے بنائی تھیں وہ ساری کی ساری نیست نابود ہو گئیں - قریب والی اور بیچ والی دو محرابوں کے وجود کا پتہ صرف اُن کے پیل پایوں سے چلتا ہے - جنوبی رخ کی آخری کمان البتہ اپنی حالت پر قائم ہے جو بھربھرے پتھر کی پتلی سلوں کی بنی ہوئی ہے اور عنقریب گرنے والی ہے - یہ ایک بڑے تعجب کی بات ہے کہ دو محرابیں جو زیادہ مستحکم تھیں وہ توڑ زمانہ

ہوا کر گر گئیں اور جو کم زور معلوم دیتی ہے یہی صحیح سلامت کھڑی ہے۔ التمش کے عہد کی فن تعمیر کی خصوصیات کے متعلق مسٹر کیمبل لکھتے ہیں کہ "ستون بھر بھرے پتھر کے مختلف بلندی کے ہیں جو بر خلاف ستون ہائے زمانۂ قطب الدین سنے ترتیب نصب کیے گئے ہیں کچھ ہی خیال درمیانی فصل کی یکسانیت کا نہیں رکھا گیا۔ یہ ستون کسی اور پرانی عمارتوں کے معلوم دیتے ہیں مگر مندروں کے نہیں معلوم دیتے۔ محرابوں کی ساخت۔ آراستگی۔ صناعی۔ سب باتیں قطب الدین کے زمانے سے بہت بڑھی ہوئی ہیں۔

سلطان علاء الدین خلجی کی توسیعات

۶۹۵ - ۷۱۵ھ

۱۲۹۵ - ۱۳۱۵ء

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت رفت منزل بدیگرے پرداخت

سنہ ۶۹۵ھ / ۱۲۹۵ء میں سلطان علاء الدین خلجی اپنے چچا جلال الدین بانی خاندان خلجی کے قتل کے بعد دلّی میں تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی اپنے عہد میں مسجد قوۃ الاسلام کی توسیع کی۔ حضرت امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "یہ چوتھی توسیع تھی"۔ یہ توسیع جتنے بڑے پیمانے پر تھی اُتنی ہی بہتر اور عمدہ بھی تھی لیکن افسوس ہے کہ باوجودیکہ سب سے بعد بنی تھی مگر سب سے پہلے گر گئی اور اس کا بہت ہی تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے جس سے اُس کی نفاست کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جس کی تعریف میں اُس زمانے کے بے نظیر شاعر امیر خسرو رطب اللسان ہیں۔ اس زمانے کے اب چھ ستون جو جنوب مشرقی دیوار کی طرف ہیں وہ بمقابلے قطب الدین اور التمش کے عمدہ نمونوں کے لوگوں کی نگاہ میں نہ بھریں گے لیکن نہایت عالی شان "علائی دروازے" کے آگے سب گرد ہیں جس سے اس بادشاہ نے دوامی شہرت حاصل کی ہے۔ علاء الدین کی صرف ایک ہی تعمیر ایسی لاجواب ہے کہ اگر وہ اور ایک اینٹ بھی مسجد میں نہ لگاتا تو بھی اس میں کسی کو محل شک نہ ہوتا کہ دلّی کے بڑے بڑے بادشاہوں نے جو شہرت ابدی بہت سی سربفلک عمارتوں کی تعمیر سے حاصل کی ہے اُس زمرے میں یہ سب سے دو قدم آگے تھا۔ علاء الدین کے زمانے کی کل توسیعات کو سمجھنے کے لیے سیدھا سادہ سا یہ ہے کہ ہم التمش کے مشرقی دالان کی جنوب مشرقی حد سے شمال کی طرف سمت کریں ہم کو سیدھے جنوب کی طرف مشرقی دیوار سے زاویۂ قائمہ بناتے ہوئے جانا چاہیئے۔ علاء الدین کے زمانے کے ستونوں کی وضع قطع التمش کے ستونوں سے

قدر سے مختلف ہے - اب ہم علائی دروازے سے شروع کرتے ہیں - وہ ستون جو اندرونی دروازے کے سامنے والے دالان میں تھے اب نہیں رہے اور کوئی قریب تیس فٹ کے میدان صاف ہو گیا ہے - اس خلا کے مشرقی جانب سے پھر دالان کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے جو علائی دروازے سے ۱۲۰ فٹ تک چلا گیا ہے جو دوسرے زمانے کے توسیع شدہ دالان سے جا ملا ہے - اس دالان میں چار دروازے اور تین بلند کھڑکیاں ہیں - کھڑکیوں میں سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں - اس پٹے ہوئے دالان کی پہلی قطار میں بارہ - دوسری میں پندرہ اور تیسری میں گیارہ ستون ہیں - ان ستونوں اور قطاروں کا باہمی فصل اور چھت سب التمش کے اس دالان کی سی ہے جو جنوب میں ہے - جب ہم علاء الدین کی توسیع کے جنوب مشرقی کنارے پر پہنچتے ہیں تو یہاں بیس فیٹ تک دالان کے نشان ملتے ہیں مگر اس کے آگے صرف ملبے کا ایک ٹیلہ سا نظر آتا ہے - مشرقی دالان کا جس قدر حصہ اب باقی ہے اس میں صرف گیارہ ستون ہیں - چار دیوار سے لگے ہوئے ہیں - چار دوسری قطار میں اور تین تیسری میں اور یہیں جنوب رخ کی دیوار میں جو بیس فیٹ لمبی ہے ایک دروازہ بھی ہے - حال کی کھدائی سے معلوم ہوا کہ علاء الدین کی توسیعات التمش کی شمال رخ کی توسیع سے بہت آگے تک تھیں اور اسی میں وہ ادھوری لاٹ بھی شامل ہے - یا یوں سمجھیے کہ علاء الدین نے مجملاً .. فٹ × .. فٹ زمین کے قطعہ میں دالان بنوائے تھے - قطب الدین کی تعمیر کردہ مسجد کی شکل مستطیل تھی جس کے شمالی اور جنوبی ضلعے لمبے تھے - التمش کی توسیع نے بھی اس کی مستطیل شکل میں کوئی تبدیلی نہیں کی مگر لمبوترے ضلعے شمالی اور جنوبی سے مشرق اور مغرب کی طرف ہو گئے اور یہی نقشہ علاء الدین کے زمانے میں بھی قائم رہا - امیر خسرو نے جو مسجد کی ان توسیعات کا ذکر کیا ہے جو علاء الدین کے زمانے میں ہوئیں اس پر سے اب پتہ چلنا مشکل ہے - وہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ سلامت نے مسجد میں ایک ربع حصہ بڑھایا - یہ حصہ تین قدیم دروازوں اور صحن مسجد کے باہر تھا - جس میں اونچے اونچے ستون تھے اور پتھروں پر آیات کلام مجید اس نفاست اور عمدگی سے کندہ کرائی گئی تھیں کہ موم پر بھی ہونا ناممکن تھا - محرابوں کی بلندی کی یہ حالت تھی کہ بلا مبالغہ یہ معلوم دیتا تھا کہ قرآن شریف آسمان کی طرف صعود کر رہا ہے اور پھر اتر بھی رہا ہے دوسرے مقامات پر جہاں نیچے کندہ تھا اس سے ایسا معلوم دیتا تھا کہ کلام مجید نیچے اتر آیا

غرض سر سے پا تک سارا کام باحسن الوجوہ مکمل تھا"۔ زمانے کے امداد فنا کے دور دورے کا یہ کرشمہ ہے کہ اب ان ستونوں کا نشان تک بھی صفحۂ ہستی پر باقی نہیں ہے! مسٹر طامس کی رائے ہے کہ امیر خسرو نے جن کمانوں کا ذکر کیا ہے وہ موجودہ کمانیں ہی ہیں لیکن جنرل کننگھم موجودہ کمانوں کو قطب الدین اور التمش کی بتلاتے ہیں۔ ان پر کے کتبات طغرائی میں عجب صنعت رکھی گئی ہے کہ خط بلحاظ بلندی کے گھٹتا بڑھتا ہے یعنی جوں جوں کتبہ اونچا ہوتا جاتا ہے حروف بھی بڑے ہوتے جاتے ہیں جس سے دیکھنے والے کو یکساں نظر آتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نیچے کے حروف تو اچھی طرح نظر آتے اور اوپر کے بوجہ بُعد مقامی کے موہوم ہو جاتے۔ یہ ریمارک علائی دروازے اور جدید محرابوں کے کتبات کی نسبت ہے۔ سٹیفن صاحب کے نزدیک علاء الدین کی بنائی ہوئی آٹھ محرابیں التمش کے شمالی دالان کے شمال میں تھیں۔ بگلر صاحب کی کھدائی میں اسی طرف بڑے بڑے آثار کی دیواروں کے نشانات ملتے ہیں جو التمش کے وقت کی مغربی دیوار کے سلسلے کی توسیع ہے۔ اب یہاں گھنا جنگل ہے جس میں دیواریں چھپ گئی ہیں پھر بھی دس دس فیٹ زمین سے اوپر کھڑی ہیں۔ امیر خسرو جن نئی محرابوں کا ذکر کرتے ہیں وہ بھی اسی مقام پر تھیں چنانچہ اب بھی انکی بنیادوں اور پاکھوں کے نشان موجود ہیں بلکہ ان نشانات سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آٹھ محرابیں رہی ہوں تو عجب نہیں۔ اگر ہم علاء الدین کی ادھوری لاٹ سے ایک خط مستقیم کھینچیں تو وہ خط علاء الدین کی بنائی ہوئی محرابوں کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کر دے گا

علائی دروازہ
سنہ ۷۱۱ھ (۱۳۱۱ء)

کیسے کیسے زرنگار ایواں ملے ہیں خاک میں
ریزہ ریزہ اب بھی ویرانوں میں اطلس پوش ہے

یہ بڑا بھاری عالی شان گنبددار دروازہ سلطان علاء الدین خلجی کا بنوایا ہوا ہے اور اسی کے نام پر سے علائی دروازہ مشہور ہے۔ جنرل کننگھم صاحب لکھتے ہیں کہ "افاغنہ کی جتنی عمارتیں دیکھنے میں آئیں اُن سب سے یہ بہتر ہے"۔ فرگسن صاحب کا قول ہے کہ "اس عمارت سے پٹھانوں کے زمانے کی تعمیر کا وہ اعلیٰ طرز ظاہر ہوتا ہے جب کہ فن تعمیر معراج کمال پر پہنچ چکا تھا اور ہندو معماروں نے نہایت خوش نما اور نادر مسلمانی طرز کا کافی ملکہ حاصل کر لیا تھا"۔ یہ دروازہ جو بجائے خود ایک مستقل عمارت ہے علاء الدین کے بنا کردہ جنوبی دالان میں ہے جو التمش کے دالانوں کی نسبت ذرا آگے ہے۔ یہ دروازہ غالباً مسجد کا وہ

دروازہ تھا جو شہر کے رخ پر تھا۔ اس کے بنا کی تاریخ دروازے کی مشرقی مغربی اور جنوبی محرابوں پر ۱۰ شوال سنہ ۷۱۰ھ (۱۳۱۱ء) کندہ ہے۔ یہ عمارت چوکون شکل کی ہے جو اندر سے ۳۴½ فیٹ اور باہر کے رخ سے ۵۶½ فیٹ مربع ہے۔ دیواروں کا آثار گیارہ فیٹ ہے۔ دروازے کی بلندی ۴۷ ہے۔ دروازے کی عمارت نیچے سے چوکور ہے مگر اوپر جا کر ہشت پہل ہو گئی ہے اور اسی پر گنبد اُٹھایا گیا ہے۔ اس دروازے کی نسبت فرگسن صاحب لکھتے ہیں کہ "جہاں تک ہندوستان کی عمارتیں میری نظر سے گزری ہیں اُن میں یہ عمارت بڑی سڈول اور عمدہ ہے" چاروں طرف کے کونوں میں کئی محرب دار خوب صورت اور خوش قطع طاق نکالے گئے ہیں۔ گنبد کے چاروں طرف کھلے اور بلند محراب دار در بطور دروازے کے ہیں۔ جنوبی اور شمالی رخ کے دروازوں کے مقابلے میں مشرقی اور مغربی دروازے ذرا پست ہیں۔ جنوب کی طرف دس فیٹ اونچا ایک چبوترا ہے جس سے سات سیڑھیاں اُتر کر دروازہ ملتا ہے۔ چاروں طرف کے دروازے بے نظیر بیل بوٹوں، نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ محراب نعل نما نوک دار ہے یعنی پھیلواں نہیں ہے۔ پاکھوں کی مرغولیں چھ انچ مجوف ہیں جن کو اس طرح تراشا ہے کہ جیسے کپڑا لپیٹا جاتا ہے اور پتلے پتلے خوش نما بل دار ستونوں پر محراب اُتاری ہے محراب کا باہر کا اور اندرونی حصہ چھ انچ مجوف ہے اور جا بجا قائم الزوایا پٹکے پڑے ہوئے ہیں اور ان سب پر منبت کتبے عربی خط طغرا میں ہیں جن کے الفاظ پتھر میں تراشے گئے ہیں بعض جگہ کتبوں کے حروف امتداد زمانے سے ٹوٹ بھی گئے ہیں۔ اس عمارت کا تمام ردکا سر سے پا تک نقش و نگار سے دلہن بنا ہوا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ قلم میں طاقت نہیں کہ اُس کا نقشہ کھینچ سکے۔ الفاظ میں وہ قدرت نہیں جو اس کی خوبی کا ایک شمہ بھی ادا کر سکے غرض یہ کہ چپہ چپہ جگہ بھی کاریگر نے ایسی نہیں چھوڑی جو صنعت بے نظیر سے آراستہ نہ ہو ہر دروازے کی دونوں جانب دو دو کھڑکیاں ہیں جو دروازے کے مقابلے میں کہ چھوٹی ہیں وہ بھی وضع قطع اور صناعی میں عین بعین دروازے ہی کی سی ہیں۔ ان میں نہایت عمدہ سنگ مرمر کی جالیاں نہایت باریک اور نازک کام کی لگی ہوئی ہیں۔ اوپر کی کھڑکیوں کی بہ نسبت نچلی کھڑکیوں کی جالیوں کا کام اور بھی باریک اور نازک ہے۔ ان کھڑکیوں کے اوپر ایک ایک طاق اور بنا دیا گیا ہے جو دور سے کھڑکیوں کی طرح کے نظر آتے ہیں جو چار چار

کا گچھا ہیں۔ اِن میں کی دو دو عمودی محرابوں میں سنگِ مرمر کے مستطیل پٹکے لگے ہوئے ہیں اور اِن پر جو چھوٹے چھوٹے نمایشی طاق اوپر دار بنے ہوئے ہیں اُن پر کلام مجید کی آیتیں اور احادیث شریف نہایت خوش خط اور عمدہ کندہ ہیں۔ محرابوں کی پیشانی پر جیسا کہ عموماً دستور ہے انواع و اقسام کے بیل بوٹے سنگ سرخ میں منبت ہیں۔ جنوب رخ کے دروازے کی معمولی مرمت میجر سمتھ نے کرائی تھی لیکن نقش و نگار کو چھوا تک نہیں اور نہ اُن کی تجدید کی کوشش کی۔ جب باہر وار آراستگی کا یہ حال ہو تو اندر کا کیا پوچھنا اندر اور زیادہ صناعی اور نقش و نگار ہیں۔ چار خانے دار طرح طرح کے طغرے جو دور سے عین مین پھولوں کا گلدستہ معلوم دیتے ہیں نہایت بے نظیر اور قابل دید ہیں۔ فرگسن صاحب خود لکھتے ہیں کہ "عمدگی کے اعتبار سے لاجواب ہیں۔ دروازے پر کا گنبد بالکل سادہ اور صاف ہے البتہ اس عمارت کی عمدگی کے مقابلے میں کم تر درجے کا ہے لیکن اندر کا کام باوجود اس سادگی کے بھی نہایت دل کش اور دل آویز ہے"۔ باہر سے دیکھو تو گنبد چھوٹا اور پست نظر آتا ہے۔ دروازے کی دیواروں پر کنگورا ہے جنوب کے طرف کا کنگورا میجر سمتھ صاحب نے جب مرمت کی تو اُتروا دیا۔ ۱۸۲۷ء میں میجر برٹ (Burt) نے اس دروازے کو دیکھ کر اس کی خستہ حالی پر توجہ دلائی تھی کہ اگر مرمت جلد نہ ہوگی تو گر جائے گا۔ اس کے دو سال بعد زیر اہتمام میجر اسمتھ اس کی داغ دوزی اور مرمت گورمنٹ نے کرا دی اس گنبد میں کئی بڑے بڑے کتبے ہیں جن کی ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:۔

مغربی محراب کا کتبہ

چوں ایزد تعالیٰ اعلی اعلاءہ و سمی اسماءہ برائے احیائے مراسم ملت و اعلاء معالم شریعت یگان جہان را برگزیدہ تا ہر لحظہ اساس دین محمدی استحکام می پزیرد و ہر لحظہ بنائے شریعت محمدی میگردد از برائے دوام مملکت و نظام سلطنت عمارت مسجد طاعات بحکم کلام من لاریب سواہ کہ انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ (والیوم الآخر) ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافہ ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ الیٰ یوم القیام رافع بناء جوامع الاسلام و ابقاہ مدی الزمان فی اشاعۃ الاحسان فی التاریخ فی الخامس عشر من شوال

سنہ عشر و سبعمائۃ حضرت علیا خلد ایگان سلاطین مصطفی جاہ القہار ربحکم لامر اللہ المخصوص بعنایت اکرم الاکرمین علاء الدنیا والدین غوث الاسلام والمسلمین معز الملوک والسلاطین القایم بتائید الرحمن ابو المظفر محمد شاہ سکندر ثانی یمین الخلافۃ ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ بناء این خیرات سنت و جماعت است عمارت فرمود - این مسجد کہ چون بیت المعمور در افواہ جہانیان مذکور است بخلوص عقیدت قضا طویت مجلس اعلیٰ خدایگان سلاطین زمان علاء الدنیا والدین سلطان البر (والبحر) .... المؤید بتائید الرحمن ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافۃ ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ الی یوم الدین

جنوبی محراب کا کتبہ

بتوفیق بیہمتا و معاونت بی نظر امثال لمسجد اسس علی التقویٰ تعالیٰ امرہ و شانہ و تعالیٰ عدلہ و احسانہ بر مقتضی خیر ما مور امر فول وجہک شطر المسجد الحرام محمد الرسول اللہ علیہ السلام کما قال من بنی مسجداً للہ بنی لہ بیتاً فی الجنۃ مجلس اعلیٰ خدایگان سلاطین زمان شہنشاہ موسیٰ فر سلیمان مکان راعی شرائط شریعت محمدی حامل مراسم ملت احمدی موکد معابر معالم و مساجد و موطد قواعد مدارس و معابد و ممہد بنیان رسوم مسلمانی و موسس مبانی مذہب نعمانی قالع اصول مردہ فجار و قاطع فروع قبیلہ کفار و ہادم بنا صوامع اصنام راضم اساس مجامع اسلام مظہر رایات (اللہ) قاہر کفرہ رؤف متین قامع فجرہ روئے زمین فاتح قلاع سامح امکان ضابط بقاع راسخ بنیان المعتصم بجلال اللہ المنان ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافہ مبین دین اللہ ناصر امیر المومنین مد اللہ ظلال جلالہ علی رؤس المسلمین الی یوم الدین بنا فرمود این مسجد کہ مسجد جامع اولیاء و ملتقیٰ جماعت اتقیا و مجمع ملائکت کرام و محضر ارواح انبیاء عظام است بتاریخ فی الخامس عشر من شوال سنہ عشر و سبعمائۃ - در عہد ہمایون حضرت علیا خلد ایگان

سلاطین جہان علاء الدنیا والدین العالی بحنوی الظفر ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافہ ناصر امیر المومنین مد اللہ ظلال خلافۃ علی رؤس العلمین الی یوم الدین این مسجد کہ بوصف ومن دخلہ کان امنا موصوف است - این مسجد یست کہ در فسحت و رفعت چون بیت المقدس مشہور است حضرت اعلی خدایگان فایض فضل شامل احسان المؤید بتائید الملک المنان علاء الدنیا والدین المظفر ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافت ناصر امیر المومنین مد اللہ ظلال عظمتہ الی یوم الدین بصدق نیت وخلوص عقیدت بنا نمود -

شرقی محراب کا کتبہ

بناء این بقعہ شریف و اساس این عمارت منیف بود در عہد سلطنت وایام مملکت خدایگان سلاطین جہان خسرو دارا نشان سلطان کامل عدل وافر احسان شہنشاہ شامل بر و نافذ فرمان معلّی منابر اسلام محی آثار احکام بانی منابر مساجد طاعات رافع اساس معابد عبادات عامر بلاد وھد ایت غامر دیار غوایت .... وسریر مملکت مظہر قوانین جہاد مبرھن براھین اجتہاد وضابط بلاد .... سلاطین رافع بناء محراب منابر اسلام کاسر اساس صوامع اصنام ناصب قواعد خیرات حافظ حوانیت مسکرات بادشاہ کشور کشاے سایہ رحمت خدا ے مؤید بتائید یزدان ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافۃ ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ فی عمارت المساجد وابّد سلطانہ فی انارت المعابد وابقاہ فی المملکت والخلافۃ مدی الدنیا ما تلیت سورۃ سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ بفرمان برگزیدہ حضرت رحمان ضابط ممالک جہان سلطان سلیمان نشان علاء الدنیا والدین غوث الاسلام والمسلمین معز الملوک والسلاطین جو امع بناء خیرات ...... والملحدین رافع اساس محراب ومنبر ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافت ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ الی یوم التناد این مسجد سامع عمارت کردہ شد ..... این

مسجد جامع ساطع .. بفرمان برگزیدہ حضرت رحمان سکندر العہد والزمان علاء الدنیا والدین خسرو خسروان آفاق قمر رفیق .... ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافۃ مظہر العدل والرافۃ ناصر امیر المومنین

قطب صاحب کی لاٹ

سنہ ۱۲۰۰ء سے سنہ ۱۲۲۰ء تک

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

ہندو مسلمانوں میں ایک زمانے سے اس منار کی تعمیر کا مسئلہ مابہ البحث ہے۔ ایک فریق اس عالی شان منار کو اپنی بنائی کہتا ہے تو دوسرا اپنی لیکن جنرل کننگھم صاحب کے مدلل اور مسکت بیان نے (جو آگے آئے گا) اس کا قول فیصل مسلمانوں کے حق میں کیا۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب رئیس لوہارو نے (۶۷) برس ہوئے دہلی کی آثار قدیمہ کی سوسائٹی میں ایک لکچر دیا تھا جس میں انہوں نے واقعات تاریخی سے ثابت کیا تھا کہ یہ منار مسلمانوں ہی کا بنایا ہوا ہے اور اپنے لکچر کے خاتمے پر یہ بھی کہا کہ "اس سے زیادہ قوی اور کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جاسکتا سوائے اس کے کہ اُن لوگوں کے مردے قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے کام کی خود تصدیق کریں"۔ سرسید لکھتے ہیں کہ "یہ لاٹ حقیقت میں مسجد قوۃ الاسلام کا مینار ہے اس کی رفعت اور شان اور بلندی اور خوش نمائی کا بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ لاٹ اس قدر بلند ہے کہ بہت دور دور سے پھرنے والے بجز ایک آدھ جگہ کے ایسی بلند کوئی عمارت روئے

۱؎ اگر قطب مینار کی نسبت ہم یہ کہیں کہ اس جیسی خوب صورت سڈول اور شاندار عمارت دنیا پر موجود نہیں ہے تو یہ کچھ مبالغہ نہ ہوگا۔ قطب مینار کے جوڑ کی ایک منار ملک اٹلی کے شہر فلارنس میں گیاٹو (Giotto) کی بنائی ہوئی ہے اور وہ قطب مینار سے تیس فیٹ زیادہ اونچی بھی ہے مگر وہ گرجا کی وسیع عمارت میں ایسی گھری ہوئی اور چھپی ہوئی ہے کہ اس کی خوب صورتی اور شان کو بٹہ لگ گیا ہے اور گو یہ مینار بھی بہت خوب صورت ہے مگر کسی طرح بھی اس میں وہ بات نہیں جو قطب مینار کے ہے جیسے ہیں اس کی بزرگی اور عظمت کو نمایاں کرتی ہے۔ مسلمانوں کی صرف ایک ہی عمارت قاہرہ کی مسجد "حسن" کا مینار [illegible] اونچی ہے لیکن قطب مینار اول ایک مستقل عمارت ہے جو سب سے الگ تھلگ ہے اور اس وجہ سے اس کا نظارہ کچھ اور ہی لطف دیتا ہے اور اس کی وضع قطع اور بناوٹ مصری مینار سے بدرجہا بہتر ہے اور اٹلی اور مصر کی مناروں پر ہی کچھ موقوف نہیں سچ تو یہ ہے کہ روئے زمین پر اس کا جواب نہیں ہے۔

۲؎ مسٹر فنشاء لکھتے ہیں کہ اس میں کسی شک شبہ کا محل نہیں کہ لاٹ کی پہلی منزل قطب الدین ایبک کی بنائی ہوئی ہے۔ لاٹ کا نام جو قطب صاحب کی لاٹ ہے وہ اسی وجہ سے مشہور ہوا ہے اس کو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یقیناً سلطان قطب الدین کی مسجد کی مئذنہ ہے چنانچہ دوسری منزل پر سورہ جمعہ کی آیت کندہ ہے خود اس امر کا بھی ثبوت ہے ۱۰ اس سے زیادہ اور معتبر شہادت کیا چاہیے۔ ۱۲

زمین پر نہیں نشان دیتے - نقل مشہور ہے کہ اگر اس کے نیچے کھڑے ہو کر اوپر دیکھو تو ٹوپی والے کو ٹوپی اور پگڑی والے کو پگڑی تھام کے دیکھنا پڑتا ہے - یہ لاٹ اس قدر بلند ہے کہ آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے اوپر بیشک آسمان کو پکڑ لونگا اور اس دبانِ آسمانی کے ذریعے سے نیلے شبہ آسمان پر چڑھ جاؤں گا - بارہا لوگوں کو اتفاق ہوا ہے کہ ساون بھادوں کے مہینے میں کہ عین موسم پھول والوں کی سیر کا ہوتا ہے اس لاٹ پر چڑھے ہوئے ہیں جب نیچے اُترے تو دیکھا کہ خوب مینہ برس گیا ہے جب جانا کہ اللہ اکبر ابر اس لاٹ سے نیچا تھا - اس لاٹ کے اوپر سے نیچے کے آدمی ذرا ذرا سے معلوم ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے آدمی ننھے ننھے ہاتھی گھوڑے دکھائی دینے کے سبب بڑا تماشہ معلوم ہوتا ہے اور اسی طرح نیچے والوں کو اوپر کے آدمی ذرا ذرا سے معلوم ہوتے ہیں اور ایسا شبہ پڑتا ہے کہ فرشتے آسمان پر سے اُترتے ہیں - لاٹ کی چوٹی پر چڑھ کر عجیب و غریب منظر پیش نظر ہوتا ہے - مینار کی جڑ کے پاس مسجد قوۃ الاسلام اور اُس کے متعلقہ دالان اور عمارتیں ہیں تھوڑی دور بڑھ کر لال کوٹ کی چار دیواری ہے اور بجانب غرب سب سے اونچی راے پتھورا کے قلعے کی عمارت نظر آتی ہے - جس کے سرے پر پرانی عیدگاہ کی بڑی بھاری کالی کالی دیوار کھڑی ہے - قلعہ راے پتھورا کے شمال جانب میدان کے اُدھر جہاں پناہ کی گری ہوئی فصیل کے ٹیلے ہیں جن کا سلسلہ سیرھی کی منہدمہ فصیل تک چلا گیا ہے اگرچہ مینار پر سے یہ آخری حصہ نظر نہیں آتا مگر بیگم پور کی مسجد کی بڑی کالی کالی گراں ڈیل عمارت سے ہم کو اس کا پتہ چلتا ہے - جہاں پناہ سے آگے شمال مغرب کی طرف فیروز شاہ کے مقبرے کا گنبد جو حوضِ خاص کے پاس ہے دکھلائی دیتا ہے اُس سے آگے بڑھ کر صفدر جنگ کے مقبرے کا سنہری قبہ چمکتا ہے اور اسی لین میں جامع مسجد کے برج جگمگا رہے ہیں - صفدر جنگ کے مقبرے کے مشرق میں پرانے قلعے کی لمبی فصیل ہے وہیں پاس حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ شریف کا گنبد ہے اُس سے ذرا نیچے ہمایوں کے مقبرے کا عالی شان گنبد ہے - اس کے جنوب میں کالکاجی کا مندر ایک بلند مقام پر بنا ہوا ہے - یہیں سے نیچے وار کو قطب مینار سے ٹھیک پچھاں کے رخ پر تغلق آباد اور عادل آباد کے قلعے ہیں جن کے بیچ میں تغلق شاہ کا مقبرہ دکھلائی دیتا ہے - تغلق آباد کی سڑک کے قریب شمال کی طرف ایک بڑی بھاری ابھرائی ہے جو حوض رانی اور کھڑکی کا میدان ہے - اس سڑک کے جنوب میں اور مینار کے پاس ہی جمالی مسجد اور سلطان بلبن کے عالی شان مقبرے کے کھنڈر ہیں - جس کے پاس حضرت قطب صاحب

کی درگاہ کے جنوب میں موضع مہرولی کی بستی درختوں کے جھنڈ میں نظر آتی ہے۔ باوصف اس قدر بلندی اور عظمت کے ایسی خوب صورت اور خوش قطع بنی ہوئی ہے کہ بے اختیار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اس لاٹ میں بالکل سنگ سرخ لگا ہوا ہے اور چوتھا درجہ سنگ مرمر کا ہے اور ہر ہر درجے پر آیات قرآنی کھدی ہوئی ہیں اور جا بجا منبت کاری بنی ہوئی ہے۔ اس لاٹ کے بیچ میں مدور اور کمر کی ایسی خوب صورت بنی ہیں کہ جس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ مسلمان کہتے ہیں کہ اس لاٹ کو سلطان شمس الدین التمش نے جو ۶۰۷ھ میں بادشاہ ہوا اپنے عہد سلطنت میں بنایا تھا۔ کتب تواریخ سے ۶۲۶ھ کے بعد اس کا تمام ہونا پایا جاتا ہے۔ تقویم البلدان اور فتوحات فیروز شاہی میں اس کو مسجد کا مادنہ اور سلطان معز الدین کی لاٹ لکھا ہے۔ اس لاٹ کا پہلا دروازہ شمال رویہ ہے اور ہندوؤں کے مندر کی عمارت کا دروازہ ہمیشہ شمال رویہ ہوتا ہے برخلاف ماذنوں کے کہ اُن کے دروازے ہمیشہ شرق رویہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سلطان علاء الدین کی وہ لاٹ جو بنتے بنتے رہ گئی اُس کا دروازہ بھی شرق رویہ ہے اور مسلمانوں کا یہ بھی دستور ہے کہ ایسی عمارتوں کو اکثر کرسی دے کر بناتے ہیں جیسے کہ ادھ بنی لاٹ کو کرسی دے کر بنانا شروع کیا تھا برخلاف ہندوؤں کے کہ وہ بدون کرسی کے بناتے ہیں جیسی کہ یہ لاٹ بنی ہوئی ہے اور نیز اس سبب سے کہ اس لاٹ کے پہلے درجے کے کتبوں کے پتھر صاف طور پر پیچھے سے لگائے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔ علاوہ بریں جس طرح کہ رای پتھورا کے اصل بت خانے میں پتھروں پر لٹکتی ہوئی گھنٹیاں کھدی ہوئی ہیں اُسی طرح اس کے پہلے کھنڈ کے پتھروں پر بھی اُسی وضع کی گھنٹیاں کھدی ہوئی ہیں اور نیز اس دلیل سے کہ جس طرح کتبہ فتح نامہ کا بنام قطب الدین ایبک سپہ سالار اور دوسرا معز الدین کے نام کا اصل بت خانے پر ہے اُسی طرح اس لاٹ پر بھی ہے جس سے اغلب خیال یہ ہوتا ہے کہ اس لاٹ کا پہلا کھنڈ ہندوؤں کے وقت کا ہے اور رای پتھورا کے مندر کا ایک جزو ہے اور کچھ عجب نہیں جس طرح مسلمانوں نے مندر کو ڈھا دیا اس منار کے اُس حصے کو جو اُس وقت موجود ہو یعنی کم سے کم پہلا کھنڈ اس کے تمام پتھر جن میں بت تراشے ہوئے ہوں نکال کر اپنی طرف سے کتبے کے پتھر جن پر آیات قرآنی کندہ ہیں اور بادشاہ کی تعریف ہے جما دیئے ہوں۔ جو بات مدت سے مشہور چلی آتی ہے اور جسے آوازۂ خلق نقارۂ خدا سمجھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ یہ لاٹ رای پتھورا نے بت خانے کے ساتھ سمت ۱۲۰۰ بکرماجیت میں بنائی تھی۔ ممکن ہے کہ اُس وقت اس کے

اتنے کھنڈ نہ ہوں بہر حال ایک بلند منار ضرور تھا کیونکہ راجہ کی بیٹی سورج مکھی مذہب کی تھی اور ہندو دریائے جمنا کو سورج کی پتری سمجھتے ہیں اس واسطے اس عقیدے والے جمنا کا درشن کرنا بھی بڑا دھرم جانتے ہیں اس واسطے راجہ نے اپنی بیٹی کے لیئے تاکہ وہ جمنا کا درشن کیا کرے بنوایا تھا۔ ۱۱۹۱ء ۵۸۷ھ میں اس بت خانے کو مسلمانوں نے فتح کیا اور اُس کے بعد سے جو کچھ تصرفات مسلمانوں نے کیئے اُس کا تفصیلی بیان ذیل میں ہے۔ یہ منار ایک گاؤدم شکل کا بہت بڑا اور بہت اونچا ستون ہے جس کی بلندی ۲۴۲ فٹ ۱۔ انچ ہے جس کا دور پائے میں ۴۷ فٹ ۳۔ انچ ہے اور چوٹی پر نو فیٹ۔ منار کی اس وقت پانچ منزلیں ہیں جن کو کھنڈ کہتے ہیں۔ اور ہر کھنڈ کے گرد ایک مختصر سی غلام گردش بطور برآمدے کے ہے جس پر انواع واقسام کے نقش ونگار کے بند لگے ہوئے ہیں۔ منار کا پایہ ایک کثیر الزوایا شکل کا ہے جس میں چوبیس ضلعے ہیں اور ہر ضلع ۶ فٹ ۔ ۶½ انچ کا ہے۔ منار دو فیٹ اونچے چبوترے پر ہے۔ نیچے سے فیروز شاہ تغلق کی برجی تک مینار کی اونچان ۲۳۸ فٹ ۱۔ انچ ہے۔ سب سے پہلا کھنڈ ۹۴ فیٹ ۔ ۱۱۔ انچ اونچا ہے جو سنگ سرخ کا چوبیس ضلعوں کا بنا ہوا ہے۔ اس کھنڈ پر کے کتبے کو جو پہلے ہی سے غیر موزوں تھا رہا سہا اُس کو مابعد کی مرمت نے اور بھی غارت کر دیا۔ کچھ تو استداد زمانے سے پہلی سطر کے حرف جھڑ گئے اور مرمت اس خوش سلیقگی سے ہوئی کہ جس کا سر نہ پیر حروف کو ایسا نئے ترکیب جوڑا کہ مطلب فوت ہو گیا۔ اب صحیح عبارت جو پڑھی جا سکتی ہے وہ صرف اتنی ہے "امیر الامراء الاسفهسالار الجلیل الکبیر" اور چیدہ چیدہ لفظ جو پڑھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

پہلی سطر لقد ۔ الله ۔ الله الا ۔ سلام والا ۔ لله ۔ لا عظیما الا ۔ المراتلت آیات الکتاب وهو العزیز ۔ الا الله ۔ الرحیم ۔ الناس الا ۔ علی الله رزقها ۔ والمومنین ۔ وصاعقة ۔

دوسری سطر السلام[1] والقادر البا هر ولله عظیما الله رقاب الامم
السلطان المعظم شہنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم

[1] اس کتبے کے اکثر حصے کی ترکیب اول جلول ہے۔ حروف پتھروں میں تراشے ہوئے تھے مرمت کے وقت ایسے لوگوں نے جو جاہل تھے جیسا اُن کا دل چاہا جوڑ دیئے آثار الصنادید کے پہلے ایڈیشن میں محض سیاق عبارت سے جوڑ ملا دیا ہے ورنہ کتبے کا تو نہ سر ہے نہ پیر ہم نے کتبے کی صورت نویسی کر دی ہے اور نیچے اُس کے مصنف آثار الصنادید نے جو پڑھا ہے وہ لکھ دیا ہے بمصداق نقل را چہ عقل ۔۔ ۱۲

مولی ملوک العرب والعجم اعلی السلاطین فی العالم المعز الدنیا والدین

مولی ملوک العرب والعجم اعلی السلاطین فی العالم معز الدنیا والدین

غیا الله با لھر تان لیبن لھا اللو الاین لاطد باساط لعر والاحسانک

غیاث الاسلام والمسلمین تاج الملوک والسلاطین باسط العدل والاحسان

لاضل ن لا ا للا ظل الله فی الخافقین الراعی لعبادالله الحامی لبلاد الله

فی الثقلین ظل الله فی الخافقین الراعی لعباد الله الحامی لبلاد الله

الصا رعا لما لا بمانت القایم بحمر ال سر الد الا لله للمرا الد القابن السمل

الموئید من السماء ....

المنصود لا اعا الد فا لمو داحا الله الهرہ جلال الامۃ الباھرۃ لملک الدنیا

المنصور علی الاعد اء علاء الدولۃ القاھرۃ جلال الامۃ الباھرۃ فلک الملۃ

االا فر ہ الله اا قا و العرن سلطان البر والبحر مکرر رحیا الللدنیا ومظہر

الطاھرۃ .... سلطان البر والبحر محرز ممالک الدنیا ومظہر

کلمۃ الله ھی العلیا اسکندر الثانی ابو المظفر محمد بن سام ادام لله لا ا لا

کلمۃ الله العلیا اسکندر الثانی ابو المظفر محمد بن سام ناصر امیر المومنین

ومملکتہ وسلطانہ وتعلی الله الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ

خلد الله ملکہ وسلطانہ وتعالی امرہ وشانہ

ھو الرحمن الرحیم واقل العالیہ ا۔

گو الفاظ برابر پڑھے جائیں اور پڑھے کیسے جائیں جب کہ جہّال کے ہاتھ سے اس کی یہ گت بنی ہو مگر اتنا غنیمت ہے کہ مطلب اب بھی فوت نہ ہوا۔ سطر دوم میں مظفر معز الدین بن سام بادشاہ کی تعریف ہے جو عام طور پر سلطان محمد غوری کے نام سے مشہور ہے۔

تیسری سطر اس کا بھی وہی حال ہے جو دوسری سطر کا ہے یہاں سرے سے بسم اللہ ہی غلط ہے مگر چوں کہ قرآن شریف کی آیت ہے اس واسطے سمجھ میں آگئی۔ پھر اس میں یہ اور زیادہ اشکال ہے کہ قرآن شریف کے ایسے منفرد الفاظ چھانٹے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے جوڑ نہیں ملتا۔ خدا جانے کدھر کا ٹکڑا کدھر لگا دیا۔

بسم اللہ الر لـ لا لہ الملک

فتحا لنا لبسم اللہ ولاجاهل... من تلک وحاملحہ لا فللہ نعمتہ...

لعامر بر امحا خسفنها[1] ومرس لب صل ار لرم اهوال لا ما

هو الذی انزل

لسا لسکینة فی مل ان .... لیزدادوا افلما مع ایمانهم للہ جنود

السکینة فی قلوب المومنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانهم وللہ جنود

السموات والارض وکان اللہ علیماً حکیماً ل لمحل ال لهس والمومن

السموات والارض وکان اللہ علیماً حکیماً لیدخل المومنین والمومنات

جنات تجری من تحتہ الا نهار خالدین فیها ویکفر عنهم سیاً تهم

جنت تجری من تحتها الانهار خالدین فیها ویکفر عنهم سیاتهم

صل علی[2] ماب لم ع لک اللہ لوزا عظیماً وقرب لب

...... وکان ذلک عند اللہ فوزاً عظیماً واقترب

جند لدو المی امنا هد۔

مناقب

چوتھی سطر اس میں معزالدین ابو المظفر محمد بن سام بادشاہ کی تعریف ہے:۔

.... السلطان المعظم شہنشاہ الاعظم مالک رقاب

الامم مولی ملوک العرب والعجم سلطان السلاطین والعالم غیاث الدنیا

والدین المعز الاسلام والمسلمین محی العدل فی العالمین علاالدولہ

علاوالدولہ

القاهرہ اصلللہ لل للد لسا الامرہ الزاهرہ شہاب الخلافة باسط

فلک الملة الطاهرہ جلال الملة الباهرہ

الاحسان والرا فلدہ ل والثقلین ظل اللہ فی الخافقین الحامی لبلاد اللہ

والرافة

[1] خدا جانے یہ لفظ یہاں کیسے آگیا قرآن شریف کی آیۃ یہ ہے فخسفنا بہ وبدارہ الارض

[2] خدا جانے صل علی یہاں کہاں سے آگیا ۱۲

الراعی لعباد اللہ محمد مالک الدنیا ومظہر کلمات اللہ ہے العلیا

ابو العا الحمد ذل کل لسان لا سر حمد مسم احمد الموحسو لمسلمین

ابو المظفر محمد بن سام قسیم امیر المومنین والمسلمین

للہ برہانہ

خلد اللہ ملکہ

پانچویں سطر — نو دو نہ نام باری تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشہادۃ

ھو الرحمن الرحیم ھو اللہ الذو لا الہ الا ھو الملک الولوس السلام

القدوس الذی

الموحق المہیمن العزیز الجبار المتکبر الخالق الباری المصور الغفار

المومن الجبار

القہار الوہاب الرزاق الفتاح العلیم القابض الباسطر الخافض

الباسط

الرافع المعز المذل السمیع لصر الحہم العدل اللطیف الخابر

البصیر الحکم الخبیر

العظیم الحلیم الغفور الشکور العلی الکبیر الحفیظ المعر الحسبر

المقیت الحسیب

الجلیل الکریم الرقیب المجیب الواسع الحکیم الودود المجید الباحہ

الباعث

الشہید الحق الوکیل القوی المتین الولی الحمید المحصی المبلو

المبدی

لمعلد المحی الممیت سرا لحمو الواجد الماجد الواحد الطہر

المعید الحی القیوم الصملی

القادر المعتدر المقدم لمہیر الاول الآخر الظاہر الباتنا

المقتدر المؤخر الباطن

اللہ لا تعالی السرا الیوار المنتقم العفو الرؤف مالک الملک ذی الجلال

الوالی المتعالی البر التواب

والاکرام المقسط الجالمع لعنی لمعو ۔ آگے پتھر ٹوٹ گیا ہے اور دس نام

الجامع الغنی المغنی

باقی رہ گئے ہیں۔

چھٹی سطر — **قرآن شریف کا رکوع**

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یا ایھا الذین اٰمنوا انفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ والکفرون ھم الظلمون اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم ۔ آیۃ الکرسی تا ھم فیھا خالدون ۔ الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ان اتاہ اللہ الملک ۔

پہلے کھنڈ کے دروازے پر کا کتبہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنا مسجداً للہ تعالی بنی اللہ لہ فی الجنۃ بیتاً مثلہ ۔ عمارت منار مبارک حضرت سلطان السلاطین شمس الدنیا والدین مرحوم ومغفور طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ شکست شدہ بود منارۂ مذکور در عہد دولت سلطان الاعظم والمعظم والمکرم سکندر شاہ بن بہلول شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ وسلطانہ واعلی امرہ وشانہ عمل خانزاد فتح خان بن مسند عالی خواص خاں جونا اکبناری و درزبندی مرتبہا بالا مرمت کردہ مرتب کنانیل الغرہ من ماہ ربیع الآخر سنہ تسع وتسعمائۃ ۔ العبد میر حسن (سنہ ۹۰۹ھ ۱۵۰۳ء)

دروازے کے پاس کا ایک اور کتبہ

متولی این منارہ فضل ابن ابو المعالی بودہ است

اس کتبے کا ذکر خاص طور پر آگے چل کر آئے گا کہ مینار کے اس حصے کی تاریخ معرض بحث میں ہے۔

۱۵۰۳ء میں سکندر شاہ لودی نے پہلے کھنڈ کی مرمت کرائی تھی پھر تین سو برس تک کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ انگریزوں کے دور حکومت میں جس کا آغاز ۱۸۰۳ء سے ہے اس دروازے کی مرمت دو مرتبہ ہوئی ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۸۲۹ء میں میجر اسمتھ کے ذریعے سے اور پھر ۱۸۷۳ء میں زیر نگرانی مسٹر جی۔ ایچ۔ لی آنز ([illegible]) ایگزیکیوٹو انجینیر کے دروازے کی تجدید اور داخلی دروازے کی مرمت کرائی گئی۔ وہلۂ ثانی میں نیچے کی زمین کو اونچا کر کے چبوترا درست کیا گیا۔ جنرل کننگھم کی شکایت واجبی ہے کہ میجر سمتھ کو چاہیئے تھا کہ طرز قدیم کا تتبع کرتے جیسا کہ انھوں نے اس مینار کی مرمت کے متعلق اپنی رپوٹ میں لکھا تھا کہ مرمت اس نہج پر کی جاوے گی کہ جہاں تک ممکن ہو پرانی طرز سے میل کھا جاوے لیکن دروازے میں تو انھوں نے ایک نئے طرز کا چھجہ اور کنگنی نکال کر اور کتبے کے پتھروں کو الٹ پلٹ جما کر ایک نئی ہی شان نکال دی۔ پہلے تو کھنڈ کے گرد بڑے بڑے سنگین توڑوں پر برآمدہ تھا جس میں نہایت نفیس اعلیٰ درجے کا شہد کے چھتے کی وضع کا ایسا باریک کام تھا کہ دلی کی کسی عمارت میں اس کی نظیر نہ تھی۔ جنرل صاحب کی رائے میں یہ صنعت جسے Honeycomb کا کام کہتے ہیں اکثر مناروں کے قبوں میں دیکھی گئی ہے (آرکیالوجیکل رپوٹ جلد اول صفحہ ۱۹۰) - مسٹر کیمبل لکھتے ہیں کہ اس قسم کا کام جو مینار کی شہ نشینوں میں کیا گیا ہے بالکل غرناطہ اور الحمرا (Alhambra) کے مشابہ ہے۔ (جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد ۳۵ - حصہ اول صفحہ ۲۰۴) اس گیلری کے اطراف کا کٹہرا ۳ ۱/۲ فیٹ اونچا ہے اور اسی طرح باقی چار کھنڈوں پر بھی کٹہرے ہیں۔ یہ کٹہرے میجر سمتھ کے بنوائے ہوئے ہیں۔ قدیم عمارت میں کٹہرے نہ تھے بلکہ نہایت نفیس برآمدے تھے اُن کو نکال کر یہ کاجو بھوجو کٹہرے ایسے جیسے عموماً باغوں کی بارہ دریوں میں ہوتے ہیں لگا کر عیب لگا دیا جو صاف چغلی کھاتے ہیں اور اتنے بھاری بھاری عمدہ توڑوں پر کسی طرح موزوں نہیں ہیں۔

دوسرا کھنڈ | ۵۰ فٹ ۸ ۱/۲ انچ اونچا ہے۔ اس میں کمر کی پٹیاں ہیں اور دو ڈھکول

ہیں سلطان التمش کی تعریف کندہ ہے۔

پہلی سطر السلطان الاعظم شہنشاہ المعظم مالک رقاب الامم مفخر ملوک العرب والعجم ظل اللہ فی العالم شمس الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین تاج الملوک والسلاطین باسط العدل فی العلمین علاء الدولۃ القاہرۃ جلال الملۃ الباہرۃ المؤید من السماء المظفر علی الاعداء شہاب سماء الخلافۃ ناشر العدل والرافۃ محرک ممالک الدنیا مظہر کلمۃ اللہ العلیا ابی المظفر ایلتمش السلطانی ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ وسلطانہ واعلی امرہ وشانہ

دوسری سطر۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء تؤتی اکلہا کل حین باذن ربہا ویضرب اللہ الامثال للناس لعلہم یتذکرون۔ یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ تا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۔

کتبہ بالا دروازہ درجۂ دوم امر باتمام ہذہ العمارۃ المؤید من السماء شمس الحق والدین ایلتمش السلطان ناصر امیر المومنین۔

پہلے کھنڈ کی طرح دوسرے کھنڈ کے اطراف بھی گیلری ہے جس پر سنگ سرخ کا بنایا ہوا ۳ ۱/۲ فٹ اونچا کٹہرا ہے۔ اس کے توڑے پہلے کھنڈ کی طرح زیادہ بھاری اور مضبوط نہیں مگر ان پر بھی نقش ونگار کی کچھ کمی نہیں ہے۔ آراستگی میں یہ بھی کسی طرح ان سے کم نہیں۔

تیسرا کھنڈ ۹۰ فٹ ۱/۲ انچ اونچا ہے۔ اس میں بھی ابھری ہوئی پٹیاں ہیں ان میں اکیلا دو پٹکے ہیں۔ پہلے پر صرف نقش ونگار اور بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں اور دوسرے پر یہ کتبہ ہے:۔

السلطان المعظم شہنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم مولی ملوک العرب والعجم سلطان السلاطین فی العالم حافظ بلاد اللہ ناصر عباد اللہ المظفر علی الاعداء المؤید من السماء تاج الاسلام والمسلمین غیاث الملوک

والسلاطین الحامی لبلاد اللہ الراعی لعباد اللہ یمین الخلافۃ باسط العدل والرافۃ ابوالمظفر التمش السلطان ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ وسلطانہ ویعلی امرہ وشانہ۔

کتبہ بالائے دروازہ درجہ سوم

السلطان المعظم شہنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم خاتم ملوک العرب والعجم المؤید من السماء المظفر علی الاعداء سلطان ارض اللہ حافظ بلاد اللہ ناصر عباد اللہ محیی معالم الدنیا مظہر کلمۃ اللہ العلیا جلال الدولۃ القاہرۃ نظام الملۃ الباہرۃ شمس الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین ظل اللہ فی العالمین التاج الامم والخلافۃ صاحب العدل والرافۃ سلطان السلاطین

کتبہ بر پہلو دروازہ درجہ سوم

تمت ھذہ العمارۃ فی نوبت العبد المذنب محمد امیر کوہ (الجنید)

اس منزل میں ایک چھوٹی سی سطر ناگری کتبے کی بھی ہے جس میں "محمد سلطان" کا نام اور سمت ۱۳۸۲ (۱۳۲۵ء) درج ہے جو سلطان محمد تغلق شاہ کا سنہ جلوس ہوتا ہے۔ تیسری منزل پر بھی دوسری منزل کی طرح کٹہرا ہے گز ڈیڑھ فٹ اونچا ہے

چوتھا کھنڈ

۴۳ فٹ ۔ ۴ ۔ انچ ۔ اونچا ہے ۔ یہ کھنڈ سادہ بنا ہوا ہے اس میں پٹیاں نہیں ہیں۔ اس کھنڈ کے روکار میں علاوہ سنگ سرخ کے کہیں کہیں سنگ مرمر بھی لگا ہوا ہے۔ اس کھنڈ پر چار پٹکے ہیں جن میں سے ایک پر یہ کتبہ ہے اور باقی تین پر بہت خوب صورت نقش و نگار ہیں:۔

امر بھذہ العمارۃ فی ایام الدولۃ السلطان الاعظم شاھنشاہ المعظم مالک رقاب الامم مولی ملوک الترک والعرب والعجم شمس الدنیا والدین معز الاسلام والمسلمین ذوالامن والامان وارث ملک سلیمان ابی المظفر ایلتمش السلطان ناصر امیر المومنین (آگے کچھ ٹوٹ گیا ہے)

اس کھنڈ کی نشست ہلکی پھلکی ہے اور کٹہرے کی اونچائی تین فیٹ ہے۔

پانچواں کھنڈ ۲۲ فٹ ۴ انچ اونچا ہے۔ اس کا ستون درمیانی گول ہے۔ اس پر سنگ سرخ اور سنگ مرمر کے منقش ٹکے ہیں جس پر آہنی اور برنجی جنگلا لگا ہوا ہے اور دروازے پر یہ کتبہ ہے:-

..... درین منارہ شہور سنہ سبعین و سبعمائة (سنہ ۷۷۰ھ ۱۳۶۸ء) بآفت برق خلل یافت صورت بتوفیق ربانی برکشیدہ عنایت سبحانی فیروز سلطانی این مقام را باحتیاط تمام عمارت کرد خالق بیچون این مقام را از جمیع آفات مصئون داراد۔

فیروز شاہ کی برجی کا ٹوٹا ہوا کھنڈ جو قریب دو فٹ کے اونچا ہے پانچویں منزل پر اب بھی کھڑا ہے۔ اس منزل پر دو کتبے ناگری کے بھی ہیں جن کے متعلق جنرل کننگھم صاحب لکھتے ہیں کہ "پہلے کتبے کی دو سطریں ہیں جس میں سمت ۱۴۲۵ (۱۳۶۸ء) زمانِ سلطنت پیروج شاہ (فیروز شاہ تغلق) درج ہے۔ دوسرا کتبہ دروازے کے جنوبی پاکھے پر ہے جس کا کچھ حصہ سنگ مرمر پر کندہ ہے اور کچھ سنگِ سرخ پر۔ اس میں بھی فیروز شاہ کا نام درج ہے لیکن سمت ۱۴۲۶ ہے"۔ اس کتبے کو جنرل صاحب بہت اہم خیال کرتے ہیں لیکن اس میں خرابی یہ ہے کہ بہت مشکل سے پڑھا جاتا ہے۔ اس میں صرف اتنا پڑھا جاتا ہے "سری وسوا کرم پرسا د رچتیا"۔ اور کتبے کے آخر میں "سیلپی" تعمیر کنندہ لقب ہے جو چھڈ دیو پال کے بیٹے "نانا سلھا" کے واسطے مستعمل ہوا ہے جس نے منار کی مرمت کی تھی۔ اس کتبے کے بیچ میں پانچ ہندسے بھی ہیں۔

چھٹا کھنڈ فیروز شاہ کی برجی سنہ ۱۷۹۴ء تک موجود تھی جس سے ۱۲ فٹ ۱۰ انچ منار کی بلندی اور بڑھ جاتی تھی۔ سنہ ۱۸۰۳ء میں زلزلے کے صدمہ سے گر پڑی۔ چوں کہ اُس زمانے کی لاٹ کا کوئی نقشہ ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا لہٰذا ٹھیک طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ اُس برجی کی وضع قطع کیا تھی۔ سنہ ۱۸۲۹ء میں جو ایک کمیٹی لاٹ کی ترمیم شدہ حالت پر رپورٹ کرنے کو مقرر ہوئی تھی اُنھوں نے جہاں تک معلوم ہوسکتا تھا برجی کی کیفیت اور میجر سمتھ نے جو اُس کے عوض میں نئے جوڑ تعمیر کی تھی ان واقعات کو قلم بند کیا ہے۔ میجر صاحب خود کہتے ہیں کہ "نہ تو پتے

برجی کے قدیم طرز کا پورا اتتبع کیا اور نہ میں نے یہاں کے بڑے بڑے لوگوں کی زبانی روایات کی پیروی کی بلکہ دراصل برجی صرف چار ستونوں پر بنی ہوئی تھی" میجر صاحب نے جس برجی کو درست کیا ہے یہ چھٹی ساتویں منزل کہلاتی تھی چھٹی منزل سنگ سرخ کی صرف ایک برجی تھی جس کے آٹھ ستون تھے اور چھجہ اور کارنس بڑی نفیس تھی۔ اس کی بلندی ۶ ½ فٹ تھی جس پر تین فیٹ اونچا سنگ سرخ کا کٹھرا مع منڈیر کے تھا۔

ساتواں کھنڈ بالکل سیدھا سادا شیشم کی لکڑی کا ایک سائبان (منڈوا) تھا۔ جس پر جھنڈا لہرایا کرتا تھا۔ اس منڈوے کے تھم آٹھ فیٹ اونچے تھے اور جھنڈے کا کھم جو سال کی لکڑی کا تھا ۳۰ فٹ لمبا تھا ۱۸۴۹ء میں لارڈ ہارڈنگ[1] گورنر جنرل کے حکم سے مینار پر سے یہ بدنما[2] حصہ اتروا دیا گیا جو اب تک ایک چھوٹے سے چبوترے پر بلا جھنڈے کے دھرا ہوا ہے۔ چنانچہ کپتان سلیمن (Capt. Sleeman) صاحب رزیڈنٹ دہلی نے اس برجی کو ملاحظہ فرما کر نہایت برجستہ ریمارک کیا تھا کہ "اگر فیروز شاہ کی برجی بھی ایسی ہی تھی جیسی کہ آپ نے بنائی ہے تو اس کا بجلی سے نیست و نابود ہو جانا ہی اچھا ہوا" جس وقت جھنڈا چڑھایا گیا جب ہی لوگوں نے اسے سنڈے ڈول اور بہنگم خیال کرکے ناک بھوؤں چڑھائی تھی۔ لوگوں کی ناپسندیدگی کی خبر پا کر میجر سمتھ نے حضرت بہادر شاہ صاحب بادشاہ دہلی سے استمزاج کیا۔ حضور اقدس نے مہتمم محلات کی معرفت میجر صاحب کو لکھا کہ جہاں پناہ نے دو بار لاٹ کو ملاحظہ فرمایا

---

۱ کہیں لوگوں کو شبہ نہ ہو یہ سر ہنری ہارڈنگ ۴۸-۱۸۴۴ء تک گورنر جنرل رہے جو حال کے گورنر جنرل بیرن ہارڈنگ آف پنشرسٹ کے جو نومبر ۱۹۱۰ء میں گورنر جنرل مقرر ہوئے اور جن کے عہد میں ہمارے شہنشاہ جارج پنجم ملک ہندوستان میں رونق افروز ہوئے ان کے دادا تھے۔

۲ فیروز شاہ کی برجی ایک قبہ نما منڈوا تھا جس کے چار یا شاید آٹھ در تھے لیکن فرنکلن صاحب اور ڈینیل صاحب نے اپنی کتاب میں جو نقشے دیئے ہیں اس میں یہ شکل نہیں ہے۔ مگر این سین جیمس بلنٹ جو ۱۷۹۴ء میں دلی میں آیا تھا وہ اس برجی کے متعلق لکھتا ہے کہ "اس مینار کی چوٹی پر ایک شاندار برجی سنگ سرخ کی تھی" اور اب بھی اگر کسی عمدہ ڈزین کی خوش نما برجی بنا دی جائے تو لاٹ جو اب لنڈی نظر آتی ہے بے انتہا خوش نما ہو جائے۔

اور ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرز پر کہ آپ تعمیر کرنا چاہتے ہیں وہ بادولت کو پسند ہے۔ لاٹ کی پہلی تین منزلیں ریتیلے سنگ سرخ کی ہیں لیکن سب کے پتھر کا رنگ یکساں نہیں ہے۔ پہلی اور دوسری کا پتھر ہلکے گلابی زردی مائل رنگ کا ہے اور تیسری منزل کا پتھر گہرا سرخ ہے۔ اس سے اوپر کی دو منزلوں میں ریتیلا بھربھرا سنگ سرخ اور سنگ مرمر دونوں لگا ہوا ہے۔ مگر زیادہ تر سنگِ مرمر ہی ہے۔ اندر جو چکردار زینہ ہے اُس کا بھی یہی حال ہے۔ تحتانی درجوں میں درمیانی محوری ستون اور اُس کے گرد کی سیڑھیاں سنگ خارا کی ہیں۔ زینے پر کی کھڑکیوں اور روشن دانوں کی محرابیں ہندوانی وضع کی ہیں۔ بالائی دو کھنڈوں میں محوری ستون اور دیوار کے اندروار اور سیڑھیاں سب ریتیلے سنگ سرخ کی ہیں۔ چوتھی منزل اپنی اصلی حالت پر قایم نہیں ہے بلکہ اُس میں بہت کچھ ترمیم و تبدیل ہوگئی ہے۔ فیروز شاہ نے حسب مرضی خود اس کی تعمیر کرائی اور گو کہ دروازہ اور کتبہ علی حالہ قایم ہے مگر پھر بھی فیروز شاہی عہد کی ترمیم بلحاظ اپنے طرز کے بالکل الگ معلوم دیتی ہے۔ ابوالفدا مورخ نے سنہ۱۳۳۱ء میں فیروز شاہ کی دست اندازی سے بہت پہلے مینار کی (۳۶۰) سیڑھیاں بتلائی ہیں۔ اب اگر ہم سیڑھیوں کی تعداد (۳۶۰) پوری کرنی چاہیں تو ہم کو پانچویں منزل کی بھی اکیس سیڑھیاں ملانی پڑیں گی جو درحقیقت سلطان التمش کے زمانے کی چوتھی منزل تھی۔ منار کی تین تحتانی منزلوں اور اُس کے اوپر کی منزلوں کی طرز تعمیر میں ایسا کھلا فرق ہے کہ یہ دونوں ایک ہی زمانے کے کاریگروں کی بنائی ہوئی ہو نہیں سکتیں۔ چکردار زینے کی سیڑھیوں کی صحیح تعداد (۳۷۹) ہے۔ جن میں سے صرف تین سیڑھیاں سمتھ کی بنائی ہوئی برجی کی ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ جتنے منہ اُتنی ہی باتیں ایک ذرا سے معاملے میں بڑے بڑے دانشور بھی جنھوں نے مینار کو غور سے دیکھا اور سیڑھیاں گنی ہیں چکر میں پڑ گئے۔ تھارن صاحب (۳۴۵) فرینکلن صاحب (۳۰۸) وان آرلک (۳۸۳) سر سید (۳۸۸) سیڑھیاں بتلاتے ہیں۔ درحقیقت یہ منار کبھی پانچ منزل سے اونچا نہ تھا۔ سنہ۱۲۳۱ء میں التمش کی تعمیر ختم ہوگئی اور اُس زمانے میں (۳۶۰) سیڑھیاں تھیں۔ اس تعداد کے لحاظ سے ہم پانچویں منزل کی اکیسویں

سیڑھی پر جا پہونچتے ہیں۔ اڑسٹھ برس بعد ۱۳۶۸ء میں جب مینار پر بجلی گری تھی تو فیروز شاہ نے چوتھے اور پانچویں کھنڈ دونوں کو پہلے ہی مال مسالے سے بتمامہا از سر نو بنوایا۔ چوتھے کھنڈ میں اُس نے قدیم دروازہ اور کتبہ بدستور قایم رکھا۔ چنانچہ خود فیروز شاہ نے لکھا ہے کہ اُس نے ایک برجی بنواکر اسے اونچا کرا دیا۔ سر سید اس مینار کو سات کھنڈوں کا "ہفت منظری" لکھتے ہیں لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ ہمیشہ سے وہ پانچ ہی کھنڈ کی تھی فیروز شاہ نے صرف اسے ذرا اونچا کروا دیا تھا۔ بانی مینار کی نسبت اب کسی قسم کی اختلاف رائے کا موقع باقی نہیں رہا۔ کچھ شک نہیں ہے کہ پہلی منزل قطب الدین ایبک کی بنوائی ہوئی ہے جس کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ اس پر کے کتبے میں صاف طور پر "محمد غوری" کا نام موجود ہے جو اس بادشاہ کے زمانے کا ایک بڑا امیر تھا اور بقول سر سید خود قطب الدین کا نام موجود ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ثبوت ہے کہ "فضل ولد ابو المعالی" مینار کا متولی تھا اور یہی بعہد قطب الدین مسجد قوۃ الاسلام کا بھی متولی تھا۔ مسٹر کیمبل کی یہ رائے کہ مینار قطب الدین کی مسجد کا مأذنہ تھا بالکل بموقع ہے۔ ابو الفدا نے بھی اپنی "تاریخ مختصر" میں اسے "مأذنۂ جامع مسجد دہلی" لکھا ہے۔ مأذنہ اُس مینار کو کہتے ہیں جس پر چڑھ کر اذان دیجاتی ہے۔ ابو الفدا، شمس سراج اور امیر خسرو اس مینار کو سلطان التمش سے منسوب کرتے ہیں۔ اس ملک میں اور خصوصاً دلی میں کوئی نئی بات نہیں ہے کہ جو کسی عمارت کی مرمت کرتا ہے اُسی کا نام ہو جاتا ہے۔ فیروز شاہ نے اسے معز الدین سام کا مینار لکھا ہے۔ ابن بطوطہ اس مینار کی تعمیر معز الدین کیقباد کی طرف منسوب کرتا ہے۔ لیکن کسی کی کہی سنی بات بمقابلے اُن کتبات کے جو خود اس مینار پر ڈنکے کی چوٹ بتلا رہے ہیں کب قابل وثوق ہو سکتی ہے۔ دوسرے درجے کے دروازے پر جس میں اس عمارت کی تکمیل کا فرمان ہے وہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ آغاز کار اس بادشاہ کے وقت میں نہیں ہوا اور پہلے درجے کے دروازے پر کا کتبہ دوسرے درجے کے دروازے کے کتبے کے برخلاف التمش کو بانی مینار قرار دیتا ہے اور ایسا ہی سب سے آخری زمانے کے سکندر لودی کے کتبے میں جو سب سے نیچے کی منزل کے دروازے پر ہے

درج ہے۔ پہلا کتبہ جو تیسری منزل کے دروازے پر نصب ہے اور دوسری منزل کے دروازے کے کتبے کی متضاد عبادت کا میلان جنرل کننگھم صاحب نے یوں کیا ہے کہ پہلا کتبہ صرف چوتھی منزل کے متعلق ہے نہ کہ سارے مینار پر محتوی ہے اور لودی کے زمانے کے کتبے میں جو لکھا ہوا ہے وہ پہلے کتبے کی محض نقل کی بنا پر ہے۔
بدیں وجوہ مینار کی پہلی منزل جو قطب الدین ایبک سے منسوب کی جاتی ہے وہ بالکل درست ہے رہی باقی عمارت وہ شمس الدین التمش کی بنوائی ہوئی ہے اور فیروز شاہ کی مرمت بھی اس سے الگ ہے۔ اس مینار کی تعمیر ۱۲۰۰ء سے ۱۲۲۰ء تک بیس سال کا عرصہ لگا ہے۔ جنرل کننگھم نے سلطان علاء الدین کا نام بھی لاٹ کے بانیوں میں لیا ہے۔ جس کو وہ ایک "نیا دعوی دار" کہتے ہیں وہ امیر خسرو کی تاریخ "علائی" سے نقل کرتے ہیں کہ "سلطان علاء الدین نے بھی ایک روکار کی درستی اور ممٹی بنانے کا حکم دیا تھا"۔ اس پر سے جنرل صاحب کی رای ہے کہ موجودہ تمام روکار سنگ سرخ کا علاء الدین خلجی کا بنوایا ہوا ہے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ علاء الدین نے قطب الدین ایبک کے طرز کو نہیں چھوڑا۔ بابر نے بھی اس منار کو علاء الدین خلجی کا کہا ہے لیکن جن لوگوں نے اُس زمانے کی تاریخ پڑھی ہے اور علاء الدین کے کتبوں پر غور کیا ہے اور علائی دروازے پر اُس کے غیر متناہی کتبے پڑھے ہیں وہ ہرگز یقین نہیں کر سکتے کہ اگر سلطان علاء الدین نے قطب مینار کو ہاتھ لگایا ہوتا تو جس طرح کہ علائی دروازے میں بار بار اُس کا نام آیا ہے کوئی وجہ نہ تھی کہ مینار کے کسی کتبے میں وہ اپنا نام نہ درج کرواتا۔

لاٹ ہندو نقطۂ خیال سے

ببیں کرامتِ بت خانۂ مرا ای شیخ
کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

یہ خوب صورت مینار جو دنیا کے سات عجائبات میں کا ایک ہے اس کی نسبت یہ خیال کہ اس کی بنا اہل ہنود کی ہے بالکل واجبی ہے۔ یہ ستون راجہ پرتھی راج کا بنوایا ہوا ہے جو اُس نے ۱۱۹۱ء میں مسلمانوں کو شکست دے کر بطور "جے ستمبھا" (یادگار فتح) کے بنایا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مینار راجہ نے اپنی بیٹی کے لیے بنوایا تھا کہ وہ اس پر چڑھ کر جمنا کا درشن کر لیا کرے۔ یہ عمارت یقیناً ہندوانی ہے۔ جس پر مسلمانوں نے قرآن شریف کی آیتیں

(بعد میں) لگا دیں۔ اس کے بانی وِسوا کرم دیوتا کے نام پر اسے بنایا جو ہندوؤں کا بڑا دیوتا ہے جسے عمارات کے بنانے کی قدرت کا ملہ ہے۔ پرتھی راج کی وفات کے بعد دِلّی پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور اُن کے جنرل قطب الدین نے اس کو اپنے طرز پر ڈھال لیا۔ اُسے منہ مانگی مراد ملی۔ بنی بنائی عمارت ہاتھ لگی۔ اس سے بہتر بلند اور موزوں عمارت اذان دینے کے لیئے کہاں مل سکتی تھی۔ منارپر کی مرغولیں اور پچیں مسلمانوں نے بتوں کی مورتیں نکال کر بنالیں۔ تسلسل واقعات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے لیکن ہم خواہ مخواہ کا جھگڑا کرنا نہیں چاہتے کہ شیر شاہ کی ڈاڑھی بڑی تھی یا سلیم شاہ کی۔ اس ستون کے پاس ہی ایک خوب صورت مندر تھا جسے توڑ کر مسجد بنائی گئی ہے اور دلّی کے پرانے پرانے لوگ جن سے گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے وہ سب اس امر میں یک زبان ہیں کہ منار اور مسجد دونوں دراصل اہل ہنود کی عمارات تھیں جنھیں مسلمانوں نے توڑ پھوڑ کر اپنے مطلب کا بنا لیا۔ اگر یہ بات واقعی ہے اور ہمارا خیال صحیح ہے تو یہ بات دوسری ہے کہ قطب الدین غلام تھا یا نہ تھا مگر اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک دانشمند اور زیرک حکمراں تھا۔ کیوں کہ کسی خوب صورت چیز کو نیست و نابود کر دینے سے یہ بہت بہتر ہے کہ تھوڑے ردوبدل کے ساتھ ہم اُسے اپنے کام میں لے آئیں۔ مسجد قوۃ الاسلام کے ستون جن پر نہایت نفیس نقش و نگار ہیں وہ پرتھی راج کے مندر ہی کی باقیات ہیں''۔

مسٹر کننگھم اور مسٹر بگلر کا اختلاف رائے کے بعد قول فیصل

جھکی ذرا چشم جنگ جو بھی نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزا اُس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

مسٹر جے۔ ڈی۔ بگلر محکمۂ آثار قدیمہ کے اسسٹنٹ (مددگار) ڈائرکٹر جنرل نے اپنی ۷۲-۱۸۷۱ء کی رپورٹ میں (جو سلسلۂ آثار قدیمہ کی چوتھی جلد ہے) قطب صاحب کی مسجد اور لاٹ کو بالکلیہ ہندوانی عمارت ثابت کیا تھا۔ جس سے میجر جنرل۔ اے۔ کننگھم سی اس آئی۔ ڈائرکٹر جنرل نے ایسے مدلل طور پر اختلاف کیا کہ بگلر صاحب کو قائل ہونا پڑا۔ ہم دونوں صاحبوں کی رپورٹ یہاں لکھتے ہیں جو بہت عالمانہ انداز میں ہے۔ بات یہ ہے کہ عقل ہندوں کا ہر کام عقل ہندی کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ لڑیں گے بھی تو

اپنی آن لیئے رہیں گے - بحث کریں گے تو تہذیب سے - اختلاف کریں گے تو نہایت عمدگی سے - کیا مجال کہ اس میں ذاتیات کی جھلک نظر آئے یا دلوں میں کدورت آجائے - ہر شخص اپنی رائے میں آزاد ہے - خواہ وہ ماتحت ہی کیوں نہ ہو - پھر ان کی صفائی قلب - حق پسندی کو دیکھئے کہ واجبیت کے سامنے اپنی بات کی ذرا بھی پچ نہ کی اور فوراً اپنی غلطی کو کشادہ پیشانی سے تسلیم کر لیا - ؏

عیسائیوں میں ساری مسلماں کی خصلتیں اسلامیوں میں اگلی سی کوئی ادا نہیں
واں اتحاد و یک دلی والفت و وفاق یاں ایسے اختلاف کہ کہنے کی جا نہیں

مسٹر بگلر کی رپورٹ پر جنرل صاحب کے ریمارک

مسٹر بگلر کی رپورٹ پر میں تمہیدی ریمارک اُن چند ضروری ابواب کی نسبت کرنا چاہتا ہوں جس میں مجھے اپنے ماتحت سے اختلاف ہے - مجھے اپنے خیالات کا اظہار قطب صاحب کی مسجد اور مینار کی نسبت زیادہ ضروری ہے مبادا میری خاموشی توافق رائے نہ سمجھ لی جائے حالانکہ میں اُن کی رائے سے کلیۃً مخالف ہوں -

پرانی دہلی میں سب سے بڑھ کر دلچسپ یہ دو عمارتیں ہیں - ایک قطب صاحب کی مسجد اُس کی شاندار محرابوں سمیت - دوسری وہ عجیب و غریب موذن کا ستون جو قطب مینار کہلاتا ہے اور جو تقریباً دو سو پچاس فیٹ بلند ہے - اس مسجد کی تعمیر ہمیشہ قطب الدین ایبک سے منسوب کی جاتی ہے جو دہلی کا پہلا سلمان بادشاہ تھا - درحقیقت اس بات کی صراحت اُس مشرقی کتبے میں موجود ہے جو مسجد کے صدر دروازے پر لگا ہوا ہے - اور نیز یہ بھی اُسی کتبے میں ہے کہ مسجد کا مال مسالا ہندوؤں کے ستائیس مندر توڑ کر فراہم کیا گیا ہے - یہاں کے دالانوں کے ستونوں کا ہندوانی ہونا ایک ایسی بات ہے جو ہر شخص پر ظاہر ہے اور اسی کے ساتھ یہ امر بھی اُسی طرح کھلا ہوا ہے کہ ان کو مسلمانوں نے از سر نو ترتیب دے کر دو دو تین تین تھم اوپر تلے جما کر موجودہ اونچان پوری کی ہے - یہ بات جس طرح مجھ پر ظاہر و باہر ہے مسٹر فرگسن کو بھی اس کا علم تھا - مسٹر بگلر اگرچہ اپنی رپورٹ میں ستونوں میں کچھ رد و بدل کیئے جانے کو تسلیم کرتے ہیں مگر پھر بھی اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ جس طرح وہ ہندوؤں کے مندر کے دالان میں تھے اُسی طرح اپنی اصلی جگہ پر اب بھی ہیں اور نیز کہ اُن کی

موجودہ اونچان بھی وہی ہے جو کہ ہندوؤں کے دالان میں ابتداءً تھی - وہ اپنی اسی راے کے وثوق پر مسلمان بانیان مسجد کے اُس قول کی تردید کرتے ہیں کہ اُنھوں نے ستائیس مندر توڑ کر یہ مسجد بنائی اور اس کو مسلمانوں کی نری شیخی خیال کرتے ہیں میرے خیال میں یہ رائے بالکل نا قابل قبول ہے - مسلمان فاتحین کو ستائیس مندروں کے توڑنے کی ایک غلط خبر مشتہر کرنے اور پھر اس صریح جھوٹی بات کو ایک عظیم الشان مسجد کے دروازے پر کندہ کرانے سے کچھ مفاد نہ تھا - اس لیے میں (مسلمانوں کے) اس بیان کو بالکل وثوق سے صحیح (اور مطابق واقعہ) سمجھتا ہوں علاوہ ازیں میرے اس خیال کی تصدیق صحن کے تینوں طرف کے دالانوں ستونوں کی ساخت سے کافی طور پر ہوتی ہے اور جیسا کہ میں نے دلّی کے بیان میں ظاہر کیا ہے یہ ستون یقیناً متعدد اور مختلف مندروں کے ہیں - اس میں مجھے کچھ شک نہیں ہے کہ جس جگہ مسجد بنائی گئی ہے یہ جگہ فی الواقع ایک ہی مندر کی تھی اور جب بگلر صاحب نے میرے ایما سے کندیدگی کا کام شروع کیا تھا تو میں نے اُن پر اپنی رای ظاہر کر دی تھی کہ مسجد کے اونچے چبوترے کا نشیبی حصہ جو تھا طہ ہے وہ ہندوؤں کے مندر کا ہے اور وہ اپنی اصلی حالت پر قایم ہے - مسٹر بگلر نے ان دیواروں کے باہر باہر کھدائی کی تھی اُس سے میری رای کی تصدیق ہو گئی - اسی وجہ سے اُس اونچے چبوترے کو جس پر کہ مسجد کھڑی ہے پرانی دلّی کے ایک بڑے بھاری مندر کا مقام سمجھتا ہوں اور اسی (مندر) میں سے حالت اصلی پر وہ لمبے لمبے ستون باقی رہ گئے ہیں جو بڑی محراب کے عین عقب میں ہیں - یہ ستون عین ہندوانی ہیں جن کو نہ مسلمانوں نے ہلایا جلایا نہ بدلا بدلایا - (یعنی یہ کہ جہاں پہلے تھے وہیں اب بھی ہیں) ان ستونوں کی نسبت میرا یہ کہنا کہ ان کو مسلمانوں نے ہلایا جلایا نہیں اس وجہ سے ہے کہ ان کی جگہ چبوترے پر چینی سے ٹھیک بنے ہوئے ہیں اور بدلا بدلایا نہیں اس پر میں کہتا ہوں کہ اُن کے تھم سلاک کے سلاک اُسی طرح کے ہیں جیسے کہ (عموماً) ہندوؤں کے مندروں میں ہوتے ہیں - باقی اطراف کے سارے دالانوں کے تمام ستونوں کو مسلمانوں نے اس طرح ترتیب دیا ہے کہ دو دو تین تین ٹکڑے (اوپر تلے) جوڑ کر بقدر ضرورت اونچا

کیا گیا ہے۔ میں اپنی اس رای کی تائید میں کہ بڑی محراب کے پاس کے ستونوں کو اپنی جگہ سے جنبش نہیں دی گئی ایک اور ثبوت پیش کرسکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بڑی محراب کے پاکھوں کے پتھروں میں جو کھر ان ستونوں کے بٹھانے کے تراشے گئے ہیں اُن میں ان کی چولیں ٹھیک بیٹھی ہوئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محرابیں ستونوں کے بعد بنی ہیں اور مسلمانوں نے مندر کے پرانے ستونوں کو پیش نظر رکھ کر (انھیں کے لحاظ سے) بنائی ہیں اور انھیں وجوہ سے میں اس نتیجے پر پہونچتا ہوں کہ یہ ستون اپنی اصلی جگہ پر قایم ہیں۔ دالانوں کی ساخت میں پرانے اور نیئے کاموں کے ملا دینے کا طریقہ بالکل بدل گیا ہے یعنی یہ کہ ایک دیوار دوز ستون میں جو شمالی دالان میں ہے۔ یہاں کی دیوار کے ایک پتھر میں ایک قدرتی پھوڑا تھا جس کے جمانے کے لیئے ستون میں اتنا ہی سوراخ کرکے پھنسا دیا ہے۔ میں ان کو دیوار دوز ستون اس واسطے کہتا ہوں کہ وہ دیوار سے لگے ہوے ہیں لیکن ان میں کے اکثر ستون پورے ہیں جو دیوار سے ملا کر کھڑے کیئے گئے ہیں۔ لیکن ان ستونوں کی بٹھکیں بیچوں بیچ میں نہیں ہیں بلکہ اپنی اصلی جگہ سے کئی انچ آگے بڑھی ہوئی ہیں۔ اس سے میں نہایت وثوق سے یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ اطراف کے دالانوں کے کھمبے اپنی اصلی جگہ پر قایم نہیں ہیں بلکہ مسلمان ان ستونوں کو ہندوؤں کے ویران مندروں سے لائے ہیں اور یہاں آنکی دیواروں میں لگا دیئے ہیں۔ اس امر کے ثبوت میں کہ ان ناہموار ستونوں میں جوڑ لگائے گئے ہیں میں ذیل کے واقعات پیش کرتا ہوں:۔

(۱) شمالی دالان میں بیرونی قطار کا پہلا مشرق رویہ ستون جو بالکل سنگ خارا کا ہے اُلٹی بیٹھک پر کھڑا ہے۔

(۲) شمالی دالان میں بیرونی قطار کے دو پاس پاس کے ستونوں میں ایک ہی قسم کے تین تین ٹکڑے ایک کے اوپر ایک جمے ہوے ہیں۔ جن کی ساخت اور نقش و نگار ایک ہی طرح کے ہیں۔ ان دونوں کھمبوں کے چھ ٹکڑوں میں سے چار تو ہشت پہلو ہیں۔ جن کے ضلع کا ہر دوسرا رخ گھڑا ہوا ہے اور باقی دو ٹکڑے سادے ہشت پہلو ہیں۔ ایک کھمبے میں تو یہ بن گھڑا ٹکڑا تین ٹکڑوں

میں سب سے اوپر وار رکا ہے اور دوسرے میں اوپر نیچے کے ٹکڑے چھوڑ کر بیچ میں لگا ہوا ہے۔

(۳) بہت سے سادے ہشت پہلو تھم اور ان کے ساتھ دوسرے تھم کہ جن کا ہر دوسرا رخ گھڑا ہوا ہے مربع بیٹھک پر ایستادہ ہیں حالاں کہ یہ بیٹھکیں ابتدا ً چوکون تھموں کے لیئے گھڑی گئی تھیں۔ یہ بات چوکون بیٹھکوں کی سطح بالائی اور خالی کونوں کے دیکھنے سے بخوبی ظاہر ہو سکتی ہے کیوں کہ ہشت پہلو ستون ان چوکون بیٹھکوں پر اچھی طرح نہیں بیٹھے بلکہ اب تک ویسے ہی بن گھڑے کھڑے ہیں جیسا کہ معماروں نے چھوڑ دیا تھا۔ پرانے مال مسالے کو رد و بدل کر کے استعمال میں لانے کا ثبوت کچھ دالان کے ستونوں ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ دروازوں پر کے گنبدوں اور دالانوں کے کونوں کے کمروں میں بکثرت اور زیادہ متیقن ثبوت ملتے ہیں۔ ان گنبدوں کو بھی مسٹر بگلر قدیم ہی کا خیال کرتے ہیں لیکن ذیل کے واقعات سے ان میں بھی مسلمانوں کا تصرف ظاہر ہو جائے گا:۔

(۱) جنوب و مشرق کے کونے میں ایک ہشت پہلو قطعے سے گنبد شروع ہوتا ہے اور یہ مثمن ایک مربعے کے آٹھ ستونوں پر ٹکا ہوا ہے۔ یعنی چار ستون چاروں کونوں پر اور چار بیچ میں۔ بدیں وجہ مثمن کے زاویوں کا بوجھ بجائے ستونوں کے شہتیروں پر پڑتا ہے۔

(۲) شمال و مغرب کے کونے کے گنبد میں یہ صریح غلطی اور بھی زیادہ واضح ہے۔ کیوں کہ ستونوں کا باہمی فصل درمیانی ستون مربع اضلاع کے بیچ میں ہونے سے یکساں نہیں ہے۔

(۳) شمال و مشرق کے کونے میں گنبد ایک مثمن سے شروع ہوتا ہے جو بارہ ستونوں پر ٹکا ہوا ہے۔ جس سے ایک مربع شکل بن گئی ہے لیکن ستونوں کے بالائی حصے پر پانچ پانچ توڑے مربعے کے ہر کونے میں لگے ہیں اور بعض جگہ اسی مثمن کے کونے میں عام قسم کے ستونوں کے سرے چار توڑوں ہی کے مثمن کے کونوں میں لگا دیئے ہیں۔ یہ توڑوں کے لگانے میں جو صریح غلطی ہوئی ہے جب تک ان میں رد و بدل نہ کیا ہوگا کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔

(۴) مشرقی دروازے کی طرف کے بڑے گنبد میں بھی اسی قسم کی ترتیب پائی جاتی ہے

بجائے اس کے کہ ستونوں کو پانچ توڑوں کے نیچے لگایا جاتا وہ صرف دو توڑوں اور ستونوں کے بالائی حصے کے چار مشترک توڑوں کے بیچ میں لگے ہوئے ہیں۔ پتھر کے شہتیر بھی یکساں نہیں بعض بالکل سادے ہیں بعض نقشین۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس گنبد کی سابقہ حالت میں مسلمانوں نے رد و بدل کر کے موجودہ حالت پر پاٹا ہے۔

(۵) کنارے کے کمروں کی چھوٹی چھتوں میں دیکھا جاتا ہے کہ مربع نقشین چوکوں کو کاٹ کر انھیں مستطیل جگہ میں پھنسا دیا ہے اور جو بین گھڑی سلیں ہیں ان کو اس طرح پھنسایا ہے کہ لمبان میں جو جگہ خالی رہ گئی وہاں سلیپ ڈال کر پر کر دیا۔ اس لیے یہ چھتیں یقیناً اپنی اصلی حالت پر قایم نہیں ہیں اور مجھے یہ نتیجہ نکالنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں ہے کہ جب قطب الدین ایبک ستائیس مندروں کو ڈھا کر ان کے مال مسالے سے یہ مسجد بنوا رہا تھا تب مسلمانوں نے (اپنی مرضی کے موافق کاٹ چھانٹ کر کے پتھر کی سلوں کو جہاں اور جس طرح مناسب سمجھا لگا دیا۔ چنانچہ حالت موجودہ خود) اسی تصرف کا نتیجہ ہے۔

(۶) شمال و مشرق و جنوب و مشرق کے کونوں کے بالائی کمروں کی چھتوں کے پٹاؤ کے چوکوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جینیوں کے کسی مندر کے ہیں کیوں کہ بہت سے پتھر جو مربع کھڑکیوں کی کشادگی کم کرنے کے لیے کونوں میں لگائے ہیں ان کے بیرونی رخ پر انسان، ہاتھی، گھوڑوں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں اور بیچ میں تو ایک پتھر پر ایک شخص آلتی پالتی مارے ہوئے بالکل برہنہ بیٹھا ہے جس کے دونوں ہاتھ اس کی گود میں لٹک رہے ہیں جو بالکل جین مت کے لوگوں کے بتوں کا طرز ہے۔ اور بھی اسی طرز کی مورتیں بنی ہوئی ہیں۔

غالباً اسی بنا پر مسٹر بگلر استدلال کرتے ہیں کہ اس دالان کے کل ستون جینیوں کے ایک ہی مندر کے ہیں۔ یہ ایک ایسا استدلال ہے جس کی نفی اس آہنی ستون کے کتبے ہی سے ہو سکتی ہے جو اسی صحن میں کھڑا ہے جس میں خود اس ستون کا نام "وشنو کا بازو" کندہ ہوا ہے علاوہ اس کے وشنو کی بہت سی مورتیں جو اطراف کی دیواروں پر بنی ہوئی ہیں مثلاً "دس اوتار" اور "نارائن" جو اننتا سانپ کے پھن پر ٹیکا دیئے ہوئے ہے یہ بھی بگلر صاحب کی رائے سے اختلاف کرنے میں ممد ہیں۔ قطب صاحب کی مسجد کی بابت ہیں صرف اسی

نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اُس کی تعمیر ہندو راجوں نے مسلمانوں کی نگرانی میں ستائیس مندروں
کے مال مسالے سے کی ہے جن میں سے شک نہیں کہ بعض مندر جینیوں کے بھی
ہوں گے۔ اس سے اُن تمام غلطیوں کی جو تعمیر کے متعلق ہم اوپر بتلا آئے ہیں اور نیز
دالانوں کے ستونوں کی بے ترتیبی کی کافی وضاحت ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کا مقصود
ایک بلند (اور عالی شان) عمارت بنانے کا تھا لیکن ہندوؤں کے مندروں کے
تھم بالعموم پست ہوتے ہیں۔ اس کی تلافی (مسلمانوں نے) اس طرح کی کہ دو دو
اور تین تین تھم جوڑ کر سرے اور بیٹھکیں لگا کر کھڑے کر دیئے۔ اس میں شک نہیں
کہ عام طور پر یہ منظر خوشنما ہے لیکن۔ یہ خوشنمائی صرف ستونوں کی خوب صورتی اور
نقش و نگار کی وجہ سے ہے جو نظر کو اپنی جانب ایسا متوجہ کر لیتی ہے کہ ستونوں کی بے ترتیبی
اُن کے موٹے موٹے (بھدے) تھم جن کے اوپر پتلے ٹکڑوں کے جوڑ لگے ہوئے
ہیں اور خالی توڑے ہیں جو کسی چیز کو سہارا نہیں دیتے رہے اور بے سہارے کے
آگے بڑھے ہوئے طاق (یہ سب اسقام) چھپ جاتے ہیں۔ اگر یہی ستون
نقش و نگار سے مبرا اور سادے ہوتے تو میں یقین کرتا کہ سب سے پہلے نگاہ
تو ان کی عدم یکسانیت پر پڑتی اور ان کی بے ترتیبی اور غیر مناسب جوڑ فوراً ظاہر
ہو جاتے۔ مسٹر بگلر کا یہ بھی خیال ہے کہ قطب مینار کی شروعات ہندوؤں سے ہوئی ہے
صاحب موصوف اپنی رائے کی تائید بڑی ہوشیاری سے کرتے ہیں۔ ہندو خود
اس بات کے مدعی ہیں کہ مینار اُن کا ہے اور کہتے ہیں کہ پرتھی راج نے اپنی بیٹی
کے واسطے جمنا کا درشن کرنے کے لیے بنایا تھا۔ اس کے متعلق میں نے
تفصیلی وجوہات اپنی رپورٹ جلد اول کے صفحہ (۱۹۰) میں بیان کر دیئے ہیں کہ
قطب مینار پورا مسلمانوں ہی کی عمارت ہے اور اب میں (چند) اور باتیں بھی
پیش کرتا ہوں جو بگلر صاحب کے ساتھ دوسری مرتبہ قطب مینار جا کر میں نے دیکھیں
پہلی مرتبہ مجھ کو بگلر صاحب نے ذیل کے چھوٹے (چھوٹے) کتبے بتلائے جو
مینار کے نیچے کے حصے میں بخط ناگری کندہ ہیں:-

(۱) دروازے کے باہر سیدھی طرف (سمت (و) ت ۱۲۵۶)

(۲) دروازے کے اندر بائیں طرف (سمبت ۱۲ ۱ (۱))

(۳) دروازے کے رستے میں محراب کے پاس (سمبت ۱۲۵۶)
میں ان کتبوں کو اُن راجوں کا کھودا ہوا سمجھتا ہوں جنھوں نے اس مینار کو بنایا ہے اور یہ امر کہ وہ جاہل محض تھے اس بات سے ظاہر ہے کہ پہلے کتبے میں واو کا حرف ہی چھوڑ گئے ہیں اور دوسرے کتبے میں ہزار کا ہندسہ ہی غائب ہے۔
یہ تینوں کتبے سمبت ۱۲۵۶ مطابق سنہ ۱۱۹۹ء کے ہیں جو میرے خیال میں یا تو اس مینار کے شروع کا سال بتلاتے ہیں یا اختتام کا۔ ایک ہی تاریخ کا بار بار اعادہ کرنا ہندو راجوں کا دستور رہا ہے۔ اسی طرح جونپور کی اٹالا مسجد کے ستونوں پر جو سابق میں ایک مندر تھا اور جس کو ابراہیم شاہ شرقی نے مابین سنہ ۱۴۰۰ء مسجد سے تبدیل کر دیا۔ میں نے سمبت ۱۴۶۴ کو تین جگہ پر مکرر سہ کرر کھدا ہوا اس طرح دیکھا ہے:۔

(۱) شمالی دروازے کے بیرونی رخ پر سیدھے ہاتھ پر — سمبت ۱۴۶۴ سماپت، شترادھار اپدماوی، سائی سترادھار اسوتا } سمبت سال ۱۴۶۴ میں پدماوی راج پسر سائی راج نے ختم کیا۔

(۲) نیچے کے ایک چوکور ستون پر۔ — سمبت ۱۴۶۴ بنیادی پاری } سمبت سال ۱۴۶۴ میں بنایا گیا

(۳) جنوبی رخ کے ایک بیرونی ستون پر۔ — سمبت ۱۴۶۴

علاوہ ان کتبوں کے (جو قطب مینار پر کندہ ہیں) میں نے ایک اور کتبہ بھی اشوک ستری کا دیکھا ہے کہ جس کی زیر نگرانی یہ مینار بنی ہے۔
یہ کتبہ چھجے کے جنوبی رخ کا رپر ہے جسے مجھے بگلر صاحب نے بتلایا تھا۔ بدنصیبی سے یہ کتبہ چونے کے تڑخ جانے سے ناقص ہو گیا ہے۔ بایں ہمہ کچھ حروف اور ہندسے جو صاف باقی رہ گئے ہیں وہ یہ ہیں:۔
۔۔۔ ۲ × ۲ ماگھ ۱۵ ۔۔۔۔۔ ۳ ۸ داز ناسی
ادھر سے کچھ فاصلہ کے نیچے ہی ایک چوڑی یا لمبی سیدھی لکیر ہوئی ہے جس کے

دونوں سرے نیچے کی طرف جھکے ہوئے ہیں اور اس کی داہنی طرف کوئی ایک انچ کے فصل سے اسی طرح کا ایک نشان اور ہے جو کچھ کچھ مٹ گیا ہے۔ یہ دونوں سطریں چبوترے کی بیرونی سطح پر ہیں۔ لفظ دارُمنی کے معنی میرے خیال میں سہاول کے خط کے ہیں (Plumb line) کتبے کی عبارت سے ایسا معلوم دیتا ہے کہ یہ لین دوبارہ ایک انچ ہٹا کر صحیح کی گئی ہے۔ یہ کتبہ کسی ہندو کا ہے بجائے گز کے لفظ "گج"[1] سے ظاہر ہے ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ کوئی فاتح مسلمان ایسا (غلط لفظ) استعمال کرتا۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ میں نے اسی طرح کا ایک نشان مسجد کی پچھیت کی دیوار کے آگے بڑھے ہوئے حصے میں بھی دیکھا ہے جو مسجد کے پیچھے وار بیچوں بیچ میں ہے اور جو غالباً مسجد کی بیچ کی لین کو سدھ کرنے کو لیا گیا تھا۔ کیوں کہ یہ نشان بڑھے ہوئے حصے کے بیچ سے بھی کئی انچ آگے بڑھا ہوا ہے۔

مسٹر بگلر کی رائے دو امور پر مبنی ہے:۔

(اول) مینار کے نیچے کے تین گنبدوں اور اس کے اوپر کے دو گنبدوں کی طرز تعمیر میں فرق ہے جس سے وہ یہ نتیجہ مستنبط کرتے ہیں کہ پہلا حصہ ہندوؤں کا بنایا ہوا ہے اور بعد کا مسلمانوں کا۔

(دوم) گنبدوں کا درمیانی فاصلہ عمل ہائے حسابی واقلیدسی کے لحاظ سے ہے جو کسی Arithmetico geometrical series معمولی شخص کا کام نہیں نہ وحشی مسلمان فاتحین کو یہ حسابی طریقہ معلوم تھا[2]۔ اس لیئے یہ کام دانشمند ہندوؤں کا ہے۔

مسٹر بگلر کی پہلی توجیہ میں انھوں نے اس واقعہ کا خیال نہیں رکھا کہ لاٹ کی اوپر کی دو منزلوں کو تو فیروز شاہ تغلق نے از سر نو بنوایا ہی تھا جیسا کتبات اور اُس کی

---

[1] ہندی میں (ز) کا حرف ہی نہیں۔ جب یہ امر مسلّم ہے کہ راج ہندو تھے تو پھر یہ بحث ہی تحصیل حاصل ہے۔

[2] شاید بگلر صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ مسلمان بہت بڑے ریاضی داں تھے اقلیدس اور جبر و مقابلہ انھیں کی ایجاد ہے اور انھیں سے انگریزوں نے لیا ہے چنانچہ اقلیدس اور الجبرا کے نام ہی اس امر کا بدیہی ثبوت ہیں ۱۲

سوانح عمری سے ظاہر ہے۔ طرز تعمیر کا مختلف ہونا البتہ حیرت انگیز ہے۔ لیکن اس سے سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ قطب الدین ایبک سے لے کر فیروز شاہ تغلق تک ڈیڑھ صدی کا زمانہ گزرا۔ اس لمبی عرصہ مدت میں فن تعمیر کے مذاق میں کیا کیا کچھ تبدیلیاں نہ ہوئی ہوں گی۔ پس یہ اختلاف طرز اختلاف مذاق اور زمانے کا نتیجہ ہے نیچے کے برآمدوں کی عمدہ نقاشی بجنسہ اُسی طرح کی ہے جیسی کہ دہلی اور اجمیر کے پچھلے زمانے کی مسجدوں میں پائی جاتی ہے۔ ابھرا ہوا سنگ مرمر اور سنگ سرخ کا برابر برابر لگانا یہ طریقہ فیروز شاہ کے وقت کا ہے جیسا کہ اس بادشاہ کے بنائے ہوئے اُس ستون میں موجود ہے جو حصار میں لگا ہوا ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ ان پسندیدہ نقاشیوں کا طرز ہندوانی ضرور ہے لیکن مسلمانوں کی شروع شروع کی عمارات میں یہ ایک ضروری امر اس وجہ سے تھا کہ فاتحین سپاہی منش تھے ان کو قدرتی طور پر مقامی کاریگروں سے کام لینا پڑا (جو ہندو تھے) اسی وجہ سے ایک کمان دوسری پر چڑھ گئی ہے اور نقش و نگار میں بھی ہندوؤں کے طرز کی جھلک نظر آتی ہے۔ مسٹر بگلر کی دوسری دلیل جس کا دارومدار سینہ بہ سینہ حسابی اقلیدسی عمل پر ہے میں اُس کی تردید کرتا ہوں کہ وہ محض ایک خیال ہی خیال ہے لو فرضنا وہ صحیح بھی ہو تو بھی یہ امر بہ آسانی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ محمد غوری کا سارا لشکر (اس سرے سے اُس سرے تک) جاہل محض تھا۔ خصوصاً جب کہ ہم کو معلوم ہے کہ اس زمانے سے بہت پہلے محمود غزنوی کے ساتھ ابوریحان جیسا عالم فاضل آیا تھا۔ بگلر صاحب کہتے ہیں کہ عمل ہائے حسابی و اقلیدسی کوئی آسان کام نہ تھا۔ میں استنباطات پر کچھ زور نہیں دے سکتا۔

مسٹر بگلر مزید براں یہ بھی کہتے ہیں کہ کنول کے پھولوں کے ٹکڑوں اور عربی کتبوں کے ٹکڑوں کے سطحی اُبھار میں فرق ہے۔ پھولوں کے نقش و نگار والا ٹکڑا سطح کے برابر ہے حالاں کہ دوسرا ٹکڑا بہت اُبھرا ہوا ہے۔ لیکن صرف سب سے نیچے کے کھنڈ کے کتبے کی تحریر سطح کی برابر ہے باقی سب اُبھرے ہوئے ہیں۔ سب سے نیچے والے ٹکڑے کا یہ حال ہے کہ امتداد زمانے اور نا اہل لوگوں کی شکست و ریخت سے ایسا نقصان پہنچا ہے کہ اب برابر پڑھا ہی نہیں جاتا۔ سید بھی اس کتبے

ہیں سوائے "امیر الامرا" کے کچھ نہ پڑھ سکے[1]۔ اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ یہ پٹکہ جو دبا ہوا ہے محض اُن لوگوں کی بدولت ہے کہ جنھوں نے دوبارہ اسے نصب کیا۔ میرے اس خیال کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ روکار میں لال پتھر جو لگائے گئے ہیں وہ اس (بدتمیزی) سے بیچ میں سے کاٹ ڈالے گئے ہیں کہ اُن کی دراڑوں میں سے اندر کے بن گھڑے پتھروں کی کوریں نظر آتی ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ حسابی اقلیدسی عمل کا اس پٹکے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور مجھ کو یقین کلی ہے کہ مینار کا یہ حصہ بھی قدیم آراستگی کا اصلی جزو ہے۔ تو میں ہندوؤں کی عمارات کے متعلق سینہ بسینہ عمل ریاضی کو نرا ایک خیال ہی خیال سمجھتا ہوں۔ قطب مینار کے ابتدائی نقش و نگار کے متعلق کہ وہ ہندوؤں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں بالکل قطعی ثبوت امیر خسرو کی تاریخ علائی سے ملتا ہے جو علاء الدین خلجی کا ہمعصر تھا۔ علاء الدین خلجی نے جب ایک نئی مینار بنانے کا حکم دیا تو امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "(بادشاہ) نے حکم صادر فرمایا تھا کہ پرانی مینار کی باہر وار سے درستی کرا دی جائے اور پرانی برجی کے ساتھ ایک اور نئی برجی بھی بنا دی جائے" ۔ اس تحریر کی رو سے جو چشم دید ہے معلوم ہوتا ہے کہ سنگ سرخ کا تمام روکار علاء الدین کا بنوایا ہوا ہے اور تمام عمدہ برآمدے اور نقش و نگار کے پٹکے بھی ضرور اُسی نے لگوائے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بابر بادشاہ نے اس تمام (ترمیم و) درستی کا حال سن کر جو سلاطین افاغنہ نے کی ہے اس کو "علاء الدین خلجی کا مینار" کہا ہے۔

مینار کے روکار اور نقش و نگار اور پٹکوں کے ہندوانی نہ ہونے کی نسبت تصفیہ کرنے کے بعد اب ہم اصل مینار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ سر سید لکھتے ہیں کہ یہ

---

[1] کتبہ جب اپنی اصلی حالت پر ہو تو پڑھا جا سکے۔ یہ کتبے کھدے ہوئے تو ہیں نہیں بلکہ ثبت ہیں اور حروف تراش کر بنائے گئے ہیں۔ اسی لیے لوگوں نے دوبارہ جمایا ہے جو پڑھے لکھے نہ تھے چنانچہ سر سید خود تحریر فرماتے ہیں کہ "نہایت افسوس ہے کہ مرمت کے وقت اس لاٹ کے کتبوں کے حروف جو گر پڑے تھے بالکل غلط بنائے ہیں اکثر جگہ صورت لفظوں کی بنا دی ہے جب غور کر کے دیکھو تو وہ لفظ نہیں ہیں صرف نقش ہیں اور بعضے غلط لفظ بنا دیئے ہیں اور بعضی جگہ اپنی طرف سے ایسی عبارت کھود دی ہے کہ اصل کتبے کے مضمون سے بالکل علاقہ نہیں رکھتی"۔ کسی نے اس لاٹ کے کتبے نہیں پڑھے تھے یہ سر سید ہی کا کام تھا کہ وہ بیس لگا کر ان کو پڑھا جزاهم الله احسن الجزاء۔

مینار ہندوؤں کی ساختہ ہونے کے متعلق ایک ثبوت یہ پیش کیا جاتا ہے کہ مسجدوں میں عموماً دو دو مینار ہوتے ہیں اور یہ فرد ہے" لیکن دو دو مینار بنانے کا طریقہ تو صرف تین ہی صدیوں سے چلا ہے ورنہ ذیل کے واقعات سے معلوم ہوگا کہ اس سے پہلے مسلمان مسجدوں میں ایک ہی مینار رکھا کرتے تھے ۔ جسے "ماذنہ" کہتے تھے:

(۱) ابن طولون کی مسجد جو قاہرہ میں سنہ ۸۷۶ء میں بنی ہے اُس میں ایک ہی مینار ہے۔

(۲) محمود غزنوی کے بنائے ہوئے دو مینار غزنی میں جو تقریباً سنہ ۱۰۳۰ء میں بنے ہیں۔ یہ دونوں مینار مختلف بلندی کے ہیں اور دونوں میں نصف میل کا فصل ہے۔ اس لیئے یہ دونوں مینار دو جداگانہ مسجدوں کے ہوں گے (نہ کہ ایک کے)

(۳) سلطان برکت کی مسجد قاہرہ میں جو سنہ ۱۱۴۹ء میں بنی ہے اس کا بھی ایک ہی مینار ہے۔

(۴) کوئیل (Koel) کا منار جو سنہ ۱۲۵۲ء میں بنا تھا وہ بھی فرد ہے اور اُس کی مقامی حالت بلحاظ مسجد سے فصل کے بجنسہ قطب مینار کی سی ہے۔

(۵) علاء الدین کی ادھ بنی مینار جو سنہ ۱۳۱۱ء میں بنی (بنتے بنتے رہ گئی)۔

(۶ و ۷)[۱] بیانے کی دو مسجدوں میں صرف ایک ہی مینار ہے اور وہ بھی صحن مسجد کے باہر شمال و مشرق کے کونے میں ہیں ۔ بخلاف قطب مینار کے یہ تو (صحن مسجد کے) جنوب و مشرق کے کونے میں ہے۔ ان میں سے ایک مینار پر نصیر الدین محمد کا کتبہ ہے جو سنہ ۱۳۹۰ء میں حکمراں تھا ۔ ان سات مثالوں سے جن میں پانچ صدی سے زیادہ کا زمانہ پھیلا ہوا ہے اور اکبر شاہ سے ایک سو آٹھ برس پہلے تک یہ بات ظاہر ہے کہ اُس وقت تک مسلمانوں میں مسجدوں میں ایک ہی مینار بنانے کا دستور تھا ۔ یہ کہ قطب مینار در اصل ماذنہ تھا اس کا ثبوت خود اُس کے کتبوں سے ملتا ہے جن سے کبھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی ۔ نیز ابو الفدا نے بھی اسے ماذنہ ہی لکھا ہے ۔ اب رہی یہ بات کہ یہ مسلمانوں ہی کا ڈزائین (خاکہ) تھا اس کی تائید میں وہ واقعہ موجود ہے کہ دہلی کے فاتحین غزنی کے حکمراں تھے جو محمود غزنوی کے میناروں (کے طرز) سے واقف

---

[۱] اور آٹھویں نظیر میں پیش کرتا ہوں کہ ایچپور ملکت سرکار عالی نظام کے قلعے میں "ایک مینار کی مسجد" مشہور ہے اس کا بھی ایسا ہی مینار گاؤدم اسی کرسی اور وضع و روش میں کہ جو سنہ ۹۱۹ھ / ۱۵۱۳ء میں ابتدا سلطان محمود کی ملک عنبر نے بنوایا تھا ۔۱۲

تھے جن کا طرز (Star polygon) ستارہ نما کثیر الزوایا وضع کا گھرے کنگوروں دار زاویوں کا ہے۔ قطب مینار کے بنانے میں مسلمانوں کی ایک خاص غرض بھی مدنظر تھی جو اُن کے مذہب کے روزانہ (بلکہ پنج وقتہ) عمل سے متعلق ہے۔ اس لیئے مجھے یقین واثق ہے کہ یہ عمارت غرض اور طرز دونوں اعتبار سے خالصاً مسلمانوں کی ہے۔ اگرچہ ساری عمارت نہیں تو اکثر عمارت کا حصہ خصوصاً چڑھی ہوئی اور گوسلے دار محرابوں کی وضع قطع البتہ ہندوانی طرز کی ہے۔

مسٹر بگلر کا آخری نوٹ

میری اب تک قطب مینار اور مسجد کی نسبت وہی رائے تھی جو کہ میں نے رپورٹ میں لکھی ہے۔ چوں کہ میں نے (اپنی رپورٹ کو) اس کلیۂ فرضیہ سے شروع کیا تھا کہ بنیادیں اور مسجد کے اندرونی اور بیرونی احاطوں کی دیواروں کے وہ حصے جو سطح زمین سے پست ہیں دراصل اہل ہنود کے (بنائے ہوئے) ہیں تو مجھے اُس نتیجے پر پہنچنا ناگزیر تھا جو میں نے ظاہر کیا۔ لیکن اسی سال کے اوائل ماہ نومبر میں میں اور جنرل صاحب دونوں مل کر قطب صاحب کی باقی ماندہ عمارتوں کو دیکھنے گئے اور صاحب موصوف نے مجھے اختلافات دکھلائے جن سے صاف طور پر ظاہر ہوگیا کہ اندرونی اور بیرونی احاطے بحالت موجودہ دراصل ہندوؤں (کے زمانے) کے نہیں ہیں۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ بعض حصص اور اغلباً مسجد کی چھت کی دیوار کا وہ حصہ جو اصل مسجد کے بالکل عقب میں ہے ہندوانی ہے۔ مجھے ضرور معلوم دیتا ہے کہ میں اس امر پر غور کروں اور خاص طور پر اس (امر) کا اظہار کروں۔ جیسا کہ میں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ

لہ جنرل صاحب کا نوٹ۔ میں بگلر صاحب سے پوچھتا ہوں کہ ہندوؤں کے معابد کو مینار سے کیا تعلق ہے۔ کیا ہندوؤں نے مسلمانوں کی فتوحات سے پہلے یا بعد کوئی ایسی مینار بنائی تھی۔ اور سب سے بڑھ کے یہ کہ ایسی مینار کے بنانے سے ہندوؤں کی کون سی غرض پوری ہوتی تھی۔ ۱۲

مسجد کی تمام دیواروں کا مال مسالا جس کو میں نے ہندوانی بتلایا ہے ٹھیک طور پر وہ ہندوانی ہی ہے۔ سوائے اندرونی احاطے کی جنوبی دیوار کے ایک حصے کے جس میں ایک نہیں بلکہ کئی پتھر ایسے لگے ہوئے ہیں کہ جن میں آگے بڑھے ہوئے توڑے لگے ہوئے ہیں یا کسی زمانے میں لگے ہوئے تھے۔ جنرل صاحب نے مجھ کو مسجد کی پچھیت کی دیواریں چند ایسے پتھر بتلائے کہ جو اُلٹے لگے ہوئے تھے اور جن کے اندر تصویریں بنی ہوئی تھیں اور علاوہ اس کے وہ دُہری کارنس بھی بتلائی جو مسجد کی پچھیت کی دیوار کے برابر کونے تک چلی گئی ہے۔ جس سے یہ امر ثابت ہوا کہ اندرونی احاطہ کسی زمانے میں مکمل تھا اور با ایں ہمہ وہی کارنس التمش کے زمانے کے توسیع کردہ عمارتی حصے میں بھی ہے اور اس حصے کا مال مسالا اور ساخت بالکل قطب صاحب کی مسجد کی وضع کی ہے۔ دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری کی ساری ایک ہی مسلسل دیوار ہے۔ لیکن میں نے پہلے اس بات کا خیال نہیں کیا کہ قطب صاحب کی مسجد کے احاطے کے کونے کے پاس کارنس (کا رخ) مڑ گیا ہے اور اس طرح کی اور فروگذاشتوں کی وجہ سے اب مجھے یقین ہوتا ہے کہ قطب صاحب کی مسجد اور سلطان التمش کی توسیعات کی بنیادیں اور دیواریں (بجز شاید ایک تھوڑے غیر محدود حصے کے) سب مسلمانوں ہی کی بنائی ہوئی ہیں۔ اس بات کے تسلیم کر لینے کے بعد جو دلائل کہ میں نے اپنی رپورٹ میں بیان کیے ہیں وہ بالکل بدل جاتے ہیں مگر بریں ہم اُن کی موزونیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ میں نے (اپنی رپورٹ کو اس کلیہ فرضیہ سے شروع کیا تھا کہ بنیادیں تمام ہندوانی ہیں اور میں نے اس بات کو ثابت کیا تھا کہ بحالت موجودہ مسجد کے دوسرے حصے مسلمانوں کے (بنائے ہوئے) ہو نہیں سکتے۔ اور چوں کہ مینار اصولاً مسجد کا ایک جزو لاینفک ہے لہذا وہ بھی مسلمانوں کا بنایا ہوا نہیں ہو سکتا یعنی جب مسجد مسلمانوں کی بنا کردہ نہ ٹھہری تو مینار جو اُسی کا ایک جزو ہے مسلمانوں کا کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟) لیکن اب میرا یہ خیال ہے کہ بنیادیں بھی ہندوؤں کی نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں ہی کی بنائی ہوئی ہیں۔ تو (ایسی حالت میں) میری تمام پچھلی دلیلیں بھی نہایت زور سے

اس بات کے اثبات کی طرف منجر ہیں کہ (کام کا) جو حصہ ہندوؤں کا بنایا ہوا (میں نے) فرض کیا تھا (لامحالہ) وہ بھی مسلمانوں سے منسوب ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ میرے استدلال کا دارومدار اس بات پر تھا کہ جس زمانے کی بنیادیں ہیں اُسی زمانے کا مینار بھی ہے۔ اور چوں کہ میں نے ایک غلط مفروضہ اختیار کیا تھا۔ بالضرور استدلالاً ایک غلط نتیجے پر پہنچا (یعنی بِنَاءُ الْفَاسِدِ عَلَی الْفَاسِدِ) کہ مینار اہل ہنود کا بنایا ہوا ہے۔ اب میں بلا تامل نہایت خوشی سے اپنی بڑی بھاری غلطی کو جو مجھ سے سرزد ہوئی تسلیم کرتا ہوں۔ اور جنرل صاحب کو معلوم ہو جائے گا کہ جس کو صاحب موصوف نے میرا خیالی قاعدہ فرمایا ہے وہی قاعدہ اُن کی رائے کی تائید میں بھی ایک سب سے زیادہ قوی ثبوت ہے۔ بنا بریں علیہ اب میری یہ رائے ہے کہ جس قدر حصے کو میں نے اپنی رپورٹ میں ہندوؤں سے منسوب کیا ہے وہ سب قطب الدین اور التمش کے زمانے کے مسلمانوں سے متعلق ہونا چاہیئے اور نیز یہ کہ جس کام کو میں نے (شروع ہی سے) مسلمانوں سے منسوب کیا ہے وہ درحقیقت اُن تصرفات مابعد اور مرمتوں کا نتیجہ ہے جو وہلۂ اول میں علاء الدین خلجی اور وہلۂ دوم میں فیروزشاہ (تغلق) نے کرائی تھیں۔ چنانچہ ان دونوں مرمتوں کے متعلق کتب تواریخ میں صاف لکھا ہے کہ زمانے کے دست بردسے جو نقصان عمارات کو پہنچا تھا (ان دونوں بادشاہوں نے) ایک وسیع پیمانے پر مرمت کرائی۔ وہلۂ سوم میں وہ ترمیمیں بلاتصحیح ہیں جو فیروزشاہ کے بعد لازمی طور پر ہر بادشاہ نے اپنے اپنے وقت میں کرائی ہوں گی جن کی تفصیل سے تاریخ ساکت ہے۔ باقیِ حال ساری کی ساری عمارت بنی تو ہندوؤں ہی کے ہاتھ سے ہے جس کی بدیہی وجہ یہ ہے کہ قطب الدین اور التمش کو جو کاریگر میسر آئے وہ ہندو ہی تھے۔ میں اس موقع پر جنرل کننگھم صاحب کی مہربانی اور اُس تحمل کا جو صاحب موصوف نے مجھے میری غلطی پر متنبہ کرنے میں (برداشت) فرمایا۔ علی الاعلان اظہار کرتا ہوں۔ غلطی بھی کیسی غلطی کہ جس کی تصحیح محض دلائل (تحریری) سے نہیں ہو سکتی تھی اور اگر ہم دونوں (مل کر) برسرموقع نہ جاتے تو وہ غلطی اسی طرح بلا تصحیح رہ جاتی کیوں کہ جنرل صاحب کے کسی استدلال نے میرے دلائل کی واجبیت کو اور نہ میرے "خیالی" قواعد کو جن کے محکم ستون کے تھے اور مینار میں جنبش نہیں دی۔

میں اپنے آیندہ مضمون میں اپنے اُسی قانون کو اُن عمارات سے منطبق کر کے بتلاؤں گا جن میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے کہ وہ ہنود کی بنائی ہوئی ہیں۔ مثلاً وسط ہند کے بڑے بڑے عالی شان مندر جس سے ظاہر ہو جاوے گا کہ ہندو ماہرین فن عمارت اُس قانون کو خوب جانتے تھے اور یہی میرے استدلال کی جڑ ہے۔ اگرچہ قطب صاحب کی عمارتیں مسلمان بادشاہوں کے حکم سے بنائی گئیں اور اُنہیں کے صواب دید پر عمارتوں کا ڈول ڈالا گیا لیکن طرز تعمیر خواہ وہ تفصیلی ہو یا جزئی اور نیز نقش و نگار اور آراستگی (کا ڈھنگ) وہ تو سارے کا سارا ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں تھا۔

جنرل صاحب کا آخری نقش

یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ قطب مینار کے کھنڈوں اور پٹکوں کے باہمی فصل ارتفاعی کا تعین کوئی اتفاقی بات نہ تھی بلکہ ضرور ہے کہ وہ کسی حسابی یا اقلیدسی عمل ارتقا پر مبنی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ عمل بالکل سیدھا سادا تھا لیکن پھر بھی ہم اُس کی دریافت سے محض اس وجہ سے قاصر رہے کہ ہر کھنڈ کے فاصلۂ درمیانی کی صحیح صحیح ناپ حاصل کرنے میں بڑی دقت ہے۔ اوپر جو کئی جگہ "خیالی قواعد" کا ذکر آیا ہے اُس سے مراد یہی حسابی اور اقلیدسی گر ہے جس کی رو سے قطب مینار بنائی گئی ہے۔ اگر مینار کی بلندی ہارج نہ ہوتی اور ہر ہر کھنڈ کا صحیح ناپ مل جاتا تو ممکن تھا کہ اُس پر سے ریاضی داں لوگ اُن اصول موضوعہ کو معلوم کر سکتے جن پر سے قطب مینار بنائی گئی ہے۔

ادھوری لاٹ

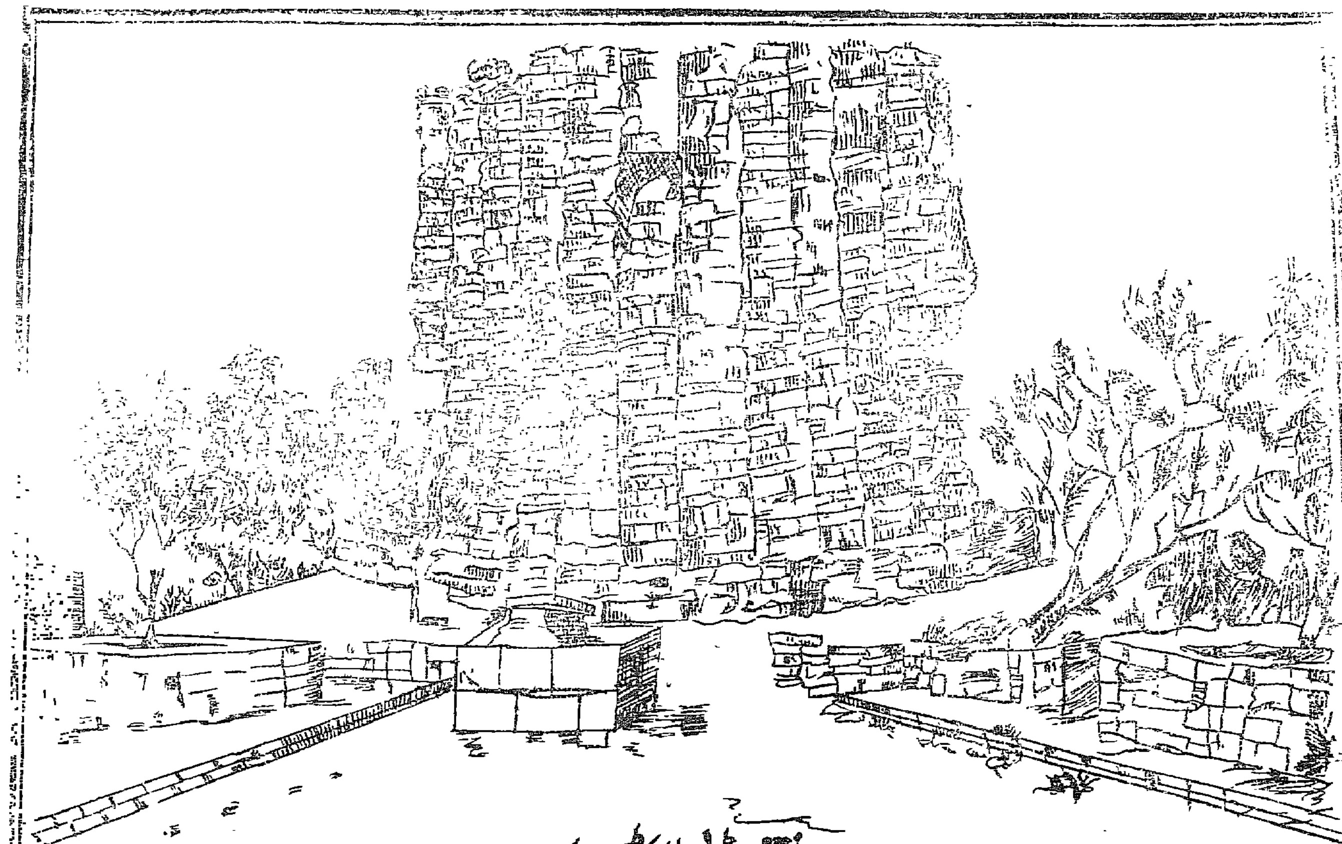
صفت شکل منارہ کز رفعت سنگش

از پئے تخمیر خورشید شدہ سنگ فشاں

سنہ ۱۱۴۱ھ

شکل منارہ چو ستونے ز سنگ
سقف سما کز کہنی شد نگوں
تا سرش از اوج بگردوں شتافت
آں کہ زبر سرش افسر شدہ است
سنگ وئے از بس کہ بخورشید سود

از پئے سقف فلک شیشہ رنگ
در تہ او داشتہ سنگیں ستوں
گنبد پئے سنگ فلک سنگ یافت
سنگ ز تر دیگی خور زر شدہ است
زر دہ بہ خورشید عیاری نمود



نقشہ ٹوٹی لاٹھ کا

(امیر خسرو از مثنوی قران السعدین)

سنجر سنگین کہ ستون سپہر — آمدہ از مہر شدہ ہم بہم
گر نہ خرف شد فلک شیشہ ساز — از چہ بران سنگ بود شیشہ باز
دیدن او را کلہ افگندہ ماہ — بلک فتادش گہِ دیدن کلاہ
ماہ نخسپد ہمہ شب تا سحر — کز سر سختش خلہ دارد ببر
زان خلہ ہر بار کہ در ابر داد — برق زجا جست و دگر جا فتاد
شد چہ بلند از شرفِ نفسِ خویش — زد چہ بلندی بحق چرخ نیش
بر ملکش سایہ طرف بر طرف — تا فلکش پایہ شرف بر شرف
از پی بر رفتنِ ہفت آسمان — کرد زمین تا بفلک نردبان
گرد سرش کرد موذن چو گشت — قامتش از مسجد عیسی[1] گذشت
موذنش[2] آنجا کہ اقامت کشید — قامت موذنِ نتواند رسید
مسجدِ جامع ز درون چون بہشت — حوض ز بیرون شدہ کوثر سرشت

مسجد قوۃ الاسلام کے متعلق یہ ایک آخری دلچسپ مقام ہی۔ یہ قطب منار سے کوئی پاؤ میل کے فصل پر ہی۔

حضرت امیر خسرو اس ناتمام منار کی نسبت لکھتے ہیں کہ "علاء الدین خلجی نے ایک دوسری منار جامع مسجد کے جوڑ کی بنوانی چاہی جو اس وقت سب سے مشہور منار تھی اور منشا یہ تھا کہ یہ منار اتنی بلند ہو کہ جس سے زیادہ اونچا کرنا ناممکن ہو۔ بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ قطب منار سے اس کا دور دگنا ہو اور اسی مناسبت سے وہ بلند بھی کی جائے (تاریخ ہند مصنفہ ایلیٹ صاحب جلد سوم صفحہ ۷۰)"

ایک اور مورخ لکھتا ہی کہ افسوس ہی کہ بادشاہ کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اپنا ارادہ پورا نہ کرنے پایا تھا کہ جاں بحق ہو گیا۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں — سامان سو برس کا ہی کل کی خبر نہیں

[1] بیت المقدس ۱۲

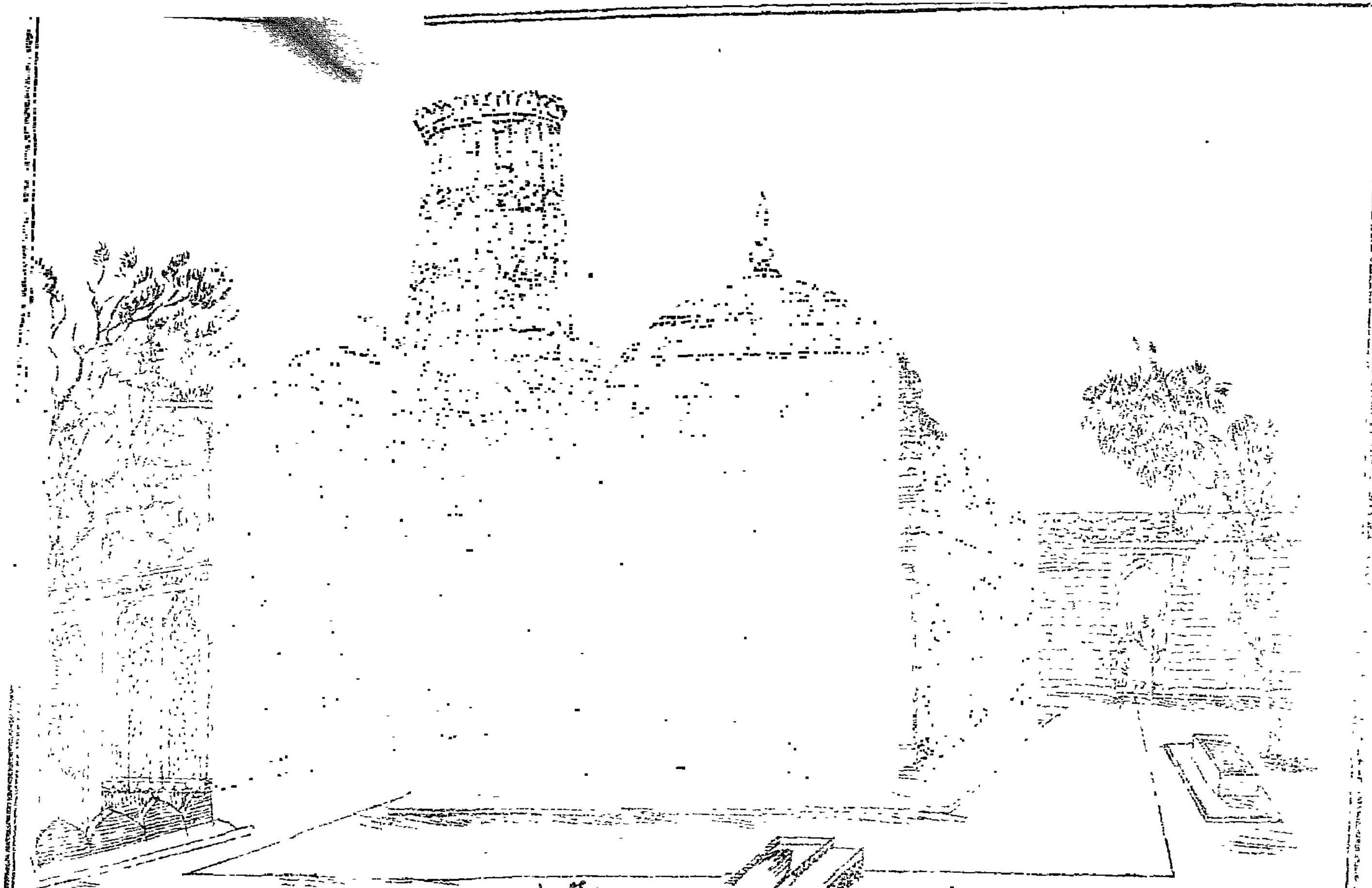
[2] موذن ظرف از اذان یعنی مکبرہ کہ موذن بر آں ایستادہ اذان می گوید ۱۲

مینار کی موجودہ حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنتے بنتے رہ گئی۔ جتنی بنی ہے وہ صرف ایک ڈھانچ ہے اُس عظیم الشان مینار کا جس پر بہت کچھ صنّاعی صرف کی جانے والی تھی۔ ایسی حالت میں اس بات کا اندازہ کرنا فضول ہے کہ اس کا روکار کس قسم کا بنانا مرکوز خاطر تھا۔ موجودہ حالت اس کی یہ ہے کہ پائے میں بتیس ضلعے ہیں جن میں کا ہر ضلع آٹھ فیٹ کا ہے۔ بقول کننگھم صاحب مینار کی شکل بظاہر ایک بڑے بھاری wheel سلہ (وہ پہیہ جس میں دانتے بنے ہوئے ہوں) کی سی ہے۔ اس میں تمام ترسنگ خارا لگا ہوا ہے۔ اس کا چبوترا ۲۲ فٹ مربع اور ۴ فٹ ۴ انچ اونچا ہے۔ کننگھم صاحب اس کا دور ۲۰۰ فٹ بتلاتے ہیں اور کار سٹیفن صاحب ۲۵۴ فٹ اور فرینکلن صاحب جنھوں نے اس مینار کو (۱۲۲) برس اول دیکھا تھا ۲۰۲ فٹ دور بتلاتے ہیں۔ بیرونی دیوار کا آثار ۱۹ فٹ ہے اور کل مینار کرسی سمیت ۸۰ فٹ بلند ہے۔ مینار کا قطر جس کے اطراف چکردار زینہ بنانا مقصود تھا ۴۰ فٹ ہے اور زینے کی چکلان ۹ فٹ - ۹ انچ - اس مینار کی تعمیر ۷۱۱ھ میں شروع ہوئی اور علاء الدین خلجی کی وفات سے ۷۱۵ھ میں ملتوی ہو گئی۔

عام حالات

یہ عام حالات اُس مشہور مسجد قوت الاسلام کے تھے جسے مسجد آدینہ اور جامع دہلی بھی کہتے تھے۔ اس مسجد کو قطب الدین ایبک نے مندروں کو توڑ کر اُن کے مال مسالے سے بنایا تھا۔ مندروں کو ہاتھیوں سے ڈھوایا گیا اور جو کچھ لوٹ کا ہاتھ لگا سب اس مسجد میں لگایا گیا۔ اس مسجد کے سامنے شمس الدین التمش نے بکرماجیت کا بت جسے مہاکال کے مندر سے لایا تھا ایک مبتذل مقام پر رکھا تھا۔ اور اس کے بعد سلطان علاء الدین خلجی نے ۱۲۹۷ء میں سومنات کے مندر کی لوٹ کے بعد جو بت وہاں سے لایا تھا اور جس کے لیے ایک ہزار اشرفیاں ملتی تھیں مگر قبول نہ کیں۔ اُس بت کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اسی مسجد کے دروازے کے فرش میں لگا دیا تھا چنانچہ مسٹر بگلر کی کھدائی میں

سلہ یہ لفظ میرا نہیں ہے بلکہ سٹیفن صاحب نے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ ۱۲



۱ے درگاہ — نقشہ درگاہ امام ضامن مع دروازہ متصل لاٹھ — ۲ے دروازہ

دو بت سنگ سیاہ کے مسجد کے شمالی دروازے میں گڑے ہوئے نکلے تھے
۱۳۹۸ء میں پرانی دلی کے ملحدوں نے اس مسجد کو لوٹ ڈالا اور تیمور کے تسلط کے
ابتدائی دنوں میں ہندو بھاگ کر اسی مسجد میں چھپے تھے۔ تیمور نے اُن کا تعاقب
مسجد تک کیا۔ اُس زمانے میں دلی کے تین شہر جدا جدا تھے سب کو یکے بعد دیگرے
دھڑی دھڑی کر کے لوٹا۔ سلطان محمد تغلق کے زمانے (۱۳۲۴-۱۳۵۱ء) میں ابن بطوطہ
نے اس مسجد کو دیکھا تھا اُس نے لکھا ہے کہ "اس شہر کا جواب کیا بلحاظ اُس کی
عظمت اور وسعت کے اور کیا باعتبار حسن و خوبی کے دنیا کے پردے پر نہیں ہے"

امام ضامن کا مقبرہ
۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء

آپ کا نام امام محمد علی اور آپ کا مزار "سید حسن ناپنار" کے نام سے مشہور ہے۔ سکندر لودی کے عہد میں آپ مشہد مقدس سے تشریف لائے تھے۔ آپ کو مسجد قوت الاسلام کے متعلق کوئی بڑا عہدہ تھا آپ نے اپنی زندگی ہی میں اپنا نہایت خوب صورت مختصر سا گنبد دار مقبرہ ۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء میں بنوایا تھا اور اسی میں آپ آسودہ ہیں۔ مقبرہ علائی دروازے سے لگا ہوا کوئی دس گز کے فاصلے سے ہے اور اب تک نہایت عمدہ حالت میں زمانے کی دست برد سے محفوظ ہے
یہ مقبرہ ۲۴ فٹ مربع اور ۴۵ فٹ اونچا ہے۔ اس مقبرے کے تین طرف سنگ سرخ
کی جالیاں ہیں۔ جنوبی دیوار میں اندر جانے کا دروازہ ہے جس کی چوکھٹ سنگ مرمر
کی ہے جس کے دونوں طرف اسی وضع کی جالیاں ہیں جیسی کہ سامنے دار ہیں۔
چاروں کونے کے چار ستون ملا کر مقبرے کے بارہ ستون ہیں۔ ان ستونوں کے
بالائی حصوں اور بیٹھک میں نقاشی کا بہت کام ہے۔ بالائی حصے سے محراب کی گولائی
شروع ہوتی ہے اور ایک چھجہ گنبد کے چاروں طرف ہے جس سے چار فیٹ چھت سے
اطراف ایک نہایت خوش نما اور آراستہ منڈیر ہے۔ گنبد سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے
مگر اُس کے اوپر پلاستر کر دیا گیا ہے جس پر وقتاً فوقتاً سفیدی ہوتی رہتی ہے۔ اگرچہ مقبرے
کی چھت پست ہے لیکن بہت خوب صورت اور خوش وضع ہے خوشنما چار دیواری سے
گھری ہوئی ہے۔ قبر سنگ مرمر کی (۷ فٹ لمبی - ۴ فٹ چوڑی - ۱۸ انچ اونچی) بالکل

سادی سودی ہے۔ قبر کے سراہنے سنگ سرخ کا ایک طاق دو فیٹ اونچا ہے۔ گنبد کے دروازے کی پیشانی پر سنگ مرمر کی ایک بڑی تختی پر بخط نسخ و طغری چار سطر کا یہ کتبہ ہے جو بہت پیچیدہ ہے اور بمشکل پڑھا جاتا ہے:۔

(پہلی سطر) بسم اللہ الرحمن الرحیم وظیفہ حمد و دعائیکہ مجاوران حظیرۂ
قدس و ساکنان روضہ اش بآن قیام نمایند نثار خلا و تد
کہ مقربان درگاہ او دنیا و آخرت را فدائے راہ او نمودہ
و نقد جان و دل پیکر این گل را صرف بارگاہ او

(دوسری سطر) فرمودہ و درود وافر و تحیات متکاثرہ بہ مشہد معظم
و حظیرۂ منور شفیع روز محشر و آل اصحاب اطہر و واصل
و متواصل باد و بحضرت موفق الخیرات و مبشر البرکات
توفیق ازلی را رفیق حضرت ہدایت مرتبت صفوت محمد علی حسنی مشرب

(تیسری سطر) حسنی نسبت عمدہ سادات عظام خلاصۂ اتقیاے کرام
عیسی عالم تجرید موسی کوہ عزلت و تفرید المؤید من عند اللہ
الغنی قطب الملۃ والطریقۃ سید حسنی الحسینی گردانید
تا این بقعۂ شریف و منزل لطیف را احداث نمودہ وصیت
فرمود کہ چون

(چوتھی سطر) مدت کے اندک قیامت بپیوندد باد لبسم اللہ و بتشریف
ادخلوها بسلام آمنین مشرف گردیدہ بسوی حظیرۂ
قدس و روضۂ انس پرواز نماید مقبرہ فایض الانوار
حضرت این بقعہ نامد ۲ رفرمان باتمام اتمام هذہ البقعۃ
فی شہور سنہ اربع و اربعین و تسعمائۃ ۔
۹۴۴ھ

آہنی ستون یا لوہے کی لاٹ اس مشہور آہنی ستون کو جسے لوہے کی لاٹ کہتے ہیں اس کو مشہور تسپ راجہ دھاوا ایک معروف شخص سے منسوب کرتے ہیں۔ اس کی اصلی حقیقت بھی زمانے کی تاریکی میں نظر



نہیں آتی اور اس کے متعلق روایات بھی ایسی ہی گڑھی ہیں جیسے کہ اس بانی کا تشخص عموماً کہا جاتا ہے کہ یہ ستون راجہ اننگ پال اول کا بنایا ہوا ہے جو رای پتھورا کے مندر میں استادہ کیا گیا تھا۔ جب اس مندر کو توڑ تاڑ کر قطب الدین ایبک نے مسجد بنا لیا تو اس ستون کو جہاں پہلے سے کھڑا تھا وہیں چھوڑ دیا لیکن روایت یا درایت کسی سے بھی اس کے بانی یا غرض بنا پر روشنی نہیں پڑتی۔ ڈاکٹر بھاؤ داجی کا خیال ہے کہ یہ ستون جس پر دہاوا کا کتبہ کھدا ہوا ہے اپنی اصلی جگہ پر برقرار نہیں ہے بلکہ وہ کسی وشنو کے مندر میں تھا۔ یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے کہ وشنو کا مندر اور وشنو پاڑ اگری کہاں واقع تھے۔ اگرچہ مسجد قوت الاسلام میں اب بھی دسویں اور گیارھویں صدی کے جین۔ شیو اور وشنوی مندروں کے پتھر لگے ہوئے موجود ہیں مگر اس ستون کے اس مقام پر کھڑے کیے جانے کی کوئی معقول وجہ یقینی طور پر معلوم نہیں ہوئی۔ یہ ستون مصفا اور مجلی بنائے ہوئے لوہے کا ہے۔ چاند نامی شاعر نے کہا ہے کہ راجہ نے سوہن لوہا منگوا کر گھڑوایا پھر لوہاروں نے اس کا ایک ستون پانچ ہاتھ لمبا بنایا۔ "کانٹو اول پرتھی راج رہا سا"۔

سرسید اسے ڈھلے ہوئے لوہے کا لکھتے ہیں۔ لیکن اکثر سیاحوں اور دیگر اصحاب نے اس ستون کو پنچ رسی دھات کا کہا ہے جو پیتل۔ تانبا۔ اور دوسرے مرکب اجزا سے بنا ہے۔ جیکوے مانٹ (Jackquemont) اس ستون کو نرم لوہے کا بتلاتا ہے۔ ڈاکٹر مرے طامسن جنہوں نے جنرل کننگھم کی خواہش پر اس کے ایک ٹکڑے کی کیمیائی تجزی کی تھی وہ کہتے ہیں کہ یہ ستون صرف نرم لوہے کا نہیں ہے بلکہ یہ مختلف چند دھاتوں سے بنا ہے۔ جو گھڑا جا سکتا ہے اور جس کا ثقل مختص Specific gravity ۷٫۶۶ ہے۔ لیکن ڈاکٹر بھاؤ جی کو اصرار ہے کہ اس ستون میں لوہا مطلق نہیں ہے بلکہ یہ مختلف دھاتوں کا مرکب ہے۔ اس ستون کی ٹھیک بلندی ۲۳ فٹ۔ ۸ انچ ہے۔ موجودہ چبوترا بننے کے پیشتر ۲۲½ فیٹ کے قریب اوپر تھا اور قریب چودہ ۱۴ انچ کے زمین کے اندر گڑا ہوا تھا۔ ستون کی جڑ نے قاعدہ لٹو کی شکل ہے جو چھوٹی چھوٹی آہنی سلاخوں پر ٹکی ہوئی ہے اور ستون کو سیسے سے پتھر میں جما دیا گیا ہے۔ ستون کی برجی نما چوٹی

۱۳ ۱/۲ فیٹ لمبی ہے اور صاف حصہ ستون کا ۱۵ فیٹ لمبا ہے۔ باقی حصہ بن گھڑا ہے جس کے جوڑ بھی اچھی طرح سے پیوست نہیں کیئے گئے۔ ستون کے حصۂ اسفل کا قطر ۱۶٫۴ انچ ہے اور بالائی حصے کا قطر ۱۲٫۰۵ — اس ستون پر لوگوں نے گولیاں بھی چلائی ہیں اور دو نشان توپ کے گولوں کے بھی موجود ہیں جو ستون کے پہلو کو چاٹتے ہوئے نکل گئے ہیں مگر ستون کے درمیانی حصے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس ستون کے متعلق بہت سی روایات زبان زد خاص و عام ہیں۔ جنرل کننگھم نے جو قول کچھ ٹھور ٹھکانے کے تھے سب اکٹھے کر لیئے ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں یہ ستون اننگ پال کا بنوایا ہوا ہے جو ڈھیلان پور کے نام سے مشہور تھا اور تنوار خاندان کا بانی تھا۔ راجہ اننگ پال سے کسی بزرگ برہمن نے وعدہ کیا تھا کہ اگر یہ کھم اچھی طرح شیش ناگ (جس کے پھن پر دنیا ٹکی ہوئی ہے) کے سر پر مضبوط طور پر گاڑ دیا جائیگا تو جس طرح یہ ستون اٹل رہے گا اسی طرح تیری سلطنت بھی ابدقرار رہے گی یہ ستون تو گڑ گیا لیکن راجہ کے دل میں کھدبدی لگ رہی تھی اور اس کو اس بات کا یقین نہ آیا اور دل میں کہا کہ لاؤ برہمن کی بات کو آزما کر تو دیکھیں چنانچہ اس نے اس ستون کو اکھڑوا دیا تو یہ بات عجیب و غریب دیکھ کر اس کے ہوش و حواس باختہ ہو گئے اس ستون کی جڑ ساری خون سے بھری ہوئی تھی کیا یہ تو برہمن کی بات سچ تھی۔ یہ ستون سانپ کے سر پر گڑا ہوا تھا اور یہ خون اسی کا ہے۔ راجہ گھبرایا اور کہا کہ جو نہ ہونا تھا سو ہوا خیر اب کسی نہ کسی طرح اسے پھر جوں کا توں گاڑ دو۔ پھر ہزار کوشش کی مگر ستون کو نہ جمنا تھا نہ جما۔ زمین میں وہ اچھی طرح نہ پھنسا اور سوراخ میں ڈھیلا رہا۔ وہ جو سانپ تھا جس کا سر ستون کے بوجھ سے دبا ہوا تھا وہ چلتا ہوا۔ یعنی زیر جا چکا ہے سانپ تو پیٹا لکیر۔ چنانچہ دوہا مشہور ہے:—

کلی تو ڈھلی بھئی ۔ تنوار بھیا مت ہین

یعنی ستون تو ہو گیا ڈھیلا اور تنوار خاندان کی مراد پوری ہو لی۔ اسی حکایت کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ چاند نامی شاعر نے تو اس پر ایک کتاب ہی لکھ ڈالی جس کا نام پرتھی راج راسا و باب کلی ڈھلی کتھا ہے۔ اس نے بھی کچھ ایسا ہی قصہ لکھا ہے جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ وہ اس واقعے کو راجہ اننگ پال

دوم سے منسوب کرتا ہے - ریاست گوالیار کا کھڑگ بھاٹ اس واقعہ کا سال ۷۳۶ھ سنہ ۶ء بتلاتا ہے اور سر سید رای پتھورا خاندان ہنود کے آخری راجہ کے زمانے میں اس امر کا وقوع کہتے ہیں مسٹر وصیل اس ستون کو پانڈو راجاؤں کا کہتے ہیں - بقول چاند اننگ پال ثانی نے ایک بیاس بزرگ بیاس نامی سے اپنے پوتے کی پیدائش کی نیک ساعت دریافت کی - اُس نے کہا کہ "یہ ساعت بہت نیک ہے - تمہارے راج کو زوال نہیں جس کی جڑ شیش ناگ کے پھن پر گڑی ہوئی ہے" - لیکن راجہ کو ویاس کی بات کا یقین نہ آیا - تب ویاس نے اپنی بات کی تصدیق یوں کرائی کہ ایک لوہے کی سلاخ لی اور اُسے ساٹھ اُنگل زمین میں یہاں تک دھنسایا کہ وہ سانپ کے پھن تک جا پہنچی تب اُس نے سلاخ کو نکالا اور راجہ کو دکھلایا کہ لو دیکھو اس کا سرا اسی شیش ناگ کے خون سے بھرا ہوا ہے یا نہیں - تب بیاس نے راجہ سے کہا کہ تو نے میری بات نہ مانی - اب کیا ہو سکتا ہے - تیرا راج اس سلاخ کی طرح ڈگمگا گیا ہے یعنی متزلزل ہو گیا اور یہ دوہا کہا :-

بیاس جگ جوتی یوں بولا یہ باتیں ہونے والی ہیں[1]

تمہارے تب چوہان اور تھوڑے دنوں میں ترک

کلکتہ جرنل میں ایک شخص نے جو تراسی برس ہوئے آئے کہ دلی گیا تھا ایک مضمون لکھا تھا کہ مقامی لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ ستون کے برباد کرنے کی دو مرتبہ کوشش کی گئی - نادر شاہ کا حکم نادری اس کو کھود کر پھینک دینے کا ہوا - لیکن مزدور کام نہ کر سکے - سانپ نے اپنا پھن ہلانا شروع کیا جس کی وجہ سے ایک سخت زلزلہ بھی آیا - دوسرے دفعے میں مرہٹوں نے اس پر ایک بھاری توپ لگا دی لیکن اُس سے بھی کچھ نہ ہو سکا سوائے اس کے کہ گولے کا تو ایک نشان پڑ گیا - یہ لوہے کی لاٹ بناوٹ کے لحاظ سے تو کوئی عجیب و غریب یا قابل قدر چیز نہیں ہے - اس پر کا کتبہ البتہ قابل قدر ضرور ہے - اُن کتبوں میں سے جو اس پر کھدے ہوئے ہیں یہ بات تعجب کی ہے کہ جو کتبہ سب سے پرانا ہے وہی سب سے زیادہ صاف اور واضح ہے - بعض لوگ اس کتبے کو چھٹی عیسوی

[1] یہ دوہا اصل نہیں ہے بلکہ ترجمہ ہے - ۱۲

صدی کا کہتے ہیں ۔ سنہ ۱۸۲۷ء میں کپتان آرچر ۔ لارڈ کامبرمیر کے ساتھ ممالک مغربی وشمالی کے دورے کو آئے تھے تو اُنھوں نے اس کتبے کو دیکھ کے کہا کہ وہ ایسے قدیم خط میں ہے کہ اُسے کوئی پڑھ ہی نہیں سکتا ۔ سنہ ۱۸۴۳ء میں لفٹنٹ ولیم الیٹ نے بشپ کالج کے ڈاکٹر مل کے لیے اس کتبے کا چربہ اُتارا تھا لیکن وہ کچھ ایسا بے ڈھنگا اُترا کہ ایک لفظ بھی پڑھا نہ گیا ۔ چار برس بعد کرنل برٹ نامی Col: Burt نے جو بنگال کے ایک انجینیر تھے اُنھوں نے البتہ اس بارے میں کچھ کامیابی حاصل کی اور ہمارے سب سے بڑے ماہر فن آثار قدیمہ مسٹر جیمس پرنسپ James Princep نے اصلی کتبے کو من وعن اُتارا اور زمانۂ حال کی مروجہ ناگری اور انگریزی میں ترجمہ کر کے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جرنل میں چھپوا دیا ۔ لیکن مسٹر پرنسپ کے ترجمے پر بمبئی کے مشہور اور نامور ڈاکٹر بھاؤ داجی نے بڑی حرف گیری کی ہے اور ۱۳ اپریل سنہ ۱۸۷۱ء کو اسی سوسائٹی میں ایک بڑا فاضلانہ مضمون پڑھا ۔ اس کتبے کا خط قدیم زمانے کی ناگری ہے ۔ جس کا زمانہ پرنسپ اور جنرل کننگھم صاحبان تیسری یا چوتھی صدی قرار دیتے ہیں مگر مسٹر ایڈورڈ طامسن طرز تحریر کے لحاظ سے اس کو اس سے بھی زیادہ پرانا خیال کرتے ہیں ۔ جنرل صاحب اس تحریر کو گُپتا کے زمانے کے خط تحریر کے مماثل بتلاتے ہیں لیکن ڈاکٹر بھاؤ داجی جن کی رائے سے دلی کے علمائے سنسکرت متفق ہیں اس کو گُپتا کے زمانے کے بعد کی تحریر قرار دیتے ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ لفظوں کے اوپر ماترے دینے کا رواج گُپتاؤں کے زمانے کے بعد دیکھا گیا ہے ۔ اس کتبے کی روش کتابت مان کھاڑی کے اُن دو کتبات سے زیادہ ملتی جلتی ہے جو ملک بہار کے دو پہاڑی غاروں پر ہیں یعنی اننتا ورم کے غار جونا گر جونا اور بارابار ایں ہیں ۔ مسٹر سٹیفن صاحب طرز کتابت اور نشست الفاظ کے لحاظ سے اس کتبے کو عیسوی پانچویں صدی کے آخر یا چھٹی صدی کے شروع کا قرار دیتے ہیں ۔ پنڈت بانکے رائے صاحب دہلوی بھی ایک بڑی اتھارٹی (مستند) ہیں اُنھوں نے بھی اس ستون کی بابت یہی لکھا ہے جو ہم لکھ آئے ۔ اُنھوں نے جو کچھ مزید روشنی ڈالی ہے اُس کو ہم ناظرین کے ملاحظے کے لیے لکھے دیتے ہیں کہ گوش زدہ اثرے دارد ۔ یہ ستون مہاراج پرتھی راج کے اُجاڑ مندر کے بیچوں بیچ میں اکیلا کھڑا ہوا اپنی عظمت اور شان وشوکت دکھا رہا ہے ۔ اُس کے کتبے کا

عجیب وغریب خط اُس کی اُس نے شمار قدامت کو بتلاتا ہے جو اس کے بانی راجہ چندر گپت پسر راجہ سمدر اگپت وپدر راجہ کمار گپت کے زمانے کو گزرا۔ چندر گپت ایک بڑا اجری راجہ ایک بڑے خاندان کا شخص تھا۔ ہندوستان اور دوسرے راجہ اُس کے تابع فرمان تھے اور وہی سب کا سردھرا تھا۔ راجہ وشنو کا پیرو تھا اُس نے پانچویں صدی کے اوائل میں یہ ستون سری وشنو کا جھنڈا چڑھانے کو لوہے کا ڈھلوایا وباوجود اس قدر زمانہ مدید گزرنے کے موسمی اثرات سے محفوظ اور جوں کا توں کھڑا ہے اس کا بڑا بھاری وزن اس کی گولائی اور موزونیت۔ اس کے یہاں لانے اور کھڑے کرنے کی زحمت اور وہ مشینیں جن کے ذریعے سے اتنی بھاری لاٹ یہاں کھڑی کر دی گئی انسان کو تعجب اور محوحیرت بنا دیتی ہے۔ کتبے میں بانی کا نام "چندرا" ہے جس کا چہرا چاند کی طرح چمکتا تھا۔ چندرا سے مراد چندر گپت ثانی ہے۔ یہ بات ہم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کتبے کی طرز کتابت بالکل اس راجہ کے عہد کی تحریر سے ملتی جلتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ چندر گپت ثانی ہی وشنو کا بڑا پجاری تھا اور یہ لاٹ بھی وشنو کے مندر کی ہے۔ چندر کے ساتھ گپت کا لفظ محض نظم کی رعایت سے چھوڑ دیا گیا ہے جیسے رام چندر کو رام اور بھیم سین کو بھیم بطور اختصار کہہ دیا کرتے ہیں۔ کتبے میں لکھا ہے کہ یہ ستون وشنوپارا کے پہاڑ پر گاڑا گیا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہاں اب یہ ستون گڑا ہوا ہے اسی کا نام

سلہ گپتا خاندان کا زمانہ ۳۲۰–۵۲۸ء تک رہا ہے۔ چندر گپت اول ۳۲۰ء اور سمدر اگپت ۳۳۰ء اور چندر گپت ثانی جس کو بکرماجیت بھی کہتے تھے اور جس نے مالوہ اور اُجین کو فتح کیا تھا اور سمت جو چلا ہے وہ بھی اسی کا ہے اس نے ۳۷۵–۳۹۵ء تک راج کیا اور ۴۱۳ء میں اس کا بیٹا کمار گپت اپنے باپ کی جگہ جانشین ہوا۔ عام طور پر جو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سمت بکرمی ۵۶ ق۔م کسی راجہ سے جو بکرماجیت یا راجہ بکرم اُجین کا تھا متعلق ہے یہ بات غلط ہے اُس زمانے میں اس نام کا کوئی راجہ ہی نہ تھا اس میں شک نہیں کہ سب سے پہلے مالوے میں اس سمت نے رواج پایا اور غالباً اُجین کے نجومیوں کا نکالا ہوا ہے چنانچہ پہلے اس کا نام مالوہ سمت تھا۔ یہ وکرم کال کی اصطلاح سے جو بعد میں رواج پایا و بکرماجیت کے نام کے کئی راجہ گزرے ہیں اُن میں سے کسی ایک سے متعلق ہوگا جو سمت کا بانی سمجھا جاتا ہے لیکن وہ دراصل چندر گپت دوم کا تھا جس نے ۳۹۰ء میں اُجین کو فتح کیا تھا اور اُسی وقت سمت گپتا اور سکے کے نام بدل کر وکرمی اور سالیوہن علی الترتیب قرار پا گئے (از تاریخ ہند مصنفہ ونسنٹ سمتھ صفحہ ۱۹۰ و ۲۸۶) (نوٹ (۲) بر صفحہ آئندہ)

وِشنو پاد تھا۔ دوسرے لوگ ناقل ہیں کہ نہیں یہ ستون متھرا سے لایا گیا ہے۔ پنڈت جی ایک تیسری بات کہتے ہیں کہ اُن کی رائے میں گیا کی ایک بڑی تیرتھ گاہ سے لایا گیا تھا کیونکہ وہاں وشنو پاد کے نام کا ایک پہاڑ الی یوسنا ہذا موجود ہے۔ بڑی خرابی یہ آن پڑی ہے کہ کتبے میں کوئی سن ہی نہیں تو ساری باتیں محض قیاسی ہی ٹھیرتی ہیں۔ اب جو کچھ بھی کہنا سننا ہے اُس کا دارمدار طرز کتابت پر ہے اور اسی پر سے چندر گپت ثانی پر بات آن ٹھیری جس کا زمانہ سمت بکرماجیت (۴۷۰) ہوتا ہے۔ اور اس کتبے سے ہی پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ لاٹ تو چندر گپت نے بنوا کر کھڑی کرائی لیکن یہ کتبہ اُس کی وفات کے بعد غالباً اُس کے بیٹے کمار گپت نے کندہ کرایا۔ کتبے کی پہلی سطر کا خط دوسری سطروں سے بہت خفی ہے۔ اس

نوٹ صفحہ گذشتہ

۵ اس آہنی ستون کو کہیں اور سے لا کر سطح زمین پر کھڑا کر دینا بلحاظ اُن غیر معمولی واقعات کے جو دوسری جگہ ہو چکے ہیں مجھ کو تو کچھ بھی تعجب نہیں معلوم دیتا۔ بیجاپور کی مشہور توپ "ملک میدان" جس کے دہانے میں آدمی بیٹھ کر پگڑی باندھ لیتا ہے اور جس کا وزن چالیس ٹن ہے سنہ ۹۵۶ھ (۱۵۴۹ء) میں بنی احمد نگر میں ڈھالی گئی۔ سے پرینڈہ کو لائی گئی جو (۵۰) میل کا فاصلہ ہے برج پر چڑھائی گئی خیر یہاں تک تو بھی غنیمت تھا۔ اس زمانے میں پختہ سڑکیں تھیں نہ پل تھے اتنی بڑی بھاری توپ کو کنکوے کی طرح اُڑا لے گئے۔ پھر سنہ ۱۰۴۲ھ میں سو میل کی مسافت طے کر کے بیجاپور لائی گئی اور وہاں کے سب سے اونچے شرزہ برج پر ۵ صفر سنہ ۱۰۴۲ھ کو چڑھائی گئی۔ ہم کو حیرت ہے کہ اُس زمانے میں جر ثقیل کے آلے تھے نہ بڑے بڑے کرین تو اتنی بھاری توپ سینکڑوں کوس کچے رستوں ندی نالوں میں احمد نگر سے پرینڈہ اور پرینڈہ سے بیجاپور اور بیجاپور سے مشہور رنگ تالی کوٹہ میں سنہ ۹۷۲ھ میں بڑے بڑے دریا بھیما اور کشنا عبور کر کے کیسے گئی ہو گی اور پھر کس وقت سے بیجاپور واپس لائی گئی ہو گی۔ قلعہ پرینڈہ کے عالی شان برج پر اس کا چڑھانا اور اتارنا اور نیز بیجاپور کے اُس برج پر جو سب سے بلند ہے چڑھانا اُتارنا اور پھر چڑھانا درحقیقت انھیں لوگوں کی ہمت اور حوصلے کا اقتضا تھا۔ اسی طرح قلعہ رائچور کی فصیل میں ایک بڑا بھاری پتھر جو ۴۲ فٹ ۵ انچ لمبا اور تین فٹ چوڑا ہے سنہ ۹۶۳ھ میں چڑھایا گیا کیونکر چڑھا ہو گا۔ دور کیوں جائیے خود دلی میں فیروز شاہ کے کوٹلے میں پتھر کی ایسی بھاری لاٹ اتنی دور موضع ٹوپرہ سے جو (۱۲۵) میل کا فاصلہ ہے کیونکر لائی گئی ہو گی اور اتنی اونچائی پر سنہ ۷۵۶ھ (۱۳۵۶ء) میں کیسے کھڑی کی گئی ہو گی اور ٹوٹی کیوں نہیں۔ ۱۲

کتبے کا چربہ پہلے پہل سٹرٹ نے اپنی کتاب اکس کرژن (Excursions) میں دیا ہے جو اب دستیاب نہیں ہوتی - سرسید نے آثار الصنادید کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ سنہ ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء میں بھی اس کی نقل اور ترجمہ دیا ہے - پنڈت بانکے رام صاحب دہلوی نے بھی ایک ترجمہ کیا ہے جو لاٹ کے سامنے والی دیوار میں سنگ مرمر کی تختیوں پر ناگری - اردو - انگریزی زبانوں میں الگ الگ لگا دیا گیا ہے - کار سٹیفن صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹ - پر یہ چربہ دیا ہے - اور صفحہ ۲۰ پر پرنسپ صاحب کا ترجمہ اور صفحہ ۲۱ پر ڈاکٹر بھاؤ جی کا ترجمہ - چربہ میں نے اس واسطے نہیں اُتروایا کہ بے کار ہے - پڑھ کون سکے گا ناگری خط میں اُس کی نقل ناگری داں پڑھ لینگے وہ یہ ہے - ناظرین سب ترجمے دیکھ لینگے اور اپنی جگہ فیصلہ کر لیں کہ کونسا ترجمہ دل لگتا ہے -

کتبہ بزبان سنسکرت

यस्योद्वर्तयत: प्रतीप मुरसा शत्रून्समेत्यागता। न्वङ्गेष्व
हववर्तिनोभिलिखिता खड्गेन कीर्तिर्भुजे ।१। तीर्त्वा सप्त
मुखानियेन समरे सिन्धोर्जिता वाल्हिका। यस्याद्याप्यधि वास्यते जलनिधि
र्वीर्यानिलैर्दक्षिणः ।२। खिन्नस्येव विसृज्य गां नरपतेर्गामाश्रितस्येतरां ।
मूर्त्या कर्मजितावनीं गतवतः कीर्त्या स्थितस्य क्षितौ ।३। शान्तस्येव महा
वने हुतभुजो यस्य प्रतापो महान्नाद्याप्युत्सृजति प्रणाशितरिपोर्यत्नस्य
शेषः क्षितिम् ।४। प्राप्तेन स्वभुजार्जितञ्च सुचिरं चैकाधिराज्यं क्षितौ
चन्द्राह्वेन समग्रचन्द्र सदृशीं वक्त्रश्रियं बिभ्रता ।५। तेनायं प्रणि
धाय भूमिपतिना भावेन विष्णौ मतिं । प्रांशुर्विष्णुपदे गिरौ भग
वतो विष्णोर्ध्वजः स्थापितः ॥६॥

سرسید کا اردو ترجمہ

(۱) اُس شخص نے کہ جس نے یہ خبر سنی کہ میرے دشمن اچھی سپاہ اور رفیقوں کے ساتھ مجھ سے لڑائی اور مورچے بندی کی طیاری کرتے ہیں ایک آلہ شہرت کا کھدوایا جس طرح کہ اُس کی تلوار اعضائے دشمنوں پر جو شخص کہ مالک سات سلطنت کا تھا اُس نے دریائے سندھ سے عبور کرکے سندھیوں کی قوم وہلیکار کو دبالیا اُس کی باقاعدہ فوج اور گھاتیں جو بطرف جنوب اُس دریا کے تھیں اس زمانے میں بھی پاکیزگی کے ساتھ یاد ہیں۔

(۲) جس طرح کہ شیر ایک شکار چھوڑ کر دوسرا شکار پکڑتا ہے اسی طرح اُس نے اس دنیا کو چھوڑ کر اُس عالم پر قبضہ کیا یعنی مرگیا مگر اُس کی ناموری اب تک بھی زمین پر بسبب اُس کے پہلے کاموں کی شہرت کے اگرچہ وہ اب مرگیا ہے لیکن اُس کے ہتھیار کرنے کی طاقت جو دشمنوں کا تباہ کرنے والا تھا اب تک عالم میں باقی ہے۔

(۳) اُس شخص نے جس نے بوسیلۂ اپنی تلوار کی مدد تک زمین کی بادشاہت کی اور اُس نے اپنے میں سورج اور چاند کی خاصیتیں اکٹھی کی تھیں اور اُس کے چہرے کی خوب صورتی مثل پورے چاند کے تھی اُسی راجا دہاوا کا جس نے اپنا سر جھکایا پاؤں وشنوں میں اور لگایا اپنا دل اُسی وشنو پر تھا یہ اونچا ہتھیار یعنی لاٹھ وشنوں کے نام پر جو قابل پرستش کے ہے بنایا ہوا دہاوا کا

ڈاکٹر پرنسپ کے انگریزی ترجمے کی اردو

پہلا اسلوک۔ اُس نے جس سے اپنے دشمنوں کی اُن کی خندقوں میں جنگی طیاریاں سن کر اپنی بہتر...

سلہ ترجمے کی مشکلات ارباب نظر پر مخفی نہیں۔ ترجمے میں اصلی زبان کا لطف قایم رکھنا بڑا مشکل کام ہے۔ اور یہ تو ترجمہ در ترجمہ ہوا۔ پرنسپ صاحب اور بھاؤ داجی صاحب نے اصلی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کیا اور پھر دونوں اپنی اپنی جگہ صحت کے دعوی دار اور پھر ایک دوسرے پر معترض اور مطلب میں آسمان زمین کا فرق اور میں بے چارہ جو کسی شمار قطار میں نہیں

انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر رہا ہوں
میری شرم خدا ہی کے ہاتھ ہے۔ اصلی زبان
سے میں نابلد خدا جانے کیا کا کیا ہو جائے بہرحال
میں نے تو یہی کوشش کی ہے کہ انگریزی سے اردو ترجمے میں کوئی نقص نہ آ جائے ۱۲

سپاہ اور سعادتمندین کے ساتھ ایک شہرت کی یادگار (یا بازو) اپنی تلوار سے
اُن کے بازوؤں پر منقوش کر دیا وہ جو مالک سات استفادوں کا مالک
تھا (اسی طرح جیسے کہ گورنمنٹ کے سات بازو ہوتے ہیں) [دریائے
سندھ ؟] - کو عبور کر کے سندھ کے واہلیکون کو ایسا سطیع کر دیا کہ تا یوسناہذا
بھی اُس کی آراستہ افواج اور حفاظت کا اُس جانب جنوب (دریا) کی بھی وہ
مقدسانہ تعظیم کرتے ہیں -

دوسرا سلوک وہ جس نے جس طرح کہ شیر ایک جانور کو دبوچتا ہے اور دوسرے
کو چھوڑتا ہے اس دنیا کو چھوڑنے کے بعد اُس دنیا میں اپنی جگہ پیدا کر لی - جس کا
ذاتی وجود اب تک پردۂ دنیا پر بوجہ اُس کے کارہائے (سابقہ) کے اب تک
باقی ہے جس کی قوت بازو اب بھی اگرچہ (کہ وہ) اب آرام میں ہے - (متوفی)
اور اُس کی جبروت کا کچھ حصہ جو دشمنوں کا بیخ کن تھا اب بھی زمین سے
ملصق ہے -

تیسرا سلوک - اُس نے جس نے اپنی قوت بازو سے غیر منقسم [illegible] اعلیٰ
پر مدتوں حکم رانی کی ہے وہ (جس میں اوصاف مجتمع تھے) اپنا چاند اور سورج
کے جو چودھویں رات کی طرح حسین تھا - اسی راجہ دہاوا نے جس نے اپنا
سر وشنو کے قدموں پر جھکا دیا تھا اور اپنی لو اُس سے لگا دی تھی - یہ بہت
بلند بازو (ستون) واجب التعظیم وشنو کا بنوایا -

ڈاکٹر بھاؤ داجی کے
انگریزی ترجمے کی اُردو

وہ جس کے دست قدرت پر شان و عظمت
تلوار (کی نوک) سے منقوش ہے جب اُس نے
علی التواتر اپنے مجتمع دشمنوں کے میدان
جنگ میں (متعلقہ وانگاس (بنگال ؟) [illegible]
پھیر دیئے جس نے راجہ کے ساتھ دا [illegible] کو [illegible]

(فٹ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

میں مفتوح کیا جس کی شجاعت کی خوشبو سے نسیم اب تک جنوبی سمندر میں اُٹھی رہتی ہے جس نے دنیا سے (دنی) کو من وجہ سنج (والم) میں چھوڑ کر دوسرے عالم میں (عرش بریں) پر چلا گیا جو وار البخراکو جسمانی شکل میں چلا گیا لیکن اُس کی شہرت اس زمین پر (بدستور) باقی ہے جس نے اپنے نیچے تیغے دشمنوں کو فنا کر دیا جس کی بہادری مثل جنگل کی ایک بڑی بھڑکتی ہوئی آگ کے تھی - (اُس کی بہادری) زمین سے نہیں چلی (مٹ گئی) اور وہ جس نے اپنے قوت بازو سے اس دنیا کی ایک لاثانی سلطنت مدت ہائے دراز تک کی - جس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا - اس خداوند دنیا کا نام "چندرا" تھا جس نے وشنو سے عقیدت رکھنے کی وجہ سے اپنے دل کو مطمئن کر لیا تھا (یعنی صاحب دل تھا) یہ جھنڈے کا کھمبا اُن وشنو کا وشنو پد اگری دو شنو کے نقش قدم کا پہاڑ (تعمیر و استادہ) کیا - ڈاکٹر بھاؤ داجی کہتے ہیں کہ میں نے جو کتبے کی نقل کی ہے اُس کو مسٹر پرنسپ صاحب کی نقل سے مختلف ہے جو اُنھوں نے جرنل میں چھاپی تھی - جس کو اُنھوں نے "دیاونا" پڑھا ہے وہ دراصل "بھاونا" اسی طرح "دھواج" غلط ہے "بھواج" صحیح - اور اسی طرح جسے "چندرا رکتا" پڑھا ہے وہ "چندرا وہنا" ہے - یہ غلطی اس وجہ سے ہوئی ہے کہ حرف "دھا" پر ایک چھانٹا درمیان سے بائیں طرف لگا دینے سے "دھا" ہو جاتا ہے - دیا وا سرے سے کسی راجہ کا نام ہی نہیں ہے جس کو اس ستون کا بانی سمجھا گیا ہے بلکہ اس کا بانی چندر راجہ ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ہے جو نروار راجاؤں کے خاندان میں سے تھا جس کے سکے کا ذکر جنرل صاحب نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل نمبر ۳ بابت ۱۸۶۵ء میں کیا ہے - سکوں میں جن کی تحقیقات کی گئی ہے ایک سکے پر "چندرا" کا نام

لہ کیا یہ بالھیکا ستو راستر کے "ساہ" خاندان کے راجہ تھے؟ جو یقیناً [illegible] میں دریائے سندھ کے کنارے رہتے تھے اور جو ۶۲۶ء یا [illegible] نکالے گئے (دیکھو رائل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل جلد ہشتم صفحہ ۲۸) ابھی یہ بات متحقق نہیں ہے لیکن اگر پایۂ تصدیق کو پہنچ جائے تو یہ گتھی بھی سلجھ جائے - ۱۲

موجود ہی ۔ لیکن جنرل صاحب اس چندرا کو کوئی اور راجہ چندر راگپت خیال کرتے ہیں جو زمانہ مابعد میں ہوا ہی ۔ مگر چندر گپتا خاندان کے کسی راجہ کا سکہ اُس سکے سے جس پر ہم بحث کر رہے ہیں ملتا جلتا نہیں ہی ۔ علاوہ ازیں سکے پر لفظ "چندرا" ہی تو کوئی وجہ نہیں ہی کہ اُس میں گپتا کے لفظ کا بھی انضمام کیا جائے ۔ سرسید اس ستون کو تیسری صدی عیسوی سے بھی پہلے کا بتلاتے ہیں ۔ کتبے کی نسبت اُن کا خیال ہی کہ اس میں سمت نہیں ہی اس وجہ سے وہ ۵۷ ق م سے بھی زیادہ پرانا ہی کیوں کہ بکرماجیتی سمت کا رواج اس وقت سے قرار پا چکا تھا ۔ سرسید کی رای میں ستون کا بانی راجہ "دہاوا" تھا جو یدھشٹر کی اولاد میں تھا اور جس نے ۹۹ ق م میں حکمرانی کی تھی کار سٹیفن صاحب کی رای میں ڈاکٹر بھاؤ داجی ایک بڑے ماہر علم السنہ کے ہیں اُن کی رای زیادہ بھروسے کے قابل ہی کہ کتبے کی روشن تحریر گپتا راجاؤں کے مابعد کے زمانے کی ہی اور دہلی کے تمام ذی علم اہل ہنود اور مسٹر ایڈورڈ طامس کا بھی اسی طرف رجحان ہی ۔

اس ستون پر اس بڑے کتبے کے سوا اور بھی چھوٹے موٹے کتبے کثرت سے ہیں جن میں سے کوئی بھی وقیع نہیں پھر بھی ہم لکھے دیتے ہیں (۱) "انگ پال دوم سمت دہلی ۱۱۰۹ انگ پال بھائی" یعنی سمت ۱۱۰۹ / ۱۰۵۲ء میں انگ پال نے دلی کو آباد کیا ۔ دو کتبے چوہان راجہ چتر سنگھا کے ہیں جو رای پتھورا کے خاندان کا تھا ۔ یہ دونوں سمت ۱۲۲۹ / ۱۱۷۲ء کے ہیں ۔ خود رای پتھورا کا زمانہ سمت ۱۱۵۱ / ۱۰۹۴ء کا ہی ۔ اب حال کا ایک کتبہ چھ سطری بخط ناگری سمت ۱۶۶۷ / ۱۶۱۰ء بندیلہ راجہ چندربری کا ہی جس کے نیچے دو فارسی کے کتبے ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء ۱۱۱۱ھ کے ہیں یہ صرف اُن لوگوں کے نام ہیں جو اس ستون کو دیکھنے آئے تھے ۔ لوگوں کی عادت ہی کہ ایسے مقامات پر خواہ مخواہ اپنا نام لکھ کر اپنا دل خوش کر لیتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ زمانہ ایسا مٹانے والا ہی کہ آج بڑے بڑے راجاؤں اور بادشاہوں کا پتہ نہیں چلتا بیسیوں گنبد لکھو کھا روپے کی لاگت کے کھڑے ہیں لیکن کوئی یہ بھی

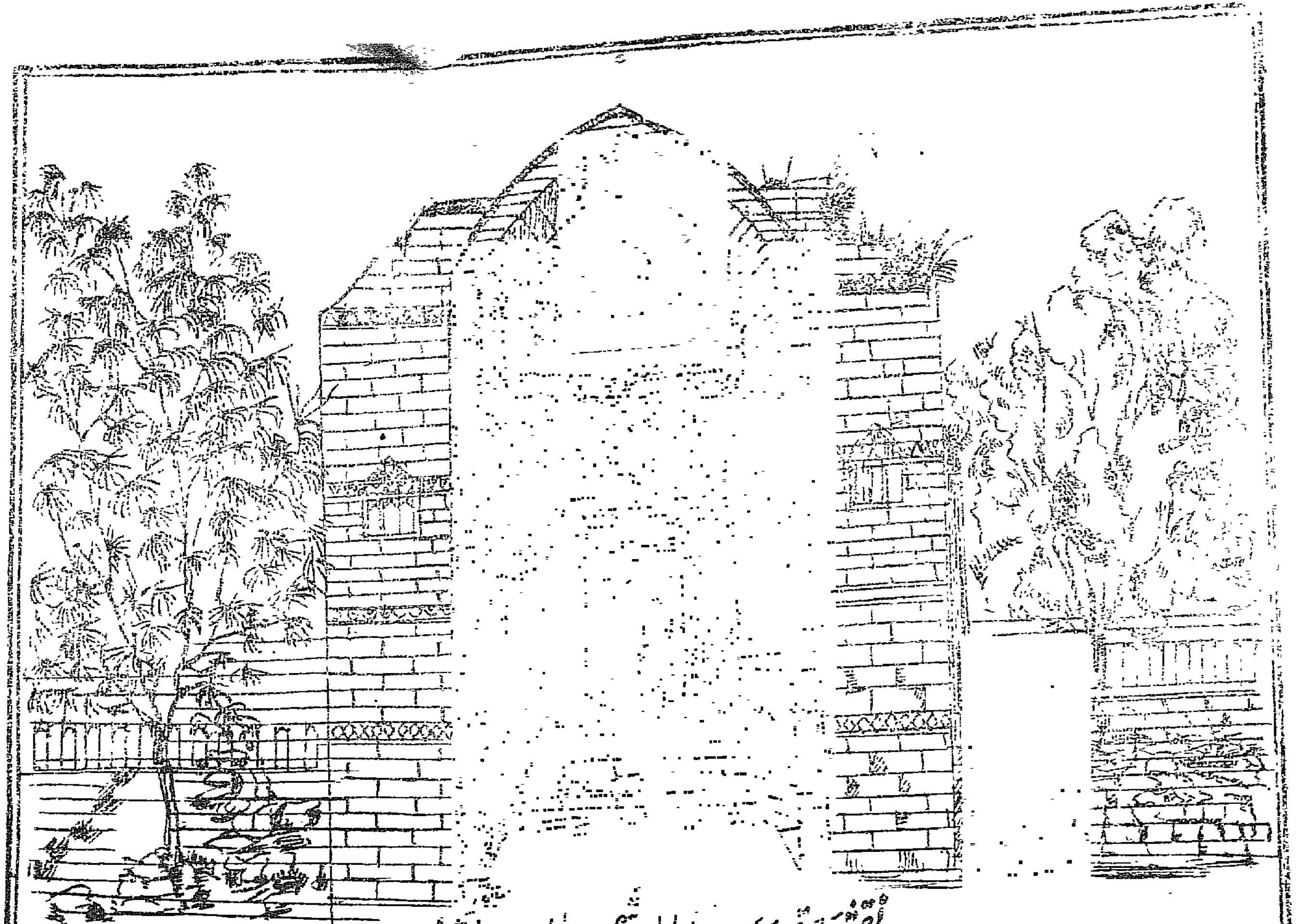
نہیں جانتا کہ کس کے ہیں ۔ ماوشما کس شمار و قطار میں ہیں وہ تو یہ کہو کہ لوہے پر نام باسانی کھد نہیں سکتا ورنہ ساری لاٹ پر آج نام ہی نام نظر آتے ۵

کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہے
کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا کہ جس میں آٹھ پہر
کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

ترجمۂ پنڈت بانکے رای صاحب دہلوی

(وہ راجہ) جس کے بازو پر تلوار نے ناموری نقش کر دی جب کہ ملک ونگ (بنگال) کی لڑائی میں اس نے (اپنی) سینہ زوری سے ان دشمنوں کو تباہ کیا جو جمع ہو کر اس کے مقابلے کو آئے تھے ۔ جس نے سندھ کے سات دہانوں کو عبور کر کے قوم وہلک پر فتح پائی ۔ جس کی شجاعت کی نسیم سے بحر جنوبی آج تک مہک رہا ہے ۔ جس مالک امم نے افسردہ خاطر سا ہو کر دنیا کو چھوڑ سفر آخرت اختیار کیا اور بشخص خود اس (عالم بہشت) کو سدھارا جس کو اس نے اپنے اعمال سے حاصل کیا تھا (مگر) ناموری کے سبب اس عالم میں باقی ہے جس کی اعدا کش طاقت کا اثر ایک بڑے جنگل کی جلی بجھی آگ کی بڑی تیز حرارت کے مانند اب تک زمین پر سے زائل نہیں ہوا ۔ جس نے اپنے بازو سے حاصل کی ہوئی شہنشاہی کو مدتوں قایم رکھا ۔ جس کا نام چندر (اور) جس کے چہرے کا حسن پورے چاند کی مانند ہے ۔ اسی روئے زمین کے مالک (مہاراجہ) نے جو وشنو کا بڑا بھگت تھا ۔ وشنو بھگوان کا یہ بلند نشان وشنو پد پہاڑی پر نصب کیا ۔

(چوتھی صدی اے ڈی) شری یت پنڈت وشنو بیشور ناتھ جی کے بیٹے شری یت پنڈت بانکے رای نزل گوسوامی نے اس لاٹ کے نعتیہ کتابہ کا یہ اردو ترجمہ اس لوح پر لکھا ۔ یکم جنوری ۱۹۰۲ء



نقشہ مقبرۂ سلطان شمس الدین التمش

سلطان شمس الدین التمش کی قبر

سنہ ۶۰۷ – ۶۳۳ھ
۱۲۱۰ – ۱۲۳۵ء

چنین ست آئین باغ جہاں — گہے نوبہارست گاہے خزاں
بہاری کہ خندد لبش در چمن — خورد سیلی فصل دی بر دہن
اگر صبح را جلوہ ہائے نکوست — بلائے غم شام دنبال اوست
ندانی کہ شمع از چہ رو مضطرست — دم صبح با تیغ کین بر سرست

اگر قلعہ داری ز فولاد سخت — کلہ گوشہ ات گر ز گردوں گذشت
چو زیر نگین بود ملک جم — ترا گر ز انجم فزوں شد حشم
بروزیکہ فوج اجل سر کشد — ترا فرصت دم زدن کی دہد
بکارت نیاید ازاں تاج و تخت — بخاک اندر آئی ز اسباب و رخت
غم و شادمانی نماند ولیک — جزائے عمل ماند و نام نیک

کرم پائے دارد نہ دیہیم و تخت
بدہ کز تو ایں ماند اے نیک بخت

خاندان غلامان دہلی کے سب سے بڑے اور نامور بادشاہ شمس الدین التمش نے ۲۰ شعبان سنہ ۶۳۳ھ (۱۲۳۶ء) کو انتقال کیا جو مسجد قوت الاسلام کے باہر شمال ومغربی کونے میں آسودہ ہے۔ سرسید لکھتے ہیں کہ یہ مقبرہ سلطانہ رضیہ کا بنوایا ہوا ہے مگر اس کا کوئی وثیقہ نہیں۔ مسٹر کیمبل اس کے برعکس خود بادشاہ ہی نے اپنی حین حیات اپنا مقبرہ بنوانا لکھتے ہیں۔ کیوں کہ مسجد کے اس حصے کی جو اس بادشاہ نے بنوایا تھا یہ ہو بہو نقل ہے۔ علاوہ بریں سلطان التمش کے جانشینوں کی مدت سلطنت ایسی کونسی لمبی چوڑی اور خالی از تردد وافکارات تھی کہ وہ اتنے بڑے بھاری اور مشکل کام کو اتنا زر خطیر لگا کر کر سکتے۔ جنرل کننگھم صاحب نے گو اس بارے میں کوئی صاف وصریح رائے نہیں دی مگر یہ وہ ضرور کہتے ہیں کہ مسجد اور مقبرہ بنے دونوں ساتھ ہی ساتھ تھے۔ اس مقبرے کا ایک ہی کمرہ اندر سے ۲۹ فٹ مربع ہے۔ دیواروں کا آثار ۷½ فٹ کا ہے اور موجودہ بلندی ۲۸ فٹ۔ مقبرے کے مشرقی شمالی جنوبی تین رخ پر دروازے۔ شمال رخ کا دروازہ پہلے پتھروں سے چن دیا گیا تھا مگر اب صاف کر دیا گیا۔ مغربی دیوار میں تین طاق اسی طرح کے ہیں جیسے کہ مسجدوں میں عموماً ہوتے ہیں۔ بیچ کا طاق ۹ فٹ اونچا اور ۷½ فٹ چوڑا ہے۔ اس کے ادھر ادھر کے طاق ۵ فٹ بلند اور ۲½ فٹ عریض ہیں۔ تینوں دروازے ۱۴ فٹ اونچے اور ۷ فٹ چوڑے ہیں جن کی [illegible]

باہر وار کو ۲۷ فٹ اونچی ۱۱½ فٹ چوڑی اور دو فیٹ عمیق محرابیں ہیں۔ مقبرے کے باہر سنگ خارا
ہے اور اندر سنگ سرخ۔ اندر علاوہ سنگ مرمر کی سلوں کے یوں بھی جا بجا سنگ مرمر
کی تحریر ہے۔ دروازوں میں نیچے سے لے کر اوپر تک طرح بہ طرح کی نقاشی کے علاوہ
کلام مجید کی آیات منقوش ہیں۔ دروازوں کی بیرونی محرابیں جن کا اوپر ذکر آچکا
ہے نہایت بلند اور دیواروں کے اندر تراشی ہوئی ہیں نیچے وار کی محرابیں جو مقبرے
کے داخلی دروازے میں ہیں وہ وسعت میں بیرونی محرابوں سے دو تہائی کم ہیں۔
اندرونی محرابوں کے دونوں طرف نہایت خوب صورت پتلے پتلے نازک
ہشت پہلو ستون لگے ہوئے ہیں اور ان محرابوں پر بھی قرآن شریف کی آیتیں منقوش
ہیں۔ مقبرے کا اندرونی رخ تمام نقش و نگار سے لپا ہوا ہے جس میں بڑی کاریگری
صرف کی گئی ہے۔ مغربی دیوار کے بیچ کا طاق سر بسر سنگ مرمر کا ہے اور نقش و نگار و
آیات قرآنی سے بہت آراستہ اور خوش نما ہے۔ دوسرے طاق نرے سنگ سرخ
کے ہیں۔ مقبرے کے چاروں کونوں میں نہایت خوب صورت دیوار دوز ستون
اسی طرح کے لگے ہوئے ہیں جیسے کہ باہر کی محرابوں میں ہیں۔ قبر سرتاپا سنگ مرمر
کی ہے جو ۱۴ فٹ × ۹ فٹ اور ۳½ فٹ بلند ہے جس کے اوپر اور ایک چبوترا
۱۰ فٹ × ۶ فٹ اور ۳½ فٹ بلند ہے۔ تعویذ ۶ فٹ × ۳ فٹ اور ۱½ فٹ اونچا اور ایسا مجلی اور مصفا ہے کہ جس
میں منہ دکھلائی دیتا ہے۔ جس پر آیات قرآنی نہایت خوش خط بخط طغریٰ منقوش ہیں۔
قبر کا سالم حصہ بشمول چبوترے کے ۷ فٹ بلند ہے۔ فرگسن صاحب کو اس مقبرے
کے مسقف ہونے میں شک ہے وہ لکھتے ہیں کہ یہ مقبرہ بنتے بنتے ادھورا ہی رہ گیا
جنرل کننگھم کی رائے ہے کہ اس پر ہندوانی طرز کی چھت ضرور تھی چنانچہ اب تک بھی
چھت کا ایک پتھر لٹکا ہوا موجود ہے جس پر کچھ الفاظ عربی کے کندہ ہیں۔ مقبرے کی
جنوبی دیوار کا جس قدر بالائی حصہ اب تک باقی ہے اُس کی حالت کے مشاہدے سے
یہ امر بدرجہ یقین کو پہنچتا ہے کہ اس پر چھت ضرور تھی۔ فتوحات فیروزی میں جو عبارت
ذیل فیروز شاہ نے لکھی ہے اُس سے چھت کا ہونا مسلم ہے اور مقبرے کے چاروں کونوں
پر برجیاں بھی تھیں لیکن اب سوائے جنوبی دیوار کے طرف کے نچلے نچلے حصے کے اور
کسی چیز کا پتہ نہیں رہا:۔

"مقبرے کے ستون گر گئے تھے اُن کو میں نے پہلے سے بہتر بنوادیا۔ مقبرے کا صحن پختہ نہ تھا وہ بھی میں نے بنوایا۔ زمین کھود کر جو زینہ نکالا گیا تھا اُسے میں نے بڑھوادیا اور چاروں برجیوں کے ستون پھر سے بنوائے"

فرگسن صاحب پھر لکھتے ہیں کہ "اگرچہ یہ ایک مختصر سی عمارت ہے تاہم اہل اسلام کی اغراض کے لئے ہنود کی اُس صناعی کا جو پرانے قلعے میں ہے ایک قابل قدر اور خوب صورت نمونہ ہے۔ اگرچہ اسلام کے طرز جدید کے اختیار کرنے میں کاریگر بعض بعض جگہ چوک بھی گئے ہیں"

سلطان شمس الدین التمش کے مقبرے کے نیچے تہہ خانہ بھی ہے جس میں اکیس سیڑھیاں اُتر کر جاتے ہیں۔ اصل قبر تہ خانے میں ہے اور اوپر تعویذ ہے۔ مقبرے کے اندر باہر پیش طاق وغیرہ پر کثرت سے قرآنی آیات کھدی ہوئی ہیں۔

جنوبی دروازے پر۔ باہر وار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ الرحمٰن از ابتدا تا فیھما فاکھۃ و نخل و رمان۔ باہر وار۔ ولو انزلنا۔

للہ ما فی السموات وما فی الارض تا ختم سورہ بقر

اندروار۔ ولو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ وتلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتذکرون۔

شمالی دروازے پر باہر وار۔ (۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سورہ نوح تا قال رب انی دعوت قومی لیلا ونھارا۔ (۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سورہ مومنون تا الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خلدون۔

اندروار ولقد خلقنا الانسان من طین وجعلنہ فی قرار مکین تا فاسکنہ فی الارض وانا علی ذھاب بہ لقدرون۔

شرقی دروازے پر باہر وار۔ (۱) بسم اللہ اور سورہ فتح تا وکان ذلک عند اللہ فوزا عظیما۔ (۲) بسم اللہ سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا تا عبدا شکورا۔ (اندروار)

غربی دروازے پر۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل

پیش طاق پر اندروار۔ (۱) نغفر لکم ذنوبکم ویدخلکم جنت تجری من تحتھا الانھار تا ذلک الفوز العظیم۔

(۲) انہ لقرآن کریم فی لوح محفوظ لا یمسہ الا المطہرون تنزیل من رب العالمین۔

(۳) فنادتہ الملیکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب تا من الصلحین

شمال رخ کے چھوٹے طاق پر۔ (۱) ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشہادۃ تا سبحان اللہ عما یصفون۔ الغفور۔ الشکور۔ العلی۔ الکبیر۔ المقیت۔ الحسیب۔ الخلیل۔ الکریم۔ الرحیم۔

(۲) قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء تا انک علی کل شئ قدیر۔

(۳) واولو العلم قائما بالقسط لا الہ الا ھو العزیز الحکیم ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا العلم بغیا بینھم۔۔۔۔۔۔۔

جنوب رخ کے دوسرے چھوٹے طاق پر۔ (۱) اسمائے حسنیٰ الحکیم الودود۔۔۔۔۔ النور الھادی البدیع الباقی الرشید الصبور الخ۔۔۔۔

(۲) ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا ولم یک من المشرکین شاکرا لانعمہ اجتبٰہ وھدٰہ الی صراط مستقیم۔

(۳) کل نفس ذائقۃ الموت وانما توفون اجورکم تا وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور۔

تعویذ قبر پہلا چبوترا۔ نیچے سنگ سرخ اوپر سنگ مرمر کی سلیں۔ ۱۴ف × ۷ف ۹ا بلندی ۲ف۔ دوسرا چبوترا جس میں یکے بعد دیگرے اوپر تلے تین حصے ہیں ۱۰ف ۴ف × ۵ ۱/۲ف۔ بلندی ۱ف ۴ا۔ قبر کے تعویذ کا پہلا حصہ ۸ف ۱۰ا × ۳ف ۱۰ا بلندی ۱ف ۹ا۔

قبر کا دوسرا حصہ ۸ ۱/۲ف × ۳ ۱/۲ف بلندی ۸ا۔

قبر کا تیسرا حصہ ۷ف ۱ا × ۲ف ۵ا بلندی ۱ف ۹ا

اس طرح پانچ چبوترے ہیں۔ کل ارتفاع قبر کا ۷ف ۸ا۔ فرش سنگ خارا کے چوکوں کا ہے۔ اندر سے مقبرہ ۲۵ مربع اوپر جاکر ہشت پہل شکل کا ہے۔ تین طرف دروازے مغرب میں پیش طاق۔

اس امر پر بحث کہ اس قبر پر گنبد تھا یا نہیں بالکل بے سود ہے۔ تھا اور ضرور تھا۔ اب تک بھی اس کی کھلی علامتیں موجود ہیں۔ بلکہ چھت گرنے ہی سے فرش بھی ضائع ہوگیا ورنہ ایسے نفیس مقبرے ہیں اور سنگ خارا کی سلوں کا فرش کیا معنی؟ چھت گرنے سے قبر کو بھی ضرور صدمہ پہونچا ہے جب ہی تو جدید چبوترا بنانا پڑا اور اس کے گرد کتبوں کے

پتھروں کو اوندھا سیدھا جوڑ کر ستیاناس کر دیا۔ اب آپ خود ملاحظہ فرمائیے کہ کیا گت بنی ہے:۔

(۱) وللسابقون السا بقوقلیلہً المتقون فی جنات النعیم ثلثا وللبروقلیلہ ما......
فی ا.....نا کلو و کا ۳۔ (۲) رایقین ولیصلون عنہا ولا نہ فوا فاکلہ مما انہ مما
مائشۃ ھوحور کانال۔
حورعین کامثال
(۳) اللولوء الملکون جزابما کانو لا لیعلمون لیسمعون فیما لغو ولا وبنیما اثی
المکنون جزاءً کانوا x یعلمون لو فیہا لغوا تاثیما
قیلاو سلما سلوما واصحاب الیمین ما اصحاب الیمین۔
قلیلا سلما سلما اصحب

مسجد قوۃ الاسلام کی شکستہ محرابوں پر کے کتبے

مسجد قوۃ الاسلام کی تین سر بفلک محرابیں سلطان التمش کے مقبرے کے سامنے کھڑی ہیں۔ تیسری محراب کا آخری پاکھا گر گیا اور ساتھ ہی اپنا کتبہ بھی لے گیا۔ سرکار کی طرف سے سنگ خارا کا ایک فیل پایہ بنا کر گرتی ہوئی آر چ کو تھام لیا ہے ورنہ وہ بھی دھڑام سے آن پڑتی۔ انہیں کے جوڑ کی سوا چار محرابیں لوہے کی لاٹ کے آس طرف باقی ہیں۔ چار درسالم ہیں پانچویں محراب کا صرف اوپر کا ذرا سا سرا بے سہارے معلق کھڑا ہے۔ یہ ساری محرابیں بنتے بنتے ناتمام رہ گئیں اور اسی طرح ادھوری زیر سما کھڑی ہیں یعنی نہ ان کی کسی قسم کی حفاظت ہے نہ اوپر سایہ غور کیجئے کہ کیسی تو کس مپرسی کی حالت اور اس پر گزرے (۷۰۰) برس اور اتنی ہی برساتیں ان کے سر پر سے گزر گئیں۔ حیرت ہے کہ اتنی بھی اب تک کیسے باقی رہیں۔ یہ محرابیں بہت بلند ہیں اور جتنی بلند عمارت ہوتی ہے اتنی ہی اس کی بقا معرض خطر میں ہوتی ہے لیکن خدا جانے کس بلا کا مال مسالا لگایا ہے کہ صدیوں پر صدیاں گزر گئیں مگر ذرا بھی جنبش نہیں کھائی۔ بناتے وقت کوئی دقیقہ ان کی خوش نمائی کا اٹھا نہیں رکھا گیا۔ ان کے گرد کار پر سر سے پا تک کلام مجید کی آیات نہایت نفاست سے کندہ ہیں۔ کتبات تا بقیری نہیں رہے اول تو کائی جم جم کر ہیئت کذائی بگڑ گئی دوسرے حصہ زیرین کو جہاں تک کہ

ہاتھ پونچا ہے بہت نقصان پونچا ہے۔ جا بجا سے حروف جھڑ گئے ہیں اور بلندی پر نگاہ کام نہیں کرتی۔ بہر حال جو کچھ پڑھا جا سکتا ہے اُس کا قلم بند ہو جانا از بس غنیمت ہے کہ کل کو فنا کے ہاتھوں اس کو بھی بقا نہیں۔

تین بڑی شکستہ محرابوں پر کے کتبے

شمس الدین التمش کے مقبرے کے سامنے جو بہت بڑی تین شکستہ محرابیں کھڑی ہیں اُن پر یہ کتبے ہیں:۔

پہلا پاکھا۔ (۱) کلمہ تھا ٹوٹ گیا۔ (۲) کلمہ۔ (۳) چھوٹے طاق کے اندر قل ھو اللہ۔ (۴) آیۃ الکرسی۔ (۵) باہر کی بڑی لین بسم اللہ و سورہ ملک "تا الیہ النشور"۔

دوسرا پاکھا۔ اندر کا طاق (۱) کلمہ جلی خط سے۔ (۲) کلمہ خفی خط سے۔ (۳) شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملٰئکۃ و اولوا العلم قائماً بالقسط تا لا الہ الا ھو العزیز الحکیم (۴) ما کان محمد ابا احد من رجالکم تا و اعد لھم اجراً کریما۔ (۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ انا فتحنا تا فان تطیعوا یوتکم اللہ اجراً حسناً۔ تیسرا پاکھا تو گر ہی گیا ہے۔

سوا چار محرابوں پر کے کتبے

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم وللہ ملک السموات والارض واللہ علی کل شیء قدیر ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل تا ربنا فاغفر لنا۔ سورہ آل عمران پارہ ۴۔ ۱۰ ع۔

(۲) بسم اللہ اور احادیث ہیں جو برابر پڑھی نہیں جاتیں۔

(۳) تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً وجعل فیھا سراجاً وقمراً منیرا تا والذین اذا انفقوا لم یسرفوا۔ پارہ (۱۹) الفرقان ۴ ع۔

(۴) احادیث۔

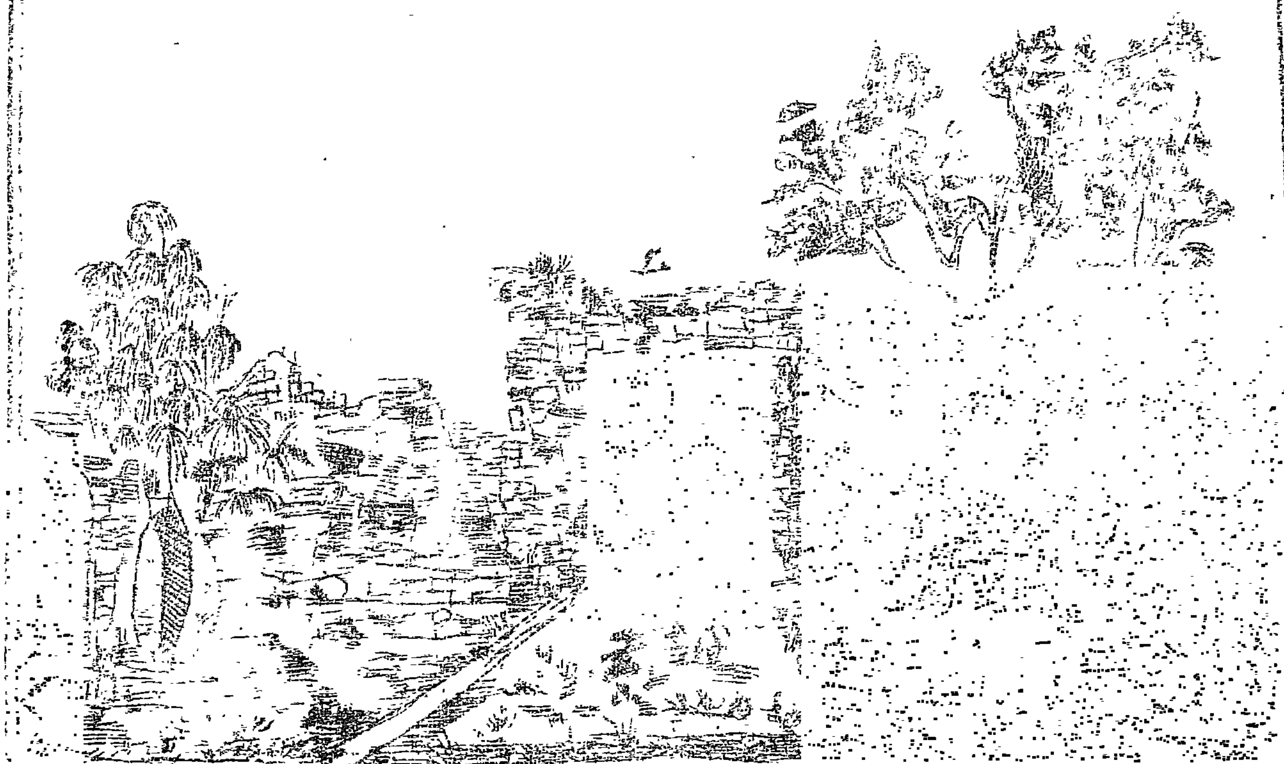
(۵) بسم اللہ۔ سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہ لیلاً تا ثم رددنا لکم الکرۃ (پارہ (۱۵) سورہ بنی اسرائیل ۱ ع)

(۶) پڑھا نہیں جاتا۔

(۷) سورہ فتح پارہ (۲۶) از شروع تا وکان ذلک عند اللہ فوزاً عظیماً۔

(۸) فسبحٰن اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموٰت والارض (آگے ٹوٹ گیا ہے) پارہ (۲۱) سورہ روم ۵ ع۔

(۹) الٓمٓ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم تا ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار۔ پارہ (۳) سورہ آل عمران ع ۹



مسجد　　نقشہ مقبرہ سلطان علاؤ الدین خلجی　　مقبرہ

(۱۰) وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم تا واللہ یحب المحسنین (پارہ (۴) آل عمران ۵ ع)

(۱۱) یا ایھا الذین اٰمنوا ان تطیعوا الذین کفروا یردوکم علی اعقابکم فتنقلبوا خٰسرین بل اللہ مولٰکم۔ (پارہ ۴ سورہ آل عمران ۷ ع۔)

(۱۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام تا وکل شیٔ فصلنٰہ تفصیلا۔ پارہ (۱۵) سورہ بنی اسرائیل ۱ ع۔ موجودہ پاکھوں پر یہی آخری ہے اور اس کے آخر پر فی شہر ۲۰ ذی قعدہ اور سنہ سبع عشر وستمائۃ پڑھا جاتا ہے جو ۶۱۷ھ ہوا اور یہی زمانہ سلطان التمش کا ہے پھر خدا جانے کار سٹیفن صاحب نے ۵۹۴ھ (۱۱۹۷ء) کیسے پڑھا ہے۔

مقبرۂ سلطان علاء الدین خلجی

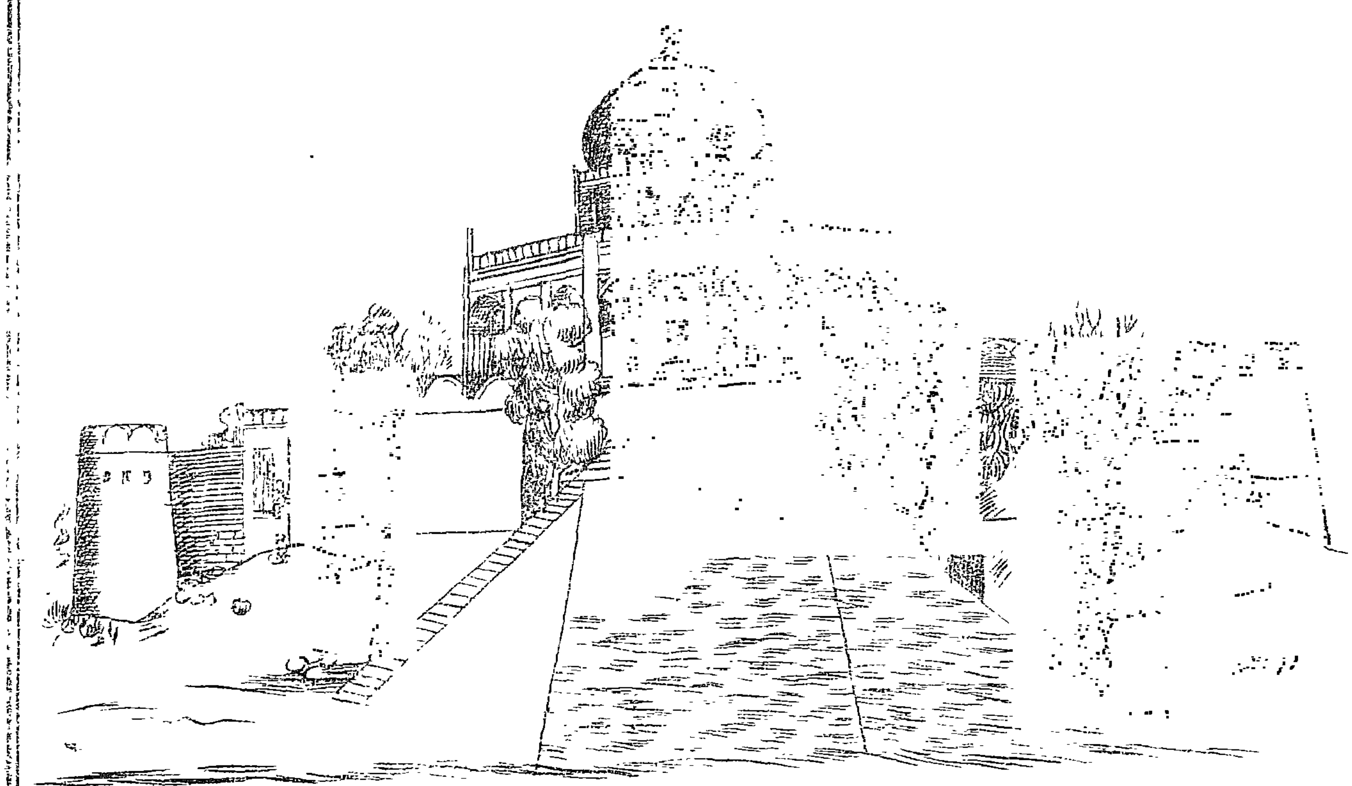
۶۹۵ھ-۷۱۵ھ
۱۲۹۶ء-۱۳۱۶ء

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے

۶-شوال ۷۱۵ھ (۱۳۱۶ء) کی صبح کو علاء الدین خلجی نے انتقال کیا۔ اس کا جنازہ سیری کے لال محل سے برآمد ہو کر جامع مسجد میں دفن کیا گیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں عام روایت کی رو سے اور نیز سرسید کی تحریر کے موافق علاء الدین کا مزار بتلایا جاتا ہے لیکن بگلر صاحب کہتے ہیں کہ "ایک سنگ مرمر کا نہایت عمدہ اور نفیس تعویذ سیری میں پڑا ہے جو امتداد زمانہ اور باہر کھلا پڑے رہنے سے زرد پڑ گیا ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ ایسا بیش قیمت اور بہتر تعویذ کس کی قبر کا ہے عجب نہیں وہ ضرور علاء الدین ہی کی قبر کا ہوگا کیوں کہ تاریخ میں لکھا ہے کہ علاء الدین قصر ہزار ستون میں دفن کیا گیا تھا۔" لیکن یہ بات صریح غلط ہے سرسید کے قول کی تائید تاریخ فیروز شاہی سے ہوتی ہے۔

فیروز شاہ تغلق کے عہد میں جن عمارات قدیم کی مرمت کرائی گئی اُن کی فہرست میں یہ مقبرہ بھی شامل ہے اس کی مرمت کے علاوہ ایک صندل کے کواڑوں کی جوڑی بھی چڑھائی گئی تھی۔ آبدار خانے اور مسجد قوۃ الاسلام کی غربی دیوار جو مدرسے کے اندر ہے اس کی مرمت بھی اُسی زمانے میں ہوئی تھی اور چوکوں کا فرش بھی بچھوایا گیا۔ علاء الدین کی قبر مسجد کے صحن کے جنوبی حصے میں ہے۔ گنبد کا احاطہ چار سو فیٹ لمبا اور دو سو فیٹ چوڑا ہے جس کے احاطے کی مغربی اور جنوبی دیواریں علاء الدین کے جانشین شہاب الدین کے عہد کی بنی ہوئی ہیں۔ شمالی دیوار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی پوری ہوئی ہی نہیں۔ رہی مشرقی دیوار اُس کے پانچویں حصے کے

قریب مسجد قوۃ الاسلام کے اس حصے کے مغربی دیوار ہے جو سلطان التمش کا بنوایا ہوا ہے۔ گنبد کے صحن میں گو چاروں طرف رستہ ہے لیکن اصل صدر دروازے مشرق اور مغرب کی جانب ہی ہیں۔ مشرقی دروازہ سلطان التمش کی بنائی ہوئی مسجد کی دیوار میں ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ مغربی دروازہ اس سڑک کی جانب ہے جو قطب صاحب کی لاٹ سے ادھم خاں کے مقبرے کو جاتی ہے۔ یہ دروازہ پٹھانوں کے زمانے کی سی عمارت معلوم دیتی ہے جو پتھر اور گچ کا ہے اور جو باقی عمارتیں اس احاطے میں ہیں وہ بھی اسی قسم کی ہیں۔ دروازہ چودہ فیٹ اونچا اور گیارہ فیٹ چوڑا ہے جس کے اوپر سردل کی دیوار اور چار فیٹ بلند ہے۔ اگر ہم دروازے کے اندر جا کر دروازے کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوں تو ہماری داہنی طرف ایک کمرہ جس پر گنبد ہے دروازے سے بھی آٹھ فیٹ اونچا دکھلائی دیتا ہے۔ اسی سے ملے ہوئے اور تین کمرے ۱۴ × ۱۱ فٹ محراب دار ہیں۔ ان کے آگے اور ایک گنبد دار کمرہ ہے جو پہلے کمرے سے چوڑا ہے اور بظاہر ایک دوسرا دروازہ معلوم دیتا ہے۔ اس کی داہنی طرف بھی اسی طرح کے تین کمرے ہیں جیسے کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں مگر اس میں کا آخری کمرہ گر کر زمین کے برابر ہو گیا ہے۔ یہ بیان احاطے کے غربی جانب کا ہوا۔ شمال کی طرف سب سپاٹ میدان ہے کوئی عمارت باقی نہیں رہی۔ جنوبی رخ پر تین گنبد دار گرے ہوئے کمروں کے نشان باقی ہیں۔ علاء الدین کی قبر بیچ والے کمرے میں ہے جو ۵۰ × ۳۲ فٹ ہے جس کے دونوں طرف رستہ ہے جو دوسرے کمروں سے اسے جدا کرتا ہے۔ بازو کے دونوں کمرے بیچ کے کمرے سے آدھے ہیں۔ ان کمروں پر کے گنبد گر گئے ہیں۔ دیواروں کا پلاستر جھڑ گیا ہے۔ رو کار کی پتھر کی سلیں مدتیں ہوئیں کہ لوگ نکال لے گئے۔ ان کمروں کے پچھواڑے کئی کوٹھریاں نشست کی چوبیس فیٹ چوڑی احاطے کی مغربی دیوار کی لمبان کے برابر تھیں جو سب گر پڑیں۔ ان کوٹھریوں کی جنوبی دیوار میں چھ طاق اور بیچوں بیچ میں ایک دروازہ ہے۔ جنوب و مشرق کی دیوار میں چھت پر چڑھنے کا رستہ ہے۔ گنبد اور تمام مکانات ملحقہ کی دیواروں کی استر کاری جھڑ جھڑا کر خالی دیوار میں کھڑی ہیں۔ احاطے کی مشرقی دیوار میں تین نیچی نیچی کوٹھریاں محراب دار دروازوں سمیت اسی طرح کی ہیں جیسی کہ مغربی طرف ہیں۔ ان سے ملا ہوا ایک دروازہ ہے جو اس کے محاذ کے دروازہ کا جواب ہے۔ غالباً یہ دروازہ بستی کے رخ پر تھا اور ادھر ہی سے قطب صاحب کی آبادی کے لوگ آمد و رفت رکھتے تھے۔ اس سے آگے بڑھ کے مسجد قوۃ الاسلام کی ٹوٹی ہوئی مغربی



نقشہ مقبرہ ادہم خاں عرف بھول بھلیاں

دیوار ہے۔ گنبد کے جنوب و مشرقی کونے میں اس مقبرے کے متعلق جو مسجد تھی اس کے کھنڈر ہیں۔ مدرسہ اور آب دارخانہ دونوں (جس کی مرمت فیروز شاہ نے کرائی تھی) مقبرے کی مشرقی اور مغربی دیوار سے ملے ہوئے حجروں میں تھے۔ چوں کہ لاٹ کے گرد کے گرے پڑے کھنڈروں کو صاف کرکے سڑکیں نکال دی گئیں ہیں اور ایک قسم کا چمن بندی ہوگئی ہے اس لیئے موجودہ حالت اس مقبرے کی صرف یہ ہے کہ قطب صاحب کی لاٹ کے مغرب میں قریب ہی ایک خالی چار دیواری کھڑی ہے جس کے تین طرف ایک ایک دروازہ ہے۔ یہ مقبرہ اندر سے ۲۳ مربع ہے اور بیچ میں ایک خالی چبوترا دو فیٹ اونچا ۱۳×۸ کے ہے غالباً اسی پر قبر ہوگی جو اب ناپید ہے۔ پلاستر کا نام باقی نہیں خالی سنگ خارا کی دیواریں کھڑی ہیں۔ اندرون مقبرہ فرش کسی قسم کا رہا ہی نہیں صرف بجری کوٹ کر ہموار کردیا ہے گنبد گر کر زمانہ ہوا اب نری چار دیواری ہی چار دیواری باقی رہ گئی ہے اور مشکل سے یقین آتا ہے کہ یہ اتنے بڑے جلیل القدر بادشاہ کا مقبرہ ہے۔ اس کے زمانے سے پہلے پہلے کی عمارتیں قایم برقرار ہیں اور یہ ایسی تباہ ہوئی کہ اب صورت تک بھی نہیں پہچانی جاتی۔

ادہم خاں کا مقبرہ یا بھول بھلیاں اور مسجد

۹۶۹ھ ۱۵۶۱ء

دنیا میں تو دو دن کا فقط جینا ہے
اور اس پہ یہ حسد اور بغض و کینہ ہے
ظاہر ہے کہ جام جم کا نہ رہا
اور حال سکندر کا تو آئینہ ہے

قطب صاحب کی لاٹ سے جو سڑک مہرولی کو جاتی ہے اس کی داہنی طرف ادہم خاں کا مقبرہ ہے۔ یہ مقبرہ اکبر شاہ بادشاہ نے ادہم خاں اپنے کوکے اور اس کی ماں ماہم انگہ کے لیئے بنوایا تھا۔ خان اعظم کے مقبرے کے ضمن میں ہم وہ واقعات لکھ آئے ہیں جس بنا پر آگرے میں اکبر شاہ کے محل میں اعظم خاں کو ادہم خاں اور اس کے ساتھ والوں نے قتل کردیا تھا۔ طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ "مراہم خسروانہ کے گھمنڈ پر اعظم خاں کو مار کر ادہم خاں ورانہ حرم سرائے شاہی کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ بادشاہ سلامت پیش کر شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیئے ہوئے برآمد ہوئے اور وہیں قاتل کی مشکیں کس لی گئیں اور اسی طرح بند ہا بند ہا یا سزا اسے قتل بیں کلیے کی فصیل سے نیچے لڑھکا دیا گیا۔" شمس الدین محمد خاں انگہ غزنوی المخاطب بہ اعظم خاں

(جو اکبر بادشاہ کی ایک دوسری رضاعی ماں کا شوہر تھا) کے قتل کا افسوس ناک واقعہ ۱۲ رمضان المبارک ۹۶۵ھ / ۱۵۶۱ء کو ہوا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ "قلعے کی فصیل سے دھکیل دینے کے بعد بھی ادہم خاں سخت جان میں کچھ جان باقی تھی۔ بادشاہ نے اُسے دوبارہ گروایا تب کہیں وہ مرا۔ چنانچہ مقتول خان اعظم کے ایک دن بعد اس کی تجہیز تکفین ہوئی"۔ ماہم انگہ نے جب اُڑتی پڑتی خبر سنی تو اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہاں کام تمام ہو چکا۔ ماں کی ممتا گو بیمار تھی مگر دلی سے گرتی پڑتی آگرے پہنچی۔ بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوئی۔ بادشاہ نے ارشاد فرمایا کہ "تمھارے صاحب زادے نے میرے (رضاعی) باپ کو قتل کیا میں نے جان کے بدلے تمھارے بیٹے کی جان لی"۔ ماہم انگہ مزاج شناس تھی سمجھی کہ اب عرض معروض کرنا بے فائدہ ہے ؎

خود کردۂ خویش را چہ درماں — بے فائدہ اب ہے رنج و حرماں

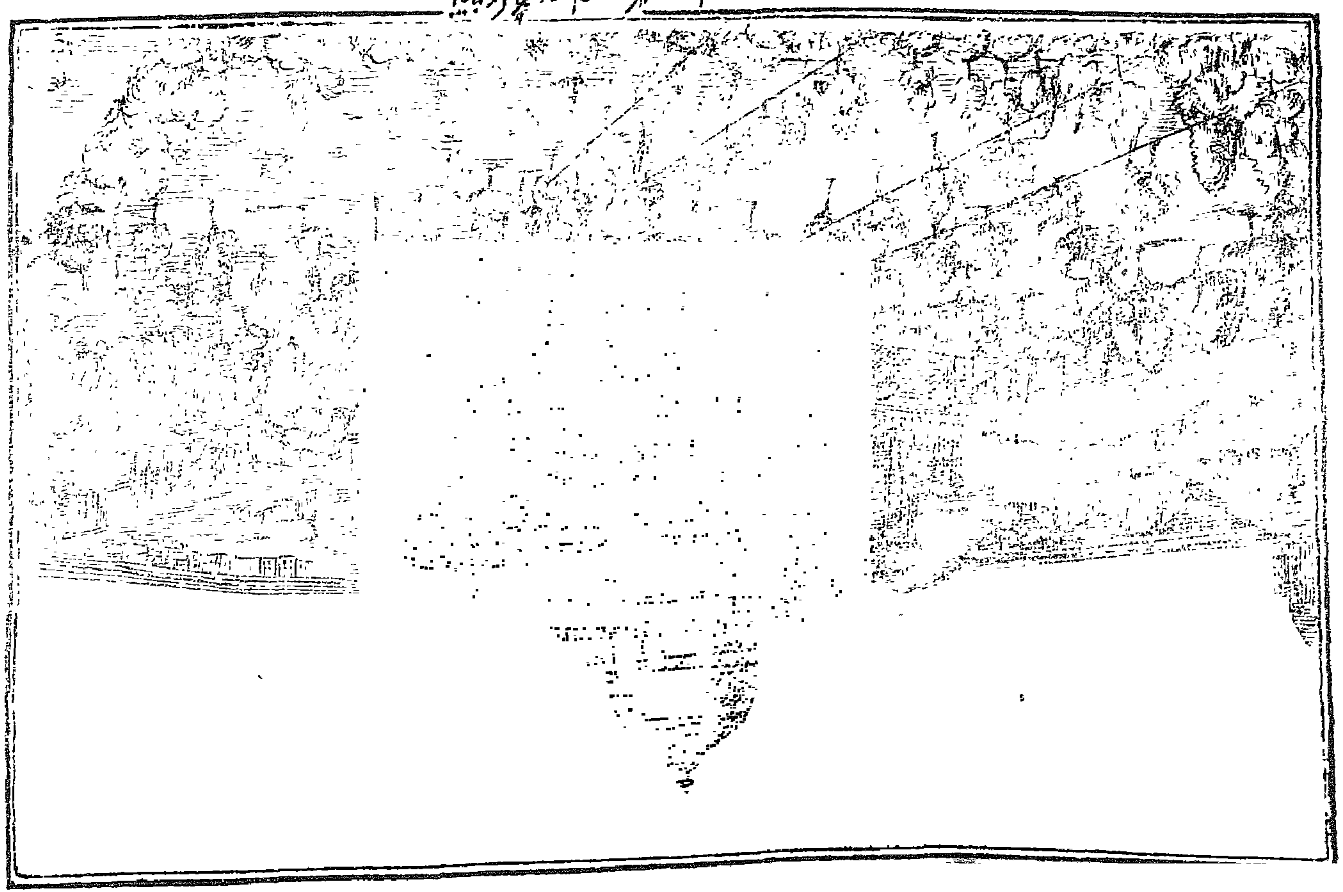
بولی "جہاں پناہ نے جو کچھ کیا خوب کیا"، یہ کہہ واپس چلی گئی۔ جوان بیٹے کے بن موت مارے جانے کا بڑھیا ماں کو ایسا دہاکا بیٹھا کہ چالیسواں بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ اپنے بیٹے سے جا ملی اور اسی مقبرے میں اپنے بیٹے کے پاس دفن ہوئی جو اکبر بادشاہ نے بنوا دیا تھا (از آئین اکبری مترجمہ بلاکمین)

اب ہم مقبرے کی عمارت کا کچھ حال لکھتے ہیں۔ دو اونچی اونچی سیڑھیاں چڑھنے کے بعد مقبرے کا صحن ملتا ہے۔ یہ صحن سڑک کی سطح سے سترہ فیٹ اونچا ہے۔ مقبرہ ہشت پہلو ہے۔ صحن کا قطر دو سو فیٹ کا ہے۔ صحن کا وہ حصہ جو سڑک کی طرف ہے کھلا ہوا ہے۔ شمال و مغرب کی دیوار میں جدھر سے قلعہ رائے پتھورا کا رستہ ہے ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ اسی طرح کا ایک اور دروازہ جنوب و مغربی دیوار میں بھی ہے جس میں سے اُس مسجد میں جانے کا رستہ ہے جو مقبرے کے مغربی رُخ پر کوئی بیس گز کے فصل سے ہے۔ احاطے کی دیوار زمین سے دس فیٹ اونچی ہے جس میں جھانجیاں رکھی گئی ہیں لیکن اب بہت بڑا حصہ اس دیوار کا منہدم ہو کر مشکل سے صرف ایک چوتھائی باقی رہا ہے۔ صحن کے آٹھوں کونوں پر ایک ایک برجی بنی ہوئی ہے اور مقبرے کے گرد چھ فیٹ اونچا کنگورا ہے۔ دیوار اور برجیاں سب گھڑے ہوئے پتھروں اور چونے کی ہیں۔ برجیوں کے بیچ میں احاطے کی دیوار سے چند فیٹ ہٹ کر کچھ کھنڈر ہیں نہیں کہا جا سکتا کہ

وہ آیا منہدمہ برجیوں کے ہیں یا اُس چبوترے کے ہیں جو مقبرے کی رونق اور لوگوں کے آرام کے واسطے بنایا گیا تھا۔ مقبرہ ساٹھ فیٹ اونچا ہی اور چبوترے کی کرسی چار فیٹ کی ہے مقبرے کی ساری عمارت ہشت پہل ہی درمیانی حجرے کے گرد غلام گردش بطور برآمدے کے ہی۔ چبوترے پر سے گنبد کی بلندی ۴۲ فٹ ہی جس کے آٹھوں ضلعوں میں ہر طرف تین تین در ہیں۔ ستون ان دروں کے چوکون ایک کے اوپر ایک پتھر رکھ کر بنائے گئے ہیں۔ بعض بعض ستون سنگ خارا کے ایک ہی ٹکڑے کے بے جوڑ ہیں جن کے سرے اور بیٹھکیں دوسرے قسم کے پتھروں کی ہیں۔ کونوں کے ستون دُہرے ہیں۔ چھت پر چار فیٹ اونچی جھانکی دار منڈیر ہی جس کے دونوں کونوں پر چھ چھ فیٹ اونچی برجیاں ہیں۔ درمیانی ہشت پہل حجرے کا قطر پچاس فیٹ کا ہی۔ آٹھوں ضلعوں کے بیچ بیچ میں ایک ایک در ہی جس کی دونوں طرف دو دو فیٹ اونچا ایک ایک طاق ہی۔ گنبد کا قبہ بیرونی رخ سے سولہا اضلاع کے چبوترے پر بنا ہوا ہی جس کی بلندی بارہ فیٹ ہی اور جس کے ہر ہر کونے پر ایک ایک چھوٹی برجی بنی ہوئی ہی۔ گنبد پتھر اور چونے کا بنا ہوا ہی جس پر استرکاری کی ہوئی ہی جس کے قطر کا ارتفاع سولہا فیٹ ہی جس پر پتھر کا کمرکی کلس چڑھا ہوا ہی۔ گنبد کا قطر ۴۲ فٹ ہی گنبد کے نیچے کی دیواروں کا آثار سات فیٹ کا ہی۔ درمیانی حجرے کی چھت کا اندرونی حصہ ہشت پہل دیواروں پر کھڑا ہے۔ گنبد دالاؤ کا ہی جس کی کُل بلندی ۴۲ فٹ ہی اور یہ دیواریں سولہا ضلعوں کی ہیں جن کے در بھی سولہا ہی ہیں جن میں سے ایک کھلا اور ایک بند ہی جس کے اوپر جاکر پھر (۳۲) ضلعوں کی دیواروں پر گنبد ٹکا ہوا ہی۔ گنبد کی دیوار میں ایک طرف اوپر جانے کا زینہ ہی اور ایسا ہی رستہ بنا ہی کہ وہیں ہی دیوار کے گرد پھرا ہیں اور اس میں ایک مقام پر ایسا دھوکا رکھا ہی کہ آدمی خیال کرتا ہی کہ جس رستے کو میں جاتا ہوں اسی رستے سے نیچے اُتر جاؤں گا حالاں کہ برخلاف اپنے قیاس کے اور اوپر چڑھ جاتا ہی اور پھر جب نیچے اُترنے کا ارادہ کرتا ہی تو بسبب اس کے کہ نیچے اُترنے کا رستہ ایک کونے میں نظر سے پوشیدہ رکھا گیا ہی اُنھی رستے پر آن پڑتا ہی اور پھر اوپر چڑھ جاتا ہی اسی وجہ سے لوگوں نے اس مقبرے کا نام "بھول بھلیاں" یعنی ایسا مقام کہ جہاں آدمی بھول جائے اور چکر کھا جائے رکھا ہی

بہرحال قطب صاحب کی عمارتوں میں یہ بھی ایک مشہور اور قابل دید ہے۔ اس میں اکثر انگریز اترا کرتے تھے اور بطور مسافر بنگلے کے استعمال کیا جاتا تھا اسی سبب سے ادہم خاں کی قبر کا تعویذ کوئی اسی برس گزرے کہ اکھاڑ کر باہر غلام گردش میں ڈال دیا اور سطح زمین اپنے آرام و آسائش کے لئے برابر کرلی۔ جب ادہم خان کی قبر کے ساتھ یہ سلوک ہوا تو اُن کی ماں کی قبر کا کیا پتہ چل سکتا ہے۔ ہمارے خیال میں جب ادہم خاں کی قبر اکھاڑی گئی تب ہی اُس کی ماں کی قبر بھی نکال دی گئی ہوگی کیونکہ بدوں اس کے نہ جگہ صاف ہوسکتی تھی نہ مقبرہ رہنے کے قابل ہوسکتا تھا۔

موجودہ حالت اس مقبرے کی یہ ہے کہ سڑک سے (۱۹) سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچتے ہیں چبوترے کے آٹھوں کونوں پہ برج تھے جن میں سے کچھ گر گئے کچھ باقی ہیں۔ چبوترا بھی مقبرے کی مناسبت سے ہشت پہل ہے اور مقبرے میں اور چبوترے میں ۲۵ فٹ کا فصل ہے۔ چبوترا بہت کشادہ ہے جس کا ہر ضلع ۸۵ فٹ لمبا ہے۔ کمپونڈ کی دیوار سڑک کی سطح سے ۱۳ فٹ بلند ہے اور منڈیر ۳½ فٹ اونچی ہے۔ گنبد کے چبوترے کی کرسی چار فیٹ کی ہے۔ چھ سیڑھیاں چڑھ کر گنبد کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ گنبد کا ہر بیرونی ضلع ۳۴ فٹ لمبا ہے۔ گنبد ہشت پہل ہے اندر سے قطر ۴۸ فٹ ۲ انچ ہے۔ اوپر چھت میں آٹھ طاق کھلے ہیں آٹھ بند یہ دہری لین ہے یعنی پھر اُس کے اوپر طاقوں کی ایک ایسی ہی لین اور ہے۔ دروازے آٹھ ہیں جن کے دو طرفہ یا اللہ اور کلمے کے طغرے ہیں۔ غلام گردش ۱۲ فٹ عریض ہے اور دروں کی چوکلاٹ ۱۱۔ گنبد کی بلندی اجارے تک ۲۴ فٹ اور اُس سے اوپر چشم دیوار تک اور ۱۸ فٹ۔ اس طرح صرف دیوار دیوار کا ارتفاع ۴۲ فٹ ہے۔ گنبد دو منزلہ ہے دونوں منزلوں میں بیس بیس سیڑھیاں ہیں۔ اس گنبد کے اندر میں رنگ کے کام کا کچھ کچھ حصہ باقی ہے۔ باہر وار بھی کہیں کہیں رنگ آمیزی پائی جاتی ہے۔ چونکہ عرصہ تک یہ گنبد بطور مسافر بنگلے کے استعمال کیا گیا ہے اور انگریزی اصول کے موافق وہیٹ واش یعنی سفیدی ہونا ضرور تھی لہٰذا دیواروں پر کئی کئی کوٹ سفیدی کے چڑھ جانے سے سارے نقش و نگار اور گلکاری ڈھک گئی ہے۔ یہی تصرف فرش میں بھی ہوا ہے یعنی پہلا فرش باقی نہیں رہا۔ اب توجہ کردی گئی ہے۔ جو تعویذ پہلے نکال دیا گیا تھا اب پھر اپنی جگہ پر لگا دیا گیا ہے جو سنگ سرخ کا ہے۔ ۷-۱ × ۲-۵



اور اوپر اونچا ہے جس میں کوئی ندرت نہیں۔ رہی ادہم خاں کی ماں کی قبر اُس کا پتہ نہیں۔ اس مقبرے کے متعلق جو مسجد ہے اُس کی اصلی حیثیت بھی باقی نہیں رہی کہ مرمت کے ساتھ اندر باہر استرکاری کرادی گئی ہے۔

ادہم خاں کے بھائی کا مقبرہ

مسجد کے بعد سڑک پر ہی ایک اور بڑا گنبد ادہم خاں کے گنبد کی طرح کا ہے جس میں اب سرکاری ڈاکٹر خانہ ہے۔ ڈاکٹر خانے کی ضروریات کے موافق اُس کی بھی شکست ریخت کی گئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مقبرہ ادہم خاں کے بھائی کا ہے۔ یہ چار بھائی تھے۔ ادہم خاں۔ ٹماٹے خاں۔ عمر خاں۔ محمد قلی خاں جس کو لوگ مُشکلی خاں کہتے ہیں۔ عمر خاں کے مقبرے کا بیان تو آگے آتا ہے اب یہ مقبرہ ہو نہ ہو یا ٹماٹے خاں کا ہوگا یا محمد قلی خاں کا۔ واللہ اعلم۔

عمر خاں کا مقبرہ

قطب کی لاٹ سے بجانب جنوب ایک میل کے اندر ہی اندر مرتفع پہاڑی پر ایک مقبرہ بنا ہوا ہے جو ادہم خاں کے بھائی عمر خاں کا کہلاتا ہے۔ اکتالیس سیڑھیاں چڑھ کے اوپر پہنچتے ہیں۔ یہ گنبد پچاس فیٹ مربع ہے اور چار دروازے چاروں طرف ہیں جو ۱۰ فٹ ۷ انچ × ۶ فٹ ۹ ہیں۔ اندر سات قبریں چونے گچی کی ہیں جو بہت شکستہ ہیں اور فرش کے برابر ہو گئی ہیں۔

طامس صاحب کی شکار گاہ

اوپر والے گنبد سے کوئی ڈھائی سو قدم کے فصل سے ایک اور اونچی سی پہاڑی ہے اُس پر ایک عمارت بنی ہوئی ہے جو طامس صاحب کی شکار گاہ کے نام سے مشہور ہے۔ پہاڑ پر دو کنگورے دار برج ہیں جن کے بیچ میں ایک دیوار کھچی ہوئی ہے۔ پرانے لوگ اسے سلطان شمس الدین التمش کی شکار گاہ کہتے ہیں۔ میرے خیال میں بادشاہ کی بنائی ہوئی کوئی سیر گاہ ہوگی جسے طامس مٹکاف صاحب نے درست کرالیا ہوگا۔

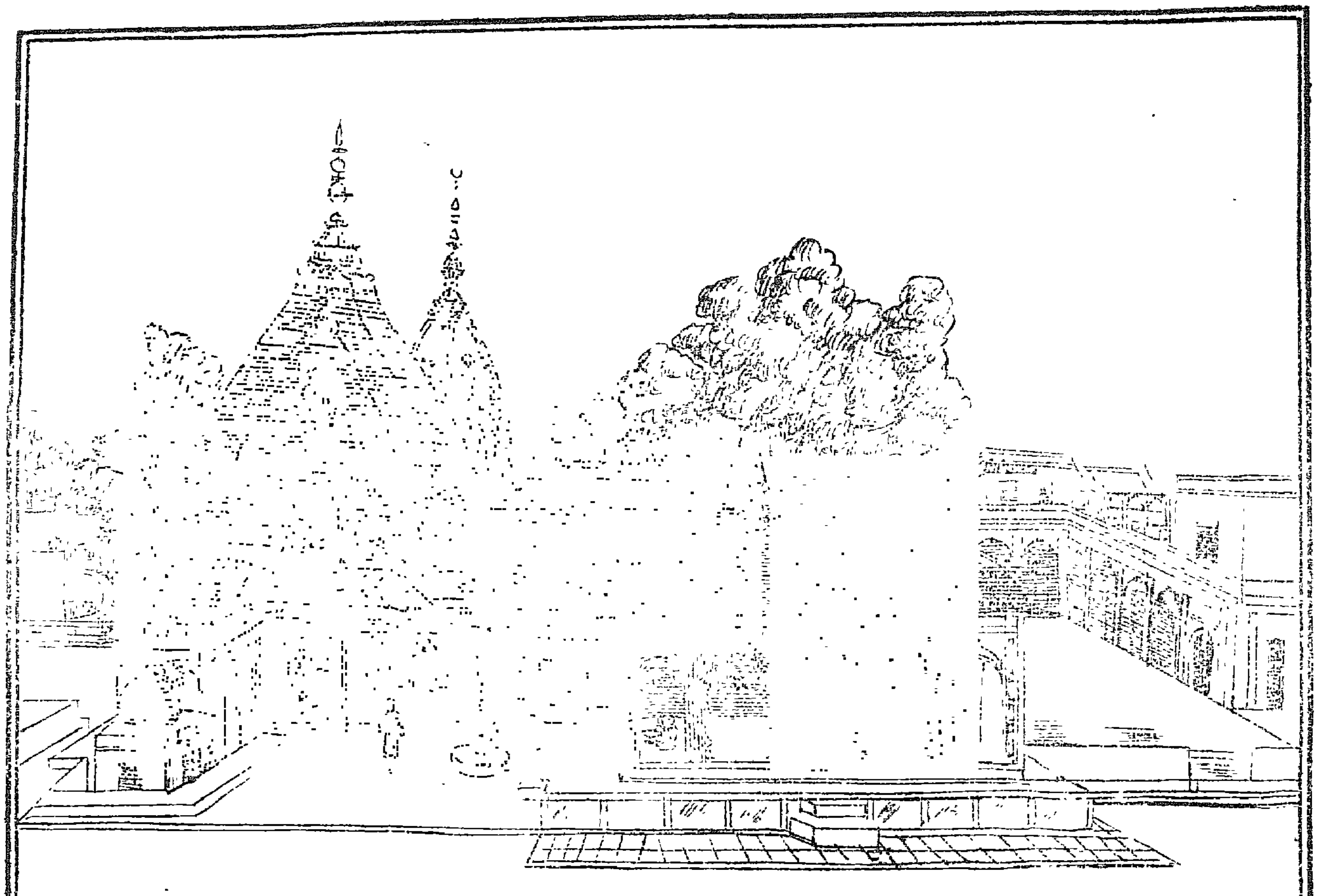
کوٹھی دلکشا
۱۲۶۰ھ — ۱۸۴۴ء

قطب صاحب کی لاٹ کے قریب ایک مکان نہایت خراب خستہ ناقص و شکستہ محمد قلی خاں کے مقبرے کے نام سے مشہور تھا جو اکبر بادشاہ کے کوکا تھے اس لحاظ سے یا تو یہ عمارت اکبر اعظم کے عہد کی ہوگی یا جہانگیر بادشاہ کے وقت کی اس کو سر تھیافلس مٹکاف

نے جن کا شاہی لقب معتظم الدولہ امین الملک اختصاص یار خاں طاس تیا فلس شکف صاحب بہادر فیروز جنگ صاحب کلاں تھا بنوایا اور آراستہ کیا اور گرد درخت نصب کرائے۔ اب بالکل ویران اور خستہ حالت میں ہے۔ اب کوٹھی دلکشا جا کر وحشت کدہ ہو گیا ہے۔

جوگ مایا کا مندر

قطب صاحب کی لاٹ کے پاس لوہے کی لاٹ سے کوئی ۲۶۰ فٹ کے فاصلے سے سرحد یوسف سرائے پاسے مینار میں ایک اونچے احاطے کے اندر جوگ مایا یعنی مقدس دیوی کا مندر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مندر بہت قدیم اور راجہ یدھشٹر کے زمانے کا بنا ہوا ہے لیکن موجودہ عمارت کو دیکھو تو وہ سو برس کی بھی نظر نہیں آتی۔ ممکن ہے کہ مندر کی پرانی عمارت بوسیدہ ہو جانے سے نئے سرے سے بنایا گیا ہو۔ جوگ مایا کی پوجا تو کم سے کم آٹھ سو سال سے راجہ پتھورا کے وقت سے مروج ہے۔ لیکن اس کی ابتدا کا پتہ نہیں چلتا کہ کب سے اس دیوی کا استھان یہاں پر ہے۔ مندر کا احاطہ چار سو فیٹ مربع ہے۔ احاطے کے چاروں کونوں پر برجیاں ہیں۔ احاطے کے اندر مندر کو ملا کر کل بائیس عمارتیں ہیں۔ جن کو اکبر ثانی بادشاہ کے عہد کے ایک امیر سیدھ مل نے بنوایا تھا۔ اس مندر میں آس پاس تین برج الگ الگ ہیں اور جس برج کے آگے گھنٹہ لٹکا ہوا ہے اسی میں وہ پتھر کا ٹکڑا ہے جو دیوی کے نام سے مشہور ہے۔ اصل مندر کوئی خوب صورت اور دلکش عمارت نہیں ہے۔ ایک بھدی سی عمارت کے سامنے یہ مندر بنا ہوا ہے اور یہ عمارت بھی کچھ مندر سے زیادہ قدیم نہیں پائی جاتی۔ اصل مندر بتا مہا ہے فرش سنگ سرخ کے باسٹھ سال کے اول بنا تھا اور پھر بعد میں سنگ مرمر سے پاٹا گیا ہے۔ اس کی چوٹی پر سنہری کلس ہے جس کو ملا کر ۴۲ فیٹ کی بلندی ہے۔ اس کلس پر آئینہ لگا ہوا ہے جس کی پرچھائیں دور تک جاتی ہے۔ کمرہ جس میں سنگ سیاہ کی دیوی کی مورت ہے سترہ فیٹ مربع ہے۔ دراصل یہ کوئی مورت بھی نہیں ہے بلکہ نرا ایک پتھر ہے۔ مندر کی چھت پست ہے جس پر چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں۔ حجرے کا دروازہ سنگ مرمر کا ہے۔ مقدس مورت ایک سنگ مرمر کے حوض میں رکھی ہوئی ہے جو دو فیٹ چوڑا اور ایک فیٹ گہرا ہے جس پر سرخ غلاف ہمیشہ پڑا رہتا ہے اور بیچ کے دو پنکھے چھت میں لٹکے ہوئے ہیں۔ ایک چوکی سنگ مرمر کی اٹھارہ انچ مربع اور نو انچ اونچی مورت کے سامنے رکھی ہوئی ہے جس پر چڑھاوا اور پھول وغیرہ

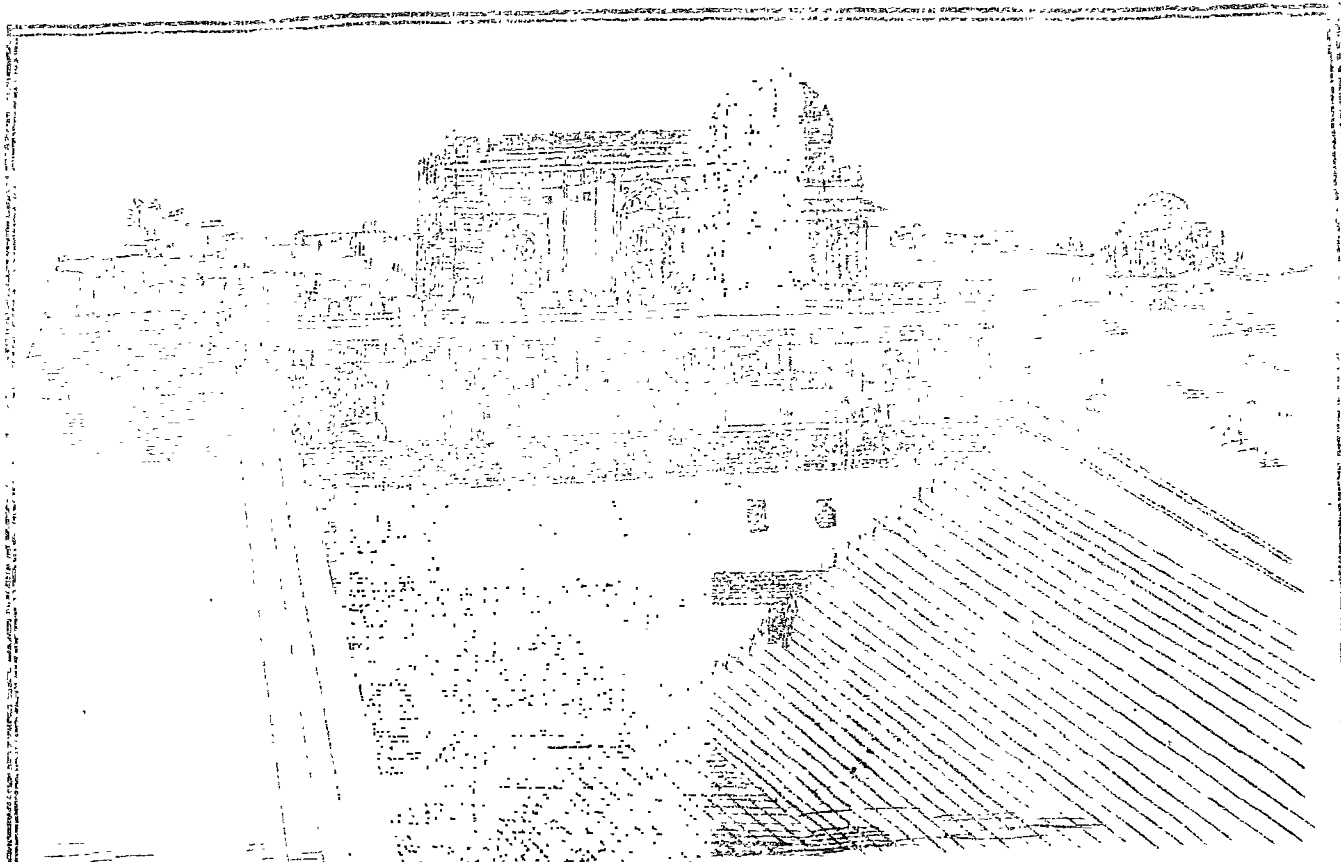


نقشہ مندر جوگ مایا

رکھے جاتے ہیں۔ شراب کا یہاں گزر نہیں۔ اکثر مندروں کی طرح یہاں کوئی گھنٹہ بھی نہیں ہے کہتے ہیں کہ دیوی کو گھنٹے کی آواز پسند نہیں۔ مندر کے سامنے آٹھ فیٹ پر ایک لوہے کے پنجرے میں دو پتھر کے شیر ہیں۔ پنجرا پانچ فیٹ مربع اور دس فیٹ اونچا ہے۔ مندر سے پنجرے تک کا رستہ پٹا ہوا ہے۔ چھت ہلکے تختوں کی ہے جس پر اینٹ اور چونے کا پلاستر ہے اس کی چھت میں چار گھنٹیاں پجاریوں کے لیے لٹک رہی ہیں۔ دیوی کی طبعی خاصیت بہت غصیلی اور جابر بتلائی جاتی ہے یعنی جلال بہت ہے اور دنیاوی لذات سے بالکل متنفر ہے اور مندر کو شراب یا گوشت سے ناپاک کرنا بالکل پسند نہیں کرتی اس دیوی کا تفصیلی حال سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں ہوتا جو بھگوت پران میں لکھا ہے کہ یہ دیوی کشن اوتار کی بہن تھی جس کا یہ قصہ مشہور ہے کہ وہ بجلی بن کر الوپ ہوگئی اور یہاں آن پڑی۔ جب سے یہ مکان جوگ مایا جی کا استھان ہوگیا۔ اور بعضے لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ رائے پتھورا کی بیٹی مایا جی تھی جو حاجی روزبہ کے پاس گئی اس وقت اس کے ساتھ بہت سی سہیلیاں تھیں جس وقت رائے پتھورا کی بیٹی مسلمان ہوگئی ان سہیلیوں نے یہ بات سوچی کہ اب ہم راجہ کو کیا منہ دکھائیں گے اور بھگوان جانے وہ ہمارا کیا حال کرے گا۔ اس ڈر اور شرمندگی سے سب کی سب ایک کوئیں میں جو اس مندر کے پاس تھا اور بعض کہتے ہیں یہی کنواں تھا جو اب اس مندر کے پاس موجود ہے گر کر مر گئیں جب کہ رائے پتھورا کو اس حال کی خبر ہوئی اس نے ان کی لاشوں کو نکالا اور اس مقام پر جہاں اب مندر ہے پھونک دیا اور کہا کہ "انھوں نے بڑا جوگ کمایا" جب سے اس کا نام جوگ مایا ہوگیا اور یہاں پھول مٹھائی چڑھنے لگی اب رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ یہ لوگ اس کو دیوی کہنے لگے اور پوجا پتری کرنے لگے اور مان منت مانگنے لگے غرض کہ یہ سب پجاریوں کی من ترانیاں ہیں حقیقت حال کچھ معلوم نہیں ہوتی۔ لوگ اس دیبی کو کالکا دیبی سے اچھا جانتے ہیں کہ وہاں تو جیو چڑھتا ہے یعنی قربانی ہوتی ہے اور یہاں پھول پنکھڑی۔ احاطے کے اندر پلنگ یا چارپائی لانے کی اجازت نہیں۔ لالہ ہردیان سنگھ صاحب رئیس دہلی نے وقتاً فوقتاً اس مندر کی تعمیر و ترمیم کرائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اچھی حالت میں ہے یہاں ہفتے وار ایک دن چھوٹا سا میلہ ہوا کرتا ہے۔

راجوں کی بائیں (باؤلی) اور مسجد ۹۱۲ھ ۱۵۰۶ء

قطب صاحب کی لاٹ کے قریب جنوب و مغرب میں کوئی پانچ منٹ کے رستے پر ادہم خاں کے مقبرے کے جنوب میں یہ ایک عالی شان مکان ہے جس کو ۹۱۲ھ ۱۵۰۶ء میں سکندر شاہ لودھی بن بہلول شاہ لودھی کے عہد میں ایک امیر دولت خاں نامی نے بنوایا تھا۔ اس مکان کی لطافت اور نزاکت بیان سے باہر ہے۔ اگرچہ یہ مکان چونے اور پتھر سے بنا ہوا ہے لیکن سنگین مکانوں پر ہزار درجے شرف رکھتا ہے۔ اس مقام پر ایک باؤلی ہے بہت نفیس و لطیف نہایت بڑی اور بغایت دل کشا بالکل سالم گویا ابھی معمار اٹھ کر گئے ہیں۔ کسی زمانے میں اس باؤلی کے مکانوں میں راج بستے تھے جب سے **راجوں کی بائیں** مشہور ہو گئی ہے مگر پھر راج جا کر مدتوں چمار آ بسے تھے اور اب خالی پڑی ہے۔ باؤلی کے شمالی رخ پر سیڑھیاں ہیں جو پانی کی تہ تک چلی گئی ہیں جن میں سے ستاون تو پانی کے اوپر ہیں اور نو پانی میں دکھلائی دیتی ہیں لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ سیڑھیوں کا سلسلہ باؤلی کی تہ تک ہوگا۔ باقی باؤلی کے تین طرف اونچی اونچی دیواریں کھڑی ہیں جن میں چار قطاریں محراب دار حجروں کی ہیں جو عرض و طول میں یکساں ہیں مگر تعداد میں مختلف۔ باؤلی کی دیواریں ۲۷ فٹ اونچی ہیں اور مشرق اور مغرب کی دیواریں ۸۰ فٹ لمبی۔ اصل باؤلی کی چوڑان (۴۲) ہے جب ہم نے دیکھا تو نو فیٹ پانی تھا مگر موسم بارش میں پانی بہت چڑھ جاتا ہے بلکہ حجروں کے نیچے کی منزل ڈوب جاتی ہے۔ باؤلی کے جنوب میں او پر وار ایک ہشت پہل کنواں ۱۰ فٹ قطر کا ہے جس میں مرے لگے ہوئے ہیں۔ باؤلی کے اوپر ایک بہت خوبصورت مسجد ہے جس کے دیکھنے سے آدمی کا دل خوش ہو جائے اور نہایت فرحت حاصل ہو۔ باؤلی کی مغربی دیوار کی سطح کے برابر مسجد کا پختہ صحن ہے جس میں چونے کے پچے ہوئے ہیں۔ مسجد کا طول ۵۴ فٹ عرض ۱۳ فٹ اور بلندی ۲۶ فٹ ہے۔ مسجد تین دروں کی ہے جو ۹ فٹ ۶ × ۶ فٹ ۔ ۸ ہیں۔ چھت کے نیچے ایک بھاری چھجہ لگا ہوا ہے جو پتھر کے توڑوں پر لگا ہوا ہے۔ مسجد کی دونوں جانب چھت پر چڑھنے کا چھبیس چھبیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ تمام عمارت پتھر اور چونے کی بنی ہوئی ہے۔ چھت پر ایک کوٹھی دار گنبد ۲۸ فٹ مربع اور ۲۷ فٹ بلند ہے۔ مسجد میں تین سیڑھیوں کا ممبر ہے اور فرش گچ کا ہے۔ لوگوں نے پچا پچا ساری مسجد کو اندر و باہر سے کالا بھٹ



نقشہ راجون کی بائیں

کر دیا ہے کیوں کہ مدتوں اس میں لوگ رہے ہیں۔
مسجد کے پیش طاق پر بسم اللہ اور تین سطروں میں اسمائے حسنی اور منبر کے پاس والی محراب پر ھواللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشہادۃ تا ختم سورۂ حشر پارہ ۲۸ ع
مسجد کے صحن میں پتھر کے ستون کھڑے کر کے ایک نہایت خوب صورت اور مستحکم کھلا ہوا چھپر بنا دیا ہے جس میں ایک قبر ہے۔ اور باہر اس چھپر کے ایک قبر اور ہے۔
دولت خاتون کی قبر سنگ خارا اور سنگ سرخ کی ہے جو نو فیٹ لمبی اور چھ فیٹ چوڑی اور دو فیٹ اونچی ہے اس پر کسی قسم کا کتبہ سوائے کلمہ طیبہ کے نہیں ہے۔ البتہ مذکورہ بالا برج کی پیشانی پر یہ کتبہ بخط نسخ ہے:۔
(۱) در عہد دولت ہمایوں سلطان الاعظم المعظم المتوکل علی
(۲) الرحمان سکندر شاہ بن بہلول شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ
(۳) وسلطانہ بناکرد این گنبد بندۂ امید وار رحمت پروردگار
(۴) دولت خاتون احسا قوم خواجہ محمد غرہ ماہ رجب سنہ اثنی عشر وتسعمائۃ ۹۱۲
یہ چوکھنڈی ۱۸-۸ مربع ہے۔ چاروں طرف چار چار در ہیں ۳-۱۰ چوڑے۔ گنبد کے اندر درود اکبر نہایت خوش خط لکھا ہوا ہے۔ دولت خاتون کون بیوی تھیں معلوم نہیں۔

دو برج آس باؤلی کے پاس ہی ایک ٹیلے پر دو چوکھنڈی نما برج سنگ خارا کے بنے ہوئے ہیں۔

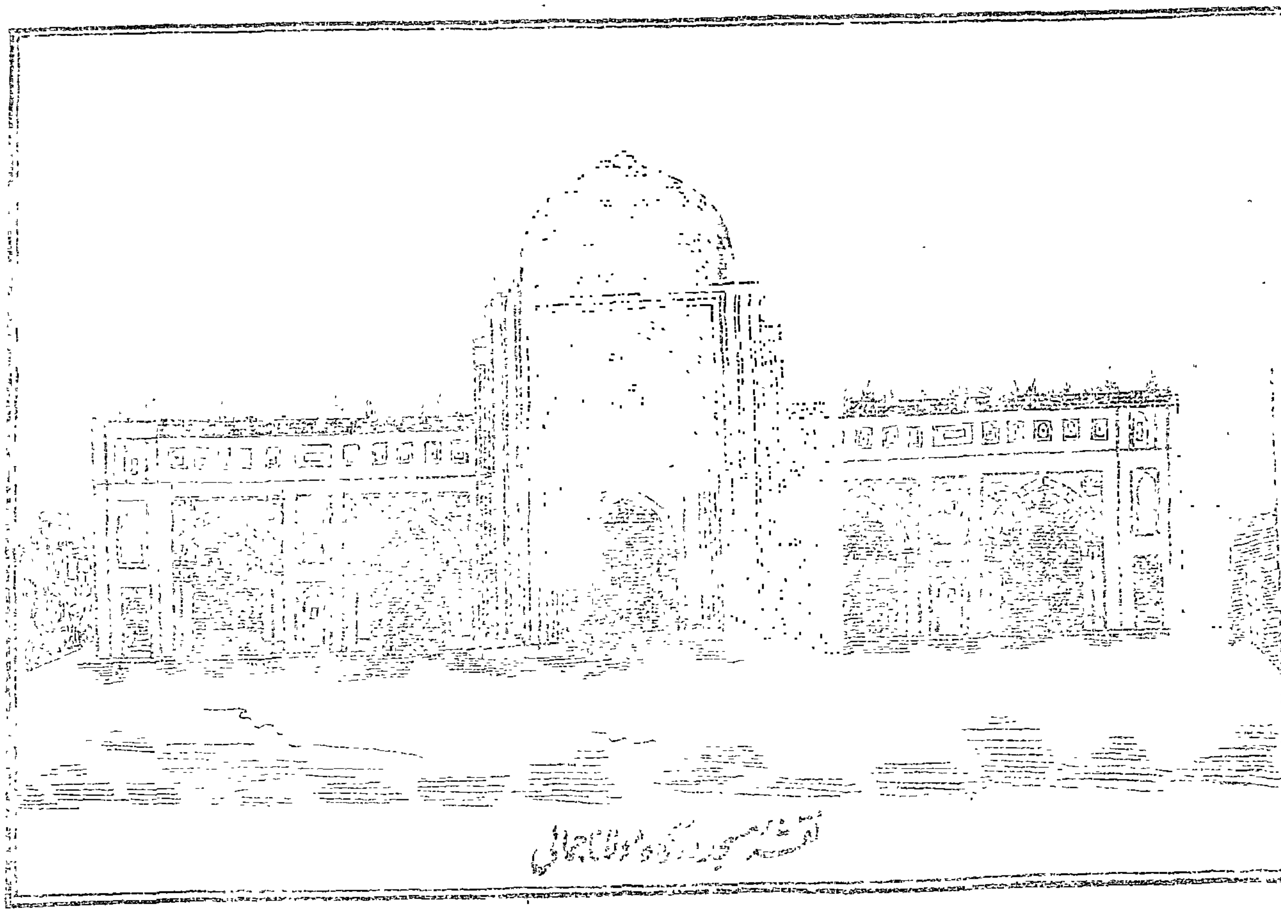
(۱) ۲-۹ مربع۔ اس میں چار قبریں گچ کی ہیں اور چاروں قبریں مردانی ہیں۔ با این ہمہ یہاں کے لوگ اس برج کو رضیہ بیگم کا برج کہتے ہیں حالاں کہ بیگم موصوف کی قبر دلی میں ہے نہ کہ یہاں۔ یہاں کی ایک قبر پر سورۂ ملک اور سورۂ حشر کا آخری رکوع گچ میں کھدا ہوا ہے اور اسی طرح بیچ والی قبر پر آیۃ الکرسی ہے۔
(۲) اوپر والے برج کی طرح کا بارہ دره راجوں کی بائیں کے شمال میں ہے۔ برج کے اندر کوئی قبر نہیں ہے مگر باہر چبوترے پر متعدد پختہ قبریں ہیں۔ یہ دونوں برج بے پتہ اور نامعلوم ہیں۔

مولٰنا جمالی اور کمالی کی درگاہ اور مسجد ۹۳۵ھ ۱۵۲۸ء

ہیہات من ازکجا و این کار کجا
درخورد من ضعیف این بار کجا
اوصاف بزرگاں زشمار افزونست
در طاقت تقریر من زار کجا

شیخ فضل اللہ عرف جلال خاں جو حضرت جمالی کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک بڑے سیاح۔ عالم متبحر۔ نامی گرامی شاعر اور اہل اللہ تھے جن کے علم وفضل اور تقدس کا شہرہ دور دور تھا۔ درگاہ آپ کی راجوں کی بائیں کے پاس پختہ بابر شاہ بادشاہ کے عہد کی بنی ہوئی ہے۔ آپ ایک بڑے باکمال شاعر تھے۔ مثنوی۔ غزلیں قصائد سب ہی کچھ کہتے تھے مگر قصائد آپ کے بڑے پُرمعنی اور پُرزور ہوتے تھے۔ آپ اول جلالی تخلص کرتے تھے پھر جمالی تخلص کرنے لگے۔ آپ مولٰنا سماء الدین علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔ آپ کے حسن کلام کی وجہ سے دربار شاہی میں آپ کی بڑی وقعت تھی۔ آپ کے زمانے میں دہلی میں چار بادشاہ ہوئے۔ سکندر لودی۔ ابراہیم لودی۔ بابر اور ہمایوں۔ سکندر لودی کے زمانے میں آپ کا نیّر اقبال چمک رہا تھا اور طوطی بول رہا تھا اور اس زمانے کے اولیائے کاملین میں آپ کا شمار تھا۔ اگرچہ ہمایوں بادشاہ کے عہد میں آپ کی وہ بات نہ رہی تھی پھر بھی متوسلان شاہی میں آپ کا مرتبہ بلند تھا۔ آپ کو مذہبی مباحث میں ید طولیٰ حاصل تھا اور سب آپ کے آگے سر تسلیم خم کرتے تھے حتیٰ کہ علماء اور فضلائے دیگر بلاد بھی آپ کا لوہا مانتے تھے ۹۳۵ھ ۱۵۲۸ء میں آپ نے ایک مسجد اور یہ درگاہ اور پھر اپنا مقبرہ قطب صاحب کی پرانی بستی میں راجوں کی بائیں کے پاس بنوایا۔ یہ مسجد نہایت عمدہ اور بڑی شان وشوکت کی چونے پتھر سے بنی ہوئی ہے اس کی خوبی وضع اور دلکشائی کا بیان نہیں ہو سکتا حقیقت میں یہ مسجد کسی زمانے میں بہت دلچسپ اور نہایت دل پسند ہو گی اس مسجد پر کوئی کتبہ یا تاریخ بنا نہیں اس سبب سے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مسجد کب بنی اور کس نے بنائی مگر یہ ظاہر ہے کہ درگاہ کے ساتھ کی مسجد ہے اور اسی زمانے میں بنی ہو گی جب کہ درگاہ بنی۔ اس کی وضع قطع ہمایوں بادشاہ کے عہد کی عمارتوں سے بہت ملتی جلتی ہے اس لئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ مسجد

[illegible]



[illegible]

ہمایوں بادشاہ کے عہد کی بنی ہوئی ہے اور درگاہ کے ساتھ بنی ہے۔ اگرچہ یہ مسجد اب ویران ہے مگر اگلے زمانے میں عین قطب صاحب کی آبادی میں واقع تھی چنانچہ اب بھی ٹوٹی پھوٹی حویلیوں کے کھنڈر اس کے اطراف میں موجود ہیں۔ آپ ہمایوں بادشاہ کے ساتھ گجرات تشریف لے گئے تھے اور وہیں ۱۰ ذی قعدہ سنہ ۹۴۲ھ ۱۵۳۵ء میں آپ کا وصال ہوا۔ "خسرو ہند بودہ"[۱] آپ کی تاریخ وفات ہے۔ آپ کی نعش گجرات سے دلی لائی گئی اور جس ۹۴۲ حجرے میں آپ رہا کرتے تھے اُسی میں آسودہ ہیں۔ مسجد اور درگاہ کے احاطے گو علی حدہ علی حدہ ہیں مگر ملے ہوئے ہیں چنانچہ مسجد کی شمالی دیوار جو درگاہ کی جنوبی دیوار ہے درمیان میں راستہ بھی تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے۔ صحن مسجد ۱۳۰ فٹ x ۷۰ ہے جس میں جانے کا دروازہ مشرق کی دیوار میں ہے جو حال کا نکالا ہوا معلوم دیتا ہے۔ قدیم دروازہ جنوبی دیوار میں تھا جو ایک جدید دیوار سے جو شرقی اور مغربی دیواروں کو ملاتی ہے بند ہو گیا ہے۔ جمالی مسجد کی وضع قطع موٹھ کی مسجد جیسی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اول الذکر میں صرف ایک گنبد ہے اور آخر الذکر میں تین۔ جمالی مسجد کا گنبد لودیوں کے زمانے کی آخر طرز کا ہے۔ مسجد ۱۳۰ فٹ لمبی اور ۷۲ فٹ چوڑی اور ۳۳ فٹ اونچی

[۱] بسیار فاضل و باخرد و دیانت بودہ در خوردی نام او جلال خاں بود و تخلص جلالی داشت چوں جوان شد باشارہ پیر خود شیخ سماء الدین جمال خاں نام و جلالی تخلص کرد۔ سیر العارفین از تصنیفات اوست و در زمان ابوالغازی سلطان حسین مرزا بخراسان رفتہ و تا آخر عمر مرزا بداں دیار گزرانیدہ در ہند مراجعت نمودہ مصاحب سلطان سکندر بود۔ بابر شاہ بادشاہ احترام او کماہی بجا می آورد و ہمایوں بادشاہ را بصحبت او میلے موفور بودہ ہموارہ با او مجالست می نمود۔ از ابیات اوست:۔

مارا ز گرد کویش پیراہنیست بر تن — واں ہم ز آب دیدہ صد چاک تا بدامن

تاریخ رحلت از فخر الواصلین

محو ذات خدا جمالی بود — عاشق و مست لاابالی بود
شعر رنگین و تازہ اش بجہاں — ہست عشرت فزائے پیر و جواں
نقش را بداں ز روئے یقیں — بود بے اشتباہ قمر الدیں
سال نقلش بعزت و تمکیں
خردم گفت مادہ خسرو بریں ۔ ۱۳
۹۴۲

ہی چھت سے گنبد تک اور دس فیٹ کی بلندی ہے۔ مسجد پنج دری ہے درمیانی محراب
دیواریں دو فیٹ اندر وار کو ہی جو (۳۰ فٹ) بلند اور (۱۵ فٹ) چوڑی ہے۔ دیوار دوز ستونوں
کے سرے جہاں سے محراب شروع ہوتی ہے سنگ سرخ کے ہیں جن پر عمدہ نقش و
نگار ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ کبھی یہ ستون چھت تک بلند تھے یا نہیں۔ محراب کی
اندرونی حصے پر بھی سنت کاری کے عمدہ نقش و نگار ہیں اور محرابوں کی پیشانی پر
بھی خوش نما بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں اور سنگ مرمر اور سنگ سرخ کی پٹیاں
پڑی ہوئی ہیں۔ محراب کے نیچے اُس دیوار میں جس میں بیچ کا دروازہ ہے ایک چھوٹی سی
محراب دار کھڑکی ہے۔ اس کھڑکی سے تین چار فیٹ نیچے وہ دروازہ ہے جس کا ذکر اوپر
آیا ہے جو ۱۴ فٹ بلند اور ۱۰ فٹ چوڑا ہے۔ اس دروازے پر بھی سنگ مرمر اور سنگ
سرخ کی پٹیاں بیل بوٹے اور نقش و نگار ہیں۔ درمیانی محراب کی ادھر ادھر کی
محرابیں ۱۲ فٹ اونچی اور دس فٹ چوڑی ہیں۔ بیچ کی محراب کی چھت دونوں جانب
کی محرابوں کی چھت سے ۸ فٹ اونچی ہے۔ آخری بازو کی محرابوں کے دیوار دوز ستونوں
میں دو طاق کم گہرے اور تین فیٹ اونچے ہیں۔ بیرونی دیوار دوز ستونوں کی نچلی
محرابیں کھلی ہوئی ہیں اور ان میں سے مسجد پر چڑھنے کا زینہ ہے۔ چھوٹی محرابوں کی
پیشانی پر بھی نقش و نگار ہیں جن میں بھورا اور لال پتھر لگا ہوا ہے۔ صحن مسجد میں چوکے
بچھے ہوئے ہیں۔ پانچوں دروں کے جواب میں پچھیت کی دیواریں بڑی بڑی
دیوار دوز محرابیں ہیں۔ ان محرابوں میں سنگ مرمر کے ٹیکے اور نقش و نگار ہیں
بیچ کے حصے پر گنبد ہے جس کی چھت محراب دار ہے اور اطراف کے حصوں کی سطح۔
درمیانی حصہ مربع ہے مگر اوپر جا کر ہشت پہلو ہو گیا ہے۔ درمیانی حصے کے کونوں
کی مثلثی جگہ میں عمدہ نقش و نگار ہیں۔ مسجد کی عقب کی دیواریں بھاری بھاری توڑے
جگہ کو پُر کرنے کو لگا دیئے ہیں۔ صحن مسجد کے شمال و مغرب کے کونے میں کوئی
ستر فیٹ مربع زمین فصیل نما احاطے سے محصور ہے۔ احاطے کی دیوار دس
فیٹ اونچی ہے اور اسی میں مولنا جمالی کا مزار شریف ہے۔ یہ احاطہ بھورے پتھر اور
گچ کا ہے جس میں جانے کے لیئے شمالی دیوار میں ایک پست دروازہ لگا ہوا ہے۔
تمام دیواریں طاق ہی طاق ہیں اور مغرب رُخ کی دیوار کے طاق کھلے ہوئے ہیں۔

اس احاطے کے جنوب ومغرب کے کونے میں ایک حجرہ ہے جو غالباً خدام کے لیئے بنایا گیا ہے اور یہیں وہ دروازہ تھا جس میں سے مسجد میں جانے کا رستہ تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے۔ حضرت کے مزار کے مشرق میں ایک وسیع احاطہ ہے جس میں بہت سی قبریں ہیں۔ حضرت کی قبر ۵ فٹ ۲ مربع اور ۱۶ اونچے حجرے میں ہے جس کا دروازہ جنوب کی دیوار میں ہے۔ دروازے کے سامنے اور عمارت کے گرداگرد سنگین چھجہ ہے جس کے نیچے توڑے لگے ہوئے ہیں۔ اسی کے نیچے حجرے کے اطراف ایک کاشانی اینٹوں کے کام کا پٹکہ ہے۔ حجرے کی سطح چھت کے اطراف بھی رنگین نقاشی کا کام ہے۔ دروازے کے دونوں طرف دو طاق ہیں جن کے اوپر چھوٹے چھوٹے طاق روشنی کے لیئے بنے ہوئے ہیں۔ حجرہ شریف میں سنگ مرمر کا فرش ہے جس پر سنگ موسیٰ کی تحریر ہے۔ مغربی دیوار میں ایک چھوٹا سا سنگ مرمر کا طاق قبلہ کی طرف ہے جس پر یہ کتبہ ہے:-

لا الہ الا اللہ الملک الجبار محمد رسول النبی المختار۔ اللہ (۸ مرتبہ) شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملئکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الہ الا ھو العزیز الحکیم پارہ (۳) س آل عمران ع۔ الملک الواحد القہار لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ یا اللہ۔

شمالی اور مغربی دیواروں میں سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ ان جالیوں کے دونوں طرف جہاں مغربی دیوار میں دروازہ اور دیوار دوز محراب ہے روشنی اور ہوا کی آمد و رفت کے لیئے دو فیٹ مربع طاق بنا دیئے ہیں۔ حجرے کی چھت اندر سے گنبددار ہے جس میں نہایت عمدہ مگر ضرورت سے زیادہ نقش ونگار اور رنگ آمیزی ہے۔ حضرت کی قبر شریف حجرے کے بیچ میں ہے۔ آپ کی داہنی طرف اور ایک قبر ہے جو آپ کے بھائی کمالی صاحب کی کہی جاتی ہے۔ بائیں طرف ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔ دونوں قبریں نہایت شفاف سنگ مرمر کی ہیں جو بہت مجلیٰ کیا گیا ہے۔ قبروں کے تعویذ سیدھے سادے چپٹے ہیں جن پر نہ کوئی نقش ونگار ہیں نہ کوئی کتبہ۔ درگاہ کے اندر گنبد کے گرد چونے کی منبت کاری میں ذیل کی دو غزلیں آپ کی کہی ہوئی کھدی

ہوئی ہیں:۔

غزل

اگر بکفر کشد سر سیاہ کاری ما — بود بعفو تو چشم امیدواری ما
بہ آستان تو شرمندہ سگان توام — کہ شب قرار ندارد بآہ و زاری ما
اگر بپردہ رازے تو محرمی یابم — فقر بفقر نماید بہ پردہ داری ما
بخاک کوے تو در چشم مرداں خواریم — بہ نزد اہل نظر عزت است خواری ما
ز ابر لطف تو شد تا پدید گرد گناہ — ولیک شستہ نشد داغ شرمساری ما
بروز ہجر تو در بیکسی و تنہائی — بجز محمت نرسد کس بغمگساری ما
جمالیا بدر یار التجامی آر
کہ ہست بر در دلدار رستگاری ما

دوسری غزل

ز حد گذشت بعشق تو بے قراری ما — امید ہست کہ رحم آوری بزاری ما
جمال عفو تو گر آمدے بروں ز نقاب — اگر نہ روے نمودے گناہگاری ما
اگرچہ درخور قہریم از گنہگاری — بود بلطف تو چشم امیدواری ما
بعزت جبروت و بحرمت ملکوت — رسیم گر بفرازی بتجا کساری ما
اگر بپردہ راز تو پردہ دار شویم — فرشتہ راز نشر و جاے پردہ داری ما
ز یک ترشح ابر کرم فرو شوئی — غبار جرم ز رخسار شرمساری ما
نظر بسوے جمالی فگن ز روے عطا
ببیں بجانب سستی و خام کاری ما

قطعہ

اے رحمت نواز غضب برد گرو — دی قہر ترا لطف تو فرمودہ برد
جاے کہ شد از خرمن عفو تو سخن — آں جا گنہ خلق نسنجید بجو

درگاہ گو مختصر ہے مگر بہت خوب صورت اور بالکل درست حالت میں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کل کی بنی ہوئی ہے۔ اندر فرش سنگ مرمر کے چوکوں کا ہے جس میں سنگ موسیٰ کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ آپ کی قبر کا تعویذ ۶ فٹ ۵ انچ × ۳ فٹ ۸ انچ ہے دونوں قبریں ایک ہی وضع کی ہیں اوپر اللہ اور بیچ میں کلمۂ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ حجرہ شریف اندر سے ۱۳ فٹ ۱۰ انچ مربع ہے۔ دیواروں پر خدا جانے کس نفاست سے گچ کی ہے کہ مثل آئینے کے منہ دکھلائی دیتا ہے۔ دیواروں پر نقش ونگار کے علاوہ گنبد کی چھت پر جو بہت بلند نہیں لاجوردی رنگ کے ایسے گل بوٹے نکالے ہیں کہ چمن کھلا دیا ہے اور رنگ ایسا پائدار ہے کہ ذرا پھیکا بھی تو نہیں پڑا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی نقاش نے قلم دھرا ہے۔ درگاہ کے سامنے ۲۶½ × ۴۴½ فٹ کا چبوترہ کا بہت نفیس فرش ہے جس میں سفید اور گردے رنگ کی چھ انچ مربع ٹیلیں لگی ہوئی ہیں اور آج تک باوجود روندن کے یہ فرش جھلملا رہا ہے۔ سبحان اللہ کیسے بنانے والے تھے اور کیسے بنوانے والے۔ اسی فرش کے بیچوں بیچ ۷ فٹ ۴ انچ کا حوض ہے جو اب پاٹ دیا گیا ہے۔

آپ کی درگاہ کا احاطہ بہت وسیع اور فصیل نما کنگورے دار ہے جس کا طول و عرض ۱۱۲ × ۹۸ فٹ اور اونچان ۱۰ فٹ ہے۔ ساری دیواریں طاق طاق بنے ہوئے ہیں۔ اتنے بڑے احاطے کے اندر پورا گچ کا فرش تھا جو سب ضائع ہو کر کہیں کہیں کوئی کوئی ٹکڑا رہ گیا ہے۔

سنگ سرخ کی چوکھنڈی

درگاہ کے احاطے کے اندر بجانب مشرق ایک چھوٹی سی مگر بہت سڈول چبوتری ۹ فٹ مربع چوکھنڈی ہے جس کے بیچ میں سنگ سرخ کی ایک زنانی قبر ہے جس پر دو طرف اللہ اور بیچ میں کلمہ ہے۔

دوسرا احاطہ

اوپر والی چوکھنڈی کے پاس ایک اور کنگورے دار ۱۰۰ × ۳۲½ فٹ طاق دار احاطہ ہے جس کی بلندی ۱۱ فٹ ہے۔ فرش پختہ تھا اب کہیں کہیں کنارے کنارے باقی رہ گیا ہے۔ اس میں بہت سی قبریں ہیں مگر سب بے نشان۔

مسجد

کا مفصل بیان اوپر آچکا ہے۔ بڑی بھاری اور عالی شان بڑے وسیع احاطے کے اندر یہ مسجد ہے عمارت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکمل نہ ہونے پائی اور ادھوری ہی رہ گئی کیوں کہ دو در کتبوں سے خالی رہ گئے ہیں۔

مسجد میں دو طرفہ انتیس انتیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ ممبر تک باقی نہیں۔ مسجد کا فرش صرف روڑی کا رہ گیا ہے۔ داہنی طرف سے پہلے در پر (۱) لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب تا واولئک ھم المتقون۔ پارہ ۲۔ س لقر ع۔ یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام تا لعلھم یرشدون۔ پارہ (۲) س لقر ع

(۲) آیۃ الکرسی فمن یکفر تک۔ اور کلما دخل علیھا ذکریا المحراب تا ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب۔ پارہ (۳) س آل عمران۔ ع ۱۲

(۳) بیش طاق۔ وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا تا ان اللہ بالناس لرؤف رحیم پارہ (۲) س لقر ع۔ سبحٰن ربک رب العزۃ عما یصفون وسلم علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین۔ پارہ ۲۳۔ س صٰفٰت ع ۹۔

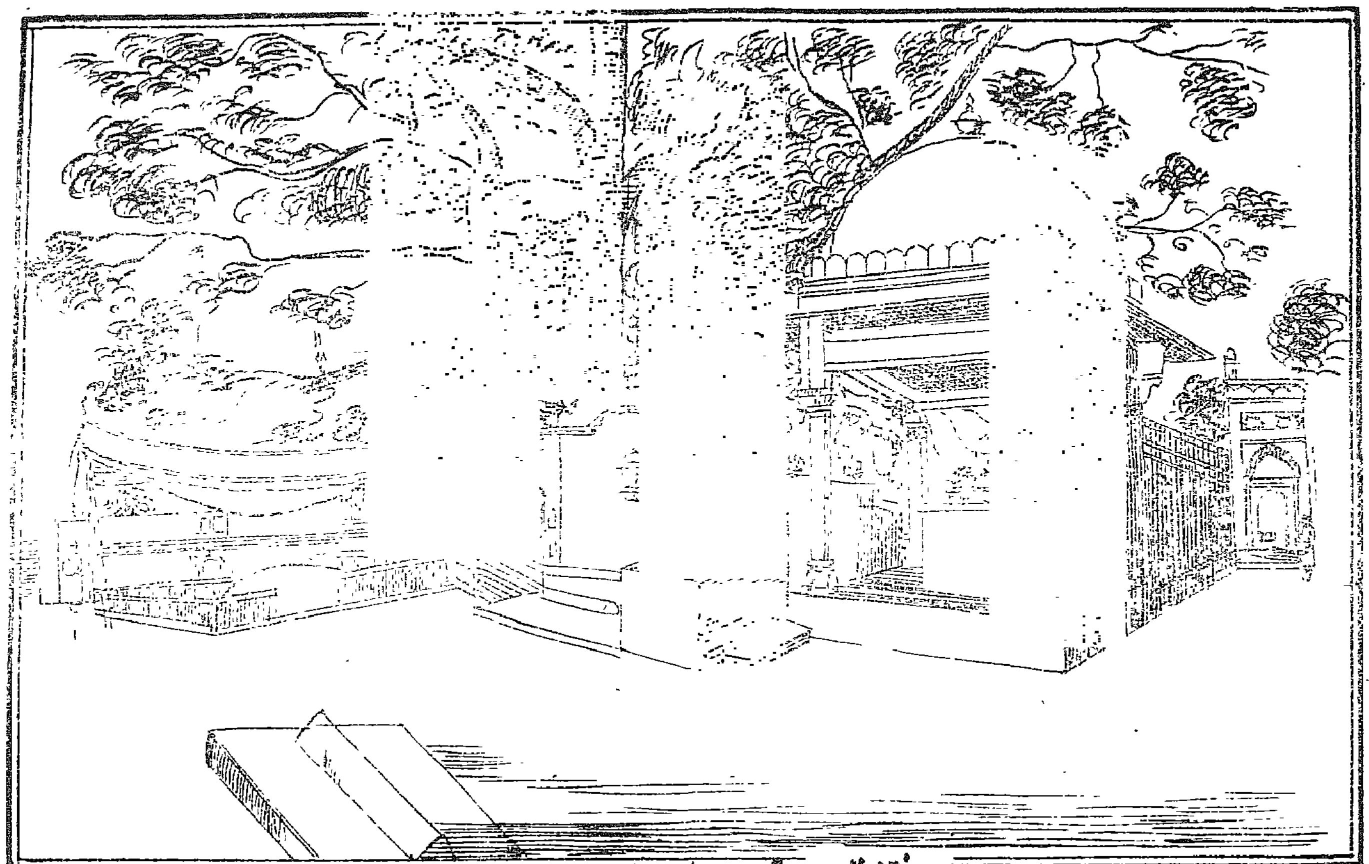
باقی دو در کتبوں سے خالی رہ گئے ہیں۔ بیچ کی محراب سنگ مرمر کی ہے جس میں سنگ مرمر اور سنگ سرخ کی نہایت نازک اور نفیس مرغولیں بنی ہوئی ہیں۔ گو مسجد سنگ خارا کی ہے مگر باہر کی محراب کار و کار سنگ سرخ کا ہے۔ اور اس پر ایک بہت خوب صورت نشیمن سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے۔

ایک برج

مسجد کے شمال میں ایک اونچے ٹیلے پر سنگ خارا کا ایک ہشت پہلو برج بہت مضبوط بنا ہوا ہے جس کا قطر ۱۱ہ ہے۔ اور ہر ضلع طول میں ۸ہ ہے اور اور کی بلندی ۲ہ ہے۔ مگر اس میں کوئی قبر نہیں رہی صرف بن گھڑے پتھروں کا فرش باقی رہ گیا ہے۔ مسجد اور درگاہ کے گرد دور دور تک مکانوں کے کھنڈر ہیں مکانوں کی چار دیواری اور حجروں کی دیواریں کھڑی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اب جنگل میں یہ درگاہ ہے پہلے اس کے گرد آبادی تھی۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ

اے سرور اولیاے عالم
ای قبلۂ اصفیاے اکرم
روے تو کہ آفتاب حسن ست
پیدا شد از و ضیاے عالم



نقشہ قطب الاقطاب علیہ الرحمۃ

حضرت خواجہ قطب الدین صاحب سید حسینی ہیں آپ کے نسب کا سلسلہ حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پونہچتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام نامی خواجہ کمال الدین احمد موسیٰ اوشی ہے۔ آپ اوش[1] ملک ماوراءالنہر کے رہنے والے تھے حضرت خواجہ قطب الدین جو عموماً خواجہ صاحب سے مخاطب کیے جاتے ہیں بزرگان دین میں نہایت اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں۔ حضرت صرف ڈیڑھ یا ڈہائی ہی سال کے تھے کہ آپ کے پدر بزرگوار نے انتقال فرمایا۔ آپ شہر بغداد میں امام ابو اللیث سمرقندی کی مسجد میں بماہ رجب المرجب سنہ ۵۲۲ھ حضرت معین الدین حسن چشتی سنجری قدس سرہ العزیز کے مرید ہوئے اور مرتبہ خلافت پیران چشت سے حاصل کیا اور ایک مدت خواجہ بزرگ کے ساتھ بغداد شریف میں محنت وریاضت شاقہ کھینچی۔ جب خواجۂ موصوف بغداد سے اجمیر شریف تشریف لائے تو بعد میں آپ بھی پہلے ملتان آئے بعد دہلی پونہچ کر آپ نے خواجۂ بزرگ کی خدمت میں ایک عریضۂ اشتیاقیہ لکھا حضرت نے جواب دیا کہ روحانی نزدیکی کو مکانی فاصلہ نقصان نہیں پونہچاتا اور نہ پونہچائے گا ای بابا بختیار تم کو دہلی میں رہنا چاہیئے چنانچہ آپ دہلی ہی میں رہے مگر تین بار آپ کی زیارت کو اجمیر تشریف لے گئے۔ سراج الاقطاب میں لکھا ہے کہ آپ سنہ ۵۸۸ھ فتح دہلی سے پورے تین سال پہلے رای پتھورا کے زمانے میں ہندوستان تشریف لائے اُس وقت سن شریف بیس سال کا تھا اور آپ تحصیل علوم سے فراغ حاصل کر چکے تھے آپ کو دنیاوی معاملات یا امور سلطنت سے کسی قسم کا تعلق نہ تھا آپ کا مشرب ہمیشہ صلح کل رہا۔ سراج الاقطاب میں لکھا ہے کہ آپ کے تعلقات سلطان محمد غوری سے شگفتہ نہ تھے مگر سلطان شمس الدین التمش آپ کا بڑا معتقد تھا اُس کے زمان سلطنت میں آپ کا بڑا

[1] اوش بر وزن سوش ولایت فرغانہ میں ایک قصبہ ہے مابین سمرقند اور اندجان کے۔ آپ کی ولادت کے سال میں اختلاف ہے۔ کتب تواریخ سے آپ کی وفات یوم دوشنبہ ۱۴ ربیع الاول سنہ ۶۳۳ھ ثابت ہوئی اور وفات کے وقت آپ کی عمر چوہتر سال کی ثابت ہوتی ہے بلکہ صاحب اسرار الاولیا لکھتے ہیں کہ سن شریف کچھ اوپر سو برس کا تھا کیوں کہ آپ کی ولادت ماہ رجب سنہ ۵۱۳ھ ہونا کہی جاتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

دور دور اتھا۔ پہلے پہل آپ نے پانی کے آرام کے خیال سے موضع کیلوکھڑی میں لب آب قیام فرمایا اور کچھ دنوں وہیں رہے کہ شمس الدین التمش نے آپ کو شہر میں لانے کی خواہش کی لیکن آپ نے انکار کیا مگر پھر بھی ہفتے میں دو مرتبہ بادشاہ آپ کی خدمت میں بالالتزام حاضر ہوا کرتا تھا حالاں کہ آپ کی اقامت کا فصل پانچ کوس تھا۔ آخر بادشاہ بہت مصر ہوا اور آپ کو نہایت عجز والحاح سے شہر میں لایا اور اعزاز الدین کی مسجد کے پاس جو ایک پر فضا اور مصفا مقام تھا آپ کو ٹھیرایا۔ شہر کے چھوٹے بڑے سب خواجہ صاحب سے رجوع ہو گئے۔ تھوڑے دنوں بعد مولنا جمال الدین احمد بسطامی شیخ الاسلام نے انتقال کیا۔ بادشاہ نے چاہا کہ یہ خدمت آپ کو دے لیکن آپ کو دنیاوی معاملات سے کیا تعلق تھا آپ نے ہرگز قبول نہ فرمایا۔ آپ دہلی ہی میں شامل ہوئے اور آپ کے دونوں صاحب زادے سید احمد اور سید محمود صاحبان آپ کے برابر ہی آسودہ ہیں بڑے صاحب زادے کا مزار تو کٹہرے کے اندر آپ کے برابر ہی ہے اور چھوٹے صاحبزادے کا کٹہرے کے باہر آپ کی پائینتی۔ بڑے صاحب زادے سید احمد بڑے صاحب جذبات و کمالات گزرے ہیں۔ سید محمود نے عالم طفلی میں سات سال کی عمر میں ہی انتقال فرمایا۔ حضرت خواجہ صاحب کے مزار کے سرہانے خواجہ عبد العزیز بسطامی اور پائینتی قاضی حمید الدین ناگوری۔ مولنا بدر الدین غزنوی اور امام الدین ابدال حضرت ضیاء الدین دست غیب خواجہ صاحب کی دایہ کے صاحب زادے خواجہ شرف الدین بقال اور بہت سے بزرگان دین کے مزارات ہیں۔ آپ کو حضرت خواجہ خضر سے عالم رویا میں ملاقات ہوئی تھی۔ آپ کے کمالات خوارق عادات۔ کرامتوں۔ غیب گوئیوں کی بہت سی روائتیں مشہور ہیں مگر آپ نے خود کبھی اپنے کشف و کرامات کا اظہار نہیں فرمایا۔ آپ جب تک زندہ رہے مرجع خاص و عام رہے اور گو کہ آپ کے جنازے کو بادشاہ وقت نے کندھا دیا مگر آپ کے بے شمار مریدوں اور معتقدین کو جو عقیدت آج تک ہے اس کے مقابلے میں یہ امر کوئی قابل فخر بات نہ تھی۔ آپ نے اپنے وصال کے وقت اپنا جبہ اور عصا اپنے مرید اور خلیفہ حضرت فرید گنج شکر کے پاس

بمقام پاک پٹن جو ملتان کے قریب ہی ہیچ دیا۔
روایت ہے کہ جب ایک بار حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر سے دہلی اس ضرورت سے تشریف لائے کہ آپ کے دو صاحب زادوں کا علاقہ اجمیر میں ایک گاؤں تھا وہاں کا تعلقہ دار تنخواہ دینے میں آپ کو ستاتا تھا۔ آپ نے صاحب زادوں کی خاطر دہلی چل کر بادشاہ سے مشاہرہ لانے کی آمادگی ظاہر فرمائی۔ خواجہ بزرگ دہلی تشریف لائے اور حضرت قطب صاحب ہی کے مکان پر تشریف فرما ہے قطب صاحب نے فرمایا کہ آپ کو بادشاہ کے دروازے پر جانے کی کیا ضرورت اور میں نہیں چاہتا کہ ذرا سی بات کے لئے آپ وہاں تک تکلیف فرمائیں یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ مختصر یہ کہ آپ بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ تو آپ کی ملاقات کا بھوکا ہی تھا آپ کی تشریف آوری کو لیسا غنیمت سمجھا اور بہت خوش ہوا اور اسی وقت مقررہ مشاہرے کی اشرفیوں کی تھیلیاں نذر کیں۔ اسی مجلس میں رکن الدین حلوائی حاکم خطۂ اودھ بھی آیا اور حضرت کے بلند مرتبے پر بیٹھا بادشاہ کو یہ سوء ادبی ناگوار معلوم ہوئی آپ نے تاڑ لیا اور خندہ پیشانی سے فرمایا کہ جس وقت حلوا اور کاک موجود ہوتا ہے تو ہمیشہ حلوا کاک کے اوپر رہتا ہے پس اگر حلوائی کاکی سے اوپر بیٹھ گیا تو کیا بُرا ہوا۔
حضرت قطب صاحب فرماتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ معین الدین صاحب دلّی تشریف لائے اُس وقت شیخ نجم الدین صغرادی کے شیخ الاسلام تھے اور خواجہ بزرگ سے اُن سے قدیم روابط ملک خراسان سے تھے اور آپ کی طبیعت میں چوں کہ انکسار بہت تھا آپ بے تکلف اُن سے ملنے چلے گئے وہ ایک چبوترے کے بنوانے میں مصروف تھے ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ آپ نے نزدیک جاکر السلام علیکم کہا اور کہا کہ شاید تم کو شیخ الاسلامی کا گھمنڈ ہے جو قدیم دوستوں سے یوں بے رُخی کرتے ہو۔ نجم الدین نے بہت کچھ معذرت کی اور کہا کہ معاف کیجیے میں نے دیکھا نہیں ورنہ میں وہی بندہ معتقد اور مخلص ہوں مگر آپ نے اس شہر میں ایک ایسے مرید کو چھوڑا ہے کہ اُن کے سامنے میری خدمت ہیچ ہے۔ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ "خاطر جمع رکھو بابا قطب الدین

کو اپنے ساتھ اجمیر لے جاؤں گا۔ خواجہ بزرگ نے چندے دلی میں اقامت فرما کر مراجعت کا قصد فرمایا اور قطب الدین صاحب سے فرمایا کہ "بابا بختیار دفعتہً تو ایسا شہر میں مشہور ہوا کہ بعض لوگ تجھ پر رشک کرتے ہیں اٹھ اور میرے ساتھ چل"، چنانچہ آپ نے بھی حضرت کے ساتھ اجمیر جانے کا تہیہ کر لیا۔ یہ خبر مثل برق صاعقہ کے پھیل گئی جس سے دلی میں ایک تہلکۂ عظیم برپا ہو گیا اور لوگوں نے حضرت معین الدین کے حضور میں واویلا اور منت سماجت کی کہ حضرت کو دلی ہی میں رہنے دیا جائے کہ جن کے دم قدم کی برکت سے ہم لوگوں کی جان میں جان ہے اور شہر میں برکت ہے۔ یہاں تک کہ سلطان شمس الدین التمش یہ خبر سن کر پا پیادہ حضرت کی خدمت میں دوڑا ہوا آیا۔ چوں کہ ایک جم غفیر کی یہ خواہش تھی حضرت معین الدین نے یہ درخواست قبول فرمائی اور خواجہ بزرگ نے آپ کی مفارقت میں تمام شہر کا حال ایسا مضطر و پریشان دیکھا تو فرمایا کہ "بابا قطب الدین تم یہیں قیام کرو میں نہیں چاہتا کہ تمھاری آتش جدائی میں خلق خدا کے دلوں کو کباب کروں۔ جاؤ اس شہر کو ہم نے تمھاری پناہ میں سپرد کیا"۔ قطب صاحب نے بھی قصد روانگی ملتوی فرمایا اور پھر آپ نے یہیں اقامت فرمائی اور یہیں آپ کا وصال ہوا۔

آپ سے لوگوں کی حسن عقیدت اس درجے بڑھی ہوئی تھی کہ اب تک بھی آپ کا مزار مہبط انوار الٰہی ہے۔ سبحان اللہ عجب مکان پر نور اور مقام کرامت منشور اور آستانۂ فیض گنجور اور بارگاہ سراسر سرور ہے کہ ہر در و دیوار اس کا مطلع خورشید سعادت اور ہر گوشہ اس کا مشرق انوار ہدایت ہے۔ ہر سنگ اس کا سجدہ گاہ مسجان بیت المعمور اور ہر ذرہ اس کا بصیرت افزائے دیدہ تجلی طور۔ ہر طرف رداے شوارق رحمت رحمانی نور افشاں اور ہر جانب رشحات سحاب لطف یزدانی فیض رساں۔ باوجودیکہ مزار آپ کے زیر سما ایک انبار گل ہے مگر اس کی خوشبو سے شمیم گل و بوئے مشک خجل ہے اور باوصف کہ تربت پر کچھ گنبد و آرائش نہیں لیکن اس کی عظمت و جبروت سے بارگاہ سلطانی اور شوکت خرگاہ آسمانی منفعل ہے۔

تاریخ سلاطین افاغنہ میں احمد یادگار راوی ہیں کہ محمد عادل شاہ سور کا سپہ سالار

ہیموں جب دہلی سے مغلوں کے مقابلے کو نکلا تو وہ آپ کے مزار پر حاضر ہوا اور منت مانی کہ اگر وہ فتح کرے گا اور مغلوں کو پسپا کر کے دِلّی کے تخت پر متمکن ہو جاوے گا تو وہ قبول اسلام سے مشرف ہو گا۔

جب آپ کے وصال کی خبر پاک پٹن میں پہنچی تو حضرت فرید شکر گنج دہلی تشریف لائے اور حوض شمسی کی مٹی لا کر آپ کی قبر پر ٹوکریاں بھر بھر کر ڈالیں چنانچہ آپ کی قبر شریف آج تک خام ہے بلکہ اس کا یہاں تک اہتمام و احترام ہے کہ اُن ٹوکریوں کی مٹی کو اُسی طرح چھوڑ دیا ہے سطح کو ہموار تک نہیں کیا۔ انھیں پر ایک سفید غلاف پڑا رہتا ہے۔

حضرت کے مزار کے گرد سنگ مرمر کا ایک نہایت نفیس جالی دار کٹہرا ۱۲ ۔ ۹ اونچا ۸ ا مدہ ۱۵ اپ سر خورشید جاہ بہادر نے نصب کرایا ہے۔ کٹہرے کی نفاست کا کیا پوچھنا مگر کتبہ جو لگا یا ہے وہ ایسا بدخط ہے کہ اُس نے کٹہرے کو بھی عیب لگا دیا۔ حال آں کہ نواب صاحب مرحوم و مغفور نے حضرت نظام الدین اور روشن چراغ دہلی کی درگاہوں میں بھی کٹہرے لگوائے ہیں اُن پر تو بہت خوش خط کتبے ہیں اور ضرور ہے کہ یہ کٹہرا بھی جب ہی لگا یا ہو گا مگر کتبہ غالبًا بعد میں بے توجہی سے کھدوایا ہے اور وہ یہ ہے۔

"گذرانیدہ غلامانِ غلام قدمی محی الدین بہادر شمس الامرا

امیر کبیر خورشید جاہ لسبت ۲۱ و یکم ماہ صفر المظفر ۱۳۰۰ ہجری"

حضرت کے مزار کے سرہانے دیوار میں بطور چراغ دان کے ایک طاق بنا ہوا ہے اُس پر یہ خوش خط کتبہ ہے۔

۷۸۶

تاج

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

جانشین سلطان الہند غریب نواز خواجہ معین الدین

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی چشتی رح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا اللہ بخش

جام شراب الفت آتا کہ بر کشید ند ۔۔۔ بازند جاں ببازی گری گرآید

چراغ دان مزار مبارک حضرت قطب الاقطاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

گزرا ایندہ خاکسار سردار مرزا معافیدار دہلوی ۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ
فدا حسین سنگ تراش
اکبر آبادی

آپ کے سرہانے ایک اور وسیع احاطہ ہے اس میں بھی متعدد قبور بزرگان دین اور آپ ہی کے معتقدین کی ہیں۔ اس احاطے میں بڑے بڑے چار درخت کھرنی کے بہت پرانے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے لگائے ہوئے ہیں بہرحال ہیں بہت پرانے۔ ان کا گھنا سایہ گرمی میں بڑا لطف دیتا ہوگا۔

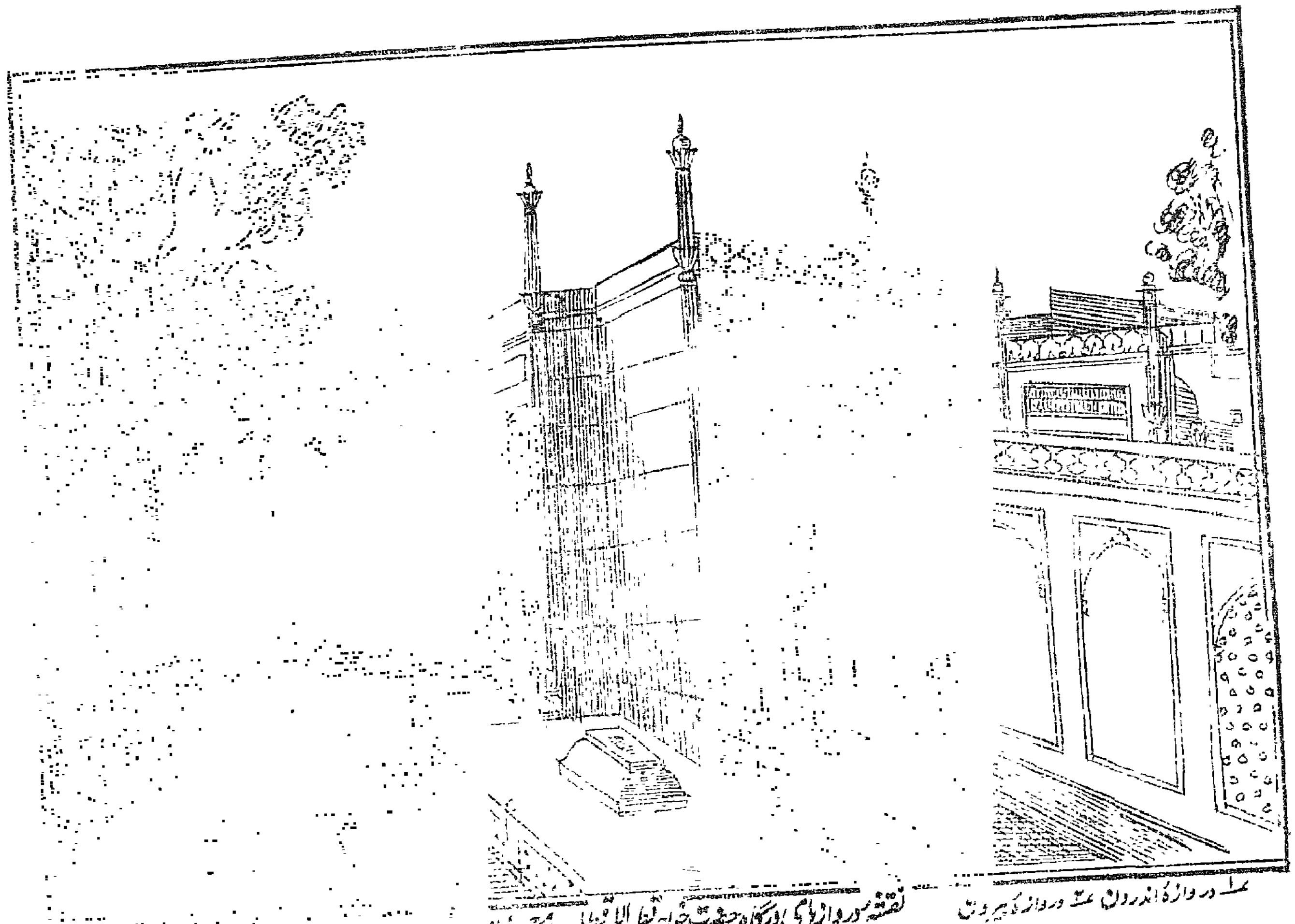
دروازہ متصل مجلس خانہ
۹۴۸ھ ۱۵۴۱ء

۹۴۸ھ ۱۵۴۱ء میں بزمان سلطنت شیر شاہ خلیل اللہ خاں نامی ایک بڑے امیر وقت نے آپ کی قبر کے اطراف ایک وسیع احاطہ کھنچوایا اور شمال کی طرف ایک دروازہ بنوا کر یہ کتبہ نصب کیا:۔ (اشعار بر دروازہ متصل مجلس خانہ)

در زمان آفتاب چرخ دولت شیر شاہ	شاہ را برباب کوکب موکب گردوں غلام
این عظیم القدر درگاہے کہ اندر باب او	صادق آمد قول ہذا الباب من دار السلام
بود بست و چار و نہصد سال از ہجرت کہ شد	از اہتمام شیخ دیں پیر و خلیل الحق تمام

اب یہ دروازہ بستی دروازہ کہلاتا ہے۔ دروازہ تو کچھ بڑا عالی شان نہیں ہے۔ اسی دروازے سے بسنت چڑھتی ہے اس سبب سے یہ نام مشہور ہو گیا۔ ۱۳ اور ۱۴ ربیع الاول کو بزمان عرس شریف غلاف خوشبوئیں وغیرہ اسی دروازے سے چڑھتی ہیں۔ اسی دروازے کے پاس سماع خانے کی قدیم عمارت تھی جو اب شکستہ ہو کر سوائے وسیع احاطے اور ایک شاندار گنبددار دروازے کے کچھ باقی نہیں رہا۔ اس احاطے میں اب صرف قبریں ہی قبریں ہیں بستی دروازے میں سے ایک چالیس گز لمبی گلی چلی گئی ہے جو مکانوں کی پچھیت کی دیواروں اور صحن درگاہ کی دیواروں سے بن گئی ہے۔ اس گلی کے سرے پر چھ سیڑھیاں چڑھ کر مولانا فخر الدین کے دروازے میں ہم داخل ہوتے ہیں۔ آپ شاہ عالم کے زمانے کے ایک بڑے امیر تھے۔ اس دروازے کے ایک جانب تین اور دوسری طرف ایک حجرہ ہے جو خدام

سنہ مبارک پور کوٹلے کے مدافی دار تھے ۔۱۲



۱ دروازہ اندرون ۲ دروازہ بیرون

نقشہ دروازہای درگاہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب

عمل مرزا ... الدین

کے رہنے کے لیئے بنے ہوئے ہیں۔

دروازہ جانب احاطہ ملا موج
۹۵۸ھ
۱۵۵۱ء

دس برس بعد سلیم شاہ کے عہد میں **یوسف خاں** نے ایک اور دروازہ ۹۵۸ھ ۱۵۵۱ء میں بنوایا جواب صدر دروازہ ہی اور جس پر یہ کتبہ ہی:-

اشعار بر دروازہ جانب احاطۂ ملا موج

در زمان شہ جہان اسلام — شد بلندی در سپہر جناب
گرچہ صد ہست باب جنت را — لیس باب بمثل ہذا الباب
کرد شخصے بنا کہ در بابش — یوسف ثانی از حق است خطاب
چوں ز تاریخ نام کردم عرض — گفت "درگاہ خواجہ اقطاب"

اس دروازے کا نام مالن دروازہ مشہور ہی جو درگاہ کی مشرق جانب تھا۔ مالن دروازہ اس سبب سے کہلاتا تھا کہ ادھر سے کوئی مالن پھول اور چادر وغیرہ چڑہانے آیا کرتی تھی۔ اب یہ دروازہ گر گیا ہی اس سبب سے یہ کتبہ یہاں سے نکال کر صحن مسجد کے سامنے جو تین حجرے توشے خانے کے بنے ہوئے ہیں اُن میں سے بیچ والے حجرے کی پیشانی پر لگا دیا ہی۔

نوابان جھجر کی حظیرہ

بڑی دروازے میں داخل ہونے کے بعد سیدھے ہاتھ کی طرف مجلس خانے کے دروازے کے ملحق ایک احاطہ ۶۷×۸۸ کا ہی جو **جھجر کے نوابوں کی حظیرہ** ہی اس احاطے کے اندر مغرب میں ایک چھوٹی سی تین دروں کی مسجد ہی اسی کے صحن میں یہ حظیرہ ہی۔ اسی احاطے میں مسجد کی پشت پر ایک مکان تین در اور دو کوٹھریوں کا ہی جس کے صحن میں ایک برجی بھی بنی ہوئی ہی صحن مسجد کے مشرق میں سنگ مرمر کے دو نفیس چبوترے ہیں۔ دونوں آٹھ ۱۰×۳ طول و عرض میں اور دو فیٹ اونچے ہیں۔ دوسرے چبوترے کے گرد سنگ مرمر کا ایک جالی دار کٹہرا ایک فٹ اونچا ہی پہلے چبوترے پر دو قبریں ہیں ایک جھجر کے پہلے نواب نجابت علی صاحب کی اور دوسری اُن کی بیوی کی۔ یہ

نجابت علی وہ ہیں جن کو لارڈ لیک کے زمانے میں جاگیر عطا ہوئی تھی۔ دوسرے چبوترے پر نجابت علی خاں کے صاحبزادے میر فیض محمد خاں کی قبر ہے جس پر سنگ مرمر کی لوح پر بہ خط نستعلیق نہایت خوش خط یہ کتبہ ہے:-

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

نواب چوں گذشت ازیں ایراں سرائے | از جوش درد و غم ہمہ عالم بہم زدم
تاریخ رحلتش سر لوح مزار او | آرام گاہ فیض محمد الم زدم

اس قبر کی داہنی طرف ایک اور سنگ مرمر کی ایسی ہی قبر ہے مگر اس کے گرد نہ کٹہرا ہے نہ لوح۔ یہ قبر میر فیض علی خاں کی ہے جو نواب عبدالرحمٰن خاں جھجر کے آخری نواب کے والد تھے۔ عبدالرحمٰن خاں کو ۱۸۵۷ء کے غدر میں بعلت بغاوت پھانسی دی گئی تھی جن کی نعش کو سرکار نے اُن کی ہڑواڑ میں دفن کرا دیا۔ اس کے علاوہ اس احاطے میں اور بہت سی قبریں ہیں۔ صحن مسجد سے شروع کریں تو پہلی لین میں تین قبریں ہیں (۱) چبوترا اور قبر سنگ مرمر۔ (۲) سنگ سرخ کی۔ (۳) ایک پست قبر گچ کی **دوسری لین** (۱) سنگ سرخ کے چبوترے پر دو قبریں سنگ مرمر کی۔ دوسرا چبوترا سنگ مرمر اُس پر دو قبریں جس میں ایک سنگ مرمر کی ہے۔ ان دونوں چبوتروں کے بیچ میں ایک زمین دوز قبر۔ تیسرا چبوترا سنگ سرخ کا اُس پر ایک قبر۔ **تیسری لین** صحن مسجد پر ایک قبر گچ کی صحن سے اُتر کر تین چبوترے سنگ مرمر کے ہیں جن پر نوابان جھجر کی قبریں ہیں اسی لین میں چوتھی قبر گچ کی ہے اور پانچویں قبر سنگ مرمر کی سنگ سرخ کے چبوترے پر ہے۔ **چوتھی لین**۔ سات قبریں **پانچویں لین**۔ چار پختہ دو خام قبریں۔ اس لین کی کونے والی قبر پر جو گچ کی ہے یہ لوح لگی ہوئی ہے:-

ہو القیوم

فرشتہ خصلت و عصمت پناہ و مرتبت عالی
ہوئی واصل بحق از حکم رب پاک بیہمتا
جو پوچھا پاس سن رضواں سے اُس کا از سر بخشش
زہی جنت میں ممتاز النسا گئی بولا
۱۳۰۹ھ

یہ احاطہ پتھر چونے کا ہے۔ احاطہ کے بیچ میں نیم کا ایک بہت پرانا درخت ہے

شاکر خاں کا دروازہ

۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء

ہو۔ مولینا فخر الدین کے دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی پہلے تو ایک کھلا ہوا پتھر کے صحن کا فرش ملتا ہے جس کے آگے کوئی بیس گز کے فاصلے سے ایک اونچی دیوار میں ایک دروازہ نصب ہے اور داہنی طرف ایک اور محراب دار دروازہ ہے جس کو ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء میں بعہد شاہ عالم بہادر شاکر خاں نے بنوایا۔ اب یہ دروازہ بادشاہی دروازہ اس وجہ سے کہلاتا ہے کہ بادشاہی دروازے کے پاس ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے:-

اشعار بر دروازہ عربی

خلقے کہ درین گنج سعادت می رفت　　آخر گہر نثار شاکر خاں سفت

گفتم چہ نویسیم رقم تاریخش　　رضواں بدر اسرار در جنت گفت

خواجہ نور المخاطب بہ معتمد خاں کی قبر

۱۰۸۴ھ

شاکر خاں کے دروازے کی داہنی جانب محراب دار دروازے میں داخل ہونے سے اول ایک دوسرا احاطہ ۲۵ گز مربع ہے جس کی چار دیواری سنگ سرخ کی دس فٹ بلند ہے جس کے اوپر دو فٹ اونچا اور کنگورا بھی ہے۔ سر تھیافلس مٹکاف کی قبر جو دہلی کے سینٹ جیمس کے گرجا میں بنی ہوئی ہے کہتے ہیں کہ اس کا تعویذ پہلے جھجھر کے نواب نے اپنے لئے خریدا تھا مگر ۱۸۵۷ء کے غدر سے معاملہ درہم برہم ہو گیا اور ایک مسلمان کی قبر کا تعویذ انگریز کی قبر پر نصب کر دیا گیا۔ اس احاطے میں اب معتمد خاں کی قبر ہے جو اورنگ زیب کے عہد کا ایک خواجہ سرا تھا جس کا اصلی نام خواجہ نور تھا جو قلعہ جات گوالیار و آگرے کا قلعہ دار بھی تھا۔ اس احاطے کے دروازے کی پیشانی پر سنگ مرمر کی ایک تختی پر ایک ایک مصرعہ بخط نستعلیق نہایت خوش خط کندہ ہے کل دس تختیاں ہیں۔

بعہد مظہر حق شاہ عالمگیر محی الدین　　کہ از بخشش معتمد ایں باشد [illegible]

گزید معتمد خاں تاکہ باشد شاہ [illegible]　　کہ از [illegible]

ز نور تربتش ہر کس تجلی یاب می گردد | شود حشر از جمال جبہ این چون ماہ نورانی

لہ کنولس عفو کن یارب زمین قرب اقدامش | منور ساز روحش را ز نور قطب ربانی

سوال سال تعمیرش چو از گردوں بیاں کردم | جواب آمد الٰہی عاقبت مسعود گردانی ۱۲۰۸ھ

اس قبر کا تعویذ بالکل سادا سودا سنگ مرمر کا تین فٹ اونچا اور تین فٹ اونچے چبوترے پر ہے۔ اس احاطے کے مغرب جانب پانچ دروں کی ایک مسجد ہے جو ۳۹ فٹ لمبی اور ۱۴ فٹ چوڑی ہے جس کے صحن میں پتھر کا فرش ہے صحن ۵۰ ۱/۲ فٹ چوڑا ہے۔ اس احاطے میں اور چار قبریں شاہزادہ مرزا الٰہی بخش صاحب کے خاندان کی ہیں۔ جو مرزا شہ پا جاہ کے والد تھے۔

اس احاطے کے اندر بیچوں بیچ میں ایک بہت بڑا نیم کا درخت ہے جو قبروں پر سایہ کیے ہوئے ہے۔

مراد بخش کا محجر سنہ ۱۲۱۵ھ

بادشاہی دروازے کے پاس یہ محجر ۳۶ ۱/۲ × ۲۲ ۱/۲ فٹ ہے جس کے اطراف سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ محجر کے اندر چھوٹی سی سہ دری اور ایک مختصر سی خانقاہ وہ بھی سہ دری بنی ہوئی ہے۔ اس خانقاہ میں ایک محجر بھی ہے۔ محجر کے اندر چار قبریں ہیں جن میں سے ایک سنگ مرمر کی ہے۔ دو قبریں سنگ مرمر کے تعویذ کی ایک سنگ سرخ کے کٹہرے کے اندر ہیں جس کا چبوترا سنگ مرمر کا ہے۔

اس محجر کے روکار پر یہ کتبہ ہے۔

پیر دستگیر	اللہ و محمد علی فاطمہ حسن حسین علیہ السلام	غوث الاعظم
در عہد جہاں پناہ شاہ عالم صد شکر مراد بخش با صدق و صفا	تعمیر نمود خانقاہ و مسجد پیش درگاہ قطب دین و دنیا	تاریخ ز عقل چون بجستم گفت این مسجد و خانقاہ او کرد بنا ۱۲۱۵

مراد بخش کے محجر کے پاس ایک پختہ حوض ۲۵ فٹ مربع چار فیٹ عمیق بیچ میں فوارہ بندش سنگ سرخ کی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب بادشاہ زیارت کو تشریف لاتے تھے تو اسی حوض پر وضو کر کے درگاہ شریف میں داخل ہوتے تھے۔

لہ نور اور روحش کے نقطے اصل میں نہیں ہیں۔ ۱۲

گل چشم خاں کی مسجد

مراد بخش کے مجرے سے ذرا آگے بڑھ کر گل چشم خاں کی مسجد ۳۰ فٹ ۳ انچ × ۲۶ فٹ ۱/۲ باہر سے ہے۔ دالان کا عرض ۱۱ فٹ ۱/۲ ہے اس میں کوئی خاص بات نہیں۔

مولٰنا فخر الدین کا مزار ۱۱۹۹ھ

معتمد خاں کے احاطے کی بائیں جانب دروازے کے اندر ۸۵ فٹ لمبی اور چھ فیٹ چوڑی ایک ڈھلوان گلی ہے جس کا ڈھلاؤ شمال سے جنوب کی طرف پورے چار فیٹ کا ہے۔ داہنی جانب قطب صاحب کے مزار مبارک کے احاطے کی سنگ مرمر کی دیوار ہے اور بائیں طرف حضرت کی مسجد کی پشت کی دیوار ہے۔ اس گلی کے سرے پر ایک سنگ مرمر کا دروازہ ہے جس کی سیدھی جانب **مولٰنا فخر الدین** کا مزار ہے آپ مولٰنا **نظام الدین** اورنگ آبادی کے صاحب زادے اور خلیفہ ہیں۔ آپ کی ولادت سنہ ۱۱۲۶ھ میں بمقام **اورنگ آباد دکن** ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب **شیخ شہاب الدین** سہروردی تک پہنچتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ **سید محمد گیسو دراز** کی اولاد میں سے ہیں جن کا مزار پُر انوار **گلبرگہ شریف** میں ہے۔ آپ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے مگر پھر دلی میں آن رہے۔ تحصیل علوم الٰہی کے بعد یاد الٰہی میں قدم بڑھایا۔ سرگروہ کاملین میں سے ہوئے۔ تہتر سال کی عمر میں ۲۷ جمادی الثانیہ سنہ ۱۱۹۹ھ کو انتقال کیا۔ آپ کی قبر زیر سماء ہے۔ چبوترا سنگ مرمر کا ۱۵ فٹ ۱/۲ × ۸ فٹ ۹ انچ اور ڈھائی فیٹ اونچا ہے جس کے گرد نہایت خوب صورت جالی دار کٹہرا ایک فٹ اونچا ہے۔ آپ کے مزار کے سرہانے یہ کتبہ ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔ اللہم صلی علی محمد وعلی آل محمد

بگذاشت فخر دیں چوں جہاں سرائے فانی · بہ آستانہ جاداد آں قطب جاودانی
سال وصال آں ماہ از غیب چوں بجستم · تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی
۱۱۹۹

من کلام سید الشعرا مقبول الٰہی ۱۲۲۶

آپ ہی کی چبوترے پر ایک چھوٹی سی قبر سلطان التارکین شمس الدین شمس کے بیٹے کی ہے جس کا تعویذ ۱ فٹ ۱۰ انچ × ۱ فٹ اور نو انچ اونچا ہے۔ مولٰنا فخر الدین صاحب کے چبوترے کی پائنتی ایک ستون سنگ مرمر کا بطور لالٹین کے نواب نظام الدین خاں صاحب [illegible]

مرحوم رئیس لوہارو نے بنوادیا ہے جس پر دو طرف قطب مین فخر صاحب [۱۱۹۹] شمع مزار عاشق صادق کندہ ہے اور اسی کے جوڑ کا ایک اور ستون ہے اس پر چراغدان لحد [۱۲۲۲]۔ بینو مقام فخر الدولہ [۱۲۴۳] کندہ ہے۔ یہ دونوں ستون مولنا فخر کے سنگ مرمر [۱۲۵۳] کے دروازے کے دونوں طرف ہیں۔

دو اور مزار

مولنا فخر الدین رح کے مزار کے سرہانے یہ دو مزار اور ہیں:- (۱) شیخ حسین دانا رح۔ (۲) شیخ اللہ دیا رح۔

مولنا فخر الدین کے احاطے میں اور خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کے درگاہ کے احاطے میں بہت سے اولیاء کاملین اور رؤسائے عظام اور عقیدت مندوں کی قبریں ہیں جن کی کیفیت خدام درگاہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

سماع خانہ

درگاہ شریف کی مسجد کے قریب۔ ضابطہ خاں کا بنوایا ہوا ہے اگر یہ صحیح ہے تو ضابطہ خاں نے ۱۷۸۵ء میں انتقال کیا ہے یہی زمانہ اس سماع خانے کی تعمیر کا سمجھئے۔ یہ ایک تین در کا دالان ہے لمبہ ۹ x ۱۶½ محرابیں کنگرے دار ہیں۔ سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے مگر چھت چوبی کڑیوں کی ہے چھت کے چاروں طرف چوکون چھجیاں ہیں۔ سامنے بڑا لمبا چوڑا صحن ہے جو سارا قبروں سے پٹا پڑا ہے۔ اسی صحن میں داؤد خاں کی بڑی بھاری باؤلی ہے جس کا ذکر اپنی جگہ آئے گا۔

ضابطہ خاں کی قبر

فرخ سیر کے پہلے سنگ مرمر کے دروازے سے گزرنے کے بعد سیدھی جانب کوئی دس گز کے فاصلے پر بہت سی قبریں ہیں ان سے اور ذرا آگے بڑھ کر یعنی سماع خانے کے دالان سے ملا ہوا سامنے والا ایک سنگ مرمر کا چبوترا ۱۱½ x ۱۱ فٹ اور دو فیٹ اونچا ہے جس کے گرد ایک خوب صورت کٹہرا ہے چبوترے پر ایک پرانا اور گھنا نیم کا درخت ہے جو قبروں پر سایہ فگن ہے۔ اس چبوترے پر سنگ مرمر کی دو خوب صورت قبریں برابر برابر ہیں جن کے تعویذوں پر علاوہ نقاشی کے کل من علیہا فان اور کلمہ اور گرد آیۃ الکرسی منقوش ہے۔ مردانی قبر ضابطہ خاں کی ہے اور زنانی اس کی بیوی معصومہ بیگم کی ہے یہ وہی ضابطہ خاں ہیں جو سلطنت مغلیہ کے قلع قمع کے بانی مبانی تھے اور جن کے صاحبزادے غلام قادر خاں تھے جو مفسدہ پردازی میں اپنے

باپ سے کئی ہاتھ بڑھے ہوئے تھے۔ ؎

زناپاک زادہ نداری امید — کہ زنگی بشستن نگردد سفید
پرستارزادہ نیاید بکار — اگرچہ بود زادۂ شہریار

سماع خانے کے صحن کی دوسری قبریں

پہلی قبر جو باؤلی کی طرف ہے اُس پر یہ کتبہ ہے۔ بسم اللہ۔ کلمہ۔ تاریخ وفات ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۹۳ سنہ ہجری بروز یکشنبہ مطابق ۱۵۔ اکتوبر ۱۸۷۶ء عبدہ نواب محمد کلہ خاں قوم غازی سکنہ ڈیرہ اسمٰعیل خاں

(۲) کرد رحلت زگیتی گزراں — خان دیں دار حافظ قرآں
گفت سال وصال او ہاتف — بود مقبول حق جواہر خاں

(۳ و ۴) عارف جان و قاسم جان دونوں بھائیوں کی قبریں ہیں۔ یہ قاسم جان وہی تھے جن کی گلی دلّی میں مشہور ہے

(۵) جناب حافظ حکیم اجمل خاں صاحب حاذق الملک کے جد امجد کی قبر ہے جس پر یہ کتبہ ہے

ھوالحکیم۔ ھذا مرقد اشرف الحکماء × محمد شریف خاں الدهلوی × دخل الجنۃ بلا حساب ۱۲۱۶ھ

(۶) نواب محلدار خاں کی قبر جن کا باغ دلّی میں مشہور ہے

(۷) شیخ حسین فیروز رحمۃ اللہ علیہ۔ مشہور ہے کہ قحط کے دنوں میں مٹی کی گولیاں بانٹا کرتے تھے جو موتی ہو جاتی تھیں۔

نواب علاء الدین خاں کی ہڑوار

یہ قطعہ ایک حصہ ہے مرزا بابر کی کوٹھی کا جو لوہارو کے نواب علاء الدین خاں صاحب نے خرید لیا تھا اس کے احاطے میں کئی قبریں ہیں۔

(۱) ھوالغفور سنہ ۱۳۲۸ء سید مخدوم علی بہ مردم معروف سنہ ۱۳۲۷ھ۔

(۲) ھوالغفور الرحیم۔ مدفن۔ مرزا سعید الدین احمد خاں طالب ۴ ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۴ ہجری یوم یکشنبہ۔

(۳) مدفن امین الدین احمد خاں بہادر ۱۲۸۹ھ۔ تعویذ پر کل من علیھا فان اور کلمہ گرد آیۃ الکرسی۔

(۴) چوں ضیاء الدین احمد خاں کشید — رفت از دنیا سوے دارالسلام
گفت ہاتف ماضی سال وفات — روز شنبہ سیزدہ شہر صیام ۱۳۰۲

سرہانے یا حی یا قیوم یا ذوالجلال والاکرام قائلہ وکاتبہ محمد رضی الدین دہلوے۔

اس احاطے میں کل سات قبریں ہیں جن میں چار سنگ مرمر کی ہیں باقی معمولی۔ یہاں ایک سہ درہ بنا ہوا ہے جس کے محرابیں بنگڑی دار ہیں۔ کچھ قبریں سہ درے میں ہیں کچھ اس کے سامنے کے صحن میں۔

فرخ سیر بادشاہ کا دروازہ سنہ ۱۱۲۴ھ

فرخ سیر بادشاہ نے مزار مبارک کے گرد سنگ مرمر کی جالیاں اور سنگ مرمر کا دروازہ بنوایا جس کے اندر باہر یہ اشعار کندہ ہیں:-

کتبہ اندرون دروازہ۔ اللہ محمد ابی بکر عمر عثمان علی

باہتمام کمترین غلامان [illegible] معتقدان فرخ شاہی	ازسعی کمترین غلامان شہر یار رفتند قدسیاں بدیار بہشت عدن	با اعتقاد و معتقد کامل العیار تاریخ یافتند حصار بہشت عدن	اتمام یافت [illegible] راقم عبدالرشید شیریں رقم

کتبہ بیرون دروازہ اللہ محمد ابو بکر عمر عثمان علی

از حکم بادشاہ جہاں خسرو انام — فرخ سیر شہنشہ نہ آسماں غلام
گرد مزار خواجۂ دیں قطب نہ فلک — گرد دیگر روضۂ او آدم و ملک
تعمیر شد محجر زیبا و منتظم — مانند قبلۂ اشرف و چوں کعبہ منتظم

صندل کا کٹہرا سنہ ۱۲۵۲ھ

سنہ ۱۲۵۱ھ میں خاندان مغلیہ کے آخری بادشاہ ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ نے حضرت خواجہ صاحب کے مزار مبارک کے گرد صندل کا ایک کٹہرا ۱۴ مربع دو فیٹ اونچا لگوا دیا تھا اور اس کار خیر سے مفاخرت سرمدی حاصل کی تھی مگر وہ کٹہرا امتداد زمانہ سے بوسیدہ ہو جانے سے سر خورشید جاہ بہادر نے اس کی جگہ سنگ مرمر کا کٹہرا لگوا دیا جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔

قاضی حمید الدین ناگوری کا مزار ۶۴۳ھ

خواجہ صاحب کے مزار مبارک کے پائنتی قاضی حمید الدین ناگوری کی تربت ہے۔ نام آپ کا محمد اور باپ کا نام عطا تھا آپ بخارا کے

رہنے والے تھے۔ آپ بڑے عالم اور مشائخ وقت سے تھے۔ اول آپ کو شیخ شہاب الدین سہروردی اور پیر شمس الدین سمرقندی سے فیض خلافت حاصل تھا اور ایک سال دو مہینے مدینہ منورہ میں رہے پھر حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہے۔ بعد وفات خواجہ صاحب کے ۶۴۴ھ میں آپ نے انتقال فرمایا آپ کے لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے:-

"ہذا مرقد المنور قطب الاولیا فی الآفاق وغوث الاتقیا بالاستحقاق الامام العالم العامل الولی الفاضل الکامل شیخ حمید الدین نور اللہ مرقد المنورہ عمرہ الروضہ خادم الفقرا سلیمان بن شیخ بھیکہ سنتہ اربع وسبعین سبعمائتہ وفات حضرت شیخ المحققین و قطب العارفین شاکر بارگاہ قدس وطائف کعبۂ انس و دریائے حقیقت جوہر کان طریقت حضرت محمد محمود حمید بندگی شیخ محمد حمید نور اللہ مرقدہٗ در شب دوشنبہ یازدہم ماہ رمضان فی الحمد ذالک اللیل جابر الشمس ۷۹۵ھ"

باندے کے نوابوں کی ہڑواڑ

غربی دروازے سے کوئی تیس فٹ کے فصل سے داہنی طرف قطب صاحب کی درگاہ کے احاطے کی جنوبی دیوار ہے جو سنگ مرمر کی ہے جس میں تین جالیاں ہیں۔ دوسرے سنگ مرمر کے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے بائیں جانب نواب صاحب باندے کا مجھر ہے جس میں سنگ مرمر کی جار اور سنگ باسی کی ایک قبر ہے۔ باندے کے نوابوں کی یہی ہڑواڑ تھی لیکن غدر کے بعد سے یہاں دفن کرنا بند کر دیا گیا۔

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر کی تعمیر کردہ مسجد

سنگ مرمر کے دوسرے دروازے میں گزرنے کے بعد داہنی طرف سہ کو اور ایک احاطہ ملتا ہے جو احاطہ درگاہ کی مشرقی اور جنوبی دیواروں سے بنا ہے۔ یہ ایک مستطیل احاطہ ہے ... کی مغربی دیوار کا سہ ربع حصہ کاشی کام کی اینٹوں سے بنا ہوا ہے اور باقی دیوار ... مشرقی دیوار کے شمالی کونے میں ایک مسجد ہے۔ اس میں بھی کاشی کام کی اینٹیں لگی ہوئی ہیں۔

اور لوگ کہتے ہیں کہ جب حضرت فرید گنج شکر تشریف لائے تھے تو آپ ہی نے یہ مسجد بنوائی تھی۔ اس مسجد کے دونوں جانب کے در درمیانی محراب سے ٹھیک فصل پر نہیں بنائے گئے ہیں۔

قطب صاحب کی مسجد

ضابطہ خاں کی قبر سے داہنی طرف پلٹیے اور اُسی گلی کے پختہ فرش پہ چلیے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے تو قطب صاحب کی مسجد ملے گی جو آپ کی درگاہ کی جالیوں کے پاس ہے کہ قدر و منزلت میں ہم پایہ بیت المقدس ہے اور فیض و برکت میں بے شک خانۂ خدا ہے۔ یہ مسجد ۳۳ × ۲۱ فٹ ہے جس کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ دو محرابوں کا کچا تھا یعنی صرف مٹی کا۔ اس حصے کو خود جناب حضرت قطب الاقطاب نے مع اپنے ہمراہیوں کے کہ ہر ایک ولی کامل اور شیر بیشۂ زہد و تقویٰ تھا بنایا تھا۔ سنہ ۹۵۸ھ ۱۵۵۱ء میں **اسلام شاہ** نے اس درگاہ کے گرد چار دیواری بنوائی اُسی کے ساتھ اس کچے درجے کے آگے پختہ درجہ بنا دیا۔ اس کے بعد **فرخ سیر** نے سنہ ۱۱۳۰ھ ۱۷۱۷ء میں جس زمانے میں درگاہ کے گرد سنگ مرمر کا مجر اور دروازہ بنوایا اُسی زمانے میں مسجد کے آگے بھی ایک اور درجہ بنا دیا۔ پس یہ تیسرا درجہ فرخ سیر کا بنوایا ہوا ہے جس پر یہ تاریخ کندہ ہے:۔

خسرو فرخ سیر شاہنشہ مالک رقاب	مورد لطف و عنایات شہ والا جناب
مسجد زیبا بنا و سجدہ گاہ شیخ و شاب	ساخت از روے ارادت وز رسوخ اعتقاد
سال تاریخ بنایش "بیت ربی مستجاب"	با سروش غیب ہاتف گفت در گوش خرد

سنہ ۱۱۳۰ھ

باہتمام کمترین ......[1]

موجودہ حالت اس مسجد کی بوجہ ترمیم کے بالکل نئی ہوگئی ہے پہلی حالت صرف اس قدر باقی ہے کہ پہلا حصہ جو خام تھا اُس کا صرف ایک چھوٹا سا در باقی ہے جو جنسہ تبرکاً قایم رکھا گیا ہے اُس کے آگے دالان در دالان ہے جو (۵ × ۰) لمبا اور ۲ ۔ ۲ چوڑا صحن ہے جس سے ملے ہوئے تین حجرے بطور سٹور روم کے ہیں جس میں درگاہ شریف کا سامان شامیانے وغیرہ رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ حجرے تہ خانوں کے بنوائے ہوئے ہیں چنانچہ جنوب کی طرف کے حجرے میں اُن کی

---

[1] ایک وہ تھے جنھوں نے خانۂ خدا بنایا ایک یہ ہیں جنھوں نے بنانے والے کے نام کو بھی عہد الحرج و بار و شناخت و حسد نے گوارا کیا کہ اس بیچارے کا نام بھی رہنے پائے ۱۲

بھی ہے۔ اور انھیں حجروں میں کے درمیانی حجرے کی پیشانی پر مالن دروازے کا کتبہ لاکر لگا دیا گیا ہے کیوں کہ مالن دروازہ اب رہا ہی نہیں۔

صحن مسجد کی قبور

(۱) شیخ نظام الدین ابو المؤید رحمۃ اللہ علیہ

از مشاہیر بزرگان است ۶۴۳ھ در زمان سلطان شمس الدین ستام خواجہ قطب الدین شیخ نظام الدین اولیا نیز او را دیدہ است۔ میر حسن در فوائد الفواد می آرد کہ بندہ عرضہ داشت کرد کہ شما در تذکیر او وقتے بودید فرمود آرے و لے در آں ایام کودک بودم و درک معانی چندانی ہمراہ نبودہ است۔ روزے در تذکیر او را دیدم بر در مسجد نعلین در پائے داشت آنرا از پائے بکشید و بدست گرفت و در مسجد آمد و دوگانہ بگزارد و من ہیچ کس را در نماز بہیئت او ندیدہ ام دوگانہ بہ راحت بگزارد و بالائے منبر رفت مقری بود کہ او را قاسم گفتندے خوش خوان او آیتے بخواند بعد ازاں شیخ نظام الدین آغاز کرد کہ بخط بابائے خود نوشتہ دیدہ ام ہنوز سخن دیگر نگفتہ بود کہ ایں سخن در حاضران در گرفت ہمہ در گریہ شدند آنگاہ ایں دو مصرع بگفت ؎

بر عشق تو و بر تو نظر خواہم کرد جاں در غم تو زیر و زبر خواہم کرد

ایں بگفت و نعرہ ہا از خلق بر آمد بعد ازاں دو سہ بار ہمیں دو مصراع بگفت آنگاہ گفت کہ اے مسلمانان دو مصراع دیگر ایں رباعی یاد نمی آید چہ کنم ایں سخن بر طریق عجز گفت چنانکہ در ہمہ جمع اثر کرد۔ آنگاہ قاسم مقری آں دو مصراع یاد داد ؎

ہر درد و دوے بخاک در خواہم شد بر عشق سرے ز گور بر خواہم کرد

ایں رباعی تمام بگفت و فرود آمد۔ جد شیخ نظام الدین ابو المؤید را شمس العارفین گویند شیخ جمال کولوی کہ مقبرہ او در کول است از اولاد اوست۔

(۲) بی بی سیارہ رحمۃ اللہ علیہا۔ والدہ شیخ نظام الدین ابو المؤید بسیار بزرگ بود از متقدمین است۔ وقتے امساک باراں شدہ بود مردم ہمہ دعا کردند و باراں نیامد۔ شیخ رشتہ از دامنی مادر خود بدست گرفت و گفت خداوندا بحرمت آنکہ ایں رشتۂ دامنی ضعیفہ است کہ ہرگز چشم نامحرم برو نیفتادہ است باراں بفرست۔ از شیخ ایں حرف گفتن و از خدا باراں فرستادن۔ قبر او در پہلوے نماز گاہ کہنہ است کہ قبر حضرت خواجہ قطب الدین پس پشت آں واقع است۔ اب بھی امساک باراں کی حالت میں

آپ کے مزار کو غسل دے کر نیاز دلاتے ہیں اور خداوند تعالیٰ بندوں پر اپنا فضل کرتا ہے۔

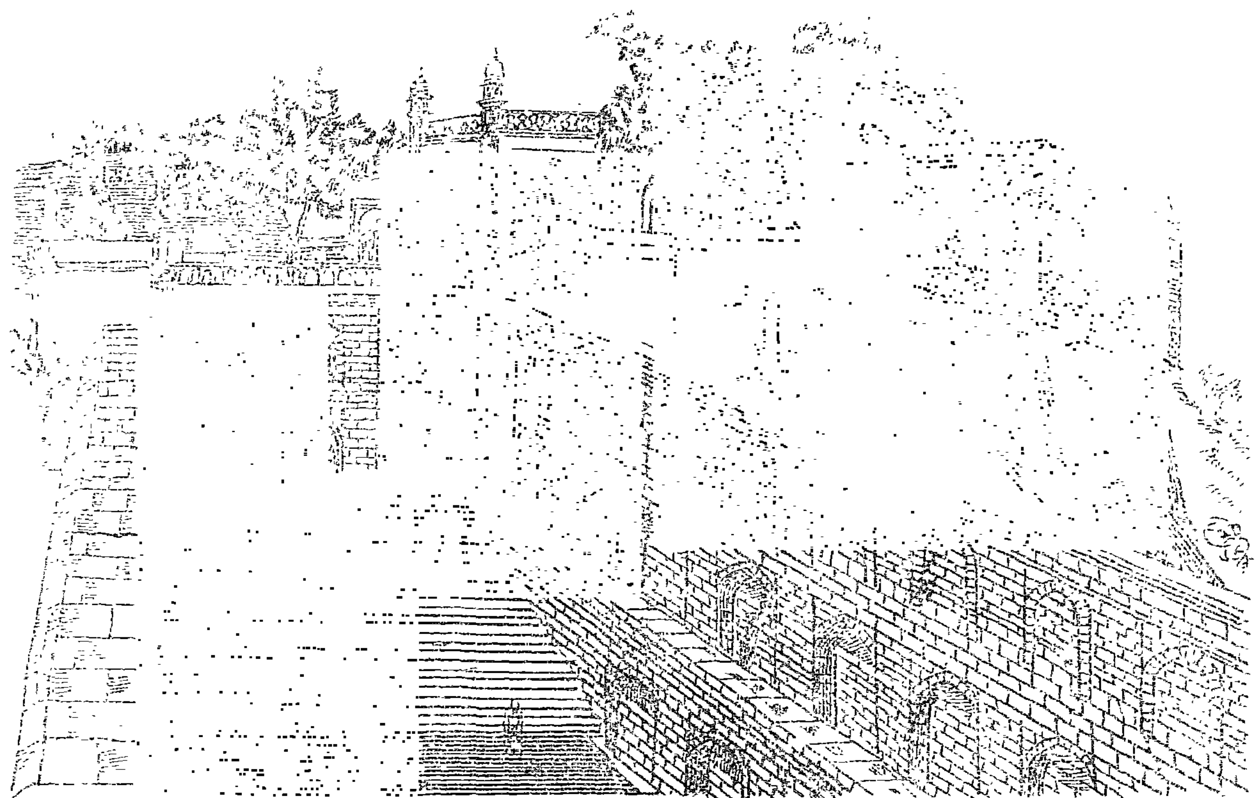
بی بی حنبل کا مزار صحن مسجد کے پاس چھوٹے سے احاطے کے اندر ہے۔ احاطے میں ایک چھوٹی سی کٹہرکی لگادی ہے تاکہ لوگ اندر نہ جاسکیں اس احاطے میں دو زنانی قبریں ہیں۔ ایک میں بی بی حنبل خواجہ صاحب کی دایہ آسودہ ہیں اور دوسری قبر خواجہ صاحب کی بیوی صاحب کی کہی جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احاطۂ اولاد فرخ سیر یہ بڑا وسیع احاطہ ہے جس میں بارہ قبریں سنگ مرمر کی ہیں اور انیس کچی۔ ایک قبر پر بسم اللہ کلمہ اور (تاریخ وصال مرزا دو صاحب۔ دخل فی الجنۃ) لکھا ہوا ہے۔ باقی قبروں پر آیۃ الکرسی سنہ ۱۲ کل من علیہا فان اور کلمۂ طیبہ کے طغرے ہیں۔ ان تمام قبروں میں ایک تعویذ سنگ مرمر کا بہت ہی عمدہ نقش ونگار کا ہے جس پر بڑی نفاست اور دیدہ ریزی کا کام کیا ہے اور اس کے گرد آیۃ الکرسی بھی ایسی خوش خط لکھی ہے کہ دیکھنے کے قابل ہے۔

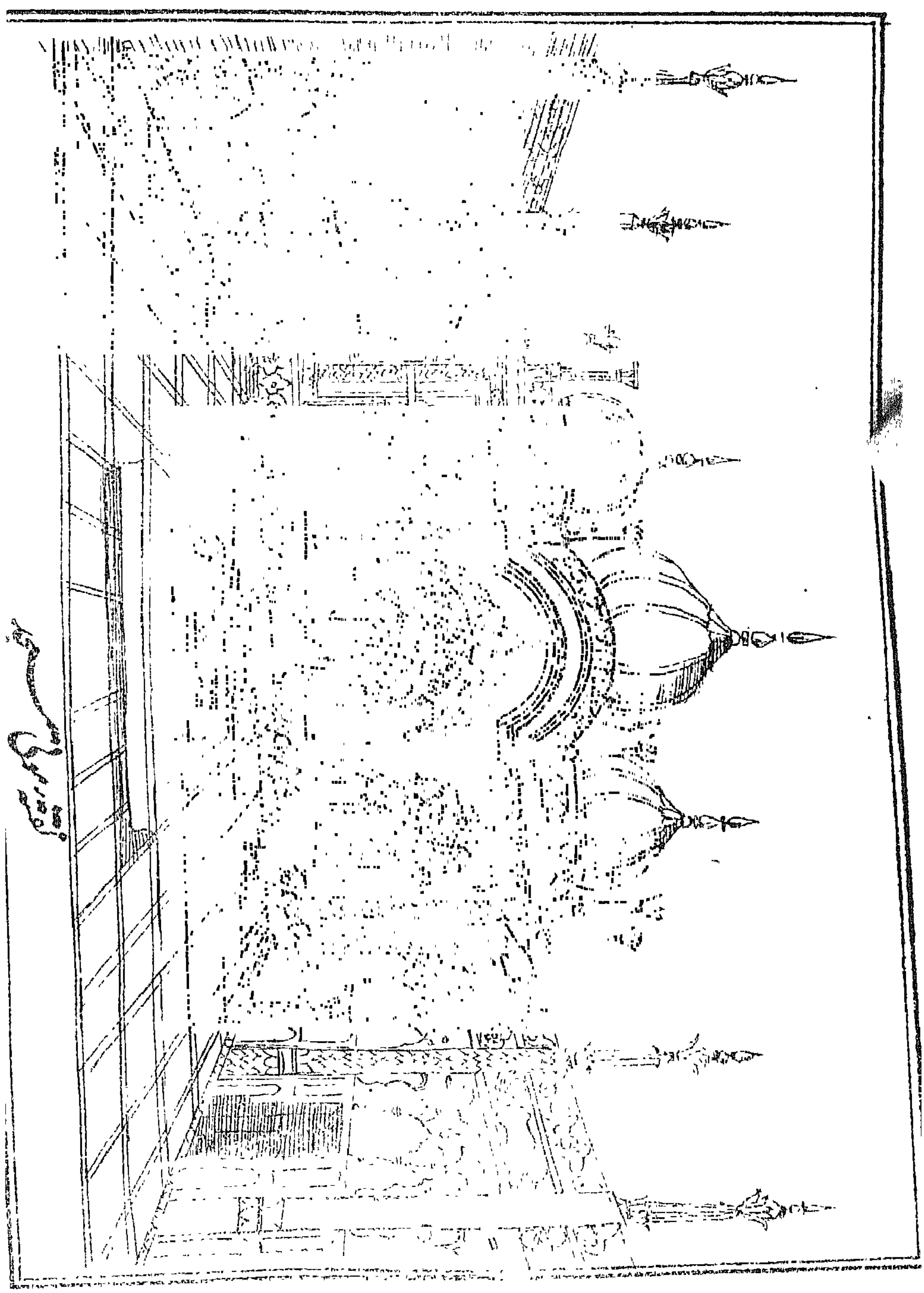
حافظ داؤد کی باؤلی سنہ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء قطب صاحب کی مسجد سے پچیس گز کے فاصلے پر مشرق کی طرف یہ گہری باؤلی ہے۔ اگرچہ مسجد فی نفسہا بے نظیر تھی اور کچھ حاجت مزید خوش نمائی کی نہ تھی۔ ع

حاجتِ مشاطہ نیست روئے دل آرام را

لیکن پانی نہ ہونے سے لوگوں کو بڑی تکلیف تھی اس نظر سے صرف بہ نیت ثواب ندیم الدولہ خلیفۃ الملک حافظ محمد داؤد خاں مستقیم جنگ نے اس مسجد کے پاس اپنی دریا دلی اور فیض بخشی سے بہت عمدہ نفیس دل کشا اور دل ربا باؤلی اور اور اطراف کی عمارات خاص خدام درگاہ کے لئے بنوادیں کہ خلق اللہ کو اُن سے آرام ملے اور یہ باؤلی کیا ہے گویا مسجد کا حوض ہے۔ یہ باؤلی سنہ ۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء میں بننی شروع ہوئی اور سنہ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء میں اس کی تعمیر ختم ہوئی۔ یہ باؤلی حضرت نظام الدین اولیاء اور دولت خاں کی باؤلیوں کی طرح کی ہے۔ حافظ داؤد نہایت سخی اور بڑی ہمت والے آدمی تھے اور بڑے صاحب خاندان جن کے نسب کا سلسلہ حضرت امام ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ تک پہنچتا تھا اور اُن کے آبا و اجداد ہمیشہ سے خاندان شاہی میں معزز و ممتاز رہے۔ بہادر شاہ آخری بادشاہ دہلی نے انہیں کے والد حافظ محمد خلیل سے استفادۂ کلام مجید کیا تھا۔ ان کو دربار حضوری میں



نقشہ مسجد درگاہ مع باؤلی



بڑا درجہ تقرب حاصل تھا اور وہ خدمت داروغگی نذر ونیاز اور علاقہ خانسامی پر مشرف تھے۔ وہ بڑے بزرگ سراسر خیر مجسم تھے اور ہر دم ہر لحظہ حصول ثواب پر نیت مصروف رہتی تھی۔ یہ باؤلی (۹۶) فیٹ لمبی اور (۴۲) فیٹ چوڑی اور (۵ء ۷) فیٹ گہری ہے۔ اس باؤلی میں عموماً چالیس فیٹ گہرا پانی رہتا ہے اور موسم بارش میں اس سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ باؤلی میں مغرب اور جنوب کی طرف سیڑھیاں ہیں اس وقت پانی کے اوپر (۱۷) سیڑھیاں تھیں جو تہ تک چلی گئی ہیں۔ مغرب کی طرف صدر دروازہ ہے جس میں دو منزلہ محراب دار حجرے ہیں جو نو فیٹ اونچے اور سات فیٹ چوڑے ہیں۔ جن کی تعداد اور عرض حسب گنجایش مختلف ہے۔

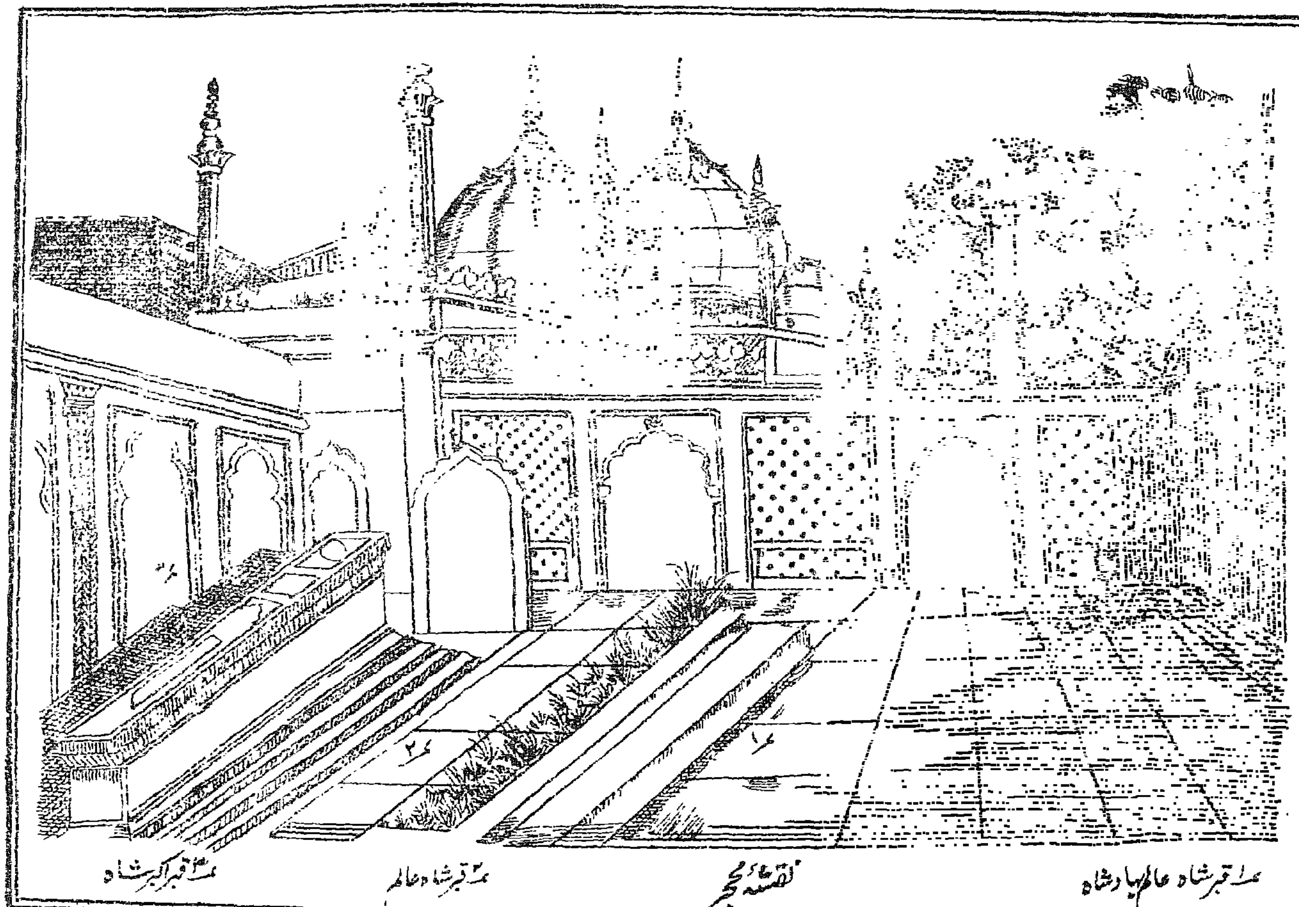
موتی مسجد
۱۲۱۱ھ ۹۰۱۷ء

حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ کی شمالی دیوار اور معتمد خاں کے مزار کی جنوبی دیوار کے درمیان جو رستہ ہے یہاں مغربی دروازے میں سے نکل کر ہم ایک احاطے میں جا پونہچتے ہیں یہیں بائیں ہاتھ کی طرف موتی مسجد ہے جس کو محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ فرزند اورنگ زیب نے ۱۲۱۱ھ ۹۰۱۷ء میں تعمیر کرایا۔ مسجد کے صحن میں سنگ مرمر کے مصلے ہیں جن پر سنگ موسیٰ کا حاشیہ ہے صحن کا طول وعرض ۵۵×۴۴ ہے۔ چبوترا دو فٹ اونچا ہے۔ مسجد سہ دری ۵۴×۱۳ کی ہے۔ مسجد کے دونوں طرف دو حجرے ہیں جن میں شمالی طرف کا حجرہ جدید بنا ہوا ہے۔ پہلے حجروں کا رستہ مسجد کے اندر سے تھا۔ مسجد تمام سنگ مرمر کی نہایت حسین بنی ہوئی ہے جس میں جابجا سنگ موسیٰ کی تحریریں بڑا لطف دیتی ہیں۔ جب بنی ہوگی تو سنگ مرمر بہت شفاف ہوگا اور اسی وجہ سے موتی مسجد کہلاتی ہے کہ اس کی آب وتاب موتی جیسی تھی۔ مسجد کے تین گنبد ہیں مگر کی وضع کے نہایت خوبصورت اور سڈول جن پر سنگ موسیٰ کی عمودی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں جس طرح بیاض چشم میں مردمک سیاہ لطف دیتی ہے وہی بات ان گنبدوں میں ہے۔ گاؤدم مینار چھ چھ فیٹ اونچے مسجد کے ادھر ادھر ہیں اور اسی طرح چھوٹی چھوٹی چار برجیاں نہایت نازک مسجد کی چھت کی دیوار میں ہیں جن میں سے دو تو دونوں کونوں پہ باقی رہیں اور دو ان میں سے بیچ کے گنبد کے ایک ادھر ایک اُدھر چھت کے گرد نفیس کنگورا ہے۔ میناروں پر نہایت

خوش وضع برجیاں تھیں لیکن پرانی ہوجانے سے گرجانے کا اندیشہ تھا۔ ابوظفر محمد سراج الدین بادشاہ نے ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء میں اُتروادیں۔ بادشاہ رہے نہیں اور کسی کو توفیق نہ ہوئی جو بنوادیتا اس وجہ سے مینار میں کنڈی کنڈی معلوم دیتے ہیں۔ شاہ عالم ثانی کے عہد میں اس مسجد کا بیچ کا گنبد بیٹھ گیا تھا اُنھوں نے اُسی وقت ایسی عمدہ مرمت کرادی کہ معلوم بھی نہیں ہوتا۔ اب گنبدوں کے کلس ٹوٹ گئے صرف ایک کونے پر کے گنبد کا کلس رہ گیا ہے مسجد میں اب منبر تک بھی نہ رہا۔ مسجد کی جنوبی دیوار کی طرف پانچ سیڑھیاں چڑھ کر ایک پختہ دروازہ ہے جس کے باہر ایک احاطہ ہے۔ اس احاطے کے مشرقی اور مغربی رُخ پر پختہ دیواریں ہیں اور جنوب کی طرف محراب دار حجرے ہیں۔ شمال کی طرف ایک اور محصور صحن ہے جس میں خاندان سلاطین دہلی کی قبریں ہیں۔ اسی سے ملا ہوا ایک قطعہ اور ہے جس کا حصار ادھورا رہ گیا ہے یہ بیگمات اور دیگر ممبران شاہی کا مدفن ہے اور یہیں شاہ آبادی بیگم صاحبہ اور دیگر ممبران خاندان شاہی کی قبور ہیں۔ احاطۂ شمالی کا فرش سنگ مرمر کا ہے طول و عرض ۲۱فٹ × ۶۔ اس احاطے کی سنگ مرمر کی دیواریں دس فیٹ بلند ہیں احاطے کا دروازہ جنوبی دیوار میں مغرب کے کونے میں ہے۔

شاہ عالم بہادر شاہ کا حجرہ ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء

موتی مسجد کے پاس بہت مختصر اور نفیس یہ حجرہ ہے جو سر سے پاؤں تک سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے ایسا کہ اُس کی آب و تاب موتی کی آب و تاب کو خاک میں ملاتی ہے اور اُس کی نمائش قصرِ بہشت پر فوق لے جاتی ہے یہ حجرہ ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء میں شاہ عالم بہادر شاہ کے صاحبزادے اور جانشین معز الدین جہاں دار شاہ نے بنوایا جس کا طول و عرض ۱۸×۱۴ فٹ ہے اور گرد سنگ مرمر کے کٹہرے اور جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ جہاں دار شاہ خود ہمایوں بادشاہ کے مقبرے کے چبوترے پر مدفون ہیں۔ بعد اس کے سلطان عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ نے ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء میں انتقال کیا وہ بھی اسی حجرہ میں رکھے گئے۔ پھر محمد اکبر شاہ ثانی نے ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء میں سفر آخرت اختیار کیا وہ بھی یہیں آسودہ ہیں۔ حجرہ کی تیسری قبر حضرت محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ اورنگ زیب بادشاہ کے


نمبر۱ قبر شاہ عالم بادشاہ
نقشہ مسجد
نمبر۲ قبر شاہ عالم
نمبر۳ قبر اکبر شاہ

فرزند اکبر تھے جو اورنگ زیب کے فرزندان دعوی دار سلطنت میں سب سے زیادہ ممیز ممتاز اور قابل تھے۔ اس بادشاہ نے سکھوں کی خوب خبر لی اور کئی فاش شکستیں دیں اور مرہٹوں کا بھی بخوبی استیصال کیا۔ بہادر شاہ نے عمر طبعی کو پہنچ کر ستر برس چھ مہینے کی عمر میں انتقال کیا۔ مجر کی جالیوں کے اوپر سرہانے کی طرف یہ بیت کندہ ہے ؎

درخور رشیت بام مصطفی — شاہ عالم را بود جنت جزا

اس احاطے میں کل چار قبریں ہیں (۱) اکبر شاہ ثانی (۲) شاہ عالم۔ (۳) خالی۔ (۴) بہادر شاہ پسر عالمگیر ثانی۔ (۵) مرزا فخر ولی عہد

غرض یہ کہ اسی احاطے میں مرزا فخرو محمد سراج الدین بہادر شاہ ثانی کے ولی عہد کی قبر ہے جنھوں نے ہیضے سے انتقال کیا۔ اس قبر کا تعویذ بھی سنگ مرمر کا ہے جو ۶×۲ ہے جس کے گرد دو وقٹ اونچا سنگ مرمر کا کٹہرا ہے۔

شاہ عالم ثانی کی قبر نومبر ۱۸۰۶ع ۱۲۲۱ھ

یہ قبر ابو المظفر جلال الدین سلطان عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ کی ہے جو عالمگیر ثانی کے بیٹے تھے۔ انھیں کے داہنی جانب ان کے بیٹے اکبر شاہ ثانی آسودہ ہیں۔ یہ قبر ۶ × ۲ - ۸ اور ایک فٹ دو انچ اونچی ہے۔ تعویذ پر کلمہ طیبہ اور کل من علیہا فان اور اطراف آیات قرآنی منقوش ہیں۔ اس قبر کے سرہانے لوح پہ یہ قطعہ کندہ ہے:-

ھو الغفور

ویجعل الجنة مثواہ

سنہ ۱۲۲۱

ھو الغفار

شد سراج تاجوری در حضیض خاک — درہ اکراز غبار کسوف از اجل نہاں
یعنی کہ شاہ عالم عالم پناہ کرد — زین عالم انتقال بہ نزہت گہ جناں
[illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]

اکبر شاہ ثانی کی قبر

۱۲۵۳ھ
۱۸۳۷ء

اس احاطے میں سب سے پہلی قبر ابو النصر معین الدین اکبر شاہ ثانی پسر شاہ عالم بہادر شاہ کی ہے۔ اس قبر کا تعویذ سنگ موسی کا ہے۔ یہ تعویذ پہلے قاسم علی ہروی کی قبر کا تھا جس کے پائین ہیں "وفات خواجہ قاسم علی ہروی"، کندہ تھا جو چھیل دیا گیا۔ قبر ۵ فٹ ۷ انچ لمبی اور پانچ انچ اونچی ہے۔ تعویذ پر بسم اللہ اور کلمۂ طیبہ اور بائیں طرف شیخ سعدی کا یہ شعر مثبت کندہ ہے:۔

ہر کہ آمد بجہاں اہل فنا خواہد بود وانکہ پائندہ و باقیست خدا خواہد بود

اور تعویذ کی سیدھی طرف یہ شعر ہے:۔

چند پداں حضرت پیغمبر ... ہم ... دل خویش بند بندید تو زہم ..... چونکہ جدا خواہد بود (یا کریم یا رحیم)

قبر کے سرہانے ۴ فٹ ۲ انچ اونچی اور دو فٹ چوڑی سنگ مرمر کی لوح پر سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے بہ خط نسخ یہ قطعہ لکھا ہوا ہے:۔

ھو اللہ العلی الکبیر

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

شاہ اکبر فروغ بخش جہاں منخسف گشت از قضا چوں بدر

پی سال وفات گفت ظفر عرش آرامگاہ عالیقدر

سر سید نے یہ قطعہ تاریخ وفات کا کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے:۔ ۱۲۵۳

چوں برفت از جہاں شہ اکبر شد سیہ آسماں ز دود جگر

پائے شادی شکست واحد گفت سال تاریخ او "غم اکبر"

۱۲۶۳ - ۱۰ = ۱۲۵۳ھ

صفدر دالان

شاہ عالم ثانی اور محمد اکبر شاہ ثانی کی قبروں کے بیچ میں ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ فرزند اکبر شاہ ثانی کا سر دالان تھا جو اپنے باپ کے جانشین ہوئے اور ساڑھے گیارہ برس سلطنت بھی کی لیکن ۱۸۵۷ء کے غدر نے سب سے بڑا ہاتھ اس ستم بادشاہ پر صاف کیا اور پیری میں اُن کو یہ داغ لگا کہ گھر سے بے گھر۔ قلعہ معلی سے اسی طرح بدر ہوئے

جیسے کہ حضرت آدم جنت سے نکالے گئے۔ وطن سے جلاوطن اور ہندوستان سے باہر رنگون میں جاکر بقیہ زندگی غم والم میں کاٹی اور آخر کار آلام دنیوی سے ۱۸۶۲ء میں نجات ابدی حاصل کی اور یہ جگہ خالی کی خالی ہی رہی۔ مٹی اُن کی رنگون کی تھی دلی کی زمین کا پیوند کیسے ہو سکتے تھے اور یہ بات سچ ہوئی کہ ؎

دو چیز آدمی را کشند زور زور
یکے آب و دانہ دوم خاک گور

شاہ آبادی بیگم کی قبر ۱۲۶۳ھ

اس مجرے کے مغرب میں کوئی خانقاہ بھی ہوئی ہے جس کے دالانوں کی چھت گر گئی ہے اس کے صحن میں آٹھ قبریں سنگ مرمر کی ہیں جن میں سے ایک قبر شاہ آبادی بیگم صاحبہ کی ہے جس پر ایک لوح لگی ہوئی ہے باقی کسی قبر پر کتبہ نہیں ہے۔

یا فتاح۔ کلمہ گرد آیۃ الکرسی

شہ آبادی آں ماہ زہرہ جبیں
کہ شد از قضا منزلش زیر خاک
بجستیم تاریخ ہاتف بگفت
خرامید در عدن با جان پاک

حضرت خواجہ صاحب کے بعض حالات

آپ بختیار کاکی کے نام سے مشہور ہیں۔ بختیار کا لقب تو آپ کو مرشد کی طرف سے ملا تھا اور کاکی کی وجہ تسمیہ مختلف طور پر بیان کی جاتی ہے۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ کے گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا تو آپ کی حرم محترم وقت ضرورت خواجہ شرف الدین بقال کی بیوی سے جو پڑوس میں رہتی تھی اناج وغیرہ قرض لیا کرتی تھیں۔ عورتوں کی جیسی عادت ہوتی ہے ایک دن بقال کی بیوی نے خواجہ صاحب کی زوجہ محترمہ کو طعنہ دیا کہ اگر میں وقتاً فوقتاً تمہاری مدد نہ کرتی تو تمہارا کیا حال ہوتا۔ یہ بات شدہ شدہ خواجہ صاحب کے گوش مبارک تک بھی پونہچی آپ نے اپنی بیوی کو قرض لینے کی قطعی ممانعت کردی اور ارشاد فرمایا کہ یہ جو طاق ہے جس وقت تمہیں ضرورت ہو بسم اللہ کر کے اس میں ہاتھ ڈالا کرو اللہ تعالیٰ تم کو دے گا۔ چنانچہ جب آپ ہاتھ ڈالتیں گرم گرم کاک اس طاق میں سے نکلتے اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ کے مصلے کے تلے سے یہ افراط کاک نکلتے تھے اس واسطے آپ کاکی کے نام سے مشہور ہوئے۔

انضل الفوائد میں لکھا ہے کہ حضرت امیر خسرو نے سلطان المشائخ سے پوچھا کہ حضرت خواجہ صاحب کو کاکی کیوں کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک وقت آپ حوض شمسی پر بیٹھے تھے اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی آپکے ارباب نے کہا کہ اس وقت گرم گرم کاک ملیں تو کیا اچھی بات ہو۔ آپ نے فرمایا کیا کرو گے۔ انھوں نے عرض کیا کھائیں گے پس آپ اٹھ کر تالاب کی طرف تشریف لے گئے اور پانی میں سے گرم گرم کاک نکال کر ان لوگوں کے سامنے ڈال دیئے جب سے آپ کاکی مشہور ہو گئے۔

کتاب فردوسیہ میں لکھا ہے کہ ایک دن بادشاہی نان بائی کے کاک جل گئے وہ بیچارہ گھبرا گیا کہ اب کیا کروں کہ اتنے میں حسن اتفاق سے آپ کا گزر اس نان بائی کی دکان پر ہوا آپ نے اسے پریشان دیکھ کر فرمایا۔ اے یار کیا دیکھتا ہے تو بسم اللہ کر کے تنور میں ہاتھ تو ڈال۔ اس نے جو ہاتھ ڈالا تو اچھے خاصے سرخ سرخ کاک نکلے اور اسی طرح کئی مجالس میں آپ نے آستین جھٹکی تو کاک جھڑنے لگے اور اسی وجہ سے آپ کا نام کاکی مشہور ہو گیا۔

نقل از کتاب سیر الاولیا خواجہ صاحب اور شیخ جلال الدین تبریزی ملتان میں شیخ بہاء الدین ذکریا کے مہمان تھے کہ ایک رات فوج کفار کی ملتان کے قلعے کے نیچے آگئی اور چاہا کہ شہر کو غارت کریں۔ ناصر الدین قباچہ والی ملتان ہر سہ بزرگان کی خدمت میں فوج کفار کے دفعیہ کے لیے آن کر خواستگار دعا ہوا اور بہت بے قراری ظاہر کی۔ اتفاق سے اس وقت خواجہ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا قباچہ کو عنایت کر کے فرمایا کہ اس تیر کو اپنے لشکر سے جا کر دشمن کی طرف مارو۔ اس نے ایسا کیا جس وقت وہ تیر فوج کفار میں پڑا ساری کی ساری تتر بتر ہو گئی۔

جواہر فریدی سے منقول ہے کہ جب سلطان شمس الدین کی سخاوت کا آوازہ چاردانگ عالم میں بلند ہوا تو ایران کی طرف سے ایک شاعر ناصری ایک قصیدہ چھپن بیتوں کا بادشاہ کی تعریف میں لکھ کر لایا۔ دلی پہنچ کر اس نے خواجہ صاحب کے تقدس اور کرامات کا حال سنا۔ آپ کی شان میں بھی ایک قصیدہ لکھا اور پہلے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فاتحہ پڑھی اور کہا بہت انعام ملے گا۔ شاعر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا نقارخانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے بادشاہ متوجہ نہ ہوا۔ شاعر بے چارے نے خواجہ صاحب کو دل میں یاد کیا تھا بادشاہ متوجہ ہوا اور کہا پڑھو قصیدہ کا مطلع یہ تھا:—

ای فتنہ از نہیب تو انہار خواستہ تیغ تو آل و نیل ز کفار خواستہ

قصیدے کے (۲۶۵) شعر تھے بادشاہ بہت مسرور ہوا اور چھپن ہزار تنکہ نقرئی انعام سرفراز ہوا۔ ناصری بے چارے کو کب توقع تھی کہ اس قدر زر خطیر انعام ملے گا۔ فوراً حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو نذر اپنے دل میں مانی تھی گزرانی۔ خواجہ صاحب نے وہ نذر اُسی کو بخشی اور وہ خوش خوش اپنے وطن کو واپس گیا۔

سیر الاولیا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری سفر کرکے دریا کے کنارے پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت کے تلے ایک شخص پڑا سوتا ہے اور درخت پر سے سانپ لٹک رہا ہے قریب ہے کہ اُسے ڈس لے ناگاہ ایک بچھو نمودار ہوا اور اُس نے ایسا ڈنک مارا کہ سانپ تڑپ کر پلٹ گیا۔ ہم نے جانا کہ یہ شخص کوئی خاصان خدا سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی حفاظت میں رکھا ہے۔ جب قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ شخص نشہ شراب میں مست پڑا ہے پس ہم کو حیرت ہوئی کہ یہ آدمی کیسا نافرمان اور وہ کیسا مہربان۔ اتنے میں غیب سے ندا آئی کہ "ای عزیزان اگر ہمیں صالحان و پارسایان راحفاظت کنم پس فاسقان و گناہگاران راکہ حفاظت کند"؟ ہم اسی بات میں تھے کہ وہ شخص ہوشیار ہوا ہم نے سارا ماجرا اُس سے کہا وہ سن کر بہت شرمندہ ہوا اور شراب خواری و بدکرداری سے توبہ کی اور خدا کے دوستوں میں سے ہوا۔ ای عزیز! اتنیر کہ جب وقت نیک آتا ہے اور ہوا مہربانی اور فضل کی چلتی ہے آدمی کیسا ہی خراب ہو ایک دم میں اُس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور مسند نشین اولیا کرتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر قہر کی گرم ہوا چلے سینکڑوں سجادہ نشینوں کو خراب کرکے غارت کرے۔

اسرار العارفین سے منقول ہے کہ آپ شبانہ روز مراقبے میں رہتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو آنکھ کھولتے اور غسل اور وضو تازہ کرکے نماز پڑھتے۔ آپ کو صغر سنی سے نیند کا غلبہ بہت رہتا تھا اور آخر عمر میں شب بیدار تھے اور باقی عمر میں تلاوت قرآن شریف اور ذکر جلی و خفی کیا۔ آپ سالکوں اور برگزیدہ مجاہدوں میں سے تھے گوشۂ خلوت میں رہتے تھے کم سوتے۔ کم کھاتے اور کم بولتے تھے اور ہمیشہ چلہ کشی کرتے تھے۔

جامع الکلام میں لکھا ہے کہ آپ ہمیشہ لب بستہ اور دل شکستہ رہتے تھے اور کوئی دم رونے سے چین نہ تھا اور حجرے کا دروازہ بند کر کے اکیلے بیٹھے رہتے تھے اور آپ کی زیارت کے لوگ بہت مشتاق ہوتے تو خادم جا کر عرض کرتا آپ ایک ٹھنڈا سانس لے کر اجازت دیتے جب لوگ آجاتے آپ کھڑے ہو جاتے اور سب پر نظر شفقت کرتے اور خادم کو اشارہ کرتے کہ سب کو ایک ایک پیالہ پانی کا دے کر رخصت کرے۔ جب تک لوگ پانی پیتے آپ کھڑے رہتے اور باتیں پند و نصیحت کی کرتے رہتے۔ جب سب کو پانی مل جاتا تو آپ رخصت کر دیتے۔

افضل الفوائد میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں سلوک کا ذکر ہو رہا تھا آپ کو بدرجۂ غایت سرور ہوا آپ بار بار ٹھنڈے سانس بھرتے اور زار و قطار روتے جاتے تھے کئی دن آپ کی یہی حالت رہی مگر جب نماز کا وقت ہوتا آپ جماعت سے نماز ادا فرماتے اور پھر وہی حال ہو جاتا۔ کسی طرح صبر نہ آتا۔

مراد المریدین سے مروی ہے کہ آپ حافظ تھے اور اکثر اوقات کلام مجید کا ورد فرماتے تھے۔ جب آیتیں یاس و ہراس کی پڑھتے تو زار زار روتے اور اپنا سینہ ناخن سے نوچتے یہاں تک کہ بے ہوش ہو جاتے اور جب ہوش آتا تو پھر تلاوت کرتے اور جب آیتیں رحمت اور رضا کی پڑھتے تو آپ کے چہرے سے بشاشت اور مسکراہٹ ظاہر ہوتی اور وجد کرتے اور اپنے حسب حال اشعار پڑھتے اور پھر تلاوت کرتے۔

فوائد الفوائد میں لکھا ہے کہ آپ زہد و ریاضت چھپایا کرتے اور اپنے آپ کو خلقت سے چھپاتے اور مریدوں کو بھی اخفائے عبادت کی نصیحت فرماتے اور کرامت کے چھپانے کا حکم کرتے اور فرماتے کہ کچھ ضرورت نہیں ہے کہ یہ چیزیں مشہور ہوں۔ فقیر کے لئے مشہور ہونا سخت آفت کا سامنا ہے۔

افضل الفوائد سے منقول ہے کہ ایک دن عالم سرور و شوق میں ارشاد فرماتے تھے کہ جو کوئی راہ حق میں پورا اُترا مقصود کو پہنچا اور جس نے زبان سے اس کی حدیث کہی گویا اُس سے باتیں کیں اور جس نے کہ آنکھ سے اُس کا جمال دیکھا بینا ہوا اور جس نے اُس کی وحدت کی شراب پی مرد کامل ہوا اور اُس میں مستی پیدا ہوئی اور اُس کا غلغلہ بلند ہوا۔ جیسا کہ حضرت نظامی فرماتے ہیں۔ قطعہ

چو ست خلوتش کشتی فلک راخیمہ بر ہم زن ستون چرخ در جنباں طناب آسماں در کش
طریقش بے قدم می زن حدیثش بے زباں می گو جمالش بے بصیری بیں شراتش بے جہاں در کش

راحت القلوب میں لکھا ہے کہ آپ اکثر مع اہل وعیال کے فاقہ سے رہتے اور صبر فرماتے اگر ایسی حالت میں کوئی مسافر آنکلتا تو آپ مولنا بدر الدین غزنوی کے پاس جو مرید اور خادم خانقاہ کے تھے بھیجتے اور اشارہ فرماتے کہ خبر پانی تو لاؤ کہ آج کا دن بخشش وعطا سے خالی نہ جاے اور مجلس میں پہنچ کر آپ ہر ایک مسافر کو پانی کا پیالہ دیتے

اسرار الاولیا میں لکھا ہے کہ جب آپ کو فاقہ ہوتا تو آپ اس کا اظہار کسی پر نہ فرماتے اور اگر اچھا تا اس حالت میں بادشاہ یا کوئی امیر کچھ چیز بھیجتا تو آپ قبول نہ کرتے چنانچہ شمس الدین بادشاہ نے ایک مرتبہ ایک تھیلی اشرفیوں کی آپ کے پاس بھیجی اور کہلا بھیجا کہ اگر آپ اس کو قبول کرلیں گے تو میں بہت ممنون ہوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ اور بادشاہ سے کہو کہ میں تم کو اپنا بڑا دوست جانتا ہوں اور تم مجھ سے دشمنی کرتے ہو جس چیز کو خدائے تعالیٰ دشمنی اور غضب سے اپنے کلام پاک میں یاد کرے اور تمام دوستوں کو اس سے پرہیز کرنا بتا دے تو تم ہمارے واسطے روا رکھتے ہو اور ہم کو اس میں آلودہ کرنا چاہتے ہو۔

کتاب راحت القلوب سے منقول ہے کہ شیخ فرید الدین گنج شکر راوی ہیں کہ ایک دن سلطان شمس الدین کا وزیر آیا اور ایک طشت پراز طلاء اور ایک فرمان دس مواضع جاگیر کا لایا اور کہا کہ بادشاہ نے اظہار بندگی کرکے یہ فرمان اور طشت زر آپ کے غلاموں کے لیئے بھیجا ہے۔ خواجہ مسکرائے اور فرمایا کہ ہمارے پیروں نے ایسی چیزیں قبول نہیں کی ہیں۔ اس لیئے میں بھی نہیں لیتا۔ وزیر نے عاجزی شروع کی آپ نے فرمایا کہ اگر میں آج ان کی متابعت نہ کروں اور جاگیرات اور اس زر کو قبول کرلوں تو میں قیامت کے دن ان کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ اور ان کے زمرے میں کیوں کر شامل ہوں گا۔ ان چیزوں کے طالب اور بہت سے ہیں ان کو دو۔ ناچار وہ مع ہدایا کے واپس چلا گیا۔

ایک دن آپ کی خدمت میں قوال آئے اور اس شعر کو نہایت خوشنما اور دل ربا طور سے گا رہے تھے۔

سرود چیست کہ چندیں فسون عشق درو ست | سرود محرم عشق است و عشق محرم اوست

یہ شعر سن کر آپ پر حالت طاری ہوئی اور کئی دن بے ہوش رہے دانہ پانی نہ کھایا مگر نماز کے وقت ہمیشہ ہوش میں آجاتے تھے۔

آپ نے اور قاضی حمید الدین ناگوری نے ایک دفعہ مجلس سماع منعقد کی جس میں بہت سے لوگ جمع ہوئے سلطان شہاب الدین غوری نے سنا اور کہا کہ امام ابو حنیفہ کے ہاں گانا حرام ہے اگر یہ میرے شہر میں گانا بجانا کریں گے تو میں ان کو نکال دوں گا آپ نے سنا تو فرمایا کہ "جو شخص ظالم محض ہے اس پر سماع بے شک حرام ہے اور ہم پر حلال ہے مجھ کو وہ کیا نکالے گا اگر خدا نے بھی چاہا تو وہ خود ہی نکل جائے گا" اس بات پر چند دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ غزنی جاتے ہوئے رہتک مقام پر گکھڑوں نے اسے مار ڈالا اور پھر پلٹ کر دلی آنا نصیب نہ ہوا۔

اولیا راہست قدرت از الہ | تیر جستہ باز گرداند ز راہ

کبھی آپ بے ساختہ شعر بھی کہہ دیا کرتے تھے چنانچہ یہ نظم آپ ہی کی ہے۔

ای بگرد شمع رویت عالمے پروانہ | وز لب شیریں تو شورے ست در ہر خانہ

من بچندیں آشنائی من خورم خون جگر | قالب مسکیں اگر گنا ہے می کنند بیگانہ

گر رسد از تو بگوشم کہ بمیر اے سعدی | تا لب گور باعزاز و کرامت بروم

در بدامم بدر مرگ کہ خشم پالست | از لحد رقص کناں تا بقیامت بروم

علالت اور وفات

جب آپ کی عمر آخر ہونے آئی تو ماہ رمضان تھا کہ آپ کو ضعف ہونا شروع ہوا مگر آپ نے سارے روزے رکھے جب عید ہوئی تو عید گاہ تشریف لے گئے اور وہاں سے پلٹ کر جس جگہ آپ کا مزار ہے پہنچ کر چونکہ وہ جگہ مصفا اور پاکیزہ تھی دیر تک کھڑے رہے۔ آپ کے ہمراہیوں نے کہا کہ آپ گھر تشریف لے چلیے کہ لوگ زیارت اور مبارک باد کے لیے منتظر ہیں اور کچھ کھانا تناول فرمایئے اور لوگوں کو رخصت کیجیے آپ نے فرمایا کہ "ایں جا مرا بوے دلہا می آید" یہ کہہ کر آپ کو بہت رقت طاری ہوئی۔ اور فرمایا کہ میرا یہ دل چاہتا ہے کہ میرا دفن اسی زمین میں ہو اور اسی وقت مالک اراضی کو بلوا کر اس کو قیمت دی اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔

ایک روز شیخ علی سگزی کی خانقاہ میں مجلس سماع تھی خواجہ صاحب بھی تشریف فرما تھے

قوال شیخ احمد جام کا قصیدہ نہایت خوبی سے گارہے تھے جب اس شعر پر پہنچے:-

کشتگانِ خنجر تسلیم را — ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

تو آپ ایسے متاثر ہوئے کہ حالت نزع کی ہوگئی اُسی حالت میں آپ کو گھر اٹھا کر لائے اور چار دن تک اُسی حالت میں رہے اور بار بار قوالوں سے اسی شعر کی تکرار کراتے تھے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو ہوش میں آجاتے اور نماز ادا فرماتے۔ مولینا فخر الدین زرادی اپنے رسالہ اصول السماع میں لکھتے ہیں کہ جب آپ کو سماع میں زیادہ استغراق ہوا اور حالت دگرگوں ہوئی تو آپ کے مرید حکیم شمس الدین صاحب کو جو اپنے زمانے کے بڑے حاذق طبیب تھے بلایا اُنھوں نے نبض دیکھ کر کہا کہ "دل آپ کا آتشِ عشق سے جل کر کباب ہوگیا ہے اور جگر آپ کا نمک شورِ محبت سے گھل گیا ہے اب دوا آپ کی صرف شربت دیدار ہے اور کچھ نہیں"

لقد لسعت حیّۃ الھوی کبدی[1] — فلا طبیب لھا ولا راقی

الا الحبیب الذی قد شغفت بہ — فعندہ رقیتی و تریاقی

قوال جب مصرعہ اول پڑھتے تو آپ کو سکون ہوتا اور مصرع ثانی سے تڑپ پیدا ہو جاتی بالآخر اسی حالت میں آپ کا وصال ہوگیا آپ کے سر مبارک تو قاضی حمید الدین کے زانو پر تھا اور پائے شریف شیخ بدرالدین غزنوی کی گود میں تھے کہ بدرالدین صاحب کی آنکھ جھپک گئی اور ایسا معلوم ہوا کہ آپ فرماتے ہیں کہ اے بدرالدین خدا کے دوستوں کو موت نہیں ہوتی

مرا زندہ پندار چوں خویشتن — من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

دارالبقا کی طرف رحلت فرما چکے تھے۔ شمس الدین التمش نے جب آپ کی وفات کا حال سنا جو روز دوشنبہ ۱۴- ربیع الاول ۶۳۳ھ کو تخمیناً (۵۲) اور بقولے (۶۲) سال کی عمر میں ہوا تو نوراً دوڑا ہوا آیا اور خود آپ کو غسل دیا اور آپ ہی جنازے کی نماز پڑھائی اور میت کو خود کندھا دیا۔ بادشاہ کو آپ کی صحبت کا نیک اثر ہوا تھا کہ خود بڑا متشرع اور سختی سے پابند صوم و صلوٰۃ تھا اور کہا جاتا ہے کہ اُس نے کبھی نماز کا وقت ٹلنے نہیں دیا قضا کرنا تو ایک دوسری بات تھی۔

---

[1] میرے جگر محبت کو ایسا ناگ ڈس گیا ہے جس کے لیے نہ کوئی طبیب ہی کافی ہو سکتا ہے نہ کوئی منتر ہی پڑھنے والا۔ البتہ جس دوست پر میں فریفتہ ہوں اُس کے پاس میرا افسوں اور تریاق ہے۔ ۱۲

جس دن آپ نے وفات پائی اسی سال سلطان شمس الدین التمش نے بھی سفر آخرت اختیار کیا۔ حضرت کی وفات کی تاریخ کا یہ قطعہ ہے۔

فیض بخش جہان بصدق یقین — قطب آفاق خواجہ قطب الدین
اسوۂ دہر و قدوۂ عالم — زبدۂ دودۂ بنی آدم
لقبش بختیار کاکی داں — ہست او بنئ اکخیش برخواں
از ربیع تخت چہار دہم — بود کاں قطب شد بچرخ نہم
روز ترحیل آں دوشنبہ داں — بے شک و ریب سال سود و جواں
عقل تاریخ نقل آں محمود — آب جنت بقطب دیں فرود
بازگو سال نقل آں نامی — روح اللہ روحہ السامی
عمر پنجاہ و چار سالش بود — کاں زماں سوے خلد نقل نمود
مرقد پاک او بہ دہلی داں — روز و شب فاتحہ بر و برخواں
سال نقلش بہ بحر دیگر نیز — بشکے گفتہ ام شنو بہ تمیز

سال آں ولی نیک خو
بود بدر دہر قطب الدین بگو
۶۳۳ھ

خواجہ صاحب کی درگاہ کے باہر کی عمارتیں

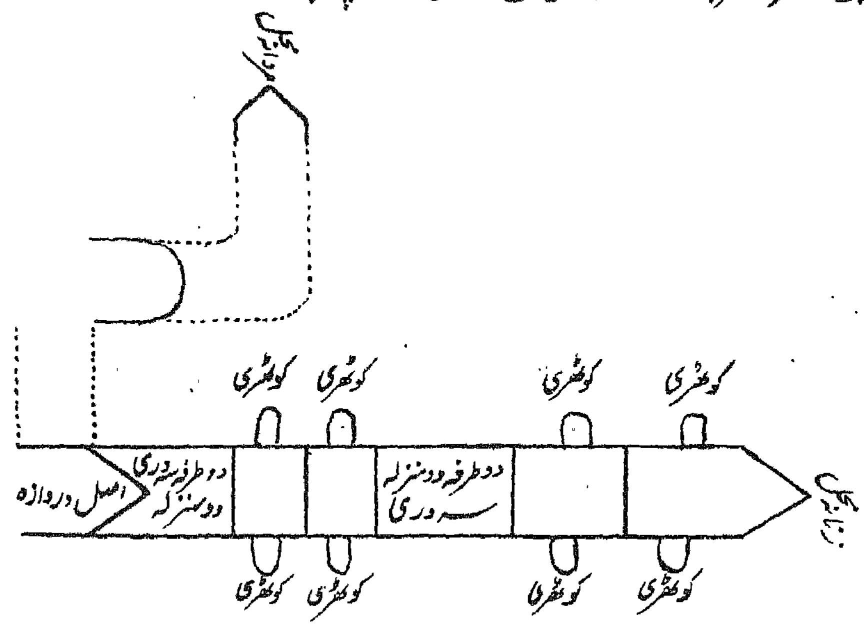
بادشاہی دروازہ

حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ کے باہر دریا ہوا بڑا عالی شان دروازہ ہے جس کی بلندی ۵۷ فٹ ہے اور عرض ۱۲ فٹ ۹ انچ ہے اس پر چڑھنے کا (۲۷) سیڑھیوں کا چکر دار زینہ ہے۔ لوگ اس کو درگاہ کا دروازہ کہتے ہیں اور میں اسے ایک جداگانہ محل کا دروازہ سمجھتا ہوں کیوں کہ اس دروازے کے اندر بڑے بھاری محل کے کھنڈر ہیں۔ یہ دروازہ سنگ سرخ کا ہے جس پر سنگ مرمر کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ دروازہ بالکل درست حالت میں ہے۔ اور سہ منزلہ ہے جس کی پیشانی پہ یہ کتبہ ہے۔

(کتبہ بر صفحہ آئندہ)

سنہ ۱۱ اس در عالے چو شد مکرم بناحسب المراد
گفت دل سال بنا باب ظفر پائندہ باد ۱۲۶۴ سنہ

دروازہ سات کہا ہی یعنی ایک کے اندر ایک سات حصے ہیں اور مردانے محل کی طرف بڑے دروازے کے اندر بائیں طرف تین دروازے ہیں۔ ان دروازوں میں دُھر اُدھر بادشاہ کا ہاتھی مع عماری کے چلا جاتا تھا۔



محل تو اب رہا نہیں مگر یہ بات ظاہر ہے کہ جس محل کا دروازہ ایسا نایاب ہو وہ محل خود کیوں نہ لاجواب ہو۔ دروازے کے حصوں کی بعض چھتیں لداوی ہیں بعض چوبی کڑیوں کی ہیں۔ اسی کے پاس خاص محل کے کھنڈر ہیں۔ یہ دروازہ مغلیہ خاندان کے خاتم السلاطین بہادر شاہ مرحوم و مغفور کا بنوایا ہوا ہے۔

سرائے شاہی خاص محل کے عقب میں سرائے شاہی کی قدیم اور شکستہ عمارت ہے۔ اب اس میں زیادہ تر بکے والے ٹھیرتے ہیں چو طرف ریل کھل جانے سے اب سرائیں بیکار ہیں۔ مسافروں کی ریل پیل بھٹیاریوں کی کشمکش اب نظر نہیں آتی۔ تہذیب یافتہ نئی روشنی والے ڈاک بنگلہ اور ہوٹل ڈھونڈتے ہیں معمولی حیثیت کے لوگ دلی سے سویرے سویرے چلے سیر سپاٹے ہیں دن گزار شاموں شام گھر آن داخل سراؤں میں

رہے تو کون۔ بھٹیارے بھٹیاریوں کا روزگار سنا اب جدھر دیکھو خانساماں اور بٹلروں کا دور دورہ ہے۔

شیخ سلیمان دہلوی کا مقبرہ ۹۴۴ھ

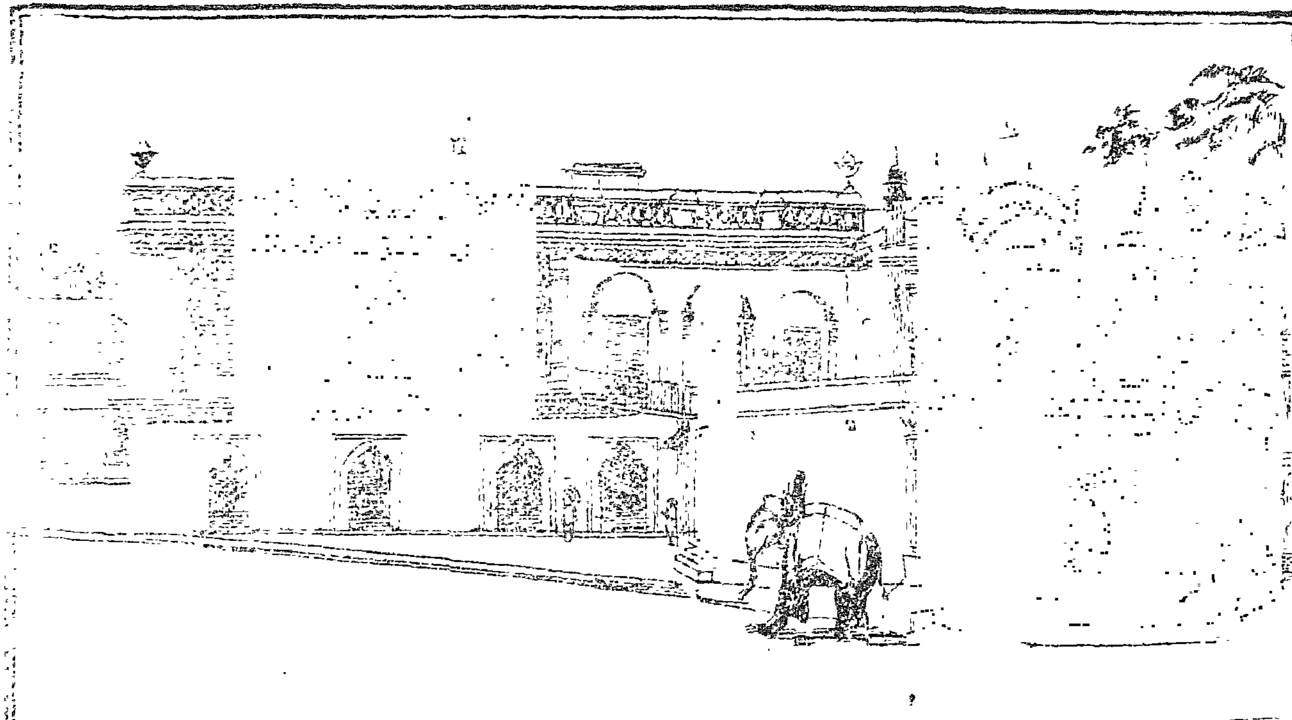
بادشاہی دروازے کے پاس شیخ سلیمان دہلوی رح کا مزار ہے جو بہت خوب صورت قلندران نما الہ اوی پنج درہ سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے جو ۳۲ فٹ ۱۷ فٹ ہے۔ اس میں دو قبریں سنگ مرمر کی ہیں۔ پہلی قبر شیخ صاحب کی ہے اور دوسری اُن کے بھائی کی کہی جاتی ہے جن کا نام معلوم نہیں۔ شیخ سلیمان بن عفان المندوی الدہلوی در ارشاد و ترتیب طالبان و تلقین واذکار و اشغال درویشان یگانۂ عصر بود۔ مسافرت بسیار کردہ و نعمتہا یافتہ۔ گویند کہ ویرا نقل ارواح کہ مرتبہ ایست از مراتب تصرفات نفس ناطقہ انسانی حاصل بود و بجہت آں از اکثر احوال قرون ماضیہ خبر دادے۔ گویند کہ وی در تجوید قرآن یگانۂ عصر بود و در معاملہ قرآن را پیش آں سرور صلعم تجوید نمودہ و شیخ عبد القدوس پیش او تجوید کردہ و مدتے مدید در خانقاہ او بودہ۔ وفات او شب چہاردہم ماہ محرم ۹۴۴ھ و مقبرہ او عقب مقبرۂ خواجہ قطب الدین است۔

مینا بازار اور باؤلی

بادشاہی دروازے اور خاص محل سے مغرب جانب جب بازار کی طرف چلیں تو مینا بازار ہے۔ یہ وہی بازار ہے کہ جس کے دو رویہ بنگلے ہیں جو عرس شریف کے موقع پر بھاری بھاری کرایے پر جاتے ہیں اسی کے شروع میں ایک بڑا غدار ہشت پہل کنواں ہے جو کہتے ہیں کہ اورنگ زیب نے بنوایا تھا۔ کنواں ہشت پہل بنا ہوا ہے جس کا ہر ضلع ۱۳ فٹ لمبا ہے۔ بہت عمیق اور کشادہ ہے۔ اب تک بھی کثرت سے اس کا پانی استعمال کرتے ہیں اور اچھی حالت میں ہے۔ بہت پختہ بنا ہوا ہے۔

مسجد و مکان حکیم احسن اللہ خاں سنہ ۱۲۶۱ھ و سنہ ۱۲۶۳ھ

درگاہ شریف کے قریب یہ مکان نہایت خوش نما سر راہ واقع ہے جو مشہور زمانہ احترام الدولہ عمدۃ الحکماء معتمد الملک حاذق الزماں حکیم محمد احسن اللہ خاں صاحب بہادر ثابت جنگ کا بنوایا ہوا ہے۔



نقشہ مکان و مسجد حکیم احسن اللہ خان بہادر

بہادر شاہ کے دور آخری کے سب سے بڑے رکن رکین یہی تھے۔ مسجد اور مکان دونوں پر قطعاتِ تاریخی لگے ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

تاریخ مسجد

مسجدے ساخت چوں بحسن عمل ۔۔۔ احسن اللہ خان پاک سرشت
اے ظفر بہر سال تاریخش ۔۔۔ خامہ ام "خانۂ خدا" بنوشت
۱۲۶۱

تاریخ مکان

از سال بنائے نو بدرگاہ ۔۔۔ پیر خردم نمود آگاہ
برداشت سر از دیارِ دہلی ۔۔۔ تعمیر تفسیر احسن اللہ
۱۲۶۲

اب اس مکان میں عیسائی لوگ رہتے ہیں۔ اسی کے پاس مرزا ثریا جاہ کی حویلی بھی ایک قدیم عمارت ہے۔

گندھک کی باؤلی

درگاہ کے باہر یہ ایک بہت بڑی باؤلی ہے۔ ۱۳۶ × ۳۸½ پانی کے اوپر کا عمق ۸۰ فٹ ہے۔ پانی کے اوپر (۴۹) سیڑھیاں کھلی ہیں جس کا سلسلہ تہ تک چلا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ باؤلی شمس الدین التمش کی بنوائی ہوئی ہے۔ طرز اس کا راجوں کی بائیں اور باؤلی درگاہ حضرت نظام الدین کا سا ہے۔ باؤلی کے شمال کی طرف سہ دری ہے جس کے ایک کے اوپر ایک پانچ در ہیں۔ اس باؤلی میں اب بھی پانی موجود ہے جو کسی قسم کے معدنی اجزا گندھک وغیرہ سے مرکب ہے اور اسی وجہ سے یہاں نہانا امراض جلدی کو مفید ہوتا ہے۔

بہشتی دروازے کے سامنے کے دو نقار خانے

درگاہ شریف کے بہشتی دروازے کے سامنے بیچ میں رستہ چھوڑ کر دو نقار خانے قدیم زمانے کے بنے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ شیر شاہ (۴۵-۱۵۳۹ء / ۹۵۲-۹۴۶ھ) اور سلیم شاہ (۵۲-۱۵۴۵ء / ۹۶۰-۹۵۲ھ) کے زمانے کے بنے ہوئے ہیں۔ درگاہ کا ایک

دروازہ قاضی کا دربار بھی ہے جو جنوب میں ہے۔

راجوں کی بائیں کے پاس کا ایک اور مقبرہ

راجوں کی باؤلی کا حال اوپر آچکا ہے اسی کے پاس ایک نامعلوم مقبرہ ۳۶ فٹ مربع ہے جو ہشت پہل ہے اور سنگ سرخ کے در ہیں۔ اس گنبد میں دو قبریں ہیں نامعلوم۔ اسی گنبد کے پاس ایک بہت بڑا کھنڈر ایک مسجد کا ہے مسجدوں کے اس طرح متعدد کھنڈر ہیں چنانچہ راجوں کی بائیں کے پاس اور دو ٹوٹی پھوٹی بڑی بڑی مسجدیں ہیں جو بالکل منہدم ہو گئی ہیں۔ غرض یہ کہ راجوں کی بائیں کے چوطرف بہت سے کھنڈر ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں یہ باؤلی آبادی کے وسط میں تھی اور اب تو کھنڈروں کے بیچ میں ہے کہ اکیلے دکیلے جاتے ہوئے بھی ڈر لگے۔

ناظر کا باغ

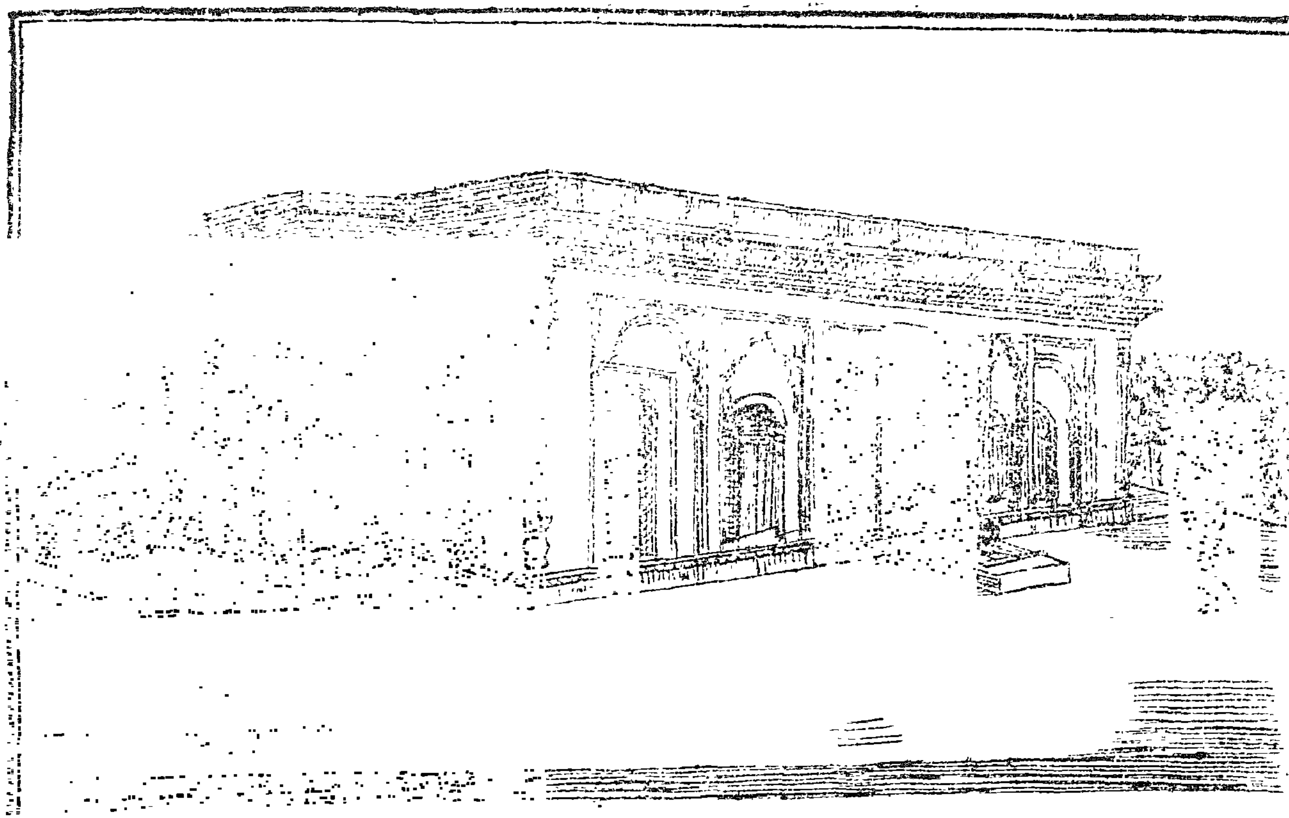
سنہ ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ع

یہ باغ قطب صاحب کے جھرنے کے پاس ہے۔ جو سرسبز شاداب اور ایک اچھی سیرگاہ ہے۔ اس میں مکانات مرغوب بنے ہوئے ہیں۔ پھول والوں کی سیر میں ہزاروں آدمیوں کا جمگھٹا یہاں رہتا ہے اور بڑی رونق کا میلا لگتا ہے۔ اس باغ کو ناظر روز افزوں نے محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں بنایا تھا۔ اس کے دروازے پر یہ کتبہ ہے جس سے اس کا سال بنا معلوم ہوتا ہے:-

بفرمان محمد شاہ عادل — کہ بر فرقش بود تاج تبارک
بنائے گلشنے در قطب گردید — کہ گلبانش زند رضوان تبارک
بود سرسبز دائم روز افزوں — بحق سورۂ صاد و تبارک
پئے تاریخ سالش گفت ہاتف — خدا یاری بود بانی مبارک

سنہ ۱۱۶۱ ہجری مقدسہ مطہرہ سنہ ۳۱ جلوس مبارک محمد شاہی

اس باغ کے گرداگرد فصیل نما کنگورے دار نہایت مضبوط چار دیواری ہے جس نے اب تک بھی جنبش نہیں کھائی۔ البتہ مشرق کی طرف کی دیوار گر گئی ہے اور اندر چاروں طرف مکانات سنگین سنگ سرخ کے نہایت عمدہ بنے ہوئے ہیں اور ایک مکان

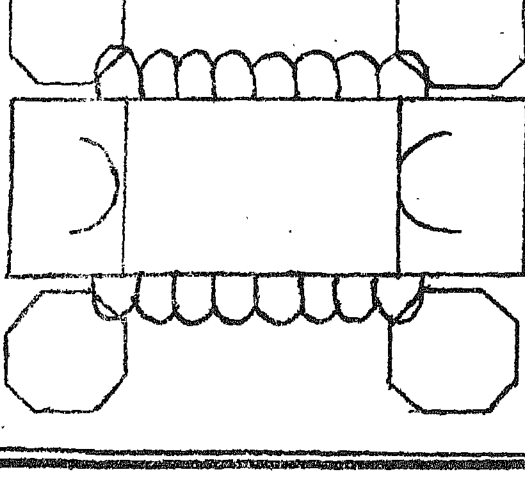


نقشۀ باغ ناظر

باغ کے بیچوں بیچ بنا ہوا ہے کہ وہ سب سے بڑا اور بہتر ہے۔ صدر دروازہ مغرب رویہ سنگ سرخ کا ہے جو دوسرا ہے جس کی بلندی ۲۲ گز ہے۔ دو طرفہ چھپیں چھپیں سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ چوبی پٹ ہیں مگر شکستہ۔ دروازے کے اندر دو طرفہ دو منزلہ سہ دری ہے۔ غرض یہ کہ دروازہ بڑا عالی شان ہے اور ایسے نفیس باغ کا دروازہ بھی ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ گو احاطے کے چار دروازے تھے مگر وہ معمولی حیثیت کے تھے صدر دروازہ یہی تھا جس پر کتبہ ہے۔ پہلے یہ ایک دلکش باغ تھا اور اب نرا جھاڑ جھنکاڑ ہے۔ روشوں نالیوں اور کیاریوں کے نشان اب بھی موجود ہیں مگر جس میں ہل پھر جاے اور زراعت ہونے لگے تو اب کیا خاک رونق رہ سکتی ہے۔ بارہ دریوں اور پُر لطف نشستوں میں چمن کی نفاست اور پُر تکلف وضع قطع دیکھا کر اب بھی دل لوٹ جاتا ہے جب مویشی باندھے جائیں اور اُن کے گوبر کے چوتھے ہر طرف سے لگے ہوے ہوں اور اُن کے پیشاب کی بو سے ناک نہ دی جا سکے اور جا بجا اوپلیوں کے انبار اور بھس کے ڈھیر لگے ہوں اُن کی کس مپرسی کی یہ حالت دیکھ کر خدا کی قدرت یاد آتی ہے کہ بنانے والے نے روپیہ کی بکھیر کر دی اور اس مقام کو دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا اور آج اس میں گدھے لوٹ رہے ہیں اور بجاے طرح طرح کے پھولوں کے تختوں کے زراعت ہو رہی ہے اور پھولوں کی بھینی بھینی مہک کے بدلے گوبر اور موت کی سڑاند ہے کون سا پتھر کا کلیجہ ہے جو اس تباہی کو دیکھ کر متاثر نہ ہو۔ اب بھی اس باغ میں اُسی زمانے کے پرانے اور بڑے بڑے املی۔ کھرنی۔ آم۔ جامن۔ نیم۔ شہتوت وغیرہ کے درخت اور دو کنوئیں موجود ہیں۔

بیچ کی بارہ دری

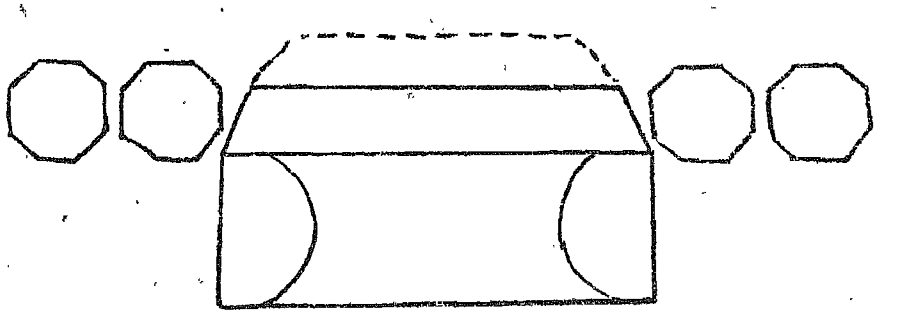
باغ کے بیچ میں ایک نہایت خوشنما اور بہت بڑی سنگ سرخ کی بارہ دری ہے نقشہ یہ ہے:-



مشرق مغرب کی طرف یہ بارہ دری دوہرے دالانوں کی ہے اندر سے ۱۳ فٹ × ۵ - ۴ باہر سے ۲۶ - ۱ × ۸ - ۳ شمال جنوب میں ایک ایک برآمدہ ہے۔ چاروں طرف پختہ حوض ہیں جن کے بیچ میں فوارہ ہے۔ تین جانب کے حوض ایک ہی وضع قطع کے ۵½ × ۳ - ۹ اور ۲½ عمیق ہیں۔ صرف شمال کی طرف کا حوض ذرا بڑا ہے ۱۳ - ۱۰ × ۸ - ۳ عمق دو فیٹ باقی مٹی بھری ہوئی ہے۔ باہر سے عمارت کا طول و عرض ۵۲½ × ۲۷ - ۳ - کرسی ۵½ بلند۔ پتھر کی سلوں کی لداوی چھت۔ گرد چوڑا چھجہ جس کی سلیں جابجا سے گرگئی ہیں۔ اس کے سامنے شامیانہ بھی تانا جاتا تھا۔ اس کے مروسے لگے ہوئے ہیں۔

مشرق کی طرف کا پنچ درا

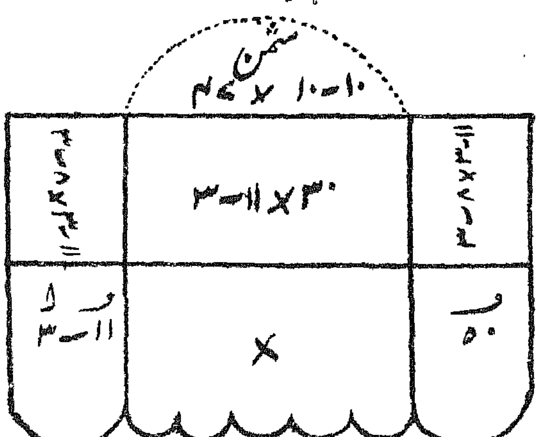
باغ کے مشرق میں یہ عمارت سنگ باسی کی بہت نفیس بنی ہوئی ہے۔ یہ عمارت ۲۱ بلند ہے اور دو طرفہ اکیس اکیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ شہ نشین کی دیوار میں سنگ سرخ کی جالیاں باہر دار کو لگی ہوئی ہیں۔ جو سب ضائع ہو گئیں کہیں کہیں کوئی ٹکڑا لگا رہ گیا ہے۔ اس میں ایک وچھتی بھی ہے۔ نظری اور سرسری نقشہ یہ ہے۔



جنوب کی طرف کا پنچ درا

یہ بھی سنگ باسی کا پنچ درا ہے جس کی کرسی ۵ - ۱ ہے اور شہ نشین کی کرسی اندر وار سے ۱ - ۴ ہے۔ یہ عمارت باہر سے ۲۹ × ۵۳ ہے۔ عمارت کے گرد چوڑی چوڑی سلوں کا چھجہ تھا یہ سلیں اب جابجا سے گرگئی ہیں۔ اس عمارت کی چھت بھی لداوی ہے اور سلوں سے پٹی ہوئی ہے۔

اس کو ملا کر اب تین مکان باقی رہ گئے ایک باغ کے بیچ میں اور دو باغ در سے قیاس یہ چاہتا ہے کہ ایسے ہی پانچ در سے مغرب اور شمال میں اور ہوں سے مگر اب نہیں ہیں اس عمارت کا نظری نقشہ یہ ہے:-



مولٰنا مجدالدین حاجی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اور مسجد ۶۴۳ھ

باغ ناظر کے پاس یہ تین در کی پختہ مسجد ۳۲ فٹ × ۱۳ فٹ ہر دروں کی اونچان ۷ فٹ اور چوڑان ۴ فٹ ہے پیش ہیں چوڑا چھجہ سنگ خارا کا نیچے بھاری توڑے ہیں۔ فرش اور منبر ٹوٹ پھوٹ گیا۔ مینار شروع ہی سے نہ تھے۔ مسجد کی بائیں طرف ایک حجرہ بھی ہے اور اسی طرف گیارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ داہنی طرف صرف چھ سیڑھیاں ہیں شاید اذان دینے کا چبوترا بنایا ہے کیوں کہ سقف مسجد تک سیڑھیوں کا سلسلہ نہیں ہے۔ اس کے صحن میں بہت سی قبریں ہیں مولٰنا کی قبر شریف پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے "مولٰنا مجدالدین حاجی ۶۴۳ھ" آپ کی قبر بیچ کی صحن مسجد میں ہے۔ اخبار الاخیار میں مولٰنا کے متعلق لکھا ہے کہ "آپ کا ذکر کسی ملفوظات مشائخ میں نہیں ملا لیکن بعض بزرگوں سے میں نے سنا ہے کہ آپ خاندان سہروردیہ کے ایک بزرگ اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے۔ آپ نے بارہ حج کیے تھے اور آخر کار دہلی تشریف لائے سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو صدر ولایت بنایا آپ اس خدمت سے ناراض تھے تاہم دو سال تک اس خدمت جلیلہ کی مہمات کو بوجہ احسن سر انجام دیا

اور خوب انتظام بٹھلایا اور بخوبی بندوبست کرنے کے بعد التماس کیا کہ خضیر کو اب معاف کریں۔ بادشاہ نے آپ کا فرمانا قبول کیا اور منصب صدارت سے سبکدوش کیا۔ ایام تشریق ہیں کہ زمانہ اکل و شرب اور ضیافت کا ہے اس نواح کے لوگ شہر کے باہر آپ کے مزار پر جمع ہوتے ہیں اور اس اجتماع کو ختم مولنا مجد حاجی کہتے ہیں"

صحن مسجد میں اور بھی بہت سی قبور ہیں جن میں سے صرف تین قبروں پر کتبے ہیں اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ سرکار کی طرف سے دو بیست سے قبے بنا کر ان تینوں قبروں کی بخوبی حفاظت کر دی ہے۔ پہلے قبے میں دو بہت پرانی قبریں ہیں۔ اور دوسرے میں صرف ایک لڑکے کی جس نے سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔

الله

(۱) وَكَانَ وَفَاتُهُ..... اَلْعَبْدُ الضَّعِيفُ...... المرحوم محمد بن علی بن عثمان الملقب بنظام الدین (۲) فی الرابع من شهر المبارك رجب عمر میاهه ثمانٍ وَثلثين وَ ستمائة (٦٣٨ھ)

یہ پتھر کنگھے کی شکل کا محراب دار ہے۔ بڑی مشکل سے اتنی عبارت نکلی ہے۔ اس پتھر کے کنارے کنارے نصف دائرے کی شکل پر آیۃ الکرسی منقوش ہے۔

دوسری قبر۔ (۱) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْجَبَّارُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ الْمُخْتَارُ سُبْحَانَ ذِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ وَسُبْحَانَ ذِي الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ۔

(۲) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ الصَّادِقُ الْاَمِيْنُ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ۔

تیسری قبر

فرزندا عز قرة العین ثمرة الفی اد ه
اسعد بن حسین نور الله
در هفت سالگی کلام الله
حفظ کرد و برحمت خدای پیوست

پاس پاس دو گنبد اور ایک قناتی مسجد

مسجد کی داہنی طرف رستے کے اُس پار ایک ہی وضع قطع کے

دو گنبد ہیں جن کے بیچ میں ایک کنواں ہے۔

(۱) ۹۲ فٹ مربع ہے۔ کوئی خاص نام نہیں۔ اس کے اندر دو قبریں ہیں۔ دو طرف چودہ چودہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ صدر دروازہ کی طرف جو رستے کے رخ پر ہے ایک سنگ سرخ کی شہ نشین ہے۔ جنوب رخ کے دروازے پر دو طرفہ طغرے کلمہ۔ بسم اللہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم گچ میں کھدے ہوئے ہیں۔ تین طرف دروازے ہیں مغرب کی طرف دروازہ نہیں ہے۔ شمال کی طرف کے دروازے میں چوبی کواڑوں کے پٹ چڑھا کر پولیاں بھر دی ہیں۔ بڑی مہربانی کی جس سے مقبرے کی حفاظت مقصود نہیں بلکہ اپنی پولیوں کی۔

(۲) دوسرا گنبد کٹورے کا گنبد کہلاتا ہے۔ شاید کبھی اس کی چھت میں کٹورا لٹکتا ہوگا۔ یہ ۴۲ فٹ مربع ہے۔ اس میں بھی دو قبریں ہیں اور اس میں بھی پولیوں کا ڈھیر ہے۔ گویا تمام گنبد بنانے والوں نے اسی مقصد کے لئے یہ یادگاریں ہزارہا روپیوں کے صرف سے قائم کی تھیں۔ ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ آگے چل کر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ یہ گنبد نہ صرف گھاس پھوس اور بھوسی کے چارے کا اسٹور ہوں گے بلکہ ان میں گاؤں والے اپنے مویشی باندھ باندھ کر ان کو سنڈاس بنا دیں گے۔ اس گنبد کے باہر رنگ آمیزی کا کام بھی تھا جس کا کچھ کچھ حصہ اب تک بھی باقی ہے۔ اس کے دروازوں کے دو طرف

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

اور چھوٹے طاقوں کے دو طرفہ چاروں طرف بسم اللہ، کلمہ، یا اللہ لکھا ہوا ہے۔

قناتی مسجد اس مقبرے کے پاس مشرق کی طرف گنبد سے ملی ہوئی ایک قناتی مسجد ۳-۹ ہے جس کے پیش طاق میں بہت سے کتبے ہیں۔ چونکہ چونے میں کھدے ہوئے تھے جا بجا سے جھڑ بھی گئے ہیں۔ اس دیوار پر رنگ آمیزی کا کام بھی تھا جس کی کچھ جھلک باقی ہے۔ مسجد کا صحن عرض میں ۳۷ فٹ ہے جس میں بہت سی پختہ قبریں ہیں۔ کتبے یہ ہیں:-

(۱) بسم اللہ آیۃ الکرسی (۲) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تفسد واھی الا مرالتی لا الضعاد قال اوما ھو یا رسول اللہ قال اربعۃ الملوک والعلماء والزھاد والتجار قبل وماھم

یارسول اللہ قال الملوک دعات (۳) الملوک العلی... فاذا کان الراعی دنیاًفمن یرعی.... فاذا کان الطبیب مریضاًفمن یداوی الخلق والزھاد لا الخلق فاذا کان الذاب ضاءًا...... اللہ اللہ جیہ مرتبہ۔ یہ کوئی حدیث شریف ہی جو جابجا سے بگڑ گئی ہو اس وجہ سے مسلسل عبارت نہیں پڑھی جاتی۔ یہ حدیث کسی کتاب میں بھی نہیں ملی جو اُس سے مدد ملتی۔ (۳) کلمہ۔ قل ھو اللہ پوری اور اشھدان محمد عبدہ ورسولہ والحمد للہ......

جھرنہ سنہ ۱۱۱۲ھ ۱۷۰۰ء

قطب صاحب کا جھرنہ کہلاتا ہے جو درگاہ شریف کے پاس ہی ہے۔ عجیب وغریب۔ لطیف دلنفیس۔ دل چسپ ودل کشا فرحت بخش ودل ربا سیرگاہ ہے جس کی سیر سے دل سیر نہیں ہوتا۔ درختان سرسبز وشاداب۔ نہر دوڑتی ہوئی حوض چھلکتے ہوئے باغ جنت یاد دلاتے ہیں اور بہشت کا سماں آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ پہلے پہل سلطان فیروز شاہ نے اس مقام پر ایک بند بنایا تھا چنانچہ جھرنے کی دیوار وہی بند ہے جو اب تک موجود ہے اور حوض شمسی کا پانی روک کر نکھی نالے میں ڈالا تھا۔ وہاں سے ہی پانی تغلق آباد کے قلعے کی خندق میں پونہچایا گیا تھا۔ چند مدت کے بعد وہ قلعہ تو ویران ہوگیا اور وہاں پانی جانا بھی موقوف ہوگیا۔ حوض شمسی کا پانی اس بند سے نکل کر جنگل میں رایگاں جانے لگا تو ۱۱۱۲ھ میں نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ نے اس بند کے آگے حوض اور نہر چادریں اور فوارے بنوادیئے چادروں کا چھوٹنا فواروں کا اچھلنا ایک عجب عالم دکھاتا تھا اور دل کو لبھاتا تھا۔ اب وہ چادر اور فوارے تو سب بند ہوگئے۔ کبھی کبھی دیواریں سے پانی البتہ رسنے لگتا ہے اور حوض میں تھوڑا سا جمع ہوجاتا ہے جھرنے کے چاروں طرف کچھ کچھ مکانات بنے ہوئے ہیں جن کا ذکر ہم مختصراً لکھتے ہیں:۔

مکانات جانب غرب

بجانب غرب اس دیوار سے لگ کر سنگ سرخ کا ایک سہ درہ دالان ۲۷ فٹ ۳ انچ ۔ ۸ فٹ ۷ انچ ہے اور جھرنہ انھیں مکانات کو کہتے ہیں۔ دالان کی چھت لداؤ کی آٹھ فٹ اونچی ہے جس کے آگے ایک بہت نفیس حوض بنا ہوا ہے چھت پر سے لوگ کودتے اور حوض میں تیرتے تھے۔ لوگوں کے کودنے کے وقت بڑا لطف ہوتا ہے کوئی قلابازی کھاکر

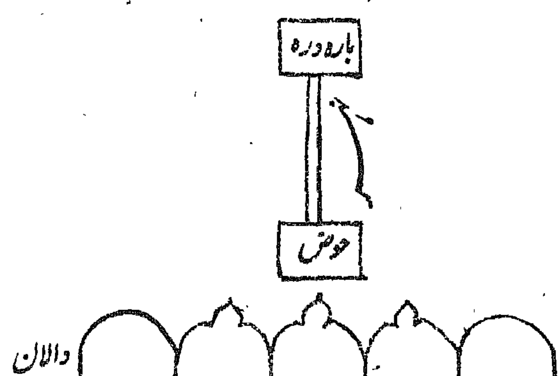


کودتا ہے کوئی چلت پھیری پھر کر اور کوئی تپنی کھا کر اور بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ ایک قوی ہیکل آدمی کو کھڑا کیا اور دو آدمی اُس کے کندھوں پر چڑھ گئے اور درختوں کی ٹہنیاں پھولوں دار ہاتھ میں لیں اور سب سے نیچے کے آدمی نے زغند ماری اور حوض میں کودا اور جو اوپر چڑھے ہوئے تھے وہ بھی لامحالہ ساتھ ہی کود پڑے اور اس طرح کے کودنے کو اصطلاح تیراکی میں "درخت کا کودنا" یا "جھاڑ جھنکاڑ کا کودنا" رکھا ہے۔ غرض طرح طرح کے تماشے برسات میں پھول والوں کی سیر میں ہوتے ہیں۔ اس دالان کی چھت ساری کی ساری اندر سے خالی ہے جس کے چھجے کے نیچے تیرہ انبوبے بطور فوارے کے لگے ہوئے ہیں۔ اس چھت پر بھی پانی چڑھتا تھا اور ان انبوبوں میں سے دھاریں چھوٹتی تھیں اور حوض میں گرتی تھیں۔ اس دالان کے اندر بھی ایک چادر ہے ۳ فٹ ۲ انچ چوڑی جو ۴ فٹ ۴ انچ کی اونچان پر سے گرتی ہے۔ اس کے نیچے چراغ جلانے کے طاق بنا دیئے ہیں۔ چادر کا چھوٹنا اور اس میں چراغوں کا جھلملانا بجنسہ ایسا معلوم دیتا تھا جیسا کہ آتش بازی کے پھول جھڑ رہے ہیں یا تارے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر لوٹ رہے ہیں۔

نظر آئی واں چاندنی کی بہار	کہ آنکھوں نے کی خیرگی اختیار
در و بام یک لخت سارے سپید	ہر اک طاق محراب صبح اُمید
لبالب وہ چوپڑ کی پاکیزہ نہر	پڑے چشمۂ ماہ سے جس میں نہر
لبِ نہر پہ صاف جو غور کی	تو ٹپڑی تھی وہ ایک بلور کی
بڑے اس میں فوارے چھٹتے ہوئے	ہوا میں وہ موتی سے لٹتے ہوئے
زمیں نور کی آسماں نور کا	جدھر دیکھیے واں سماں نور کا
ہر کرتی نگہ جس طرف کو گذر	بجز نور آتا نہیں کچھ نظر

یہ حوض ۲۶ فٹ مربع اور ساڑھے سات فٹ عمیق ہے دہانہ ایک فٹ (۷) انچ کا ہے جس سے اس حوض میں پانی آتا ہے۔ حوض کے سامنے ایک بہت خوشنما نہر ۲۲ فٹ لمبی اور چھ فیٹ چوڑی اور ساڑھے تین فیٹ گہری ہے۔ اس نہر کا پانی چادر پر جا کر برستا ہے۔ یہ بڑی چادر نہر کی اس کے سوا شمال اور جنوب میں آمنے سامنے دو چھوٹی چادریں اور ہیں جو ۲ فٹ ۱ انچ چوڑی ہیں اور دو فیٹ کی بلندی پر سے گرتی ہیں۔ ان چادروں کے آگے ۳ فٹ ۴ انچ کی مسقف ... تھا

سلامی پتھر لگا دیئے ہیں جن کے خاروں میں پانی اٹک اٹک کر لہراتا اٹکھیلیاں کرتا عجب خرام ناز اور معشوقانہ انداز سے جاتا ہے کہ اس کی خوبی حیطۂ تحریر سے باہر ہے۔ ان تینوں چادروں کے سامنے نہریں ہیں۔ بڑی چادر کے سامنے کی نہر ۲۳ فٹ لمبی ۔ ۴ فٹ چوڑی اور فٹ بھر گہری ہے اس نہر کے سامنے سنگ سرخ کا ایک بارہ درہ منڈوا ۱۱ فٹ ۱۰ × ۹½ ہے۔ صحن میں ایک پرانا درخت جامن کا ہے اور کئی درخت آم اور نیم کے ہیں۔ موجودہ نقشہ اس کا یہ ہے:-



چھوٹی نہروں کے سامنے کی نہریں ۱۵ فٹ ۳ انچ لمبی ۔ ۲ فٹ ۹ انچ چوڑی اور آٹھ انچ گہری ہیں۔ اب سب ٹوٹ ٹاٹ کر فوارے اور چادریں سب بند ہیں اور پانی جنگل میں بہ جاتا ہے۔ اب اس مکان کی خوبی اور نفاست کیا لکھی جائے نہ وہ مکان ہی رہا نہ وہ مکین ہی رہے۔ نہ وہ عیش پسند طبیعتیں رہیں نہ وہ مذاق رہا۔ اب زمانے میں کچھ اور ہی ہوا چلی ہے ہم اس ٹوٹی پھوٹی حالت کو بھی دیکھ کر لٹو ہوئے جاتے ہیں۔ چادروں کا گرنا۔ پانی کے دھواں دھوں کا غل جانوروں کا ہرے بھرے درختوں پر پھدکنا اور چہچہانا۔ کوئل کی کوکو۔ پپیہے کی پی کہاں کی صدا مور کا جھنکارنا اور ناچنا۔ فاختاؤں کا گونجنا۔ خلقت کی کثرت اور ریل پیل۔ تماشائیوں کا بن سنور کر عمدہ عمدہ رنگ برنگ کے لباسوں میں گشت کرنا۔ حسینوں کے جھرمٹ گانے کی الاپ طبلے کی تھاپ۔ کٹوروں کی جھنکار۔ سودے والوں کی پکار۔ دکانوں کی سجاوٹ۔ یار دوستوں کی لگاوٹ۔ پھول گجروں کی بہار۔ خوشبو و عطریات کی مہکار۔ کچھ عجب سماں تھا۔ بلا مبالغہ یہ معلوم دیتا تھا کہ راجہ اندر کا اکھاڑا یا پرستان زمین پر اتر آیا ہے۔ بڈھے ٹھڈے اب بھی یاد کر کے مزے لیتے ہیں بھلا ہماری تقدیر ایسی کہاں تھی کہ ہم اس بہار کو دیکھتے ہمارے نصیب میں تو بس یہی رہ گیا ہے کہ گل کی جگہ خار دیکھ کر کف افسوس ملیں۔

کھلی آنکھیں تو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

مکانات جانب شمال

سنہ ۱۲۲۱-۵۳ھ
۱۸۰۶-۳۷ء

اس طرف ایک دہرا دالان پختہ و سنگین بہت خوش نما بنا ہوا ہے جو طول میں ۳۱گز-۸ انچ اور دونوں دالانوں کی چوڑائی (۲گز۳) ہے۔ یہ دالان ابوالنصر معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی بادشاہ نے اپنے عہد سلطنت میں (جن کا زمانہ سنہ ۱۲۲۱-۵۳ھ / ۱۸۰۶-۳۷ء تھا) بنوایا تھا جو اب بھی موجود ہے۔ یہاں کے سب مکانوں میں یہی ہر اعتبار سے بہتر ہے۔ اسی سے ملا ہوا ایک سہ درا ۳۳فٹ-۹انچ × ۱۱فٹ-۹انچ ہے جس کی چھت چوبی کڑیوں کی ہے۔

مکانات جانب جنوب

سنہ ۱۱۷۳-۱۲۲۱ھ
۱۷۵۹-۱۸۰۶ء

اس طرف ایک سہ درا دالان ہے جس کی بغلی میں دو در اور ہیں چنانچہ اسی وجہ سے وہ پنج درہ کہلاتا ہے۔ اور اگر ادھر ادھر کے دروازے ملا لو تو ست درہ ہو جاتا ہے۔ یہ شاہ جی کے بھائی سید محمد صاحب نے ابوالمظفر جلال الدین سلطان عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ (سنہ ۱۱۷۳-۱۲۲۱ھ / ۱۷۵۹-۱۸۰۶ء) کے زمانے میں بنوایا تھا جس کا اب نشان تک نہیں رہا۔ البتہ بیچ میں بہادر شاہ (سنہ ۱۲۵۳-۷۳ھ / ۱۸۳۷-۵۷ء) نے ایک سنگین بارہ دری بنوائی تھی جو اب بھی موجود ہے۔

مکانات جانب شرق

سنہ ۱۱۳۱-۶۱ھ
۱۷۱۹-۴۸ء

اس طرف کوئی مکان نہیں ہے پہاڑ ہی پہاڑ ہے۔ روشن اختر ابوالفتح محمد شاہ بادشاہ نے (سنہ ۱۱۳۱-۶۱ھ / ۱۷۱۹-۴۸ء) ایک پھسلواں پتھر کہ اس پر لوگ چڑھتے اور پھسلتے تھے رکھوا دیا تھا۔ یہ پتھر ۱۸فٹ-۳انچ لمبا اور ۴فٹ-۴انچ چوڑا تھا جو اب بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اب صرف کچھ کچھ نشان باقی رہ گیا ہے۔ دروازہ اس کا کچھ شاندار نہیں ہے معمولی آٹھ فیٹ اونچا اور ۵فٹ-۳انچ چوڑا ہے۔ اس کو آہنی جنگلے کے کواڑ حال میں چڑھا دیئے ہیں۔

امریاں

یہاں پاس بہت سے آم کے درخت ہیں جو "امریاں" مشہور ہے۔ جھولوں والوں کی سیر میں ساون کے مہینے یہاں چھوٹے ڈالتے اور لمبی لمبی پینگیں بڑھاتے ہیں۔ شہر کی تمام طوائف آتی اور عشق و محبت کی داد دیتی ہیں۔ الغرض شوق و ذوق کی چیزیں یہاں باقی ہیں۔ تماش بینوں اور اوباشوں کو بے حیائی اور رنڈیوں کی کمائی کا اچھا ذریعہ ہے۔ اس مقام پر ایک نہر بھی تھی جس پر چھینٹے

عارف حکیم فاضل با زہد پُر قناعت
گردہ ہلاک اور اقزاق بد دیانت

تاریخ سال اور ہاتف مرا خبر داد
رفرح شہید عابد آمد بہ باغ جنت

غرض اس طلسم کدے کا حال کیا لکھوں اس کا نقشہ کوئی عاشق مزاج ہی خوب کھینچ سکتا ہے کھینچ کیا جاسکتا ہے صابن کا بھاؤ۔

پھول والوں کی سیر

ساون بھادوں کے مہینے ہر سال بڑی دھوم سے میلا ہوتا ہے اب اس گئے گزرے زمانے میں بھی بہت کچھ اہتمام اور دھوم دھڑکا ہوتا ہے ایسا کہ سارا شہر لوٹ پڑتا ہے۔ پہلے زمانے میں آٹھ آٹھ دن جنگل میں منگل رہتا تھا۔ بدھ سے جمعہ تک تین دن تو میلہ شباب پر رہتا ہے اور بڑا ہجوم ہوتا ہے عین میلے کا دن جمعرات کا ہوتا ہے۔ لاکھ ڈیڑھ لاکھ آدمی سے کم جمع نہیں ہوتا۔ پھول والے اور اہلِ حرفہ نہایت خوش نما پنکھے بناتے اور باجے گاجے نوبت نقارے ڈھول تاشے روشن چوکی کے ساتھ لے جاکر حضرت قطب صاحب کی درگاہ پہ چڑھاتے ہیں۔ اس وجہ سے اس میلے کا نام "پھول والوں کی سیر" ہے۔ میلے میں شہر کی دکانیں اور بازار خوب سجائے جاتے ہیں۔ سارے مکانات بھر کر لوگ میدان میں رات کو پڑے رہتے ہیں۔ جس طرف دیکھو آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں شہر سے لے کر قطب صاحب تک بہلیوں، یکوں، گاڑیوں، اور موٹروں غرض ہر قسم کی سواریوں کا تانتا لگا رہتا ہے اور پیدل چلنے والوں کا تو کچھ شمار ہی نہیں۔ سال بھر یہاں کے مکانات اور بنگلے جو سر راہ ہیں خالی پڑے رہتے ہیں مگر ان تین دنوں میں ایسا کرایہ وصول ہو جاتا ہے جو سال بھر کی آمدنی کے برابر ہوتا ہے۔ میلے میں لاکھوں روپے کی خرید فروخت ہو جاتی ہے۔ ہزارہا آدمی حوض میں نہاتے ہیں اور دلاور ان کی چھتوں دیوار کی منڈیروں اور درختوں پر سے حوض میں کود تے ہیں اور پھلنے پھولنے اور انبریوں میں جھولے جھولتے۔ اس میلے کو اس زمانے کی بڑی بھاری پکنک سمجھیے۔ دلی والا کام پیشہ کوئی ایسا نہ ہوگا جو نہ جاتا ہو۔ مہینوں پہلے سے طیاریاں شروع کرتے ہیں۔ گھر میں چاہے کھانے کو نہ ہو مگر پھول والوں کی سیل (رٹ پڑے کام پیشہ یوں ہی بولتے ہیں) ناغہ نہ ہو۔ قرض کریں گے وام کریں گے۔ جورو کا ٹوم چھلا بیچیں گے مگر پھول والوں کی سیل ناغہ نہیں ہو سکتی۔ چوں کہ ادنیٰ درجے کے لوگ بہت جاتے ہیں اور یہ لوگ وہاں جاکر اودھم مچاتے اور طوفان بے تمیزی برپا کرتے ہیں لہٰذا اچھے پوش شریف ذرا جانے میں ہچکچاتے ہیں۔ ایسا ہی شوق چرایا تو صبح گئے اور شام کو

اپنے گھر چلے آتے۔ بلا مبالغہ ساری دلی خالی ہو جاتی ہے اور چوروں کی بن آتی ہے کثرت سے چوریاں ہوتی ہیں۔ یہاں کے پراٹھے اور کباب بہت مشہور ہیں۔ بات یہ ہے جنگل کی ہوا اور اُس پر چلنا پھرنا بھوک خوب لگتی ہے اور بھوک میں سب ہی چیز اچھی معلوم دیتی ہے سوائے اس کے اور کوئی خصوصیت نہیں۔ بادشاہی زمانے میں اس میلے کا رنگ روپ کچھ اور ہی تھا اور اب دلی والوں کو بس اتنی تفریح بھی غنیمت ہے۔ جہاں روکھ نہیں وہاں ارنڈ ہی او رکھ ہوتا ہے۔

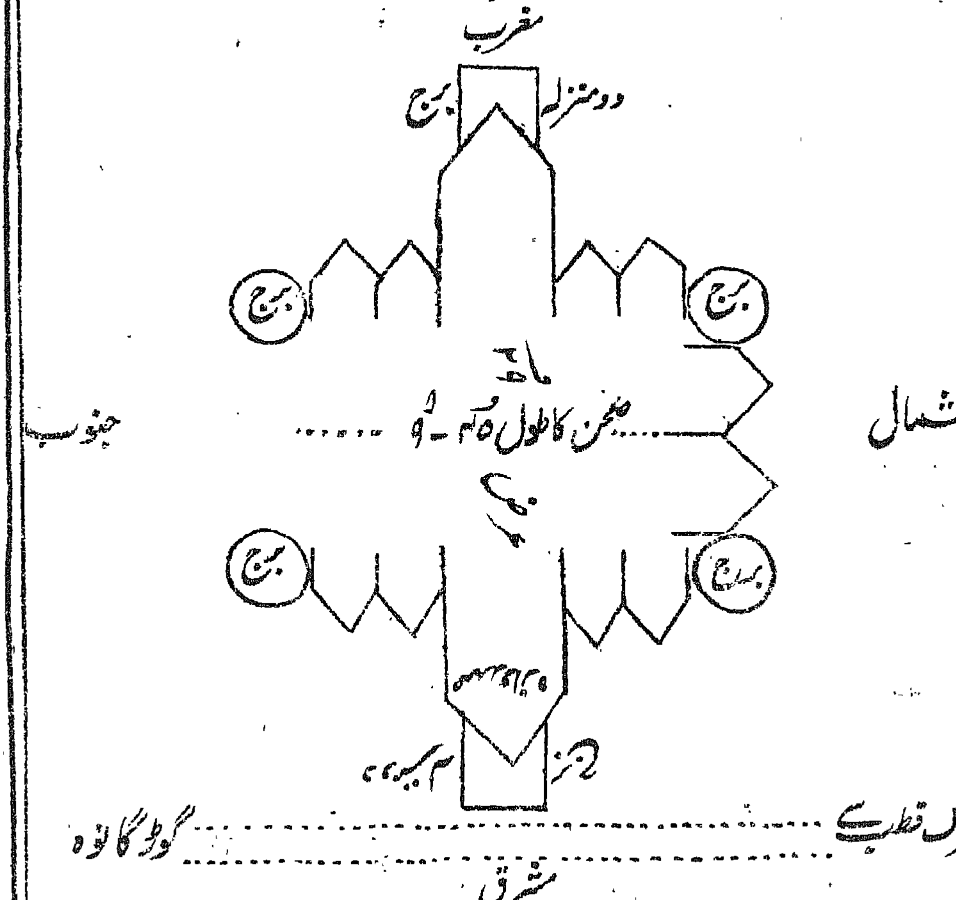
زمانہ دگرگوں شود ہر نفس نگردد بیک گونہ با ہیچ کس

گوڑگانوں کی سڑک پر کی عمارتیں

بادشاہ پسند سرائے سڑک کے بائیں طرف ایک بہت وسیع اور پختہ سرائے بنی ہوئی ہے جس کا ایک عالی شان سہ کھا دروازہ سڑک سے ملا ہوا ہے۔ اس کے مربع احاطے میں چاروں طرف سہ درے مکان اُن لوگوں کے واسطے بنے ہوئے ہیں جو الگ مکان پردے کی جگہ اپنے زنانے کے واسطے چاہیں۔ باقی تین طرف نو نو حجرے مسافروں کے لیئے ہیں۔ یہ حجرے ۹ فٹ ۳ انچ × ۸ فٹ ۱۰ انچ گیارہ فٹ اونچی محراب کے ہیں جن کے سامنے ۹ × ۸ فٹ کا برآمدہ ہے۔ مغرب کے رُخ صدر دروازہ ہے ادھر اُدھر چار چار حجرے ہیں۔ چاروں کونوں پر نو نو سیڑھیوں کے زینے ہیں۔ شمال اور جنوب کے دونوں کونوں میں ایک ایک کوٹھری بھی رکھی گئی ہے چونکہ یہ سرائے موجودہ بستی سے ذرا پرے ہے لہذا بالکل ویران ہے۔

جہاز محل یا لال محل یا شیش محل سڑک سے بالکل ملا ہوا اسی طرف جہاز محل ہے جسے بعض لوگ لال محل بھی کہتے ہیں کہ سرتاپا سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے اور شیش محل بھی یہی کہلاتا ہے شاید کسی زمانے میں شیشہ آلات لگے ہوئے ہوں اب تو صرف جہاز کے نام سے مشہور ہے۔ وجہ تسمیہ اس کی کچھ معلوم نہیں ممکن ہے کہ جہاز کی شکل کا نمونہ ہونے سے یہ نام پڑ گیا ہو۔ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ کسی سوداگر کا جہاز تباہی میں آ گیا تھا اُس نے منت مانی تھی کہ اگر اُس کا جہاز صحیح

سلامت آجائے گا تو وہ ایک مکان رفاہ عام کے لیئے بنا دے گا اور اُس کی مراد پوری ہونے سے اُس نے یہ مکان بنوا دیا۔ سنا جاتا ہی کہ بہادر شاہ بادشاہ بھی اس محل میں ٹھیرا کرتے تھے۔ سرسید نے تو لکھا ہی کہ "آپ گر پڑ کر زمین کے برابر ہوگیا۔ صرف نام ہی نام رہ گیا ہی" لیکن موقع پر تو اس محل کا بہت کچھ حصہ اب تک بھی باقی ہی اور اُس وقت تو اس سے بھی بہتر حالت ہوگی۔ ہم موجودہ حالت کا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ پہلے تو نقشہ ملاحظہ فرمایئے۔



سڑک پر سے آٹھ سیڑھیاں چڑھ کر محل کے صدر دروازے میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ مکان مستطیل ہی چاروں کونوں پر چودہ چودہ در کے برج ہیں۔ صدر دروازے اور اُس کے مقابل کے دروازے کے اوپر بارہ در کا برج ہی۔ یہ برج اور دروازے سنگ سرخ کے ہیں باقی اصل محل سنگ خارا اور چونے کا ہی۔ جنوب کی طرف کا ضلع گر گیا ہی باقی تین طرف کا حصہ جوں کا توں کھڑا ہی چاروں طرف لداوی چھت کے دالان

اور جھڑ گئے ہیں۔ برجوں کے قبوں پر چینی کا لاجوردی کوٹ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محل کے اندر بھی چینی کا کام ہوگا لیکن جب پلاستر ہی سارا جھڑ گیا ہے تو اب رنگ کہاں باقی رہ سکتا ہے۔ عمارت کی بلندی چھت تک ۱۸ فٹ ہے۔ زینہ چھت پر جانے کا پندرہ سیڑھیوں کا ہے۔

بارہ دری

جہاز محل کے سامنے سڑک کی بائیں جانب اونچے ٹیلے پر بارہ دری ۱۸ فٹ ۱۰ کا گنبد سنگ خارا کا کھڑا ہے۔ اس کے چو طرف دالان تھے اور بیچ میں یہ گنبد تھا۔ دالان تو سب گر گرا گئے گنبد باقی ہے۔ گنبد کے اندر ایک زمین دوز قبر پتھر کی ہے اور گنبد کے باہر چبوترے پر ایک سنگ خارا کے تعویذ کی قبر ہے۔

گورکنوں کی مسجد

جھرنے کے پاس ایک اونچے ٹیلے پر اس سڑک کے بائیں جانب گورکنوں کی مسجد ۲۹ فٹ × ۸ ۲½ ہے۔ تین در ادھر تین در ادھر بیچ میں نو سیڑھیوں کا زینہ۔ دروں کی اونچان چھ فیٹ اور چوڑان ۲½ ہے۔ چھت لداؤ کی ہے۔ سامنے مسجد کے صحن ہے مگر چبوترا شکستہ ہے۔ اسی چبوترے کے نیچے جھرنا ہے۔ مسجد چونکہ ٹیلے پر بنائی گئی ہے اس واسطے سڑک کے کنارے پانچ در کا ایک لداؤ دالان بنا کر اس پر مسجد کی عمارت بنائی ہے۔ یہیں سنگ خارا کا ایک ہشت درہ منڈوا ۱۱½ مربع ہے جس میں ایک زنانی قبر سنگ خارا کی ہے۔

اولیا مسجد

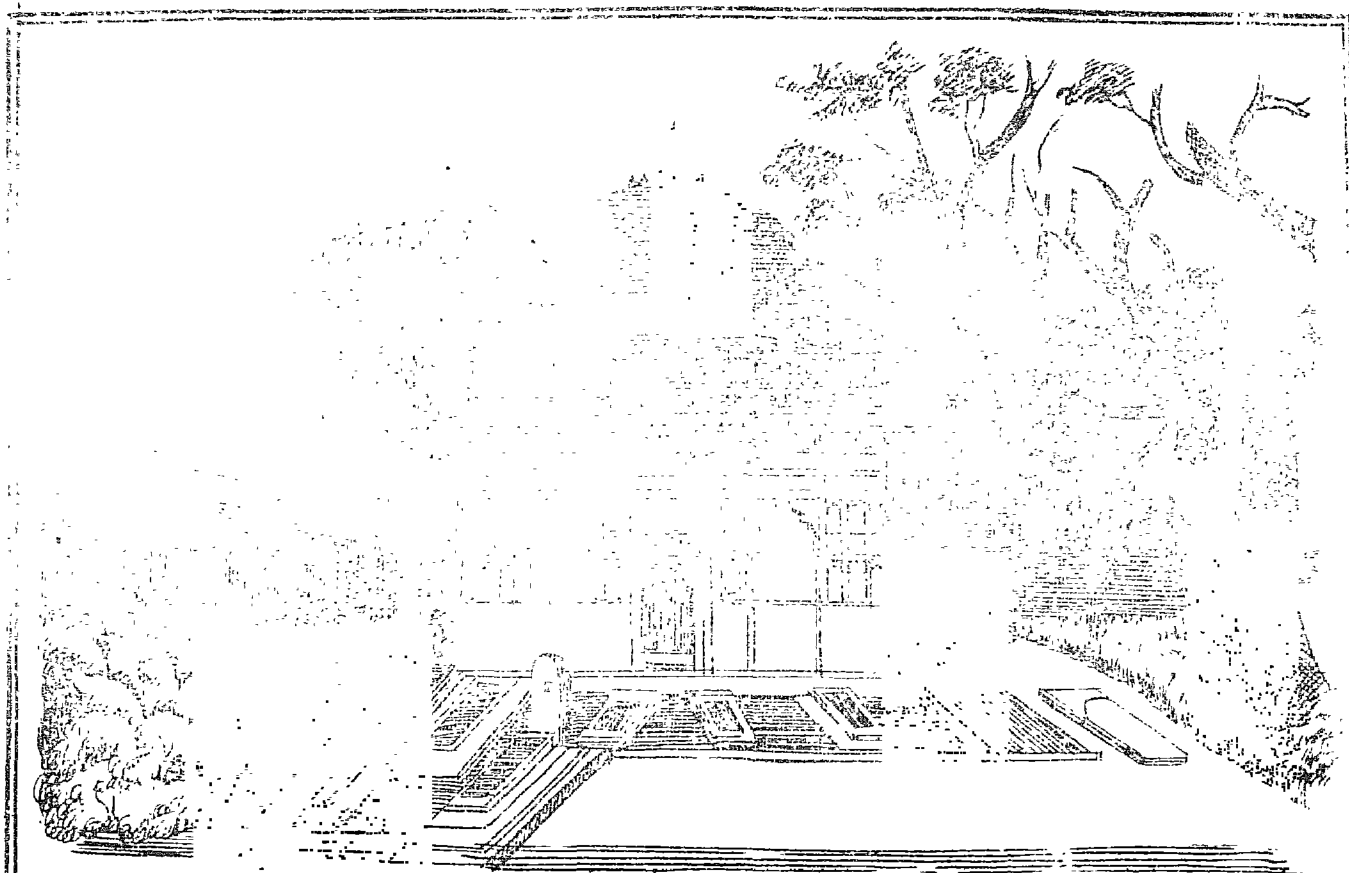
یہ مسجد شمسی تالاب کے کنارے مشرق کی طرف سڑک سے لگی ہوئی داہنی طرف ۵۸ × ۳۶ فٹ کے ایک پست احاطے میں واقع ہے۔ بعض جگہ تو دیوار تین ہی فیٹ اونچی ہے۔ اصل مسجد تو اب نرا ایک چبوترا ہی چبوترا ہے۔ صرف مغرب کی طرف ایک محراب چھ فیٹ کی بنی ہوئی ہے۔ مسجد کے صحن میں تین مصلے سنگ خارا کے ہیں جن کی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ یہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ قطب الدین صاحب نے چلہ کھینچا تھا اور چونکہ حضرت خواجہ صاحب اور دوسرے بزرگوں نے خود لکڑیاں ڈھو ڈھو کر یہ مسجد بنائی لہذا اولیا مسجد مشہور ہو گئی۔ اب اس کچی مسجد کو لوگوں نے پکا بنا دیا ہے اور ایک پھرا تین در کا دالان ۲۶½ × ۶½ کا لوہے کے گرڈر اور چوکوں کی چھت کا بنا دیا ہے اور سامنے صحن میں اینٹ کا فرش کرا دیا ہے۔ اس میں ایک بڑ کا بہت بڑا درخت ہے جس سے تمام

مسجد پر سایہ رہتا ہے۔ مسجد کی بلندی ۷ ½۴ ہے۔ دروں کی اونچان ½۱۲ اور چوڑان ۵-۹ -
ایک طرف زینہ ہے۔ مسجد کی چھپت کی دیوار میں دو کھلے دروازے ہیں۔ صحن میں ایک
کنواں بھی ہے۔ حوض شمسی میں اترنے کی آٹھ سبز سیڑھیاں ہیں نیچے دار اصل مسجد ہے جس کی ایک
چھوٹی سی قدیم محراب باقی ہے اور بہت چھوٹا سا ممبر بھی بنا دیا ہے۔ یہ حصہ ۳۲ × ۲۴ ہے۔
اکثر بزرگان دین مسجد کے اس حصے میں چلہ کشی کیا کرتے تھے اور موقع بھی تخلیہ کا بہت
عمدہ ہے۔ مسجد کی غربی دیوار شمسی تالاب سے صرف ۳ہاتھ کے فاصلے سے ہے۔ اب حال میں مسجد
کے جنوب میں ایک شرق رویہ دالان منشی محمد کرم اللہ خاں صاحب مرحوم رئیس دہلی
نے بنوا دیا ہے جس سے لوگوں کو بہت آرام ملتا ہے۔ مسجد کے پختہ صحن کے بعد ایک کونے میں
خام صحن کے حصے میں کچھ قبریں بھی ہیں۔

مقبرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی
سنہ ۱۰۵۲ھ ۱۶۴۲ء

اے اجل گر تن بے جاں تہ خاکش سپری
نتوانی کہ نکو نامیش از یاد بری

حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ
سے آگے بڑھ کر پختہ سڑک پر
تھوڑی دور چلنے کے بعد حوض شمسی کے کنارے داہنی طرف آپ کا گنبد پختہ بنا
ہوا ہے۔ آپ بڑے عالم متبحر۔ محدث اور مفسر اکبر اور جہانگیر کے عہد کے تھے۔ ملک ہند
میں سب سے اول علم حدیث کی ترویج آپ ہی نے دی اور آپ ہی کی وجہ سے کلام
رسول مقبول کی شہرت اس ملک میں ہوئی۔ آپ کے جد اعلیٰ آقا محمد اپنے وطن
اصلی بخارا سے بعہد سلطان محمد علاء الدین خلجی مابین سنہ ۶۹۵ھ و ۷۱۷ھ ایک جماعت
کثیر کے ساتھ دلی تشریف لائے اور تسخیر ممالک گجرات و بنادر کے مامور ہوئے۔ آپ کے
والد ماجد کا نام شیخ سیف الدین تھا جنھوں نے ۲۷ شعبان سنہ ۹۹۰ھ میں ستر سال
کی عمر میں بعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ انتقال کیا اس وقت آپ کی عمر ۳۲ سال
سات ماہ کی تھی۔ آپ کی ولادت ماہ محرم سنہ ۹۵۸ھ سلیم شاہ کے عہد میں ہوئی اور وفات
۲۲ ربیع الاول سنہ ۱۰۵۲ھ شاہجہاں کے عہد میں ہوئی۔ دلی میں اب تک موجود ہے۔ آپ کے
۹۴ سال آپ کی اولاد محلہ مفتیان تراہا بیرم خاں میں رہتی ہے۔ آپ کی نویں پشت میں مولوی محمد احسان الحق صاحب
دلی کے سربرآوردہ لوگوں میں تھے۔ ان کے فرزند اکبر خان بہادر مولوی محمد انوار الحق صاحب (بقیہ بر صفحہ آئندہ)



نقشۂ درگاہ حضرت شیخ عبد الحق

مقبرے کی نسبت مراۃ الحقایق میں لکھا ہے کہ نواب مہابت خاں سپہ سالار عہد شاہجہاں نے آپ کی حیات میں بنوایا۔ نواب ممدوح کو حضرت سے عقیدت مفرط تھی۔ مقبرہ طیار ہونے کے بعد حضرت کی خدمت میں اطلاع دی گئی کہ مقبرہ طیار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "ہم بھی طیار ہیں"۔ سرسید نے لکھا ہے کہ یہ مقبرہ شیخ الاسلام نے بنوایا۔ مقبرے کی شمال رویہ دیوار پر یہ کتبہ نصب ہے:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مجملے از احوال کرامت منوال مقتدائے وقت صاحب المفاخر ابوالمجد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ آں کہ از مبادیِ شعور بطاعتِ حق و طلب علم کمر بستہ باوان بلوغ اکثر علوم دینیہ تحصیل کرد و در سن بست و دو سالگی از ہمہ آں فارغ شدہ و کلام مجید از بر گرفتہ بر مسند نشست۔ وہم در عنفوانِ جوانی جاذبہ الٰہی در رسید۔ بیک بار دل از یار و دیار بر کندہ متوجہ حرمین محترمین گشت۔ مدتے در بدیہ آں مقاماتِ شریفہ اقامت ورزیدہ باقطاب زماں و اولیائے کبار صحبتہا داشتہ بودائع ارجمند در رخصت ارشاد طالبان اختصاص یافت۔ وعلاوہ آں تکمیلِ فن حدیث نمودہ با برکاتِ فراواں بوطن مالوف مراجعت فرمود۔ و مدتِ پنجاہ و دو سال بجمعیتِ ظاہر و باطن تمکن یافتہ

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) راجپوتانے کی رزیڈنسی کے بڑے نامور اور مشہور میر منشی تھے جو بڑے ذی علم باخدا اور صاحب تقویٰ تھے۔ فرزند دوم مولوی وحید الحق تھے جو جوان مرے۔ فرزند سوم مولوی سیف الحق صاحب ادیب بڑے پائے کے شاعر تھے جو دکن حیدرآباد میں پریس رپورٹر تھے یہ بھی نوجوان مرے۔ چوتھے اور سب سے چھوٹے صاحبزادے خان بہادر مولوی شرف الحق صاحب خاکسار کے برادر نسبتی تھے اور حیدرآباد میں مہتمم بندوبست تھے انھوں نے وہیں انتقال کیا اب گیارہویں پشت میں کئی صاحب ایم۔ اے اور بی۔ اے معزز عہدوں پر ہیں جن میں سے مولوی شرف الحق کے دو صاحبزادے جو میرے سگے بھانجے ہیں ہیں۔ بڑے صاحبزادے ڈاکٹر مشرف الحق۔ پی ایچ ڈی ڈھاکہ کالج کے سائنس کے پروفیسر ہیں اور چھوٹے ڈاکٹر اشرف الحق ایم۔ بی۔ سی ایچ بی۔ افواج قلعہ گولکنڈہ گورنمنٹ سرکار عالی نظام کے ڈاکٹر ہیں۔ غرض یہ کہ حصول علم میں شیخ کا تصرف اب بھی جاری ہے اور علم کی جھلک اس خاندان میں اب بھی نظر آتی ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ وہ علم الادیان سے بدل کر علم الابدان ہو گیا ہو یا عربی کی جگہ انگریزی نے لے لی ہو۔ سو یہ اقتضائے زمانہ ہے اور اب اسی کی ضرورت اور قدر ہے۔ مشرف الحق نے بھی اس نوٹ لکھنے کے بعد ۱۰ جنوری ۱۹۳۰ء کو بعالم شباب پردیس میں بمقام ڈھاکہ انتقال کیا ۱۲

بتکمیلِ فرزندانِ و طالبان بجا آورد و بنشرِ علوم سیّما بعلم شریف حدیث پرداختہ پہنچیکہ در دیارِ عجم احدے را از علمائے متقدمین و متاخرین دست نداوہ است ممتاز و مستثنیٰ گردید و در فنونِ علمیہ خاصتہً فنِ حدیث کتبِ معتبرہ تصنیف کرد چنانکہ علمائے زماں اعتنا بآں ورزیدہ دستور العمل خود دارند۔ و اہلِ دانش از خواص و عوام بجاں خریداری می نمایند۔ تصانیف ایں فیاض والا گہر از صغیر و کبیر بصد مجلد و بحسبِ شمارِ ابیات بپانصد ہزار رسیدہ است۔ در محرم ۹۵۸ھ ایں نورِ اتم پرتو ظہور بعالمِ عنصری داد و در ۱۰۵۲ھ بتمام آگہی و کشادہ پیشانی بعالمِ قدس خرامید۔ تاریخ ولادت "شیخِ اولیا" (۹۵۸) و تاریخِ رحلت "فخر العالم است" (۱۰۵۲)

قطعۂ تاریخ وفاتِ حضرتِ شیخ

فاضلِ ہند شیخ عبد الحق ۔۔۔ حامیِ شرعِ دیں بہ نیک نسق
عالم و متقی و عارف بود ۔۔۔ بعلومِ عربیہ واقف بود
شرحِ مشکوٰۃ از تصانیفش ۔۔۔ تازی و فارسیست تالیفش
آنچہ او را دگر تصانیف ست ۔۔۔ چہ بہ نظم و چہ نثر تالیف ست
بینہالیش کہ در شمار آمد ۔۔۔ ہمگی ہشصد و ہزار آمد
عمر او بود یکصد و دہ سال ۔۔۔ کاں زماں شد ازیں سرائے ملال
سالِ نقلش خرد عیاں و نہفت ۔۔۔ <u>نجلا ایں بہشت مرقد</u> گفت ۱؎ (۱۰۵۱)
مسکن او بشہر دہلی دال ۔۔۔ مدفن او بشہر دہلی دال

شاہ عبد الحق صاحب رح کا گنبد [illegible] مربع ہے۔ دروازہ ایک ہی طرف جنوب رویہ ہے۔ یہ گنبد ایک خوش نما باغ اور پُر فضا مقام پر واقع ہے۔ درخت اب تک بھی بہت سے ہیں۔ مقبرے کے صحن میں آپ کی آل اولاد کی بہت سی قبریں ہیں مگر گنبد کے اندر صرف آپ ہی کا مزار ہے۔ گنبد کے گرد چاروں طرف احاطے کی دیوار پر نہایت عمدہ خوش خط بڑے بڑے حروف میں آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے۔ گنبد اور اس کا فرش چونے گچی کا ہے۔ گنبد بہت سادا سودا ہی کچھ تکلف اس میں نہیں کیا گیا مگر اس سادگی میں بھی کچھ عجیب لطف ہے کہ

۱؎ ایک سال کم نکلتا ہے اور سن شریف بھی آپ کا (۹۴) سال ہوتا ہے نہ کہ (۱۱۰)۔ ۱۲

انسان کے دل میں کشش پیدا ہوتی ہے۔ چوں کہ آپ کی اولاد محلہ مفتیاں ترایہ بیرم خاں میں موجود ہے آپ کا عرس ہر سال ہوا کرتا ہے اور اسی وجہ سے گنبد کی نگہداشت مرمت آہک پاشی اور صفائی ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ آپ کے صاحبزادے کا بھی مزار یہیں ہے جس پر یہ کتبہ ہے "شیخ نور الحق ابن شاہ عبد الحق صاحب ۱۰۷۳ھ"، گنبد کے سامنے صحن چھوڑ کر ایک دو منزلہ سہ درہ دلدادی دالان بطور خانقاہ کے ہے جس کا بیچ کا حصہ گر گیا ہے۔ گنبد کا کلس پتھر کا ہے جو قائم ہے

خانقاہ سید نیاز محمد صاحب رح

حضرت شیخ عبد الحق کے مقبرے کی پشت پر ایک احاطہ کے اندر صحن میں صرف ایک قبر پختہ بنی ہوئی ہے جس پر یہ کتابہ لگا دیا ہے "سید نیاز محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ" اور اسی احاطے میں ایک پختہ دالان جنوب رویہ بنا ہوا ہے۔ ان بزرگوار کا کچھ حال دستیاب نہیں ہوا۔

حوض شمسی
ھ ۶۲۷
۱۲۲۹ء

صفت حوض کہ در قلعۂ سنگیں گوئی
ریختہ دست فلک زاب خضر صورت جاں
در کمر سنگ میان دو کوہ آب گہر صفوت و دریا شکوہ

ساختہ سلطان سکندر صفات
در رسد کوہ آئینہ زاب حیات

تا خضر آب خوش او نوش کرد
آب خوش چشمہ فراموش کرد

شہر گر از وے نبود آب کش
کس نخورد در ہمہ شہر آب خوش

آب کہ علت ز برائے تر لیست
قوت آں آب ز علت بری است

در نخورد آب وی اندر زمیں
کی زمیں در خورد آب چنیں

زندہ آبش ز صفا ریگ خرد
کور تو اندبہ دل شب شمرد

موج بلندش کہ رسد تا بماہ
باز دہد آب بماہی سیاہ

سیل وی آہنگ بکہسار کرد
کوہ بنز دامنی اقرار کرد

چوں مد و جزرش ز نشیب و فراز
دآب ز کوہ آمد و رفتہ باز

چوترہ و قصر بلندش در آب
گشت ازاں ساغر صافی حباب

روی سپہ زو شدہ تا آب جون[1]
جوں زپی آب از و جستہ عون

[1] دریائے جمنا کا پرانا نام ہے۔ ۱۲

مرغ بہر رود وے اندر سرود — رقص کناں ماہی از آوازِ رود
شیشہ گری کرده بر آتش حباب — شیشۂ خالی و جہاں پر گلاب
باد کہ بر وے خطِ زیبا نوشت — نسخۂ ماہیت دریا نوشت
عمق درو کار بجائے کشید — کز تہِ او گشتہ زمیں ناپدید
رفت زمیں را چو حجاب از میاں — گشت پدید از تہ آب آسماں
نیم فلک ہست بزیرِ زمیں — چوں تہ تہش نیست زمیں آں ببیں
بسکہ زمیں رفت بہم ماہیش — گاؤ زمیں شد خورش ماہیش
حوض نگویم کہ جہانے ز نور — نور کز و دیدۂ بد باد دور
گرد وے از اہلِ تماشا گروہ — دامنِ خیمہ شدہ دامانِ کوہ

(امیر خسرو۔ از مثنوی قران السعدین)

یہ تالاب شمس الدین التمش نے سنہ ۶۲۷ھ (۱۲۲۹ء) میں بنوایا تھا اور اسی کے نام سے مشہور ہے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ قطب صاحب ہندوستان کے بہت بڑے بزرگ التمش ہی کے زمانے میں تھے اور بادشاہ کو بھی حضرت سے بہت عقیدت مندی تھی۔ اس حوض کے بنانے کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ بادشاہ اور حضرت خواجہ صاحب دونوں کے خواب میں تشریف لائے۔ بادشاہ نے خواجہ صاحب سے خواب کی تعبیر پوچھی تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ جس مقام پر آپ نے حضرت علی کی زیارت کی ہے وہاں ایک تالاب بنوا دینا چاہیے۔ چنانچہ بادشاہ نے بہ تعمیل ارشاد خواجہ صاحب یہ تالاب بنوا دیا۔ جو حوض شمسی کے نام سے مشہور ہے تالاب کے گرد سنگ سرخ کی بندش تھی لیکن اب اس کا نام بھی باقی نہ رہا۔ تالاب کا رقبہ ۱۸ بیگھے پختہ ہے لیکن برسوں کی کس مپرسی کی وجہ سے بالکل مٹی سے اٹ گیا ہے اور اب ایسے ہی زور کی بارش ہو تو بیٹے میں کچھ پانی ٹھیر جاتا ہے ورنہ ہمیشہ خشک پڑا رہتا ہے۔ سنہ ۷۱۱ھ (۱۳۱۱ء) میں سلطان علاء الدین خلجی نے جب تالاب کی خراب حالت دیکھی تو گل بھر آری اور مرمت کرا دی تھی اور اسی زمانے میں اس کے بیچوں بیچ ایک لداؤ دی چبوترا جو نیچے سے خالی ہے بنا کر اس پر ایک نہایت خوش نما برجی بنا دی تھی جس کے سولہ ستون آٹھ آٹھ فیٹ اونچے ہیں اور برجی کا مسقف حصہ (۲۴) مربع ہے۔

X

جس کے وسط میں براق کے قدم کا نشان ہونا کہا جاتا ہے جو تصدیق طلب ہے۔ دو صدی بعد محمد شاہ تغلق نے جب سنا کہ لوگوں نے شرارت سے آمدنی آب کے ذرائع مسدود کر دیئے ہیں تو اُن کو قرار واقعی سزا دی گئی اور آمدنی کے منافذ کھلوا کر صاف کرا دیئے گئے اور تالاب کی بھی مرمت کرا دی۔ اسی تالاب سے قطب صاحب کے جھرنے میں پانی جاتا ہے اور اسی تالاب کا پانی تغلق آباد کے قلعے کی خندق میں جاتا تھا۔ حقیقت میں اتنا بڑا حوض تو کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ لوہے کی لاٹ سے یہ تالاب کوئی ایک میل کے فاصلے پر ہے اور یہ جگہ اولیائے کرام۔ بزرگان دین اور بڑے بڑے مشاہیر کے مزارات اور قبروں سے پٹی پڑی ہے۔ اس تالاب کے گرد کی زمین تاریخی معرکوں کا مخزن ہے۔ اس سرزمین کے چپے چپے پر مقدس اور بہادر لوگوں کی ہڈیاں گڑی ہوئی ہیں جن کا سلسلہ برابر چھ سو سال تک جاری رہا ہے۔ یہیں مشہور اولیاء مسجد ہے جس میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ نے سلیمان بادشاہوں کی کامیابی کی دعا کی تھی۔ حوض کے جنوب میں اندھیریا باغ ہے جس کے اب دس پانچ ہی درخت باقی رہ گئے ہیں۔ اور پانی پت کے کمبوہوں کی ہڑواڑ ہے اور مشرق میں اولیا مسجد۔ اور لال محل ہے جسے جہاز محل بھی کہتے ہیں۔ مغرب میں مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی مصنف اخبار الاخیار کا گنبد اور اس کے شمال میں ایک اُجاڑ باغ ہے۔ علاوہ اس کے بہت سے مزارات ہیں جن کا کچھ پتہ نہیں چلتا اور بعض مقامات یہ ہیں۔ بلخی شاہزادے کا باغ۔ شادی باغ۔ زین الدین زمردین۔ شیخ وجیہ الدین خلیفہ سلطان المشائخ۔ شیخ امجد دہلوی۔ شیخ ادھن دہلوی۔ مولانا عجیب شعیب۔ سید نور الدین مبارک غزنوی۔ مولانا عماد الدین پیر مولانا جمالی کے مزارات۔ چاندنی چبوترہ بناکردہ محمد شاہ جو اب باقی نہیں ہے۔ پیپل والی کوئیں۔ سوہن برج۔ پارانی چبوترہ۔ چہل تن چہل من۔ تکیہ دین علی شاہ۔ خانقاہ عنایت خاں۔ خانقاہ نواب حفیظ الدین۔ ولی مسجد وغیرہ وغیرہ۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں حوض شمسی اور حوض خاص کی وہ حالت جو قدیم زمانے میں تھی خوب دکھائی جسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں :-

اس حوض میں برسات کا ہی پانی جمع ہوتا ہے اور لوگ یہی پیتے ہیں۔ اس کا طول

دو میل اور عرض ایک میل کے قریب ہے۔ حوض کے مغربی جانب عیدگاہ کی طرف سنگ بست گھاٹ چبوتروں کی شکل بنی ہوئی ہے جو اوپر تلے بنے ہوئے ہیں۔ چبوتروں سے لب آب تک سیڑھیاں ہیں اور ہر چبوترے کے کونے پر گنبد بنا ہوا ہے جس میں بیٹھ کر تماشائی سیر کرتے ہیں اور حوض کے بیچوں بیچ بھی منقش پتھروں کا دو منزلہ گنبد بنا ہوا ہے۔ جب تالاب میں پانی زیادہ ہوتا ہے تو لوگ کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر گنبد تک جاتے ہیں اور جو تھوڑا پانی ہو تو یونہیں آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس کے اندر ایک مسجد بھی ہے جس میں اکثر زاہد اور متوکل رہا کرتے ہیں۔ جب پانی ہٹ جاتا ہے تو کناروں پر فالیز بو دیتے ہیں۔ خربوزہ گو چھوٹا ہوتا ہے مگر شیریں بہت ہوتا ہے۔ دہلی اور دارالخلافہ میں ایک اور حوض حوض خاص کے نام کا ہے جو حوض شمسی سے بھی بڑا ہے جس کے کناروں پر کوئی چالیس گنبد ہیں اور اس کے گرد اہل طرب رہتے ہیں اس سبب سے طرب آباد کہلاتا ہے۔ یہاں اہل طرب کا ایک بہت بڑا بازار ہے اور اس میں ایک جامع مسجد بھی ہے اور سوائے اس کے اور مسجدیں بھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ گانے بجانے والی عورتیں جو اس محلے میں رہتی ہیں رمضان شریف میں تراویح کی نماز پڑھتی ہیں اور جماعت بھی ہوتی ہے اور ان کے امام بھی مقرر ہیں۔ عورتیں تعداد میں بہت ہیں اور ڈوم ڈھاڑی بھی بہت ہیں اور میں نے امیر سیف الدین مہتی کی شادی میں دیکھا کہ جوں ہی اذان ہوئی ایک ڈوم وضو کر کے مصلیٰ بچھا نماز پر کھڑا ہو گیا۔

مولنا وجیہ الدین پائلی کا مزار

شمسی تالاب کے مغربی کنارے پر آپ کا مزار ہے۔ حضرت سلطان المشائخ کے آپ خلیفہ ہیں۔ ۳۲×۳۶ طول و عرض اور ۲-۹ اونچے چبوترے پر آپ کی قبر ہے اور یہیں ایک نیم کا درخت سایہ کیے ہوئے ہے۔

"دانشمند متبحر بود و استاد وقت و در زہد و ورع ممتاز و در آخر مرید شیخ نظام الدین اولیا شد و کمال اعتقاد بحضرت او داشت۔ نقل است کہ وی می گفت وقتے در پانی پت می رفتم در اثنائے راہ صوفی را دیدم پیدا شد در دل من نوعے انکار آمد صوفی گفت با مولنا چیزے مشکل داری و مرا در علم مشکلات ماندہ بود ہر یکے را با وگفتم او جوابہائے موجہ می گفت چنانکہ خاطر من نمی آسود تا آں حد کہ مسئلہ قضا و قدر اہم بیان

شافی فرمود بعد از اتمام بحث پرسید تو مرید کیستی گفتم مرید سلطان المشائخ و الدین او گفت شیخ نظام الدین قطب ماست۔ قبر او بر سر حوض شمسی است در حظیرہ قاضی کمال الدین صدر جہاں و قتلغ خاں کہ نسبت شاگردی بہ مولنا داشتند (از اخبار الاخیار)

شیخ ادھن دہلوی کا مزار مولنا شیخ عبد الحق کے گنبد کے مشرق میں کوئی سو قدم کے فاصلے سے آپ کا مزار ہے جس پر یہ کتبہ ہے "شیخ زین العابدین عرف ادھن رحمۃ اللہ علیہ" "نام اصل ایشان زین العابدین است عرف شیخ ادھن۔ دانشمند کامل بود متورع و متعبد و در غایت خشوع و انکسار و تادب و وقار صاحب الاخبار الاخیار از والد خود ناقل است کہ می فرمودند کہ ہیچ کس را ندیدیم کہ در بیرون و درون یکساں باشد الا ایشاں بہماں آداب و اوضاع کہ درمیان مردم می بودند درون خانہ نیز بودند و زبان ایشاں دایم بذکر اللہ مشغول بود و حلیہ در غایت جمال و نورانیت داشتند چنانکہ انوار علم و تقویٰ از جبین ایشاں لائح بود۔ اکثر احوال صائم بودے و در لقمہ احتیاط تمام داشتے۔ سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر لودی ایشاں را بجانب خویش خواند قبول نکردند۔ وے مرید مولنا سماء الدین و شاگرد میاں عبد اللہ طلنبی است۔ وفات او در سنہ ۹۳۴ھ است و مقبرہ او بجانب غربی حوض شمسی است" (از اخبار الاخیار)۔

چہل تن چہل من سڑک کی بائیں جانب ٹیلے پر ایک بارہ فیٹ مربع گنبد بنا ہوا ہے جس کا فرش ریل سے ڈون زینا گھڑے پتھر کا ہے اس میں کوئی قبر نہیں۔ گنبد کے سامنے ایک پختہ فرش کا احاطہ ۲۲×۵۳ کا ہے جس میں برابر برابر چالیس قبریں ہیں۔ ان بزرگواروں کے حالات کچھ معلوم نہیں۔ کہتے ہیں کہ چالیس ابدال کی قبریں ہیں۔ جو سید احمد کبیر کی اولاد سے ہیں اور اسی میں سید صاحب موصوف کی قبر بھی ہے۔ ٹیلے کے نیچے اٹھارہ سیڑھیاں اتر کر ایک تین در کی مسجد ۳۲×۱۵ فٹ کی ہے جس کا منبر تک باقی نہیں ہے۔

سوہن برج یا ہشت محل سڑک کی بائیں طرف۔ ہے یہ در اصل ہشت دار مگر کسی کی ہے خبر نہیں اتنا بڑا عالی شان

خوش نما برج اور ہال اور حال کچھ کھلتا نہیں۔ ایک طرف تین دروں کا بڑا بھاری پختہ لداؤ کا بنا ہوا ہے تین کمروں کا ہال ۲۵ فٹ × ۱۵ فٹ ۹ انچ کا ہے جس پر تین گنبد ہیں اور سرے پر ایک مربع حجرہ ۱۷ × ۱۵ کا ہے جس پر ایک اونچا برج ہے اور یہی سوہن برج کہلاتا ہے۔ بعض ہشت محل بھی کہتے ہیں۔ اس مکان کے نیچے تہ خانہ بھی ہے اور اسی کے متعلق ایک قناتی مسجد ۱۱ مربع ہے جس کی پانچ پانچ دو طرفہ دیوار دوز محرابیں ہیں اور بیچ میں ایک بڑا پیش طاق۔ اس مسجد کا صحن پختہ ہے جس میں متعدد قبریں ہیں۔ اس کا صدر دروازہ مشرق کی طرف ہے اُس کے آگے پھر ایک بہت اونچا اور وسیع چبوترا ہے جس کی بیس سیڑھیاں ہیں۔

دو نامعلوم مقبرے

(۱) سوہن برج کے دروازے سے کوئی پچیس قدم کے فاصلے پر بالکل بالمقابل ایک اونچے ٹیلے پر سولہ سیڑھیاں چڑھ کر ۱۸ مربع ایک گنبد ہے جس میں قبر نہیں ہے۔ اسی کے پاس شمال کی طرف ایک چھوٹی سی تین دیوار دوز محرابوں کی قناتی مسجد اور چھوٹا سا چبوترہ ہے۔ (۲) اس مسجد سے کوئی پچاس قدم آگے بڑھ کر شمال کی طرف ایک دوسرا گنبد ۲۵ فٹ مربع دو دروازوں کا ہے ایک مشرق میں ایک مغرب میں۔ قبر اس میں بھی نہیں ہے جو دو حال سے خالی نہیں یا تو قبر تلف ہو گئی یا یہ کہ یہ بُرج اُسی قسم کے ہیں جیسے کہ تاجر بنا بنا کر طیار رکھتے تھے جن کو ضرورت ہوتی تھی لے لیتے ورنہ یوں ہی خالی پڑے رہے۔

ہڑواڑوں کا مجموعہ

سڑک کے بائیں ہاتھ کو سوہن برج کے مقابل ہڑواڑوں کا ایک سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ ہم سب کا حال یکجائی طور پر بیان کرتے ہیں:۔ (۱) قناتی مسجد تین در ادھر تین اُدھر بیچ میں بڑی محراب۔ طول مسجد کا ۳۶ فٹ۔ دونوں سروں پر دو گول برج ۳ فٹ ۹ انچ قطر کے اور ہیں دونوں طرف ایک ایک محراب دار در۔ اس طرح:۔

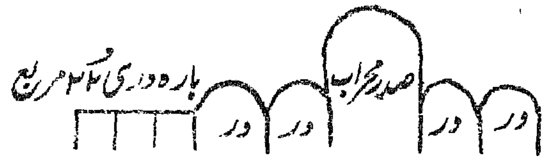


اس کے سامنے ٢٩ فٹ چوڑا چبوترا جس پر متعدد قبریں ہیں - شمال جنوب میں ایک ایک دروازہ -

(٢) ہشت پہل برج - قطر ١٢ فٹ - بیچ میں ایک قبر گچ کی جس پر کلمہ کھدا ہوا ہے - دوسری ایک قبر اور تھی جس کا صرف نشان باقی ہے - پانچ در کھلے ہوئے - دو میں اینٹ کی جالیاں ایک میں طاق بجانب مغرب - اور اسی طرف قناتی مسجد کی دیوار دروں کی اونچائی ٧ فٹ چوڑان ٣ فٹ -

(٣) پانچ دری قناتی مسجد ٤٥×١٤ فٹ مع چبوترہ - جنوب رویہ دالان ٣٠×١٥ فٹ - سیڑھیاں زینے کی سترہ -

(٤) یہ سب سے بڑی ہڑواڑ ہے - ٢٤٥×٩٠ فٹ کا احاطہ اور پختہ فرش پر صدہا قبریں - قناتی مسجد ٩٠×١١ فٹ - شکل یہ ہے :-



جنوب میں پانچ درہ دالان اور پندرہ سیڑھیوں کا زینہ - بارہ دری میں چھ قبریں پائی گئی ہیں جن میں سے ایک حضرت مولانا سماء الدین رح کی کہتے ہیں -

مولانا سماء الدین جامع بود میان علوم رسمی و حقیقی و تقوی و ورع از دنیا زیادت بقدر ما یحتاج اختیار نکردہ - وے مرید شیخ کبیر است نبیرۂ مخدوم جہانیان سید جلال الدین البخاری رح و گویند پیش مولانا سماء الدین کہ از شاگردان میر سید شریف جرجانی بود تلمذ کردہ بود و از ملتان بسبب بعضے وقائع کہ دراں دیار واقع شدہ برآمدند تنہا در زنتھنبور و بیانہ و غیرہ آں گزرانیدہ بعد ازاں بہ دہلی آمدہ توطن کردہ سن کبیر داشت و در آخر عمر جاسۂ بصرش رفتہ بود حق سبحانہ و تعالیٰ بے واسطۂ علاج بصارت باز بوے رد کردہ (از اخبار الاخیار)

(٥) بارہ دری سنگ خارا ١٨ فٹ مربع - چھ قبریں - قناتی مسجد - بیچ میں بڑی محراب ادھر ادھر دو دو محرابیں - دونوں سروں پہ ایک ایک چھوٹی محراب - صحن ٥٠ ٣٠ فٹ مربع -

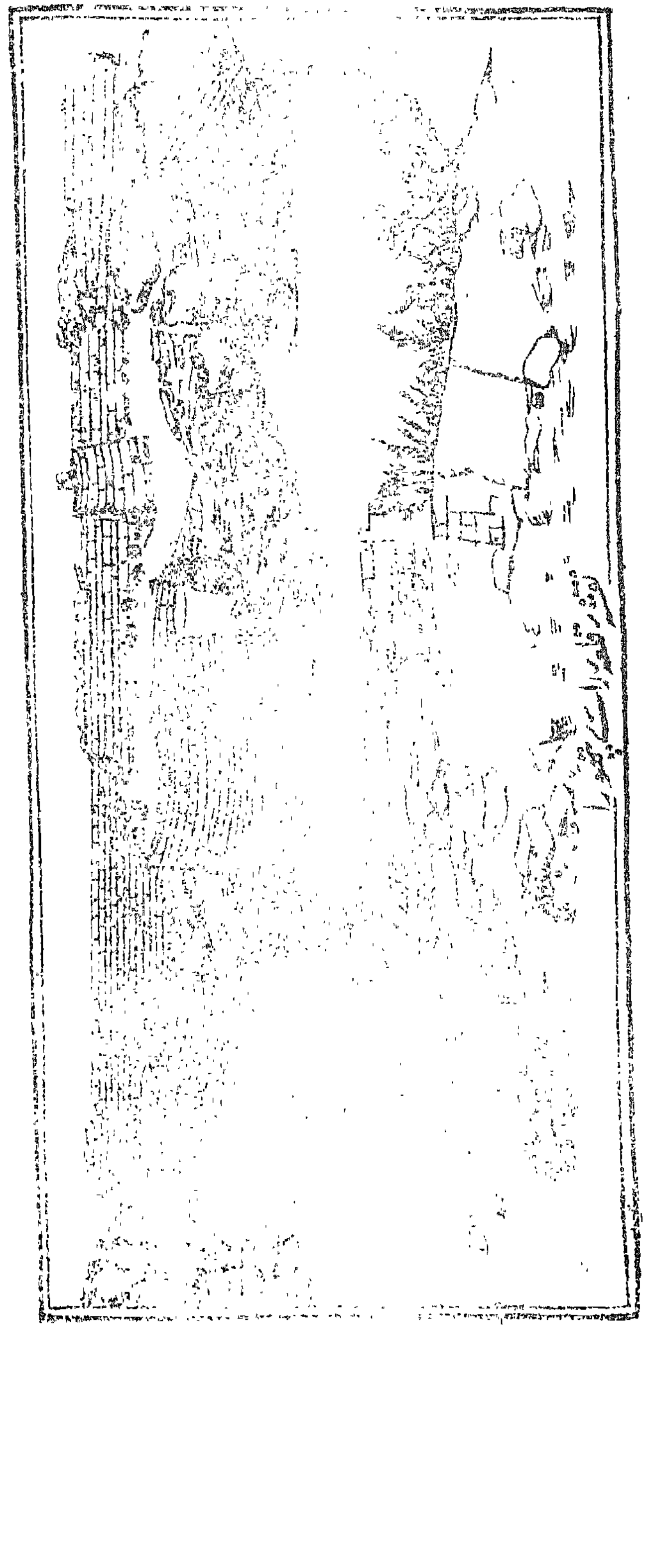
(۶) قناتی پنج دری مسجد ۳۳ فٹ × ۲۸ - صحن میں قبریں ہیں -

(۷) مسجد سقف ۲۲ × ۹ فٹ صحن ۲۲ × ۲۸ - صحن میں قبریں ہیں -

قلعہ رائے پتھورا بقول سر سید سمت بکرمی ۱۱۹۸ ۵۳۸ھ بقول جنرل کننگھم ۱۱۸۰ء یا ۱۱۸۶ء

جہاں کل جواہر کے انبار تھے ۔۔۔ کروروں درم اور دینار تھے
وہاں کیا ہے اب خاک اور سنگ ہے ۔۔۔ عجب کچھ زمانے کا نیرنگ ہے

شہر دہلی سے سات کوس جنوب کی طرف قطب صاحب کی لاٹ کے پاس یہ قلعہ پرتھی راج نے جو زیادہ تر رائے پتھورا کے نام سے مشہور ہے بنوایا تھا یہ راجہ سومیسور راجہ کا بیٹا اور وسال دیو چوہان فاتح دہلی کا پوتا اننگ پال سوم کی بیٹی کے بطن سے تھا۔ جنرل کننگھم اس راجہ کی مدت سلطنت (۲۲) سال ۱۱۷۰ء تا ۱۱۹۱ء بتلاتے ہیں اور سر سید (۴۹) برس ۱۱۴۲ء تا ۱۱۹۱ء لکھتے ہیں۔ سر سید خلاصۃ التواریخ پر سے قلعے کی تعمیر کا سال ۱۱۴۳ء کہتے ہیں اور جنرل صاحب ہنود کی پرانی اور قلمی کتابوں پر سے (جو میرے خیال میں زیادہ معتبر ہیں) ۱۱۸۰ء یا ۸۶ ٹھیراتے ہیں۔ اب ان میں قول فیصل کون کرے؟ جنرل صاحب لکھتے ہیں کہ یہ قلعہ صرف ہند کے شمال رخ پر سے جو مسلمان بڑھتے چلے آرہے تھے ان کی پیش قدمی روکنے اور شہر کو ان کی زد سے بچا لینے کے لئے بنایا گیا تھا محمود غزنوی کی اولاد نے کچھ عرصے سے پنجاب پر اپنی حکومت جمالی تھی اور رائے پتھورا کی گدی نشینی کے بعد محمد غوری نے لاہور میں غزنوی حکومت کا قلع قمع کر ڈالا تھا جس سے پنجاب سے اس طرف قدم بڑھانے کا زبردست خدشہ لگا ہی ہوا تھا اس لیئے ایک قلعے کے بنانے کی ضرورت داعی ہوئی۔ اب تو قلعہ بالکل منہدم ہو گیا ہے اور نرا نام ہی نام رہ گیا ہے کہیں کہیں ٹوٹی پھوٹی فصیل کا کوئی ٹکڑا باقی رہ گیا ہے۔ اس قلعے کے کھنڈر اور شکستہ دیواروں کو دیکھ کر اس کی عظمت و شان کا خاکہ نظروں تلے پھر جاتا ہے کہ کتنا بڑا یہ قلعہ تھا اور کیسے بڑے بڑے عالی شان مستحکم و مضبوط اس کے برج تھے اور کس اہتمام اور کس قدر زر خطیر کے صرفے سے بنا ہوگا یا آج صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا۔ اس قلعے کے آثار اور نشانات دو دو تین تین کوس تک معلوم ہوتے ہیں اور تمام



پتھورا کا محل اور مندر جہاں اب قطب صاحب کی لاٹ ہے سب اسی کے اندر تھے۔ یہ قلعہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر بنا ہے اور اس کے گرد پہاڑ ہی میں خندق بھی بنائی ہے اور اس خندق میں سارے جنگل کا پانی گھیر کر ایک بند بنا کر ڈالا تھا کہ بارہ مہینے بھری رہتی تھی۔ یہ قلعہ سب طرف سے شکستہ ہو گیا لیکن مغرب کی طرف کہ یہاں وہ "غزنی دروازہ" تھا فصیل کا کچھ کچھ نشان باقی ہے اور غزنی دروازے کا بھی ٹوٹا ڈھیر معلوم دیتا ہے۔ قلعے کا بہترین منظر شمال و مغرب کی طرف سے ہے اور قطب صاحب کی لاٹ پر سے تو یوں نظر آتا ہے جیسا کہ ہتھیلی ہیں۔ قلعے کے حدود کی ابتدا ادہم خاں کے مقبرے سے کرتے ہیں کیوں کہ قلعے کی فصیل اس مقبرے کے احاطے سے بالکل ملی ہوئی ہے۔ اس جگہ سے فصیل سیدھی مغرب کی طرف اس دروازے تک چلی گئی ہے جو چار سو فیٹ کا فاصلہ ہے۔ اور پھر ذرا سے موڑ کے بعد شمال مغرب کی جانب پاؤ میل تک فصیل چلی گئی ہے یہاں سے شمال مشرق کی طرف رخ پلٹتا ہے اور کوئی دو سو قدم آگے بڑھو تو رنجیت دروازہ ملتا ہے اسی سیدھ میں دو سو قدم آگے جا کر ایک بڑا برج ملتا ہے جو اب بھی اچھی حالت میں ہے۔ کننگھم صاحب اس حصے کو لال کوٹ کی مغربی فصیل قرار دیتے ہیں۔ فصیل تیس فیٹ چوڑی اور خندق کی تہ سے ساٹھ فیٹ بلند ہے۔ خندق کی چوڑان مختلف طور پر ۱۸ سے ۳۵ فیٹ تک ہے۔ پہلے دروازے میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے دوسرا دروازہ وہ "رنجیت دروازہ" جسے کننگھم صاحب مسلمانوں کا غزنی دروازہ لکھتے ہیں البتہ ایک بہت بڑا عظیم الشان بڑے معرکے کا مقام ہے جہاں تین ڈھس بنے ہوئے ہیں۔ یہ دروازہ کافی بڑا ہے جس میں پتھر کا ایک کھمبا سات فیٹ اونچا دروازہ اٹھانے اور گرانے کا اب تک موجود ہے۔ فصیل کا یہ حصہ "فتح برج" پر ختم ہو جاتا ہے فتح برج کا قطر اسی فیٹ ہے۔ یہاں فصیل کے شمال و مغرب میں پرانی عیدگاہ کے کھنڈر ہیں جو ایک بہت وسیع اور بلند عمارت تھی جہاں دہلی کے لوٹنے سے پیشتر امیر تیمور کا کیمپ تھا اور دربار ہوا تھا (از سوانح عمری تیمور مصنفہ مسٹر بگلر)۔ فتح برج سے فصیل کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ نیچے والی شاخ شمالی رخ لیے ہوئے رای پتھورا کے شہر کو محصور کرتی ہے اور بالائی شاخ سیدھی مشرق کی طرف قلعے کے حصار کی ہے جو آگے وار کو بڑھتی چلی گئی ہے

اول الذکر شاخ "سوہن برج" سے جاملی ہے۔ جو بمقابلہ فتح برج کے ذرا پست ہے اور ان دونوں برجوں میں صرف دو سو فیٹ کا فصل ہے۔ فتح برج اور سوہن برج کے درمیان بھی غالباً ایک دروازہ جیسا کہ ادہم خاں کے مقبرے کے پاس ہے تھا جس کا اب کوئی نشان سوائے اس کے نہیں کہ فصیل میں بقدر دروازے کے جگہ خالی چھٹی ہوئی ہے۔ سوہن برج سے تین سو فیٹ کے فاصلے پر "سوہن دروازہ" ہے اور یہ بھی برائے نام ہے صرف فصیل کے ٹوٹ جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی ایک دروازہ تھا۔ یہاں سے فصیل بسمت جنوب ادہم خاں کے مقبرے تک جو نصف میل کا فاصلہ ہے نظر آتی ہے اور سوہن برج کے مورچوں کے درمیان بھی چھوٹے چھوٹے سلامی دمدمے تھے جو نیچے سے بہت پھیلے ہوئے تھے اور جن کے بالائی دور کا قطر ۵ گز تھا اور ایک دوسرے درمیانی فصل ۸۰ گز تھا۔ یہ دمدمے گر گرا کر اب بھی تیس تیس فیٹ اونچے باقی ہیں۔ اس فصیل کے علاوہ ایک بیرونی فصیل اور بھی ہے جسے بطور ڈھس (Fausse braye) کے بنایا تھا جو تیس فیٹ اونچی ہے۔ سوہن دروازے سے پھر اونچی فصیل کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ اجڑے بچھڑے نشانات سے جنوب کی طرف فصیل کا سلسلہ یوں معلوم دیتا ہے کہ انیک تال کے پاس سے گزر کر پھر "کھنڈ دروازہ" ملتا ہے۔ دو فصیل ادہم خاں کے مقبرے پر جاکر ختم ہو جاتی ہے۔ دوسری شاخ سو گز تک جنوب مشرق کے رُخ پر چلی گئی ہے اور علاء الدین خلجی کے ناتمام مینار کو اگر مرکز فرض کیا جائے تو ایک باقاعدہ ربع دائرے کی شکل بنتی ہے جو مینار سے تین سو گز کے نصف قطر کو قائم کرتی ہے اور قوس کے آدھوں آدھ پر دہلی کی سڑک سے تقاطع کرتی ہے اور تغلق آباد کی سڑک کے قریب جاکر ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں سے ادہم خاں کے مقبرے تک کوئی ثلث میل تک فصیل کا پتہ نہیں ہے۔ جنرل کننگھم اس ربع دائرے کی شکل کو لال کوٹ کی مشرقی دیوار قرار دیتے ہیں لیکن اُن کے اسسٹنٹ مسٹر بگلر جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے لال کوٹ کو مغربی فصیل اور اُن کھنڈروں کی لین کے اندر ہی اندر محدود کرتے ہیں جو لین کہ سوہن دروازے سے ادہم خاں کے مقبرے کو جاتی ہے۔ انیک پال کا لال کوٹ اور رائے پتھورا کا قلعہ بالکل دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ غرض کننگھم صاحب بگلر صاحب کو سر بسر غلط کہتے ہیں کہ انھوں نے انیک تال کے تالاب کو لال کوٹ کی حدود میں شامل نہیں کیا لیکن سٹیفن صاحب کی رائے میں یہ نصف

دائرے کی شکل کا خطہ لال کوٹ کی پرانی فصیل کی جدید توسیع ہے جو قدیم زمانے کے قلعے کا اصلی جزو کسی طرح قرار نہیں دیا جا سکتا جس کی مغربی اور اندرونی فصیلوں کا تفصیلی ذکر بگلر صاحب کر چکے ہیں۔ بگلر صاحب کی رائے نہایت مستحکم اصول پر مبنی ہے۔ دونوں فصیلوں کی ساخت اور مال مسالے میں فرق بین ہے۔ جو کھلی دلیل اس بات کی ہے کہ نصف دائرے کی شکل کا ٹکڑا لال کوٹ کے پرانے قلعے کا اصلی جزو نہیں ہے۔ مسٹر بگلر اس کو صحیح طور پر علاء الدین خلجی کے زمانے کی توسیع خیال کرتے ہیں۔ ضیاء الدین برنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں کہ جب مغلوں نے سنہ ۱۲۹۷ء میں دلی پر یورش کی تو سلطان علاء الدین خلجی نے دیکھا کہ پرانی دلی کی فصیلیں خراب و خستہ حالت میں حالت میں تھیں۔ اس حملے کے وقت اہالی شہر کی سراسیمگی ناقابل بیان تھی اور جب مغل بلا جنگ وجدال کے چلے گئے تو یہ بات من جانب اللہ اور بہت مغتنم سمجھی گئی اور لوگوں کی جان میں جان آئی۔ علاء الدین خلجی شہر کی اس مخدوش حالت سے آگاہ تھا اس نے مغلوں سے مقاومت کے لیے پرانی فصیلوں کی مرمت کرائی اور پرانے قلعے کی توسیع کی۔ سنہ ۱۳۱۶ء میں قطب الدین مبارک شاہ اپنے بھائی شہاب الدین عمر کا جانشین ہوا تو اس نے بھی اس شہر اور پرانے قلعے کی تعمیر کی تکمیل کی جس کو اس کا باپ علاء الدین خلجی ناتمام چھوڑ گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ علاء الدین خلجی اور مبارک شاہ نے بہت تعمیر اور توسیع کرائی چنانچہ ابن بطوطہ جو دلی میں سنہ ۱۳۳۳ء میں آیا تھا لکھتا ہے کہ قلعے کی فصیل کا حصہ زیریں پتھر کا بنا ہوا ہے اور بالائی اینٹ کا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فصیل کا نیچے کا حصہ جو قدیم ہے ہندوؤں کا بنایا ہوا اور اوپر والا جدید حصہ مسلمانوں کا۔ اب پھر فتح برج سے چلیے جہاں سے فصیل کی دو شاخیں پھوٹی ہیں۔ ان میں سے ایک شاخ جو شرق کی طرف جاتی ہے وہ قلعے کی فصیل ہے اور دوسری سیدھی شمال کی طرف چلی گئی ہے اور اس جگہ بیچوں بیچ میں ایک دروازے کا نشان ہے۔ اسی رخ پر پھر فصیل قریب قریب نصف میل تک جا کر جہاں پناہ کی شمالی ویران فصیل سے جا ملی ہے۔ یہاں سے فصیل کا رخ جنوب مشرق کو پلٹتا ہے اور تین سو گز سے کچھ اوپر ہی اوپر جا کر ایک دروازہ ملتا ہے اور آگے جنوب کی طرف بڑھو تو جنوب شرقی رخ پر ایک اور دروازہ ملے گا اور اس حصے کے درمیان میں دہلی مہرولی کی سڑک سے تقاطع بھی ہوتا ہے۔ اور ایک پاؤ میل پر ایک تیسرا دروازہ ملتا ہے جہاں قلعے کی فصیل جہاں پناہ کی دوسری فصیل سے

پھر مل گئی ہے۔ اب یہاں سے فصیل کا رُخ سیدھا جنوب کی طرف ہو گیا ہے اور یہیں "حوض رانی دروازہ" ہے اور اسی سیدھ میں آگے چل کر ایک بڑا بھاری دروازہ ہے جو "بدایوں دروازے" کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں سے فصیل جنوب مغرب کی طرف پلٹتی ہے اور قطب صاحب سے جو تغلق آباد کو سڑک جاتی ہے اُس سے تقاطع کرتی ہے۔ یہاں سے آدھ میل کے بیچ میں "برقعہ دروازہ" ملتا ہے۔ یہاں سے فصیل مغرب کی طرف مڑتی ہے اور تین سو گز جا کر ایک ویران دروازہ ملتا ہے جس کے باہر دُمدمے بنے ہوئے ہیں۔ یہاں سے جمالی مسجد تک جو تین سو گز کا فاصلہ ہے فصیل کا سلسلہ ٹوٹ گیا ہے۔ پھر جمالی مسجد سے فصیل ادہم خاں کے مقبرے سے جا ملی ہے۔ اس طرح یہ پورا چکر ختم ہوا اور جہاں سے ہم نے شروع کیا تھا وہیں پھر آن پہنچے۔ قلعہ کے اطراف خندق ہے جس میں اُس پہاڑی حصے کا جو شمالی رُخ پر ہے پانی جمع ہو کر تمام سال خندق میں رہتا ہے۔ ابن بطوطہ محمد شاہ تغلق کے زمانے میں دلی آیا تھا اُس نے اس قلعہ کی فصیل کی نسبت لکھا ہے کہ "فصیل کا آثار ۳۳ فٹ ہے جس کے اندر حجرے بنے ہوئے ہیں جن میں رات کو پہرے والے اور دربان رہتے ہیں۔ انھیں کوٹھریوں میں غلہ، سامان رسد، گولی بارود وغیرہ کے مخزن بھی ہیں۔ ان حجروں میں غلہ بگڑتا نہیں محفوظ رہتا ہے۔ فصیل اس قدر چوڑی ہے کہ اس کے اندر ہی اندر سوار اور پیدل ایک سرے سے دوسرے سرے تک بے تکلف چلے جا سکتے ہیں"۔ اس قلعے کے دروازوں کے نام ہم اوپر بتلا چکے ہیں۔ اکثر معتبر رُوات ان دروازوں کو پُرانی دلّی کا بتلاتے ہیں اور ساتھ اس کے اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی عہد حکومت میں رائے پتھورا کی پُرانی دلّی کے بعض دروازوں کے نام بدل بھی گئے ہیں۔ حضرت امیر خسرو دلّی کے بارہ دروازے بتلاتے ہیں لیکن امیر تیمور کی روایت اور مسٹر بگلر کی تصدیق سے شہر کے دس دروازے ہونا ہی زیادہ صحیح معلوم دیتا ہے۔ سردست مسٹر بگلر کے نشان دادہ "حوض رانی" اور "برقعہ" نامی دو دروازوں سے بحث کی جاتی ہے جو بدایوں دروازے کے شمال مشرق اور جنوب مغرب میں ہیں۔ قلعہ رائے پتھورا کا نقشہ ملاحظہ کرنے سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ حوض رانی کا موضع رائے پتھورا کے شہر کی مشرقی فصیل کے مقابلے میں جہاں پناہ کی جنوبی فصیل سے زیادہ قریب ہے" ملفوظات تیموری

جس کا حوالہ شرف الدین یزدی نے جا بجا اپنے "ظفرنامے" میں دیا ہے اور اسی کا مسٹر ہگلر بھی حوالہ دیتے ہیں اُس میں لکھا ہے کہ سلطان محمود اور ملّو خاں جب قلعہ جہاں پناہ چھوڑ کر پہاڑوں پہاڑوں بھاگ گئے تھے تو اول الذکر تو "رانی دروازے" سے نکلا تھا اور آخر الذکر "برقعہ دروازے" سے۔ ظفرنامے کو جو دیکھا تو یزدی نے صاف لکھا ہے کہ یہ دونوں دروازے یعنی حوض رانی اور برقعہ دروازہ جہاں پناہ کے جنوب میں تھے۔ غزنی دروازے اور برقعہ دروازے کا موقع و محل تو متعین ہے مگر باقی دروازوں کا ٹھکانا یقینی طور پر مقرر کرنا ناممکن ہے۔ قلعہ رای پتھورا کے ضمن میں غزنی دروازے کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ پرانی دلّی کا ایک یہ واقعہ قابل ذکر ہے جب کہ چند ملحدوں نے مل کر ۱۲۳۷ء میں جامع مسجد پر یورش کی۔ ان میں کے کچھ لوگ تو "قلعۂ نور" (جس کی جگہ معلوم نہیں) سے "معزی دروازے" پر جا پہنچے جو ایک مسجد کے دروازے کے مشابہ تھا۔ اب اس میں جو معزی دروازے کا ذکر آیا ہے اُس کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ "معزی دروازہ" جس کا نام تھا اس کی وجہ تسمیہ کے دو وجوہ قرار دیئے جاسکتے ہیں یا تو وہ ہندوؤں کا بنایا ہوا دروازہ ہوگا اور معزی امرا نے قبضہ کر لیا ہوگا اور اپنی طرف سے یہ نام رکھ دیا ہوگا یا یہ کہ خود انھیں امرا نے بنوایا ہوگا۔ سلطان معزالدین محمد عرف شہاب الدین غوری کے عہد کے امرا کو مورخین معزی امرا کہتے ہیں۔ "بھنڈارکل" نام کے دروازے کا بھی سراغ نہیں ملتا۔ غالباً یہ دروازہ لال محل اور جامع مسجد کے بیچ میں کہیں ہوگا۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ملک حمید الدین کے پارٹی کے لوگوں نے حاجی مولیٰ کا بلوہ جو علاء الدین خلجی کے مقابلے میں ہوا تھا فرو کیا تھا۔ یہ لوگ غزنی دروازے سے قلعے میں داخل ہوئے تھے اور شہر میں بلوائیوں سے کچھ جھڑپ ہونے کے بعد وہ بھنڈارکل دروازے تک پہنچ گئے۔ یہ دروازہ غالباً اُس فصیل کا ہوگا جو قلعہ اور شہر میں مشترک تھی۔ بداؤں دروازے کی ہسٹری جداگانہ ہے۔ ابن بطوطہ نے اسی کو سب سے بڑا دروازہ لکھا ہے اور واقعی یہ تھا بھی صدر دروازہ کیوں کہ اسی میں سے پرانی دلی کے بڑے سے مشہور بازار کا رستہ نکلتا تھا۔ اس دروازے کے سامنے فصیل میں جو حجرے بنے ہوئے ہیں جن میں شراب خواروں کو بند کیا جاتا تھا۔

یہی وہ دروازہ ہے جس کے سامنے علاء الدین خلجی نے مغلوں کو حوض رانی کے میدان میں شکست جا کے اُن کے سر کاٹ کر دو مرتبے چبوترے بنائے تھے تاکہ آنے والی نسلوں کو عبرت ہو۔ طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ حوض رانی کا میدان بھی تاریخی لحاظ سے عجیب و غریب مقام ہے جس میں بڑے بڑے ہیبت ناک واقعات ہوئے ہیں۔ باغی مغلوں اور بلوائی ملحدین کا قتل عام اسی جگہ کیا گیا۔ ان میں سے کوئی تو ہاتھی کے پاؤں کے تلے روندوا دیے گئے کینیوں کے ترکوں نے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیئے یا جلادوں نے سر سے پاؤں تک اُن کی زندہ کھال کھینچ لی۔ اسی بدایوں دروازے پر علاء الدین خلجی نے شراب سے توبہ کی اور صراحی و جام اور تمامی لوازمات شراب نوشی کو توڑ پھوڑ ڈالا اور ساری شراب بہادی جو اس قدر تھی کہ سارے میدان میں ایسی کیچڑ ہوئی جیسی کہ برسات میں ہوتی ہے۔ یہ بدایوں دروازہ ہی بیرونجات کے حملہ آور راجگان و شاہان دہلی کے مابین قاتلانہ حملوں اور معرکہ ہائے کارزار کا پہلا مورچہ رہا ہے نیز اس دروازے سے بڑے بڑے جلوس نکلے ہیں۔ غیر ممالک کے ایلچی یا سفیر جو کوئی بھی آیا۔ اسی دروازے سے رجب سے اس قلعہ سے مستقر سلطنت اُٹھا ویرانی اور تباہی کا پیش خیمہ آیا۔ وہ دروازہ جو کبھی باب السلطنت تھا اب مٹی کا ڈھیر ہے۔ دوسرے دروازوں کے صرف نام ہی نام یاد رہ گئے ہیں۔ "دروازہ حوض خاص" کا نام بھی کہیں کہیں تاریخ میں آیا ہے اور "بغدادی" دروازے کا ذکر تو متعدد مقامات پر ہے۔ یہ وہی بغدادی دروازہ ہے جہاں ابراہیم لودی بادشاہ نے گوالیار سے ایک برنجی بیل لا کر استاد کیا تھا۔ یہ ہم آج کوئی نہیں بتلا سکتا کہ یہ دروازہ تھا کس جگہ قلعہ اور رای پتھورا کی دلی کا گھیر قریب (۵) میل کے ہے۔ امیر تیمور نے پرانی دلی کے دس دروازے لکھے ہیں جن میں سے بعض باہر وار کو کھلتے تھے اور بعض جہاں پناہ کی طرف۔ یزدی اپنے ظفر نامے میں اٹھارہ دروازے لکھتا ہے جن میں سے پانچ جہاں پناہ کی طرف کھلتے تھے۔ جنرل کننگھم امیر تیمور کے بیان کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اب ان دس دروازوں کا بھی ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ کہاں کہاں تھے اور چلے کیسے کیوں کہ فصیل تو جا بجا سے ٹوٹ گئی ہے اور بعض بعض

جگہ خالی چھٹی ہوئی ہے مثلاً شمالی مشرقی فصیل کی دیوار۔ پرانی دلی اور جہاں پناہ کی مشترکہ دیوار میں خالی جگہ موجود ہے۔ بہرحال نقشے میں دس دروازوں کی جگہ بتلائی گئی ہے۔ سنہ ۱۱۹۱ء میں رائے پتھورا سے سلطنت منتزع ہو کر مسلمانوں کا دور دورہ شروع ہوا۔ دریائے گھگر کے کنارے رائے پتھورا جیسے بہادر، شجیع، جری اور دلاور چوہان خاندان کے ممبر کا خاتمہ ہوا اور اسی کے ساتھ اُس کی تمام سطوت و جبروت بھی خاک میں مل گئی۔ پہلا مسلمان بادشاہ جس نے دلی کو دارالسلطنت قرار دیا اور وہاں رہا قطب الدین ایبک تھا۔ شروع شروع میں تو رائے پتھورا ہی کا قلعہ مسلمان بادشاہوں کی تخت نشینی کا مرکز اور دارالسلطنت رہا۔ آگے چل کر جلال الدین فیروز شاہ خلجی نے کیلوکھری میں "کوشک لعل" محل بنوایا۔ جب سے ہی رائے پتھورا کا شہر "پرانی دلی" کہلانے لگا اور جلال الدین خلجی کا شہر "نئی دلی" مشہور ہوا۔ ابن بطوطہ نے بھی ہندوؤں کے شہر کو پرانی دلی ہی لکھا ہے۔ رائے پتھورا کے پانچ میل کے محصور شہر کی سرزمینِ دلی بڑی بڑی مشہور یادگاروں سے پٹی پڑی ہے۔ لوہے کی مشہور لاٹ جس کی دریافت سے ماہرینِ آثار قدیمہ چکر میں ہیں اسی احاطے کے اندر ہے۔ اسی میں ہندو راجاؤں کے بنائے ہوئے بیسوں مندر تھے جن کو مسلمانوں نے ڈھا ڈھو اُن کا مال مسالا اپنی مسجدوں میں لگا دیا۔ یہی خطہ دلی کے قدیم سلاطین کا دارالسلطنت تھا۔ یہیں قطب الدین ایبک کا قصر سفید نامی شہرۂ آفاق وہ محل تھا جس میں چھ بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ اسی احاطے میں قطب صاحب کی وہ عجیب و غریب لاٹ ہے جو اولو العزم مسلمان بادشاہوں اور ہنر و صناعوں کی قابل فخر یادگار ہے۔ غرض یہ خطہ زمین کا عجیب و غریب ٹکڑا ہے اسی میں سلطنتیں بنیں اور بگڑیں۔ کسی بادشاہ کا عروج ہوا تو کسی کا زوال۔ کوئی سرفراز ہوا تو کوئی پامال۔ کسی کو خلعت ملا کسی کی گردن ماری گئی۔ کسی کے ہاں خوشی کے شادیانے بجے تو کسی کے ہاں کہرام مچ گیا۔ غرض کوئی بن گیا اور کوئی بگڑ گیا۔ کسی کو امارت ملی تو کسی کو ذلت و خواری نصیب ہوئی۔ کسی نے جشن منایا تو کوئی قید میں سڑ سڑ کر مر گیا۔ لاکھوں کے سر تن سے جدا ہو گئے۔ خون کے ندی نالے بہ گئے۔ اسی میدان میں وزرا و امراء کی گردنیں ماری گئیں۔ قتل عام۔ غارت گری۔ آتش زنی۔ غرض کہ بے چاری دلی پر جو کچھ بلا آئی وہ سب اسی زمین پر گزری۔ یہ زمین جنت اور دوزخ دونوں کے خواص رکھتی تھی۔ جس سر کو آج تاج پہناتی تھی کل اسی کو خاک میں رلا بھی دیتی تھی۔

خواہان طرب ہے جسے ادراک نہیں — آرام تہ گنبدِ افلاک نہیں
پیمانہ گردوں میں کہاں بادۂ عیش — جز دُرد تہ جام یہاں خاک نہیں

جہاں ای برادر نماند بکس
دل اندر جہاں آفریں بند و بس

بابا حاجی روزبہ کا مزار

اس قلعے کی خندق میں ایک پتھر کی چار دیواری کے اندر نیم کے درخت کے تلے بابا حاجی روزبہ کا مزار ہے آپ بڑے ولی اللہ تھے اور اوش کے رہنے والے تھے۔ رائے پتھورا کے وقت میں یہاں آئے اور اس خندق میں جہاں آپ کا مزار ہے آن بیٹھے رائے پتھورا کے وقت میں جو منجم تھے انھوں نے ان کے آنے کو فال بد سمجھ کر رائے پتھورا سے کہا کہ اس شخص کے آنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قریب میں مسلمانوں کی عملداری ہونے والی ہے اور ایسا ہی ہوا بھی۔ کہتے ہیں کہ رائے پتھورا کی بیٹی یا بالی عرف بیلا رانی نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور مسلمان ہوئی چنانچہ آپ کے مزار کے پاس مشرق کی طرف جو ایک عورت کی قبر ہے وہ اُسی لڑکی کی کہی جاتی ہے جب تک آپ زندہ رہے ہزاروں ہندو مشرف بہ اسلام ہوئے روز بروز شوکت اسلام کی زیادہ ہوتی گئی اور اسی وجہ سے "روزبہ" آپ کا لقب پڑ گیا۔ آخر آپ نے انتقال فرمایا اور جہاں آن کر آپ بیٹھے تھے وہیں آپ کو دفن کیا۔ پورے حالات آپ کے کہیں نہیں ملتے۔ آپ کے مزار کے مغرب میں قلعہ کی فصیل میں اب تک ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ بیلا رانی اسی دروازے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ سات سہیلیوں سمیت مسلمان ہوئی تھی حضرت کے مزار کے قریب تین قبریں اور ہیں جو کتے۔ گھوڑے اور سانپ کی بتلاتے ہیں نیم کا درخت جس کی نسبت مشہور ہے کہ جو حصہ اُس کا آپ کی قبر پر سایہ کیئے ہوئے تھا وہ میٹھا تھا باقی کڑوا اب وہ درخت ہی نہیں رہا جو اس بات کی تصدیق ہو سکے نیم کے کڑوے میٹھے ہونے کی روایتیں اور مزاروں سے بھی منسوب کی جاتی ہیں اور یہ بھی ایک تصرف سمجھا جاتا ہے۔

شیخ شہاب الدین عاشق کا مزار
۷۱۷ھ

رائے پتھورا کے قلعہ کے مغرب میں فصیل سے کوئی ہزار قدم ہٹ کر ایک احاطے کے اندر ۱۲½ مربع چوکھنڈی میں حضرت

موصوف کا مزار ہے جس پر بھی آپکے نام کا کتبہ مع سنہ کے لگا ہوا ہے تعویذ سنگ خارا کا ہے۔ پائنتی آپ کے ایک بہت پرانا پیلو کا درخت ہے۔ اس چوکھنڈی کے باہر پائین میں آپ کے بھائی کا مزار ہے جن کا نام بھی معلوم نہیں۔ اس مزار سے آٹھ سیڑھیاں چڑھ کر ایک چبوترے پر سات قبریں ہیں جن کو سات بادشاہوں کی قبریں کہتے ہیں۔ یہی مقام تو وہ مقام ہے جہاں اور بادشاہ اور گدا میں تمیز نہیں ہوتی۔ قبریں بہت پرانی ہیں سنگ خارا کے پتھر جوڑ دیئے ہیں چونے کی بندش نہیں کی اور چبوترہ بھی اسی طرح کا بنا ہوا ہے۔ اس چبوترے کے قریب نشیب میں ایک لداوی درے کے اندر ایک چھوٹا سا خام مزار ہے جو **بی بی سرخ** بے نام کے نام سے مشہور ہے کہتے ہیں کہ یہ بی بی بھی کوئی بڑی عابدہ زاہدہ راے پتھورا کے زمانے میں تھیں۔

عیدگاہ شمس الدین التمش

بہت پرانی اور نہایت بے مرمت حالت میں ہے جس کی ایک وسیع چاردیواری ہے۔ مغربی رخ کی دیوار جس میں آٹھ دیوار دوز محرابیں ہیں لکھوری اینٹ کی بنی ہوئی ہے۔ عیدگاہ کے پیچھے ایک چھوٹی سی سہ دری مسجد ہے جس کی چاردیواری سنگ خارا کی بعد کی بنی ہوئی ہے اس پر یہ کتبہ نہایت خوش قلم بخط نسخ ہے:-

ھوالعلی العظیم

ظفر چوں بترمیم آخون جی	صفا داد ایں مسجد کہنہ را
پئے سال مرمت ز عقل	بگفت آفریں نیک مرد خدا

سنہ ۱۲۴۳

مسجد کے صحن میں اوحدالدین کرمانی رح کا مزار ہے۔ یہیں ایک شکستہ چبوترے پر چند قبریں ہیں جو **چہل بیبیوں کے مزار** کہلاتے ہیں۔ عیدگاہ کی پچھیت کی دیوار سے ملے ہوئے چند مزار ہیں جن میں سے دو کے نام لوگ بتلاتے ہیں یعنی شاہ دیپا **شیخ جلال الدین تبریزی** اور تین قبریں بے نام ہیں۔

تالاب پیراں

قلعہ رای پتھورا کے مغرب میں ایک چھوٹا سا تالاب ہے جس کے گرد چاردیواری ہے اس کو لوگ **تالاب پیران** کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ شمس الدین التمش نے بنوایا تھا۔ چونکہ اس کا کوئی موقع نہیں جو لوگ کہہ دیں اسے آمنّا صدقنا کہنے کے سوا اور کیا چارہ کار ہے۔

بھیم کی چھٹنکی

قلعے کے مغرب میں پہاڑوں کی چٹانوں پر ایک پتھر ۶ فٹ ۱/۲ × ۳ عرض و طول میں اور دبازت میں ۴/۱ – ۸ فٹ رکھا ہوا ہے۔ چوں کہ وہ ادھر رکھا ہوا ہے اور باوجود اتنا بھاری ہونے ایک ہی آدمی اُسے ہلا سکتا ہے۔ اس واسطے اس نام سے مشہور ہے مگر بھیم جس کے نام سے شہرت پا گیا ہے اس کا پتہ نہیں کہ کون تھا۔

چبوترۂ ناصرہ

۶۴۵ھ / ۱۲۴۶ء

ہے سراسر فریب و وہم و گماں   تاجِ مغفور و تختِ خاقانی
بے حقیقت ہے شکلِ موجِ سراب   جامِ جمشید و راحِ ریحانی

یہ چبوترہ بھی اُسی زمانے میں بنا تھا جب کہ قصرِ فیروزی بنا۔ اس کا نام ہی بتلا رہا ہے کہ سلطان ناصر الدین محمود (۱۲۴۶–۶۵ء) کا بنوایا ہوا ہے۔ جب جلال الدین خلجی نے علمِ بغاوت بلند کیا اور قلعہ بند ہو کر کلوکھری کے پاس پہاڑ میں بیٹھ گیا اور کیقباد کا صغر سن لڑکا دلّی کا بادشاہ ہوا تو اُس نے اسی جگہ کئی مہینے تک دربار کیا۔ جب علاء الدین خلجی (۱۲۹۵ء) ملکِ دکن میں دیوگیری (دولت آباد) کو جو سرحد ورنگل تھا۔ لوٹ کر دلّی واپس آیا تو جو کچھ مال غنیمت لایا تھا اسی چبوترے پر سب پھیلایا گیا تھا۔ جہاں امراء و ارکین سلطنت سب جمع تھے اور یہیں اُس نے جلوس بھی کیا اور دربار کے لیئے ایک بڑا سیاہ شامیانہ تانا گیا۔ یہ تمام محلات قصرِ سفید، کوشک فیروزی، کوشک سبز، چبوترۂ ناصرہ۔ رائے پتھورا کے قلعے کے اندر ہی تھے اور امرائے معزّی خاندانِ غلامان کے بنائے ہوئے تھے۔ ہمایوں بادشاہ کے محل کا بھی سراغ نہیں ملتا کہ وہ کہاں تھا۔ البتہ صرف اتنی بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ بداؤں دروازے کے پاس تھا۔ بعض لوگ ہمایوں کا محل جہاں پناہ میں بتلاتے ہیں۔ جب شاہی محلّات کا یہ حال ہو کہ ڈھونڈے پتہ نہ لگے تو وائے برحال بادشاہ کے مکانوں کے جن پر ہم آج فخر و ناز کرتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے اور مونچھوں پر تاؤ دیتے ہیں۔ ؎

اسی نقشِ موہوم پہ ناز ہے   جہاں اک طلسمِ خدا ساز ہے

ہماری مثال اُس چوہے کی سی ہے جو ایک ہلدی کی گرہ پا کر پنساری بن بیٹھا تھا۔ امیر تیمور کا قدم جب پرانی دلّی میں آیا (۱۳۹۸ء) اور لوٹ مار شروع کی تو اُس نے چن چن کر محلات کو برباد اور تاراج کیا اور اس لُٹس سے یہ محلّات بھی نہ بچ سکے۔ یہ بتلانا

بہت مشکل ہے کہ جن محلات کا ذکر اوپر آیا ہے ان میں سے کوئی لوٹ کھسوٹ سے بچا بھی یا نہیں (از ظفر نامہ مولینا شرف الدین علی یزدی)

قصر سفید
۶۰۲ھ ۱۲۰۵ء

رہنے والے ہیں یہ نادان کہ جانے والے
خاک سمجھے نہ مکانوں کے بنانے والے

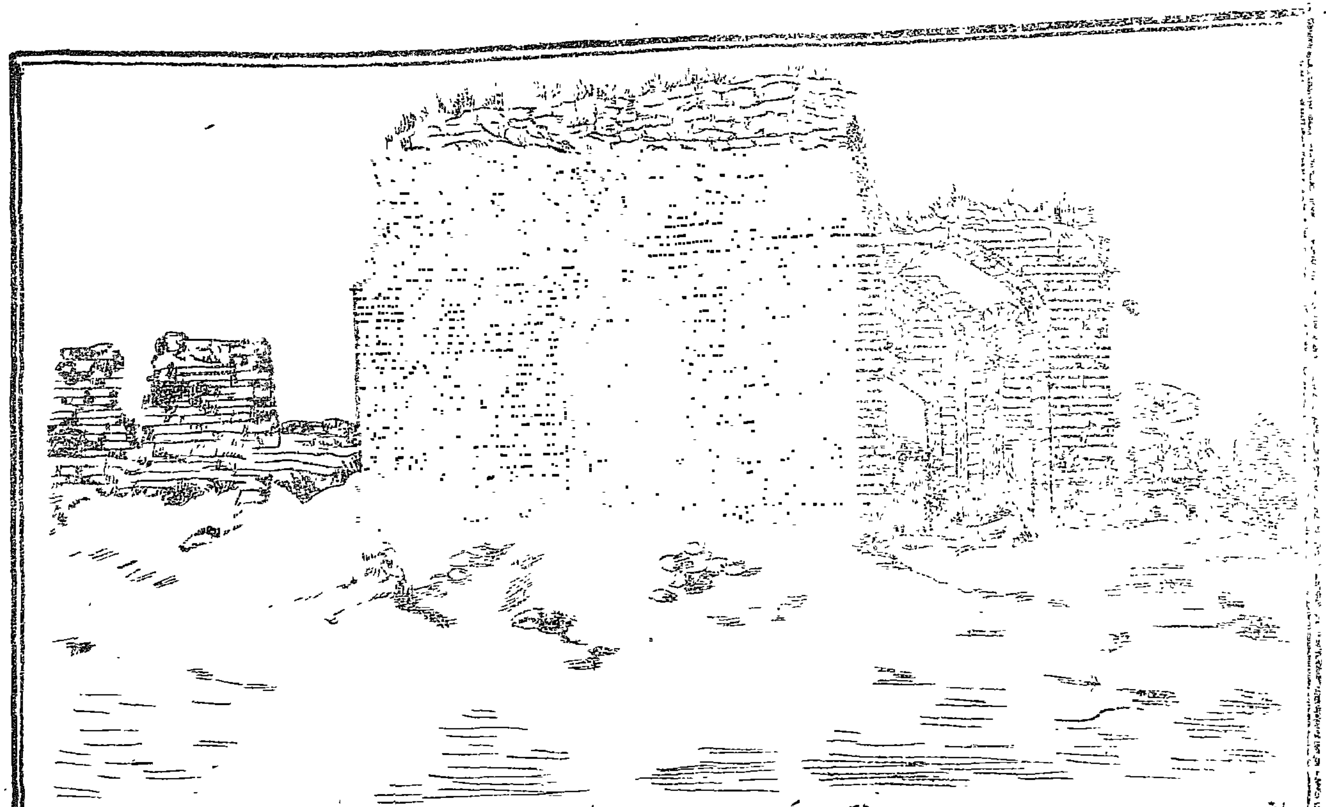
۱۲۰۵ء میں جب کہ راے پتھورا کو مرکر سوطا برس ہوے تھے قطب الدین ایبک نے ایک محل جو تاریخ میں قصر سفید کے نام سے مشہور ہے تعمیر کرایا تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں سفید محل کا ذکر کیا ہے اور ضیاء الدین برنی نے جو تاریخ میں معزی محل کا بیان لکھا ہے وہ غالبًا یہی محل تھا۔ ممکن ہے کہ ایک ہی محل کے دو نام رہے ہوں۔ ابن بطوطہ پتہ بتلاتا ہے کہ یہ محل بڑی مسجد کے پاس تھا۔ خدا کی قدرت اور زمانے کے فنا کرنے والے اور مٹانے والے زبردست ہاتھوں کو دیکھو کہ جو محل کسی زمانے میں بادشاہوں کے قدموں سے منور اور مشہور زمانہ تھا اور جس میں تقدیروں کے فیصلے رات دن ہوتے تھے اور جشن شاہانہ بپا رہتے تھے آج وہ ایسا پردہ دنیا سے مفقود ہے کہ ڈھونڈنے سے بھی اُس کا نشان نہیں ملتا۔ ملک بختیار خلجی جو شہاب الدین غوری کا ایک بڑا فوجی سردار اور فاتح بنگال تھا وہ اسی محل کے احاطے میں لڑا تھا۔ اسی محل کی چار دیواری کے اندر خاندان غلامان کے سب سے بڑے اور نامور بادشاہ سلطان شمس الدین التمش اور اُس کے پوتے ناصر الدین محمود شاہ نامور بلبن۔ اور دوسرے بھی چند بادشاہوں کی تخت نشینی کے جشن ہوئے۔ جلال الدین فیروز شاہ خلجی کلوکھری میں کیقباد کو (جس نے کلوکھری بسائی تھی) قتل کرکے بادشاہ ہوگیا مگر حسب دستور سلاطین ماضیہ تخت نشینی اُس کی بھی اسی محل میں ہوئی اور اسی طرح اس کے بعد اس کا بھتیجا علاء الدین خلجی بھی اسی قلعے میں تخت پر بیٹھا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ناصر الدین محمود شاہ (۱۲۵۹ء) نے ہلاکو خاں کے ایلچی کو اسی محل میں بڑی شان وشوکت سے باریابی سے سرفراز کیا تھا۔ محمد شاہ تغلق اگرچہ تغلق آباد میں تخت پر بیٹھا مگر چالیس دن بعد پھر قصر سفید ہی میں باقاعدہ مراسم ادا ہوے اور قدیم تخت سلاطین دہلی پر یہیں رونق بخش ہوا۔ یہ محل محض تخت نشینی یا دربار یا باریابی سفراء اور ایلچیان کے لیے مخصوص نہ تھا بلکہ کبھی کبھی اس میں ذی مرتبت لوگ قید بھی

رہے ہیں۔ بعض وقت اس میں خون کے ندی نالے بھی بہ گئے ہیں۔ ملک اختیار الدین کو جو معزالدین بہرام شاہ کا وزیر تھا فرمان قضا شیم کے مطابق تخت شاہی کے سامنے دو ترکوں نے ۱۲۴۱ء میں قتل کیا۔ جب کبھی امور عظام میں مشورہ کی ضرورت ہوتی یا بیرونجات کے حملوں کا خطرہ پیش آتا تو مجلس شوریٰ اسی محل میں منعقد کی جاتی تھی اور یہیں سے مقابلہ مقاتلہ اور مجادلے کے سب مراتب ابتدائی طے ہوتے تھے (از طبقات ناصری)۔ بہرام شاہ کے جانشین کو جو اس محل میں نظر بند تھا کوشک فیروزی میں بخطاب سلطان علاء الدین مسعود تخت نشین کیا۔ جب سے یہاں سے دارالسلطنت اٹھ کر دلی چلی گئی اور یہاں کے محلات چھوڑ دیے گئے بس تباہی شروع ہوگئی۔

کوشک فیروزی
۱۲۱۰ء

عیش دنیا سے ہوگیا دل سرد
دیکھ کر رنگ عالم فانی

یہ محل غالباً سلطان التمش نے بنایا تھا (۱۲۳۵ء) جو سب سے بڑا محل تھا جس میں رضیہ سلطانہ کی والدہ یعنی سلطان التمش کی بیگم رہا کرتی تھیں۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ معزالدین بہرام شاہ کی جگہ سلطان علاء الدین مسعود شاہ کو ۱۲۴۲ء میں قصر سفید سے لاکر یہیں تخت نشین کیا تھا۔ اور اسی محل میں سلطان ناصرالدین محمود شاہ نے جو علاء الدین کے بعد بادشاہ ہوا اپنا پہلا دربار کیا تھا۔ یا اب کر دو فراب اس کا نشان نہیں ملتا کہ کہاں تھا۔ اگر کاش کھنڈر ہی باقی رہتے!۔ اب صفحۂ دنیا سے بالکل مٹ گیا۔ صرف نام ہی نام رہ گیا۔ مسٹر بگلر نے مسجد قوۃ الاسلام کے عقب میں کھدوایا تو کئی ٹوکرے سبز رنگ چینی کی اینٹوں کے نکلے جن پر الفاظ عربی اور طرح طرح کے گل بوٹے منقش تھے۔ اس پر سے قیاس دوڑایا گیا کہ یہ اینٹیں کوشک سبز کی ہوں گی جن کا ذکر آگے آئے گا۔ کنگھم جنرل صاحب ان اینٹوں کا رنگ نیلا بتلاتے ہیں جس میں کچھ سبزی کی بھی جھلک مارتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اینٹیں اسی محل کی ہوں یا کسی اور رنگین محل کی ہوں۔ گر پڑ جانے کے بعد اس پر طرہ یہ ہوا کہ زمین کے اندر مدفون۔ بھلا اصلی رنگ اور اس کی آب و تاب کیسے برقرار رہ سکتی ہے۔ اسی زمانے کے مال مسالے کی خوبی ہے جو اتنا بھی باقی رہا ورنہ



نقشہ مقبرہ سلطان غیاث الدین بلبن و خان شہید

راکھ ہو جاتا۔

کوشک سبز [۱۵]

۶۰۷ھ
۱۲۱۰ء

کچھ نہیں جز طلسم خواب و خیال
گوشۂ فقر و بزم سلطانی

قصر فیروزی اور یہ محل دونوں ساتھ ساتھ بنے تھے۔ تاریخ میں اس کا ذکر پہلے پہل ناصر الدین محمود شاہ خلف سلطان التمش کے عہد کے ضمن میں آیا ہے جس کی تخت نشینی اسی محل میں ہوئی تھی۔ اور یہیں اس نے ہلاکو خاں کے سفیر کو باریابی کی عزت بخشی تھی۔ جب کہ جمعیت کی بیس قطاریں کلوکھری سے لے کر یہاں تک کھڑی کی گئی تھیں لیکن فرشتہ اس واقعہ کا قصر سفید میں ہونا لکھتا ہے۔ اور منہاج السراج طبقات ناصری میں کوشک سبز میں بتلاتا ہے اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ نصف صدی بعد رکن الدین پسر اصغر سلطان جلال الدین خلجی یہیں تخت نشین ہوا۔ جلال الدین خلجی کو علاء الدین خلجی (رکن الدین کے بھتیجے) نے قتل کیا تھا۔ غرض جشن دربار حکم احکام سب یہیں سے ہوتے تھے۔ ظفر خاں بعہد فیروز شاہ تغلق خان جہاں سے ملنے دلی آیا تھا تو اسی محل میں اتارا گیا تھا۔

کوشک لعل یا قلعۂ مرزغن

۶۶۶ھ
۱۲۶۷ء

۶۶۴ھ
۱۲۶۵ء

یا دارالامان و شاہ غیاث الدین بلبن کی قبر

۶۶۴-۸۶ھ
۱۲۶۵-۸۷ء

ز خم تیغ جہانگیر و گرز قلعہ کشا
جہاں مسخر من شد چو من مسخر رائے
بسے بلاد گرفتم بیک فشردن دست
بسے قلاع کشودم بیک فشردن پائے
چو مرگ تاختن آورد ہیچ سود نداشت
بقا بقائے خدا ایست و ملک ملک خدائے

[۱۵] سرسید اس محل کا بانی جلال الدین فیروز خلجی کو بتلاتے ہیں اور سال تعمیر ۶۸۸ھ ۱۲۸۹ء۔ لیکن کارسٹیفن صاحب نے کوشک فیروزی کو سلطان التمش کا بنایا ہوا بتلایا ہے اور کوشک سبز کو بھی اسی زمانے کا بنایا ہوا بتلاتے ہیں۔ بہرحال اس محل کا وجود وقت تخت نشینی ناصر الدین محمود شاہ کے تھا اور جس کا سال تخت نشینی ۱۲۴۶ء ہے۔ تو لامحالہ اس سال سے پیشتر کا بنایا ہوا ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس محل اور قبر کے حالات چوں کہ ایک دوسرے سے ملے جلے ہیں۔
لہذا اجمالی طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔ سر سید لکھتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین
بلبن نے ۶۶۵ھ (۱۲۶۶ء) میں کوشک لعل جسے لال محل بھی کہتے ہیں تعمیر کرایا تھا۔ اس
محل کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ تاریخ بھی سر سید کی بتلائی ہوئی ہے جلال الدین
عہد بلبن کے سرداروں میں سے تھا۔ جب بلبن کا پوتا کیقباد مے نوشی کی کثرت سے
لقوے اور فالج میں مبتلا ہو گیا تو جلال الدین قصر سفید میں تخت شاہی
پر جلوہ افروز ہوا۔ کچھ عرصے بعد کوشک لعل میں گیا جو سلطان بلبن کا دیوان خاص
تھا۔ وہاں پونہچ کر دستور قدیم کے موافق گھوڑے سے اتر پڑا۔ مقربان خاص سے
ایک نے سبب پوچھا تو کہا کہ میں اس مکان کا ادب اس لئے کرتا ہوں کہ وہ میرے
آقا کا بنوایا ہوا ہے مجھے اپنی جان کے خوف سے مجبوراً بادشاہ بننا پڑا ورنہ
میں کہاں اور تختِ شاہی کہاں؟ خاندان غلامان میں التمش کے بعد بلبن
ہی کا مرتبہ تھا۔ کوشک لعل میں مختلف سلطنتوں کے پندرہ ذی مرتبت اشخاص
اس بادشاہ کی پناہ میں تھے اور بڑے بڑے علماء و حکماء اور نامور اشخاص کا
ایک بڑا اچھا مجمع اس قدر دان بادشاہ کے گرد تھا۔ اس محل سے متعلق اور
اہم واقعات قابل تذکرہ ہیں یعنی سلطان بلبن اور علاء الدین خلجی کی وفات
ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ "بلبن بادشاہ کی نعش سیری کے لال محل سے برآمد
ہو کر جامع مسجد کے سامنے دفن ہوئی،، سٹیفن صاحب کی رائے میں کوشک لعل
رائے پتھورا کے شہر کے اندر تھا جو خلاف رائے سر سید کے ہے۔ سید صاحب
اس محل کو درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے قریب بتلاتے ہیں چنانچہ
اس کے کھنڈر کے نشانات اب تک بھی موجود ہیں۔ برنی نے یہ بھی لکھا ہے
کہ "بلبن کے بیٹے کیقباد نے شہر کے لال محل کی سکونت چھوڑ کر کلوکھری میں
ایک نیا قلعہ بنایا تھا،، شہر کے لفظ سے غالباً پرانی دلی مراد ہے اور جب کہ
بلبن نے قلعہ رائے پتھورا کو درست کرایا تھا تو یہ بات بعید القیاس ہے کہ اس نے
اپنا محل اس قلعے کی حدود کے باہر بنوایا ہو۔ سیری میں کسی عمارت کا نام لال محل
کہیں سنا نہیں گیا بلکہ برخلاف اس کے پرانی دلی میں لال محل کا ذکر جابجا پایا جاتا ہے۔

اگر فرشتہ کی روایت صحیح سمجھی جائے کہ علاء الدین خلجی لال محل میں رہتا تھا اور وہیں وہ مرا بھی اور وہیں سے اُس کی نعش دفن کی غرض سے نکلی تو یہ محل ضرور بلبن ہی کا ہوگا جو رای پتھورا کی دلّی میں جس کو پرانی دلّی بھی کہتے ہیں ہوگا۔ سر سید لکھتے ہیں کہ "قلعہ مرزغن کوشک لعل کے پاس ہی بنایا گیا تھا اور بلبن اُس میں دفن کیا گیا"۔ اس سے بھی کوشک لعل کے مقام کے تعیّن میں مدد ملتی ہے کہ بلبن کی قبر اور کوشک لعل دونوں رای پتھورا کی دلّی کے حدود میں تھے اور قلعہ مرزغن بھی وہیں تھا۔ بقول امیر خسرو اور ابن بطوطہ کے مرزغن کو قلعہ غلطی سے کہا گیا ہے۔ مرزغن کو بلبن نے ۶۶۴ھ ۱۲۶۶ء میں دلّی کی تخت نشینی کے وقت بنوایا تھا۔ وجہ تسمیہ اس کی کچھ معلوم نہیں ہوتی لغوی معنے تو اس کے دوزخ، گورستان اور انگیٹھی ہیں۔ قدیم مورخین نے اس کو صرف ایک مکان سے تعبیر کیا ہے جو بالعموم "دار الامان" کے نام سے مشہور تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "اس محل میں قرض داروں کے قرضے چکائے جاتے تھے اور ہر شخص کے معاملات کا منصفانہ تصفیہ اس میں ہی ہوتا تھا۔ ہر دشمن کو یہاں پناہ اور امن ملتا تھا۔ تیرھویں صدی میں جب ابن بطوطہ دلّی میں آیا تو یہ محل موجود تھا چنانچہ اس نے لکھا ہے کہ "بلبن نے ایک محل بنوایا تھا جس کا نام "دار الامان" تھا۔ بادشاہ اسی محل میں دفن ہوا اور میں خود اس کی قبر پر گیا ہوں"۔ بابر بھی اس محل میں آیا تھا اور بلبن کی قبر پر بھی گیا تھا اُس نے بھی کسی قلعے کا ذکر نہیں کیا۔ ابو الفضل نے البتہ اس محل کو قلعہ لکھا ہے جس کی تقلید مابعد کے لوگوں نے بھی کی ہے۔ امیر خسرو، ابن بطوطہ "مکان" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۶۸۳ھ ۱۲۸۴ء میں بلبن کا بڑا بیٹا جو ملتان کا گورنر تھا منگولوں کی لڑائی میں لاہور میں مارا گیا۔ برنی لکھتا ہے کہ اس ناگہانی سانحہ سے ملتان میں کہرام پڑ گیا اور اسی وقت سے شاہزادے کو خان شہید کا لقب ملا۔ بادشاہ کے صدمے اور الم کا کچھ نہ پوچھیے۔ دن کو دربار کرتا تھا لیکن ساری ساری رات اُسے تڑپتے گزرتی تھی۔ اپنا لباس فرطِ غم سے چاک کر ڈالتا اور سر پر خاک اُڑاتا تھا:

گر پیر نود سالہ بمیرد عجبے نیست　　　این ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

اس وقت بادشاہ کا سن اسی برس کا تھا۔ بلبن کی سلطنت قریب الاختتام تھی اور
اسی صدمے میں گھل کر اُس نے ۶۸۶ھ ۱۲۸۷ء میں انتقال کیا اور دار السلام میں دفن
ہوا۔ بلبن کی قبر قطب مینار سے چند منٹ کا رستہ ہے اور قطب صاحب کی ویران
بستی کے کھنڈروں سے جو اب بالکل اجاڑ ہے سو گز کے فاصلے پر ہے۔ یہ قبر
بڑے بڑے پتھروں کی چھوٹی چھوٹی دیواروں کے احاطے میں ہے جس میں چھوٹے چھوٹے
طاق بنے ہوئے ہیں۔ اسی کے پاس ایک بہت بڑے احاطے کا نشان ہے جو غالباً
کوئی محل سرا ہے تھی اور مطلب یہ ہے کہ یہی محل دار الامان تھا۔ اب جو حالت قبر
کی موجودہ بس یہ ہے کہ خالی چار دیواری کھڑی ہے کہ جس کے سارے پتھر باہر کے
لوگ اُکھاڑ لے گئے اور دیواریں بحالت موجود پتھر اور چونے کا ایک ڈھیر پڑا ہے اس ڈھیر اور بنیاد
کے دیکھنے سے دیوار کا آثار رذونیٹ کا معلوم دیتا ہے۔ بلبن کی قبر التمش کی قبر سے
دو چند بڑی ہے۔ اس کے گنبد کو گرے ہوئے کچھ بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ اب
بھی چوطرف ملبہ بکھرا پڑا ہے۔ قبر کا تعویذ تک لوگ اُکھاڑ لے گئے لیکن خالی قبر کا
نشان اب بھی موجود ہے۔ اس گنبد کے چار دروازے ہیں۔ مغرب اور جنوب کے
دروازے بہ نسبت مشرق اور مغرب کے دروازوں کے ذرا بڑے ہیں۔
مشرقی اور مغربی دروازوں کی پیشانی پر اب بھی کچھ مٹے مٹائے نشان کتبوں کے
ہیں جو بالکل پڑھے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ گنبد کے کونے باہر سے گول کیے
ہوئے ہیں اور گنبد کی شکل ہشت پہلو تھی۔ اسی کے قریب ایک اور چار دیواری
ہے اس کا گنبد بھی گر پڑا ہے۔ اس گنبد کو بلبن کے بیٹے خان شہید کا بتلاتے ہیں۔
یہ گنبد بہ نسبت بلبن کے گنبد کے بہت چھوٹا ہے اس میں قبر کا پتہ نہیں۔ اس گنبد کا
دروازہ بہت بڑی محراب کا اور کشادہ ہے مگر اب بالکل گرنے کے قریب ہے۔ اس
کی محراب کے اندرونی رُخ پر دیکھنے سے کچھ جھلک رنگ کی بھی نظر آتی ہے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ رنگین کام بھی تھا۔ شمالی دیوار میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ جنوبی دیوار میں
البتہ ایک دروازہ بلبن کے مقبرے میں آنے جانے کا ہے۔ مغربی دروازہ اب تک
موجود ہے مغربی اور جنوبی دیواروں کے دروازے بہ مقابلہ صدر دروازے
کے جو مشرق رویہ ہے بہت چھوٹے ہیں۔ چھوٹے صحن کے گنبد کی دیواروں اور

محراب دار دروازوں کے نشانات اب بھی بعض بعض جگہ ملتے ہیں۔ بڑے احاطے کے نشانات اور بھی زیادہ معدوم ہیں مگر پھر بھی کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ غیاث پور غیاث الدین بلبن کا بسایا ہوا ہے جیسا کہ اس کے نام سے خود ظاہر ہے مگر یہ ایک معمولی سا گاؤں تھا جس کی شہرت پرانی دلی۔ کلوکھری، سیری یا تغلق آباد کی طرح نہ تھی۔

لال کوٹ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اننگ پال اول کے کتنے جانشین تھے جنھوں نے اس کی دوبارہ بسائی ہوئی دلی میں سلطنت کی۔ جنرل کننگھم دو ہندی قلمی کتابوں پر سے لکھتے ہیں کہ اننگ پال دوم جو کمار پال کا جانشین تھا اور جس نے ۱۰۶۰ء میں دلی بسائی تھی۔ اس نے اپنے آباد شہر کے پاس ہی ایک قلعہ بھی بنوایا تھا جو "لال کوٹ" کے نام سے مشہور ہے۔ دلی کے پنڈتوں کو بھاٹوں کی تحریرات میں کہیں لال کوٹ کا پتہ نہیں ملتا۔ رای جیون لال صاحب آنریری مجسٹریٹ جو دلی میں سب سے زیادہ ان امور سے واقف ہیں اُن کا خیال ہے کہ زمانہ مابعد کے کوٹلہ تغلق کی طرح لال کوٹ بھی بادشاہوں کی اقامت گاہ رہا ہوگا۔ مگر چاند یا دوسرے مسلمان مورخین نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ جنرل صاحب کہتے ہیں کہ مسلمان مورخین لال کوٹ کو قلعہ رای پتھورا کا ایک جزو سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے جداگانہ طور پر اس کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ موضع مہرولی کے باشندے جہاں لال کوٹ کے کھنڈر ہیں سے کہتے ہیں کہ پتھورا کے مندر کے پاس لال کوٹ نام کی ایک بڑی مشہور عمارت تھی چنانچہ چند شاعر کا بیان ہے کہ اننگ پال نے بیاس رشی کی بات سن کر غدر کیا اور ایک محل بنانا شروع کیا (کانٹوا ول پرتھی راج رباسا) مسلمان مورخین کے سکوت نے ہم کو بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے اور اُن کا یہ سکوت ہمارے تحیر کا باعث ہے کیونکہ یہ لوگ بڑے پایہ کے اور تفصیلی وقائع نگار تھے۔ مقامی لوگوں کا کہنا کچھ زیادہ لائق اعتبار نہیں۔ اس پر یہ طرہ یہ کہ ہندو مورخین بھی اس معاملے میں بالکل ساکت اور صامت ہیں۔ مسٹر بگلر نے جنرل کننگھم کی

رای کے خلاف لال کوٹ کی حدود سے مسلمانوں کے مسمار کردہ منادر۔ لوہے کی لاٹ اور خشک شدہ اننگ تال سب کو خارج کر دیا ہے اننگ پال کا لال کوٹ غالباً سنگ سرخ کا ایک بڑا محل تھا جس کی حیثیت کو یا تو چوہانوں نے بدل دیا یا یہ کہ اُن کی نظر ہو کر نیست و نابود ہو گیا۔

انیک تال

بکرمی سمبت ۷۶ ۳۳ء

یہ تالاب بہت قدیم زمانے کا بنا ہوا ہے جو کسی زمانے میں بڑی سیرگاہ رہا ہوگا اب تو اُجاڑ پڑا ہوا بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ لوگ مایا کے مندر کے شمال کے رُخ پر مسجد قوت الاسلام کے شمال و مغربی گوشے میں کوئی پاؤ میل پر جو ایک بڑا گڑھا سا نظر آتا ہے وہ اسی تالاب کا ہے جس کا طول شمالاً جنوباً ۱۶۹ فٹ اور عرض شرقاً غرباً ۱۵۲ اور عمق ۴۰ فٹ ہے یہ تالاب راجہ انیک پال تنور ثانی دلی کے راجہ نے بنوایا تھا چنانچہ اُسی کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ ۱۱۶۰ھ تک یہ تالاب درست حالت میں تھا اور علاء الدین خلجی (۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء) کی ادھوری لاٹ کی تعمیر کے لیے اسی تالاب سے پانی جاتا تھا جس کی نالیوں کے نشانات اب تک بھی بعض بعض جگہ پائے جاتے ہیں۔ اب یہ تالاب بالکل خشک ہے حتیٰ کہ موسم بارش میں اتنا بھی پانی نہیں ٹھیرتا کہ اس کے شکم کو تر رکھ سکے۔

انیک پور

بکرمی سمبت ۷۶ ۳۳ء

یہ موضع بلب گڑھ کے سب ڈویژن میں تغلق آباد سے تین میل پر واقع ہے یہ موضع اپنے اُس بے نظیر بند یا پشتے کے لیے مشہور ہے جس سے پانی روکا گیا ہے۔ اگر ہم اس بند کی قدامت کو خیال کریں جس پر صدیوں کی صدیاں کس مپرسی کی حالت میں گزر گئیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شمالی حصہ ہند میں یہ فن تعمیرات کا بڑا بھاری کام ہے۔ یہ بند ایک گھاٹی میں بنایا گیا ہے ۹۸ فٹ لمبا ہے۔ اسی عظیم الشان اور پُرشوکت بند کے شمال میں یہ موضع ہے جس کی

آبادی تخمیناً ہزار نفوس کی ہے۔ سرسید لکھتے ہیں کہ اس گاؤں کو راجہ اننگ پال تنور ثانی نے جو دلی کا راجہ تھا سمت ۴۳ سنہ ۵۵ میں آباد کیا تھا اور اُسی کے نام سے یہ گاؤں موسوم ہے لیکن جنرل کننگھم اس سمت کو بلبھی سمجھتے ہیں اور اس حساب سے موضع کی آبادی کا سال سنہ ۱۰۱۵ء قرار دیتے ہیں۔ اِسی راجہ نے پہاڑوں کے بیچ میں سیر و شکار کے واسطے ایک نہایت نفیس بند بنا کر پانی کو روکا ہے۔ اس بند کے دو طرف تو پہاڑ ہیں اور بیچ میں ایک چھوٹی سی گھاٹی تھی اُس گھاٹی کو بند سے بند کر دیا۔ یہ بند بالکل پختہ اور مستحکم ہے اور سر تا پا پتھر کا بنا ہوا ہے۔ بند پایہ میں ۱۵ فٹ چوڑا اور ۲۰ فٹ اونچا ہے۔ اس بند کے بیچ میں ایک در ۲۰ فٹ گہرا اور ۱۵ فٹ چوڑا ہے اس در کے سامنے تین نالیاں آٹھ آٹھ فٹ اونچی بنی ہوئی ہیں یہ نالیاں دیوار کی ساری چوڑان میں دوڑی ہوئی ہیں۔ ان نالیوں کی دونوں طرف پانی چھوڑنے اور بند کرنے کی کھڑکیوں (Sluices) کے نشان اب تک موجود ہیں۔ اس محراب کے دونوں جانب ۴۳ سے ۳۰ فیٹ لمبی دیوار ہے جس کی سترہ سیڑھیاں اب موجود ہیں اور پرانے زمیندار بیان کرتے ہیں کہ ہمارے ہوش میں قد آدم سے سوا اونچا تھا اور کئی سیڑھیاں اور نکلی ہوئی تھیں جو اب دب گئی ہیں۔ موری اس بند کی اتنی بڑی ہے کہ کھڑا آدمی اس میں سے چلا جاتا ہے۔ اگرچہ اس بند میں اب پانی نہیں ٹھہرتا مگر پھر بھی جوڑوں میں سے بارہ مہینے پانی رستا رہتا ہے۔ اُسی زمانے میں راجہ نے اسی بند کے پاس ایک پہاڑ کی چوٹی پر گاؤں کے شمال مغرب کی طرف ایک چھوٹا سا قلعہ بنانا شروع کیا تھا۔ مشہور ہے کہ قلعے کی چار دیواری کے سوا اور کچھ بننے نہیں پایا تھا۔ اب وہ چار دیواری بھی نہ رہی۔ کہیں کہیں سے دیوار کا ٹوٹا پھوٹا نشان اب بھی دکھلائی دیتا ہے۔ کنور سج پال جو اننگ پال کا بارہواں بیٹا تھا اس جگہ آباد ہوا چنانچہ ایک عرصے تک اُسی کی آل اولاد بستی رہی چوتھی پشت میں سمی سا کرانے ایک گوجری گھر میں ڈال لی اور اُس سے

اولاد چیلی چوتنور خاندان سے خارج ہو کر گوجر کہلائے اور یہی لوگ اب بھی بستے ہیں۔ اس قلعے کے ایک پہاڑ میں بلور کی کان بھی تھی جس میں سے بہت عمدہ بلور نکلتا تھا مگر کسی سبب سے راجہ نے اُسے بند کرا دیا۔

سورج کنڈ

سمت ۷۴۳ — سنہ ۶۸۶ء

سر سید بھائیوں کی روایتوں پر سے اس عالی شان تالاب کو اننگ پال کے پانچویں فرزند سورج پال کے وقت کا بتلاتے ہیں یعنی سمت ۷۴۳ — سنہ ۶۸۶ء میں بنایا۔ لیکن جنرل کننگھم بلبھی سمت کے حساب سے سنہ ۱۰۶۱ع زمانۂ تعمیر شمار کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ تالاب اب بالکل خستہ و شکستہ حالت میں ہے مگر اس کے دیکھنے سے نظروں تلے اس کی عظمت اور شان کا وہ نقشہ پھر جاتا ہے جیسا کہ یہ کبھی رہا ہوگا۔ اتنا بڑا بھاری تالاب ایسے ویرانے اور جنگل میں بنا دینا قصہ اور کہانیوں میں تو سنا ہے مگر دیکھا کہیں بھی نہیں گیا۔ پچھلے لوگوں کے عزم میں خدا جانے کیا استقلال تھا۔ اُن کے حوصلے کیسے بلند تھے۔ اُن کے پاس دولت کس قدر بے شمار تھی جو ایسے ایسے کام کر کے دکھا گئے کہ جن کا اب بننا محالات سے ہے۔ تالاب کے چاروں طرف کے ویرانے اور کھنڈروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگل میں منگل تھا۔ شکم تالاب کا رقبہ چھ ایکڑ ہے۔ یہ تالاب دو موضعوں بہار پور اور لکڑ پور کے درمیان دلی کے پہاڑی میدان میں شہر دہلی سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ تالاب کی شکل مدور نہیں ہے بلکہ بقول مسٹر ٹرلسٹ کے اس کا سارا مغربی ضلع بالکل سیدھا چلا گیا ہے۔ تالاب کے چاروں طرف پتھر کی پختہ سیڑھیاں ہیں جو نیچے سے اوپر تک سطح زمین سے جا ملی ہیں۔ یہ سیڑھیاں تو دس فیٹ کی بلندی تک تو معمولی چکلان کی ہیں جیسی کہ عموماً تالابوں میں ہوتی ہیں لیکن اوپر جا کر سیڑھیاں بہت کشادہ ہو گئی ہیں اس کشادہ جگہ میں گچ کا پختہ فرش بنا دیا گیا ہے جو ایک قسم کے چوڑے چکلے چبوترے نظر آتے ہیں جو ایک کے اوپر ایک

تالاب کے گرد دوڑے ہوئے ہیں۔ تالاب کے غربی رُخ کے بیچ میں ایک منہدم مندر کا نشان معلوم دیتا ہے۔ تالاب میں سے مندر پر چڑھنے کی پچاس سیڑھیاں ہیں اور ان سیڑھیوں کے دونوں طرف اونچی اونچی دیواریں ہیں۔ مندر کی سیڑھیاں گھاٹ کی سیڑھیوں سے تالاب کی سطح آب کے نصف فاصلے پر جا ملی ہیں۔ مشرق کی طرف بھی ایک گھاٹ بطور جواب کے بنا ہوا ہے جو بالکل پہلے گھاٹ کی طرح کا ہے اور اس طرف بھی پہلے زمانے میں کسی قسم کی عمارت کا وجود کھنڈروں سے معلوم دیتا ہے لیکن وہ کھنڈر اب ایسی حالت میں ہیں کہ اُن پر سے ہم قیاس بھی نہیں کر سکتے کہ جب کبھی یہ عمارت رہی ہوگی تو کس قسم کی ہوگی۔ تالاب کی شمالی دیوار کے بیچ میں مویشیوں کے لیے ایک ریت نما پھسلواں گئو گھاٹ بنا ہوا ہے۔ اس گھاٹ سے اُس ٹوٹی ہوئی دیوار کی طرف جو مغرب میں ہے سیڑھیاں نہیں ہیں جو غالباً اس غرض سے خالی چھوڑ دیا گیا ہے کہ اس طرف سے آس پاس کے پہاڑوں کا پانی بہہ کر تالاب میں جمع ہوتا ہے۔ تالاب کے چاروں طرف برجیاں بھی تھیں چنانچہ اب تک شمال مشرقی۔ جنوب مشرقی اور شمال مغربی کونوں کی طرف ملبے کے ڈھیر بکھرے پڑے ہیں۔ اب رہا جنوب مغرب کا کونا یہاں بھی برجی ہی تو ضرور ہوگی مگر اب تو سپاٹ زمین پڑی ہے۔ تالاب سے ذرا ہٹ کر بھی اور مکانات اور برج تھے جن کا ملبہ تالاب سے آٹھ سو گز کے فاصلے پر پڑا ہے۔ تالاب کے شمالی کنارے پر ایک محل تھا۔ اس محل میں سے تالاب میں جانے کے لیے نہایت خوبصورت سیڑھیاں بنائی تھیں۔ وہ محل تو اب ہوا ہو گیا مگر سیڑھیاں البتہ باقی ہیں۔ بھادوں کی سدی چھٹ کو یہاں ہر سال نہان کا ایک میلا ہوتا ہے۔ تالاب کے جنوب مشرقی کونے پر اسی زمانے کا ایک پرانا درخت پیپل کا کھڑا ہوا ہے جس کی پوجا ہوتی ہے اور ناریل یا جو کچھ اور چڑھاوا چڑھتا ہے وہ انیک پور اور لکھ پور کے برہمنوں کا حق ہے۔ یہ میلا بالکل معمولی ہوتا ہے کچھ بڑا نہیں ہوتا۔

قطعہ تاریخ نوشتہ جناب شاہ محمد جنید صاحب حسینی نظامی کوہ سوار نظامی صدر مدرس دیودرگ ضلع رائچور دکن

دہلی کا مثل روئے زمیں پر نہیں ہے آج — مشہور ہے زمانے میں یہ آپ بے عدیل
اسلام و کفر نے کیئے یاں راجدھانیاں — یہ جلوہ گاہ طور ہے یہی شرک کی کفیل
عزل و نصب رہا ہے زمانے کا قاعدہ — نمرود آستاں کبھی گلشن خلیل
آماجگاہِ ابیض و اسود ہے اس کی شان — معیار خیر و شر کی ہے دنیا میں یہ دلیل
ترک و عرب کی جان تھی اک یہ بھی عہد تھا — رہتے تھے جس میں شیر و شکر کثرت و قلیل
علمائے علم کے اسے مرکز کا فخر ہے — حکمائے بے نظیر کی یہ ساحت نزیل
عقلائے روزگار کی یہ بزم عام تھی — شعرائے نامدار کی یہ مسند جلیل
ہر ایک علم و فن کے یہاں آزمودہ تھے — ایک ہی بساط پہ تھے یہاں اشرف و ذلیل
یہ تخت گاہ اکبر و محمود پر شکوہ — یہ جلوہ گاہ حضرت اورنگ شاہ عقیل
آثار جن کے آج ہیں مشہور کائنات — ہے چپہ چپہ فن عمارت کا خود کفیل
اس کو شرف ہے زمرۂ خاص و عام کا — رہتے تھے اس میں شیر فگن شہسوار سبیل
دنیا میں اس کا نام عروس البلاد تھا — بازار حسن حلقۂ خوبان جمیل
آتے تھے اس کو دیکھنے سیاح نامور — دہلی تھی سرزمیں یہ فردوس کی مثیل
جس کا سواد باعث تسکین اضطراب — جس کا خیال موجب آسائش طویل
ہر ذرہ ذرہ جس کا رہا جان آفتاب — جان بخش کائنات رہی جس کی قال و قیل
تاریخ اس کی لکھی بشیر نذیر نے — جو فاضل یگانہ ہیں علامۂ عدیل
طرز بیان حسن ادا دل فریب ہے — انداز گفتگو ہے روانی سلسبیل
کوثر میں جو دھلی ہوئی ہے وہ زبان ہے — سرمایۂ حیات ہے انداز قال و قیل
مبسوط واقعات ہیں دہلی کے بے بدل — حالات ہیں صحیح صحیح تاریخ ہے اصیل

تاریخ انطباع بگفتہ سروش غیب
نامی بدل نویس کہ ہے "تاریخ بے عدیل"

۱۳۵۷

قلعۂ سرزغن ۶۶۶ھ

جب سلطان غیاث الدین بلبن بادشاہ ہوا اُس نے ۶۶۶ھ میں ایک قلعہ بنایا اور اُس کا نام سرزغن رکھا اب اس قلعہ کا نشان تک باقی نہیں رہا مگر لوگ کہتے ہیں کہ جہاں حضرت نظام الدین اولیا کا مزار ہی وہاں تھا۔ بلکہ اُسی کی آبادی کا موضع غیاث پور نام ہی۔

قلعۂ علاول ۶۹۵ھ

جب کہ سلطان علاء الدین خلجی بادشاہ ہوا اُس نے اپنے عہد میں کہ ۶۹۵ھ سے شروع ہوا تھا ایک اور قلعہ بنایا اور اُس قلعہ کا نام سیری رکھا۔ چنانچہ اب بھی قطب صاحب کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ کو اُس قلعہ کا کچھ کچھ نشان پایا جاتا ہی۔ یہی قلعۂ علاول بھی کہلاتا تھا۔

سیری یا دہلی علائی

سنہ ۷۰۳ہجری

دیدم چغد نشستہ در صبح وپگاہ
برکنگرۂ مقبرۂ نوشرواں شاہ
فریاد کناں زرو عبرت می گفت
کو آں ہمہ حشمت وجلال آں جاہ

بقول سرسید علاء الدین خلجی نے ۷۰۳ھ میں سیری نام موضع کے پاس اسی نام کا ایک قلعہ بنوایا۔ یہ موضع رای پتھورا کے قلعے سے شمال ومشرق میں کوئی دو میل پرے ہٹ کر ہی اب اس جگہ شاہ پور یا شاہ آباد آباد ہی۔ مغل حملہ آوروں نے دو مرتبہ پرانی دلی کو لوٹا۔ اس لیئے علاء الدین نے رای پتھورا کے قلعے کو درست کیا اور اس کے علاوہ خود بھی ایک نیا قلعہ بنایا جس کا نام "سیری" رکھا۔ دلی کی پامالی لوٹ کا بدلہ علاء الدین خلجی نے یوں لیا کہ اس نے اس قلعے کی بنیاد اور فصیلوں میں ایک وقت سے آٹھ ہزار مغلوں کے چنوا دیئے۔ قلعہ کی فصیل پتھر اور چونے کی پختہ بنی ہوئی تھی۔ یہ قلعہ کیا با اعتبار عمدگی و استحکام عمارت کے اپنا بلیا تھا

مقاصد فوجی کے اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ ۹۴۸ھ (۱۵۴۱ء) میں شیر شاہ نے اس قلعے
کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اس کا سارا مال مسالا ڈھلوا کر ایک نیا شہر
شیر گڑھ اپنے نام سے بسایا اور اس میں لگایا۔ تیمور نے سیری کی نسبت لکھا ہے
کہ "یہ ایک مدور شہر ہے جس کی عمارت بلند اور دیواریں اینٹ پتھر کی نہایت مضبوط
بطور گڑھی کے ہیں۔ پرانی دلی میں بھی اسی قسم کا ایک قلعہ ہے مگر وہ اس سے
کچھ بڑا ہے۔ اس قلعے سے پرانی دلی تک ایک نہایت مضبوط فصیل پتھر و چونے کی
ہے۔ سیری کے سات دروازے ہیں چار باہر وار کو اور تین جہاں پناہ کی جانب اندر وار
کو"۔ یزدی نے اپنے ظفر نامے میں لکھا ہے کہ "سیری کی شمال مشرقی فصیل سے
پرانی دلی کی جنوب مغربی فصیل تک دو طرفہ ایک اور فصیل بنائی گئی ہے اور اس کا درمیانی
قطعہ جہاں پناہ کہلاتا ہے"۔ عہد اسلامی کی تیسری سلطنت سیری ہی تھی۔ سلاطین خاندان
غلامان نے باستثنائے کیقباد جو اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا سب قلعۂ
رائے پتھورا ہی میں رہے۔ جلال الدین خلجی نے کیقباد کے کلوکھری والے
قلعے کی تکمیل کی جس کا نام بعد میں "نیا شہر" پڑا۔ اس کے بھتیجے اور جانشین
علاء الدین خلجی نے سیری کا قلعہ بنایا جو ۱۳۲۱ء تک دار السلطنت رہا۔ جس کے بعد
سلطان غیاث الدین تغلق نے تغلق آباد کا ایک نیا شہر بسایا اور وہیں قلعہ بھی بنایا۔
قلعۂ سیری کے ٹھیک مقام کی نسبت اختلاف ہے۔ برجیس۔ لوئی۔ کوپ اور کیمبل صاحب
قطب صاحب میں بتلاتے ہیں۔ لفٹنٹ برجیس کے علاوہ کرنل لوئی اور مسٹر کوپ
جنھوں نے آثار قدیمۂ دہلی پر نہایت عمدہ مضامین لکھے ہیں لیکن انھوں نے
اس قدر تعجیل سے لکھا ہے کہ اُن کی رائے استناداً پیش نہیں کی جا سکتی۔ مسٹر کیمبل
البتہ سوچ سمجھ اور تحقیق سے لکھنے والے ہیں لیکن جنرل کننگھم صاحب کی تحقیق سب سے
زیادہ قابل توثیق ہے۔ چنانچہ سٹیفن صاحب نے بھی بہت کچھ چھان بین کے
بعد بھی یہی رائے قائم کی ہے کہ اگر موضع شاہ پور وہ جگہ نہیں ہے جہاں کہ سیری کا قدیم
شہر بنا تھا تو پھر یوں سمجھنا چاہیے کہ اور کسی دوسری جگہ تو اس کا پتہ چل بھی نہیں سکتا
تیمور اور یزدی نے جو دلی کے تینوں شہروں کا تذکرہ کیا ہے اس سے بھی یہی
معلوم ہوتا ہے کہ شہر کی آبادی کا شمالی مشرقی حصہ سیری تھا اور سیری کے شمال مغرب

میں دلّی شہر تھا جو سیری سے کہیں بڑا تھا اور ان دونوں کے بیچ میں جہاں پناہ کی آبادی تھی جو دلّی سے بھی بڑا شہر تھا ۔ جنرل صاحب نے سیری کا مقام وہی قرار دیا ہے جہاں کہ فی زمانا شاہ پور آباد ہے اور یہی رائے مسلمان مورخین کی بھی ہے جو دلی کو شاہ پور کے جنوب و مغرب میں بتلاتے ہیں اور جہاں پناہ کو دلّی اور شاہ پور کے بیچ میں اور ساتھ ہی اس کے شاہ پور کو دلّی سے چھوٹا بتلاتے ہیں ۔ سیری کی جغرافی پوزیشن (تعین مقام) کے متعلق برجس صاحب اور ان کے ساتھ اور چند اصحاب کی رائے ایک طرف اور جنرل صاحب کی رائے ایک طرف ۔ مزید برآں جنرل صاحب کی رائے کی تائید میں بہت قوی دلائل موجود ہیں :-

(۱) قلعہ رائے پتھورا کے باہر سیری نامی بستی تھی ۔ جو قلعہ رائی کے میدان کی طرح سیری کی زمینات بھی بطور کیمپ کے استعمال کی جاتی تھیں ۔ جب کیقباد نے ۶۸۶ھ ۱۲۸۷ء میں سیری کو دار الاقامہ مقرر کیا تو کہا جاتا ہے کہ لشکر کا میمنہ تل پت میں تھا اور میسرہ اندرپت میں تو قلب لشکر لامحالہ بیچوں بیچ میں موضع شاہ پور میں آکر ٹھیرتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ سیری کی بستی قلعہ رائے پتھورا کے باہر تھی اور مواضع اندرپت اور تل پت کے بیچ میں تھی ۔

(۲) سیری کی بنیاد خواہ بطور شہر کے سمجھی جائے یا بطور قلعے کے ۷۰۳ھ ۱۳۰۳ء ہے لیکن سیری کی بستی کا وجود ۶۰۵ھ ۱۲۰۵ء سے پایا جاتا ہے کہ وہ جمنا کے کنارے پرانی دلی اور نئے شہر دونوں کے بیچ میں سیری نام کی ایک بستی تھی ۔ جب علاء الدین خلجی کا بھانجا رکن الدین ابراہیم پرانی دلّی میں تخت نشین ہوا تو علاء الدین کا قیام سیری میں تھا (برنی) ۔ اس زمانے میں سیری کے نام کا کوئی قلعہ نہ تھا تو علاء الدین لامحالہ سیری کی بستی ہی میں رہتا ہوگا ۔

(۳) ۶۹۷ھ ۱۲۹۷ء میں سلطان علاء الدین نے بڑے تزک و احتشام سے دلّی سے کوچ کیا اور اپنے خیام سیری میں نصب کرائے (برنی) ۔ تو یہ خیام ضرور دلّی شہر سے کچھ فاصلے پر ہی ہونگے غایت ما فی الباب شہر میں تو ہو نہیں سکتا ضرور شہر کے باہر ہی ہوگا ۔

(۴) ایک دوسرے موقع پر یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ علاء الدین نے شہر سے کوچ کرکے

سیری میں مقام کیا۔ شہر سے مراد پرانی دلی ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ سیری ایک جداگانہ مقام تھا۔

(۵) مغلوں کے پیاپے خطرناک حملوں نے علاء الدین خلجی کو دلی کے پرانے قلعوں کی مرمت کرنے پر مجبور کیا اور اُس نے ایک نیا قلعہ بھی بنوایا پس اگر یہ نیا قلعہ پرانی دلی کے اندر ہی ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اُس کا ایک جداگانہ نام سیری رکھا جاتا۔ ابو الفضل نے جو سیری کا ذکر کیا ہے وہ بالکل غلط ہے کہ شہر بنا ایک جگہ ہو اور نام دوسری جگہ کا رکھا گیا ہو۔ جب کہ نئے قلعے کا نام سیری تھا تو یقیناً وہ رای پتھورا کے قلعے کی چار دیواری کے اندر تو بنا ہی نہ ہوگا۔ ہم اوپر امیر تیمور اور یزدی کی تحریرات کا حوالہ دے آئے ہیں جن میں اُنھوں نے تین شہروں کا ذکر کیا ہے جو سب مل کر دلی کہلاتے تھے۔ ابن بطوطہ نے ایک چوتھی دلی[۱] بھی لکھی ہے یعنی ہندوؤں کی بسائی ہوئی پرانی دلی اور سیری کو وہ مسلمانوں کا دار السلطنت لکھتا ہے۔

قصر ہزار ستون سنہ ۷۰۳ھ ۱۳۰۳ء	اگر پردہ برگیری از روے خاک روی تا بہ ہفتم زمیں در مغاک

همه فرق شاہان سرکش بود — رخ نو عروسانِ مهوش بود

سراپاے گیتی همه غیرت است — پس و پیش او حیرت و حسرت است

سنہ ۷۰۳ھ ۱۳۰۳ء میں جب علاء الدین خلجی سیری میں قلعہ بنوا چکا تو اُس نے ایک محل بھی بنوایا جس کا

[۱] چوتھی دلی تو کچھ بھی تعجب کی بات نہیں ہے دلی ہرن صاحب نے اپنی کتاب میں سات دلیاں بتلائی ہیں پرانی دلی۔ سیری۔ تغلق آباد۔ جہاں پناہ۔ فیروز آباد۔ شیر شاہ کی دلی۔ شاہ جہان آباد۔ اور آٹھویں دلی رائے سینا میں اب انگریزوں کے عہد میں بن رہی ہے۔ صَانَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْ حَوَادِثِ الزَّمَانِ



عمارت جزیره هرمز

نام "ہزار ستون" رکھا۔ اُس زمانے کے دستور کے موافق اس محل کی بنیاد اور مغلوں کے ہزاروں سر چنے گئے۔ جنرل کننگھم نے اس محل کا مقام قلعۂ سیری قصبۂ شاہ پور کے اندرونی نصف مغربی حصے میں بتلایا ہے۔ مسٹر بگلر نے اس کے خلاف قلعۂ سیری میں جنوبی فصیل سے کچھ آگے بڑھ کے اس کے کھنڈر دریافت کیے ہیں۔ امیر تیمور نے اس محل کو عمارت ہزار ستون سے گڈمڈ کر دیا ہے جس کو محمد تغلق شاہ عرف جونا شاہ نے عادل آباد عرف محمد آباد میں ۷۲۸ھ (۱۳۲۷ء) میں پچیس برس بعد بنوایا تھا۔ چنانچہ محمد شاہ تغلق نے بزمانہ شاہزادگی لکھا ہے کہ "بیگمات نے محل ہزار ستون کے دیکھنے کی خواہش کی جسے ملک جونا نے قلعۂ جہاں پناہ کے اندر بنوایا تھا"۔ کھنڈر کے دیکھنے سے اس محل کی اصلی شان و شوکت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "ملک کافور جو علاء الدین خلجی کا ایک نامور سردار تھا جب ورنگل سے بے شمار دولت لوٹ کر لایا تو وہ ساری کی ساری سنہری محل کے سامنے لوگوں کو دکھلائی گئی تھی لیکن تاریخ فیروز شاہی میں اسی واقعے کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے مگر وہ اس واقعہ کو قصر ہزار ستون میں ہونا لکھتا ہے۔

علاء الدین خلجی کی وفات (۷۱۵ھ ۱۳۱۵ء) کے پچیس دن بعد ملک کافور مشیر اعظم سلطان علاء الدین کو قطب الدین مبارک شاہ کے غلاموں نے اسی قصر ہزار ستون میں قتل کر ڈالا۔ ۷۲۱ھ (۱۳۲۱ء) میں خسرو خاں کے ہندو ملازمین نے سلطان قطب الدین مبارک شاہ کو اسی محل کے کوٹھے پر قتل کیا جس کے چند مہینے بعد خسرو خاں بھی غیاث الدین تغلق شاہ کے حکم سے اسی جگہ جہاں قطب الدین مبارک شاہ مارا گیا تھا اس کی بھی گردن ماری گئی اور جس طرح قطب الدین کا سر محل کے نیچے پھنکوا دیا گیا تھا اس کی نعش بھی سر راہ پھینک دی گئی اور "کہ کر دو کہ نیافت" کا مضمون صادق آیا۔ اور اسی سال اسی محل میں تغلق شاہ بھی تخت نشین ہوا اور سر دربار قطب الدین اور علاء الدین اپنے مربی کے دوسرے بیٹوں کے ساتھ جو برا سلوک ہوا تھا اُس کا بہت دیا۔ اس مشہور محل میں ایسے ایسے اہم سنگین واقعات گزرے لیکن یہ کہ یہ محل کس قسم کا تھا کچھ پتہ نہیں چلتا سوائے اس کے کہ ہم اس کے نام سے اندازہ کرلیں کہ جس محل کے کہ ہزار ستون ہوں گے وہ اسی مناسبت سے کتنی بڑی ہوگی

اور کیسی عظیم الشان عمارت ہوگی لیکن فنا کی دست درازی کا سب شکار ہیں۔ دنیا کی ساری چیزیں فانی اور مٹنے والی ہیں چنانچہ اس محل کو دیکھئے کہ باایں شان و شوکت آج ہم کو ضرورت اس تلاش کی پڑی ہے کہ وہ کس مقام پر تھا۔

ایسا مکاں بناؤ جو بن کر گرا نہو   پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہو

جہاں پناہ

۷۲۸ھ
۱۳۲۷ء

ویرانہ دہلی میں جو گیا اک فاختہ مجھ سے یوں بولی
پیغام تجھے اک دیتی ہوں سن اے غافل کوکو میری
یہ ویرانے جو دیکھتے ہو معمور تھے آبادی سے کبھی
یاں شہر بھی تھے باغات بھی تھے بستی تھی کنار جو میری
کو چرخ فلک کی گردش سے روپوش ہوئی محفل اپنی
ہے آج کے دن تک متجسس یہ چشم نظارہ جو میری
شاہوں کے مقابر کو دیکھو عبرت کے مناظر کو دیکھو
اینٹ اینٹ میں قصر جمشیدی ہے دیکھتی آنکھ ہر سو میری
تھا شور جہاں تکبیروں کا ہنگامے تھے جراروں کے
اب عالم ہو ہے چار طرف باقی ہے فقط کوکو میری
نت رنگ نیا ہے دنیا کا مایوس نہ ہو اے سنئے خبر و
کہتی ہے یہ کوکو میری۔ کہتی ہے یہ کوکو میری

خاندان غلامان دہلی کے عہد میں قلعۂ رای پتھورا کے چو طرف دور دور تک بستی ہی بستی پھیل گئی تھی۔ میواتیوں کی لوٹ مار سے قلعے والے پریشان تھے۔ کیقباد کی ضعیف حکومت نے ان لٹیروں کے حوصلے بہت بڑھا دیئے تھے سلطان علاء الدین خلجی کو تخت پر بیٹھتے ہی پہلے یہی مشکل پیش آئی کہ کھلے بندوں لوٹ مچ رہی تھی۔ پانی بھرنے کے لیئے جو عورتیں کنوؤں اور حوضوں پر جاتی تھیں ان کی جان غضب میں تھی۔ میواتیوں کا یہ آسان شکار تھا ان کے کپڑے تک اتروا لیتے تھے اسی لیئے مغرب ہوئی کہ شہر کے دروازے بند ہو جاتے تھے۔ یہ بادشاہ فیروز شاہ کی طرح نرم تھا اس نے اپنی سطوت اور جبروت کا سکہ اس طرح

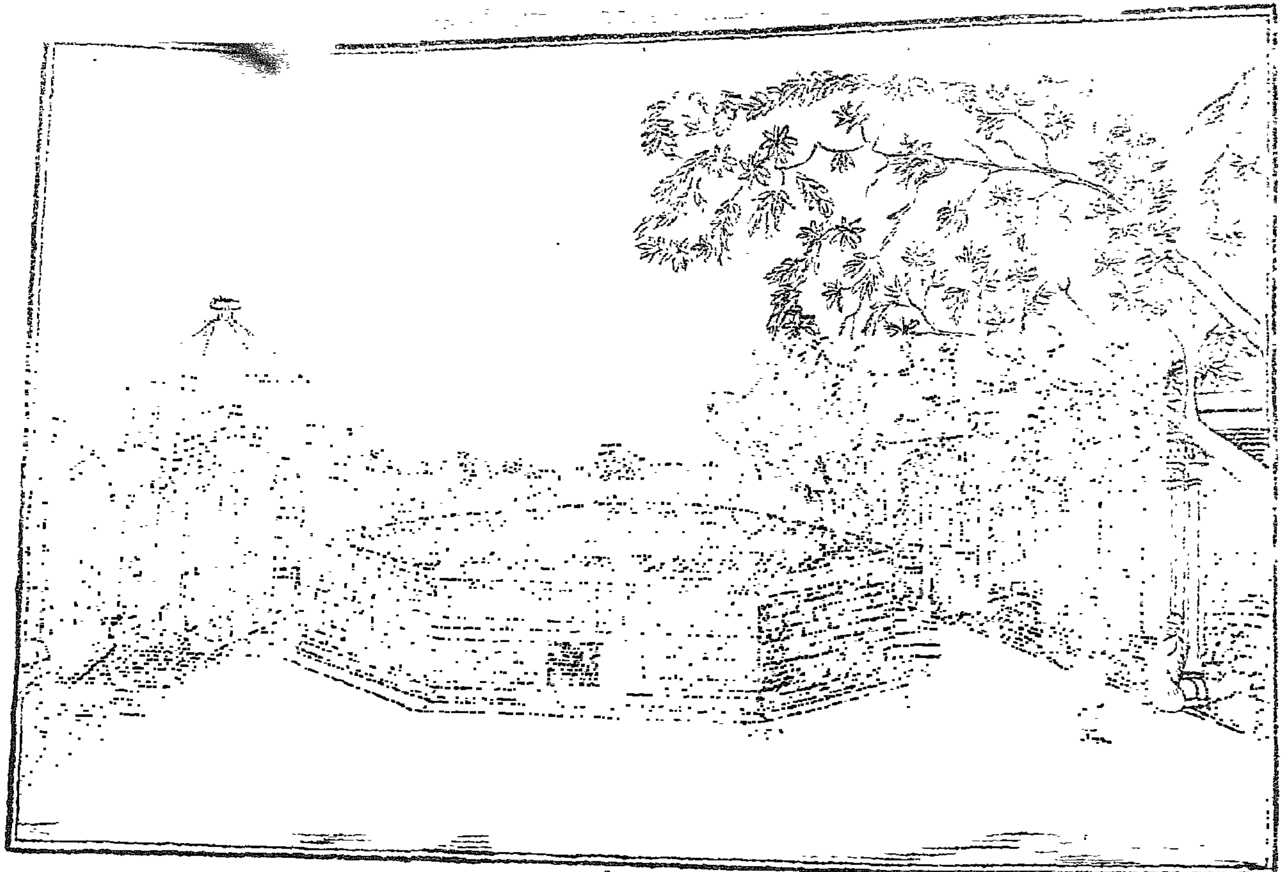
بٹھایا کہ اُس نے میواتیوں سے ملک پر تاخت کی اور ایسی تلوار اور آگ برسائی کہ سب کے ختنے درست ہو گئے۔ جب مغلوں نے جلال الدین خلجی کے وقت میں دلی پر حملہ کیا تو شہر کے مقامات کو لوٹ لاٹ کر تباہ کر دیا تھا اور جب علاء الدین خلجی نے سیری کی بنا ڈالی تو رائے پتھورا کے قلعے کے مقامات اتنے بڑھ گئے تھے کہ دونوں شہر مل گئے تھے اور مواضع حوض رانی۔ توڈی سرائے۔ اور کھڑکی بھی اسی سلسلے میں آ گئے تھے۔ محمد تغلق شاہ کو خیال ہوا کہ تمام مختلف مقامات جو پرانی دلی اور سیری کے بیچ میں پڑتے ہیں ان سب کو ملا کر میرے وقت میں ایک جداگانہ شہر ہی کیوں نہ بسایا جائے جس سے مغلوں اور میواتیوں کی روک تھام کے علاوہ سیری ایک یادگار رہے چنانچہ ۷۲۸ھ میں یہ ارادہ پورا ہوا اور پرانی دلی اور سیری دونوں کی آبادیوں کو فصیلیں کھینچ کر کے ملا دیا گیا اور جہاں پناہ نام رکھا گیا۔ شمال مغرب کی طرف کی فصیل قریب دو میل کے اور شمال جنوب و شمال مشرق کی طرف کی دو فصیلیں سوا دو میل لمبی ہیں۔ اور تینوں فصیلوں کی لمبان پانچ میل ہے۔ شمال مشرق کی طرف کی دیوار سیدھی نہ تھی بلکہ ٹیڑھی میڑھی تھی گو وہ تو گر گئی اور مشرقی دیوار کو سیدھی تھی تو وہ بھی گر گئی اب صرف جنوبی دیوار جو جنوب رخ پر تھی وہ بھی بالکل سیدھی تھی اُس کا ایک ثلث حصہ [illegible] گر گیا اور باقی موجود ہے۔ اس نئے شہر جہاں پناہ کے تیرہ دروازے تھے پرانی دلی اور سیری کے ملا کر تھے۔ ان تیرہ دروازوں میں سے چھ تو شمال مغرب میں تھے جن میں سے ایک کا نام میدان دروازہ تھا لیکن یزدی اس کا نام حوض خاص دروازہ لکھتا ہے کیونکہ وہ اسی نام کے حوض کی طرف کھلتا تھا (از تاریخ مبارک شاہی) باقی دروازے جنوب و شمالی رخ پر تھے۔ جن میں سے صرف دو کے ناموں کا اور پتہ چلتا ہے ایک حوض رانی دروازہ اور دوسرا برقہ دروازہ۔ اس نئے شہر کی چہار دیواری کے اندر ایک مشہور عمارت بدیع منزل تھی جس کو عوام بجے منڈل کہتے ہیں بنائی جس کا بیان اپنے موقع پر آیا ہے۔ ابن بطوطہ جہاں پناہ کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ شہر محمد شاہ تغلق کے رہنے کی غرض سے بنایا گیا تھا اور اس شہر کی تعمیر سے اس کا ارادہ یہ تھا کہ پرانی دلی۔ سیری۔ جہاں پناہ۔ اور تغلق آباد۔ ان سب کو ملا کر

کر دیا جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے فصیل کا کچھ حصہ بنوایا تھا لیکن چوں کہ مصارف بے شمار ہوتے تھے لہٰذا ادھورا چھوڑ دیا"۔ جنرل کننگھم جہاں پناہ کو دلی کا ساتواں قلعہ لکھتے ہیں اور مشہور ضرب المثل "سات قلعے یا باون دروازے" کی صراحت یوں کرتے ہیں کہ حسب ذیل سات تو قلعے تھے۔ (۱) لال کوٹ۔ (۲) قلعہ رای پتھورا۔ (۳) سیری یا قلعہ علائی۔ (۴) تغلق آباد۔ (۵) قلعہ تغلق آباد۔ (۶) عادل آباد۔ (۷) جہاں پناہ باون دروازوں کی یہ تفصیل ہے۔ لال کوٹ ۳۔ قلعہ رای پتھورا ۱۰۔ سیری ۷۔ جہاں پناہ ۱۳۔ تغلق آباد ۱۳۔ قلعہ تغلق آباد ۳۔ عادل آباد ۲۔ جملہ ۵۲۔ لیکن مسٹر فینچ اور مسٹر لاٹ نو قلعے لکھتے ہیں اور یہی صحیح بھی ہے۔ کیوں کہ کننگھم صاحب نے کلوکھری اور غیاث پور کے قلعوں کو شمار نہیں کیا جو پہلے محصور تھے۔ رہا لال کوٹ اُس کا شمار ہندوستانیوں کی روایتوں میں قلعوں میں نہیں ہے۔ ہندوستانی مورخین صرف تغلق آباد کے باون دروازے اور چھپن برج لکھتے ہیں لیکن کننگھم صاحب سولہا ہی دروازے لکھتے ہیں جو غالباً وہ دروازے ہوں گے جو اب باقی ہیں اور پھر جنرل صاحب نے تغلق آباد کے پاس دو اور چھوٹے قلعے جو ہیں وہ بھی چھوڑ دیئے ہیں اور اُن کے دروازوں کو بھی قلعۂ تغلق آباد کے دروازوں میں شمار نہیں کیا۔

باد منڈل جہاں پناہ میں اس نام کا ایک وسیع چبوترا ہے جس پر سے اطراف و جوانب کا ایک عمدہ نظارہ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ چبوترا سلطان محمد تغلق کے قصر ہزار ستون کا ایک جزو ہے۔

دوسرا باب سلطان غازی

یہ مقام قطب صاحب سے تین میل ہے مگر رستہ پہاڑی ایسا پتھریلا ناقص اور ناہموار کہ بگھی تو بگھی یکہ بھی نہیں جا سکتا ہاں بیل گاڑی چل سکتی ہے بشرطیکہ اُلٹ نہ جائے میں کہنے کو تیے پر گیا مگر مجھے اپنے ہاتھ پاؤں تڑوانے نہ تھے کیا بھی پیدل اور آیا بھی پیدل۔ قطب صاحب سے جاتے ہوئے داہنے ہاتھ کو چھوٹا برج



نقشہ درگاہ حضرت سلطان غاری

ملتا ہے اور بائیں ہاتھ کو **سو باتوں کا گنبد** ہے جو ایک بارہ درہ ہشت پہل برج ہے۔
راست و دروغ بر گردن راوی۔ مشہور یہ ہے کہ اس میں ایک فقیر کی قبر ہے جس نے
اللہ تعالیٰ سے سو باتیں کی تھیں۔ یہیں ایک وسیع اور پختہ فصیل نما احاطہ بھی ہے۔
اس گنبد کے شمال کی طرف ایک اور چار دیواری میں مولینا شعیب[1] رح کا مزار ہے
آپ مولینا کمال الدین اور جمال الدین رحمۃ اللہ علیہما کے خلیفہ تھے۔ اس سے
آگے بائیں ہاتھ کو **بامن کا مندر** اور **جوہڑ** ہے جس میں مہادیو کا پنڈ ہے۔ یہ مندر ہشت پہل
ہے جس کا ہر ضلع ۶ ½ فیٹ کا ہے۔ دو دروازے ہیں ایک جنوب میں دوسرا مشرق میں۔
مغرب کی جانب ایک نیا پنج درہ دالان بنا ہوا ہے اور اسی کے پاس جوہڑ یعنی چھوٹا سا تالاب
ہے جسے دکن میں کنٹہ کہتے ہیں۔ اسی رخ پر اوپر کے دالان سے ہٹا ہوا ایک اور پنج درہ
دالان ہے علاوہ اس کے سہ دریاں بھی ہیں مندر کے سامنے صحن میں ایک پرانا پیپل کا درخت
بھی ہے اب مندر سے آگے بڑھیے تو گنیشی لال ولی کے کسی باخیر شخص کا پختہ تالاب ہے۔
اس سے آگے جو گاؤں ہے وہ مسعود پور کہلاتا ہے۔ سامنے وار کچھ فاصلے پر جو کھنڈر نظر آتے ہیں وہی سلطان غاری
کا مزار ہے

مقبرہ سلطان غاری ۶۲۹ھ / ۱۲۳۱ء	نصیب ما ز باغِ آفرینش میوۂ غم شد نہالے راکہ پروردیم آخر نخلِ ماتم شد

[1] عالم عامل در صورت و سیرت ملک مثال بود و در وعظ گفتن کہ بے نظیر زمان خود در زمانے کہ او
وعظ گفتے و قرآن خواندے ہیچ کس را مجال عبور از آنجا نبودے اگرچہ خود بار گران بر سر داشتے ایستادہ شدے
و استماع نمودے و اورا در وعظ بحسب اختلاف مقامات وعد و وعید حالات عارض شدے۔ جمیع اکابر و علما
شہر در پاے وعظ او حاضر شدندے و اکثر از موالی و اہالی شہر در ابتدا شاگرد او بودند والد ماجد او مولینا منہاج
در آوان صغر از بلدۂ لاہور بہ قصد تحصیل علم در دہلی آمد و در تحصیل علم ریاضت شاقہ کشید بعد ازاں در عہد دولت
سلطان بہلول بودے مفتی شہر شد وہمیں جا سکونت فرمود۔ نقل است کہ مولینا منہاج در بعضے اوقات آرد
و روغن از دکانہا گدائی کردے و ازاں چراغ ساختے و تمام شب بمطالعہ پرداختے و چوں روز شدے
از ہماں نان پختے و ہماں قدر اکتفا کردے۔ بہ ہمیں حال گزرانید تا علمے بدست آورد۔ وفات مولانا
شعیب در ۹۳۶ھ و قبر او بالاے حوض شمسی است متصل خانقاہ ملک زین الدین کہ از صلحاے زمان سکندر بود۔ (از اخبار الاخیار)

ناصر الدین محمود شاہ خلف اکبر سلطان شمس الدین التمش لکھنوتی[۱] کا حاکم تھا۔ تمام ارکین سلطنت اور رعایا اسی کو ولی عہد مانتے تھے مگر حکم قضا و قدر اس کے خلاف تھا۔ انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔ شاہزادہ یکایک ایسا بیمار پڑا کہ جاں بر نہ ہو سکا۔ جب اس کی وفات کی خبر ۶۲۶ھ ۱۲۲۸ء میں دلی پہنچی تو اس سانحہ ہوش ربا سے شہر بھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ جوان بیٹے کی موت کا داغ شمس الدین التمش کو ایسا پہنچا کہ جتنا غم کرتا تھوڑا تھا۔

؎

من چوں نسیم کہ سینۂ من چاک کردہ اند — سخت جگر بریدہ تہ خاک کردہ اند

نعش لکھنوتی سے دلی لائی گئی اور موضع ملک پور میں جو قطب صاحب کے جنوب مغرب میں ساڑھے تین کوس پر ہے دفن کیا گیا۔ مرنے کے تین سال بعد ۶۲۹ھ ۱۲۳۱ء میں باپ نے اپنے چہیتے بیٹے کا مقبرہ باپ کی چاہت کی آخری یادگار بنایا۔ اس مقبرے کا تہ خانہ بشکل ایک غار کے ہے اس واسطے غاری مشہور ہو گیا۔ تہ خانے کی وضع سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد اسلامی سے پیشتر کا بنا ہوا ہے۔ مگر اس بات کا فیصلہ مشکل ہے کہ یہ عمارت سرے سے اہل ہنود ہی کی تھی یا یہ کہ مسلمانوں نے ہندو کاریگروں سے بنوائی تھی۔ مسلمان اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے کہ اتنے بڑے بادشاہ نے اپنے چہیتے بیٹے کو کسی ہندو بت کدے میں دفن کرنا گوارا کیا ہو۔ گنبد ایک مربع پختہ احاطے کے اندر ہے۔ استرکاری بوجہ کہنگی کے سیاہ پڑ گئی ہے۔ گنبد کا چبوترا چار فٹ نو انچ اونچا ہے۔ جس پر گول قبہ بنا ہوا ہے جس کے چاروں کونوں پر برجیاں ہیں۔ گنبد میں داخل ہونے کا محراب دار دروازہ مشرق کی طرف ہے۔ صدر دروازہ احاطے کی دیوار سے تین گز ہٹ کر بغلی حجروں سے چار فیٹ کے فاصلے سے ہے جس کے اوپر ایک نشیمن سا کھڑکی ہے۔ صدر دروازہ تیس فیٹ اونچا اور ۱۲ فٹ چوڑا ہے جس کے ادھر ادھر کے در چار فیٹ پست ہیں۔ دروازے کی محراب کا حصہ زیریں

(سلسلہ متن کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۳۴۹)

---

[۱] اس شہر کا قدیم نام گوڑ تھا۔ بنگال کے ہندو راجاؤں کا دار الخلافہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ شہر کا نام لکھنوتی یعنی لکھنوتی تھا اور علاقے کا نام گوڑ بنگالہ تھا۔ سنہ ۱۲۰۴ء میں جب مسلمانوں نے ملک بنگال کو فتح کیا تو اپنا دار الحکومت اسی شہر میں رکھا اور تین سو سال تک

(بقیہ نوٹ برصفحۂ آئندہ)

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)
مسلمان بادشاہ اسی شہر میں رہے - بیچ میں کچھ دنوں بعضے بادشاہ پنڈوہ میں جا رہے تھے جس کو حضرت پنڈوہ کہتے ہیں وہ بھی مالدہ کے ضلع میں گوڑ کے قریب ہی واقع ہی -
فیروز آباد بھی اسی شہر کے نواح میں واقع تھا - شمس سراج عفیف نے لکھا ہی کہ فیروز شاہ نے سنہ ۷۵۴ھ میں لکھنوتی پر چڑھائی کی تو اُس وقت اس شہر کا نام فیروز آباد رکھا تھا لیکن یہ غلط ہی کیوں کہ اُس زمانے سے پہلے سکّوں میں فیروز آباد نام درج ہی اور اغلباً یہ نام سلطان شمس الدین فیروز بن ناصر الدین بغرا بن بلبن نے رکھا تھا - جب گنگا کی وہ شاخ جس پر یہ شہر واقع تھا سوکھ گئی اور اُس کا پانی کمی اور رستے پڑ لیا تو دلدل کے باعث شہر کی آب و ہوا بگڑ گئی بنگال کے بادشاہوں نے اپنا پایۂ تخت بدل دیا لیکن پھر بھی وہ حاکم نشیں جگہ رہی - سنہ ۱۵۳۷ء میں اُس کو شیر شاہ نے لوٹ لیا اور سنہ ۱۵۷۵ء میں منعم خاں خانخاناں نے جو اکبر کا سپہ سالار تھا اُس پر حملہ کیا - آب و ہوا کے بگڑ جانے کے سبب سے حملہ آور لشکر میں وبا پھیل گئی اور خانِ خاناں بھی وہیں مر گیا - بعضے کہتے ہیں کہ اس زمانے کے بعد پھر گوڑ بالکل غیر آباد ہو گیا لیکن یہ غلط ہی کیوں کہ ابو الفضل نے جو آئین اکبری میں اس شہر کی بابت لکھا ہی اُس سے اس کی تردید ہوتی ہی اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہی کہ شاہ شجاع کے وقت مغلئی صوبہ دار اسی شہر میں رہے - حقیقت میں یہ شہر اُس وقت غیر آباد ہوا ہی - جب شاہ شجاع نے راج محل کو بنگالے کا دار الخلافہ بنا لیا اور اُس کے بعد آباد نہیں ہوا - پچیس تیس میل مربع میں مسجدوں اور بازاروں اور محلوں کے کھنڈر اب تک نظر آتے ہیں - اُجڑنے کے بعد اس کثرت سے جنگل ہو گیا تھا کہ آدمی کو وہاں جاتے دہشت معلوم ہوتی تھی لیکن اب کچھ حصے سے جنگل صاف کیا گیا ہی اور وہاں چھوٹی چھوٹی بستیاں نکلتی چلی آتی ہیں - اُس کی اینٹوں سے انگریز آباد - مرشد آباد - مالدہ اور پُرنیا کی عمارتیں بنائی گئی ہیں - اس کے ویرانوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ کسی زمانے میں یہ شہر کلکتہ سے کم نہیں تھا اور چھ یا سات لاکھ کی آبادی رہی ہو گی - اُس کی فصیل جو فقط شمال کی طرف بنی ہوئی تھی کھود کر دیکھی گئی تو اُس کی بنیادیں سو فیٹ چوڑی ہیں اور کہیں کہیں خندق کا نشان ملتا ہی تو معلوم ہوتا ہی کہ وہ سوا سو فیٹ سے کم چوڑی نہیں تھی - فصیل کے شمال مشرقی کنارے پر ایک محل کا کھنڈر پایا جاتا ہی جو چار سو فیٹ مربع تھا اُس کو راجہ بلال سین کا محل کہتے ہیں - فصیل کے باہر بھی آبادی کے کھنڈر ہیں اُس میں ایک تالاب ساگر ڈگی سولہ سو گز لمبا اور آٹھ سو گز چوڑا ہی اب تک موجود ہی جس کی بندش پختہ اینٹوں کی ہی اور پانی نہایت صاف اور خوش گوار ہی - قلعہ کے پاس ایک تالاب پیاس باڑی نام اب تک ہی

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

(تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ)
لیکن اس کا پانی کھاری ہے کہتے ہیں کہ یہ تالاب قیدیوں کے استعمال کے واسطے بنایا گیا تھا۔ ابوالفضل نے بھی اس تالاب کا ذکر کیا ہے۔ قلعہ اور پیاس باڑی کے درمیان **سنہری مسجد** ہے جو ساٹھ گز لمبی اور بیس گز چوڑی اور بیس گز اونچی عمارت ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی چھت پر چھتیس گنبد تھے۔ ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے کہ **جنت آباد** پرانا شہر ہے۔ پہلے پایۂ تخت تھا جسے لکھنوتی اور بعضے گور کہتے تھے **ہمایوں** بادشاہ نے اس کا نام جنت آباد رکھا تھا۔ یہاں ایک بہت عمدہ قلعہ ہے اور مشرق میں ایک تالاب ہے جس کا نام **چھتیا پتیا** ہے۔ اس میں بہت سے ٹاپو ہیں اگر اس کا بند ٹوٹ جائے تو سارا شہر ڈوب جائے۔ شہر کے شمال میں ایک کوس کے فاصلے پر ایک عمارت اور حوض ہے جس کا پانی زہر کی خاصیت رکھتا ہے اس حوض کو **پیاز** (پیاس) باڑی کہتے ہیں جن قیدیوں کو مار ڈالنا منظور ہوتا تھا وہاں قید رکھتے تھے یہ پانی پی پی کر تھوڑے دنوں میں مر جاتے تھے ہمارے بادشاہ نے اس کی ممانعت کر دی"۔ **شیخ اخی سراج** کی خانقاہ بھی گوڑ میں ہے آپ سلطان المشائخ **حضرت نظام الدین** اولیاء کے خلیفہ تھے۔ یہ خانقاہ شہر کے ایک نواح میں ہے جس کو **سعد اللہ پور** کہتے ہیں ساگر ڈگی تالاب کے شمال مشرقی گوشہ پر واقع ہے آپ کا وصال سنہ ۷۵۹ھ میں ہوا۔ باہر دروازے پر ایک کتبہ ہے جس پر سنہ ۹۱۶ھ درج ہے اور یہ دروازہ **حسین شاہ** بادشاہ بنگال کا بنایا ہوا ہے۔ خانقاہ غالباً **سکندر شاہ** کی بنائی ہوئی ہے لیکن یہ بات محقق نہیں۔ کتبہ کی جگہ خالی پڑی ہوئی ہے۔ کلکتہ کے عجائب گھر میں کچھ اینٹیں گوڑ سے آئی تھیں ان میں **غیاث الدین** بن سکندر شاہ کا نام لکھا ہوا تھا اور سنہ سات سو کے اوپر کچھ اور لکھا ہوا ہے۔ کننگھم صاحب کا خیال ہے کہ پیمائش کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اینٹیں اسی کتبے کی جگہ کی ہیں لیکن یہ نرا ایک قیاس ہی قیاس ہے ممکن ہے کہ صحیح ہو کیوں کہ یہ سلطان غیاث الدین سکندر شاہ کا بیٹا تھا اور وہ بادشاہ تھا جس نے **خواجہ حافظ** کو شیراز سے طلب کیا تھا اور آپ نے وہ غزل جس کا یہ شعر ہے اس کے پاس بھیج کر آنے کا عذر کیا۔ ؎

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند زیں قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

کتابِ **اخبار الاخیار** میں لکھا ہے کہ شیخ سراج الدین عثمان المشہور باخی سراج از مشاہیر خلفاء شیخ نظام الدین است و وے از عنفوان شباب کہ ہنوز موئے ریش آغاز نہ شدہ بود در حلقۂ ارادتِ شیخ در آمدہ بود و در سلک خدمتگاران پرورش یافتہ بعد از چند سال برائے دیدن والدہ بہ مقام لکھنوتی کہ الآن بہ گور مشہور است رفت و باز بہ خدمت می رسید۔ در وقت عطائے خلافت از شیخ فرمود کہ اول حجہ

(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

سنگ سرخ کا ہے اور اجارے کے اوپر سنگ مرمر۔ ستونوں اور محرابوں وغیرہ پر جا بجا آیات قرآنی بخط نسخ و کوفی کندہ ہیں۔ چبوترا۔ دروازے کی بغلیاں۔ دیواریں اور برجیاں سب چونے گچی کی پختہ بنی ہوئی ہیں۔ دروازے پر پہنچنے کی سیڑھیاں دُہری ہیں۔ پہلے آٹھ سیڑھیاں چڑھ کر تو چبوترے پر پہنچتے ہیں اور پھر چودہ سیڑھیاں اور چڑھ کر ایک کمرے میں پہنچتے ہیں جو زمین سے چودہ فٹ اونچا ہے اور اسی میں سے گنبد کے صحن میں جا پہنچتے ہیں۔ صدر دروازے کی دونوں طرف صدر دیواریں دو محراب دار کھڑکیاں بھی ہیں اور احاطے کی دیوار کے دونوں سروں پر ایک ایک برجی ہے اس میں بھی دو دو کھڑکیاں ہیں لیکن پتھروں سے چن دی گئی ہیں۔ اس طرف کا گنبد کا ضلع سو فیٹ لمبا ہے۔ احاطے کی شمالی دیوار بھی پختہ ہے اس کے دونوں سروں پر برجیاں ہیں اور تیسری دیواریں اس کے علاوہ اور چھ کھڑکیاں تین تین ملی ہوئی ہیں۔ احاطے کی غربی دیوار شمالی رخ کے طرح کی ہے لیکن چونکہ اسی کے وسط میں مسجد بھی ہے لہذا یہ دیوار کچھ آگے بڑھی ہوئی ہے۔ احاطے کے جنوب رخ کی دیوار جا بجا سے گر گئی ہے اور اس کی بعض کھڑکیاں بھی بند کر دی گئی ہیں باقی حالت شمالی دیوار کی سی ہے۔ گنبد اندر سے بہت پر رونق اور آراستہ ہے۔ اندرونی دروازے کی دہلیز پر بہت کچھ نقش و نگار ہیں اور یہیں یہ کتبہ ہے:۔

امر ببناء هذه البقعة المبارکة السلطان المعظم شاهنشاه الاعظم مالک رقاب الامم ظل الله فی العالم ذو الامان .. سلطان السلاطین شمس

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ)
دریں کار علم است و او چنداں نصیبے از علم نیست مولانا فخر الدین زرادی عرض کرد کہ او را شمس ماہ عالم می کنم بعد ازاں مولانا فخر الدین زرادی تعلیم کرد۔ مولانا برائے او تصریف تصنیف کرد و او را عثمانی نام نہاد بعد ازاں پیش مولانا رکن الدین کافیہ و مفصل و قدوری و مجمع البحرین تحقیق کرد بعد از انتقال شیخ سہ سال دیگر تعلیم کرد و بعضے کتب از کتابخانہ شیخ وقف بود حیانہا و خلافت نامہ کہ از خدمت شیخ یافتہ بود با خود برد و آن دیار را بہ جمال ولایت خود بیار است۔
درباب او نفس شیخ چنیں رفتہ بود کہ او آئینہ ہندوستان است ۱۲

الدنیا والدین المخصوص بعنایت رب العالمین ابی المظفر ایلتمش السلطان ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ ابی الفتح محمود تغمدہ اللہ بغفرانہ بجبوبیہ جنانہ فی شہور ستہ تسع وعشرین وستمائۃ ۔

اس دروازے میں داخل ہو کر ہم ایک کمرے میں پونہچ جاتے ہیں جس میں سے صحن کا رستہ نکلتا ہے - اس کمرے کی چھت سنگ سرخ کی ہے مگر دیواریں سنگ مرمر کی ہیں - باہر وار سے بغلیوں کے دروازے کا جو حصہ نظر آتا ہے وہ در حقیقت دو چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیوں کی شرقی دیوار ہے جو بڑے کمرے کے ادھر اُدھر ہیں۔ ان دونوں کوٹھڑیوں کی دیواریں اور چھت سب سنگ مرمر کی ہیں جس میں چار چار ستون ہیں - صحن میں پونہچ جانے کے بعد ایک پٹا ہوا حصہ ہے جس میں چھ دیوار دوز ستون ہیں اور چھ ستون چھ چھ فیٹ کے فاصلے سے ہیں یہ دالان دیوار کی ساری لمبان کی برابر نہیں ہے بلکہ صرف ۴۴ فٹ لمبا ہے - اس کے مقابل میں احاطے کی غربی دیوار سے ملا ہوا ایک اور دالان ہے جو شمال سے جنوب کی طرف جا کر احاطے کی دیوار سے جا ملا ہے - ان دونوں دالانوں کے ستونوں میں نخیں ہیں - مغرب رخ کے دالان میں چودہ دیوار دوز ستون ہیں جس کی شکل ایک پست گنبد کی سی ہے جس میں آگے نکلے ہوے نقشین پتھر ہندوانی وضع کے لگے ہوے ہیں - اسی دیوار کے بیچوں بیچ ایک تین در کی چھوٹی سی مسجد ہے - اس مسجد کے دونوں طرف سنگ مرمر لگا ہوا ہے باقی لال پتھر ہے - مسجد کی دونوں جانب دو دالان سنگ مرمر کے ہیں جن میں بارہ ستون ہیں - ان کا وہ حصہ جو مسجد کے محاذی ہے سنگ مرمر کا ہے باقی سنگ سرخ کا - ان دو دالانوں کے سوا سنگ مرمر کے چار ستون بطور مسجد کے لگے ہیں - اس طرح مسجد میں سنگ مرمر کے سات ستون ہوے تین تو دروں کے سامنے اور دو دو ادھر اُدھر - مسجد دس فیٹ مربع ہے - چھت مثمن شکل کی سنگ سرخ کی قبہ نما ہے - چبوترا چھوڑ کر گنبد ۱۴ فٹ اونچا پانچ پہلو کا بنا ہوا ہے - مسجد کی دیواروں اور محرابوں میں سنگ مرمر لگا ہوا ہے اور مختلف اقسام کے طغرے آیاتِ قرآنی کے منقوش ہیں - مغربی جانب کے احاطے کی دیوار کی کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں - جنوبی رخ کی دیوار کے اندرونی رخ پر بیچ میں چراغ

جالے لنے کے طاق بنے ہوئے ہیں - شمالی دیوار میں کوئی خاص بات نہیں - احاطے کے چاروں کونوں پر چو نوک دار برجیاں ہیں وہ ہندوانی وضع کی ہیں - ناصرالدین کی قبر ایک پست ہشت پہلو غار میں ہے - اس غار میں ستون کھڑے کر کے بڑی مضبوطی سے پاٹ کر چھت پر ہشت پہلو چبوترہ ۷ ½ فٹ × ۴ فٹ اونچا بنا دیا ہے - یہاں کوئی روشن دان نہیں ہے اور تہ خانے میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے - اس تہ خانے میں تیرہ سیڑھیاں اتر کر جانا پڑتا ہے جو چھبیس فیٹ عمیق اور اٹھارہ فیٹ چوڑا ہے جس میں سنگ خارا لگا ہوا ہے - اس چھت کی سنبھال کو چودہ ستون لگائے ہیں جن میں سے آٹھ دہرے ستون تو دیواروں سے لگے کھڑے ہیں اور چار اکہرے ذرا دیوار سے الگ ہیں - یہ ستون سلطان التمش کے زمانے کے ہیں - اس تہ خانے کے ہشت پہلو اضلاع ہیں سے ہر ضلع میں دو دو طاق ہیں - تہ خانے کا عمق ۱۶ فٹ ہے جو بلحاظ طول وعرض ۲۵ فٹ ۹ انچ مربع ہے مگر ساخت اس کی ہشت پہل ہے - داخلی دروازہ جس کو کھڑکی کہنا چاہیئے جنوب کی طرف ۳ فٹ ۹ انچ اونچا اور صرف دو فیٹ چوڑا ہے - اوپر چبوترا ہشت پہل ہے جس کا ہر ضلع ۱۰ فٹ ۴ انچ ہے - اندر چار قبریں ہیں چونے گچی کی جن پر عرس کے موقع پر جو ۱۷ - ۱۸ - ذی قعدہ کو ہوتا ہے سفیدی کر دی جاتی ہے -

(۱) ۹ فٹ - ۷ انچ × ۶ ½ فٹ طول وعرض - ۵ فٹ - ۴ - انچ بلند ہے سلطان غاری کی قبر ہے جو سب سے بڑی اور تہ خانے کی مغربی دیوار سے ملی ہوئی ہے -

(۲) ۸ فٹ چار انچ × ۵ - بلندی ۴ فٹ - اسی کے پائیں ہیں -

(۳) ایک چھوٹی سی قبر سیڑھیوں سے ملی ہوئی کسی بچے کی ۳ فٹ - ۹ انچ × ۲ فٹ - ۱ فٹ - ۷ - انچ بلند ہے -

(۴) ۶ ½ فٹ × ۷ فٹ - ۲ - انچ - بلندی ۳ فٹ - ۸ - انچ -

مسجد کا ذکر اوپر آچکا ہے صرف اس کا پیش طاق رہ گیا ہے - سلطان غاری کی قبر گویا اسی مسجد کے صحن میں ہے - یہ سارا پیش طاق سنگ مرمر کا ہے جس پر پہلے کلمہ ادھر ادھر الله الله پھر وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احدا اس کے نیچے الله - اس کے گرد خط کوفی میں آیات ہیں جو پڑھی نہیں جاتیں پھر

(۱) اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ تا فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۔

(۲) خط کوفی ۔ سوائے بسم اللہ کے کچھ پڑھا نہیں جاتا ۔

(۳) اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا تا وَکَانَ ذٰلِکَ عِنْدَ اللّٰہِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۔

ستون سنگ مرمر کے ہیں ۔ فرش گچ کا ہے پہلے سنگ مرمر کا تھا جس کی سلیں کہیں کہیں باقی ہیں ۔ پیش طاق کا قطعہ ۱۵ فٹ ۔ ۷ انچ × ۱۲ فٹ × ۲ ۔ انچ ہے ۔ حصۂ مسجد کے چھ در ادھر چھ اُدھر بیچ میں پیش طاق ہے ۔ صحن مسجد ۷۶ × ۶۹ ہے ۔ دالان کا سقف حصہ ۷۶ × ۲۶ ½ ۔ پیش طاق کے آگے سنگ مرمر کے چار ستونوں کا برآمدہ ہے ۔ کمپونڈ وال دس فیٹ اونچی ہے جس میں طاق طاق ہیں اس پر چڑھنے کا بارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے ۔ اس احاطے کے چاروں کونوں پر برجیاں ہیں ۔ مسجد کے صحن کے سامنے شرق رویہ ایک بیچ درہ ہے جس میں صدر دروازہ ہے اور جس کے ادھر اُدھر دو دو در ہیں ۔ سات سیڑھیاں اُتر کے صدر دروازے میں پہنچتے ہیں ۔ ان سیڑھیوں میں ایک سنگ سرخ کی ہے ایک سنگ مرمر کی ۔ صدر دروازہ شرق رویہ پٹ چوبی ہیں مگر بعد کے ۔ صدر دروازے کے ہر دو جانب بغلی میں ایک ایک درہ ۶ فٹ ۔ ۱۰ انچ مربع ہے ۔ صدر دروازے کی سیڑھیاں بیس ہیں ۔ دروازے کی محراب کی بلندی ۲۲ فٹ ۔ کنگورا دو فیٹ ۔ چبوترا ۴ فٹ ۔ ۹ انچ ۔ جملہ ارتفاع ۲۸ فٹ ۔ ۹ ۔ انچ ۔ چوڑائی دروازے کے بیرونی حصے کی ۱۰ فٹ ۔ ۵ انچ ۔ اندر سے چوڑائی ۵ فٹ ۔ ۸ انچ ۔ بلندی اندر سے ۸ ½ فٹ ۔ صدر دروزے کی چوکھٹ سنگ مرمر کی ہے جس کے چاروں طرف کتبے ہی کتبے ہیں ایک کتبہ تو ہم اوپر لکھ آئے ہیں باقی یہ ہیں :۔

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اِنَّمَا یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر تا اَنْ یکونوا من المھتدین ۔

(۲) خط کوفی کا وہی کتبہ جو اوپر لکھا گیا ۔

(۳) بسم اللہ اور آیۃ الکرسی تا ھم فیھا خالدون ۔

ہشت درہ

سلطان غاری کی درگاہ سے جنوب رخ سے ملا ہوا سنگ خارا کا



نقشہ دروازہ سلطان محمود غوری غازی

ایک کھلا ہوا ہشت درہ ۱۷ فٹ قطر کا ہے۔ فرش باقی نہیں رہا قبر کا صرف نشان ہی نشان رہ گیا ہے۔ دروں کے سردل بوجہ سے سب اتر خ گئے اس سبب سے ہر در میں ایک ایک فیل پایہ کھڑا کرکے چھت کو اڑواڑ لگا دی ہے جس سے چھت تھم گئی ورنہ کبھی کی گر جاتی۔ آٹھ اصلی ور سنگ خارا کے نو فیل پائے نو احداث اب اس طرح سترہ در ہوئے۔ ہشت درہ ہشت پہلو عمارت ہے جس کے گرد سلون کا چوڑا چھجہ تھا جو جا بجا سے گر گیا ایک آدھ سل رہ گئی ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس کا مقبرہ ہے۔

منہدمہ مکانات سلطان غاری کا مقبرہ ویرانہ میں نہ تھا جیسا کہ اب ہے بلکہ آبادی کے بیچوں بیچ میں تھا یا یہ کہ اس گنبد کی وجہ سے آبادی ہو گئی ہو بہر حال اس کے چو طرف دور دور عمارتوں کے کھنڈر پھیلے ہوئے ہیں۔ گنبد کے پاس ہی دو بڑے بڑے احاطوں میں مکانات پھیلے ہوئے ہیں۔ ان مکانوں کی صرف چار دیواریاں رہ گئی ہیں۔ ایک چھوٹی مسجد بھی تھی جس کی صرف غربی دیوار رہ گئی ہے باقی گر گئی۔

بڑی مسجد اور ایک بہت بڑی مسجد غار کے مشرق میں ہے جس کی پشت غار کی جانب ہے۔ یہ مسجد پنج دری تہرے دالانوں کی ہے۔ باہر والے دالان کا شمالی رخ کا ڈیڑھ گنبد گر گیا ہے۔ مسجد کا طول ۶۰ فٹ اور تینوں دالان ملا کے چوڑان ۲۹ فٹ ہے۔ دروں کی چوڑان ۱۰ فٹ ۳ انچ ہے۔ تینوں دالانوں کے کل در پچیس ہیں۔ فرش اور منبر باقی نہیں رہا۔ یہ مسجد سنگ خارا اور چونے کی ہے۔

دو محلوں کے کھنڈر اوپر والی مسجد کے سامنے ایک بڑے عالیشان اور وسیع محل کی چار دیواری کھڑی ہے جس کے اندر دالانوں کمروں کوٹھڑیوں کی دیواریں کھڑی مکان کی پوری حیثیت

شان اور وسعت بتلاتی ہیں صرف چھت نہیں ہے۔ صحن بھی وسیع ہے جس کے چاروں طرف دالان اور پیش دالان تھے۔ اس سے ملا ہوا شمال کی جانب ایک اور محل ہے جو سارے کا سارا گر گیا اب صرف بے چھت کا ایک دالان رہ گیا ہے جس کے تین در کھڑے ہیں اور ادھر اُدھر بغلی حجروں کی دیواریں۔ یہ دونوں محل بھی سنگِ خارا اور چونے کے ہیں۔ باقی چھوٹے موٹے گرے پڑے مکانوں کا کچھ شمار نہیں۔

غرض یہ کہ سلطان غازی کا مزار جس طرح اب ویرانے میں ہے کہ انسان کا نام نہیں اکیلے جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے پہلے اس کی یہ حالت نہ تھی بلکہ گنجان آبادی کے بیچوں بیچ میں تھا۔

رکن الدین فیروز شاہ اور معز الدین بہرام شاہ کے مقبرے ۶۳۸ھ ۱۲۴۰ء

بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند
کز ہستیش بروئے زمیں یک نشاں نماند
واں پیر لاشہ را کہ سپردند زیر خاک
خاکش چناں بخورد کزو استخواں نماند

رکن الدین فیروز شاہ سلطان شمس الدین التمش کا بیٹا تھا جو باپ کی جگہ شعبان ۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء میں تخت پر بیٹھا۔ وہ تو ملک اعزاز الدین حاکم ملتان کی تنبیہ کو پنجاب کی طرف روانہ ہوا اس کے پیچھے امراء و ارکانِ سلطنت نے سازش کر کے جھٹ سلطان رضیہ بیگم کو تخت پر بٹھا دیا۔ بادشاہ یہ خبر سن کر عجالۃً واپس آیا۔ یہاں آکر دیکھا بساط اُلٹ گئی تھی۔ کلوکھری کے میدان میں لڑائی ہوئی گرفتار ہوا اور قید میں ہی ۶۳۵ھ ۱۲۳۶ء میں مر گیا۔ اس نے صرف ۶ ماہ ۲۸ یوم سلطنت کی۔ مرنے کے بعد اپنے بڑے بھائی سلطان ناصر الدین محمود شاہ کے مقبرے کے قریب ہی موضع ملک پور میں ایک دوسرے گنبد میں دفن کیا گیا۔ رضیہ بیگم کے بعد ۲۸ رمضان ۶۳۷ھ ۱۲۴۰ء میں بروز شنبہ معز الدین بہرام شاہ سلطان التمش کا چھوٹا بیٹا تخت نشین ہوا۔ وہ بے چارہ دو سال ایک مہینے دو دن ہی سلطنت کرنے پایا تھا کہ نظام الملک مہذب الدین اور دوسرے امرا بادشاہ

دلّی میں محصور کرلیا اور تین مہینے تک ہر روز لڑائی رہی آخرکار بادشاہ کو پکڑکر ماہِ ذی قعدہ ۶۳۹ھ / ۱۲۴۲ء میں مارڈالا اور وہ بھی یہیں ایک گنبد میں دفن کیا گیا۔

شربت سلطنت و جان و جہاں شیریں است
کہ شہاں از پئ او خونِ برادر ریزند
خونِ آزادہ دلاں راز پئ ملک مریز
کہ ترا نیز ہماں جرعہ بساغر ریزند

رکن الدین کا مقبرہ معز الدین بہرام شاہ نے ۶۳۸ھ / ۱۲۴۱ء میں بنوایا اور معز الدین بہرام شاہ کا مقبرہ علاء الدین مسعود شاہ پسر رکن الدین فیروز شاہ نے ۶۳۹ھ / ۱۲۴۲ء میں بنوایا۔ سرسید دونوں مقبروں کی تعمیر میں ایک سال کا آگا پیچھا بتلاتے ہیں لیکن یقینی طور پر نہیں معلوم ہوسکتا کہ رکن الدین کا مقبرہ کون سا ہے اور بہرام شاہ کا کون سا۔ اسی واسطے دونوں کا ذکر یکجائی طور پر کیا گیا ہے۔ دونوں گنبد ساخت میں بالکل ایک ہی وضع قطع کے ہیں۔ ان کے گنبدوں میں پتھر کی سلیں لگی ہوئی ہیں جن کے اوپر استرکاری ہے۔ گنبدوں میں آٹھ در ہیں۔ ہر گنبد کے گرد ایک چھوٹی سی سنگ بست پست چاردیواری ہے جس کے مشرقی جانب ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ گنبدوں کے اندر اب کوئی قبر باقی نہیں ہے نہ کوئی کتبہ ہے۔ اگرچہ مہرولی کے گائیڈ بتلاتے ہیں کہ یہ فلاں کا مقبرہ ہے وہ فلاں کا مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ ہم کسی گنبد کو کسی ایک شخص سے مخصوص کرسکیں ہاں اتنا ضرور ہے کہ دونوں گنبد التمش کے بیٹوں اور دونوں بھائیوں کے ہیں۔ ان گنبدوں کے ستون تو کسی قدیم عمارت کے معلوم دیتے ہیں اور گنبد اس کے بعد کے بنے ہوئے نظر آتے ہیں مسٹر ٹرلیٹ ان گنبدوں کو فیروز شاہ کے بنوائے ہوئے کہتے ہیں کیوں کہ ان گنبدوں کی وضع قطع اہلِ ہنود کے قدیم زمانے کے گنبدوں سے مختلف ہے چنانچہ انھیں کے بھائی سلطان غاری کے گنبد کو ہی دیکھ لیجیے

جو یہیں پاس کے پاس کھڑا ہی اور جس کی وضع ان سے بالکل الگ ہی اور صاف طور پر یہ گنبد زمانۂ مابعد کے بنے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔ اور بن گھڑے پتھروں کے بنے ہوئے ہیں جو خاص کر فیروزشاہی طرز تھا البتہ پتھر کی بڑی بڑی سلیں جو ستونوں کے اوپر چڑھی ہوئی ہیں وہ اُس زمانے کی نہیں معلوم دیتیں۔ مسٹر نگلران گنبدوں کو مسلمانوں کی ایک معمولی طرز کی عمارت بتلاتے ہیں کیوں کہ سلطان التمش کے زمانے سے مسلمان اس طرز سے واقف ہو چکے تھے مسٹر نگلر نے ان مقبروں کی مرمت جو فیروزشاہ نے کرائی تھی اُس کا کچھ ذکر ہی نہیں کیا۔ خود فیروزشاہ نے تاریخ میں لکھا ہی کہ "مقبرۂ سلطان معزالدین پسر سلطان شمس الدین جو ملک پور میں ہی بالکل گر پڑا تھا حتی کہ قبر کا نشان تک باقی نہ رہا تھا۔ میں نے گنبد چبوترے اور احاطے کی تعمیر از سر نو کرائی سلطان رکن الدین پسر شمس الدین کے مقبرے واقع ملک پور کے احاطے کو میں نے بنوایا۔ نیا گنبد طیار کرایا اور ایک خانقاہ بنوائی"

تیسرا باب قطب صاحب تغلق آباد

پانچ میل کا فصل ہی سیدھی سڑک ہی۔ رستے میں لاٹ سے نکلتے ہی لاڈو سرائے ملتی ہی پھر داہنی طرف دو میل چھ فرلانگ پر سید العجائب کی بستی ذرا سڑک سے ہٹی ہوئی۔ ساڑھے تین میل پر خان پور چھٹے میل پر تگلی ہی یہ دونوں گاؤں بھی سڑک کی سیدھی طرف ہیں اس کے بعد قلعۂ تغلق آباد بائیں طرف تغلق شاہ کا مقبرہ داہنی طرف آگے تغلق آباد کی بستی۔ قلعہ سے تین میل آگے بدر پور ہی اور یہیں تغلق آباد نام کا ریلوے سٹیشن ہی جو قلعہ سے چار میل اور دلی سے براہِ ریل بارہ میل ہی۔

حضرت قطب صاحب کا چلہ لاٹ سے چلتے ہی پہلے حضرت قطب صاحب کے چلے کا متبرک مکان ملتا ہی جو بالکل سڑک کے کنارے داہنی طرف ہی

اور لاڈو سرائے بائیں طرف۔ یہ ایک لداوی چھتے نما مکان ہے تین در کا ۲۵×۸ فٹ بلندی محراب ۷ فٹ۔ تینوں حجرے الگ ہیں پہلا حضرت باباصاحب فریدالدین گنج شکر کا چلہ ہے دوسرا حضرت قطب صاحب کا اور تیسرا خالی ہے۔ چلہ شریف کے سامنے کا صحن ۴۰ فٹ مربع ہے۔ شمال کی جانب مسجد کا ایک چبوترہ ہے۔ تین درخت نیم کے ہیں۔ حضرت قطب صاحب کے چلے کے در میں آہنی سلاخیں لگادی گئی ہیں۔ اس احاطے کے دو دروازے ہیں شمال میں ایک دوسرا جنوب میں دونوں کو لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہیں۔ احاطے کی دیوار گیارہ فیٹ بلند ہے۔

لاڈو سرائے عرف چنڈال پور

چلہ شریف سے دو سو قدم پر بائیں طرف لاڈو سرائے کی بستی ہے لوگ اسے خدا جانے کیوں چنڈال پور بھی کہتے ہیں۔ اس نواح میں سرائے کے نام پر بہت سی بستیاں ہیں مگر سرائے کسی میں بھی نہیں

شیخ شہاب الدین کی مسجد

یہ ایک بہت بڑی سہ دری قنائی مسجد ایک وسیع احاطے کے اندر ہے۔ دیوار پر برجیاں اور کنگورے بنے ہوئے ہیں۔ خواجہ شہاب الدین کے نام سے یہ مسجد مشہور ہے۔ مسجد کے بڑے احاطے کے اندر ایک چھوٹی سی چار دیواری کے اندر بہت سی قبریں ہیں۔ پیلو کے درخت کے نیچے دو قبریں ہیں جن پر زمانہ حال میں کتبے نصب کیے گئے تھے جو کسی وجہ سے اکھاڑ لیے گئے۔ اسی احاطے میں ذیل کی قبور ہیں:-

(۱) مولانا شہاب الدین امام اول سلطان المشائخ۔ آپ شیخ فریدالدین قدس سرہ کے فرزند تھے علوم وفنون وفضائل سے آراستہ۔

(۲) رکن الدین[1] امام دوم ایضاً

(۳) شیخ ستو بیک (۴) فریدالدین چاک پڑاں۔

---

[1] شیخ رکن الدین ابو الفتح بن شیخ صدر الدین بن شیخ الاسلام بہاؤالدین صاحب

(بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

(بقیہ نوٹ صفحۂ گذشتہ)
سجادہ راستین بہاءالدین است ۔ در مناقب صوفیہ کہ یکے از مریدان ایشان تصنیف کردہ است ذکر او بسیار می کند و در مجمع الاخبار می نویسد من ملفوظاتہ فی بعض رسائلہ الی بعض المریدین مقرر آں عزیز باد کہ مجموع آدمی عبارت است از دو چیز صورت و صفت و حکم مر صفت راست نہ صورت را إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ (اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ دیکھتا ہے تمہارے دلوں کو) اما ظہور حکم صفت بر سبیل تحقیق خبر در دار آخرت صورت نہ بندد وچہ آنجا حقائق اشیا ظاہر گردد و ایں صورت متلاشی شود و ہر کس را در صورتیکہ ملائم صفت او باشد حشر کنند چنانچہ بلعم باعورا یا چنداں طاعت در صورت سگے برانگیزند فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (اس کی مثال کتے کی سی ہے) و ہمچنیں صاحب ظلم و تعدی خویشتن را در صورت گرگے بیند و صاحب کبر در صورت پلنگے و صاحب بخل و حرص در صورت خوکے فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (جو پردہ تیری آنکھوں پر پڑا تھا اب ہم نے تیرے (اس) پردے کو تجھ پر سے ہٹا دیا تو آج تیری نگاہ بڑی تیز (معلوم ہوتی) ہوتی) و ایں باشد و تا آں نگاہ کہ مردم ازیں اوصاف ذمیمہ تزکیہ نیابد ہنوز در اعداد بہائم و سباع است أُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (یہ لوگ چارپایوں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہوئے) و تزکیہ نفس حاصل نشود مگر بہ التجا و استعانت حضرت وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ (اور میں (بھی بندہ بشر ہوں) اپنی نسبت نہیں کہتا کہ میں (فرشتوں کی طرح) پاک صاف ہوں کیونکہ نفس (انسانی) تو آدمی کو بدی ہی سکھاتا ہے (ہمیشہ بُرا کام ہی کرنے کو کہتا رہتا ہے) مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے کچھ شک نہیں کہ میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے) تا فضل و رحمت او دستگیری نکند تزکیہ حاصل نشود وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا[۱] و علامت ظہور ایں فضل و رحمت آنست کہ او را بعیوب نفس خود بینا کند و پرتوے از انوار عظمت الٰہی کہ ہمہ مکونات و جنب آں متلاشی است بر درونہ او بتابد تا ہمہ دنیا و بزرگی ہائے آں در نظر او خاک بود و اہل آں نزد او در دل وی سگے نماید چوں ایں حالت بدرونہ مستولی گشت ہر آئینہ از اوصاف سبعی کہ ارباب دنیا بداں گرفتار اند او را نفرت آید و خواہد کہ بجائے آں اوصاف اخلاق ملکی روے نماید چنانچہ بجائے ظلم و غضب و کبر و بخل و حرص ہمہ عفو و حلم و تواضع و سخاوت و ایثار پدید آید و ہنوز ایں معاملت طلاب عقبی راست کار طالبان حق بالاتر ازیں است تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ (اللہ کے سے اخلاق اختیار کرو) ایشاں را مسلم است فہم ہر کس بداں نرسد

عہدیست مرمرا کہ نگیرم بجز تو دوست ۔ شرطیست مرمرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ

و نیز در مجمع الاخبار می گوید کہ شیخ رکن الدین در بعضے رسائل خود کہ بہ بعضے مریداں فرستادہ نوشتہ است

[۱] اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کا کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک (وصاف) نہ ہوتا ۱۲ بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ ۔

بقیہ نوٹ بر صفحۂ آئندہ

وقتے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ می فرمود کہ ہرگز من با کسے نیکوئی و بر کسے بدی نکردہ ام
حاضران آن مقام ازان کلام تعجب تمام نمودند و گفتند یا امیر المومنین شاید کہ بدی بر کسے از شما
در وجود نیامدہ باشد فاما در نیکی چہ می فرمایند فرمود حق جل وعلا می فرماید مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ
وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا پس ہر نیکی و بدی کہ از من صادر و حادث شدہ باشد در حقیقت بر آں خود
و بر خود بود نہ بر دیگرے — من وصایا الشیخ متابعت بر اعمال آنست کہ جوارح را از مناہی و
منکارہ شرعی قولاً و فعلاً بند کند و از مجلس لایعنی پرہیزد و ہر چہ طالب را از حق مشغول کند لایعنی
دفت اوست و از صحبت بطالاں احتراز کند و ہر کہ طالب حق نیست بحقیقت بطال است — در
مجمع الاخبار می نویسند کہ در دورے سلطان شہید غیاث الدین تغلق شاہ از مولنا ظہیر الدین لنگ پرسید
کہ وقتے از کرامات شیخ معائنہ کردہ مولنا گفت روز جمعہ خلق را دیدم کہ برائے قدم بوس مجمع کردہ اند
در خاطر من گزشت مگر خدمت شیخ تسخیر دارد من نیز دانشمندم ہیچ کس بمن توجہ نمی کند بامداد خدمت
شیخ بروم این مسئلہ از خدمت ایشاں پرسم کہ حکمت در سنت مضمضہ و استنشاق چیست چوں
شب بخفتم در واقعہ خدمت شیخ حلوا در حلق من می کند چنانچہ تا روز شیرینی آنرا واجد بودم فکر کردم
کرامت ہمچنین است کہ شیطان ہمچنیں عوام را از راہ می برد پگاہ ترمی باید رفت و مسئلہ باید پرسید چوں
پگاہ بخدمت شیخ آمدم فرمود منتظر شما بودم بعدہ سخن آغاز کرد کہ جنابت بر دو نوع است جنابت اول
و جنابت تن — جنابت تن از صحبت با زن حاصل شود و جنابت دل بہ صحبت ناہموار — جنابت تن پاک
بہ آب شود اما جنابت دل بہ آب دیدہ محو گردد بعدہ فرمود کہ آب را سہ صفت باید تا مطہر افتد و مزیل
جنابت باشد و آں سہ صفت لون و طعم و ریح است لہذا شرع بریں نوع مضمضہ و استنشاق در
وضو مقدم فرمود تا طعم بمضمضہ تحقیق شود و بوئے بہ استنشاق باز فرمود کہ شیطان چنانچہ
صورت نبی نتواند شد بہ صفت شیخ حقیقی ہم نتواند شد زیرا کہ او را متابعت کامل نبی حاصل شود
و بعدہ فرمود مولنا ظہیر الدین از علوم قالی مالی ہستی اما از علوم حالی خالی ہستی — شیخ در زمان
سلطان قطب الدین بن علاء الدین بدہلی تشریف آوردہ بود — شیخ نظام الدین در آں زمان
بر مسند ارشاد و تربیت جا داشت برائے استقبال او از مقام خود تا حوض علائی رفت چوں مجلس
سلطان قطب الدین را بحضور شریف خود مشرف ساخت پرسید کہ کدام کس از اہل شہر شما را
اول استقبال کرد فرمود کسیکہ بہترین اہل شہر است و سلطان را با شیخ نظام الدین نقارے
درمیان بود — بعضے گویند کہ مقصود او از طلبیدن شیخ رکن الدین رغم و کسر شیخ نظام الدین بود و

ولہ جو شخص عمل نہ کرتا ہو تو خاص اپنے (نقصان کے) لیئے اور جو بدی کرتا ہے تو (اس کا) وبال اسی پر ۱۲ (بقیہ نوٹ بر صفحہ ۳ ... م)

شیخ مخدوم حیدر کا مقبرہ لاڈو سرائے کے پاس ہی سڑک کی داہنی طرف ایک معمولی سا گنبد ۱۹ فٹ مربع شیخ مخدوم حیدر کسی بزرگ کا ہے جن کو حضرت نظام الدین اولیا کے خلیفہ کہتے ہیں۔ اس کا ایک ہی چھوٹا سا دروازہ اور اندر ایک ہی قبر ہے۔ آپ کا عرس دلّی کے صابن گر لوگ کرتے ہیں آپ کے پچھواڑے ذرا سا حضرت شاہ طیفور شامی کا مزار ہے۔

سید العجائب یا سید الحجاب اب سید العجائب نام کا گاؤں ہے بعض لکھے پڑھے لوگ صحیح نام سید الحجاب کہتے ہیں حاجب کے معنے تو دربان کے ہیں لیکن حاجیوں کے سیر قافلہ ہونے سے ان بزرگ کا یہ نام پڑا ہے۔

(تتمۂ نوٹ بر صفحۂ گزشتہ)

شیخ رکن الدین بایں کلمہ رفع توہم او کرد و اوراز ایں توقع ناامید ساخت۔ یکبار شیخ رکن الدین در مرض بجہت عیادت شیخ نظام الدین آمد فرمود کہ عشرۂ ذی الحجہ است ہر کس بجہت دریافت سعادت حج سعی می کند من سعی کردم تا سعادت زیارت شیخ المشایخ دریابم۔ بعد از اں شیخ نظام الدین رحلت فرمود نماز جنازہ را شیخ رکن الدین حاضر شد و گفت کہ ظاہراً حکمت آں کہ مارا سہ سال در دہلی داشتند حصول ایں نعمت بود در ادنی مدت رجوع بوطن اصلی فرمود۔

۲ شیخ مسعود بک از اقربائے سلطان فیروز است نام اصل او شیر خان است در لباس اغنیا و اہل دولت بود ناگاہ جذبۂ از جذبات حق گریبان گیر حال او شد و بخدمت درویشاں در حلقۂ صحبت ایشاں آمدہ مرید شیخ رکن الدین بن شہاب الدین امام شد۔ بغایت حالت سکر داشت و ہر از مستان بادۂ وحدت و محرم خمخانۂ حقیقت است سخن مستانہ می گوید۔ در سلسلۂ چشتیہ ہیچ کس ایں چنیں اسرار حقیقت را فاش نگفتہ و مستی نکردہ کہ او کرد و بگویند کہ اشک او بحدے گرم بود کہ اگر بر دست کسے می افتاد می سوخت۔ در علم تصوف و توحید تصنیفات بسیار دارد و دیوان و اشعار دارد و قصائد و غزل و باقی اقسام سخن در کتاب او موسوم بہ تمہیدات است اکثر قصائد و اشعار امیر خسرو را جواب گفتہ اگرچہ در بعضے مواضع طریقۂ شاعری نامرعی ماندہ اما بعضے سخنان متین شاعرانہ نیز آمدہ۔ مرآۃ العارفین نیز از تصنیف اوست (از اخبار الاخیار)

۳ فرید الدین چاک پراں ۔ آپ کا حال کسی کتاب میں نہیں ملا لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر حالت بہت شدت سے طاری ہوتی تھی اس واسطے آپ کے گلے میں کمہار کا چاک ڈال دیتے تھے مگر اس کو بھی لیکر آپ اڑ جاتے تھے

واللہ اعلم بالصواب

کسی کتاب میں آپ کا حال احقر کی نظر سے نہیں گزرا۔ اس گاؤں میں سوا ہندوؤں کے مسلمان کا نام نہیں ہے۔ موضع سے بجانب شمال کوئی ایک میل پر ایک اونچے ٹیلے پر ایک پختہ چبوترہ ۸۰×۱۲۰ فٹ کا بنا ہوا ہے جس کے بیچ میں پانچ قبریں سنگ خارا کی ہیں اور تین چونے کی۔ دو قبروں کے بیچ میں جو ایک قبر ہے اُسے سید العجائب رحمۃ اللہ علیہ کی بتلاتے ہیں لیکن کوئی کتبہ نہیں۔ چبوترے کے مغربی رخ پر ۹۰×۷ فٹ دیوار ہے جس میں جالیاں بنی ہوئی ہیں جو شکل ایک قناتی مسجد کی ہے۔

اب گاؤں میں چلئے تین چھوٹے چھوٹے گنبد برابر برابر ایک ہی لین میں ہیں جن میں گاؤں کے لوگ رہتے ہیں باقی گری پڑی عمارتوں کے کھنڈر ہیں جن میں کوئی خاص بات نہیں۔ گاؤں کے پچھواڑے ایک دو گھی پختہ سہ دری سنگ خارا کی مسجد ۳۱ ½ × ۱۰ فٹ ۳ انچ ہے جس کے اندر دار کو چھ برج ہیں سب کھنڈر ہوئے ہیں سنگ خارا کا ایک بارہ کھمبا مدوّر بنا ہوا ہے بینڈ سٹینڈ کی طرح کا جس کے اندر تین قبریں ہیں مسجد کے سامنے ایک وسیع صحن قبرستان کا ہے جس میں سنگ سرخ کی تعویذ کی متعدد قبریں ایک ہی کینڈے کی ہیں اور بہت پرانی ہیں جن پر کلمۂ طیبہ اور سورۂ اخلاص کندہ ہے اور جن پر خاص کتبے ہیں وہ ہم نقل کر دیتے ہیں:۔

(۱) اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنْ عَبْدِکَ الْمُشْفِقِ عَلٰی نَفْسِہٖ

(۲) بِخَطِیْئَتِہٖ الْمَعْرُوْفِ بِحُرْمَۃِ اَبُوْبَکْرِ بْنِ مَعْرُوْفِ بْنِ وَحِیْدِ الْقُرَشِیِّ۔

(۱) یَاکَرِیْمَ الْمَعْرُوْفِ یَاقَدِیْمَ الْاِحْسَانِ۔

(۲) اَحْسِنْ اِلَیْنَا بِاِحْسَانِکَ الْقَدِیْمِ۔

(۱) اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ
اَلدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ تا فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۔ پارہ (۳) سورۂ آل عمران ع

(۲) آیۃ الکرسی پوری۔

(۱) شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملائکۃ واولوا العلم قآئمًا بالقسط تا و
ھو العزیز الحکیم

(۲) رَبَّنَا رَبَّنَا رَبَّنَا اٰتِنَا اَنْبِتْہُ فِی الْاِسْلَامِ نَبَاتًا حَسَنًا وَاسْکِنْہُ جَنَّاتِہٖ حَسَنًا
یَامُحْسِنَ الْخَلْقِ اَحْسِنْ اِلَیْہِ وَاجْعَلْہُ بَعْدَ مَوْتِہٖ حَسَنًا۔

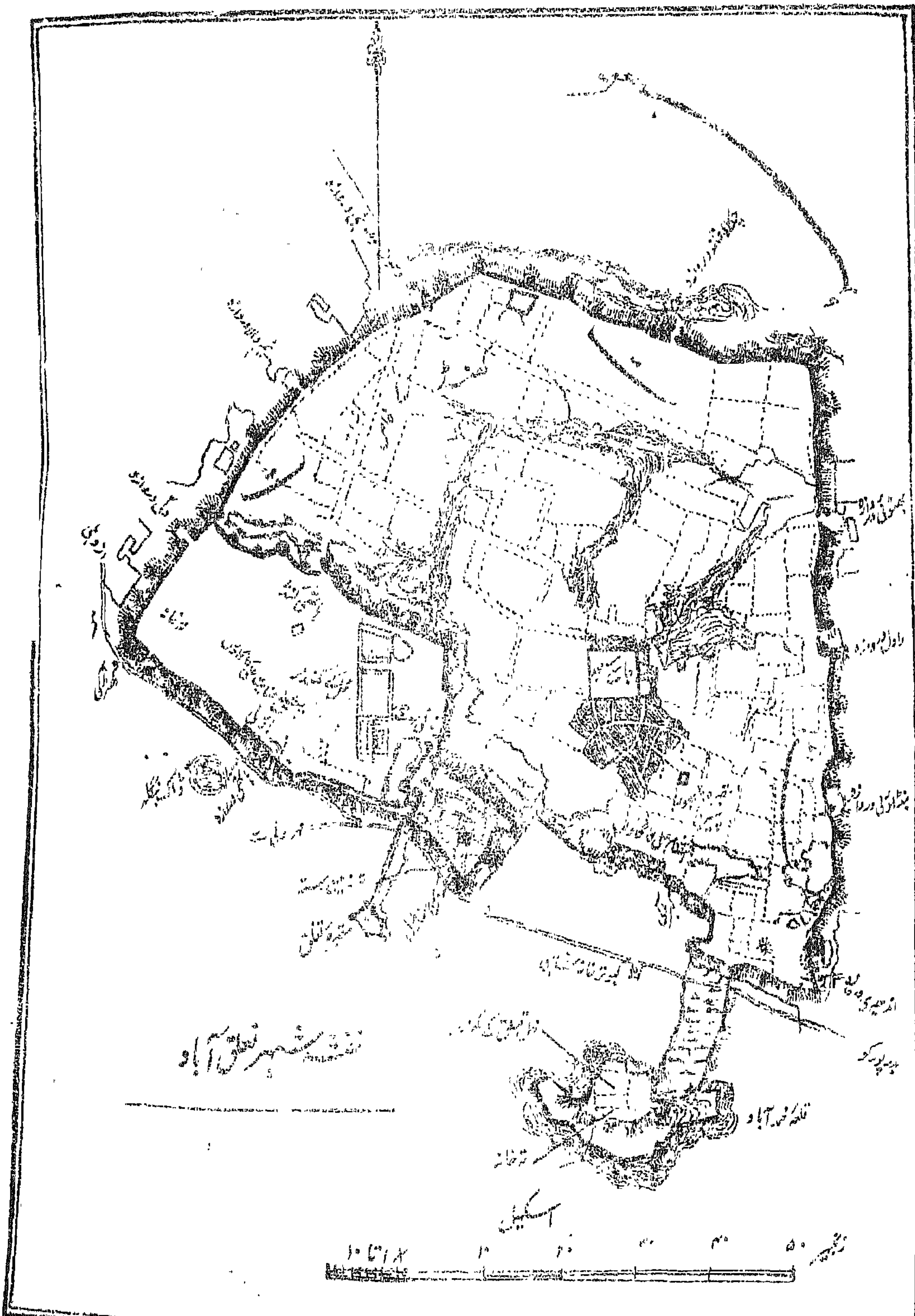
نام کے لحاظ سے یہ قبریں عربوں کی معلوم دیتی ہیں اور وضع قطع بہت پرانی ہے چنانچہ موضع خیرپور کے لودھیوں کے اس مقبرے کے سامنے جو مسجد کا دروازہ کہلاتا ہے بجنسہ اسی طرح کی ایک قبر ہے۔

قلعہ اور شہر تغلق آباد

از ۷۲۱ھ (۱۳۲۱ء) تا ۷۲۳ھ (۱۳۲۳ء)

از بلندیش فرق نتواں کرد
آتش دیدباں ز نور زحل

یہ قلعہ اور شہر دہلی کے جنوب رخ پر چھ کوس کے فاصلے پر ہے۔ اس نام کا جی۔ آئی۔ پی ریلوے کا اسٹیشن ہے مگر وہاں سے بھی چار میل کا فصل ہے اور رستہ خراب لہذا جانے والے زیادہ تر قطب صاحب ہو کر جاتے ہیں۔ یہ مقام پہلے بلب گڑھ کے راجہ کے علاقے میں تھا۔ غدر ۱۸۵۷ء میں راجہ کی بغاوت کی وجہ سے سرکار نے ضبط کر لیا۔ سرسید لکھتے ہیں کہ اس قلعے اور شہر کی بنیاد ۷۲۱ھ (۱۳۲۱ء) میں پڑی اور تکمیل ۷۲۳ھ (۱۳۲۳ء) میں ہوئی۔ دار السلطنت دہلی کا یکے بعد دیگرے یہ چوتھا شہر تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "پہلا شہر پرانی دلی یہ راے پتھورا کا قلعہ تھا۔ دوسرا کیلوکھری یا نیا شہر۔ تیسری سیری اور چوتھا تغلق آباد۔" فرگسن صاحب نہایت واجبی طور پر اس کو "افغان حکمرانوں کا ایک عظیم الشان قلعہ" لکھتے ہیں۔ اس قلعے کی شکل ناقاعدہ مثمن کی ہے جس کے تین چھوٹے ضلعے مشرق مغرب اور جنوب میں ہیں جن میں کا ہر ایک ضلع تین چوتھائی میل سے کچھ بڑا ہے۔ جانب جنوب اس شکل کا قاعدہ ڈیڑھ میل لمبا ہے جس کے برابر برابر خندق دوڑی ہوئی ہے جو ایک بڑا تختہ آب ہے جس کے جنوب و مشرق کے کونے میں ایک عالی شان کٹھ (بند) باندھ کر پانی کو روک دیا ہے۔ تغلق آباد کا سارا دور چار میل سے صرف ایک ہی فرلانگ کم ہے۔ قلعہ ایک مرتفع پہاڑی ٹیلے پر واقع ہے جو چاروں طرف سے پہاڑی دروں سے گھرا ہوا ہے صرف ایک ہی طرف نشیب ہے جو غالباً خشک شدہ تالاب کا شکم ہے۔ قلعے کی فصیل بڑے بڑے بھاری پتھروں کی ہے جو غیر معمولی جسامت کے ہیں۔ فصیلوں میں


نقشۂ شہر تغلق آباد
قلعہ محمد آباد
اسکیل

میں دو منزلہ برجی دار پھاٹک بنے ہوئے ہیں۔ اس فصیل میں سب سے بڑا بھاری
پتھر جنرل صاحب نے دیکھا وہ ۱۴ فٹ × ۲ ½ فٹ لمبا اور ۲ فٹ × ۱ فٹ ۱۰ انچ چوڑان
میں تھا۔ جس کا وزن چھ ٹن یعنی ۱۶۸ من سے زیادہ ہوگا۔ جس پہاڑی پر
قلعہ بنا ہوا ہے اُس کا جنوبی رخ ڈھلوان ہے۔ اس مقام کی فصیل ۴۰ فٹ اونچی
ہے جس میں جا بجا بندوق مارنے کی جھانجیاں بنی ہوئی ہیں۔ جن پر سات
فیٹ اونچا کنگورا ہے۔ اس اونچی فصیل کے عقب میں ایک اور ۱۵ فٹ اونچی
فصیل ہے اور جہاں نشیب آگیا ہے بلندی یکساں کرنے کو فصیل کی بلندی ۹۰ فٹ
تک پہنچ گئی ہے۔ جنوب و مغرب کے کونے میں بالا حصار سارے قلعے کے
پچھلے حصے میں ہے اور اسی میں ایک بہت بڑے عالی شان محل کے کھنڈر
بھی نظر آتے ہیں۔ فصیل کے اندرونی رخ پر لداؤ کے متعدد حجرے ہیں جو
بقول جنرل کننگھم قلعے کی فوج کے رہنے کے کوارٹر تھے۔ فصیل کے بعض بعض
برج اب بھی بالکل درست حالت میں ہیں۔ فصیل کا رخ اندروار کو مصری عمارتوں
کی طرح گاؤدم ہے۔ قلعے کی وسعت۔ اُس کی نہایت مضبوطی اور جس چیز کو
دیکھو نہایت مستحکم اور پائدار۔ تغلق آباد کی عمارت کی نسبت ایک تعجب خیز عظمت
شان و شوکت کا خیال پیدا کرتا ہے (از آرکیالوجیکل رپورٹ جلد اول صفحہ ۲۱۳)۔
کیپٹن آرچر لکھتے ہیں کہ "تغلق آباد کو دیکھتے ہی اس کی حالت ظاہری شان و شوکت
و عظمت کا ایک ایسا نظارہ پیش نظر ہوتا ہے کہ میں نے اس سے بڑھ کر اور کہیں
نہیں دیکھا۔ مجھے تعجب ہے کہ پتھروں کے اتنے بڑے بڑے کنڈ (ڈھیم کلاں) کیونکر
کھڑے کیے گئے ہوں گے اور کس طرح (اوپر چڑھا کر) اپنے اپنے موقع سے
جمائے گئے ہوں گے۔ تھارنٹن گزیٹر میں لکھا ہے کہ "قلعے کی فصیل ایسی عظیم الشان
ہے کہ اس کو اگر کبھی کچھ زوال آسکتا ہے تو بجز زلزلے کے اور کوئی حادثہ نقصان
نہیں پہنچا سکتا"۔ فرینکلن صاحب لکھتے ہیں کہ "قلعے کی حفاظت نہایت مضبوطی
سے موریوں اور برجوں سے کی گئی ہے۔ قلعے کے اندر ہی شاہی محل بھی تھا۔
خطرے کے وقت شاہنشاہ یہاں ہر طرح محفوظ و مصئون تھا کیوں کہ اس
قلعے کی چڑھائی اب تک بھی بہت موڑ توڑ کی اور مشکل ہے۔ چٹانوں کی ڈھلان کی

وجہ سے وہاں تک پونہچنا ہی متعذر ہے۔ قلعے کے پائیں میں ایک بڑا وسیع اور عمیق تالاب ہے جس سے ساری فوج کو پانی میسر آتا تھا" قلعے کے کھنڈروں پر سے جو اندازہ اُس وقت کی عمارت کا کیا جاسکتا ہے اُس کی نسبت مسٹر بگلر لکھتے ہیں کہ صحن کی تین طرف اور بعض جگہ چاروں طرف مکانات ہی مکانات تھے۔ ہر مکان کی چار دیواری کے اندر جانے کا ایک ہی دروازہ تھا۔ عموماً دروازہ کے سامنے ایک دالان ۲۴ فٹ × ۱۲ فٹ ہوتا تھا اور دالان کی دونوں طرف دو دو کوٹھریاں ہوتی تھیں جن کا رستہ دالان اور صحن میں نکلتا تھا۔ بعض جگہ دالانوں کے پیچھے وار بھی متعدد چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں ہوتی تھیں۔ ہر کمرے میں کئی کئی طاق رہتے ہیں لیکن باہر کھلتی ہوئی کوئی کھڑکی نہیں ہوتی ... قلعے کے صدر دروازے کی چڑھائی بڑی سخت اونچی اور پیچیدار ہے۔ چونکہ قلعے کے اندر کی اکثر عمارتیں منہدم ہوگئی ہیں تو اُن کے ملبے سے رستہ اور بھی اَٹ گیا ہے یہ چڑھائی ایسی بے ڈھب ہے کہ چڑھتے چڑھتے دم چڑھ جاتا ہے۔ صدر دروازہ بڑے بڑے پتھروں کے ڈھیموں سے پٹے ہوئے ہیں جو اس کے پاس اسی پہاڑ میں سے تراش لیئے ہیں۔ قلعے کے کل تیرہ دروازے ہیں اور بالا حصار کے تین اس کے سوا۔ سر سید جو روایتوں کی بنا پر بیشتر لکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شہر اور قلعے کے ملا کر (۵۶) کوٹ (برج) اور (۵۲) دروازے تھے لیکن جنرل کننگھم کا قول اس کے خلاف ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ تغلق آباد میں سات تالاب ہیں اور بڑی بڑی عمارتوں کے کھنڈروں کا تو کوئی شمار نہیں مثلاً جامع مسجد اور برج منڈر[1]۔ جنرل کننگھم صاحب تغلق آباد میں برج منڈر کا ہونا تسلیم نہیں کرتے اور سر سید بھی اس نام کا منڈر جہاں پناہ میں ہونا کہتے ہیں اور یہی صحیح بھی ہے جس کی صراحت اپنے موقعے پر آئے گی۔ فرینکلن صاحب لکھتے ہیں کہ "یہاں تین بڑی بڑی باؤلیاں بھی ہیں جو اب بھی درست حالت میں ہیں۔ یہاں بڑے بڑے پختہ تہ خانے بھی ہیں جو تیس سے لے کر چالیس چالیس فٹ

---

[1] قلعہ کے ایک برج کا نام شیر منڈل ہے ورنہ تغلق آباد کہاں اور بیجے منڈل کہاں۔ بیجے منڈل تا بیگم پور کے پاس ۱۲۔

سطح زمین سے گہرے ہیں۔ شاہی تہ خانے میں چھ مدوّر کمرے ہیں جن کی چھت محرابی
پر بھی ہوئی ہے اور چھت میں دو فیٹ قطر کا روشن دان بھی ہے۔ یہ کمرے بیس بیس فٹ
قطر کے ہیں جو گرمی میں سرد خانے کا کام دیتے تھے۔ ان کمروں کے ساتھ ۴۰×۳۰ فٹ
کے پختہ سنگ بستہ ۸ حوض بھی ہیں۔ علاوہ دو باولیوں کے تیسری باولی بالاحصار
کے پاس ہے"۔ بالاحصار تو بالکل تباہ اور نرا کھنڈر ہی کھنڈر رہ گیا ہے۔ بالاحصار
کے نیچے کا حصہ تو شاید کبھی آباد رہا ہو تو رہا ہو۔ قلعہ جس قدر دور سے بھاری بھرکم
اور شاندار عظیم الشان معلوم دیتا ہے اندر جاکر اتنی ہی مایوسی ہوتی ہے کہ بجز
ٹوٹی پھوٹی عمارتوں۔ کھنڈروں اور مٹی پتھر کے ڈھیروں۔ ویرانی اور تباہی کے
اور کچھ نظر نہیں آتا۔ سیاح جب اس ہیبت ناک نظارے کو چھوڑ کر باہر نکلتا ہے تو
پھر عالی شان فصیل سر بفلک مورچوں کو دیکھتا ہے اور اُس کی نظروں کے سامنے
وہی سماں پھر جاتا ہے کہ اللہ اکبر جس قلعے اور شہر کی بیرونی حالت ایسی پرشوکت و شان
ہو اُس کے اندر کیا کچھ نہ رہا ہوگا۔ کبھی تو قلعہ تھا اور یہ ایک بڑا بھاری شہر یا ایسی
بساط اُلٹی کہ آج صرف گوجروں کا ایک کم حیثیت گاؤں رہ گیا۔ جس کا نام صرف
اُن اُجڑے پجڑے مکانوں اور کھنڈروں کی بدولت چار دانگ عالم میں مشہور ہے
اور دور دور سے لوگ زمانۂ گزشتہ کی شان و شوکت عزت و جبروت کی اس بچی کھچی
گری پڑی باقی ماندہ یادگار کو دیکھنے کے لیئے برابر چلے آتے ہیں۔ دیکھتے ہیں اور
حسرت و افسوس کرتے ہیں کہ فنا کے زبردست ہاتھوں کے سامنے سب خاک ہے۔

~ زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا — بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

جو بیان قلعۂ تغلق آباد کا اوپر لکھا گیا وہ اس ویرانے کی بہت عمدہ تصویر ہے لیکن
بطور فنشنگ ٹچ (کیفیت مختتم) کے اتنا اور لکھا جاتا ہے کہ گو قلعے کے متعدد
دروازے ہیں مگر سڑک کی جانب جو دروازہ ہے وہ تو بالکل معمولی سنگ خارا کا ہے
اور اتنا بلند بھی نہیں کہ اُس میں سے ہاتھی جا سکے سیڑھیاں ساری ٹوٹ پھوٹ
گئیں قلعہ تک پونہچنا بھی دقت طلب ہے۔ دروازے سے آگے بڑھنے کے بعد
بائیں طرف ایک بڑا عمیق وسیع گڑھا ملتا ہے جس میں اب زراعت ہوتی ہے۔ میں تو
سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی تالاب تھا جو خشک ہو گیا لوگ کہتے ہیں کہ نہیں یہاں پہاڑ تھا

اُسی کو کاٹ سکاٹ کر قلعے کے لیئے پتھر لیئے ہیں اس وجہ سے یہ گڑھا ہو گیا ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو مگر یہ گڑھا قدرتی طور پر چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اور ایک بنا بنایا مضبوط اور قدرتی بند کا تالاب ہے۔ اس کے بعد پھر ایک دروازہ ملتا ہے اس کے اندر سے قلعے کی عمارتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے یہیں ایک قلدان چھت کی چھوٹی سی شکستہ مسجد ہے لیکن قلعے کی وسعت اور مکانات کی کثرت کے لحاظ سے بڑی مسجد اور کوئی رہی ہوگی جو ہم کو نہیں ملی۔ پہلے ہم سب سے اونچے برج پر چڑھے جو شیر منڈل کہلاتا ہے اور اچھی حالت میں ہے اس پر سے سارے قلعے کی عمارتوں کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں اور دور دور کا نظارہ ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ قلعے کے اندر کی ساری عمارتیں کیا چھوٹی کیا بڑی سب کی چھتیں گر گئی ہیں چار دیواریاں کھڑی ہیں دالان پیش دالان کوٹھڑیاں غسل خانے پاخانے اور اندر کے چھوٹے دروازے اور باہر کے بڑے پھاٹک سب موجود ہیں مگر چھت کسی کی نہیں خدا جانے چھتوں پر کیا آفت آئی تھی۔ مکان چھوٹے معمولی حیثیت کے اور بڑے بڑے محل یک منزلہ اور دو منزلہ اور بعض سہ منزلہ سب قسم کے ہیں بعض جگہ بہت بڑے بڑے محل ہیں بعض جگہ خالی صحرا ہیں کھڑی ہیں۔ جابجا تہ خانے بھی ہیں۔ معمولی حیثیت کے لوگوں کے مکانات بھی ہیں اور امراء کے عالی شان محل بھی۔ ساری عمارتیں سنگ خارا کی چونے سے بنی ہوئی ہیں اور مکانوں کی وہ کثرت اور کچھ بیچ ہے کہ تل دھرنے کو خالی جگہ نہیں۔ پہلے ضرور سڑکیں اور رستے ہوں گے مگر اب تو ساری جگہ کو جھاڑیوں اور کانٹوں نے گھیر لیا ہے۔ مکانات جو گر گئے ہیں اُن کے ملبے اور پتھروں نے رہا سہا رستہ بھی بند کر دیا اور ایسی چپقلش ہو گئی ہے کہ قدم دھرنا محال ہے۔ فصیل کے بڑے بڑے برج بعض قائم ہیں بعض گر گئے کچھ گر رہے ہیں۔ فصیل بھی جابجا سے گر گئی ہے مگر پھر بھی بہت بڑا حصہ قائم و برقرار ہے اسی میں مقررہ فصل سے برج بنے ہوئے ہیں عمارتوں کی موجودہ حیثیت سے نزاکت اور نفاست نہیں معلوم ہوتی۔ صدر دروازہ بھی بھدا ہے جس میں بڑی بڑی لمبی کڑیاں لگی ہوئی ہیں اور انہیں کڑیوں کا پٹاؤ بھی ہے۔ شیر منڈل کے برج پر سے دیکھو تو دلی کا سارا شہر اور عمارتیں صاف نظر آتی ہیں۔ شمال مشرق کی طرف ریل دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے اور اُس کے پیچھے اوکھلا

شمال کی طرف کالکاجی کا مندر - درگاہ حضرت نظام الدین کا گنبد - کلوکھڑی کا ریلوے اسٹیشن
ہمایوں کے مقبرے کا انڈے کی طرح کا سفید سفید خوشنما گنبد پرانے قلعے کی فصیل کا
کچھ حصہ - جامع مسجد کے مینار - لال قلعے کے وائرلیس ٹیلیگراف کے اونچے اونچے
کھمبے - صفدر جنگ کا مقبرہ - رائے سینا کی عمارتیں وغیرہ وغیرہ - اب کم سے کم
اتنا چاہیئے کہ قلعے کے اندر کے بکھرے ہوئے پتھر ایک طرف کر دیئے جائیں کچھ
جھاڑی کٹوا دی جائے کہ ذرا چلنے کا رستہ نکل آئے اب تو بے ٹھوکر کھائے اور
ہاتھ پاؤں زخمی کیئے کے دو قدم چلنا مشکل ہے - شیر منڈل کے پاس ایک بہت بڑی
سہ درہ باؤلی ہے ۱۱۱ × ۷۷ فٹ - اور ستر فیٹ گہری جو ڈھ گئی ہے اور شکم جھاڑ جھنکاڑ و ملبے
سے اٹ گیا ہے - یہ باؤلی سنگ خارا کے بڑے بڑے ڈھیروں سے بنائی گئی ہے
اور سنگ خارا کی بندش چوطرفہ ہے - پہلے سیڑھیاں بھی ہوں گی جن کا اب صرف نشان
رہ گیا ہے - باؤلی مستطیل ہے - شمال اور جنوب کے دو طرف کی بندش کی دیواریں اب تک
باقی ہیں اور یہی اس کا طول ہے مشرق مغرب عرض کی دیواریں ڈھ گئی ہیں یہیں ایک
بڑی بھاری لمبی اور گہری سرنگ ہے جو ایک طرف بدر پور روڈ کی جانب قلعے کے
باہر نکل گئی ہے اور دوسرا رخ اس کا خدا جانے کہاں تک گیا ہے - سرنگ کا ایک
دروازہ ہے تھوڑی دور تک دو طرفہ طاق نما حجرے بنے ہوئے ہیں مگر تاریکی کے
سبب سے اندر جاتے ڈر لگتا ہے - آگے چل کر حجروں کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے نری
سرنگ چلی گئی ہے جو تھوڑی دور آگے بڑھ کر بیٹھ گئی ہے - سرنگ میں بالکل اندھیرا
ہے لالٹین ساتھ ہونا ضرور ہے ہم دیاسلائیاں کھینچ کھینچ کر ٹٹول ٹٹول کر قدم بڑھاتے تھے
پچاس سیڑھیاں اتر کر ہم کھڑکی میں پہنچے - شروع شروع میں تو کچھ اجالا ہے پھر
اندھیر گھپ سیڑھیاں کچھ درست ہیں کچھ شکستہ جو درست ہیں ان پر بھی روڑے
گر کر پاؤں نہیں جمتا - پہلے تو ہم سیدھے چلے آئے اندھیرے کے ساتھ سر پر
چٹان بھی آ گئی بیٹھ کر گھسٹنا پڑا اب کھڑکی آئی جان میں جان آئی تاریکی سے روشنی
کی نعمت پائی - کھڑکی کا پٹ پتھر کی سلوں کا ہے اس کے پیچھے مٹی اٹ جانے سے
برابر نہیں کھلتا کچھ بھڑا رہتا ہے دبلا پتلا آدمی تو خیر معمولی جسامت کا آدمی آڑا ترچھا
ہو کر دب دبا کر نکل جا سکتا ہے مگر موٹے آدمی کا گزر نہیں اب ہم قلعے کے دامن

میں آ گئے پھر یہاں سیڑھیاں ہیں جو ٹوٹ پھوٹ گئیں غرض پھسلتے پھسلاتے سڑک پر آ پہنچے کیوں کہ قلعہ بالکل سڑک سے ملا ہوا ہے۔ قلعے کے دروازے اس وقت جو مشہور ہیں وہ یہ ہیں۔ چکلا خانہ دروازہ۔ دھوبن دھوبنی دروازہ۔ نیم والا دروازہ۔ دلی دروازہ کھڑکی دروازہ۔ ہاتھی دروازہ۔ اندھیری دروازہ۔ بنڈاولی دروازہ۔ راول دروازہ بھوٹی دروازہ۔ کھجور والا دروازہ۔ چوک دروازہ۔ ہوڑی دروازہ۔ لال گھنٹی دروازہ گھنڈ دروازہ۔ طلائی دروازہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

مقبرۂ غیاث الدین تغلق شاہ

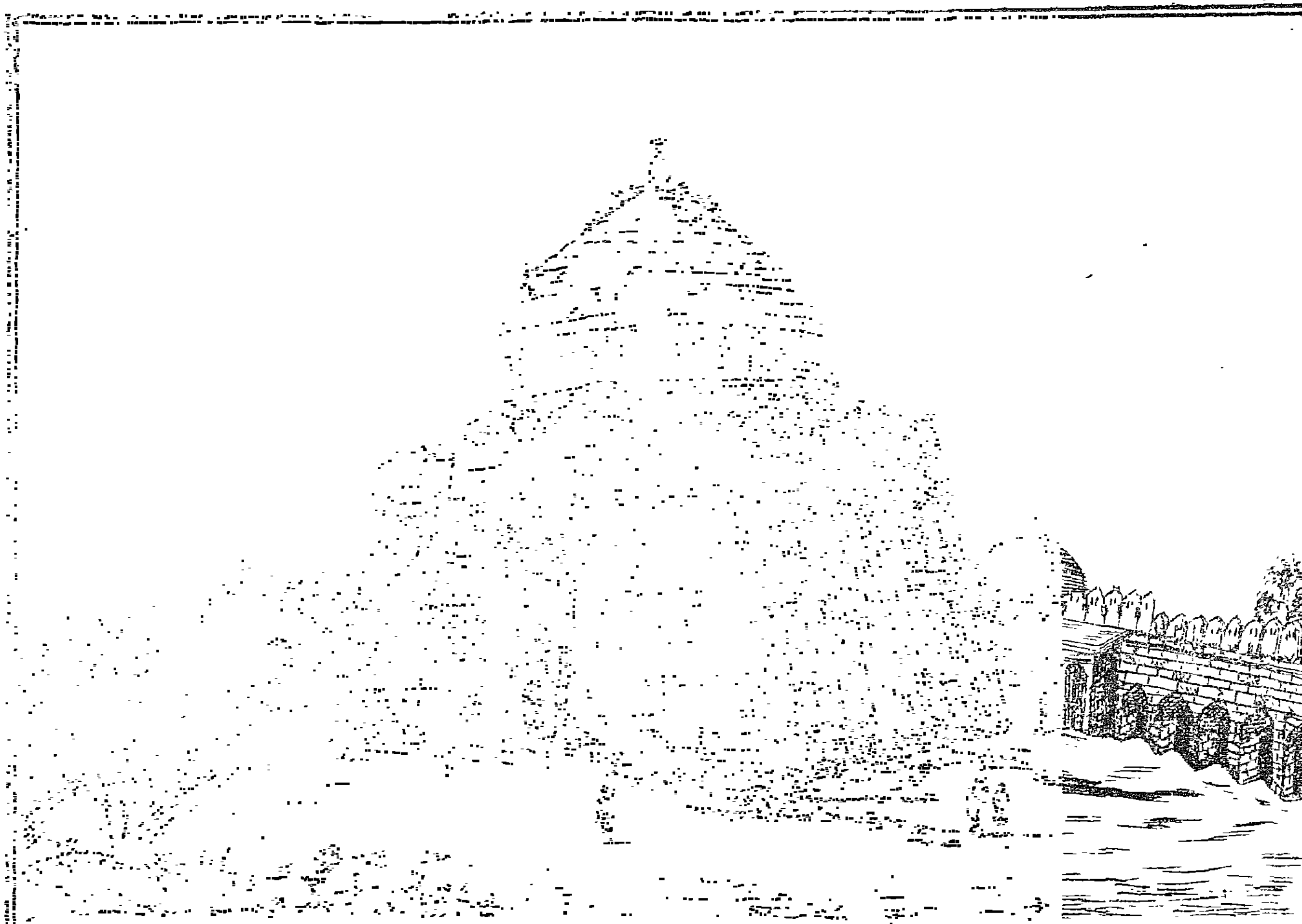
۲۱ - ۷۲۵ ہجری

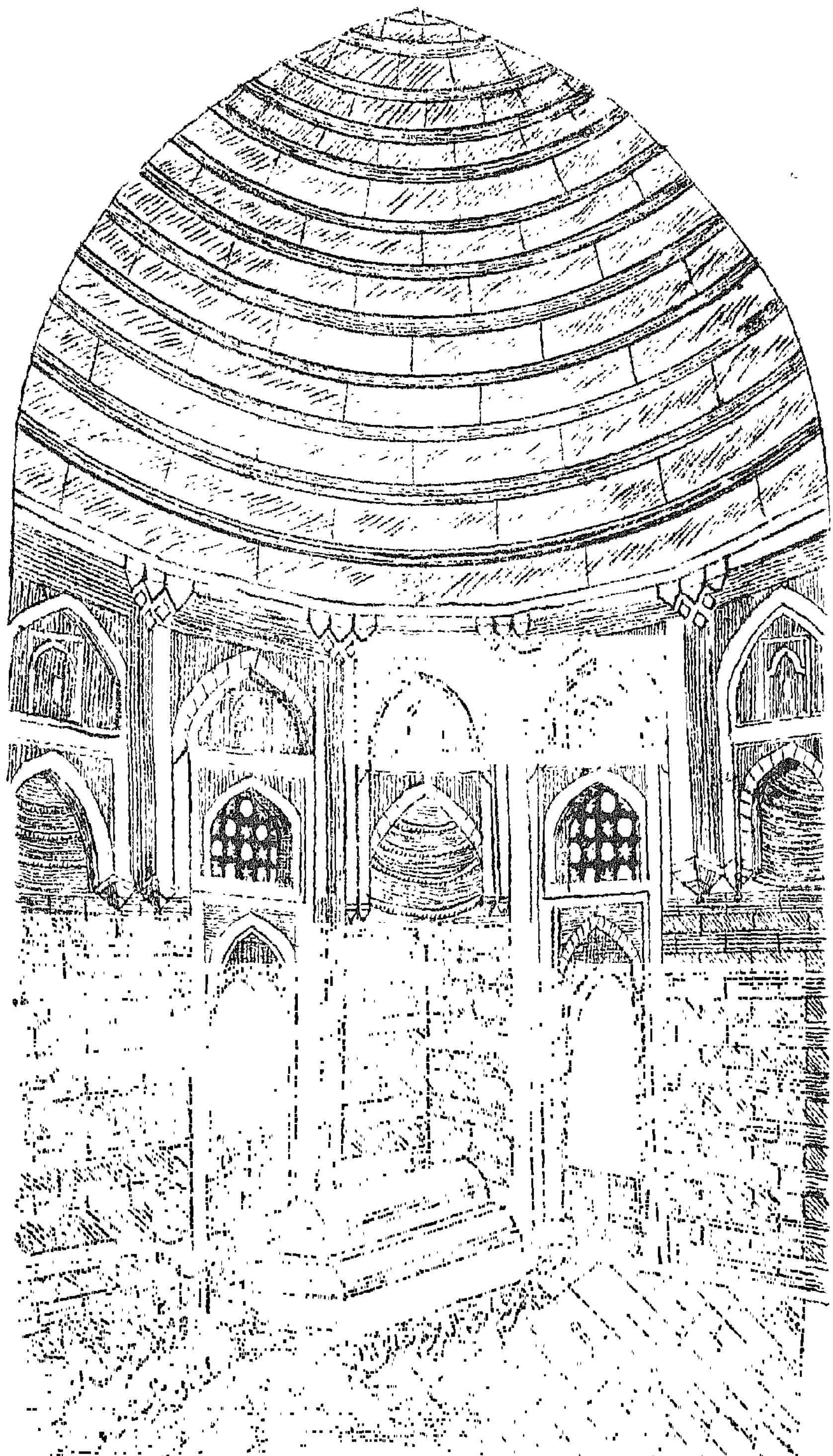
۱۳۲۰ - ۲۵ء

این دہر کہ بود مدتے منزلِ ما
نامد بجز از بلا و غم حاصلِ ما
افسوس کہ حل نہ گشت یک مشکلِ ما
رفتیم و ہزار حسرت اندر دلِ ما

اس بادشاہ کا مزاج عجیب و غریب اور انوکھا تھا۔ لیکن بڑا جفاکش اور جری تھا اس نے مغلوں کے دانت کھٹے کر دیئے اور پیاپی چار حملوں کا سد اس زور و شور اور قتل عام سے پھیرا کہ مغلوں کے پرخچے اُڑ گئے اور وہ ایسے مرعوب ہوئے کہ پھر اس بادشاہ کی زندگی تک تو مغلوں نے ہندوستان کا رُخ بھی نہ کیا۔ اس بادشاہ کی غایت درجے کی جرأت۔ ہمت اور استقلال کے ڈنکے دنیا میں بج گئے ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء میں بنگالہ پہنچ کر وہاں کے صوبہ دار کی سرکوبی کی اور اس کے گلے میں رسی بندھوا کر گھسیٹتا ہوا دلی بھجوایا اور خود بھی بعد فتح و نصرت دلی کو واپس ہوا وہیں خبر لگ گئی تھی کہ بادشاہ کے غیاب میں چند بڑے بڑے لوگ کہہ رہے ہیں کہ بس اب بادشاہ دلی آ چکا اور نجومی بھی اُن کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں لیکن اس اولوالعزم نے ذرا بھی ان مہملات کی پروا نہ کی اس کان سنا اور اُس کان اُڑا دیا ان یا وہوائی باتوں سے ذرا بھی اُس کی ہمت اور استقلال میں فرق نہ آیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء بھی بادشاہ سے کچھ بدظن تھے اور کہا جاتا ہے کہ اُن کا رجحان خاطر شاہزادے محمد شاہ تغلق کی طرف زیادہ تھا اور وہی آپ کا مورد عنایات والطاف تھا۔ بادشاہ کو حضرت کا شاہزادے کی طرف ضرورت سے زیادہ متوجہ ہونا







مقبرہ کی برج کا اندرونی حصہ

اور اپنے سے یہ کاوش ناگوار تھی حکم دیا کہ اُن سے کہدو کہ دلی سے چلے جائیں
اور یہ بھی کہا کہ خیر جس کے دل میں جو آئے کہہ لینے دو۔ ذرا مجھے دلی پونہچ لینے
پھر دیکھنا کیسی ان سب کی خبر لیتا ہوں۔ آخر الامر بادشاہ کی آمد آمد کا غلغلہ بلند ہوا
اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بادشاہ کی سواری دلی کے قریب تک آن پونہچی ہے اور اب کوئی دن جاتا ہے کہ
دلی میں داخل ہوگی۔ حضرت کے حلقے کے لوگ بادشاہ کی آمد آمد سن کر گھبرائے
کہ خدا جانے کیا واقعہ پیش آئے اور آپ کو ملتان تشریف لے چلنے کی صلاح
دی۔ لیکن آپ کا بھروسہ خدا کی ذات پر تھا اور بڑے کوہِ وقار و متانت شعار
تھے اور لم یخش الا اللہ (ہم سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے) پر
پورا عمل رکھتے تھے۔ ذرا بھی آپ کو ہراس نہ ہوا اور جب آپ نے سنا یہی فرمایا
"ہنوز دلی دور است"۔ آخرکار بادشاہ افغان پور تک آن پونہچا جو دلی سے
صرف چھ میل ہے۔ افغان پور ہی میں بادشاہ کے نزول اجلال کے لیئے ولی عہد
نے ایک چوبی محل طیار کرایا تھا جو صرف تین دن میں بنا کر کھڑا کر دیا تھا۔
ضیاء الدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی لکھتے ہیں کہ "یہ مکان صرف بادشاہ
کی شبا شب استراحت کے لیئے بنوایا گیا تھا تاکہ اس میں شب باش ہو کر صبح کو
جلوس کے ساتھ شاہی سواری دارالسلطنت میں داخل ہو۔ بادشاہ کی سواری دوپہر
ڈھلے رونق افروز ہوئی اور اسی محل کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف
بخشا۔ بادشاہ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوا۔ امراء و ارکین سلطنت ہاتھ دھونے
کو باہر نکلے کہ اسی اثنا میں بجلی گری اور چھت دھڑام سے آن پڑی۔ بادشاہ اور
اُس کے ساتھ اور پانچ چھ شخص دب کر مر گئے"۔ ابن بطوطہ نے ایک اور ہی بات
لکھی ہے اور بجلی گرنے کے مقابل میں وہ زیادہ قرین قیاس معلوم دیتی ہے۔ ابن بطوطہ
نے پہلے تو اس عارضی عمارت کا حال لکھا ہے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ وہ موقع دیکھ
تاک کر ہی ایسی حکمت سے بنایا گیا تھا کہ ذرا سی ٹھیس کے ساتھ دھڑام سے
آن پڑے۔ غرض یہ کہ بادشاہ اسی محل میں اُترا اور لوگوں کی دعوت کی اور لوگ
کھا پی کر جدھر کے اُدھر چلے گئے۔ ولی عہد نے معروضہ پیش کیا کہ ہاتھیوں کا جلوس
نظر انور سے گزرے جو مقرون اجابت ہوا۔ بادشاہ کا چہیتا بیٹا محمود بھی ہم رکاب تھا

القصہ جب ہاتھی اُس طرف سے گزر رہے تھے (تو خدا جانے کیا واقعہ پیش آیا) کہ ایک دم سے محل بیٹھ گیا۔ بادشاہ اور شاہزادہ محمود دونوں اُس میں دب گئے۔ محمد شاہ گھبرایا اور فوراً کدال پھاوڑے وغیرہ لانے کا غل مچایا مگر در پردہ آنکھ مار دی اور شاہوں شام تک کسی نے خبر نہ لی۔ شام ہونے کے بعد کہیں کھدائی کی نوبت آئی تو بادشاہ کی نعش اس حیثیت سے نکلی کہ بادشاہ تو اوپر تھا اور شاہزادہ نیچے۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ شاہزادے کو بچانے کے لیئے اوپر پڑ گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ کا دم نکل گیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں زندہ تھا لیکن اُسے مار ڈالا۔ یہ واقعہ یکم ربیع الاول ۷۲۵ھ (فروری ۱۳۲۵ء) کو ہوا۔ نعش کو راتوں رات لیجاکر اُس مقبرے میں دفن کیا جو خود بادشاہ نے تغلق آباد میں بنوایا تھا۔ یہ سب چال بازی خواجہ جہاں وزیر کی تھی کیوں کہ وہ محمد شاہ کا طرف دار تھا اور اُسی کی سفارش سے مرتبۂ وزارت کو پہنچا تھا اور اُسی کا کلمہ پڑھتا تھا"۔ ابن بطوطہ نے تو ساری بلا محمد شاہ تغلق کے سر دھر دی اور باپ کے قتل کا مجرم اُسے ٹھیرا دیا اور پہلے سے بھی باپ بیٹوں میں کشیدگی تھی۔ باپ حضرت نظام الدین اولیاء سے صاف نہ تھا اور بیٹا اُن کا حد درجے معتقد اور ہمیشہ اُن کی مجالس میں آیا جایا کرتا تھا چنانچہ حضرت نے حالت وجد میں تخت و تاج کی اُسے بشارت دیدی تھی۔ ابو الفضل وزیر اعظم اکبر شاہ بالکل اس بات کو بے اصل لکھتا ہے اور وہ لکھتا ہے کہ "محمد شاہ تغلق پر ذرا بھی اشتباہ نہیں۔ چوں کہ محل جلدی میں بنوایا گیا تھا اُس کا گر جانا محض ایک اتفاقی حادثہ تھا"۔ الغرض جب محمد شاہ تغلق تخت نشیں ہوا تو سب سے پہلے وہ حضرت کا قدم بوس ہوا اور جب حضرت کا وصال ہوا تو آپ کے جنازے کو کندھا بھی دیا۔ بقول ابن بطوطہ کے "غیاث الدین تغلق کا مقبرہ خود اُسی کا بنوایا ہوا ہے اور ایسا ہی ایک مقبرہ اُس نے اپنی صوبہ داری کے زمانے میں ملتان میں بھی بنوایا تھا"۔ لیکن قول مرجح و معتبر یہ ہے کہ یہ مقبرہ محمد شاہ تغلق نے اپنے باپ کی وفات کے بعد برس کے اندر ہی اندر بنوا دیا۔ دار الامان کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہ وہ محل ہے جہاں بلبن بادشاہ کی قبر ہے لیکن غیاث الدین تغلق کا مقبرہ بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ فیروز شاہ تغلق جو غیاث الدین تغلق کا پوتا تھا یہ لکھتا ہے کہ "یہ مقام مدفن اصحاب کبار

کا ہے۔ میں نے اس میں صندل کی لکڑی کے دروازوں کی نئی جوڑیاں چڑھوائیں اور بزرگوں کے مزاروں پر شامیانے تنوائے اور پردے ڈلوائے۔"

اس مقبرے کی حالت جو جنرل کننگھم صاحب نے اپنی رپورٹ میں لکھی ہے وہ یہ ہے:-

"یہ مقبرہ ایک مصنوعی جھیل کے پیٹے میں بنا ہوا ہے۔ جس میں حوض شمسی کی چادر اور قلعے کے اطراف کے قدرتی نالوں کا پانی جمع ہوتا ہے اور کسی زمانے میں یہ قلعے کی خندق کا کام دیتا تھا جس سے ایک گونہ محافظت بھی تھی۔ جھیل کی بیرونی شکل پانچ ضلعوں کی ہے۔ جو قلعے سے بذریعہ ایک چھ سو فیٹ لمبے محراب دار پست پل سے ملا دی گئی ہے۔ پل کے ستائیس در ہیں۔ مقبرہ مربع شکل کا ہے۔ جو اندر سے ۳۸½ فٹ اور باہر سے ۶۱½ فٹ ہے۔ بیرونی دیواریں کنگورے تک ۳۸½ فٹ اونچائی میں ہیں۔ جن میں فی فٹ ۲ر۲۳۳ کا ڈھلان ہے۔ اس حساب سے ۳۸½ فٹ میں کل ڈھلاؤ ۷½ فٹ کا ہے۔ دیوار کا آثار پائے میں ۱۱½ فٹ ہے جو اوپر جا کر صرف چار فیٹ رہ گیا ہے۔ اتنی بلندی پر صحیح پیمایش کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا مگر جہاں سے گنبد شروع ہوتا ہے وہاں سے آثار چھ یا سات فیٹ کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ گنبد کا قطر اندر سے ۳۴ فٹ اور باہر سے ۴۴ فٹ اور بلندی ۲۰ فٹ ہے۔ گنبد تمام سنگ مرمر کا ہے۔ کل مقبرے کی بلندی (۴۰) فٹ ہے اور کلس جو سنگ سرخ کا ہے ملالیں تو اونچائی اسی فیٹ کے قریب ہو جاتی ہے۔ گنبد کی چاروں طرف چار بڑے بڑے محرابدار چوبیس چوبیس فیٹ اونچے دروازے ہیں۔ گنبد کا داخلی دروازہ جو بڑے دروازے کے اندر ایک اور چھوٹا دروازہ ہے صرف ۵ فٹ دس انچ چوڑا ہے جس کی محراب میں سنگ مرمر کی موٹی جالی لگی ہوئی ہے۔ مقبرہ باہر سے مختلف رنگ کے پتھروں سے آراستہ ہے۔ جا بجا سرخ پتھر کے ساتھ سنگ مرمر کے پٹکے حاشیے اور کارنس لگانے سے دوبالا رونق ہو گئی ہے۔ محرابیں سب سنگ مرمر کی ہیں اور ایک چوڑا پٹکہ سنگ مرمر کا جہاں سے محرابیں شروع ہوتی ہیں عمارت کے چاروں طرف دوڑا ہوا ہے۔ ایک اور سنگ مرمر کا چوڑا اور گہرا پٹکہ چار فیٹ بلند سیدھی سلوں کا جہاں سے کہ گنبد شروع ہوتا ہے گرداگرد ہے۔ موجودہ حالت اس مقبرے کی عمدہ اور نفیس رنگ کے پتھروں کی وجہ سے بہت دل خوش کن اور نظر فریب ہے لیکن

زمانے کے استداد نے کچھ اور نکھار اور روپ اور حسن پیدا کر دیا ہے۔ سنگ سرخ کا چہچہاتا شوخ رنگ جا کر ہلکا پیازی ہو گیا ہے اُدھر سنگ مرمر کی شفافی اور چمک دمک اور جلا سے بھی خیرگی دور ہو کر اعتدال آ گیا ہے۔ غرض سرخی اور سفیدی کے رنگ میں جو پہلے تباین کلی تھا اب ایک جان و دو قالب ہو کر ایسے گھل مل گئے کہ اُس میں ایک نئی لطافت اور توافق پیدا ہو گیا ہے۔ مقبرہ مجموعی حیثیت سے فی الجملہ اچھی حالت میں ہے"

(از آرکیالوجیکل رپورٹ جلد اول صفحہ ۱۲۶)

جب کہ مستقل مزاج تجربہ کار سورما تغلق شاہ نے (سنہ ۱۳۲۱ء) میں نئی دلی کی جو اُس کے نام سے مشہور ہے بنا ڈالی تو اُسی کے ساتھ ساتھ اُس نے اپنا مقبرہ بھی بنوایا جیسا کہ عموماً دستور ہے (کہ بادشاہ اپنی زندگی میں اپنا مقبرہ بنوا لیتے ہیں)۔ یہ مقبرہ کسی باغ میں نہیں بنایا گیا بلکہ ایک نہایت مضبوط اور محصور قلعے میں ایک مصنوعی جھیل کے اندر بنایا ہے گاؤدم دیواریں اور مصر کی عمارتوں کے طرز کا مستحکم مقبرہ جو عظیم الشان حصار اور شاندار برجوں کے بیچوں بیچ ہے اس شجیع بادشاہ کے لاثانی مقبرے کی تصویر نظر میں جما دیتا ہے جو بمقابلہ اُس کے مابعد کے ٹھنڈے دل والے اس کے خاندانوں کے مقبروں سے جو نفیس اور ہرے بھرے باغوں میں ہیں بالکل ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہے (از ہسٹری آف آرکیٹیکچر فرگسن صاحب جلد دوم صفحہ ۶۵۳)۔ مقبرے کا باہر کا دروازہ بڑا عالی شان سرخ پتھر کا بنا ہوا ہے جس پر پچیس سیڑھیاں چڑھ کے پہنچتے ہیں۔ احاطے کی دیواروں میں بہت سے حجرے ہیں جو غریب غربا کے آرام کے لیے بنائے گئے ہیں۔ گنبد میں تین قبریں ہیں۔ بیچ والی قبر سلطان غیاث الدین تغلق کی ہے اور اس کے اِدھر اُدھر جو ایک ایک قبر ہے اُس کی نسبت یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کس کی ہیں۔ اس پر جو سنگ مرمر کا حظیرہ بنا ہوا تھا وہ خدا جانے اُکھاڑ لیا گیا یا ٹوٹ پھوٹ گیا۔ ان دو قبروں میں سے ایک تغلق شاہ کے حرم محترم مخدومہ جہاں کی کہی جاتی ہے اور دوسری محمد شاہ تغلق فرزند غیاث الدین تغلق شاہ کی جس نے بخار سے سندھ میں سنہ ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء میں انتقال کیا۔

یہ امر واقعات تاریخی سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ ہندوستانی شاہزادوں کی تعلیم کبھی ایسے عمدہ اصول پر نہیں دی جاتی جن سے اُن کے اوصاف اخلاقی راسخ

اور مستحکم ہو جائیں چنانچہ اس کی ایک کھلی ہوئی مثال محمد شاہ تغلق کے حالات ہیں۔ یہ شخص تمام سلاطین ماضیۂ دہلی سے قابلیت اور لیاقت میں بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔ اس کی وسیع معلومات علوم و فنون و ریاضی کی اس درجے بڑھی ہوئی تھی کہ اُس وقت کے علماء اور فضلا جنھوں نے اپنی ساری زندگی اکتساب علوم میں صرف کر دی تھی وہ بھی اس کی اعلیٰ درجے کی قابلیت کے معترف تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ محمد شاہ تغلق ایک بیباک اکھڑ بے اصول جابر تھا۔ بدقسمتی سے وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھتا تھا اور اُس کی چھبیس سالہ سلطنت مصائب و آلام کے واسطے مشہور رہی۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "اس میں صفات متضاد اور فوق العادت خصائل تھے۔ اُس کی داد و دہش ایسی تھی کہ گویا ہاتھ میں ہڈی نہ تھی مع ہذا خون کے ندی نالے بہا دینا بھی اُس کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔ ملکی پیچیدگیوں اور بیماری نے ٹھٹھے کے مقام پر اُس کا خاتمہ کر دیا۔ سلطنت کی حالت اس وقت بہت متزلزل تھی۔ اُس کا بھانجا اور جانشین فیروز شاہ تغلق ایک ہر دل عزیز بادشاہ تھا اور ساتھ ہی اس کے بہت نرم دل بھی تھا۔ وہ ہمیشہ محمد بن تغلق کی سختیوں کو سخت نامستحسن کی نگاہ سے دیکھتا رہتا تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے سب سے پہلے تلافی مافات اور مرحوم کی روح کو ایصال ثواب اور مواخذۂ عقبیٰ سے بچانے کی کوشش کی۔ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ حقوق العباد بدون شخص متضرر کے معاف کیے سے ساقط نہیں ہوتے۔ فیروز شاہ کی نیک دلی نے بہت کچھ اشک شوئی کی اور لوگوں کے زخمی دلوں کو چنگا کیا۔ جن جن کے ہاتھ پاؤں اور ناکیں کٹوائی تھیں یا آنکھیں نکلوا ڈالی تھیں سب کو بہت کچھ دے دلا کر استمالت اور دلجوئی کی اور اُن کے تحریری معافی نامے ایک صندوق میں رکھ کر بادشاہ کے سرہانے دفن کرا دیئے تاکہ ارحم الراحمین اپنی رحمت سے اُس کی خطاؤں پر قلم عفو کھینچ دے ع۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

رباعی

ممکن نہیں مجھ سے عبادت تیری
لطف و کرم و عطا ہے عادت تیری
قطرہ قطرہ ہیں گو کہ عصیاں میرے
دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

دلّی میں سنگ سرخ کی عمارتیں کثرت سے ہیں لال قلعہ اور جامع مسجد میں زیادہ تر

سنگ سرخ ہی ہی ہے مگر تغلق شاہ کے مقبرے کا سنگ سرخ ایسے چوکھے اور شوخ رنگ
کا ہے کہ آج بھی نظر میں کُھبا جاتا ہے۔ ایک تو پتھر چمکندہ اُس پہ پالش ایسی کہ نظر پھسلی پڑے
پھر وصل ایسا کیا ہے کہ باوجود صدہا برس گزر جانے کے اب تک ایک درز بھی نہ کھلی ایسا
معلوم دیتا ہے کہ آج بنا ہے۔ قلعہ کے پاس مغرب کی طرف یہ مقبرہ ہے۔ گنبد کا طرز مصری
وضع کی عمارتوں کا ہے دیواریں اوپر سے سکڑی نیچے سے چوڑی ہیں۔ اسی طرز کا دلّی
میں قاضی کے حوض کا پولیس سٹیشن بنا ہے۔ دیواروں میں اجارے تک
سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ فرش سنگ خارا کے چوکوں کا ہے۔ اندر تین قبریں دو ایک ہی
وضع کی ۹×۵×۵ فٹ۔ مشرق کی طرف کی قبر ۹×۴×۴ فٹ ہے۔ یہ قبریں مشرق کی طرف
ہٹا کر بنائی گئی ہیں مقبرے کے وسط میں نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اور قبروں کے
لیے عمداً جگہ چھوڑی گئی ہے۔ تینوں طرف کے دروازوں کے اوپر سنگ مرمر چڑھایا گیا
ہیں۔ مغرب میں پیش طاق اور دروازہ بنا ہے۔ دروازوں کی چوکلاں چھ فٹ کی ہے
مقبرہ اندر سے ۳۰ فٹ ۱۰ انچ مربع ہے۔ مقبرہ باہر سے مثمن ہے جس کا ہر ایک ضلع ۵۸ فٹ
ہے۔ جنوب کی طرف ایک سہ گزے دالان کے باہر دار ایک کنواں ہے جو پیر کا کنواں
کہلاتا ہے۔ اس طرف تہ خانے کا دروازہ ہے جو اندر ہی اندر چلا گیا ہے۔
گرد مقبرے کے ایک وسیع کنگورے دار فصیل نما کمپونڈ ہے جسکی دیوار ۱۲ فٹ اونچی
ہے جس میں (۶۴) کوٹھریاں ہیں۔ کمپونڈ کے چاروں کونوں میں سہ دریاں بنائی ہیں
مقبرے اور کمپونڈ وال کے درمیان ۲۶½ فٹ کا فصل ہے۔ کمپونڈ وال کیا ہے قلعے کی
فصیل ہے کہ بہت بلند کرسی دے کر مقبرہ بنایا ہے۔ کمپونڈ کے چاروں کونوں پر برج نما
فیل پایے دھس کی طرح کے بنائے ہیں۔ مقبرے کے مشرق میں ایک دالان
میں قبر کا ایک تعویذ سنگ خارا کا ۲½×۱ فٹ ۳ انچ - ۱ فٹ - ۷ انچ اونچا ہے۔ لوگ کہتے ہیں
کہ یہ کتے کی قبر ہے مگر مجھے اس میں شک ہے۔ مجھے تو وہ کسی قبر کا اکھڑا ہوا تعویذ معلوم
دیتا ہے جو اس دالان میں یونہی لاکر ڈال دیا ہے۔ مسلمانوں کے ہاں تو کتا ناپاک ہے
پھر اُس کی قبر کیسی۔ مجھے تو یہ لوگوں کی من گھڑت معلوم دیتی ہے۔ مقبرے کا سنگ سرخ
کا صدر دروازہ گو بڑی کرسی دے کر بنایا ہے مگر مقبرے اور کمپونڈ کے لحاظ چھوٹا ہے
۳۸ ۹ کی اونچان اور چھ فٹ کی چوڑان کا دروازہ بالکل غیر موزوں سا ہے بیٹ چوڑی ہیں

مگر زمانۂ حال کے پہلے کے اصلی کواڑ نہیں رہے - کلس سنگ سرخ کا ہی اوپر کا نوکدار حصہ ٹوٹ گیا حصۂ زیرین باقی ہی - اس گنبد میں اوپر چڑھنے کا کوئی زینہ نہیں رکھا گیا

مقبرے کے دروازے کے پاس کا نامعلوم مقبرہ

سلطان محمد تغلق کے مقبرے کے کمپونڈ کے اندر مشرق کے کونے میں اور صدر دروازے کے بائیں کونے میں خدا جانے کس کی قبریں ہیں جو فیروز شاہ کی ترمیم کے وقت بھی موجود تھیں بس اتنا ہی سٹیفن صاحب لکھ کر چپ ہو گئے اور سر سید نے تو اس برج کا ذکر ہی نہیں کیا مقامی لوگ ان قبور کو محمد تغلق کے وزیر اور اُن کی بی بی کی قبریں بتلاتے ہیں مگر نام کسی کا نہیں لیتے - مقبرے کے داخلی دروازے پر ایک لمبا چوڑا کتبہ ہی جو باوجود غور کے مجھ سے پورا نہیں پڑھا گیا لیکن بادشاہ کا نام علاءالدولہ والدین صاف ہی جس کا زمانہ ۱۲۹۵ء–۱۳۱۵ء ہی اس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس بادشاہ کے عہد میں یہ مقبرہ بنا اور طرز عمارت اور کتبوں کے خط کی روش بھی علائی دروازے کی سی ہی - کتبہ میں سے صرف اس قدر عبارت نکلی ہی :- "باب عمارت خیر در عهد همایون مجلس اعلی ...... عالم علاءالدوله والدین المظفر ......"

یہ مقبرہ ہی تو چھوٹا سا جس کا قطر ۱۹½ فٹ ہی مگر بہت خوب صورت ہشت پہل نہایت پالش کیے ہوے سنگ باسی اور سنگ خارا کا بنا ہوا ہی جس کا ایک ضلع ۱۱ فٹ ہی - اندر تو آٹھ در ہیں مگر دروازے دو ہی ہیں ایک جنوب میں دوسرا مشرق میں جو تنگ اور پست ہیں اس سبب سے مقبرے کے اندر تاریکی رہتی ہی - گیلری ۶ فٹ - ۷ انچ چوڑی ہی مقبرے کے اندر صرف دو قبریں ہیں ایک سنگ مرمر کی ۶ فٹ – ۳ انچ × ۲ فٹ – ۱۰ انچ – ۱ فٹ – ۴ انچ اونچی - دوسری گچ کی ۵ فٹ – ۷ انچ × ۲ فٹ – ۷ انچ – ۲ فٹ – ۳ انچ اونچی - ہر ہر در کی محراب پر کلام مجید کی آیتیں کثرت سے لکھی ہوئی ہیں -

جنوب کی طرف - پہلی آرچ - بسم الله - قل هو الله - دوسری - شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ تا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم اور آیة الکرسی - تیسری - بسم الله - قل هو الله - چوتھی - پانچویں - چھٹی آیة الکرسی - ساتویں بسم الله - قل هو الله

آٹھویں سُشہد اللہ اور آیۃ الکرسی۔

مشرق کی طرف۔ پہلی آرچ۔ بسم اللہ قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء و تنزع۔ دوسری الملک ممن تشاء تا انک علیٰ کل شیٍ قدیر۔ تیسری تولج اللیل فی النہار تا وترزق تشاءُ بغیر حساب۔

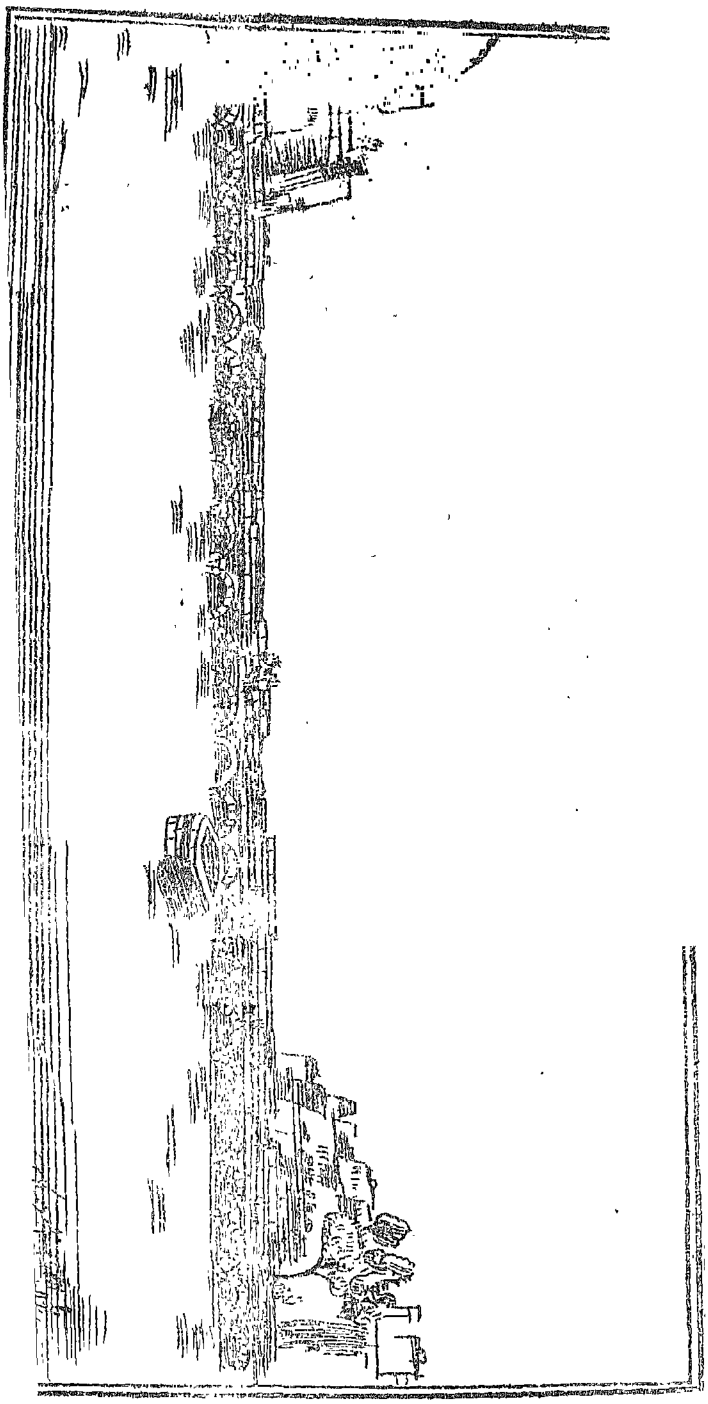
چوتھی۔ بسم اللہ اِنّا فتحنا لک فتحاً مبیناً تا ماتقدم من ذنبک۔ پانچویں وما تاخّر تا وینصرک اللہ نصراً عزیزاً۔ چھٹی۔ ھوالذی انزل السکینۃ تا وللہ جُنُودُ السموات والارض۔ ساتویں تا فوزاً عظیماً۔ آٹھویں۔ ویعذب المنفقین والمنفقت تا عزیزاً حکیماً۔

بالائی محرابوں پر۔ (۱ و ۲) بسم اللہ سورۃ والفجر۔

(۳) بسم اللہ۔ سورۃ قل اور آیۃ الکرسی تا لہ مافی السموات۔ (۴) ومافی الارض تا اِلّا بما شاءَ۔ (۵) وسع کرسیہ السموات تا وھوالعلی العظیم۔ (۶) لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ربّ قد اتیتنی من الملک وعلمتنی تا والحقنی بالصلحین۔ (۷) یسئلونک عن الخمر والمیسر تا لعلکم تتفکرون۔

اب صرف ایک کتبہ رہ گیا اور وہی بڑا اہم ہی جس میں بانی وغیرہ کا نام ہی یہ جنوب رُخ پر دروازے کی دہلیز میں اندر وار لگا ہوا ہی۔ کچھ بہت اونچے بھی نہیں ہی لیکن اول تو اندھیرا ہی دوسرے یہ کہ لوگوں نے چربے اُتارنے کی غرض سے روشنائی لگا لگا کر بالکل غارت کر دیا ہی صرف داؤد خاں مرحوم جمدار پڑھا جاتا ہی باقی حصہ نہیں نکلتا اگر یہ کتبہ پڑھا جا سکے تو اس مقبرے میں کون دفن ہی صحیح طور پر اُس کا پتہ معلوم ہو جائے۔

فصیل مقبرہ اس مقبرے کی فصیل اور دروازہ بھی نہایت شاندار اور نہایت خوب صورت ہی۔ دروازہ تمام سنگ سرخ کا ہی اور اُس میں ایک دالان ہی۔ تیئیس سیڑھیاں چڑھ کر مقبرے کے صحن پر پہنچتے ہیں۔ فصیل اُس کی نہایت عجیب ہی سمجھ میں نہیں آتا کہ



بنانے والے نے اُس کی فصیل ایسی ٹیڑھی میڑھی کیوں بنائی شاید جس طرح کا پہاڑ ہوگا اُسی لحاظ سے فصیل کو پیچ و خم دیئے ہوں گے۔ اگرچہ یہ مقبرہ تکونیہ کوٹ کرکے مشہور ہے یعنی مثلث پر یہ بھی غلط ہے اس واسطے کہ دونوں ساقیں اُس کی مستقیم نہیں ہیں اُن کے بیچ میں بھی ایک زاویہ منفرجہ پیدا ہوگیا ہے۔ فصیل میں قلعہ کی طور پر برج وبارہ بنے ہوئے ہیں۔ ایک برج تو اس مثلث پر جانب جنوب ہے اور دوسرا مثلث کے شرقی ضلع پر اور تیسرا اور چوتھا قاعدہ مثلث پر جانب شمال اور غرب بنا ہوا ہے۔ تیسرے برج پر ایک اور برج ہے اور اُس میں بھی کچھ نامعلوم قبریں ہیں اور ضلع غربی میں مقابل برج ضلع شرقی کے پکا کنواں ہے کہ اُس کا پانی مقبرے کے رہنے والوں کے خرچ میں آتا تھا۔ فصیل کے اندر کے رخ حجرے فقرا اور ساکنین کے رہنے کے بنے ہوئے ہیں۔ گرد اس مقبرے کے سلطان فیروز شاہ نے پانی کا بند بنا دیا تھا اور مقبرے اور قلعے کے دروازے کے بیچ میں پل باندھا تھا کہ اس سبب سے اس مقبرے اور قلعے کو عجیب رونق ہو گئی تھی۔

مقبرے کا پل

یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ پل کس نے بنایا ہے لیکن قرینہ اس بات پر دال ہے کہ یہ پل فیروز شاہ بن سالار رجب کا بنوایا ہوا ہے جو سلطان محمد تغلق شاہ کے بعد تخت پر بیٹھا تھا۔ فیروز شاہ نے اپنے عہد میں بہت سے پل اور بند بنائے ہیں عجب نہیں کہ یہ بھی اُسی نے بنایا ہو۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو ۷۵۲ھ کے بعد یہ پل بنا ہوگا۔ اس پل اور پانی کے بند بندھنے کے سبب حقیقت میں اس قلعے اور مقبرے میں جان پڑ گئی ہے۔ مشرق کی طرف تو تغلق آباد کا قلعہ ہے اور مغرب کی طرف پہاڑ اور جنوب کی طرف عمارت ہزار ستون شمال کی طرف سے پانی آکر قلعے کے نیچے کوسوں تک بھرا رہتا تھا اور اس مقبرے کے گرد پانی بھر کر عجیب عالم دکھاتا تھا اور یہ مقبرہ کٹورہ سا

معلوم دیتا تھا - پانی کا لہریں کھانا اور ٹھنڈی ہوا کا چلنا اور پہاڑوں پر سے سبزے کا دکھائی دینا جنت کی یاد دلاتا تھا - مقبرے کے چاروں طرف اس قدر پانی بھرا رہتا تھا کہ مقبرے میں جانے کو رستہ نہ ملتا تھا اس واسطے یہ پل مقبرے کے دروازے سے قلعے کے دروازے تک بنایا گیا تھا - سر سید نے جب ۱۲۶۳ھ میں آثار الصنادید لکھی ہے اُس وقت تک بھی مقبرے کے گرد پانی بھرا ہوا تھا مگر اب تو ایک قطرہ بھی نہیں زراعت ہوتی ہے - یہ بند پہلے بلبھ گڑھ کے راجہ ناہر سنگھ کی عملداری میں تھا جب ہی وہ شکستہ تھا اب سرکار نے اُس کی مرمت کرا دی ہے - مقبرے سے سڑک تک پل برقرار ہے اور سڑک کی دوسری طرف سے قلعے تک کا حصہ ٹوٹ گیا - اب یہ پل صرف ۸ فٹ چوڑا ہے جس پر ۳ فیٹ اونچی منڈیر ہے اور گہران ۱۹ فیٹ ہے - پہلی حالت قایم نہیں اب تو صرف رستے کے طور بنا دیا گیا ہے - در بھی بہت بھر جانے سے اَٹ گئے ہیں - اگلے وقتوں میں بڑے بڑے نالے جو اس نواح میں جاری تھے اس بند میں کاٹ کر ڈالے گئے تھے اور قطب صاحب کے شمسی تالاب سے اس میں بارہ مہینے پانی آتا تھا چنانچہ جھرنے میں اب تک بند موجود ہے - اب وہ تالاب بھی ٹوٹ پھوٹ گیا اور اُس کے شکم میں بھی زراعت ہونے لگی - غرض یہ کہ ذرائع آمدنی مسدود ہو گئے اب پل صرف برائے نام باقی ہے -

عادل آباد - یا محمد آباد
یا عمارتِ ہزار ستون ۷۲۸ھ ۱۳۲۷ء

غضب ہے کہ دو دن ہے فصلِ بہار
چڑھے گا چمن پر خزاں کا بخار
یہی ہستیِ چند روزہ بھی ہے
کہ دو دن میں ہے دفترِ عیش طے
اسی زندگانی پہ سب مست ہیں
کہ دو دن میں سب حوصلے پست ہیں
اسی نقشِ موہوم پر ناز ہے
جہاں اک طلسمِ خدا ساز ہے
کوئی ملک گیری میں بے تاب ہے
کوئی عیش و عشرت میں بے خواب ہے

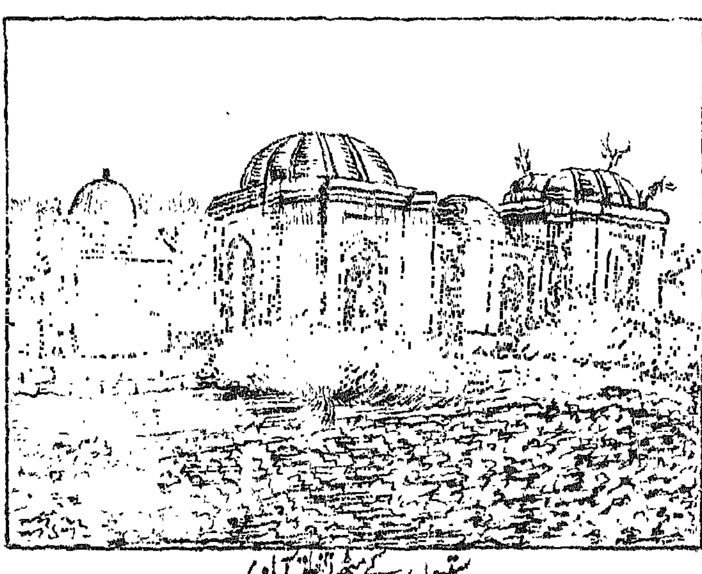
تغلق آباد کے جنوب میں اسی قلعے کے ساتھ دو قلعے اور بھی ہیں جنوب مشرق کے کونے میں جو ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے اُس پر کا قلعہ محمد شاہ تغلق کے نام پر سے محمد آباد کہلاتا ہے اور چوں کہ بادشاہ کا پورا نام محمد عادل تغلق شاہ عرف فخر الدین جونا تھا اسی کو بعض لوگ عادل آباد بھی کہتے ہیں اور ہزار ستون سنگ مرمر کے اس میں لگائے تھے اس سبب سے "عمارت ہزار ستون" بھی کہتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکان صرف بطور سیر گاہ کے پہاڑوں کے بیچ میں کہ میدان ہے جس میں ہمیشہ پانی رہتا ہے اُس پہاڑی پر جو بالکل لب آب ہے یہ قلعہ بنایا اور شہر تغلق آباد کے دروازے سے اس قلعے کے دروازے تک ایک پُل بنایا اور اُسی میدان کے غرب میں اپنے باپ کا مقبرہ بنوایا اور مقبرے اور اس قلعے کے دروازوں کے پاس بھی پل بنوایا اور قلعے کی شمالی دیوار کے آگے پانی کے کنارے عمارت ہزار ستون بنائی۔ اب تو اس قلعے میں کچھ باقی نہیں رہا ساری عمارتیں گر گرا گئی ہیں اور عمارت ہزار ستون کا تو نام و نشان بھی باقی نہیں لیکن وضع و قطع مکانات کے لحاظ سے قرینہ مقتضی اس امر کا ہے کہ ہزار ستون کی عمارت بارہ دری کی وضع کی تھی اور دو منزلہ تھی بلکہ عجب نہیں کہ سہ منزلہ بھی رہی ہو۔ اس قلعے کے تعمیر کی تاریخ فَادْخُلُوْهَا ۷۲۸ ہے۔ بعض لوگوں کو شبہ پڑا ہے کہ یہ وہی محل تھا کہ جس کے تلے غیاث الدین تغلق شاہ دب کے مرا تھا حالاں کہ یہ بات بالکل غلط ہے وہ چھوٹا سا محل افغان پور کے پاس تین دن میں ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء میں بنا تھا جو بجلی کے صدمے سے گر پڑا اور وہ محمد تغلق نے زمان ولی عہدی میں بنوایا تھا اور یہ اپنی تخت نشینی کے بعد بنوایا۔ کہاں وہ کہاں یہ؟ ابن بطوطہ نے اس بادشاہ کی شان میں بہت کچھ زہر اُگلا ہے اور بہت کچھ برا بھلا کہا ہے مگر الحق یَعْلُوْا وَلَا یُعْلیٰ اُس کے منہ سے بھی یہ نکلا کہ "یہ بادشاہ سب سے زیادہ معدلت گستر تھا"۔ شہر تغلق آباد کے جنوب و مشرق میں جو قلعہ ہے اُس کے کئی نام ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہوں کے رد و بدل کے ساتھ مقامات کے نام بھی بدلتے رہتے ہیں۔ کوئی تو اسے "قلعہ شاہنشاہی" کہتا ہے کوئی "دھوبی کا قلعہ" کوئی "داہنا قلعہ" دونوں قلعے بالکل چھوٹے سکیل پر قلعہ تغلق آباد کی نقل ہیں۔ ان کی فصیل بھی سے نیچے

پھیلی ہوئی اور اوپر سے سکڑی ہے جو بڑے بڑے پتھر کے ڈھیموں سے بنی ہوئی ہے اور حصار کے اندر قلعے کے علاوہ بستی بھی تھی - عادل آباد کا دور کوئی نصف میل کا ہے اور دوسرے قلعے کا اس سے بھی کم - دونوں قلعوں کے اندر بالاحصار مرتفع مقام پر بنا ہوا ہے جو خود فصیل سے محصور ہے - عادل آباد کا صدر دروازہ بالاحصار کا بھی داخلی دروازہ ہے - باہری فصیل قلعے کے جنوب میں بستی کی طرف ہے - مشرق کی جانب تغلق آباد کے سلسلے کے شمول سے فصیل دُہری ہوگئی ہے اور پل کے برابر دور تک چلی گئی ہے جو نشیب میں بنا ہوا ہے - اس قلعے میں ہزار ستون نامی ایک مشہور محل تھا جو علاء الدین خلجی کے اسی نام کے محل سے بالکل جدا تھا اور جو بعد میں جہاں پناہ کے حصار میں آگیا تھا - سرسید نے اس محل کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے ستون سنگ مرمر کے تھے اور یہ محل سہ منزلہ تھا - لیکن ابن بطوطہ اس کے خلاف اسے ایک بڑا ہال لکھتا ہے کہ جس کے ستون چوبی وارنش کیے ہوئے تھے اور چھت بھی چوبی تھی جس پر نہایت عمدہ اور نفیس رنگ کیا ہوا تھا" یہ اقلیم گو چھوٹا ہے مگر وضع قطع میں پہلے قلعے کی طرح کا ہے - اس قلعے کے چاروں طرف مکانات اور بازارات کے کھنڈر پڑے ہیں اور جا بجا کٹہرے کھڑے اور نقش و نگار کیے ہوئے پتھروں کے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہیں -

ستیوں کے مٹھ

تغلق آباد کے پاس ہی ایک پہاڑ پر چار برج ہندوانی وضع کے بنے ہوئے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہندوانی عورتوں کے ہیں جو اپنے شوہروں کی وفات کی وجہ سے ستی ہوگئیں اور زیادہ کوئی تفصیل معلوم نہیں -



ستیوں کے مٹھ (تغلق آباد)

ضمیمۂ (۱) فرامین شاہی وغیرہ

دلّی کے عجائب خانۂ آثار قدیمہ واقع قلعہ میں بہت سے فرمانوں اور مراسلوں کو بڑی خوش اسلوبی سے سجایا ہے۔ یہ ایک نادر مجموعہ ہے جس کی نقل ہم ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ عجائب خانے کے فرامین کے علاوہ بھی کچھ اور دستیاب ہوئے تھے وہ بھی اس میں درج کیے گئے۔ فرمانوں کی خطاطی اور عبارت آرائی دونوں قابل قدر ہیں۔ اب اس زمانے میں نہ یہ خط باقی ہیں نہ یہ سیاہی میسر آتی ہے جو صدہا سال کے بعد بھی ایسی چمکیلی ہے کہ گویا آج کا لکھا ہوا ہے۔ ان فرامین کے ملاحظے سے پرانے زمانے کی شاہی مراسلت اور احکام کا طرز اس زمانے کے معمولات مقامی کے نام ایسے نظر سے گزریں گے جن سے ہمارے کان آشنا نہیں فرامین کے نقل کرنے میں تا بہ امکان اصل فرامین کی طرز کتابت کا تتبع کیا گیا ہے زمانۂ حال کی املا نویسی کے طریقے کی پابندی نہیں کی گئی اور جہاں سطر ختم ہوئی ہے وہاں ایک چلیپہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ تمام فرامین اس قابل ہیں کہ ان کے فوٹو دیئے جاتے مگر اس صرف خطیر کے بار کا تحمل ناممکن تھا پھر بھی آپ کو صحیح نمونہ دکھلانے کے لیئے دو فرمانوں کے فوٹو دیئے ہیں اسی پر سے ان کی خوبی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۱) فرمان سلطان علاء الدین خلجی بنام راجہ رتن سین راجۂ چتوڑ مع جواب راجہ[1] بوقت

بسمع اقدس و ہمایون مارسیدہ کہ آن زبدۂ راجگان عقیدت نشان کنیز خوش جمال فرخندہ خصال از جزیرۂ سراندیپ آوردہ است باید کہ آں تحفۂ صنعت الٰہی و نمونۂ قدرت ایزدی را بزودی روانۂ درگاہ فلک اشتباہ ما سازد ہر آئینہ بظہور ایں خدمت شائستہ مورد تفضلات شاہی و مطمح نظر الطاف خسروی تواند بود و در صورت انحراف و نافرمانی بپاداشش کردار خواہد رسید۔

عرضی جوابی راجہ رتن سین	بر ضمیر آفتاب نظیر آں خدیو کشور گیر مخفی نخواہد بود

[1] یہ واقعہ ۱۳۰۳ء کا ہے۔ ۱۲

مہرپایان دین دار و خواقین معدلت شعار حرمات محترمات و مخدرات محصنات فدویان
خاص و جان نثاران با اختصاص را ننگ ناموس خود تصور نمی فرمایند و ذات قدسی صفات
خویش از ظل الحق دانسته مخلوق الٰہی را بزیر سایهٔ حفاظت و اہلیت خود نگاہ می دارند
تا با خواہشے نفسانی و ترغیب شہوانی از جادۂ حق پرستی و دائرۂ خداشناسی بیرون
نشتافته راه ناواجب طی می نمایند حیف است که مسیحا کار را عمل فرمایند و خضر طریقه گمرہی
نماید ـ پاسبان را دزد شدن نشاید و راعی را گرگ بودن نباید و اللّٰہ حق طویت
ہمی اقتضای کند بحمد اللّٰہ این گوے و این میدان ـ ع

بیا و نوش کن پیمانهٔ چند فداے مقدمت پیمانهٔ چند

لیکن معلوم است که در عالم غیرت و ناموس ذرہ با خورشید ہمچشمی می کند و مور با سلیمان
مقابل میشود ـ اینک رخش ہمت و مردانگی را در صف شجاعت و شیردلی برکف

ع وقت ضرورت چو نماند گریز دست بگیرد سر شمشیر تیز

(۲) عرضداشت خان اعظم مرزا کوکلتاش در جواب فرمان اکبر بادشاہ که از مکه معظمه فرستاده بود منقول از دربار اکبری

کمینه فراشان آستان کیوان مکان ملایک آشیان خاقان جمشید نشان
فریدون شان کیخسرو دستگاہ کیومرث بارگاہ سکندر جاہ عالم پناہ انجم سپاہ
آسمان خرگاہ ظل سبحانی عزیز کوکه بعرض میرساند که راے انور بر طلب این غلام کمینه
خایف و صادر گشته بود جان و دل را که خلاصهٔ آب و گل ہست با جمعی کثیر از روساے
اخلاص و ابتہال بخدمت حجاب درگاہ گیہان پناہ که مبداے سخا و منشاء عظمت و کبریا ست
فرستادن چون مفتی عقل و فتوی قاضی گمان بلکه یقین سجل بحرمان مجوری که در دست
سلسله دربان نوشته داده بود برنا قابلی فرسوده دست ملالت در گردن کرده ماند چون
دانست بیقین که احادیث تحریک اعدا موثر و کارا افتاده مزاج اشرف را بعنیت و ہمی چند
که با مع جاه و جلال رسانیده از کمینه درگاه منحرف ساخته اند و ہادی راے عالم آراے

بساط بوسان آن درگاه به قتل و قمع این سلسله گناه راهنمون گشته بخاطر رسید که چشم
خاکساری سلسله متعدد ار نیز که در خدمت قابلان آن درگاه آسمان نشان پرورش مرتبهٔ اعظم خانی
و عزیز کوکگی و حکومت گجرات سرافراز شده هم بواسطهٔ این تشریفات بخاک مکهٔ معظمه
مقدسه منوره رسانیده که با کافران هندوستان جمعی را که پروردهٔ خوان الوان انعام
و احسان بادشاه جهان پناه باشد در یک خاک و در یک محل مدفون سازد و نقش گستاخی
و غایت بی ادبی است و لاجرم گجرات را که آنکه معمورهٔ دار السلطنه بود به معتمدان سپرده
غبار ملال و اختلال خویش را از گوشهٔ خاطر خاکروبان آن آستان ملائک آشیان شسته
دست از مطالبات آنجا و پاے ادب را کوتاه ساخته مواشی که محض بسعی جانسپاری
خود از معارک کفار جمع ساخته بود بدست عدل بیرون آورده از حلال ترین چیزها
دانسته سفر گزیده آن قدر جمعیت از مکاسبات مذکور بدست آورد که اگر خواهند منصب
اعظم خانی را در بارگاه بادشاه روم کی اشرف مکان ربع مسکون بتصرف ایشانست
میتوانند خرید - اما خلاصهٔ همت مصروف آنست که وظیفه بهر دم مستحق مصالح پاک دین آن
ملک مقرر سازد و مدرسه بنام نامی حجاب بارگاه بنده پرور حضرت خاقانی باتمام رساند
که تا انقراض عالم ورد زبان مورخان جهان باشد و خوردان مدرسه بحث علوم دینی و فکر شعر که
عبارت از توحید و نعت و منقبت اصحاب بوده باشد و دعاے دولت روز افزون
اشتغال میداشته باشد - امید آنست که از رفتن این کمترین غلامان بجا شیرین ضمیر
خاکروبان آستان غبارے نخواهد نشست بلکه مطلب سخن چینان و عیب کنندگان که
عدم بود این سعد و هم است بحصول خواهد پیوست که منصب اعظم خانی و حکومت گجرات
و مشرف عزیز کوکگی را بایں محروم سے مشرف بنا چار جمع مذکورات را پیشکش عیاں
نمود که ایشان را میسر نیست بودن بنده و ممکن که این کمینه را میسر باشد بدولت
ایشان چون آخر الامر نسیم لطف شامل حال بوستان مطالب و مقاصد دیگران
شد و نهال امید و حقوق خدمت بنده از سموم محرومی خشک سالی بخشیدند بناءً
از فدوی که نتایج عاقبت اندیشی پالکان آن آستان چند کلمه گستاخی نموده بعرض
می رساند که جمعی خاطر اشرف را از دین محمد صلی الله علیه وسلم بیگانه و متجنب می سازند
حاشا که دوست باشند و کمینه که نیک نامی دنیا و عقبی می طلبد دشمن و واجب الاخراج

باشم والا کار دنیا بازیچہ ایست ناپائدار برحرف دو سہ خوش آمد گوئی آخرت بدنیا فروش اعتماد نباید کرد ـ ہمہ عالم را گوش ہوش است ـ پیش ازیں سلاطین بودہ اند کہ ہمہ صاحب تمکین بودند ہیچ پادشاہی را دغدغہ نہ شد کہ دعوی پیغمبری و نسخ دین محمدی نماید ـ بل او لے کہ چوں مصحف اعجازی چوں چہار یار چند بار پسندیدہ باشد وشق قمر با مثال ایں چیزہا واقع نبودہ مردم میکنند یا رب دغدغہ چہار یار بودن کدام جما راحی شدہ باشد ـ قلیچ خاں کہ صفائی ظاہر و باطن و عصمت جبلی دارد یا صادق خاں کہ شرف رکابداری از بیرام خاں یافتہ یا ابوالفضل کہ شجاعت و حیایش بجای علی و عثمان رضی اللہ عنہما می تواند بود ـ بخداوند بخداکیا ئے پادشاہ قسم جز عزیز کسی کہ نیکنامی طلب باشد نیست و ہمہ مدار بر خوش آمد و روزگذرانیدن دارند و آنکہ نیکنامی طلبد بندہ است کہ تا بود جز حرف نیکنامی برزباں نہ آید الحال ہم در مکہ مقدسہ منورہ کاری نخواہد کرد کہ خلاف نیکنامی باشد ـ ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

فرقے کہ میان اکابر مجلس بہشت آئین و بندہ کمترین است ہمین است کہ ابوالغازی در فرمان بندہ اضافہ کردہ دیگران کافران را بر مسلمانان ترجیح دادند کہ بر صحف لیل و نہار خواہد ماند ـ آنچہ بر بندہ واجب است دراں تقصیر نرفت والدعا ـ

(۳۳) فرمان مہری شاہنشاہ جہانگیر ـ جس کی رو سے پچاس بیگہ اراضی پرگنہ سکیت میں فیروز خاتون زوجہ سید محمود کو بطور مدد معاش عطا ہوئی مورخہ ۱۰ سنہ جلوس مطابق ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء ـ پشت فرمان پر مہر غیاث الدین کی ہے جو زیادہ تر اپنے خطاب اعتماد الدولہ سے مشہور ہیں اور مشہور نور جہاں بیگم کے والد تھے جو شاہنشاہ جہانگیر کی چہیتی بیگم تھیں ـ مہر میں یہ کندہ ہے (مرید شاہ جہانگیر شد غیاث الدین)

دریں وقت فرمان عالیشان سعادت نشان شرف اصدار و عز ....
یافت موازی پنجاہ بیگہ زمین افتادہ لایق زراعت بار آبطے از پرگنہ سکیت سرکار ×
از ابتداے خریف توشقان ییل دروجہ مدد معاش مسماۃ فیروز خاتون کو ج
محمود وغیرہ با فرزندان بموجب ضمن مقرر و مسلم شد کہ × حاصلات آنرا فصل و سال بسال

در وجہ معیشت خود خرج و صرف نمودہ بدعاگوئی دوام دولت ابد قرین اشتغال نمودہ باشند می باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال و استمرار و استقرار این حکم اقدس اعلیٰ کوشیدہ اراضی مذکور را پیمودہ و چک بستہ بتصرف آنہا بازگذاشتہ اصلاً تغییر و تبدیل بدان راہ ندہند و بعلت مالوجہات و اخراجات مثل قلنغہ و پیشکش و جریانہ و ضابطانہ و محصلانہ و مہرانہ و بیگار و شکار و دہ نیمے مقدمی و صد دوئی قانون گوئی و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیص جمع و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحمت نرسانیدہ درینباب × ہر سال فرمان و پروانہ مجدد نطلبند و اگر محلی دیگر چیزی داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند از فرمودہ در نگذرند تحریراً فی التاریخ ۱۳ خورداد ماہ الہی سنہ ۱ -

(۴) فرمان مہری شاہنشاہ شاہجہاں جس کی رو سے عہدۂ صدارت سرکار سنبھل اور بدایوں مع یومیہ دو روپیہ جس کی ادائی خزانہ اکبرآباد سے کی جائے گی بنام شیخ فتح محمد جو داماد تھے ملا عبداللطیف کے مورخہ ۱۴ رمضان سنہ جلوس شاہجہانی (۱۸) مطابق سنہ ۱۰۵۴ھ / ۱۶۴۴ء

الله اکبر

در ینوقت عالیشان سعادت نشان شرف اصدار و ایراد دریافت کہ × خدمت صدارت سرکار سنبھل و سرکار بدایوں بفضیلتماب شیخ فتح محمد خویش × ملا عبداللطیف سلطانپوری و مبلغ دو عدد روپیہ روزینہ بلاقصور از خزانۂ دارالخلافۂ اکبرآباد بشرط مذکور در وجہ مدد معاش مشار الیہ حسب الضمن مقرر و مفوض باشد کہ کما ینبغی بلوازم و × مراسم آنخدمت قیام و اقدام نمودہ در تحقیق فوتی و فراری ارباب مدد معاش و وظائف و بازیافت تغلب و تبالس آنہا مساعی موفورہ بتقدیم رسانیدہ موافق دستور و قانونی کہ درینولا مقرر شدہ × بہ عمل آوردہ ہر سال نسخۂ منقح دران باب درست داشتہ بدیوان الصدارہ میرسانیدہ باشد می باید کہ حکام و عمال و متصدیان مہمات و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال در استمرار و استقرار این حکم اشرف اقدس اعلیٰ کوشیدہ دست تصدی مومی الیہ را در امور متعلقہ آن امر قوی و مطلق داشتہ

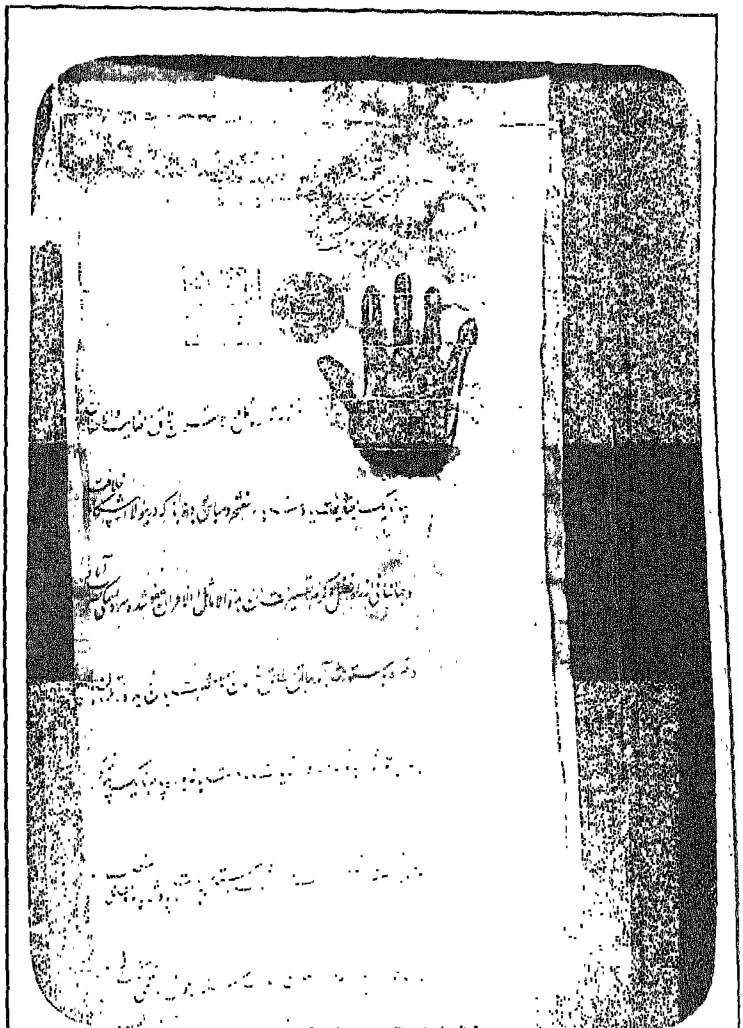
تمامی اصحاب مدد معاش و وظایف را با اسناد آنہا بدو رجوع نمودہ بموجب تصحیح و منظورۂ معتبر شناسیدہ اراضی وظیفہ جمعی را کہ باز یافت شدہ بحال الصدہ شریفہ ضبط نمایند و متصدیان مہمات دیوانی دار الخلافہ مذکورہ مبلغ مزبور را سامان و سرانجام نمودہ بموے الیہ میرسانیدہ باشند و چیزی از انجملہ قاصر و منکسر نگردانند و اگر دستخطی دیگر چیزی داشتہ باشند آنرا اعتبار نکنند سبیل جمیع اہل مدد معاش و وظایف آن سرکار ہا آنکہ مشار الیہ را صدر مستقل خود دانستہ تمامی اسناد خود را بدو نمودہ اراضی جمعی را بتصحیح رسانند قابض و متصرف بودہ بدعای دوام دولت ابدی الاتصال اشتغال نمودہ باشند از فرمودہ تخالف و انحراف نورزند تحریراً فی التاریخ ۱۴ شہر رمضان المبارک سنہ ۱۸ جلوس میمنت مانوس سنہ ۱۰۵۴ ہجری ۔

(۵) فرمان مہری شہزادہ داراشکوہ موسومہ راجہ ٹوڈرمل مرتبہ

۲۰ محرم سنہ ۱۰۶۱ھ
۲۳ جنوری ۱۶۵۱ء

لایق العنایہ والاحسان قابل الرحم والامتنان راجہ ٹوڈرمل بعنایات سلطانی مفتخر و مباہی گشتہ بداند کہ چون ورثۂ مولانا شیخ الہداد نواسۂ ملا عبد اللطیف مرحوم بعرض عالی کہ آنمرحوم بموجب فرمان خجستہ عنوان ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی یکقطعہ باغ و کٹرہ و دکاکین چند در قصبہ سلطان پور داشت و در حالت ...... س و ثبات عقل ہمہ املاک خود را بعوض مسماۃ اللہ دیتی کہ والدہ رافع باشد بطوع و رغبت خود تملیک نمودہ و تملیک نامہ را بدستخط و مہر خود درست کردہ بایہ دادہ چنانچہ رافع فرمان عالیشان و خط تملیک مزبور بدست ......[1] لہذا حکم والا شرف صدور یافت کہ آن شجاعت شعار بر طبق فرمان و تملیک نامہ مسطور عمل نمودہ

[1] دونوں جگہ کے حروف کاغذ پھٹ جانے سے ضائع ہو گئے ہیں پہلی جگہ باقیماندہ سیاق و سباق عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوش و حواس ہوگا ۔ دوسری جگہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا ۔ ۱۲



قربان [illegible]

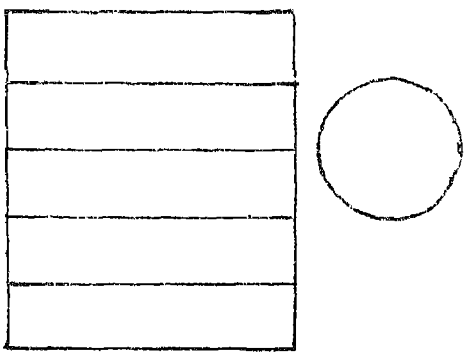
املاک مذکور را براقع مقرر و مسلّم دارد و قدغن نماید کہ احدے بیوجہ حساب و برخلاف حکم فراحم و متعرض احوال او نشود و دران املاک مداخلت نماید درین باب تاکید شناخت تخلف نوازد ۔ ١٠ محرم ١٠٦٦ھ ہجری ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(٦)

پہلا فرمان عالمگیری
١٠٦٨ھ
١٦٥٩ء

الحمد و الشکر اگر مسلمان می شد برادر دین ما شد سے محفوظ می ماند و از بلائے وطنی و محنتہا بہ محفوظ می ماند اما چونکہ مسلمان نشد





زبدۃ الاماثل والاقران لایق العنایت والاحسان

پیڈ نایک بعنایت بادشاہانہ مفتخر و مباہی بودہ بداند کہ درین ولا از پیشگاہ خلافت و جہانبانی از راہ فضل و کرم تقصیرات آن زبدۃ الاماثل والاقران عفو شدہ سرو لیسکی نصرت ابا

سلہ یہ فرمان ١٦٥٩ء سال اول جلوس اورنگ زیب کا پیڈ نایک راجہ شوراپو ضلع گلبرگہ کے نام کا ہے اس پر ایک چھوٹی مہر ہے جو بالکل مٹی ہوئی ہے اور دوسری مربع ہے جس میں طغرائے عربی ہے لیکن دوسرے دو فرمان چھتیسویں سال جلوس کے چکنا نایک دوسرے راجہ شوراپور کے نام ہیں اُن پر بھی ایسی ہی مہریں ہیں جن کی عبارت ہم نے خوردبین کی مدد سے بدقت تمام پڑھ لی ہے ۔

بخط نستعلیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نشان عالی متعالی
پادشاہ
جہان شاہ
محمد اعظم شاہ

بفرمان ابو المظفر
محی الدین اورنگ زیب عالم گیر
پادشاہ غازی

غازی
محمد عالمگیر بادشاہ
محمد اعظم شاہ ابن

وغیرہ بدستور شدہ آمد سابق مطابق فرمان والاحضرت بآں زبدۃ الاقران بحال حکم شدہ
باید کہ امیدوار عنایات پادشاہانہ بودہ بنام نایک پسر خود را بہ طمانیت خاطر بکاب
ظفر انتساب بفرستد کہ بنوازشات پادشاہانہ وعطاے منصب سربلندی یابد
چہارم شہر رمضان المبارک سنہ احد جلوس والا قلمی گشت -

(۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیادت ونقابت مرتبت نجابت وشرافت منزلت نقاوہ دودمان ارشاد وہدایت خلاصۂ
خاندان رشاد وافاضت نیر جہانتاب برج رسالت اختر نور بخش اوج ولایت المختص بعواطف
الباطنی والظاہری شاہ حضرت قادری بفیض ایزدی بہرہ ور باشند بعدہ مخفی نماند کہ سابقا
حقیقت رسیدن مغل بموضع کرپاسنگی وتکیہ تہ نگارش فرمودہ بسارعت تمام فرزند ولشکر واحتشام خاں
عالیشان رفیع القدر بلند مکان مسعود خاں را بحضور انور آوردن نگاشتہ شدہ بود تا حال از
مکان متمکنہ عدول نکردند احوال اینجا اینست کہ لشکر مغل دریں تخریب پرگنہ جمکندی تیرول
وغیرہ ملک معمور شدہ وخان رفیع الشان شرزہ خاں را کہ حکم فرمودہ بود کہ معز الیہ را
بدار الخلافہ امروز کہ تاریخ ششم است بمجرد اطلاع اخبار حادثات رسیدند و غل دریں
مشار الیہ می رسد یقین تصور نمودہ درعالے کہ حقیقت مرقومہ بمطالعہ درآید مع فرزند

یا محیی الدین مدد

ولشکر واحتشام خاں معز الیہ راہ دار السلطنت پیش گرفتہ باید
والا رسیدن بآں سیادت پناہ ممکن ونیسر نخواہد شد مشہور است
کہ کار امروز بفردا افگندن ہاں زنہار چوں شود روز دگر نوبت کاری
دگر است الحال بجز جنگ وجدال وقتل وقتال صورتی دیگر متصور نیست زیادہ آں سیادت پناہ دانا اند

نوٹ - یہ اصل فرمان مجھ کو سید احمد صاحب نبیرۂ قادری جاگیر دار آنا ہسور سے ملا ہے جو نہایت خوش خط سنہری
کنگلی دار کاغذ پر لکھا ہوا ہے - اس پر کوئی تاریخ نہیں ہے مہر دستی میں صرف مدد یا محیی الدین کندہ ہے جو فرمان کے
داہنے حاشیہ پر ثبت ہے اور کسی وزیر کی معلوم ہوتی ہے گر بلحاظ واقعات اواخر زمانۂ سلطنت علی عادل شاہ
ثانی (۱۰۶۷ تا ۱۰۸۳ھ) یا اوائل سلطنت سکندر عادل شاہ کا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں سید الیاس المخاطب
بہ شرزہ خاں اور مسعود خاں دونوں موجود تھے اور شرزہ خاں کے نام اورنگ زیب کا فرمان سنہ ۱۰۹۳ھ کا علیحدہ
(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

بسم الله الرحمن الرحيم

سیادت و نقابت مرتبت نجابت و شرافت منزلت نقاوه دودمان ارشاد و هدایت خلاصه خاندان [illegible] شاه حضرت قادری
نیر جهانتاب برج رسالت اختر نوربخش اوج ولایت المختص بعواطف الباطنی والظاهری بفیض ایزدی
بهره ور باشند بعد هذا مخفی نماند که سابقا حقیقت رسیدن مغل بموضع کبراسنگی و نیکوتی نگارش
نموده بمسارعت تمام فرزند دولت و احتشام لشکر عالیشان رفیع القدر بلند مکان مسعود خان را بحضور
آوردن نگاشته شده بود اما تا حال از مکان متمکنه عدول نکردند و احوال اینجا اینست که لشکر مغل در پی
تخریب پرگنه جگندی و بیرون [illegible] ذخیره ملک معموره شده و خان رفیع الشان شیرزه خان را که حاکم
نموده بودیم معز الیه راست بدار الخلافه [illegible] فرستاده تاریخ ششم است بمجرد اطلاع اخبار [illegible]
رسیدند و مغل در پی شاه الیه میرسید یقین تصور نموده در حالتی که حقیقت مرقومه بمطالعه در آید
مع فرزند دولت و احتشام خان معز الیه را بدار السلطنه [illegible] رسانیده و الا رسیدن به آن
سیادت پناه ممکن و میسر نخواهد شد مشهور است کار امروز بفردا مفکن [illegible]
چون شود روز دگر نوبت کار دگر است الحال بجز جنگ و جدال و قتل و قتال صورتی دیگر متصور نیست زیاده آن سیادت پناه دانا

(۸) منشور مہری شاہنشاہ اورنگ زیب بعطاے دہ بیگہ اراضی واقع پٹی ہیبت پور صوبۂ لاہور بہ مسماۃ عایشہ مورخہ ۱۲ رجب ۱۰۶۹ھ ؁۱۶۵۹ء - یہ فرمان بحالت شہزادگی نافذ ہوا ہے کیونکہ اورنگ زیب گو ۱۰۶۸ھ میں تخت نشین ہوا لیکن باقاعدہ طور پر تخت نشینی کا اعلان ۲۴ رمضان ۱۰۶۹ھ کو ہوا یعنی اس فرمان کی اجرائی کے دو مہینے بعد -

اللہ اکبر

درینوقت منشور لامع النور شرف صدور وعز ظہور یافت کہ ×

پٹی ہیبت پور من مضافات صوبۂ دار السلطنت لاہور از ابتداے ربیع تنکوزئیل در وجہ مدد معاش مسماۃ عایشہ حسب الضمن مقرر شد × کہ حاصلات آنرا فصل بفصل سال بسال صرف یحتاج خود نمودہ بدعاے دوام دولت ابد طراز اشتغال مینمودہ باشد می باید کہ × حکام وعمال وجاگیرداران وکروریان حال واستقبال در استمرار واستقرار اینحکم والا کوشیدہ اراضی مذکور را پیمودہ وچک بستہ × بتصرف او بازگذاشتہ اصلا ومطلقا تغیر وتبدیل بدان راہ ندہند وبعلت مالوجہات واخراجات مثل قتلغہ وپیشکش وجریبانہ وضابطانہ × و محصلانہ ومہرانہ وداروغگانہ وبیگار وشکار ودہ نیمی ومقدمی وصدد وی قانون گوئی وضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک وتکرار زراعت وکل × تکالیف دیوانی ومطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند ودرین باب ہر سالہ سند مجدد نطلبند واگر در محلی دیگر چیزی دیگر داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند از فرمودہ درنگذرند بتاریخ ۱۲ شہر رجب ۱۰۶۹ہجری ست تحریر پذیرفت ۵

(تکملہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

موجود ہیں جس سے اندازہ اس فرمان کے سند کتابت کا لگایا جاسکتا ہے قدیم زمانے میں اپنے فرامین طبلق اور کمربند لگ کر آتے تھے اور کمربند پر ایک طرف القاب اور دوسری طرف تاریخ تحریر اور درمیانی حصے پر نام مکتوب الیہ اور پشت پر مہر ہوتی تھی یہ طریقہ مراسلت کا میرے دیکھنے میں آیا تا زمانہ مہاراجہ بہادر رسالا جنگ اول کی مدار المہامی تک جاری تھا - اب انگریزی تہذیب نے ان سب قیود سے آزاد کر دیا ۱۲ من المصنف

(۹) فرمان مہری اورنگ زیب بعطاے اراضی یکصد بیگہ در پرگنہ بہت سرکار سہارنپور صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد بنام مسماۃ صاحب دولت و دیگران بطور مدد معاش مورخہ ۴ ربیع الاول سنہ ۵ جلوس م سنہ ۱۰۷۳ھ ۱۶۶۲ع

در ینوقت فرمان عالیشان فرخندہ عنوان شرف صدور یافت کہ موازی یکصد بیگہ زمین افتادہ لایق زراعت خارج جمع از پرگنہ بہت متعلق سرکار سہارنپور من مضافات صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد × از خریف پارس ئیل در وجہ مدد معاش مسماۃ صاحب دولت و غیرہا حسب الضمن مقرر و مفوض باشد کہ حاصلات × آنرا فصل بفصل و سال بسال صرف مایحتاج خود ہا نمودہ بدعای بقای دولت ابد مدت اشتغال نمودہ باشند × می باید کہ حکام عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال در استمرار و استقرار اینحکم والا کوشیدہ اراضی مذکور را پیمودہ و چک بستہ بتصرف آنہا بازگذاشتہ اصلاً و مطلقاً تغییر و تبدیل × بدان راہ ندہند و بعلت مالوجہات و اخراجات مثل قلبہ و پیشکش و جریبانہ و ضابطانہ و محصلانہ و دہ نیمرانہ و داروغگانہ و بیکار و شکار و دہ نیمی و مقدمی و صدد و یی و قانون گویی × و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند و درین باب ہر سالہ سند مجدد × نطلبند و اگر در محلی دیگر چیزی داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند تاریخ چہارم شہر ربیع الاول سنہ پنج از جلوس والا نوشتہ شد -

(۱۰) فرمان مہری اورنگ زیب بعطاے یکروپیہ یومیہ از خزانہ لاہور بنام محمد باقر نبیرہ عبد اللطیف مورخہ ۱۹ شعبان سنہ ۶ جلوس م سنہ ۱۰۷۴ھ ۱۶۶۴ع

در ینوقت فرمان عالیشان سعادت نشان شرف صدور یافت کہ مبلغ یکروپیہ بلاقصور یومیہ از خزانہ دار السلطنت لاہور در وجہ مدد معاش محمد باقر نواسہ ملا عبد اللطیف سلطانپوری کہ طالب علم کثیر العیال است حسب الضمن

مقرر و مفوض باشد از اصرف × ما یحتاج خود نموده بدعاء بقاء دولت ابد مدت
اشتغال می نموده باشد می باید که حکام و عمال × متصدیان مہمات و متکفلان معاملات
و داروغگان و مشرفان حال و استقبال آنجا در استمرار ۃ و استقرار این حکم
اشرف اقدس اعلیٰ کوشیده مبلغ مذکور را از خزانۂ مذبور بمشار الیہ میرسانیده
باشند و از انجمله چیزی قاصر و منکسر نگردانند و درین باب ہر ساله حکم و سند مجدد
نطلبند و اگر در محلی دیگر چیزے داشته باشد آنرا اعتبار نکنند بتاریخ نوزدہم شہر
شعبان سنہ شش از جلوس والا نوشته شد۔

(۱۱) سند مطلا و مہری محمد شاہ بادشاہ بخط شفیعہ مشعر سرفرازی بر عہدۂ قضاءت پرگنۂ جلیسر صوبۂ اکبرآباد بنام شیخ محمد رضا سنہ جلوس (۱)

علیین آشیان[1]

گماشتہای جاگیرداران و کروریان و جمہور سکنۂ پرگنۂ جلیسر وغیرہ سرکار
و صوبہ اکبرآباد را اعلام آنکه × وکیل شیخ محمد رضا ولد شیخ محمد عوض التماس نمود که
موکل بموجب پروانہ عہد مرقوم بست ہفت رجب سنہ الیہ × منصب
قضای پرگنہ مذکور وغیرہ سرفرازی دارد و امیدوار است که پروانہ مطابق عہد
مرحمت شود حسب الحکم اعلیٰ قلمی میگردد که مشار الیہ را بدستور سابق حسب الضمن
دانسته دست تصدی[2] مومی الیہ در امور متعلقہ انخدمت مستقل دانند ۃ و دیگر را
سہیم و شریک او ندانند درینباب قدغن دانسته حسب المسطور بعمل آیند پنجم
شہر ربیع الثانی لصہ[3]

سلہ فرامین و احکام میں بہ پاس ادب سطر میں جگہ چھوڑ کر نام بادشاہ کا پیشانی پر لکھ دیتے ہیں۔
سلہ بجنسہ ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔
سلہ فرامین پر بجائے دستخط کے صاد بنا دیتے تھے یا بعض کر دیتے تھے۔ ۱۲

(۱۲) فرمان مُہری محمد شاہ بادشاہ متضمن عطائے خدمت قلعہ داری ارک بندر مبارک سورت اور خطاب بیگلر خاں ۱۴ر جمادی الاولیٰ سنہ ۳۰ جلوس م ۱۷۴۸ء ۱۱۶۱ھ

لایق العنایت وقار خاں بنوازش بادشاہی امیدوار بودہ بداند
کہ درین زمان × میمنت اقتران بفضل وکرم خسروانہ از راہ بندہ پروری او را بجہت
خدمت × حراست قلعۂ ارک بندر مبارک سورت و عطائے خطاب بیگلر خاں از انتقال
بیگلر خاں حاسب متوفی سرمایہ مفاخرت و مباہات بخشید × باید شکر و سپاس
عنایت مقدس و معلی بجای آوردہ در محافظت قلعہ و توزوک و احتشام و موجود
داشتن ذخیرہ مطابق ظابطہ[ف] مستمرہ × جد و جہد فراوان بکمال ہوشیاری و خبرداری
بتقدیم رساند درین امور از حضور ساطع النور تاکید موفور داند چہار دہم جمادی الاولیٰ
سال سیم از جلوس والا نوشتہ شد۔

(۱۳) سند مطلّا بنام نجیب الدولہ جن کو منصب سہ ہزاری اور غیاث الدین حیدر
کا خطاب ملا۔ مورخۂ ۳ر محرم ۱۱۸۲ھ ۱۷۶۸ء

بتاریخ چہارشنبہ سوم شہر محرم الحرام
سنہ ۱۰ جلوس میمنت مانوس موافق سنہ ۱۱۸۲ ہجری
مطابق ماہ   برسالہ امارت و نجابت
و مرتبت و شہامت دایالت منزلت × دانای
مدارج دین و دولت شناسای مراتب ملک و ملت
فرازندۂ لوای شوکت و حشمت طرازندۂ بساط ابہت
و عظمت اعتضاد خلافت و فرمانروائی × اعتماد سلطنت
کشور کشائی ظفر پیرائی معارک جہان ستانی
عیش آرائی محافل کامرانی ماہیچ مناہج ملک

ف ۱ اصل فرمان میں اسی طرح ہے۔ دراصل یہ ضابطہ ہے۔ ۱۲

ومال بانی مبانی دولت واقبال دقیقه یاب
سرائر سلطانی رمزشناس× عالم مزاجدانی
جوهر مرآت حقیقت ودوا فروغ شمع یکرنگی وصفا
همدم دلگشای مجلس خاص محرم خلوت سرای
صدق و اخلاص کارفرمای سیف و قلم مدبر امور
عالم× قدوه خوانین بلند مکان عمده امرای
عظیم الشان مرید مرشد پرست بی ریو رنگ نقاوه فدویان بافرهنگ استظهار
مجاهدان باعظم افتخار دلیران معرکه ارم× امیر صیانت تدبیر ممالک مدار مشیر روشن ضمیر
عالی مقدار لازم الاختصاص والاعزاز واجب الاحترام والامتیاز رکن السلطنة
پادشاه سلیمان اقتدار بخشی الممالک× امیر الامرا ناصر الملک نجیب الدوله نجیب خان
بهادر ثابت جنگ سپه سردار نوبت واقعه نگاری کمترین خانه زادان درگاه آسمان جاه
عقیدت التیام× اندراج قلمی میگردد و حکم جهان مطاع آفتاب شعاع شرف نفاذ
یافت که غاز(ی) الدین حیدر بمنصب سه هزاری ذات و دو هزار سوار و خطاب
خانی و بهادری× سرفراز باشد واقعه بتاریخ دوم محرم الحرام سنه بموجب
تصدیق یادداشت قلمی شد

شرح دستخط×
امارت و نجابت مرتبت×
شجاعت و ایالت منزلت دانای مدارج×
مبین و دولت شناسای مراتب ملک و ملت قدر [illegible] عظمت [illegible]
لوای× شوکت و حشمت طراز بساط ابهت و سلطنت [illegible] آرای× محافل [illegible]
اعتضاد و خلافت [illegible] مکان و مآل بانی مبانی دولت و اقبال×
[illegible] مناهج دقیقه یاب سرائر سلطانی رمزشناس×
عالم مزاجدانی جوهر مرآت
حقیقت

و وفا فروغ شمع
پیکر نیکی و صفا همدم دلکشای مجلس
خاص محرم خلوت سرای صدق و اخلاص کارفرمای
سیف و قلم مدبر امور عالم قدوهٔ خوانین بلند مکان عمدهٔ امرای
عظیم الشان مرید و شیر پرست بی ریو و رنگ نقاوهٔ فدویان با فرهنگ
استظهار مجاهدان با عزم افتخار دلیران معرکهٔ رزم امیر صیانت تدبیر ممالک
دارای شیر روشن ضمیر عالی مقدار لازم الاختصاص والا اعزاز واجب الاحترام
والا معیار × رکن السلطنة پادشاه سلیمان اقتدار بخشی الممالک امیر الامرا
ناظم الملک نجیب الدوله نجیب خان بهادر ثابت جنگ سپه سالار
سردار آنکه داخل واقعه نمایند ×

نقل خط انور صاد

فرد مزین صاد خاص بدفتر رسید که غازی الدین حیدر را
پیشگاه خلافت جهان بانی امیدوار تفضلات خاقانیست
که به منصب سه هزار ذات و دو هزار و خطاب خانی و بهادری
سرافراز شود شرح دستخط
بخشی الممالک آنکه مطابق صاد خاص بعمل آرند

سه هزار ذات
۲ هزار سوار

تحریر فی تاریخ　شهر　صد　ده　سنه الیه

(۱۴) فرمان شاہ عالم ثانی متضمن عطائے جاگیر مالیتی یک لک دوام جس کی آمدنی نوسو روپیہ تھی مؤرخہ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۲۲ جلوس معظم سنہ ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء

دریں وقت میمنت اقتران فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ
مبلغ یک لک و ہفتاد و پنج ہزار و ششصد و شصت و پنج دام موضع کوالیسر وغیرہ
عملہ پرگنہ شکرپور وغیرہ سرکار صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد کہ مبلغ نہصد روپیہ
حاصل آنست بابت محال جاگیر محمدی خاں عرف بہچو خواص در وجہ انعام التمغائی
حسین بخش وغیرہ متعلقان خان مشار الیہ با فرزندان تصدیق و یادداشت و
توفیر آنچہ از حسن تردد بر جمع آں بیفزاید از ابتدای ربیع او دئیل حسب الضمن مقرر شد
باید کہ فرزندان نامدار کامگار و الاتبار و وزرائے ذوی الاقتدار و امرای عالی مقدار
و حکام کرام و عمال کفایت فرجام و متصدیان مہمات دیوانی و متکفلان معاملات
سلطانی و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال ابداً و مؤبداً در استقرار
و استمرار این حکم مقدس معلی کوشیده و اسامی مرقومہ را نسلاً بعد نسل و بطناً
بعد بطن حالاً و محلاً بتصرف آنہا واگذارند و از عوامل دہم تغییر و تبدیل مصئون و محروس
دانستہ بعلت پیشکش صوبہ داری و فوجداری و مال و جہات و سائر اخراجات
مثل قلعہ و محصلانہ و داروغانہ و ضابطانہ و شکار و بیگار و دہ نیمی مقدمہ و
صدد وئی و قانونگوئی مزاحم و متعرض نشوند و از کل تکالیف دیوانی و مطالبات
خاقانی معاف و مرفوع القلم شمارند دریں باب تاکید اکید و قدغن مزید دانستہ
ہر سال سند مجدد و تعلیقہ طلبند و از دیگر لیخ کراہت تبلیغ و الاتخلف و انحراف نورزند
بتاریخ ہفدہم شہر ربیع الاول سال بیست و دوم از جلوس ابد مانوس معلی
زیب تحریر یافت

---

(۱۵) نکاح نامہ مرزا شہاب الدین و مداری بیگم مورخہ شب ۷ شوال سنہ ۱۲۳۱ھ مہری قاضی مرزا خلیل الرحمن جو نہایت مطلا اور نادر ہے۔ یہ نکاح نامہ ۲۰ ستمبر سنہ ۱۸۵۷ء کو قلعہ معلی میں بوقت قبضہ انگریزی ملا اور مسٹر امری شونگیر نے

(Mr Imre Schweiger نے عجائب خانۂ واقعۂ قلعہ کو تحفۃً دیا

اطلعت بهذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل النکاح سنۃ سنیۃ للانام وفصلاً قاطعاً متمیزاً بین × الحلال والحرام حصناً حصیناً عن التفاحش والآثام وتمتعاً فی اللیام والایام × والصلوٰۃ والسلام علی من جاء بامر فانکحوا ما طاب لکم من النساء وقال تزوجوا وتناسلوا × وتکاثروا فانی متکاثر بکم الامم یوم العرض واللقاء وعلی آلہ المعصومین واصحابہ اجمعین × اما بعد این وثیقہ صحیحہ شرعیہ نبویہ بزیور صدق آراستہ مشعر ومبنی است بر اینکہ × بتاریخ شب ہفتم شوال المکرم سنہ ۱۲۴۱ ہجریہ مقدسہ نبویہ علیہ التحیۃ والثناء در محفل عقد حاضر آمد × حافظ نظام علی بن نور محمد کہ وکیل ثابت الوکالت بالنکاح است از قبل نتوشین عصمت سماۃ × مداری بیگم بنت مرزا مولنگا بشہادت شاہدین العادلین الحرین البالغین احدہما مرزا حسین بخش ابن مرزا جمعہ وثانیہما مرزا [illegible] الدین بن مرزا شجاع الدین وکیل مذکور بنفس نفیس سماۃ مذکورہ بعوض کابین مبلغ پنجاہ صد روپیہ سکۂ رائج الوقت کہ ثلث از ان معجل وثلثان منہ مؤجل الی بقاء النکاح بزنی وزوجیت زوجہ دودمان سلاطین نامدار × مرزا شہاب الدین بن مرزا لطو داد وناکح مذکور بنفس نفیسہ سماۃ ممدوحہ را بعوض کابین المذکورین × خواست وقبول کرد وبدین عقد نکاح صحیح شرعی خود درآورد وبینہما ایجاب وقبول شرعی واقع شد × وعقد نکاح منعقد گشت نکاحاً صحیحاً شرعیاً جائزاً نافذاً علی سبیل الشہرۃ والاعلان ولا علی الطریق الخفیۃ والکتمان فقد وقع ذلک فی التاریخ شہر صدر وسنہ الیہ

اس نکاح نامے کے حاشیے پر شاہزادوں کی گواہیاں حسب ذیل ہیں :-
مرزا شہاب الدین (ناکح) مرزا لکھو صاحب - مرزا ملو صاحب - مرزا محمد - محمود -

مرزا سربلند بخت ۔ مرزا خداداد ۔ مرزا ببو ۔

(۱۶) خط فارسی من جانب لارڈ بنٹنک موسومہ مہاراجہ رنجیت سنگھ پنجاب مورخہ ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۸۳۱ع مع لفافہ طلائی ٹکلیاں اور افشاں کیا ہوا بخط شکستہ جس کی پشت پر مہر گورنر جنرل بہادر کے دفتر کی ہے ۔

مہاراجہ صاحب بسیار مہربان شفیق دوستان باستظہار مخلصان سلامت

بعد اشتیاق دریافت صلت موفور المسرت کہ متجاوز التحریر × والتقریر است مشہود خاطر مہربانی مظاہر سیارد سوال وجواب × مطارحا آنکہ از وقت ورود شہامت وعوالی مرتبت × ابہت و معالی منزلت منکف صاحب بہادر بدربار آنمشفق × اہل آمدہ کیفیت آن بمفصل از ارقام صاحب موصوف بدریافت مخلص رسید بعض مراتبیکہ دراثنای این گفتگوہا × ر بظہور آوردہ موجب تحیر و تاسف خاطر اتحاد ماثر شد × مقتضی برین گشت کہ مخلص بذریعہ قلمی محبت نامہ کیفیت × مافی الضمیر و مکنونات خاطر خود بحیطہ بیان درآرد × اشتغال مقصود از تعیناتی صاحب موصوف بدربار آنمشفق × ہمین بودہ کہ معزی الیہ از آگاہی خطراتیکہ عاید شدن آن × بمرور ایام نسبت بملک آنمشفق متصور است بخدمت اطلاع دادہ × جہت اندفاع آن طرح انداز مصلحت و موافقت ہر دو سرکار شود × چنانچہ صاحب موصوف تفصیل این اجمال را تصریحانہ × در خدمت آن شفیق بعرض اظہار درآوردہ اند واگرچہ درحقیقت تقرر اینچنین سررشتہ موافقت خالی از انتفاع × این سرکار ہم نیست زیراکہ گروہ خذلان پژوہیکہ منبع زیان رسانی نسبت بممالک سرکار آنمشفق است × از معاندان این سرکار نیز متصور لیکن درصورت پیشقدمی × آن گروہ محفوظ و مصئون بودن ملک آنمشفق از آسیب و تعدی آنہا × بلا اعانت و امداد اہالی سرکار کہ بفضل الٰہی نظر برمراتب قدرت و فرط استعداد و اقتدار خودہا × اسباب حفاظت و حراست ممالک محروسہ بجمیع وجوہ × حاصل و واصل دارد امر محال است ازانجاکہ بظاہر اسباب × صداقت این مقال بروجہ احسن وروشن

مستحسن منقوش (حاشیه پر آڑی سطروں سے) خاطر آنمشفق گردیده بود ×
درینصورت بالفعل دریافت اینمعنی که × آنمشفق اقبال سوال مزبور را که کمال
منفعت × بل قیام سرکار آنمشفق دران متضمن است منحصر و مشروط برین
داشته بودند × که سرداران سکهان اینطرف رود ستلج که از متوسلان وزیر
سایه × بحفاظت این سرکار هستند اهالی این سرکار روادار دست درازی
آنمشفق زیر تعلقات اینها شوند موجب × استعجاب خاطر اتحاد مآثر گردیده معهذا
هرگاه اینهم بظهور پیوست × که آنمشفق باوجود مشغول و مسطور داشتن اینمعنی که در
مقدمه × سرداران مزبور از تحقیق استصواب و استصلاح بعمل آید × خود مع فوج
رود ستلج را عبور ساخته در ممالک آنها × در آمده بتسخیر قلعه جات اقدام نموده
بودند مکان استعجاب × زیاده از سابق لاحق خاطر مودت ذخائر گردید مشفقا
مدارج وفا پرستی و اعتدال پژوهی اهالی سرکار × انگریز بهادر بر آنمشفق
و جمیع روسا و سرداران ایندیار × بخوبی واضح و لایح است × هنگامیکه قوم مرهته
در ایام تسلط خود × بممالک سمت شمال هندوستان از سرداران سکهان ×
پیشکش و خراج میگرفتند و دست اختیار از سر اینها × دراز و آنها را زیر اطاعت
خود ها میداشتند × بعد ازان وقتیکه اهالی این سرکار محض جهت صیانت × ممالک
محروسه از دست پیش قدمی و زبردستی قوم مزبور × مجبوراً ارتکاب محاربه پرداخته
بر ممالک هندوستان × مسلط شدند × ایتلاف و انجذاب قلوب سرداران
سکهان بذریعه تمشیت سررشته فلاح و بهبود اینها پیش نهاد خاطر داشته
از اخذ پیشکش و خراج مال از هر گونه مطالبه و × مزاحمت اجتناب ورزیده سرداران
مذکورین را بلاقید × و حصر در میان تعلقات اینها مختار گردانیده پس هرگاه × اهالی
موصوف محض نظر بر رفاه احوال و استقرار اختیار × سرداران مذکور در میان تعلقات
مفوضه اینها × از اجرای حکومت واجبی نسبت باینها دست بردار شدند × چه جای
امکان باشد که اهالی موصوف روادار تحکم × سرکاری دیگر بر سرداران
سکهان مذکورین توانند گردید × از انجا که اینمعنی بر رای رزین آنمشفق نیکو ظاهر خواهد بود
درینصورت مخلص را یقین حاصل که آنمشفق از تقدیم اراده خود × نسبت سرداران

فروزین معطوف العنان خواہند گشت ۔ مشفقا بزودی بعض مراتب [1]

(منٹو) Minto

نقل لفافہ ۔ بمطالعہ ساطعہ مہاراجہ صاحب بسیار مہربان شفیق دوستان استظہار مخلصان مہاراجہ رنجیت سنگھ بہادر سلمہ اللہ تعالےٰ موصول باد ۔ لفافے کے عرض پر ۔ مرقومہ سی ویکم ماہ اکتوبر ۱۸۰۹ء عیسوی مطابق دہم رمضان ۱۲۲۴ھ ہجری

(۱۷) لارڈ آکلینڈ کا خط بنام ابو نصر معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۸۳۷ء جس میں لاٹ صاحب نے حضور بادشاہ ولیم چہارم کی وفات اور حضور ملکہ معظمہ وکٹوریا کی تخت نشینی کی اطلاع دی ہے

To His Majesty,

Abu Nusur Moyeen-ooddeen Mohummad Akber Shah Badshah Ghazi

My royal and illustrious friend,

I have learned by Dispatches recently received overland from England the mournful intelligence of the death of His most gracious Majesty King William the Fourth, whom after a happy and prosperous reign of seven years it pleased the Almighty to call to his Mercy on the 20th of June in the year of our Lord One thousand Eight Hundred and thirty seven.

The late Sovereign by his many excellent

[1] عبارت نامکمل ہونے سے یہ خط ناتمام معلوم ہوتا ہے مگر اختتام عبارت پر لاٹ صاحب کے دستخط خاتمہ کی دلیل ہیں یہ بھی ممکن ہے اور کچھ عبارت رہی ہو ۔ ۱۲

qualities, had greatly endeared himself to his subjects who deeply and unanimously lament his loss.

By the demise of His late Majesty the Imperial Crown of the United Kingdom of Great Britain and Ireland has solely and rightfully come to the High and Mighty Princess Alexanderina Victoria, niece of the late Sovereign, who has been duly proclaimed, by the Grace of God, Queen of the United Kingdom of Great Britain and Ireland and Defender of the Faith. May her reign be prosperous.

Considering your Majesty as a sincere friend of the British Government I have deemed it necessary to communicate the above circumstances for your information.

In conclusion I beg to express the high consideration I entertain of your Majesty and subscribe myself—

Your Majesty's Sincere friend
Auckland

Fort William
11th September 1837

(ترجمہ) بحضور ابوالنصر معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ غازی —
میرے شاہی اور والاقدر دوست — اُن مراسلوں سے جو حال میں انگلستان

سے موصول ہوئے ہیں سے مجھے حضور بادشاہ ولیم چہارم کی وفات کی افسوسناک خبر ملی ہے جن کو خداوند تعالیٰ نے اپنی مرضی سے سات سال کی خوش اور با اقبال سلطنت کے بعد ۲۰ رجون ۱۸۳۷ء میں اپنی جوار رحمت میں طلب فرمالیا۔ مرحوم بادشاہ کو اپنی بہت سی صفات حسنہ کی وجہ سے رعایا بہت عزیز رکھتی تھی جو گہری طور پر متفقاً اُن کی وفات کا ماتم کرتی ہے۔ حضور مرحوم کی وفات سے سلطنت متحدہ برطانیہ اعظم و آیرلینڈ کا شاہی تاج بالکلیہ استحقاقاً علیا حضرت شاہزادی الگزینڈرینا وکٹوریا شاہ متوفی کی بھتیجی کے قبض و تصرف میں آیا ہے جن کے بفضل خدا ملکہ سلطنت متحدہ برطانیہ اعظم و آیرلینڈ و حامی دین ہونے کا اعلان باقاعدہ طور پر کیا جا چکا ہے۔ بخیال اس امر کے کہ حضور سرکار برطانیہ کے مخلص دوست ہیں میں نے واقعات بالا کی اطلاع دینا ضروری خیال کیا۔ خاتمہ پر میں اس واجب التعظیم خیال کا اظہار کرتا ہوں جو مجھے حضور کی ذات سے ہے۔

میں ہوں حضور کا مخلص دوست۔ آکلینڈ

---

(۱۸) فرمان مطلا اکبر شاہ ثانی موسومہ کرنل اسکنر سنہ جلوس (۳۰)

جس کے سر و طغرے طلائی اور شاہی مہر ہے اور مہر پر چتر شاہی کی شکل بھی بنی ہوئی ہے

قدوۃ الاقران استوار رشتہ باسم ناصر الدولہ کرنیل جیمس اسکنر بہادر غالب جنگ۔

آنکہ عبودیت نہاد خانہزاد قدیم الخاندان و الاعرضی بامضمون گذرانیدہ کہ ٹھیکہ پتہ ربوپورہ از ابتدای ۱۲۳۳ فصلی لغایتہ ۱۲۴۹ واجب شانزدہ سالہ بنام فدوی زادہ از حضور مقرر است × ودرمیان ہفت سال منقضی گردیدہ و نہ سال باقیست از انجا کہ رعایا سقیم و ویران بود کاشتکاران از جابجا طلبیدہ قریب چہل ہزار روپیہ در وجہ تقاوی مزارعان سقیم × دادہ آباد نمود از قلت پیداوار ہیچ یکحبہ از تقاوی بوصول نیامدہ و زرِ مشخصہ حضور والا سال بسال و فصل بفصل بلا توقف و بلا عذر از قرضوام ادا نمودہ زیر باری کثیر برداشتہ ام و آیندہ بتصرف × سی چہل ہزار روپیہ در آبادی و تعمیر چاہ ہای پختہ صورت فواید و محاصل و گذارہ این فدوی غیر ممکن باستحقاق خانہ زادگی قدیم

امیدوارم کہ پتہ مذکور بجمع زر مشخصہ شانزدہ ہزار روپیہ سالیانہ بطور × استمرار
نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بنام اینفدوی مقرر گردد کہ باطمینان خاطر بصرف زر دیگر
از قرضوام پرداختہ این فدوی و فرزندان اینفدوی جمیع زر مشخصہ حضور پر نور سال بسال
و × فصل بفصل داخل خزانۂ عامرہ کردہ باشند لہذا بمد نظر اینکہ آن عقیدت کیش
خانہ زاد این خاندان علیا است و در ادای زر مشخصہ و صرف نمودن زر تعمیر وجہ آبادی
و خانہ آبادی مقروض × و زیر بار گردیدہ مورد تفضلات و پرورش قدیمانہ پتہ ربوپور
تیولخاص از ابتدای سنہ ۱۲۴۲ بجمع شانزدہ ہزار روپیہ سکہ کلدار سالیانہ مساوی بطور استمرار
نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بنام × ایشان مقرر کردہ شد باید کہ آن فدوی با فرزندان
پتہ مذکور را استمراراً نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بہ تحکم مستقل برای علی الدوام
بذمہ خود دانستہ بخاطر جمع تمام بصرف زر دیگر پتہ مذکور را آباد ساختہ × جمع استمرار
سال بسال و فصل بفصل داخل خزانۂ عامرہ حضور والا کردہ باشند کمی و بیشی پیداوار
ذمہ خود شناسند و اگر خدانخواستہ تصرف و پایمال زبردست رود بہ حسب تحقیقات
این حضور انور مجرائی خواہد یافت باید کہ فرزندان نامدار کامگار عالی نسب والا تبار و
وزرای ذو الاقتدار و امرای عالیمقدار و حکام کرام و عمال کفایت فرجام و متصدیان
مہمات × دیوانی و متکفلان معاملات سلطانی و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال
ابداً و سرمداً در استقرار این حکم مقدس معلی بکوشند و بوجہی من الوجوہ سوائی از زر مشخصہ
طلب ننمایند و لوازمہ عہدہ داران و زمینداران و مقدمان پتہ مذکور آنچنان کہ ہر آئینہ
در اطاعت و فرمانبرداری اہلکاران آن عقیدت کیش پرداختہ پیداوار محال سال بسال
و فصل بفصل ادا میکردہ باشند نوعی تخلف و انحراف نورزند بتاریخ بست و ہفتم شہر
شوال میمنت اشتمال سنہ ۲۲ ام از جلوس معلی زیب تحریر یافت ×

(۱۹) تصدیق نامہ متضمن اس امر کے کہ سرفراز خاں کو اکبر شاہ ثانی نے
پرورش فرما کر خطاب حبیب الدولہ محب الملک افضل الامرا شمشیر جنگ مرحمت فرمایا تھا
اور سلاح خانے میں ایک اعلیٰ عہدے قورخانے اور جیب خاص پر مقرر فرمایا تھا
یہ کاغذ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بوقت فتح قلعہ انگریزوں کے ہاتھ لگا اور مسٹر امری شوگر نے

عجائب خانے کو تحفہ دیا۔ یہ تصدیق نامہ مطلا و مذہب ہے جس پر دو بڑی شاہی
مہریں اور چودہ مہریں اور صاحبوں کی ہیں ـــ

حضرت محمد اکبر شاہ بادشاہ انار اللہ برہانہ و مرقدہ

ولا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمہ فانہ آثم قلبہ واللہ بما تعملون علیم

ازانجا کہ بمقتضای آیہ کریمہ ادای شہادت ولنیل سعادت و
کتمانش موجب شقاوت است ٭ لہذا از حضرت سلاطین والا تبار عالی وقار
علمار تقوی و صداقت التیام و مہذب امور اسلام و فقرا ر ہدایت و صفا شعار
کرامت ٭ و ضیا و تار و رؤسا ر شوکت و حشمت مآب و امرا ر امارت و ابہت نصاب
این خاکسار ذرۂ بے مقدار المخاطب بسرفراز خان ٭ سوال میکند و استشہاد
حق خود میخواہد بر اینمعنی کہ حضرت عرش آرامگاہ این سائل را
از عمر شیر خوارگی بظل عاطفت و سایۂ ملاطفت مثل فرزندان پرورش فرمودہ
بتقرر معلم و ادیب بتعلیم و تادیب ٭ مشرف نمودہ بسن تمیز بتعین خدمت
شایستہ و عہدۂ بایستہ اعلیٰ خدمت قورخانہ و حبیب خاص و بخطاب حبیب الدولہ
محب الملک افضل الامراء محمد سرفراز خان بہادر شمشیر جنگ در اقران و امثال
معزز و ممتاز فرمودہ سند فرمان ٭ والاشان مزین و مسجل بمہر تزک و طغرا مشعر
بمضمون مرقوم الصدور مصدرہ ششم رمضان المبارک سنہ سی و یکم جلوس معلی
بنام خاکسار صادر و عطا فرمودند چنانچہ حمایل فرمان کرامت ترجمان را فخراً و سنداً
بدست ٭ میدارد و نیز تا زمان رحلت فرمودن حضرت عرش سلطانی و حاضر باشی
دربار خاقانی مفتخر و سرفراز ماند حضرتی را از حضرات محمود حسین برصحت اینحال ٭
و صدق ہذا المقال اطلاعی و آگاہی باشد حسبۃً للہ مہر گواہی خود برین قرطاس
ثبت فرمایند کہ عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور شوند ٭

(۲۰) سر چارلس مٹکاف کا خط تعزیت مورخہ ۱۴ اکتوبر سنہ ۱۸۳۷ء موسومہ
ابو المظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی جو حضرت ممدوح کے والد کی وفات پر لکھا گیا۔

To,

His Majesty
Abool Mozaffur Surajooddeen Mohummud
Buhadur Shah Badshah Ghazi,

May it please your Majesty,

I have received with the deepest sorrow the mournful intelligence communicated to me by Mr Metcalfe of the demise of His Majesty on this melancholy occasion with sentiments of sincere and respectful condolence. I fervently Pray that your Majesty may be supported and comforted by the reflection that all things proceed from the Will of the Creator; and that it has pleased Almighty Providence to take unto himself Your Majesty's venerable Father after a long and happy reign.

When time shall have mellowed recollections of a dear Parent, your Majesty will call up with pleasure to the remembrance of the amiable qualities which distinguished His late Majesty, and by which he will ever live in the memory of those who had the honor of approaching him.

I now beg leave respectfully to offer my sincere and heartfelt congratulations on your Majesty's succession

to the Throne of your ancestors.

May you be blessed with a long life, Health, Happiness and Prosperity.

Your Majesty's
Faithful Servant
Agra
The 4th October 1837. C. T. Metcalfe

(ترجمہ) بحضور ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی

التماس آنکہ میں نے اُس اندوہ ناک خبر کو جو مسٹر مٹکاف نے حضور کی رحلت کے متعلق دی ہے نہایت افسوس اور اس الم ناک واقعہ کو مخلصانہ وہمدردانہ خیالات تعزیت کے ساتھ سنا۔ میں گرمجوشی سے دعا کرتا ہوں کہ حضور کو اس امر کے تصور سے سہارا اور تسلی ہو کہ تمامی امور خلاق عالم کی مرضی سے وقوع پذیر ہوتے ہیں اور یہ کہ قادر مطلق کی اسی میں خوشی تھی کہ حضور کے والد ماجد کو ایک طویل اور خوش گوار مدت سلطنت کے بعد اپنے نزدیک بلا لے۔ جب وقت حضور کے غم (و الم) کے اشتداد کو اپنے پیارے والد کی مقدس یاد سے نرم کر دے گا تو حضور کو حضور مرحوم کی اُن صفاتِ پسندیدہ کی یادگاری سے جس کے سبب سے وہ ممتاز تھے مسرت ہوگی جو یہی صفات ایسی ہیں جن کی یاد ہمیشہ کے لیے اُن لوگوں کے دلوں میں تازہ رہے گی جن کو (حضور ممدوح) کی خدمت میں باریابی کی عزت حاصل تھی۔ اب میں ادب سے اپنی مخلصانہ اور دلی مبارک باد حضور کی اپنے آباؤ اجداد کے تخت پر جلوس فرمانے کی پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ خداوند تعالیٰ

آپ کو عمر کی درازی ـ تن درستی اور اقبال مندی نصیب فرمائے ـ حضور کا وفادار خادم ـ سی ـ ٹی ـ مٹکاف ـ مقام آگرہ ـ ۴ ر اکتوبر ۱۸۳۷ء

(۱۲) خط مسطرۂ بعبارت فارسی بخط شکستہ لارڈ الن برا موسومہ بہادر شاہ ثانی بادشاہ مشعر اطلاع اخذ جائزہ عہدہ جلیلہ گورنر جنرلی در ۱۸۴۲ء

درۃ التاج افسر سلطنت و شہریاری زیب افزائے اورنگ خلافت و جہانداری خدیو مملکت عدل و رافت شہریار کشور داد و نصفت خلد اللہ ملکہ و سلطانہ ـ

بر لوح ضمیر منیر مہر تنویر سپہر من و منکشف میگرداند خبر معین و ماموری شدن ارادتمند × در عہد ریاست ممالک محروسہ سرکار کمپنی انگریز بہادر متعلقہ کشور ہند بے شبہہ بذریعۂ × دو واسطۂ معمولی واضح خاطر عاطر شدہ باشد بالفعل بپاس اطلاع بنامۂ اخلاص نگار × می در آرد کہ عقیدت اشتمال بتاریخ بست و ہشتم ماہ فروری ۱۸۴۲ء مطابق × شانزدہم شہر محرم الحرام ۱۲۵۸ھ ہجرے بدار الامارۃ کلکتہ داخل گردیدہ انجام و × اہتمام امور متعلقہ عہدہ مزبورہ برخود لازم گرفتہ و یقین خاطر خطیر شفقت نظیر × باشد کہ مدارج کمال اکرام و احترام نسبت مرتبہ خلافت منزلت و مراتب خلوص × عقیدت نسبت بذات ستودہ صفات آنخدیو مملکت عدل و رافت و آنخاندان × سلطنت بنیان و بمنتسبان ایراز آن ہموارہ بپاس لوازم آسایش و × آرامش منسبان آن دودمان قسمیکہ از طرف گورنر جنرل بہادر × سابق سمت وضوح یافتہ از تہ دل عقیدت منزل منتقش و منطبع خاطر ارادت مظاہر است و خواہد بود حق سبحانہ و تعالی تا دوام × ماہ و مہر و قیام سپہر آن درۃ التاج افسر سلطنت و شہریاران را بتائیدات غیب الغیب مؤید و مشید داراد ـ

(البنرا) Ellenborough

له یہ خط غور اور توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنر جنرل بہادر سلاطین مغلیہ کو کس طرح مخاطب کرتے تھے ـ اس خط کے نیچے صرف لاٹ صاحب کے دستخط انگریزی ہیں اور بس ـ ۱۲

(۲۲) یہ خط جو ایک بہت بڑے مطلا و مذہب کاغذ پر نہایت خوش خط لکھا ہوا ہی بہادر شاہ ثانی بادشاہ کا ہی جو ۹ رشوال ۱۳ جلوس (۱۸۴۹ء) کو ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا کے نام لکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جواہر زواہر ہزاران ستائش و ثنا نثار پایۂ عرش عظمت و اجلال وقدیمی کہ اوراق متفرق افراد عالم بہ حدوث رالبشیرازہ بندی جہان آرائی شاہنشاہان والا اقتدار و خواقین نصفت شعار مجلد و مجموع ساختہ و مظلومان کائنات و لہوفان موجودات را بداد رسی و حق پژوہی بہ فرمانروایان نصفت پرور و خسروان معدلت گستر از نعامی

لہ یہ طول اور مفصل خط بلحاظ عبارت آرائی کے بہت غور سے پڑھنے کے قابل ہی۔ چونکہ بہت بڑے کاغذ پر لکھا گیا ہی قلعہ کے عجائب خانے میں تین حصے کرکے آئینہ دار چوکھٹوں میں جڑا گیا ہی۔ لفافہ ایک علیحدہ فریم میں ہی۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہی کہ بادشاہ کس خیال کے تھے کہ ولی عہد کی چند روزہ جدائی کی تصویر سے پیچھے ہٹ گئے برخلاف اس کے ملکہ معظمہ کو دیکھیے کہ اُن کے تینوں صاحب زادے یکے بعد دیگرے ملک ہند میں تشریف لائے اور نہ صرف بیٹے بلکہ بہویں اور پوتے تک آئے اور خود بادشاہ سلامت مع ملکہ معظمہ کے رونق افروز ہوئے اور اب پھر پرنس آف ویلز ولی عہد بہادر کی تشریف آوری کی خبر مسرت اثر گرم ہی۔ یہ فرق ہی عزم و استقلال ارادے میں ہمارے اور انگریزوں کے۔ ہمارے شاہزادے بھونروں کے بلے بھلا کیسے وطن چھوڑ کر باہر نکلتے اس خط میں بادشاہ تو صرف اتنی ہی ہی کہ میں شہزادے کو آپ کی خدمت میں بھیجتا مگر اُس کی جدائی اور دوری گوارا نہ ہوئی۔ یہ بھی صرف کہنے کی بات ہی اور نری سخن سازی ہی ورنہ در اصل بادشاہ کو ایسا خیال کبھی تو نہ آیا ہوگا۔ اپنے پندار میں ملکہ سے اظہار خلوص و عقیدت کا یہ ایک ذریعہ ٹھیرایا ہی جسے بے انتہا لمبی چوڑی تمہید اور عبارت آرائی کے علاوہ گہرے سنہری کام سے لیپ دیا ہی۔ اس خط کی انشا پردازی اور عبارت آرائی کی قدر لندن میں کس نے کی ہوگی اور اس کی نفیس منشی اور مسجع عبارت کی داد کس نے دی ہوگی اور جب اصل مطلب کی طرف غور کیا ہوگا تو بادشاہ کی اولو العزمی استقلال ہمت و جرأت ملک داری کی نسبت دانایان فرنگ کا کیا خیال ہوا ہوگا ظاہر و باہر ہی۔ اگر اسی مطلب کو سیدھی سادی انگریزی میں لکھوا دیتے تو شاید تمام بکھیڑے اور کھڑاگ سے زیادہ موثر اور مفید ہوتا اس میں کلام نہیں کہ یہ خط وضع الشیء فی غیر محلہ فرد تھا مگر ہر کسے مصلحت خویش نکو می داند۔ ؎

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش رموز مصلحت خویش خسروان دانند (من المصنف)

کاسیاهی حقوق واجب نواخته و لآلی متلالی فراوان نیایش واعتنا ایثار جناب تقدس نصاب قادر قدیم
از اتحاد و ایتلاف سلاطین دادگر و بادشاهان والاگهر به تشیید ترصیص اساس آسایش
و آرایش خلایق پرداخته و بارتباط روابط محبت و انضباط ضوابط مودت سرداران عظام
و حکام عالیمقام طرح انفتاح امن دوران زمان و زمانیان انداخته پاسداری عهود و مواثیق
موثق بمقتضای آیه کریمه اوفوا بالعهود و خمیرمایه ذات بابرکات × ملوک ملکی صفات
از تایید حکمت بالغه اوست تا گروه تابعین و لاحقین بفحوای الناس علی دین ملوکهم اسیر ربقه
انیقه را پیش گیرند و امتناع نقض عهد و ارتکاب خلاف بمواد عظیمه الذین ینقضون العهد
من بعد میثاقه از تهدید قدرت کامله او تا عموم خواص و عوام مرتکب این حرکت × وخیم و بادی این فعل
وخیم نشوند و درر غرر و درر نامعدود و نقود محمود صلوٰة غیر محدود و هدیه بارگاه ملایک پناه
حضرت احمد مجتبی محمد مصطفی سلطان العرب و العجم فخر الانام کهف الامم آفتاب جهانتاب
سپهر نبوت سپهر آفتاب علو و عظمت گوهر آبدار بحر هدایت × حصهٔ دوم - صدف
گوهر شهوار شفاعت سید الثقلین سرور خافقین مسند آرای مقام قاب قوسین
شهسوار مضمار لیلة الاسری عارج معارج اقصی صلوٰة الله علی نبینا و عموما علی سائر الانبیاء
خصوصا علی مسیح ابن مریم و علی آله الاطهار و اصحابه الکبار اجمعین × اما بعد تحیات حضرت
کردگار و اهدای هدایای سرور روزگار به مرآت ضمیر قدسی تخمیر اعلی حضرت کیوان منزلت
سپهر جناب رخشنده کوکب آسمان سلطنت جهانداری دری سمای خلافت و شهریاری
محمود آثار کاسره و رشک افزای قیاصره × شاه جمجاه فلک بارگاه خورشید کلاه
ستاره سپاه محیی مراسم مسیحیه مکرم مکارم انگلشیه آنکه آوازه کمال معدلتش تمام
آفاق فراگرفته و صیت عنایت گسترش باطراف و اکناف عالم وارسیده از هیبت
داور عدلش فلک کجرفتار سرنگون × و از خوف شحنه سیاستش برق اشرار بار
تفته درون و در مصاف معرکه شجاعتش رستم دوران ترسان و در میدان نبرد شهامتش
مریخ فلک بر خود لرزان باتباع احکام مطاعش سروران نامدار غاشیه اطاعت
بر دوش و × بامتثال فرمان واجب الاذعانش ملوک عالیمقدار حلقه فرمانبرداران
انگلستان خلد الله ملکها و سلطانها و افاض علی العالمین برها و احسانها منطبع و منتقش
می گرداند که نظر بسوابق اتحاد این دودمان از زمان حضرت خاقان گیتی ستان امیر تیمور ×

گورکان صاحبقران ومجدداً از زمان حضرت جلال الدین عرش آشیان انار الله برهانه بآن
خاندان عالیشان وابقاے آن یگانگت واتحاد تا این زمان وظهور اتحاد وعنایت و
امداد ازان دولت ابد بنیاد نسبت باین خاندان عظمت نشان که شمه از کیفیت این جهان ستان
در سابق آوان بذریعه مکتوب وسفیر مجامع وجوامع آن سرو فرشاهان قمی شان
رسیده است واحتمال اضاعت اوقات معدلت گستری ورعایا پروری آن کهف
امن وامان × از تکرار تذکاران بالغ است از ارسالها را دوه ارسال نور حدقه
سلطنت ونور حدیقه حشمت برخوردار کامگار سعادت اطوار رسد وثار فرزند ارجمند
مرزا محمد جوانبخت بهادر که با وجود صغر سن آثار بزرگی[1] از ناصیه اش پیدا است وآثار
بختیاری از چهره اش × هویدا درینعمر که شعور کامل نمیباشد اکثر اوقاتش بطلب
مرضیات خالق ورضاجوی خلق وخدمت والدین ورحم بر اهل قرابت واحقاق حق
وابطال باطل وشوق کسب کمال واجتناب از خصائل اراذل بدرجه کمال مصروف
اند و × دیدن همین خصال باشرافت جوهر ذاتی خاطر ما بدولت را درگرو محبت آن
نونهال وهمیشه جویای ترقی مدارجش درحال ومآل میدارد وبخدمت سراپا معدلت
مکنون بود تا ملاحظهٔ حال آن ستوده خصال باعث وفور توجه معدلت × پژوده برحالش
شود ونسبت فرزندی که بسبب برادرزادگی هست وعمه را بر برادرزاده بپاس خاطر
برادر شفقتها بیشتر از مادر می باشد افزایش یابد ودر زمرهٔ فرزندان دست گرفته
کوشاهان باشکوه را پاسداری این بیشتر می شود ومسلک گردد — حصه سوم — و
بیمن حفظ وحمایت آن معدن جود وعدالت از شر حسودان مصئون ومامون ماند
لاکن وفور محبت وعدم تحمل کلفت مفارقت ازین اراده مانع آمد درینحال همین مناسب
متصور شد که نقش مقصود را بارقام مختصری از احوال این نونهال وارسال
نقش دست این خوشخصال ارتسام یابد یقین است که هرگاه این نقش بدست
آنشاه قوی بازو رسید پاس دست گرفتگی بر ذمت همت والانهمت متحتم و واجب
خواهد گردید وشاهد مقصود از جلباب خفا سر بعرصهٔ ظهور خواهد کشید × توقع از ان

[1] هرکس عقل خود بکمال وفرزند خود بجمال — ۱۲

سرگروہ سلاطین والاشکوہ اینست کہ بصدور نامۂ نامی حاوی منظوری وقبول این ماسول آگاہ فرمودہ دریں عالم ناتوانی وپیرانہ سالی از دست رنج این فکر طمانیت افزائی خاطر فاتر وممنون ہزاران ہزار شاد کامی خواہند گردانید × او سبحانہ تعالیٰ شانہ کہ ثمرات حسنات برکافۂ روزگار فواید داد پروری ونتائج عدل گستری مخصوص بملوک عدالت شعار منقسم مرتسم ساختہ از زور بازوی اقبال آن انجم سپاہ سینۂ دشمنان پرغم وآرزو مندان استعانت را خوش و × خورم وشاداب داشتہ ہموارہ بآبیاری افضال لایزال گلستان دولت وسلطنت روز افزون سرسبز وریان چمنستان عدل ومعدلت شگفتہ وخندان دارادالی یوم التناد ۔ لفافہ ۔ ...... لت سپہر جناب ثریا قباب رخشندہ کوکب آسمان جہانداری ودری سمار خلافت وشہریاری محسود اکاسرہ رشک افزائے قیاصرہ شاہ جمجاہ فلک بارگاہ خورشید کلاہ محی مراسم سیحیہ مکرم مکارم الگلشیہ جمشید حشمت فریدون شوکت نوشیروان عدالت حاتم ہمت معدن مروت بیکران منبع الطاف بی پایان ہمشیرہ صاحبہ مشفقہ بسیار مہربان ملکہ معظمہ وکٹوریا صاحبہ خلد اللہ ملکہا و سلطانہا مشرف باد ×

(۲۳) لارڈ کالون کا خط موسومہ ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ دہلی

مورخہ ۲۲ر اگست ۱۸۵۶ء متعلق بہ انسداد گاؤکشی

To,

His Majesty Aboo Zaffur Surajooddeen
Bahadur Shah Badshah Ghazi

؎ دراصل یہ خط مرزا جواں بخت کی ولی عہدی کی منظوری کے متعلق ہے ۔ خدا جانے جواب بھی کچھ ملا یا نہیں اور ملا تو کیا ملا ۔ ع ۔ ای بسا آرزو کہ خاک شدہ ۔ وہ بساط ہی اُلٹ گئی بادشاہت ہی نہ رہی تو ولی عہدی کیسی اور کس کی ؟ ۔ یہ بھی عجیب بات سوجھی کہ شاہزادے کے بھیجنے کی عوض پنجہ کا چربہ اُتروا کر بھیج کر دستگیری کی درخواست کی ۔ وقت ہی ایسا ٹیڑھا آن پڑا تھا یہ نہ کرتے تو اور کیا کرتے ؟ ؎

آں کہ شیراں را کند روبہ مزاج　　احتیاج است احتیاج است احتیاج ۔ ۱۲

من المصنف

My most esteemed and Royal Friend,

I have received and attentively perused, Your, Majesty's Waseeqa and its enclosures, regarding the restriction which has been placed upon the practice of Killing cows in the city of Delhi.

My Royal Friend, the restriction I objected to have been imposed by the local authorities for the paramount object of the preservation of the peace of the City, and reference should be made by the parties, desirous of offering a representation on such a point, to those authorities, as having full power to enquire and decide regarding it.

With sincere wishes of your Majesty's prosperity

Your Majesty's Sincere Friend

Head Quarters
22nd August 1854 S. R. Colvin

(ترجمہ) بہ حضور ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی -
میرے محترم اور شاہی دوست حضور کا وثیقہ مشعر اُن قیود کے جو شہر دہلی میں گاؤ کشی کے عمل درآمد کے متعلق عائد کی گئی ہیں مع ملفوفات کے پہنچا جسے میں نے بغور ملاحظہ کیا - میرے شاہی دوست - جس شرط پر میں نے اعتراض

کیا تھا جو مقامی عہدہ داروں نے عائد کی تھی اور جس کی بڑی غرض شہر کا امن قایم رکھنے کی تھی - فریقین جو اس معاملے کو پیش کرنا چاہیں - اُن کو چاہئیے کہ اس معاملے کو اُن عہدہ داروں کے سامنے پیش کریں جن کو اس کی تحقیقات اور تصفیہ کا پورا اختیار حاصل ہو -

مقام مستقر
۲۲ / اگست ۱۸۵۷ء　　　　اس - آر - کالون

(ضمیمۂ اول ختم ہوا)

قطعات تاریخی نوشتہ جناب مولوی محمد عبد الحکیم صاحب سوم تعلقہ دار ضلع رایچور

فتح مملکت دہلی مبارک باد

۱۳۳۷ھ

(۱) بشیر الدین احمد مسند علم　　نبشت از طبع خود تاریخ دہلی
پئے تاریخ چوں رفتم بہ فکرش　　شدہ جادو بیاں "تاریخ دہلی"
۱۳۳۷ھ

(۲) بشیر الدین احمد دہلوی نے　　لکھی تاریخ نادر چشم بد دور
ہوئی جب فکر مجھکو بہر تاریخ　　جہالت سے ہوا میں سخت مجبور
تو ہاتف نے مجھے مژدہ سنایا　　ذرا سی فکر میں کیوں تو ہے رنجور
بہ انصاف سے تو کہہ دے یہ تاریخ　　"وقائع سلطنت دہلی مشہور"
۱۳۳۷ھ

(۳) تاریخ لاجواب لکھی ہے بشیر نے　　سیرت میں ملے مثال اس کی نہیں ہے جمیل
ہر کلمہ اس کا جامع و مانع ہوا اس طرح　　فضل و کمال اور ہنر کی ہے دلیل
تصنیف میں بہت سی کتب آپ نے لکھیں　　یہ فضل اور کمال ہے از رحمت جلیل
عبد الحکیم عرض کر از حضرت بشیر　　"تصنیف لاجواب کی تاریخ بے عدیل"
۱۳۳۷

ضمیمہ دوم

قیصر ہند ملکہ معظمہ وکٹوریا دی گریٹ آنجہانی کے مختصر حالات

گو صفحۂ دنیا سے کوین وکٹوریا کی جیتی جاگتی تصویر مٹ گئی مگر احسان مندی کی قلم سے لوگوں کے دلوں پر ایسا گہرا نقش ہے کہ نسلاً بعد نسلٍ بھی محو نہیں ہو سکتی۔ ملکہ کی بے نظیر حکمرانی نے ثابت کر دیا کہ حکومت کا دار و مدار صرف مردوں ہی پر نہیں ہے بلکہ جو مرد کر سکتے ہیں وہ عورت ذات بھی کر سکتی ہے اور ملکہ نے تو اس سے بھی بڑھ کر کر دکھایا کہ جو مردوں سے نہ ہو سکا وہ اس نیک ذات عورت نے کیا۔ ابھی ملکہ لڑکی ہی تھیں کم سن کہ خداوند تعالیٰ نے اُن کے دست قدرت میں ایسی بڑی وسیع سلطنت دی۔ چونسٹھ برس کی طول طویل مدت ان کے ظل عاطفت و حمایت میں ایسی گزری کہ دن عید رات شب برات۔ ان کے عہد معدلت مہد میں علاوہ توسیع سلطنت کے ملک اور رعایا نے ہر اعتبار سے بے انتہا ترقی کی اور ملکہ نے اپنی خوش خصالی اور جبلی نیک دلی کے سبب سے رعایا کے دلوں میں وہ جگہ پائی کہ ایسی ہر دل عزیزی کسی اور بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ جو بادشاہ ہوتا ہے اُس کا اثر ملک و رعایا پر پڑنا ایک معمولی بات ہے لیکن یہ بات البتہ عجیب و غریب ہے کہ جس بادشاہ نے اس ملک میں قدم تک نہ رکھا اور کالے کوسوں سمندر در سمندر پار ہم سے دور اور نظر سے اوجھل ہو یہاں کے حالات سے آپ چشم دید واقفیت نہ ہو وہ ایسی بیدار مغز ہو گی کہ ہزاروں کوس سے اتنے بڑے ہندوستان پر حکومت کرتی رہی۔ ملکہ معظمہ کو اس پیرانہ سالی میں بھی اپنی رعایا برایا کی بہبودی اور بہتری حالت کے مقابلے میں اپنے آرام و آسائش کا مطلق خیال نہ تھا یہ بات خالی از تعجب نہیں کہ باوجود اس کثرت مشاغل و انہماک امور اہم و سترگ سلطنت کے اُنھوں نے کچھ کچھ اردو بھی سیکھ لی اور خاص اسی غرض سے مولوی محمد عبد الکریم خاں صاحب بہادر سی۔ آئی۔ ای متوطن آگرے کو اپنا ہندوستانی سکرٹری مقرر فرمایا اور ہندوستانیوں کی خاطر اور پاسداری

یہاں تک مرکوز خاطر اقدس تھی کہ آخری وقت میں بھی آپ کے جنازے کے پاس دو ہندوستانی مسلمان ملازمہ نگہبان رہیں جشن جوبلی میں بھی ہندوستانی فوج ہی کا باڈی گارڈ آپ کے جلوس کے ہمراہ تھا۔

اگر اس مبارک سلطنت کے زمانے کے مختصر اور ضروری حالات بھی لکھے جائیں تو ایک بہت بڑی کتاب بن جائے بھلا اس مختصر ضمیمے میں سوائے چند ضروری اور اہم مطالب کے اور کیا لکھا جا سکتا ہے پھر بھی اس تاریخ کی تکمیل کی غرض سے چیدہ چیدہ حالات و واقعات اکھٹے کر دیئے ہیں۔ دراصل یہ بیان اس کتاب کے پہلے حصے میں آنا چاہیئے تھا مگر دربار کا نقشہ دکھانے سے بہت جگہ گھر گئی اور ضخامت بہت بڑھ گئی اس مجبوری سے حصہ سوم میں ملکہ معظمہ اور اُن کے بعد کے دو اور بادشاہوں اُن کے صاحبزادے اور پوتے کے حالات لکھنے پڑے۔

پیدائش ملکہ معظمہ ۲۴ مئی ۱۸۱۹ء کو چار بجے صبح پیدا ہوئیں اس حساب سے آپ نے بیاسی سال کی عمر میں چونسٹھ برس کی طول طویل سلطنت کے بعد رحلت فرمائی۔ آپ محل کنسنگٹن واقع لندن میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی **ڈیوک آف کنٹ** تھا جو آپ کی ولادت کے چند ماہ بعد قضا کر گئے اور والدہ آپ کی لوئیسا وکٹوریا **ڈچس آف کنٹ** تھیں۔ پیدائش کے ایک مہینے بعد آپ کے اصطباغ کی رسم ادا ہوئی اور آپ کا اسم مبارک **الگزینڈرینا وکٹوریا** رکھا گیا۔ اس مبارک رسم میں شہنشاہ روس الگزینڈر اور دوسرے عزیز و قریب موجود تھے۔ شہزادی وکٹوریا کی تعلیم و تربیت کا اہم فریضہ اُن کی بیوہ والدہ ماجدہ نے بڑے اہتمام اور عمدگی سے انجام دیا۔ **سر والٹر سکاٹ** مشہور فسانہ نگار نے آپ کو پانچ برس کے سن میں دیکھا تھا اور تب ہی کہہ دیا تھا کہ وہ اس صغر سن لیڈی کی تعلیم نہایت حزم و احتیاط سے ہو رہی ہے اور ایسی سخت نگرانی کی جاتی ہے کہ کسی کو اتنا کہنے کا بھی موقع نہیں ملتا کہ وہ تخت انگلستان کی وارث ہیں۔ جوں جوں ملکہ کی عمر بڑھتی گئی ویسے ہی ویسے نگرانی کی ضرورت گھٹتی گئی۔ جب آپ نے بفضل خدا اٹھارویں سال میں قدم دھرا تو آپ کی سالگرہ کی تقریب بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔

تخت نشینی

اس سالگرہ کے چند ہی روز بعد آپ مالک تخت و تاج انگلینڈ ہوئیں۔ جارج ثالث بادشاہ انگلینڈ کے چار بیٹے تھے اور ملکہ کے والد ڈیوک آف کنٹ سب سے چھوٹے تھے۔ بہ ظاہر کوئی امید جناب ممدوحہ کے مالک تخت ہونے کی نہ تھی مگر جناب ممدوحہ کا ستارۂ اقبال چمک رہا تھا۔ ولیم چہارم بادشاہ کے کوئی اولاد نہ ہوئی انتقال کے بعد اُن کے چھوٹے بھائی ڈیوک آف کنٹ کی اکلوتی صاحبزادی شاہزادی الگزینڈرینا وکٹوریا کے فرق مبارک سے تاج انگلینڈ نے زینت پائی۔ ان دونوں ولیم چہارم کی عمر بہتر سال کی تھی اور اُن کو نقرس کی شکایت تھی۔ سات برس سلطنت کرنے کے بعد ولیم چہارم نے ۲۰ جون ۱۸۳۷ء کو دو بجے شب کے انتقال فرمایا۔ آرچ بشپ اور کنٹربری اور لارڈ چیمبرلین دونوں پانچ بجے صبح کے کنسنگٹن کے محل میں پہنچے۔ دربان کے بیدار کرنے میں بہت دستکیں دینا پڑیں گھنٹی کو کھینچا اور دروازے کو کھٹکھٹایا تب کہیں دروازہ کھلا۔ تب صحن میں داخل ہوئے۔ دربان نے خبر نہ لی اور تھوڑی دیر ان کو انتظار کرنا پڑا پھر انھوں نے گھنٹی بجائی اور کہا کہ ہم شہزادی کو ایک اہم خبر سے فوراً مطلع کرنا چاہتے ہیں۔ تھوڑی دیر پھر ٹھہرنا پڑا اور کسی نے آکر جواب نہ دیا۔ پھر تیسری مرتبہ گھنٹی بجائی تو شہزادی کی خادمہ آئی اور اس نے کہا کہ "شہزادی ایسی میٹھی نیند آرام فرما رہی ہیں کہ میں اُن کو بیدار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی"۔ اس پر لارڈ چیمبرلین نے کہا کہ "ہم انتظام ملک کی غرض سے اپنی ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور وہ انتظام ایسا ضروری ہے کہ وہ اگر خواب استراحت سے بیدار بھی کی جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں"۔ اس پر جناب ممدوحہ بیدار کی گئیں اور چند ہی منٹ میں شب خوابی کی سفید گون پہنے سر کے بال کھلے شانوں پر بکھرے شال اوڑھے نرم سلیپر پہنے برآمد ہوئیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ دیر لگی وہ خود بدولت کی طرف سے نہ تھی۔ جب آپ کو ولیم چہارم کی وفات اور اپنے ملکہ انگلستان ہونے کی اطلاع ہوئی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے کہ ایسی ذمہ داری کے بوجھ کو یہ کم زور کندھے کیسے سنبھال سکیں گے۔ غرض یہ کہ سوئی تھیں شہزادی اور آنکھ جو کھولی تو انگلینڈ کی ملکہ تھیں! جب آپ نے

بادشاہ کے انتقال کی خبر سنی تو یوں گوہر فشاں ہوئیں کہ "میری طرف سے آپ نماز ادا کیجئے"۔ جس وقت آپ تخت نشین ہوئیں آپ کی عمر کیا تھی صرف اٹھارہ برس لیکن وہ اس صغر سنی میں بھی اپنی بھاری ذمہ داریوں سے بخوبی واقف تھیں چنانچہ آپ نے برسر دربار ارشاد فرمایا۔ "یہ بھاری ذمہ داری مجھ پر اس قدر دفعتہً کم عمری میں آن پڑی ہے کہ اگر مجھ کو اس باری تعالیٰ پر جس نے مجھ کو یہ کام سپرد فرمایا ہے پورا بھروسہ نہ ہوتا کہ وہ میرے ادائے فرائض منصبی میں طاقت بخشے گا اور اپنے پاک و صاف خیالات اور رفاہ عام کی بابت اپنی سرگرمی پر مجھ کو اطمینان نہ ہوتا جیسا کہ پختہ اور تجربہ کار لوگوں کو ہوتا ہے تو میں ایسی بھاری ذمے داری سے بالکل پریشان ہو جاتی"۔ جناب ممدوحہ نے اسی وقت پیشین گوئی فرمائی تھی کہ "حتی المقدور اپنی ہر درجے کی رعایا کو آسائش اور راحت پہنچانے کے لیئے میں کوشش کروں گی اور ان کے حقوق کی حفاظت استحکام کے ساتھ کروں گی"۔ ہر ایک عہدہ دار آپ کے سامنے دوزانو ہو کر دست مبارک کو بوسہ دیتا تھا۔ ڈیوک آف سسکس ملکہ سے کسی قدر فاصلے پر تھے اور بسبب کبر سنی کے اس ریل پیل میں جناب ممدوحہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے یہ دیکھ کر حضور ممدوحہ نے اپنا دست شفقت خود ان کی طرف بڑھایا۔ حضور ممدوحہ نے باوجود حداثت سن اپنے پہلے درباری فرائض کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ ارکان و اعیان سلطنت متحیر رہ گئے۔

شادی میمنت آبادی

تخت نشینی کے دو سال بعد ملکہ معظمہ کی زندگی میں سب سے ضروری اور اہم واقعہ آپ کی شادی خانہ آبادی تھی جو ۱۰ر فروری سنہ ۱۸۴۰ء کو پرنس البرٹ کے ساتھ ہوئی جن کو شادی کے بعد پرنس کنسرٹ کا لقب ملا اور جو آپ کے چچیرے بھائی تھے یہ شادی پولیٹیکل یا خارجی اسباب سے نہیں ہوئی بلکہ صرف باہمی محبت کی وجہ سے ۱۶ر جنوری سنہ ۱۸۴۰ء کو ملکہ معظمہ نے افتتاح پارلیمنٹ کے وقت بہ نفس نفیس اس شادی کا ارادہ ظاہر فرمایا ملکہ اپنے شوہر سے تین مہینے عمر میں بڑی تھیں سنہ ۱۸۳۶ء میں پہلے پہل آپ کا تعارف شہزادے سے ہوا۔ تب ہی ملکہ کے دل میں ان کی خوب صورتی اور دل فریب اوضاع و اطوار نے اپنا نقش جما لیا تھا حضور ممدوحہ

سے اس شادی کو نہ صرف اپنی خانگی مسرت بلکہ رعایائے ملک کی بہبودی کے لیئے بھی ضرور ی خیال کیا تھا۔ تین سال کے بعد پھر شاہزادے انگلستان تشریف لائے ملکہ نے انھیں دونوں شہزادے کے حسن وجمال اور اوصاف پر ایک پرجوش خط اپنے چچا شاہ بلجیم کو لکھا اور اس کے بعد اپنے وفادار مشیر بیرن سٹاک مار کو تحریر فرمایا کہ "پرنس البرٹ نے میرا دل چھین لیا ہی اور آج صبح سے ہم دونوں نے تمام باتوں کا تصفیہ ہو گیا ہی"۔ چنانچہ جب آرچ بشپ آف کینٹربری نے خانگی مشورے کے وقت آپ سے یہ دریافت کیا کہ بلحاظ اعزاز شاہی کہ اگر شادی کے خطبے میں لفظ "تابع" خارج کر دیا جاوے تو مناسب ہی۔ آپ نے فرمایا "نائی لارڈ شادی کی رسموں میں سے کوئی چیز ترک نہ ہونے پاوے میں بہ حیثیت ایک زوجہ کے شادی کرنی چاہتی ہوں نہ بہ حیثیت ملکہ کے"۔ شادی کے بعد اکیس برس تک اس شاہی جوڑے کے باہمی اتحاد۔ پاکبازانہ زندگی اور سادگی وغیرہ سے انگلستان کی رعایا کے دلوں پر جو عمدہ اثر ہوا اس سے ملک کو بے انتہا فائدہ پونہچا۔ بادشاہان سلف کے زمانے میں محلات شاہی اور درباروں میں جو جو خرابیاں تھیں سب رفع ہو گئیں۔ ان ہر دو نیک زادوں کے عمدہ رویہ نے ایسا بیش بہا فائدہ ملک کو پونہچایا کہ جس کا حد و حصر نہیں۔ ۲۱ر نومبر ۱۸۴۰ء کو پہلی شہزادی پرنسس رائل تولد ہوئیں۔

پرنس کنسرٹ کا انتقال

شاہ ہو یا گدا سب کو مرنا برحق۔ جھونپڑی ہو یا محل ہادم اللذات سب جگہ موجود۔ دنیا میں آنا جانے کی خبر دیتا ہی۔ جس نے ماں کا پیٹ دیکھا وہ قبر کا گڑھا ضرور دیکھے گا پر کیسے کا دنیا میں موت جیسی یقینی اور کوئی چیز نہیں۔ ۱۶ر مارچ ۱۸۶۱ء کو ملکہ معظمہ کی والدہ ماجدہ نے سفر آخرت اختیار کیا ابھی آنسو نہ تھمے تھے ۱۴ر دسمبر ۱۸۶۱ء کو شوہر کا داغ کا بیٹھا۔ یہ جوانی اور رنڈاپا۔ اللہ اکبر۔ یہ وہ مقام ہی جہاں بڑے سے بڑے بادشاہ کی بھی کچھ نہیں چلتی اس شاہنشاہ کے سامنے سب کے سر تسلیم خم ہیں جس کی بادشاہت ابدی اور ازلی ہی پرنس کنسرٹ کے متعلق اس وقت پارلیمنٹ میں لارڈ ڈربی نے جو تقریر کی تھی اس کا ماحصل یہ تھا۔ "پرنس البرٹ کی وفات سے ہم نے اپنے ملک کا بادشاہ

ہوا ہے۔ ملکہ کے وہ مستقل خانگی معتمد اور مستقل وزیر اعظم تھے۔ ہمارے ملک کے بزرگ لوگ اور اس وقت جو جوان لارڈ اس کیبنیٹ میں موجود ہیں وہ بالاتفاق تسلیم کریں گے کہ اس جرمن شہزادے نے جس عقل مندی اور مصلحت کے ساتھ ملکہ انگلستان کی اکیس سال خدمت ادا کی ہے ویسی ہمارے کسی بادشاہ میں نظر نہیں آتی"۔ انگریزوں میں شادی اپنی پسند کی ہوتی ہے اسی طرح ملکہ نے بھی اپنے شوہر کو پسند فرمایا تھا۔ اس انمول جوڑے میں بے انتہا محبت تھی۔ حیف صد حیف کہ چند ماہ کے فصل سے ماں کا سایہ سر پر سے اٹھ گیا اور پھر جوڑا بچھڑ گیا۔ یہ دوسرا صدمہ ماں اور شوہر کے انتقال کا جناب ممدوحہ پر ایسا پڑا کہ تمام ملک میں غم و الم کی گھٹا چھا گئی۔ میاں بیوی نے مل جل کر صرف اکیس ہی سال مسرت و انبساط سے کاٹے کہ ملکہ عین عالم جوانی میں بیوہ ہو گئیں۔ جس قیامت کی رات ملکہ کے شوہر نے انتقال کیا جناب ممدوحہ نے نہایت غم و الم سے فرمایا "آج میری نظروں میں دنیا اندھیری ہے میرے حساب سے سب چیزیں مر گئیں" لیکن اسی وقت دل کڑا کر کے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "میں اپنے فرائض کی ادائی میں تو کبھی کوتاہی کرنے والی نہیں"۔ سبحان اللہ کیا استقلال ہے اور کیسی ہمت ہے! شوہر کی وفات کے بعد کئی برس تک ملکہ غم و الم میں ایسی ڈوبی رہیں کہ گویا یہ وہ ملکہ نہ تھیں جو کہ پہلے تھیں۔ لیکن زمانہ بڑا مصلح اور غم غلط کن ہے۔ جب صاحب زادے اور صاحب زادیاں بڑے ہوئے۔ پروان چڑھے۔ پوتوں اور نواسوں نے گھر کی چہل پہل اور رونق بڑھائی تو الحمد للہ غم کے اشتداد میں کمی ہوئی اور ملکہ معظمہ تھوڑی بہت دلچسپی کاروبار دنیا میں لینے لگیں۔

ولی عہد کی خطرناک علالت اور دیگر حوادث

ہندوستان کے غدر کے بعد ۱۸۷۱ء میں پرنس آف ویلز کی خطرناک علالت نے ملکہ کے دل پر سخت صدمہ پہنچایا۔ شہزادے کی زیست کی امید بہت کم تھی لیکن وہ کریم و کارساز جس نے ملکہ کو ہمارے سروں پر (۶۳) سال قائم و برقرار رکھا اور (۶۴) برس ان کی سلطنت کی برکات سے مستفید کیا۔

اُس نے اِن کے بعد ایک لائق وفائق شہنشاہ دینے کے لیئے جو اپنی والدہ ماجدہ کے قدم بقدم چلے پرنس آف ویلز کو حیات تازہ بخشی کہ وہ آگے چل کر بہ لقب ایڈورڈ ہفتم ایک لائق۔ تجربہ کار اور ہر دل عزیز بادشاہ بنے۔ ۱۸۷۲ء میں ملکہ کی ہمشیرہ[1] عزیزہ کا انتقال ہوا اور ۱۸۷۸ء میں شہزادی ایلس کے انتقال سے آپ کے دل پر سخت صدمہ ہوا۔ ۱۸۷۹ء میں زولو کی لڑائی کے وقت ملکہ کو کچھ کم بے چینی نہیں رہی اُس پر طرہ یہ ہوا کہ کابل میں رزیڈنٹ اور اُن کے تمام لوگوں کو کابلیوں نے قتل کیا اور اس کے بعد ایک بھاری جنگ ہوئی۔ ۲۸ر مارچ ۱۸۸۴ء کو ملکہ معظمہ کے فرزند کہیں ڈیوک آف البنی نے عین عالم شباب اکتیس سال کی عمر میں دو چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر انتقال کیا۔ دنیا دار المحن ہی فکر اور غم سے کوئی خالی نہیں۔ ملکہ کی عمر جوں جوں بڑھتی گئی افسوس ناک واقعات کی بھی ترقی ہوتی گئی۔ شہنشاہ جرمن فریڈرک ایمپنول آپ کے داماد نے انتقال کیا یہ دونوں جانکاہ صدمے ہنوز جناب محتشمہ کو تازہ ہی تھے کہ ۱۴۔ جنوری ۱۸۹۲ء کو ملکہ کے بڑے پوتے ڈیوک آف کلیرنس نے عین عالم شباب یعنی (۲۸) کی اُٹھتی جوانی میں اُس وقت میں جب کہ اُن کی تقریب شادی کی تیاریاں بڑی دھوم دھام سے ہو رہی تھیں سخت بخار سے انتقال کیا۔ شادی کے گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ بڑھیا دادی کے غم زدہ دل پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا۔ ؎

گر پیر نود سالہ بمیرد عجبے نیست　　این ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

ملکہ معظمہ کو بڑھاپے میں جوان بیٹے اور ہونہار پوتے نے بڑا داغ دیا۔ یہ دُہرا دُہرا صدمہ ایسا نہ تھا کہ سارے ملک میں سنسنی نہ پھیل نہ جائے تمامی سلطنت میں ان حوادث کا سخت ماتم ہوا اور رعایا و برایا نے اپنی ملکہ کی مصیبت میں پوری ہمدردی کی جس کا اُن کے قلب صافی پر بڑا گہرا اثر ہوا اور قلعہ آسبرن سے ۲۶ر جنوری ۱۸۹۲ء کو ایک نہایت پر درد و اثر فرمان اپنی جان نثار رعایا کے نام بقلم خاص تحریر فرمایا۔ جو یہ ہے :-

وہ میری سلطنت کے ہر خطے کی رعایا نے اس غمگین اور جانکاہ سانحے پر جو صرف

---

[1] حقیقی بہن تو آپ کی کوئی تھیں نہیں یہ کوئی رشتے کی بہن ہوں گی ۱۲

ایک حادثے کے سوائے (شوہر کی وفات) سب سے زیادہ رنج دہ تھا مجھ پر اور ساری قوم پر پڑا ہے مجھے پھر اُس نہایت گہری خیر خواہانہ شفقت آمیز ہمدردی کا اظہار کرنا چاہیئے۔ یہ مصیبت ناک سانحہ جب کہ دفعتًہ میرے پیارے پوتے کی زندگی کا پھول عنفوان شباب میں مرجھا گیا جو آیندہ بہت ہونہار تھا اور پسندیدہ اور حلیم اور ہمیشہ سب کا پیارا تھا۔ مشیت ایزدی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لیئے اُس کے غم زدہ والدین۔ اُس کی پیاری نوجوان دلہن اور اُس کی شیدا دادی کے لیئے اور زیادہ مصیبت ناک ہے ایسے وقت میں لاکھوں اشخاص کی موثر ہمدردی نہایت تسلی دہ ہے میں خود اور اپنے بچوں کی طرف سے نہایت گرم جوشی سے سب کے احسان مندی کا اظہار کرتی ہوں۔ ہمارے ساتھ اس قسم کی ہمدردی کی شہادت اور میرے پوتے کی پسندیدگی کا اظہار جس کو میں بیٹے کی طرح چاہتی تھی اور جو خود بھی مجھ سے بیٹوں کی سی عقیدت مندی رکھتا تھا۔ ہمارے واسطے اس مصیبت میں امداد اور تسلی ہوگی۔ میرے حوادث میری سلطنت کے پچھلے تیس سالوں میں بے شک بہت بھاری ہوئے ہیں۔ اگرچہ وہ محنت۔ ترددات اور ذمہ داریاں جو میرے مرتبے سے جدا نہیں ہوسکتیں بہت بڑی ہیں تاہم میری دلی دعا ہے کہ خداوند کریم مجھے صحت و توانائی عطا فرمائے تاکہ اپنے پیارے ملک اور سلطنت کی بہتری اور خوشنودی کے لیئے جب تک زندگی باقی ہے کام کرتی رہوں۔ دستخط وکٹوریا۔

اس کے بعد اگست ۱۹۰۰ء میں آپ کے صاحبزادے ڈیوک آف کوبرگ نے جن کو لوگ زیادہ تر ڈیوک آف اڈنبرا کے نام سے جانتے ہیں۔ انتقال فرمایا۔ ان پیہم صدمات سے جو جناب محتشمہ کے دل پر پہنچے اُن کے غم و الم کا اندازہ بہت مشکل ہے۔

اتفاقی حوادث

کہتے ہیں کہ بادشاہ کی جان کا محافظ اللہ ہوتا ہے ورنہ ہزار دشمن ہزار دوست۔ ملکہ کی زندگی بھی ایک قدرت الٰہی کا نمونہ ہے۔ کئی موقعوں پر آپ کی جان کو دیوانوں اور مجنونوں سے بے انتہا خطرے پہنچے ہیں۔ شادی کے بعد ہی ۱۰ جون ۱۸۴۰ء کو ایک نوجوان شخص نے جس کا نام ایڈورڈ آکسفورڈ تھا آپ پر تفنگچہ سر کیا جب کہ

آپ مع اپنے شوہر کے ایک کھلی گاڑی میں سوار تھیں۔ اُس نے ایک چھوڑ دو فیر
کیں لیکن دونوں نشانوں نے خطا کی اور ملزم گرفتار کر لیا گیا۔ اُس کی پھانسی کا حکم
ہوا تھا مگر پھر دارالمجانین میں حبس دوام کیا گیا اور آخرکار ۱۸۶۷ء میں اُس کی جان بخشی فرماکر
جلاوطن کر دیا۔ اس سانحے پر ولایت میں بڑی ہلچل پڑ گئی۔ ہزاروں تار مبارکباد کے
آئے۔ بہت سے سپاس نامے پیش ہوئے۔ اس کے دو سال بعد جب جناب
ممدوحہ گرجے سے واپس تشریف لا رہی تھیں تو ایک بدمعاش نے پھر تفنگچہ چلایا مگر گولی
نے خطا کی اور ملزم بھاگ گیا۔ دوسرے دن پھر اُسی شخص نے ملکہ پر جبکہ وہ گاڑی میں
سوار تھیں وار کیا یہ بھی خالی گیا۔ اب کی دفعہ وہ نابکار پکڑا گیا اور پھانسی کا حکم ہوا لیکن
شاہی مرضی کے مطابق اُس کی جان بخشی ہوئی اور عمر قید پر اکتفا کیا گیا۔ جس دن یہ فرمان
عطوفت نشان صادر ہوا اُسی روز ایک کُبڑے چھوکرے نے ملکہ معظمہ پر حملہ کیا لیکن شکر خدا
کا کہ کچھ ہوا ہوایا نہیں۔ غرض اسی طرح جناب ممدوحہ پر اسی قسم کے مخبوط[۱] الحواس لوگوں نے
کئی حملے کیے۔ اگر جناب ممدوحہ مستقل مزاج۔ جری۔ اور مضبوط القوی نہ ہوتیں یا اور
کوئی آپ کی جگہ ہوتا تو ضرور گھبرا جاتا۔ چند سال بخیر و خوبی گزرے۔ پھر ۱۸۴۹ء میں
ایک آئیرش نے آپ پر خالی کارتوس چلایا اور اس کے دوسرے برس ایک فوجی کپتان
نے آپ کے چہرہ مبارک پر ایک بید مارا۔ ۱۸۷۲ء میں ایک آئیرش دیوانہ چھوکرا
آپ کے پاس جا گھسا جس کے ایک ہاتھ میں عرضی اور دوسرے میں پستول تھا۔
دس سال بعد جب کہ آپ ونڈزر کے سٹیشن پر گاڑی میں سوار ہوتی تھیں ایک دیوانے
شخص نے گولی چلائی۔ آپ پر صرف یہی حوادث پیش نہیں آئے بلکہ بچپنے میں بھی ایک
دفعہ آپ بندوق کی زد سے بال بال بچ گئیں۔ ایک لڑکا کسی چڑیا پر نشانہ لگا رہا
تھا کہ کھڑکی توڑ کر چھرے آپ کے سر پر سے نکل گئے۔ جب آپ کی عمر چار سال کی
تھی تو آپ کی گاڑی اُلٹ گئی تھی۔ ایک آئیرش سپاہی نے گاڑی کو آپ کے
جسم مبارک پر گرنے سے تھام لیا۔ آپ کی عمر چودہ برس کی تھی کہ آپ ایک کشتی پر
سوار تھیں قضارا کشتی کا مستول ہوا کے صدمے سے ٹوٹ گیا ممکن تھا کہ وہ آپ پر

---

[۱] اکثر دیکھا گیا ہے کہ بادشاہوں یا کسی اور بڑے آدمی پر حملہ کرنے والے اپنے آپ کو
پاگل بنا لیتے ہیں۔ ۱۲

گرتا اور خدانخواستہ کچھ آپ کے دشمنوں کو نقصان پونہچاتا۔ مگر آپ کو کوئی گزند نہیں پونہچا۔ اُسی وقت ایک دوسری کشتی اتفاق سے آگئی اور آپ اُس میں سوار ہوگئیں۔ ایک دوسرا حادثہ کشتی کا اس سے بڑھ کر ہوا کہ آپ جس کشتی میں رونق افروز تھیں اُس کی ٹکر کسی دوسری کشتی سے ہوگئی وہ کشتی آپ کے دیکھتے دیکھتے مع اُن آدمیوں کے جو اُس پر سوار تھے ڈوب گئی جس کا آپ کو بڑا افسوس ہوا مگر قدرت خدا کی کہ آپ کی کشتی بالکل محفوظ رہی۔ ایک مرتبہ جب کہ آپ اور آپ کی والدہ بگھی میں سوار تھیں گھوڑے بھڑکے اور لے بھاگے بڑی خیر گزری کہ ایک راہ چلتے نے جھپٹ کر گھوڑوں کو تھام لیا۔ اس کے سوا اور بھی ایسے کئی واقع پیش آئے ہیں مگر ہر حال میں خدا حافظ و نگہبان رہا۔

اولاد ملکہ معظمہ جہاں ہر اعتبار سے خوش نصیب تھیں وہاں اولاد کی طرف سے بھی اُن کی گود پیٹ بھری پڑی تھی۔ آپ کے پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں وغیرہ ملا کر خدا رکھے بھرا پُرا کنبہ تھا لیکن ساتھ ہی اس کے آپ نے اپنے جگر گوشوں کی موت کے بڑے بڑے صدمے بھی اُٹھائے۔ اول ہی آپ اپنے شوہر کے انتقال سے عمر بھر رنجیدہ اور ملول رہیں اور سوائے اکیس سال کے ساری عمر رنڈاپے میں تیر کی اور جوان جوان صاحبزادوں اور صاحبزادیوں اور پوتوں کے مرنے کے صدمات عظیم کو بھی نہایت تحمل و استقلال اور صبر و شکر سے برداشت کیا۔ مگر بڑھاپے میں اولاد کا داغ خدا نہ دکھائے اواخر عمر میں آپ کو بہت بڑے بڑے صدمے اُٹھانے پڑے۔ ایک نوجوان بیٹے ڈیوک آف ایلبنی کا انتقال پھر جان جوان پوتے ڈیوک آف کلیرنس کا صدمہ اور تیسرے سب سے اخیر ڈیوک آف اڈنبرا کا سنہ ۱۹۰۰ء کا اس دار فانی سے کوچ۔ ان صدمات کا حال اُس ماں کے دل سے پوچھا چاہیئے جس پر یہ گزرے۔ ملکہ معظمہ کو نو بچے ہوئے (۱) سب سے بڑی آپ کی وہ صاحبزادی تھیں جو بادشاہ جرمن کی خاتون محترم تھیں اور حال شہنشاہ جرمن کی والدہ۔ (۲) پرنس آف ویلز جو شہزادی ڈنمارک سے منسوب تھے اور جن کے پانچ بچے تھے۔ جن میں سے چار زندہ ہیں۔ پرنس آف ویلز کے بڑے صاحب زادے ڈیوک آف یارک (حال ملک معظم جارج پنجم)

کے چار بچے۔ ایک صاحب زادی کے دو بچے۔ ایک ناکتخدا[1] اور ایک اولاد نہیں۔ (۳) شہزادی ایلس ماڈ میری جو سات بچے چھوڑ کر ۱۴۔ دسمبر ۱۸۷۸ء کو فوت ہوئیں۔ (۴) ڈیوک آف اڈنبراجن کی خاتون شہنشاہ روس کی شہزادی ہیں۔ ان کے پانچ بچے ہیں۔ ڈیوک نے ۱۹۰۰ء میں انتقال کیا۔ (۵) شہزادی ہلنا۔ پانچ بچے۔ (۶) شہزادی لوئی (۷) ڈیوک آف کناٹ جو پروشیا کی شہزادی سے منسوب ہیں تین بچے۔ جناب ممدوح عرصے تک ہندوستان میں کمانڈران چیف رہے ہیں اور ۱۹۰۳ء کے کارونیشن دربار میں بھی تشریف لائے تھے (۸) ڈیوک آف البنی جنھوں نے دو بچے چھوڑ کر ۱۸۸۴ء میں انتقال کیا۔ (۹) شہزادی بیاٹرس (چار بچے)

آپ چھ بچے چھوڑ کر مریں پوتے پوتیوں نواسے نواسیوں اور اُن کی اولاد ملائی جائے تو جو مر گئے اُن کو چھوڑ کر بھی (۶۷) ملکہ کی زندگی تک موجود تھے۔

ڈیوک آف یارک کی شادی

پرنسس میری ڈیوک آف کلیرنس کی منگیتر تھیں وہ اچانک عالم جوانی میں عالم بقا کو سدھار سے انھیں سے ۶ر جولائی ۱۸۹۳ء کو اُن کے چھوٹے بھائی ڈیوک آف یارک (ملک معظم جارج پنجم) کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوگئی جن کے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا جو اب پرنس آف ویلز ہیں اور جو ملکہ مرحومہ کے پڑ پوتے ہیں۔ ملکہ معظمہ کی ایک مبسوط سوانح عمری میں ہم نے ایک تصویر دیکھی ہے جس کا عنوان چار پشت یا چار پیڑھی ہے اس تصویر میں ملکہ معظمہ اپنے اس چھوٹے سے پڑ پوتے کو آغوش محبت میں لیے ہوئے اُن کے چہرے سے مسکراہٹ اور آثار مسرت ظاہر ہیں۔ دائیں اور بائیں پرنس آف ویلز (ایڈورڈ ہفتم) اور ڈیوک آف یارک (جارج پنجم) باپ بیٹے کھڑے ہیں۔ اس حساب سے جناب ممدوحہ نے چوتھی پشت دیکھ لی جو اس زندگی ناپائدار میں سوائے ایسے خوش نصیبوں کے دوسروں کو کم نصیب ہوتی ہے[2]

بچپنے کی چٹپٹی باتیں

ملکہ معظمہ کے متعلق بے شمار حکایتیں مشہور ہیں جن میں خاص کر بچپنے کی باتیں بڑی دل آویز ہیں۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات پوت کے پاؤں پالنے ہی میں معلوم

---

[1] بعد میں اور بچے بھی ہوئے ہیں [2] بعد میں ان کی بھی شادی ہوگئی ۱۲

دیتے ہیں اچھوں کے اچھے ہی ہوتے ہیں۔ ملکہ معظمہ شروع ہی سے بڑی خلیق اور ملنسار تھیں۔ آپ اکثر ایک خچر پر سوار ہو کر نکلا کرتی تھیں جس پر ایک مکلف زین کے علاوہ خچر کے گلے میں نیلے گنڈے بھی پڑے رہتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ راہ چلتوں سے اکثر پوچھ لیا کرتی تھیں "تم اچھے ہو؟" اور سلام میں بھی خود تقدیم کرتی تھیں۔ جو لوگ آپ کو سیر شہر کے اندر ہی گھانس کے تختوں پر ٹہلتے دیکھ لیتے تھے اکثر آپ کے ہاتھ چوم لیتے تھے۔ آپ نے بچپن میں بھی کبھی فضول خرچی نہیں کی حالاں کہ گھر میں اللہ کا دیا سب ہی کچھ تھا اور پھر ماں باپ کی اکلوتی اور لاڈلی شاہی گھرانے کی بیٹی جتنا کریں تھوڑا تھا مگر یہ رکھ رکھاؤ اور تعلیم کی خوبی تھی جو کفایت شعاری خمیر میں داخل ہو گئی۔ ایک مرتبہ کیا ہوا کہ ۱۸۲۷ء میں آپ کسی میلے میں تشریف لے گئیں تھیں۔ بہت سے عزیز و اقارب دوست احباب کے لیے تحفے تحائف خرید لئے۔ بس آپ کو جو کچھ روپیہ میوہ خوری کے لیے ملا تھا صرف ہو گیا۔ اس وقت آپ کو خیال آیا کہ اوہو فلاں بھتیجے کے لیے کچھ نہیں لیا۔ آپ نے اس کے لیے ایک بکس پسند کیا جس کی قیمت بھی کچھ زیادہ نہ تھی صرف نصف کراؤن۔ دکان دار نے چاہا کہ آپ کی اور چیزوں کے ساتھ اس بکس کو بھی رکھ دے دام کوئی بھاگے جاتے تھے آ جائیں گے۔ لیکن آپ کی گورنس نے کہا "نہیں۔ اس وقت دام نہیں ہیں اس وجہ سے شہزادی خرید نہیں سکتیں پھر دیکھا جائے گا آپ اس بکس کو نکال کر الگ رکھ دیجیے"۔ شہزادی اس بات سے خوش ہوئیں اور جب حسب معمول آپ کو جیب خرچ ملا تب آپ خچر پر سوار ہو کر آئیں اور اس بکس کو خرید لے گئیں۔ اس سے ہر شخص کو ایک عمدہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ جب تک پیسہ ہاتھ میں نہ ہو ادھار کبھی بھول کر نہ کرے جو لوگ قرض سودا خرید لیتے ہیں وہ بے دھڑک جو دل میں آیا لے لیتے ہیں کیوں کہ دام تو اس وقت دینے ہی نہیں پڑتے جو بوجھ معلوم دے۔

آپ کی اکثر عادت تھی کہ اپنے گورنس کے ساتھ بازار تشریف لے جایا کرتی تھیں ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ ایک جوہری کی دکان پر کچھ خریدنے آئیں دیکھا کہ دکان دار کسی ایک اور نوجوان گاہک لیڈی کی طرف متوجہ ہے جو گھڑی کی ایک زنجیر کا سودا کر رہی تھی۔ زنجیر پسند کی۔ دام پوچھے تو بہت تھے۔ دام سن کر وہ لیڈی دل مسوس کر

رہ گئی اور کہا۔ "دام بہت ہیں اور مجھ میں اتنی سکت نہیں" یہ کہہ کر چلی گئی کہ "خیر کم داموں کی لے لوں گی" شہزادی یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھیں۔ اُس کے چلے جانے کے بعد آپ نے دکان دار سے پوچھا کہ "کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون لیڈی تھیں؟" دکان دار "ہاں میں جانتا ہوں" آپ نے فرمایا کہ "جو زنجیر انھوں نے پسند کی ہے وہ تم اُن کو بھیج دو اور یہ بھی کہلا بھیجو کہ وکٹوریا چاہتی ہے کہ تم اس کو اس عمدہ صفت کے عوض میں لو کیونکہ تم نے جس چیز کو تم نہ لے سکتی تھیں نہیں خریدی اور اپنی خواہش نفسانی کو روکا" کئی برس کے بعد آپ کی ایک تصویر سادہ لباس میں کھینچی گئی اور آپ کے جسم پر کوئی زیور نہ تھا۔ لوگوں نے التماس کیا کہ تصویر کھنچوانی ہے آپ کچھ تو زیور زیب تن فرمائیں۔ آپ نے فرمایا "نہیں۔ یہ تصویر تو میرے لوگوں میں جائے گی جہاں تک میرے بس میں ہے میں یہ چاہتی ہوں کہ فضول خرچی کا سدباب ہو"

ملکہ کو اس طرح اُٹھایا گیا کہ غریب امیر سب کے ساتھ یکساں اخلاق اور پسندیدہ اطوار کا برتاؤ کریں۔ ایک دن جب کہ شہزادی ملبرن میں اپنی والدہ کے ساتھ مقیم تھیں اپنے چھوٹے سے کتے کو لیے ہوئے اپنی ماں اور اتالیقہ کے آگے آگے دوڑتی پھرتی تھیں کہ رستے میں اُن کو اپنی ایک ہم عمر لڑکی ملی جو تھی تو دیہاتی مگر لباس صاف ستھرا تھا۔ بوجہ ہم سنی شہزادی کا دل چاہا کہ اس سے کچھ بات کریں تو انھوں نے یوں بات چھیڑی کہ "میرا کتا بہت تھک گیا ہے کیا تم مہربانی کر کے اسے اٹھا لو گی؟" اس خوش مزاج لڑکی نے جسے خبر نہ تھی کہ یہ لڑکی شہزادی ہے کہا "ہاں کیا مضائقہ ہے" اور جھٹ کتے کو گود میں اُٹھا لیا اور دونوں برابر ہنسی خوشی باتیں کرتی چلی جا رہی تھیں تھوڑی دور جا کر اس لڑکی نے کہا کہ "میں تو تھک گئی اور آپ کے کتے کو زیادہ دیر تک نہیں اُٹھا سکتی" شہزادی "کیا واقعی؟ ناممکن۔ تم تو ابھی تھوڑی ہی دور لائی ہو" لڑکی۔ "میں تو خاصی دور سے آئی اور مجھے اپنی خالہ کے ہاں جانا ہے۔ اگر آپ کو کتے کو اٹھوانا ہی ہے تو آپ خود کیوں نہیں اٹھا لیتیں؟" شہزادی "تمہاری خالہ کون ہیں؟" لڑکی۔ "مسز جانسن" شہزادی۔ "کہاں رہتی ہیں؟" لڑکی۔ "وہ سامنے والے چھوٹے سے گھر میں جو پہاڑ کے دامن میں نظر آتا ہے۔" یہ باتیں دونوں لڑکیاں کھڑی آپس میں کر رہی تھیں کہ اتنے میں شہزادی کی والدہ اور گورنس

بھی آگئیں۔ شہزادی۔ "میرا دل تمھاری خالہ سے ملنے کو چاہتا ہے۔ میں تمھارے ساتھ چلتی ہوں۔ آؤ ہم تم دونوں دوڑ چلیں!" گورنس۔ (ملکہ کا ہاتھ پکڑ کر) "شہزادی۔ نہیں نہیں۔ آپ اس لڑکی سے بہت دیر باتیں کر چکیں۔ آپ کی اماں جان فرماتی ہیں کہ گھر چلیے!" شہزادی کے لفظ کو سن کر بے چاری غریب لڑکی سٹپٹا گئی اور شرمانے لگی۔ لیکن ملکہ کی والدہ نے اسی وقت نہایت تلطف آمیز مہربانی سے اس لڑکی کی تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کیا اور ایک اشرفی اسے انعام دی۔ وہ لڑکی بہت خوش ہوئی اور شکریہ ادا کیا اور دوڑی دوڑی اپنی خالہ پاس جا کر سب ماجرا بیان کیا۔ وہ اشرفی ایک چوکھٹے میں جڑ کر اب تک ملکہ کی ملاقات کی یادگار میں اُن کے مکان میں لگی ہوئی ہے۔

ملکہ کی ہمدردی اور نیک مزاجی کی بہت سی حکایتیں آپ کی تخت نشینی کے بعد کی بھی ہیں۔ ایک دن آپ کے ملاحظہ اور پسند کے لئے کچھ کنگھن پیش کیے گئے تھے۔ اُن میں سے آپ نے پچیس پونڈ کی ایک جوڑی پسند فرمائی۔ اسی اثنا میں کسی لیڈی نے ایک قدیم عہدہ دار کی بیوہ عورت کی عرضی پیش کی۔ ملکہ نے عرضی پڑھی اور متاثر ہو کر وہ کنگھن تو دے دیے رکھا اور اُس کی قیمت پچیس پونڈ اِس بیوہ کو بھیج دی۔

برسوں سے ایک بڈھا کنسنگٹن کے محل کے سامنے والی سڑک جھاڑا کرتا تھا۔ ملکہ شہزادگی کے زمانے سے جب کبھی گاڑی میں نکلتی تھیں اس بڈھے پر ترس کھا کر کچھ تھوڑی سی رقم پھینک دیا کرتی تھیں۔ جب آپ خود ملکہ ہوئیں تو تو اُس بڈھے کی آٹھ شلنگ ہفتہ وار پنشن مقرر کر دی لیکن افسوس ہے کہ وہ بڈھا صرف چھ ہی مہینے جیا۔

ملکہ معظمہ نے اپنے والد کا قرضہ جو پچاس ہزار پونڈ تھا ادا کر دیا۔ آپ کو اس بات کا بھی علم تھا کہ اُن کی والدہ بھی کچھ قرض دار ہیں۔ اُن کی راست باز صاحبزادی نے ایک دن ناشتہ کے وقت میز پر اُن کی رکابی کے پاس ایک لفافے پر اُن کا نام لکھ کر رکھ دیا۔ انھوں نے جو لفافے کو کھولا تو کیا دیکھتی ہیں کہ اُن کے سارے قرضے کی ادائی کی رسیدیں اُس میں موجود تھیں۔

ملکہ کی کام کی قابلیت

ملکہ معظمہ کبھی کام کرنے سے ہچکچاتی نہ تھیں۔ اوائل زمانہ سلطنت میں سویرے آٹھ بجے ہی سے کاغذات ملاحظہ فرمانے لگتی تھیں۔ لارڈ ملبرن نے ایک مرتبہ کاروبار کی کثرت اور کثیر التعداد غور طلب کاغذات کے پیش کرنے کی معذرت بھی کی۔ آپ نے فرمایا "یہ تو صرف ایک تبدیل مشغلہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے کبھی آرام طلبی کی زندگی بسر نہیں کی۔ مجھے اپنے روزانہ سبقوں کو چھوڑ کر ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا"۔ لارڈ پامرسٹن لکھتے ہیں کہ صرف ایک سال ۱۸۴۸ء میں اڑتیس ہزار مراسلات ملاحظہ اشرف سے گزرے۔ ایسے اہم و سترگ کاغذات کو اُن منسلکات کے ساتھ دیکھنا اور غور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ذیل کے واقعے سے حضرت ممدوحہ کی نہایت درجے کی انسانیت، نرم دلی اور پابندی اوقات کا حال معلوم ہوگا۔ آپ کے سٹاف میں ایک عہدہ دار بڑا جلد باز اور گڑبڑیا تھا۔ ایک دفعہ وہ ملکہ کی حضوری میں سلطنت کی ایک بڑی بھاری تقریب کے متعلق کچھ احکام اور ہدایات لینے کی غرض سے حاضر ہوا۔ ملکہ معظمہ نے ساری تفصیل اُسے سمجھا دی۔ خدا جانے گھبراہٹ میں اُس نے پوری طور سے سنا نہیں یا سنا اور باتیں ذہن سے اُتر گئیں بہرحال وہ اُن ہدایات کو بھول گیا اور اب بہت سٹپٹایا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ ملکہ معظمہ کی سمع مبارک تک بھی اُڑتی پڑتی یہ خبر پہونچی۔ آپ خود بدولت کمرے میں تشریف لے گئیں اور میز پر سے ایک تختہ پروگرام جو دست خاص سے ارقام فرمایا تھا وہ ایک عہدہ دار کو دیا اور کہا کہ فلاں صاحب کے پاس لے جاؤ اور اُن سے کہدو کہ "خیر کچھ مضائقہ نہیں میں نے جو کچھ اُن سے زبانی کہا تھا وہ سب اس کاغذ میں لکھا ہوا ہے اس سے اُن کو اُن امور کی تفصیل بخوبی معلوم ہو جائے گی"۔ حضرت ممدوحہ بڑی پابندی سے اپنا روزنامچہ بھی قلم بند فرماتی تھیں جو مشہور اور ضروری واقعے ہوتے تھے سب اس میں لکھتی تھیں۔ امور سلطنت کی نسبت اخباروں میں جو مباحث اور رائیں چھپتی تھیں اُن کو بہت غور سے دیکھتی تھیں۔

اتوار کا دن

اتوار کا دن بالکل چھٹی اور عبادت کے لئے مخصوص تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ہفتے کی شام کو آخر وقت ایک وزیر در دولت پر کچھ ضروری اور اہم کاغذات لے کر حاضر ہوا اور معروضہ کیا کہ کاغذات ضروری اور

غور طلب ہیں شب کے وقت حضور کو تکلیف دینا نہیں چاہتا صبح سویرے حاضر ہوں گا۔" ملکہ۔ "کل صبح؟" پھر مکرر فرمایا۔ "کل تو اتوار ہے۔" وزیر "پیر و مرشد بجا ارشاد ہوا لیکن کام ایسا ضروری ہے کہ اس میں تاخیر کا محل نہیں۔" ملکہ "ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔ اگر کاغذات ایسے ہی سخت ضروری ہیں تو خیر کل صبح دیکھ لوں گی۔"

صبح کو ملکہ مع اپنے درباریوں اور حوالی موالی کے گرجا تشریف لے گئیں۔ گرجا میں اس روز اتوار کے دن کی عظمت اور احترام پر ہی وعظ تھا۔ نماز کے بعد ملکہ اس وزیر کی طرف مخاطب ہوئیں اور استفسار فرمایا "آپ نے سنا۔ وعظ کیسا تھا کچھ پسند آیا؟"

وزیر۔ "یور میجسٹی۔ سبحان اللہ! وعظ کا کیا کہنا فی الواقع بہت ہی عمدہ تھا۔"

ملکہ "تو مجھے آپ سے اس امر کے پوشیدہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اس وعظ کا مسودہ کل رات کو میں نے ہی پادری صاحب کے پاس بھیج دیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ اس وعظ سے آپ صاحبوں کو فائدہ پہنچے گا۔"

اتوار کے سارے دن ان کاغذات کا کچھ ذکر نہیں آیا۔ رات کے وقت جب ملکہ وزیر کو سلام کر کے رخصت ہونے لگیں تو فرمایا۔ "مائی لارڈ! کل صبح آپ جس وقت چاہیں اگر آپ کو پسند ہو تو سویرے سات ہی بجے میں اُن کاغذات کو دیکھ لوں گی۔"

وزیر "اتنے سویرے حضور کو تکلیف دینا میں مناسب نہیں خیال کرتا۔ جلدی سے جلدی نو بجے بھی کافی ہے۔" حضرت اپنے ملازمین سے بھی اتوار کے دن غیر ضروری کام نہیں لیتی تھیں۔ نوکروں کے ساتھ آپ کا سلوک بڑی مہربانی اور شفقت کا تھا ایک بڑی دعوت درپیش تھی۔ بینڈ والوں کو درست کرنا تھا۔ وہ عین وقت پر غیر حاضر ہو گئے اور اسی قصور میں خدمت سے موقوف کر دیئے گئے آپ نے جب سنا تو فوراً بحال کر دیا اور فرمایا کہ "میں اپنے ملازموں کو سزا دینا نہیں چاہتی۔ آئندہ خیال رہے کہ اتوار کو ان سے کام نہ لیا جائے۔"

قصاص کا حکم ملکہ کی تخت نشینی کو ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ جناب ممدوحہ کو شاہی اقتدار زندگی یا موت کے برتنے کا اتفاق پیش آیا۔ ڈیوک آف ولنگٹن نے ایک فوجی حکم نامہ ایک سپاہی

کی پھانسی کا آپ کی منظوری کے لیے پیش کیا۔ اُس زمانے میں پھانسی کے لیے بادشاہ وقت کی منظوری مشروط تھی۔ آپ اُس کاغذ کو ملاحظہ فرما کر دستخط کرنے سے رکیں۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا "کیا آپ اس شخص کی طرف سے کچھ کہنا نہیں چاہتے؟" آیرن ڈیوک (رونیاتن ڈیوک) "جی کچھ نہیں۔ یہ تیسرا موقع ہے کہ یہ شخص فرار ہوچکا ہے" ملکہ "او ڈیوک! خدا کے لیے پھر خیال کیجیے" ڈیوک "بہت خوب حضور سپاہی کی حیثیت سے تو یقیناً یہ شخص بد ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ اس کا رویہ اچھا ہے۔ شاید وہ اپنی خانگی طرز معاشرت میں اچھا ہو" ملکہ "تب تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور معاف لکھ کر اپنے خوب صورت دستخط فرما دیے۔ ملکہ معظمہ کو اس تکلیف دہ فریضے سے سبکدوش کرنے کے لیے آخر کار پارلیمنٹ سے قانون پاس ہو گیا کہ ایسے احکام رائل (شاہی) کمیشن سے جاری ہوا کریں۔

زخمیوں سے ہمدردی

اول تو عورت کی ذات یوں بھی نرم دل ہوتی ہے پھر ملکہ بھی رقیق القلب۔ رحم دل۔ جنگ کریمیا کے بعد آپ نے خواہش کی کہ میں کچھ زخمیوں کو دیکھنا چاہتی ہوں جو چنگے ہو گئے ہوں اور قصر بکنگھم کو آسکتے ہوں۔ چنانچہ بہ اتباع ارشاد خداوندی چند لوگ حاضر کیے گئے وہ سب ایک قطار باندھ کر ایک کمرے میں کھڑے کیے گئے۔ ملکہ نے سب کو بغور ملاحظہ فرمایا۔ ایک شخص سے مخاطب ہو کر یوں گوہر فشاں ہوئیں" ملکہ "میں دیکھتی ہوں کہ تمہارا سیدھا بازو ضائع ہو گیا ہے۔ تم کہاں زخمی ہوئے تھے؟" سپاہی۔ "حضور خندق میں" ملکہ "میں خیال کرتی ہوں کہ اب بھی جب موسم بدلتا ہے تو تمہارے درد ہوتا ہوگا؟" سپاہی "حضور بے شک مجھے درد کی کسک معلوم ہوتی ہے" سپاہی جب عرض کر رہا تھا تو اُس نے اپنی انگلیاں اپنے دل پر رکھ لی تھیں مگر انگوٹھا وہ بائیں شانے کی طرف تھا کیوں کہ صرف بایاں ہی ہاتھ رہ گیا تھا۔ ملکہ معظمہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا "میں نے اکثر سنا ہے مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں؟ اگر ایک جانب کا بازو ضائع ہو جائے تو دوسری طرف بھی درد ہوا کرتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟" سپاہی۔ "اگر غلام کو معافی دی جائے تو غلام عرض کرے؟" ملکہ "میں پسند کرتی ہوں کہ اس کی وجہ اُسی شخص سے سنوں جس پر بیتی ہو بہ نسبت اُس شخص کے کہ جس پر یہ ماجرا گزرا نہیں" سپاہی "حضور والا! ایک وقت وہ تھا کہ میرا ہاتھ صحیح سلامت تھا جس سے میں اپنی ملکہ کی خدمت گزاری میں ہتھیار چلاتا تھا۔ اگر میرے ایسے پچاس ہاتھ بھی ہوتے تو بھی

اُن سب ہاتھوں کو اپنی ملکہ کی خدمت کے لیئے مخصوص کرتا۔ لیکن کیا کروں کہ اب وہ ہاتھ ہی نہ رہا۔ اس بات کا رنج سمجھیے یہاں ہے (دل کی طرف اشارہ کرکے) ملکہ نے بھی دیکھا کہ وہ دل کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ آپ متاثر ہوئیں اور نہایت متاثر لہجے میں فرمایا۔ "میں اس بات کے لیئے تمھارا شکریہ ادا کرتی ہوں" اور پھر مکرر یہی کلمات زبان فیض ترجمان سے فرمائے۔ اس کے بعد چار شخصوں کو کچھ عرض معروض کرنا تھا اُن کی طرف متوجہ ہوئیں پھر جناب ممدوحہ نے جنگ کی خوف ناک حالت۔ لوگوں کے مصائب۔ کنبوں اور ملک کے متعدد نقصانات کا ذکر فرمایا۔ آخر کار جناب ممدوحہ ایک اور سپاہی کے پاس تشریف لائیں جو بیساکھیوں کے سہارے کھڑا تھا۔ اُس سے دریافت کیا کہ "تم کہاں زخمی ہوئے؟" سپاہی نے ایک بھدی آواز اور اکھڑے لہجے میں کہا۔ "گولی دن کرکے میری ٹانگ میں لگی" ملکہ معظمہ نے فرمایا "ہے تو یہ بھی اُسی مرتبے کا (یعنی کہ جیسا کہ پہلا سپاہی تھا) لیکن پہلے میں خلقی ادب تھا یہ اُس کے برعکس ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ ایک پیدائشی درباردار تھا اور یہ نہیں" پہلے شخص نے کس خوبی اور شاہی آداب ملحوظ رکھ ملکہ کو جواب دیا اور دوسرے نے کیا اجڈ پنا دکھلایا۔

کچھ خوشی کی باتیں

ملکہ معظمہ کی زندگی میں جو جو افکار و حوادث پیش آئے اُن کا ذکر اوپر آچکا اب کچھ دل خوش کن باتیں بھی سنیئے کہ

رنج و راحت جہاں میں توام ہے
کبھی شادی ہے اور کبھی غم ہے

قیصر ہند کا خطاب

۱۸۷۷ء میں ملکہ ممدوحہ نے قیصر ہند کا خطاب لیا جس کا عظیم الشان جلسہ بعہد لارڈ لٹن گورنر جنرل دہلی میں ہوا جہاں تمام رجواڑے اور رئیس مع اپنی افواج و لوازمہ و تزک و احتشام کامل جلوس سے موجود تھے۔ ایسا عظیم الشان جشن اس سے پہلے ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا۔

جوبلی

۲۱ر جون ۱۸۸۷ء کو ملکہ معظمہ کے پچاس سالہ دور حکومت کی شکر گذاری میں ایک بڑا جلسہ تمام ملک میں ہوا جو **گولڈن جوبلی** یعنی جشن طلائی کہلاتا ہے۔ اس کے بعد ۱۸۹۷ء کو شصت سالہ سلطنت کی خوشی میں اس سے بھی بڑھ کر دھوم دھام ہوئی جو **ڈائمنڈ جوبلی** جشن الماسی کے نام سے مشہور ہے۔ ہندوستان میں اس سرے سے اس سرے تک بڑی خوشیاں منائی گئیں اور ہر ہر مقام پر جلسے اور جشن ہوئے لیکن لندن کا منظر عجیب و غریب اور قابل دید تھا۔ ملکہ معظمہ کی سواری بڑی

دھوم دھام اور جلوس سے برآمد ہوئی۔ اس وقت دوہری خوشی تھی۔ ایک یہ کہ جناب ممدوحہ کی حکم رانی پر ساٹھ سال گزرے اور دوسرے یہ کہ آپ کا زمانِ سلطنت یورپ کے کل بادشاہوں سے بڑھ گیا کسی بادشاہ کو اتنے دنوں سلطنت کرنا نصیب نہیں ہوا۔ اس بے نظیر تقریب کے دیکھنے کو چار دانگ عالم سے لوگ جمع ہوئے کیوں کہ ایسا لطف اب دو کاہے کو کسی کو نصیب ہو سکتا ہے۔ نہ کوئی ساٹھ برس سلطنت کرے گا نہ کوئی بادشاہ اپنی قوم کا ایسا پیارا ہوگا۔ نہ یہ جوش و خروش ہوگا۔ ہر ہر خطۂ ملک سے جہاں جہاں وکٹوریا کا جھنڈا لہراتا ہے سفیر اور ایلچی تہنیت اور مبارک باد کو حاضر ہوئے۔ لندن میں آسمان ابر آلود رہتا ہے اور کہرے سے دھندلا رہتا ہے مگر اس دن افضالِ الٰہی سے مطلع بالکل صاف تھا گویا آفتابِ عالم تاب نے بھی اس سین کے دیکھنے کے شوق میں افقِ مشرق سے گردن نکالی تھی۔ لندن میں ملکہ کی تاج پوشی سے لے کر اب تک جیسے ساٹھ سال کی طویل مدت گزر چکی تھی ایسا عظیم الشان جشن جس میں ہر شخص مگن تھا اور مارے خوشی کے باچھیں کھلی جاتی تھیں نہیں ہوا تھا۔ صبح سویرے ہی سے تمام لوگ راستوں اور ریل پر سے ٹڈی دل کی طرح امنڈ پڑے جس کی نظیر کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ دوسری سلطنتوں کے بادشاہ بھی مہمان تھے۔ اس تقریب میں پچاس ہزار فوج شریک کے دو طرفہ صف بستہ کھڑی تھی۔ ہندوستانی فوج کو یہ اعزازِ خاص دیا گیا تھا وہ بطور باڈی گارڈ کے تھی۔ اس تقریب پر پیشگاہِ خسروی سے ہندوستان اور کل ممالک کو ایک مختصر تار دیا جس کے لفظ لفظ سے محبت ٹپکتی ہے اور وہ یہ ہے:۔

"میں تہِ دل سے اپنی پیاری رعایا کا شکریہ ادا کرتی ہوں خدا اُن کو برکت دے۔" اسینٹ پال کے مشہور گرجا میں جو شکرانے کی نماز ادا ہوئی اُس کا کیا پوچھنا ہے۔ قوم کا ایک ایک شیدا دل و جان سے اپنی ملکہ کی سلامتی کی دعا کرتا تھا۔ جناب معظمہ اپنی رعایا کے اس اظہار عقیدت اور جوش خروش سے نہایت متاثر ہوئیں اور بڑی مشکل سے تحمل فرمایا ورنہ بڑے بڑے کڑے دل والے اس وقت آب دیدہ تھے۔ ہر شہر۔ ہر گاؤں حتیٰ کہ ہر مکان میں اس شب مبارک کو روشنی کی گئی۔ لندن کا تمام شہر اور بازار بقعۂ نور بن گیا تھا غریبوں کو کھانا کھلایا گیا اور بہت سے سیر تماشے ہوئے۔ اس کے سوا جوبلی کی دوامی یادگاریں دواخانے۔ مسافر خانے۔ آرام گاہیں گھنٹے گھر وغیرہ بنائے گئے۔ شب میں بحری قوت کا

ملاحظہ ہوا۔ (۱۶۷) جہاز آراستہ و پیراستہ کھڑے تھے۔ ملکہ معظمہ بنفس نفیس دن بھر کی تقاریب کی تکان اور نقاہت کی وجہ سے اس سین کو ملاحظہ فرما سکیں اور اپنی طرف سے اپنے فرزند دلبند پرنس آف ویلز کو بھیج دیا تھا۔ اس موقع پر صرف شاہی مہمانوں کی اس قدر کثرت تھی کہ دو اسپیشل ٹرینیں بھر بھر کر گئیں۔ دن کو جو کچھ بہار تھی وہ تو تھی ہی رات کا سماں کچھ اور ہی تھا کہ ایک دم سارے جہازوں پر بجلی کی روشنی جگمگانے لگی جو اندھیری گھپ رات میں نظروں میں کھبی جاتی تھی تیس ہزار اشخاص سے اوپر ہی اوپر ان جہازوں پر مامور تھے تیس ہزار گلوں سے جب آن واحد میں چیئرز کا پرجوش نعرہ لگایا ہوگا کرۂ سماوی میں اس کی گونج کا محض تصور سے کام نہیں چلتا جس کے کانوں نے سنا ہوگا وہی اس کا لطف جانے۔

دوسرے سلاطین ہم عصر سے طرز مراسلت

ملکہ معظمہ کی منجھی ہوئی سمجھ، بلند نظری اور دور بینی سے نہایت تعجب ہوتا ہے وہ زود فہم اور معاملات کی تہ کو اس قدر جلد پہنچتی تھیں اور مآل اندیشی اس درجے تھی کہ بڑے بڑے امراء و وزراء اور مشیران مملکت آپ کی فراست سے دنگ رہ جاتے تھے جس کی بیشتر مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ دوسرے بادشاہوں کو جب کبھی مراسلت کی ضرورت داعی ہوتی تھی تو آپ ہمیشہ طرفین کی عظمت اور وقار ملحوظ رکھتی تھیں آپ نے کبھی دب کر تحریر نہیں کی یہ بات سب لوگوں کو یاد ہے کہ جناب ممدوحہ نے اپنے نواسے شہنشاہ ولیم کو کس طرح ڈانٹ کر لکھا تھا اور لوئیس فلپ بادشاہ کو تو ایسی برجستہ تحریر بھیجی کہ کسی بادشاہ نے شاید آج تک کسی بادشاہ کو نہ کی ہوگی۔ ملکہ کے طرز عمل سے یہ بات کبھی ظاہر نہیں ہوئی کہ ان کے سینے میں ایک عورت کا دل ہے۔ دوسرے بادشاہوں سے ان کے تعلقات دوستانہ تھے۔ رعایا کے ساتھ ان کی مصیبت میں بڑی ہمدردی فرماتی تھیں خصوصاً ایسے واقعات اتفاقی میں جیسے جہاز کی تباہی۔ ریل کا ٹکرا جانا۔ معدنوں کا بیٹھ جانا اور کسی قسم کی خطرناک ناگہانی آفت۔ ایسی مصائب کے وقت سب سے پہلے آپ کا دست شفقت اور تسلی دراز ہوتا تھا خواہ کوئی تسلی آمیز فرمان جاری فرمائیں یا نقدی امداد فرمائیں۔ جناب ممدوحہ ایسی رقیق القلب تھیں کہ کسی کی تکلیف نہ دیکھ سکتی تھیں اور رونے کے ساتھ خود بھی بے اختیار رونے لگتی تھیں۔

ہندوستان پر مہر کی نظر

ملکہ معظمہ یوں تو اپنی ساری وسیع سلطنت کی رعایا پر دل وجان سے فدا تھیں مگر اہل ہند کی خاص جگہ آپ کے دل میں تھی جب کبھی ہندوستانیوں کو کوئی تکلیف پہنچی معاً آپ نے تشفی اور تسلی فرمائی آپ نے بعض اوقات اپنے وزراء کے خلاف یورپین رعایا پر ہندوستان والوں کو ترجیح دی جس کی کھلی مثال غدر کے حالات ہیں۔ جب کہ ولایت کے سارے اخبار شور وشغب مچا رہے تھے۔ گورے کالے پر مطاعن اور مظالم کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ غرض ہر شخص جوش انتقام میں بھرا ہوا اور پر دل تھا۔ لارڈ کیننگ نے جو اس زمانے میں گورنر جنرل تھے جناب معظمہ کی خدمت میں اظہار واقعات کیا جس کے جواب میں بالاتفاق رائے گورنر جنرل ارشاد ہوا کہ "جناب ممدوحہ یہاں کی عامۂ خلائق کی اس عام نکتہ چینی پر جو بلا امتیاز احدے اور خلاف شان مذہب عیسوی کی گئی ہے۔ افسوس کا اظہار فرماتی ہیں لیکن توقع کی جاتی ہے کہ یہ خیالات دیرپا نہیں ہیں۔ یہ صرف ایک اُبال ہے اُن خوفناک مظالم کا جو بے گناہ عورتوں اور بچوں پر توڑے گئے جن کے سننے سے (جسم میں) خون جم جاتا ہے اور دل خون آلود ہو جاتا ہے۔ ایسے خوفناک افعال کے مرتکبین کے لئے کوئی سی بھی سزا سخت نہیں گو یہ امر بہت افسوسناک ہے مگر سب خطاکاروں کے ساتھ پورا پورا انصاف ہونا چاہئے لیکن عموماً ہندوستانی قوم وہاں کے ضلع جو باشندوں بہت سے مہربان ہندوستانی دوستوں نے جنھوں نے ہم کو مدد دی ہے اور ہمارے سچے وفادار خیرخواہ ہیں بہت بڑی مہربانی کرنی چاہئے۔ اُن کو معلوم کرانا چاہئے کہ کالے چمڑے سے کوئی نفرت نہیں ہے۔ آپ کی ملکہ کی کوئی خوشی اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ وہ اُن کو خوش وخرم۔ راضی اور پھولتا پھلتا دیکھیں"۔

غدر کے بعد جب ملکہ معظمہ نے زمام سلطنت اپنے دست مبارک میں لی تو مسودہ شاہی اعلان کا ملاحظۂ اقدس میں پیش ہوا تھا اُس میں کچھ زیادہ سختی تھی جس میں ناجائز الفاظ سلطنت کی قوت اور ... کے تھے جو مذاہب پر ناجائز اور خلاف مصلحت ریمارک تھے۔ جناب ممدوحہ نے نہایت سختی سے اس کی مخالفت کی اور تحریر فرمایا کہ "ملکہ معظمہ اس جملے کو ناپسند فرماتی ہیں کہ اُن کو ہندوستانی مذاہب کی بیخ کنی کرنے کی قوت حاصل ہے"۔ ملکہ معظمہ اس بات کو ترجیح دیتی ہیں کہ اس مضمون کو اس طرح پر ظاہر کیا جائے کہ "ملکہ معظمہ جو اپنے مذہب سے محبت کا خاص تعلق رکھتی ہیں اور جس سے وہ تسلی اور آرام پاتی ہیں وہ مانع ہے کہ وہ دوسرے ہندوستانی مذاہب میں مداخلت فرمائیں

اور یہ کہ ہمارے ملازمین کو ایسا کیا جائے کہ ہماری ان ہدایات کے موافق وہ موجب تعمیل کریں۔ حسب الحکم جناب ممدوحہ اس اعلان کو پھر از سر نو لکھا گیا اور جناب ممدوحہ نے لارڈ ڈاربی کو اپنی قلم سے تحریر فرمایا کہ وہ بدولت کو مسرت ہوگی کہ اگر اس تحریر کو لارڈ ڈاربی خود اپنی عمدہ انگریزی میں لکھیں اور لکھتے وقت اس امر کو ذہن نشین رکھیں کہ ایک عورت ذات بادشاہ براہ راست انتظام سلطنت اپنے ہاتھ میں لیتے وقت اپنی دس کروڑ سے زیادہ رعایا سے خطاب کرتی ہو اور ایک خونخوار جنگ (غدر) کے بعد ان سے وہ وعدے کر رہی ہو کہ اس کی آیندہ سلطنت کیا کرے گی۔ ان کو میری گورنمنٹ کے اصول بتلائے جائیں۔ ایسے فرمان میں فیاضی اور مراعات اور مذہبی آزادی کے خیالات کی خوشبو آنی چاہئے اور وہ مراعات بھی بتلائی جائیں جو ہندوستانیوں کے ساتھ ان کو رعایائے برطانیہ کے برابری کے مرتبے میں رکھنے کی وجہ سے کی جائیں گی اور جس سے تہذیب کے ساتھ ملک کی شادابی ہوگی۔" چنانچہ حضور عالی کے منشا کے مطابق پرنس کنسرٹ کے مشورہ سے وہ اعلان شائع کیا گیا جو آج سارے ہندوستان میں امن و آسائش اور فخر کا باعث ہوا اور اسی کی بدولت اہل ہند اپنے مذہبی عقائد اور افعال میں پورے پورے آزاد ہیں۔ اس اعلان کو حصہ اول میں درج کیا گیا ہے۔

زندگی کے آخری دن

اگرچہ زندگی کے آخری سالوں میں آپ کی صحت اچھی نہ تھی مگر آپ کی مستعدی میں کچھ بھی فرق نہیں آیا تھا۔ ۱۸۹۸ء میں آپ شہر **نیس** کو تشریف فرما ہوئیں اور ۹ مئی کو **کوئینز کالج** ملاحظہ فرمایا۔ چودھویں کو **نٹلی ہاسپٹل** میں جس میں جنگ کے (۳۵) زخمی زیر علاج تھے تشریف لے جاکر ملاحظہ کیا۔ اس موقعہ پر آپ نے دو شخصوں کو تمغے بھی مرحمت فرمایا۔ اس کے دو دن بعد پھر جنگ کریمیا اور غدر کے سو بہادروں کو ملاحظہ کیا اور **ایلڈر شاٹ** میں افواج کو نشان مرحمت فرمائے۔ دوسرے دن بارہ ہزار فوج ملاحظہ سے گزری۔ اس عرصہ میں ملکہ آسٹریا کے قتل کی خبر آئی جس سے آپ کو بڑا صدمہ ہوا اور نیز **ویسٹ انڈیز** میں طوفان سے چالیس ہزار آدمی خانماں برباد ہو گیا جن میں سے تین سو جان سے گئے۔ اس سانحہ سے خاطر عاطر بہت ملول رہی۔ آپ نے پھر فوج کو نشانات سرفراز کیے۔ تیسری دفعہ کو آپ پھر اسپتال میں تشریف لے گئیں اور **جنگ سوڈان** کے زخمیوں کو ملاحظہ فرمایا۔ ۱۸۹۹ء میں آپ کی ہشتادسالہ سالگرہ بڑی دھوم سے رچائی گئی۔ نومبر میں آپ نے

برسٹل میں ایک شفاخانے کا افتتاح فرمایا جو آپ کی جوبلی کی یادگار میں بنایا گیا تھا۔ ۲۶ر دسمبر کو آپ نے قلعہ ونڈزر میں عہدہ داران جنگ سوڈان کی بیبیوں اور بچوں کو چائے نوشی کی دعوت دی سنہ ۱۹۰۰ء میں آپ آئرلینڈ تشریف لے گئیں۔ جہاں آپ کی تشریف آوری پر بے انتہا خوشی منائی گئی اور اسی طرح کئی دفعہ آپ نے فوج کو ملاحظہ فرمایا۔ آپ کی اس توجہ گرانمایہ اور محبت سے ساری فوج آپ کی جاں نثار تھی۔ اسی سال کے اوائل میں یہ افواہ اُٹھی کہ جناب ممدوحہ کی صحت اطمینان بخش حالت میں نہیں ہے مگر آپ حسب معمول ہوا خوری کے لیئے برآمد ہوا کرتی تھیں۔ سب سے آخری شاہی کام جو آپ نے فرمایا وہ لارڈ رابرٹس سے ملاقات تھی جب کہ وہ جنگ جنوبی افریقہ سے واپس آئے تھے اسی وقت آپ نے اُن کو ارل کا خطاب دیا۔

آخری حالت اور وفات حسرت آیات

ملکہ معظمہ کچھ بہت دن علیل نہ رہیں اُن کی موت کی خبر بالکل اچانک آئی۔ مدراس میل راوی ہے کہ چندروز بیشتر حضور عالیہ کی ممالک میں ہر شخص اس خیال سے خوش تھا کہ ابھی ملکہ میں اس قدر جسمانی اور دماغی توانائی باقی ہے کہ ملک رانی کا کام برابر چلانے پر قادر ہیں۔ چنانچہ حال کا ذکر ہے کہ جب جنوبی افریقہ سے آپ کی فاتح افواج انگلینڈ کو واپس ہوئیں تو آپ نے اُن کو بچشم خود ملاحظہ فرما کر اُن کے بعض افسروں کو طلائی تمغے بھی مرحمت فرمائے۔ ۲ر جنوری کو آپ نے لارڈ رابرٹس سے ملاقات کی اور فوج کی شجاعت اور دلیری کا شکریہ ادا فرمایا۔ ایک ماہ قبل حضور عالیہ قلعہ ونڈزر سے آسبرن تشریف فرما ہوئیں اور آپ کا قصد تھا کہ وسط فروری میں واپس تشریف لا کر اقلیم ولایت کی بعض ممالک کا سفر تفریحاً فرمائیں۔ کرسمس کا جشن آسبرن میں ہوا۔ اُس وقت تک کسی قسم کی شکایت نہ تھی اور مزاج وہاج بالکل اچھا تھا مگر اس کے بعد ہی دفعتہً طبیعت میں ایک قسم کا تغیر واقع ہوا ضعف دماغ کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ قلت اشتہا اور بدخوابی کی شکایت مزید برآں۔ اگرچہ باسباب ظاہر آپ کی حالت صحت تشفی بخش تھی مگر جنوبی افریقہ کی لڑائی میں تباہی خلق اللہ سے آپ کے نازک اور پُر رحم دل پر کچھ ایسا صدمہ ہوا کہ اس کا اثر دماغ معلی تک جا پہنچا۔ چونکہ حضور عالیہ نہایت مستقل مزاج اور بڑی ضابطہ اور صابر تھیں کہ منہ سے کچھ نہ کہا نہ جزع فزع کی بلکہ دل ہی دل میں گُھٹتی رہیں

اس لڑائی میں جو عزیز جانیں ضائع ہوئیں اُن کا قلق غم والم اس قدر آپ پر طاری رہا کہ جو شخص آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھتا تھا وہ اس بات کو بخوبی دریافت کر لیتا تھا کہ حضور عالیہ سخت ملول ہیں اس لیے ہمارا یہ خیال ہے کہ یہ غم نہانی اثر کرتا رہا جس کے باعث دماغ ضعیف ہو گیا اور آپ کی عمر بھی زیادہ تھی ان صدمات گراں کی متحمل نہ ہو سکیں۔ جب برداشت کی طاقت تھی تو آپ نے اپنے جگر گوشوں کی موت کو تحمل واستقلال سے برداشت کیا اور صحت میں خلل نہیں آیا۔ بلکہ (سچ بات یہ ہے کہ) آپ نے اپنے بچوں کی موت کا اس قدر غم نہیں کیا جو آپ نے اپنے اُن فوجی افسروں اور سپاہیوں اور رعایا کی موت کا اپنے دل پر لیا جو جنگ افریقہ میں ہلاک ہو گئے۔ وہ اپنے جاں نثار افسروں اور اپنی ہر دل عزیز رعایا کی عاشق تھیں۔ آپ کی موت کی بڑی وجہ یہی صدمہ جانکاہ تھا۔ ۱۸ جنوری سے علالت کے تاروں کی بھرمار شروع ہوئی۔ ۱۹ کو معلوم ہوا کہ حالت نہایت خطرناک ہے۔ بیسویں کو تو یقین ہو گیا کہ آخری حالت ہے اور چند گھنٹوں میں یہ چراغ گل ہوا چاہتا ہے۔ ۲۱ کی صبح کو ذرا سکون ہوا (جسے سنبھالا کہتے ہیں) مگر پھر کرب شروع ہو گیا اور شب میں سخت بے چینی رہی۔ سوائے ڈاکٹروں اور تیمارداروں کے کسی کو آپ کے پاس اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ۲۲ کو تین مرتبہ شاہی خاندان کے لوگ آپ کے بستر کے پاس طلب کیے گئے آخری دفعہ ساڑھے تین بجے دن کے اور پھر تو سب وہیں رہے۔ آپ کبھی کبھی ہوش میں بھی آجاتی تھیں لیکن اُسی دن ساڑھے چھ بجے شام کے بیہوشی کی سی حالت میں روح پرواز کر گئی۔ آپ کی نعش سلطنتی طور پر نہیں رکھی جائے گی لیکن خانگی ملازموں کو آپ کا دیدار دیکھنے کی اجازت ہے چہرہ آپ کا بالکل آسودہ اور مستقل تھا۔ ایسا معلوم دیتا تھا کہ گویا میٹھی نیند آرام فرما رہی ہیں۔ سینے پر دونوں ہاتھ آڑے رکھے ہوئے تھے اور ایک طلائی صلیب سینۂ مبارک پر دھری تھی۔ دو ہندی اور ایک یورپین لیڈی میت کی نگہبانی کر رہی تھیں۔ تاروں سے معلوم ہوا کہ دولت انگلینڈ کے سارے ممالک میں خواہ اندرون انگلینڈ ہو یا بیرون درد والم ایسا ہی محیط ہے جیسا کہ خاص لندن میں۔ دنیا کے سارے حصوں میں مستحکم علامات ہمدردی کی پائی جاتی ہیں جو اُس نقش کے عمق پر دلالت کرتی ہیں جو ملکہ معظمہ نے سارے جہان کی خلایق کے دلوں پر جما رکھا تھا۔

حضور عالیہ کے جانشین

انتقال پر ملال کے دوسرے حضور عالیہ کے ولی عہد پرنس آف ویلز تخت نشین ہوئے تخت نشینی کے بعد بوجہ

سخت اندوہ و غم کے آپ نے ایک مختصر تقریر فرمائی۔ کیوں کہ فرط غم سے آپ کو یارائے تقریر نہ تھا مگر با ایں ہمہ ادائے رسم کے لئے ذیل کی مختصر سی سپیچ دی۔ جناب ممدوح کے آنسو جاری تھے اور جب اپنی مادر مہربان کا نام نامی آپ کی زبان مبارک پر آیا تو زبان قابو میں نہ تھی:۔

یور رائل ہائینسز مائی لارڈز اینڈ جنٹلمین۔ آپ سے خطاب کرنے کا میرے لئے اس سے زیادہ دردناک موقع کبھی نہ ہوگا۔ میرا مقدم اور رنج آمیز فرض یہ ہے کہ میں آپ کو اپنی والدہ ماجدہ ملکہ معظمہ کے انتقال کی اطلاع دوں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو اور تمام قوم کو بلکہ میرا یہ خیال ہے کہ تمام عالم کو اس ناقابل تلافی صدمے میں جو ہم سب کو ہوا ہے میرے ساتھ کیسی دلی ہمدردی ہے۔ مجھے اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے کہ میری ہمیشہ یہ کوشش رہے گی کہ اس بار عظیم کے اٹھانے میں جو مجھ پر اب عائد ہوا ہے عالیہ حضرت موصوفہ کی اتباع کروں۔ میرا مصمم ارادہ ہے کہ میں کانسٹیٹیوشن کو پورے طور پر ملحوظ رکھوں اور جب تک میرے دم میں دم رہے اپنی رعایا کی بہبودی اور ترقی کے لئے کوشش کروں۔ میں نے ایڈورڈ کا نام اختیار کیا ہے جس نام سے میرے اجداد میں سے چھ سوم رہ چکے ہیں۔ اس نام کے اختیار کرنے میں میں ایلبرٹ کے نام کی وقعت کم نہیں کرتا ہوں جو نام مجھے اپنے عظیم الشان والد ذی شرف والد سے جن کی وفات کا رنج ہمیشہ باقی رہے گا وراثتہً پہنچا ہے اور جو میرے خیال میں بالاتفاق انام ایلبرٹ دی گڈ کے نام سے استحقاقاً ملقب ہیں میری خواہش ہے کہ یہ نام انھیں کے لئے مخصوص رہے۔ خاتمے پر مجھے پارلیمنٹ اور قوم سے یہ توقع ہے کہ جو فرض عظیم مجھ پر وراثتہً عائد ہوا ہے اس کی انجام دہی میں وہ میری امداد کرے گی اور میرا مصمم عزم ہے کہ اپنی بقیہ زندگی میں اپنی تمام قوت کو اس فرض کے پورا کرنے میں صرف کروں۔

ہندوستان میں ماتم

سر کنم نالہ اگر تاب شنیدن داری
سینہ گیتی کا فم اگر طاقت دیدن داری

ملکہ معظمہ کی جانکاہ وفات پر ہندوستان کے کل مقامات پر خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہر قوم اور ہر مذہب کے لوگوں نے بے انتہا دلی رنج کیا جس کی نظیر ملنا محال ہے۔

اس خبر کے سنتے ہی سارے شہروں اور دیگر مقامات میں بازار اور دکانیں بند ہو گئیں شہروں میں ایک سناٹا سا چھا گیا۔ تمام خلقت بحر غم والم میں غرق ہو گئی۔ سوگواری کی گہری گھٹا چھا گئی۔ بیاہ برات موقوف کر دیئے گئے۔ مختصر یہ کہ اہل ہند نے اپنی ملکہ کی وفات حسرت آیات پر ایسے حسرت وملال کے اشک برسائے کہ شاید اس سے بڑھ کر کوئی عالمگیر غم آج تک نہیں ہوا اور یہ بڑی دلیل اس کی ہے کہ ملکہ معظمہ کو ہر شخص دل وجان سے ممدوحہ کی نیک صفات اور رعایا سے سچی ہمدردی کے لحاظ سے بہت زیادہ عزیز رکھتا تھا کسی بادشاہ نے پبلک کے دلوں کو اس طرح مسخر نہیں کیا اور جب تک دلی محبت۔ عقیدت مندی اور جوش جاں نثاری نہ ہو ایسا سچا غم کبھی حکومت کے دباؤ سے ممکن نہیں۔ ہم اس مقام پر وائسرائے بہادر کے اس تار کی نقل کرتے ہیں جو جناب ممدوح نے سکرٹری آف سٹیٹ کے نام روانہ کیا اور اس کا جو جواب آیا وہ بھی اسی کے ساتھ ہی

وائسرائے کا تار

من جانب وائسرائے بنام سکرٹری آف سٹیٹ ۔ ۲۳ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے میں مؤدبانہ پیغام ذیل روانہ کرتا ہوں تاکہ ہز مجسٹی قیصر ہند کے حضور میں پیش کیا جائے۔

"گورنمنٹ ہند نے کمال غم ودرد کے ساتھ عالی جناب ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی وفات کی خبر سنی۔ ہر حصہ ہندوستان سے ہر قوم وہر فرقہ وملت کی جانب سے بے ساختہ وبے ریا غم والم کی خبریں آرہی ہیں۔ گورنمنٹ شاہزادے اور رعایا بالاتفاق ملکہ قیصرہ کی وفات پر عزاداری کرتے ہیں جن کا یہاں اس قدر اعزاز واکرام کیا جاتا تھا کہ کسی بادشاہ سابق کا نہ ہوا تھا اور جس کی نسبت وفاداری محبت میں غرق ہو گئی تھی۔ ملکی خیال تو یہ ہے کہ ہند کا صدمہ ملکہ کا نہیں بلکہ ماں کے انتقال کا ہے سب اقوام کی جانب سے ہم آپ کی خدمت میں یہ التماس کرتے ہیں کہ ہز مجسٹی بادشاہ قیصر ہند کے حضور میں ہمارے درد وغم اور ہمدردی کے خیالات کا یقین دلاویں اور سلطنت برٹش کی تخت نشینی پر جناب ممدوح کے حضور میں ہماری عاجزانہ بندگی پیش فرماویں گا"

جوابی تار

من جانب سکرٹری آف سٹیٹ بخدمت وائسرائے وگورنر جنرل ہند ۔ ۲۹ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء پیش گاہ بادشاہ قیصر ہند سے مجھے فرمان صادر ہوا ہے کہ مرقوم الذیل جواب آپ کی خدمت میں جو حضور ممدوح نے اس

ایڈریس کے جواب میں جس کو آپ نے گورنمنٹ اور شہزادگان و رعایائے ہند کی جانب سے میرے پاس روانہ کیا تھا تاکہ میں اس کو ہز میجسٹی بادشاہ قیصر کے حضور میں پیش کروں نہایت خوشی سے ارشاد فرمایا ہے۔ "میں آپ کے پیام تعزیت میں وہ محبت اور خلوص پاتا ہوں جس کا نقش ملکہ قیصرہ نے اپنی طویل سلطنت کی عقلمندی اور انصاف پرستی اور اپنی سرگرم ہمدردی فلاح خواہی تمامی حقوق سے اپنی رعایا کے دلوں پر بٹھایا تھا اور یہ کہ جناب ممدوحہ کے انتقال کے عالمگیر تاسف والم کے اظہار کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میری تخت نشینی پر جو رسوم بیعت و اطاعت بجالائی گئی ہے اس کے تسلیم کرنے سے والیان و رعایائے ہند کو اطلاع دی جائے۔ جن کا ملک میں نے دیکھا ہے اور میں ان کی محبت اور گرویدگی پر جو میرے تخت کے ساتھ ہے اعتماد کامل رکھتا ہوں۔ ان کی خوش حالی اور سرسبزی میں میری کمال دلچسپی اور دلبستگی رہے گی"

ملک معظم کا ایک دوسرا تار ۱۲ فروری ۱۹۰۱ء کا والیان ریاست اور رعایائے ہند کے نام کا جو کلکتہ سے ۵ رمنہ کو گورنمنٹ کی جانب سے شائع ہوا حصہ اول کتاب ہذا میں درج کیا جا چکا ہے۔

تجہیز و تکفین

غضب کا سامنا ہے آج وہ گھر سے نکلتا ہے
دل مضطر تڑپتا ہے کلیجہ کوئی ملتا ہے

ملکہ معظمہ کے جنازے کے ساتھ فوج کی تعداد (۳۰۷۵) تھی۔ جن میں بلوجیکٹ اور ہر قسم کی فوج اور نوآباد ملکوں کے (۱۳۵) اور ہندوستانی فوج کے بھی تیس سپاہی شامل تھے۔ جس راستے سے جنازہ گزرا (۳۳۴۵) سپاہیوں کی قطار بندی کی گئی تھی۔ جنازے کی گزرگاہ پر بے حساب استادہ گاہیں باندھی گئی تھیں۔ تمام مکانوں پر ماتمی پوشش کی گئی تھی۔ جنازے کے دیکھنے کے لیے نشستگاہوں کی اس قدر کثرت سے خواہش تھی کہ فی بے سایہ نشست گاہ چھ سے سات پونڈ تک اور ہر کھڑکی کا ایک سو پونڈ سے بھی زیادہ کرایہ دینا پڑا۔ مکانوں کے سامنے بے شمار ہار آویزاں کیے گئے تھے۔ ملکہ معظمہ کا جنازہ (جس پر خلعت جلوس کا غلاف تھا اور جس پر تاج۔ گرہ اور شاہی عصا رکھا ہوا تھا جس کی مرصع کاری اور چمک دمک دھوپ میں جگمگا رہی تھی۔ ایک خاکی رنگ

کی توپ کی گاڑی پر جس میں آٹھ گھوڑے جُتے ہوئے تھے اور گولنداز ہانک رہے تھے) یکم فروری کو دن کے ایک بج کر (۴۵) منٹ پر آسبرن کے قلعے سے برآمد ہوا۔ جنازے کے صندوق پر پیتل میں یہ تحریر ثبت تھی۔ "بکمال سلیم الطبع وزور آور ملکہ وکٹوریا اول حامی دین عیسوی ملکہ گریٹ برٹن و آیرلینڈ وقیصرہ ہند کی نعش یہاں آرام پاتی ہے"۔ جنازے کے پیچھے ملکہ کے بڑے صاحبزادے یعنی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم اور شہنشاہ جرمن بہ لباس امیر البحر۔ ڈیوک آف کناٹ بہ لباس جنرل پاپیادہ ہمراہ تھے۔ ان کے بعد دوسرے اور چھ شہزادے تھے بعدہ بہ سرکردگی ملکہ یعنی خاتون محترم بادشاہ ایڈورڈ ہفتم اور نو خواتین خاندان شاہی ماتمی لباس میں چہروں پر نقاب پڑی ہوئی تین تین کی صفوں میں پاپیادہ تھیں۔ خلاصیوں نے جنازے کے بار گرانمایہ کو دوش بدوش لے کر البرٹا نامی جہاز پر ایک یاقوتی رنگ کے شامیانے کے تلے ایک گنبد نما بلند چبوترے پر آسودہ کیا۔ شامیانہ چوطرف سے کھلا ہوا تھا تاکہ لوگ جنازے کو دیکھ سکیں۔ البرٹا کے آگے آگے آٹھ ٹارپیڈو جہاز تھے۔ جنازہ دول خارجہ کے سات جہازوں کی صفوں میں سے گزرتا ہوا گسپورٹ میں شاموں شام پانچ بجے پہنچا۔ جب البرٹا جہاز قریب آتا تو ہر ایک جہاز کی سپاہ نے صف بندی کر کے ماتمی باجا بجایا۔ منٹ منٹ کے وقفے سے توپیں اس کثرت سے سر ہوئیں کہ رستے بھر سمندر میں توپوں کی غمگین گرج اور باجوں کی دردناک آواز برابر سنائی دیتی رہی۔ اُس شب بھر جنازہ جنگی جہازوں کی حفاظت میں رہا۔ آسبرن سے جنازہ نکلتے وقت کچھ عجیب عبرتناک منظر تھا۔ ملکہ کے شہنائی نواز کوئی آدھی میل تک جگر پر چوٹ لگنے والا غمناک اور دل سوزی کا راگ بجاتے رہے۔ سولنٹ کے شمالی ساحل پر پانچ لاکھ آدمیوں کا ازدحام تھا۔ یہ مجمع ڈایامنڈ جوبلی سے بھی زیادہ تھا۔ دوسری فروری کو آدھی رات سے ہی خلقت کے بے شمار ہجوم کے اہتمام کے لئے پولیس جمع ہو گیا تھا کیونکہ رات سے ہی بھیڑ بھاڑ شروع ہو گئی تھی صبح کی ساری ٹرینیں ٹھسا ٹھس بھری ہوئی تھیں لوگ ہائیڈ پارک کی طرف جوق جوق چلے جا رہے تھے۔ تمام شب فوجوں کی آمد کا تانتا لگا رہا۔ جس مکان کو دیکھو ماتمی کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ خود لندن میں لاکھوں آدمیوں کا مجمع تھا اور پھر باہر کے لوگ کھچا کھچ بھر گئے

تھے۔ جنازے کو گشت کرا کے **سینٹ جارج گرجا** میں نماز جنازہ پڑھا لے کے بعد جنازے کو **البرٹ موریل گرجا** میں لے گئے جہاں دوشنبہ تک رکھا رہا لندن کا مجمع کمال درجے خاموش اور باوقار تھا۔ ہر قسم کی فوج صف بہ صف آراستہ و پیراستہ تھی۔ **ارل رابرٹس فیلڈ مارشل** کا عصا لیئے ہوئے اپنے سارے سٹاف کے ساتھ تھے۔ اُن کے بعد جنازے کا مجمع تھا۔ جنازے کے تابوت پر لوازمہ شاہی رکھا ہوا تھا اور اوپر سفید ریشم کا شامیانہ تنا ہوا تھا۔ جنازہ ایک توپ کی گاڑی پر تھا جس میں آٹھ سفید گھوڑے جُتے ہوئے تھے اور گھوڑ چڑھے سوار ہانک رہے تھے۔ جنازے کے پیچھے ایک نہایت عظیم الشان مجمع برٹش اور خارن شہزادوں کا بسر کردگی شاہ انگلینڈ و شہنشاہ جرمن تھا۔ ہر دو بادشاہ فیلڈ مارشل کے لباس میں تھے۔ بادشاہ جرمن ایک سفید جنگی گھوڑے پر سوار تھے۔ بادشاہ بلجیم مع اپنی ملکہ اور شہزادیوں کے شاہی گاڑیوں کی ایک بڑی لمبی قطار کے آگے آگے تھے سب سے آخر کلونیل اور ہندوستانی اور لٹیف گارڈ فوجوں کی جماعتیں تھیں۔ بہت سے والیان ملک بنیابتہً موجود تھے۔ انگلینڈ کے کل معززین، عمائدین سینٹ جارج گرجا میں جمع ہو رہے تھے جہاں جنازہ ایک گنبد نما چبوترے پر رکھا ہوا تھا۔ تابوت پھولوں کے ہاروں سے لدا ہوا تھا۔ ملکہ کی میت ایک پتھر کے صندوق میں اپنے پیارے شوہر **پرنس البرٹ** کے پہلو میں ۴ فروری ۱۹۰۱ء کو تین بجے شام کے آخری منزل پہونچائی گئی اور اس طرح ایک نام آور، نیک نہاد، نیک دل، ہمہ تن خیر مجسم ملکہ کا خاتمہ ہوا۔ گو اُن کا جسم خاکی تہ خاک ہو گیا مگر اُن کے بے حد و بے شمار احسانات ایسے ہیں کہ کسی کے مٹائے مٹ نہیں سکتے فقط

(ضمیمہ دوم ختم ہوا)

قطعہ تاریخ نوشتہ جناب حافظ اسعد حسین صاحب سب انسپکٹر پولیس ضلع میرٹھ

اگر ہی شوق تاریخ و سیر عشق	تو پڑھیے بے خلل تاریخ دہلی کی
ہی یہ تصنیف مولانا بشیر الدین	نہ ہو کیوں "بے بدل تاریخ دہلی کی"

۱۳۲۸ھ

ضمیمۂ سوم

شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم (ایڈورڈ دی پیس میکر)[۱]

کے حالات

ولادت ۹ نومبر سنہ ۱۸۴۱ء تخت نشینی ۲۲ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء وفات ۷ مئی سنہ ۱۹۱۰ء

مدت سلطنت (۹) سال ۳ ½ ماہ

بقومے کہ نیکی پسندد خدا		دہد خسرو عادل و نیک رائے

آپ ۹ نومبر سنہ ۱۸۴۱ء بمقام قصر بکنگھم پیدا ہوئے۔ آپ بہت خوش رو اور باجمال تھے آپ کے والد ماجد پرنس البرٹ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ وہ انگلینڈ کا آیندہ ہونے والا بادشاہ نہایت شکیل اور پیارا بچہ ہے۔ جب آپ خیر سے تین مہینے کے ہوئے تو ۲۵ جنوری سنہ ۱۸۴۲ء کو سینٹ جارج چیپل ونڈزر میں آپ کی رسم اصطباغ ہوئی شہنشاہ فریڈرک ولیم متوفی قیصر جرمن آپ کے دینی باپ قرار دیئے گئے یہ تقریب بہت بڑے پیمانے پر کی گئی اور زر کثیر صرف ہوا۔

ملک انگلینڈ کا وارث تخت و تاج پیدا ہونے کی بڑی خوشیاں منائی گئیں اور جان نثار رعایا آپ کے دیدار مسرت آثار کی از حد مشتاق تھی اس لئے گو کہ آپ کی عمر اس وقت صرف دس ہفتے کی تھی مگر رعایا پرایا کو ولی عہد کا جمال مبارک دیکھنے کی جائز آرزو کو پورا کرنا از بس ضرور تھا۔ اس موقع پر ہنڈ زر پارک میں تمام افواج صف بندی کے ساتھ آراستہ و پیراستہ کی گئیں اور شاہزادہ والاشان کا عالی شان محل کے ایک دریچے میں سے مشتاقین دیدار پر بہار کو جمال مبارک دکھلایا گیا۔

---

[۱] جس طرح ہمارے ہاں بادشاہوں کی وفات کے بعد تعظیماً جنت آشیانی، عرش مکانی، خلد مکان، غفران مکان وغیرہ لقب قرار دیتے ہیں اسی طرح وکٹوریا دی گڈ یعنی نیک نہاد یا خیر مجسم اور ایڈورڈ دی پیس میکر یعنی صلح کل ہے کہ آپ کے عہد سلطنت میں سوائے امن و امان کے کسی قسم کی جنگ نہیں ہوئی۔ ۱۲

تعلیم و تربیت

آپ کی والدہ ماجدہ اور والد ماجد کو شہزادے کی تعلیم و تربیت کا بڑا اہتمام تھا چنانچہ ان دونوں اصحاب کی نگرانی میں تعلیم شروع ہوئی اور بسم اللہ مذہبی تعلیم سے ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کی انتہائی تعلیم آکسفورڈ کیمبرج اور اڈنبرا کی نامی گرامی یونیورسٹیوں میں ہوئی۔ آپ کو ہر شعبے اور صیغے کی تعلیم دی گئی مگر آپ کو تاریخ زباندانی اور قانون کا خاص شوق تھا چنانچہ آپ نے بیرسٹری کا امتحان بھی پاس فرمایا تھا۔ آپ نے کئی جنگی امتحان پاس کیے۔ آپ اعزازی امیر البحر اور رائل نیوی رزرو کے اعزازی کپتان اور جرمن آرمی کے فیلڈ مارشل اور بہت ہی انگریزی افواج کے کرنل ان چیف قرار دیئے گئے۔ ولایت میں دستور ہے کہ سن رشد کو پونہچنے سے پہلے ولی عہد مذہبی اور اخلاقی جذبات کا امتحان آرچ بشپ آف کنٹربری لیتا ہے اس میں بھی آپ تعریف کے ساتھ پاس ہوئے تب آپ اٹھارہ سال کی عمر پوری ہونے پر ۹ نومبر ۱۸۵۸ء کو ولی عہد گزٹ کیے جانے کے علاوہ آرڈر آف دی گارٹر کا اعزازی تمغہ بھی آپ کو دیا گیا۔ ملکہ معظمہ نے آپ کو بلوغت پر اپنی نگرانی سے آزاد کرتے ہوئے ایک نہایت موثر تحریر بطور پندنامے کے کی جس کی بیش بہا اور مشفقانہ ہدایت کا اثر آپ پر مدۃ العمر رہا۔ ۲۰ نومبر ۱۸۵۸ء کو حضور والا کرنل بروس وغیرہ کے ہمراہ دارالسلطنت جرمن کو تشریف فرما ہوئے جہاں آپ کے والدین محترمین پہلے سے مقیم تھے۔ ۱۰ جنوری ۱۸۵۹ء کو آپ اٹلی کی سیاحت کو روانہ ہوئے اور پوپ آف روم سے ملاقات کی۔ وہاں سے واپس آکر آپ اڈنبرا گئے اور ہالی روڈ میں قیام فرما کر پھر مشغلہ حصول علم میں لگ گئے۔ آپ کو علم کمسٹری کا بڑا شوق تھا۔ ڈاکٹر لین پلے فیر کمسٹری پر جو لکچر دیا کرتے تھے ان میں آپ خاص کر جایا کرتے تھے یہ مشہور بات ہے کہ پرنس البرٹ اپنے بچوں کی تعلیم میں بڑے سخت آدمی تھے۔ جب آپ نے سنا کہ شہزادے اکثر ناول پڑھا کرتے ہیں تو آپ نے بلا کر کہا کہ مجھے یہ سن کر بے حد ملال ہوا کہ تم ناول خوانی آیندہ شاہ انگلستان کی تعلیم کے لیے موزوں تھے ہوگا۔ شہزادے نے عرض کیا کہ میں تو سر والٹر سکاٹ کے ناول پڑھتا ہوں [1]

---

[1] ناول بالعموم عشقیہ اور مخرب اخلاق ہوتے ہیں جیسے رینالڈز کے ناول۔ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

انھیں دنوں میں آپ نے اطالی جرمن اور فرانسیسی زبانیں بھی سیکھنی شروع کر دیں۔ اس کے بعد آکسفورڈ میں آپ کا زمانہ تعلیم باقاعدہ اور محنت کا گزرا جہاں آپ نے اپنے والد کی سخت نگرانی میں اپنی عادات کو بالکل باقاعدہ کر لیا۔ آپ ہمیشہ سات بجے صبح سے پہلے اُٹھا کرتے تھے اور حاضری سے پہلے کم از کم ایک گھنٹہ مطالعہ کتب میں منہمک رہتے۔ جنگ کریمیا میں ملکہ معظمہ وکٹوریا نے اہل کینیڈا کی وفاداری کا ثبوت پا کر اپنی دریا دلی سے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم بھی کبھی امریکن مقبوضات کی سیر کو آئیں گے مگر سلطنت کے امور عظام نے آپ کو فرصت نہ دی۔ حضور ممدوحہ نے اہالی کینیڈا کو لکھا کہ "ہم خود تو آ نہیں سکتے البتہ اپنے فرزند کو بطور نائب کے بھیجیں گے"۔ امریکن اخباروں نے ہر چہار جانب یہ مژدہ پہنچا دیا۔ پریذیڈنٹ اضلاع متحدہ امریکہ نے اس مژدۂ جانبخش کی خبر سنتے ہی ملکہ معظمہ کی خدمت میں لکھا کہ "اگر آپ کے فرزند بہ حیثیت نیابت اس ملک میں تشریف لائیں گے تو اُن کا استقبال بڑی گرم جوشی سے کیا جائے گا اور جس حصۂ ملک میں قدم رنجہ فرمائیں گے ہر جگہ یہی سلوک ہوگا"۔ ملکہ معظمہ نے جواب میں لکھا کہ "ہمارا فرزند آپ کا مہمان ہونا پسند کرتا ہے اور جب وہ وہاں سے واپس آ کر ہم سے آپ کی عنایات اور شریفانہ سلوک کا ذکر کرے گا تو ہمیں بے حد خوشی ہوگی"۔ ۹ جولائی سنہ ۱۸۶۰ع کو شہزادہ والا جاہ بندرگاہ آسبورن سے اپنے والد ماجد کی معیت میں امریکہ کے عظیم الشان سفر پر روانہ ہوئے۔ آپ کی ہمرکاب ڈیوک آف نیوکیسل۔ جنرل بروس کپتان گرے۔ ڈاکٹر ایکلینڈ وغیرہ سات ارکین اعظم تھے۔ یہ معزز محترم پارٹی ۲۵ جولائی کو سنٹ جان واقع نیوفونڈلینڈ میں وارد ہوئی۔ آپ کا استقبال بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ گاڑی کے گھوڑے کھول کر جوشیلی رعایا نے خود کھینچا۔ الغرض کیپ سنٹ ٹا پہونچ کر یکم ستمبر کو وہ کام تکمیل کو پہونچا جس کی اہمیت کے باعث آپ نے یہاں تک تشریف آوری کی زحمت گوارا فرمائی تھی۔ یعنی بہ حیثیت نائب ملکہ

(تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ) اس میں شک نہیں کہ طرز ادا اور خوبی عبارت کے لحاظ سے جیسے وہ بے نظیر ہیں ویسے ہی اخلاقی نقطۂ خیال سے ردی ہیں۔ مگر سکاٹ کے ناولوں میں یہ بات نہیں عبارت اور مضمون ہر دو اعتبار سے لاجواب اور لاثانی ہیں۔ ۱۲

انگلستان پارلیمنٹ کے دونوں ہوسوں کا سنگ بنیادی نصب فرمایا اور دریائے سان سٹریل کے ریلوے کے پل کا افتتاح فرمایا پھر کینیڈا کے مختلف صوبہ جات اور مشہور مقامات کی سیاحت فرماتے رہے۔ اس کے بعد اٹھارویں تاریخ بجانب ہیملٹن نہضت فرما ہوئے جہاں آپ نے آخری دربار منعقد فرمایا اور زراعتی انجمن کے ایڈریس کے جواب میں فرمایا:۔ "حضور ملکہ معظمہ انگلستان کے ارشاد سے میں اُن کا نایب ہوکر برٹش شمالی امریکہ کی سیاحت کو آیا تھا۔ یہ کام اب ختم ہو گیا اور آج سے اُن تمام فرائض کا بار میرے کندھوں پر نہیں رہا جو بحیثیت ملکہ انگلستان کے نایب ہونے کے مجھ پر واجب تھا۔ اب میں انگلستان جانے سے پیشتر پرایوٹ طریقے پر اس مشہور ملک کی سیر کرنی بھی ضروری سمجھتا ہوں جس کے بزرگ باشندے اور ہمارے بزرگ ایک تھے اور جن کی غیر معمولی ترقی کو ہر ایک باشندہ انگلستان باہمی دلچسپی سے ملاحظہ کرتا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اس انگریزی ساحل سے آگے قدم بڑھاؤں میں آپ تمام صاحبوں کو محبت سے بھری الوداع کہنی چاہتا ہوں۔ خداوند کریم اس صادق اور قابل عزت قوم کو اپنی منتخب نعمتیں عطا فرمائے۔" اس کے بعد حضور ممدوح اضلاع متحدہ امریکہ کی سیاحت میں مشغول ہوئے اور ۲۰ اکتوبر تک فراغ حاصل فرماکے ۱۵ نومبر کو پلائی منتھ پہنچے۔ یہاں ونڈزر کیسل میں آپ کے والدین نے بڑی محبت سے آپ کا خیر مقدم کیا۔ ۱۸۶۱ء میں آپ کی اقامت گاہ کے لئے باضابطہ طور پر مارلبرا ہوس تجویز کیا گیا۔

سپاہیانہ زندگی

بادشاہ کی ذات میں ضرور ہے کہ سب قسم کی صفات ہوں ملک داری کے نظم ونسق کے علاوہ اُس میں ملٹری سپرٹ (فوجی ولولے) کا ہونا بھی لازم و متحتم ہے کہ اُس کی ذات اہل قلم اور سیف دونوں کا ملجا و ماویٰ ہے۔ جون ۱۸۶۱ء میں حضور والا کراہ آف الگزنڈرا کے کیمپ میں تشریف لے گئے۔ یہاں آپ گرینڈیر گارڈز کی اول پلٹن کے ساتھ قواعد وغیرہ میں شامل ہوتے تھے اور عام سپاہیوں کی طرح کیمپ کی ایک کاٹج میں رہتے تھے[1] اور

۱؎ آپ کی تعلیم میں شروع سے اس بات کا خیال تھا کہ جہاں تک حصول علم کا تعلق ہے آپ کا ذاتی مرتبہ شاہی اس میں مخل و حارج نہ ہو اور اسی لئے سادگی کا بڑا خیال تھا جس کا بہترین نتیجہ یہ ہوا کہ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

ہر قسم کی فوجی ذمہ داریوں پر جفاکشی کے ساتھ کاربند تھے۔ آپ عملی طور پر فوجی لائیف بسر کر چکے تھے اس لیئے حضور کو فوجی لوگوں کی خوشنودی اور دل جوئی کا بڑا خیال تھا ہندوستان سے رخصت فرما ہونے سے پیشتر آپ نے چھتیسویں پلٹن کو بطور اعزاز ایک جھنڈا عطا فرمایا۔ ملاحظہ افواج کی غرض کے علاوہ حضور کے جرمنی تشریف لے جانے کی ایک اور بھی وجہ خاص تھی اور وہ ایسی وجہ تھی جس پر حضور ممدوح کی آئندہ مسرت اور آرام کا دارومدار تھا یعنی ڈنمارک کی شہزادی **الگزینڈرا** ان دنوں جرمنی میں تھیں۔ آپ نے ان کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کا شہرہ پہلے ہی سے سنا تھا اس لیئے مناسب خیال کیا گیا کہ باہمی ملاقات سے تعلقات زن و شو کا فیصلہ کر لیا جائے چنانچہ شہزادے اور شہزادی صاحبہ کی اس اثناء میں کئی ملاقاتیں ہوئیں اور ہر دو ایک دوسرے سے مل کر نہایت مسرور ہوئے یہاں سے مراجعت فرمانے کے بعد آپ قصر ونڈزر میں ۱۴ نومبر کو تشریف لے گئے۔ سفر ہی ہالینڈ کے ذریعے سے آپ کو اطلاع پہنچی کہ آپ کے والد ماجد **پرنس کنسرٹ** نے انتقال فرمایا۔ یہ خبر وحشت اثر سن کر آپ کو بڑا بھاری صدمہ ہوا اور ۲۳ دسمبر کو **سینٹ جارج چیپل** میں پہنچ کر شریک تجہیز و تکفین ہوئے کچھ عرصے بعد آپ نے ملکہ معظمہ کی ایما سے **یورشلم** کا سفر کیا اور اسی کے ساتھ اسکندریہ (مصر) **قاہرہ** وغیرہ کی سیر کی۔

شادی یہ خبر عام طور پر مشہور تھی کہ آپ کی شادی ڈنمارک کی شہزادی الگزینڈرا سے ہونے والی ہے مگر سرکاری طور پر اس کی تصدیق نہیں ہوئی تھی لیکن جب ملکہ معظمہ خود ڈنمارک کو تشریف لے چلیں تو اس خبر کی تصدیق ہو گئی چنانچہ فروری ۱۸۶۳ء کے اخباروں میں بھی یہ خبر علی التواتر شائع ہو گئی اور سرکاری طور پر بھی اس کی تصدیق کی گئی۔ شہزادی پہلے ہی انگلستان کے لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکی تھیں اور بڑی ہر دل عزیزی حاصل کر لی تھی اس لیئے آپ شادی سے پہلے ہی ۷ مارچ ۱۸۶۳ء کو لندن تشریف لے آئیں۔ ۱۰ مارچ کا دن انگلینڈ کی تاریخ میں ایک

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سادگی آپ کے خمیر میں داخل ہو گئی۔ ؎ اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر آرام سے وہ ہیں جو تکلف نہیں کرتے۔ اگر شاہی اعزاز و احترام کی بندش لگی رہتی تو آپ کے مزاج کا اور ہی رنگ ڈھنگ ہوتا۔ ۱۲

بڑا مبارک دن تھا۔ اس دن عام تعطیل تھی۔ سینٹ جارج کے مشہور گرجا واقع
ونڈزر کیسل میں ساڑھے گیارہ بجے دن کے بموجودگی ممبران خاندان شاہی آرچ بشپ
آف کینٹربری نے بمعیت آرچ بشپ آف اسپرڈین رسوم شادی ادا کیں۔ حضور
ملکہ معظمہ بہ نفس نفیس اس مبارک موقع پر تشریف فرما تھیں مگر اپنے شوہر کے غم میں ماتمی
لباس میں تھیں۔ اس تقریب پر شب میں سارے شہر میں علاوہ آرائش کے آتش بازی
چھوڑی گئی۔ صرف شہر کی آرائشگی کے لیئے تین لاکھ پونڈ کی رقم منظور ہوئی تھی۔ صرف
شاہی دعوت میں دس لاکھ پونڈ کے برتن استعمال ہوئے تھے اور مصارف کا کیا
کہنا۔ تحایف کا کچھ شمار نہ تھا ان کی مالیت دو لاکھ پونڈ کی کہی جاتی ہے شہزادی کو جو کچھ
بیش بہا زیورات اور پارچہ جات ملکہ معظمہ کی طرف دیئے گئے تھے اس کے علاوہ
لندن کمیٹی نے ایک چڑا اوکنٹھا دس ہزار پونڈ یعنی ڈیڑھ لاکھ روپیہ کا نذر دیا۔ پارلیمنٹ
نے شاہزادہ ویلز کے لیئے چالیس ہزار اور شہزادی کے لیئے دس ہزار پونڈ سالانہ کی جاگیر
منظور کی۔ اب چونکہ آپ متاہل ہو گئے تھے قصر ونڈزر میں رہنے لگے اور عارضی طور
پر بود و باش کے لیئے آپ نے ٹرانگھور کو منتخب فرمایا تھا۔ ۱۸ جولائی ۱۸۶۴ء کو
فرزند نرینہ پیدا ہوا جن کا نام البرٹ وکٹر کرسچن ایڈورڈ رکھا گیا۔ ۱۷ نومبر کو
حضور والا مع اپنی خاتون محترمہ کے براعظم یورپ کی سیاحت کو تشریف لے گئے۔
فرانس۔ ڈنمارک۔ سٹاک ہوم وغیرہ مشہور مقامات ملاحظہ فرماتے ہوئے ۱۷ فروری
۱۸۶۵ء کو اسکندریہ (مصر) پہنچے۔ وہاں سے چند دنوں بعد شاہی جہاز حدود ترکی
میں پہنچا۔ بڑے بڑے ترکی افسر آپ کے استقبال کے لیئے حاضر تھے۔ سلطانی
محل واقع خلیج باز ار آپ کے قیام کے لیئے آراستہ کیا گیا جہاں خود سلطان المعظم
بذات خاص چشم براہ تھے اور سیڑھیوں تک اپنے معزز مہمان کے استقبال کو
تشریف لائے۔ سلطانی حکم سے آپ کے لیئے ہر قسم کا سامان آسایش اعلیٰ
درجہ کا مہیا کیا گیا۔ سلطان کا کمرہ خاص جس میں آپ کو اتارا تھا بڑے بیش بہا ساز و
سامان سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ رات کو بینڈ بجتا رہتا تھا اور صبح کو سلطان المعظم
آپ کی خدمت میں تازہ بتازہ گلدستے اور نادر میوہ جات کی کشتیاں بھیجا کرتے تھے
شاہزادہ ویلز اور سلطان المعظم نے ایک ہی میز پر کھانا بھی تناول فرمایا۔ آپ شاہانہ

تزک و احتشام اور ظاہری ٹیم ٹام سے بہت گھبراتے تھے اور سادی سودی طرز زندگی کو بہت پسند کرتے تھے۔ مزاج میں حد درجے کی سادگی تھی اور تکلفات سے کوسوں دور تھے۔ بہت سے سفر آپ نے In cognito (اس طرح کہ کوئی نہ جانے) کیے۔ آپ کو بھیس بدل کر لوگوں میں گھل مل کر اُن کے اصلی حالات زندگی دیکھنے اور دریافت کرنے کا بہت شوق تھا اور اس میں شک نہیں کہ بادشاہوں کے لئے تفحص حالات کا یہ ایک عمدہ طریقہ ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں بھی آپ بھیس بدل کر دکانوں پر جاکر سامان خریدتے، قہوہ خانوں میں جاتے لوگوں سے ملتے جلتے اور بے تکلف بات چیت کرتے اور گلی کوچوں میں مثل ایک عام شخص کے بے کھٹکے پھرتے تھے ۱۱ اپریل ۱۸۶۹ء کو قسطنطنیہ سے واپس ہو کر راہ میں جنگ کریمیا کے مشہور مقامات دیکھتے بھالتے مع الخیر والعافیہ اپنے وطن مالوف کو تشریف لے آئے۔

زندگی اور موت کے بیچ میں

یورپ کی سیاحت سے واپسی کے کچھ دنوں بعد آپ تبدیل آب و ہوا کی غرض سے کس کن اور سکالس کوہ ہائے ڈبلن اور کوہ وکلو وغیرہ دلچسپ مقامات کی سیر کو تشریف لے گئے۔ وہاں سے تشریف لانے کے بعد نصیب اعدا مزاج وہاج جادۂ اعتدال سے منحرف ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے آپ کو سکاٹ لینڈ جانے کا مشورہ دیا لیکن تبدیل مقام سے بجائے فائدے کے نقصان ہوا۔ سکاربارو پہنچ کر تو طبیعت اس قدر بگڑی اور ایسی خطرناک بیماری لاحق ہوئی کہ جس سے بڑے بڑے تجربہ کار اور حاذق شاہی ڈاکٹروں کے بھی چھکے چھوٹ گئے۔ ہر چند بہتر سے بہتر علاج کیا گیا مگر بے سود روز بروز خطرہ زیادہ بڑھتا گیا آخر کار ۲۳ نومبر ۱۸۷۹ء کو ملکہ معظمہ کو اس خطرناک علالت کا تار دیا گیا کہ وو شہزادے صاحب تپ محرقہ میں مبتلا ہیں۔ شہزادی الگزینڈرا شبانہ روز اپنے معزز شوہر کی تیمارداری میں حاضر باش تھیں مگر اب مریض کی حالت اور بھی نازک ہو گئی۔ تمام انگلستان میں تلاطم پڑ گیا۔ ہر شخص قصر سینڈرنگھم کی تازہ ترین خبر معلوم کرنے کے لئے مضطر تھا مگر حضور کی حالت ساعت بساعت دگرگوں ہوتی جاتی تھی۔ ہر کہ و مہ کو حضور کی جان کے لالے پڑ گئے۔ دسمبر کے اول ہفتے میں صحت یابی

کی امید منقطع ہوگئی۔ پادریوں نے کہا کہ جب علاج مفید نہیں تو اب دوا کا وقت باقی نہیں ہاں دعا کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جب تک سانس ہے آس بھی ہے۔ ملکہ معظمہ مع خاندان شاہی کے سینڈ رنگھم پہنچ گئیں۔ ملکہ معظمہ نے جب اپنے نور نظر اور لخت جگر کی حالت دیکھی تو غشی کا عالم تھا آپ کسی کو پہچان نہ سکے۔ ولی عہد کی ایسی مایوسانہ حالت سے سارے ملک میں سنسنی پھیل گئی۔ ہندوستان۔ کینیڈا۔ اضلاع متحدہ امریکہ سب جگہ ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے اپنے اپنے عقائد کے موافق مسجدوں۔ مندروں۔ گرجاؤں میں شہزادے کی صحت کے لئے نمازیں پڑھیں خلوص دل سے گڑگڑا گڑگڑا کر بارگاہ شافی مطلق میں دعائیں کیں۔ اب ۱۴ دسمبر کا وہ دن آگیا جو آپ کے والد کی برسی کا تھا لوگوں کو وہم آنے لگا۔ طرح طرح کے توہمات دل میں آتے تھے کہ کہیں باپ کی طرح یہ بھی نہ چل بسیں۔ گو اتوار سے منگل تک آپ کی حالت معرض خطر میں تھی مگر اسی دن سے آثار افاقے کے نظر آئے اور بدحوابی اور کرب دونوں میں افاقہ ہوا۔ روز بروز طبیعت سنبھلتی گئی۔ ماں کی جان میں جان آئی بیوی کی باچھیں کھل گئیں۔ نیند اور غذا وہی چیزیں ضامن صحت ہیں۔ گہری نیند اور غذا کی طرف میلان ہوگیا اب صرف خفیف حرارت رہ گئی تھی تاہم صحت کی طرف سے اطمینان ہوگیا۔ جنوری ۱۸۷۲ء کے پہلے ہفتے میں آپ کو اس قدر توانائی آگئی کہ آپ بستر علالت سے اٹھ کر چند قدم چلنے لگے اور اسی دن آپ کا کمرہ بدلا گیا۔ اب کیا تھا اگلا دن پچھلے سے بہتر ہوتا گیا۔ اب تبدیل آب وہوا ضرور تھی ڈاکٹروں کی رائے سے آپ جزیرہ وھیٹ تشریف لے گئے اور خدا نے وہ دن دکھایا کہ آپ تن درست و توانا لندن تشریف لائے۔ پبلک نے بڑی گرم جوشی سے آپ کا استقبال کیا۔ اس دن عام تعطیل رہی شاندار جلوس نکالا گیا اور اظہار مسرت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ چوں کہ آپ کو اتنی بڑی علالت کے بعد جیسی چاہیئے ویسی توانائی نہیں آئی تھی نہ آپ پوری طرح چاق چوبند تھے لہٰذا ڈاکٹروں کی رائے سے بغرض تبدیل آب وہوا پھر آپ سفر پر تشریف فرما ہوئے چنانچہ آپ اٹلی تشریف لے گئے۔ چوں کہ آپ میں نظر تا غور و خوض اور تحقیق کا مادہ زیادہ تھا اس لئے جہاں جہاں گزر ہوا عجائبات روزگار کو نگاہ تعمق

وتحسس سے دیکھا۔ آثار قدیمہ کے دیکھنے میں گھنٹوں مصروف رہے اور جون کے مہینے میں اس سفر سے انگلینڈ واپس تشریف لے آئے۔

سفر و سیاحت

گر قدم بر چشم ما خواہی نہاد
دیدہ در رہ می نہم تا می روی

دنیا میں جو آیا ہے اگر اس نے سفر و سیاحت نہ کی تو کچھ بھی نہ کیا جیسا کورا آیا تھا ویسا ہی چلا گیا۔ حصول واقفیت عامہ کے لئے سفر سے بہتر کوئی چیز نہیں جس سے ہم جیسے چھوٹے موٹے آدمیوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ تجربہ بڑھتا ہے عقل پختہ ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ بادشاہ جس کو سلطنت چلانی پڑتی ہے وہ اگر گھر سے باہر نکلے اور اپنی سلطنت کی مقامی حالت وہاں کے لوگوں کی سوشل کیفیت نہ دیکھے دوسرے ملکوں سے اپنے ملک کی حالت کا مقابلہ نہ کرے تو بادشاہ نہ ہوا شیر قالین ہوا شہزادہ معظم ایک بہت بڑے سیاح تھے آپ نے سوئٹزرلینڈ۔ جرمنی۔ بحیرہ روم۔ اٹلی (روما) جبرالٹر۔ ہسپانیہ۔ پرتگال۔ کوہ بیس۔ سکڈوئی۔ سکاٹ لینڈ۔ آئرلینڈ۔ گلاسکو۔ کینیڈا۔ ڈیون پورٹ۔ امریکہ۔ برک رایل۔ کوبرگ۔ ہیملٹن۔ واشنگٹن۔ نیویارک۔ بوسٹن۔ پولینڈ۔ یروشلم (بیت المقدس) مصر (قاہرہ) اسکندریہ قسطنطنیہ۔ دمشق۔ بحیرہ اٹلانٹک۔ بیروت۔ ڈارڈنلز۔ مارسلیز۔ بحر اعظم یورپ۔ ڈنمارک۔ سویڈن۔ برلن۔ ویانا۔ فرانس۔ سینٹ پیٹرز برگ۔ بلجیم۔ ہندوستان وغیرہ وغیرہ مقامات کی سیر کی اور اچھی نظر سے محض سیر تماشہ کی غرض سے ملاحظہ نہیں فرمایا بلکہ خفیہ طور پر بھی اکثر اوقات لباس بدل بدل کر لوگوں کے اصلی حالات طرز حکومت وغیرہ سب باتوں پر نظر ڈالی۔ جہاں جہاں آپ گئے شاہانہ اعزاز سے آپ کا خیر مقدم کیا گیا جس سے دوسری سلطنتوں کے تعلقات میں زیادہ پائداری اور استحکام ہوا۔ ہندوستان کے سفر کے حالات حصہ اول میں آگئے ہیں۔ اس سفر و سیاحت کے جو پولیٹیکل فوائد ہوں گے وہ وہ جانیں جن کے دست قدرت میں ملک کا رتق و فتق ہے ہم جیسے موٹی سمجھ والے لوگ سمجھتے ہیں کہ جب سے سلطنت کا خاتمہ ہوا ہم نے سنا کہ جب انگلش راج قائم ہوا بادشاہ رہا انگلینڈ میں اور ہم ہند میں۔ ہزاروں کوس کا فاصلہ بیچ میں کئی سمندر حائل

وہاں تک خیال کی رسائی بھی مشتبہ رہے ہندوستان کے لوگ بادشاہ کے وجود خارجی کے دیکھنے کے عادی اب اُن کو بادشاہ ملا خیالی خدا جانے کالا ہے یا گورا آدم خاکی ہے یا کوئی پتلا۔ انسان ہے یا فرشتہ۔ پرنس آف ویلز نے آکر اپنا جمال مبارک دکھایا تب ہمیں یقین ہوا کہ اودھو ہی ملک کے بیٹے اور ولی عہد ہیں اور یہی آگے چل کر ہمارے بادشاہ ہونے والے ہیں جن کے ہاتھ میں ہندوستان کی باگ ہوگی۔ آہا یہ تو ہم جیسے ہی انسان ہیں ہمارے جیسے ان کے بھی ناک کان ہیں۔ خدا کے بندے ہم بھی اور یہ بھی فرق صرف اتنا ہے کہ وہ بادشاہ ہم رعایا وہ حاکم ہم محکوم۔ اب جاکر ہماری عقل سمجھ میں آیا کہ جس طرح اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب بادشاہ تھے یہ بھی بڑے پایہ کے بادشاہ ہیں بلکہ اُن سے بھی کسی کسی باتوں میں بڑھ چڑھ کر ہیں وہ اسی ملک میں رہ کر حکمرانی کرتے تھے اور ان کا حسن انتظام ایسا ہے کہ کالے کوسوں دور نظروں سے غائب پھر بھی ہمارے حال سے باخبر اور ہم پر اس طرح سے حکومت کر رہے ہیں گویا کہ ہم ہی میں بیٹھے ہیں۔

سنہ ۱۸۹۱ء میں آپ کی پچاسویں سالگرہ خاص طور پر بڑی دھوم دھام سے منائی گئی اور تمام انگلستان میں جشن منایا گیا مگر سنہ ۱۸۹۲ء آپ کے لیے بڑا رنج دہ ثابت ہوا یعنی آپ کے بڑے صاحب زادے ڈیوک آف کلیرنس نے جن کی شادی کی تیاریاں بالکل مکمل ہو چکی تھیں عین عالم شباب میں چند روز کی علالت سے انتقال کیا بڑھیا دادی کی کمر توڑ دی اور باپ کے کلیجے پر وہ داغ دیا کہ ؎

من چوں نریم کہ سینہ من چاک کردہ اند ۔۔۔ لخت جگر بریدہ تہ خاک کردہ اند

ضمیمہ اول میں اس سانحہ ہوش ربا کا ذکر ذرا تفصیل سے آچکا ہے۔

آپ کی اولادیں

آپ کے چھ بچے ہوئے :- (۱) پرنس ایلبرٹ وکٹر ۸ار جولائی سنہ ۱۸۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ ولی عہد سلطنت قرار پائے۔ ہندوستان کا سفر بھی کر گئے۔ تعلیم اور سیاحت ہر اعتبار سے وارث تخت و تاج قرار پائے مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ۱۴ار جنوری سنہ ۱۸۹۲ء کو انتقال کیا۔ (۲) پرنس فریڈرک ارنسٹ۔ پیدائش ۳ر جون سنہ ۱۸۶۵ء جو اپنے بڑے بھائی کے انتقال پر ولی عہد قرار پائے اور انھیں کی منگیتر سے آپ کی شادی ہوئی

اور اب بفضل خدا یہی ہمارے بادشاہ جارج پنجم ہیں۔

"خدا ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے!!"

(۳) پرنسس لوئی وکٹوریا الگزینڈرا۔ پیدائش ۲۰ فروری ۱۸۶۷ء جن کی شادی ڈیوک آف فیف سے ہوئی۔ (۴) پرنسس وکٹوریا آسکا میری۔ ولادت ۶ جولائی ۱۸۶۸ء (۵) پرنسس ماڈ شیرلاٹ ملکہ ناروے۔ ولادت ۲۶ نومبر ۱۸۶۹ء (۶) پرنسس ایلگزینڈرا (جو پیدا ہونے کے چند ہی دنوں بعد انتقال کر گئیں)۔

جس طرح اکثر ہندوستانی امراء و رؤسا اپنے بچوں کا لاڈ و پیار میں ستیاناس کرتے ہیں یہ حال یورپ میں نہیں بلکہ جس گھر میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے اُس کو اسی حیثیت سے تعلیم و تربیت کی جاتی ہے اور ہمیشہ اُس کو اُس پوزیشن کے قابل بنایا جاتا ہے جو نیچرلی اُسے ملنے والی ہے۔ اسی اصول پر ایڈورڈ ہفتم نے اپنی اولاد کو بڑے اہتمام سے پوری طرح تربیت کی اور اعلیٰ درجے کی تعلیم دلوائی اور پھر سیاحت کراکے دنیا کے نشیب و فراز کا پورا تجربہ کرا دیا۔

اشغال و عادات آپ کو کتب بینی اور اخباروں کا بڑا شوق تھا۔ گھوڑ دوڑ اور سائیکل کی سواری سے بھی خاص رغبت تھی۔ آپ کی رحم دلی کے متعلق ایک روایت ہے کہ ایک دن آپ گاڑی پر جا رہے تھے کہ آپ کی نظر ایک نابینا پر جا پڑی جو بے چارہ بازار کے اس سرے سے اُس سرے تک گزرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن لندن کا ٹرافک رستہ نہ ملتا تھا اُس کو دھکے لگ رہے تھے اور بے طور ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ اُس کی درماندگی کی حالت دیکھ کر آپ کا دل نہ مانا آپ جھٹ گاڑی پر سے اُتر پڑے اور اُس اندھے کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اس بھیڑ بھڑکے سے پار کر دیا اور چپکے سے اُسے کچھ دیا بھی۔ چند دنوں بعد آپ کے نام ڈاک سے ایک قلمدان پہنچا جس پر یہ عبارت کندہ تھی "یہ ناچیز تحفہ پرنس آف ویلز کی خدمت میں ایک ایسے شخص کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے جنھیں اُس نے سچے مسیحیوں کی طرح اپنے مرتبوں کو بالائے طاق رکھ کر ایک اندھے کی خدمت کرتے دیکھا ہے"۔

پابندی ضابطہ

ایک دن آپ چند دوستوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے ایک شخص کے کھیت میں سے گزرے۔ کھیت والا خفا ہو اٹھا اور کہا کہ آپ لوگ بلا میری اجازت میرے کھیت میں کیوں گھسے ایک شلنگ جرمانہ سیدھے ہاتھ سے دھر دیجئے۔ آپ کے ہمراہیوں نے چاہا کہ آپ کا مرتبہ اُسے بتلا کر دھتکار دیں لیکن آپ نے منع کیا اور اُس سے معذرت خواہ ہوئے اور فوراً ایک شلنگ اُسے دے دی۔

ہرس کا ایک چھوکرا اور پرنس آف ویلز

بر آور دن کار اُمیدوار
بہ از قید بندی شکستن ہزار

آپ نے بہت سے کام بے ریائی کے کئے ہیں اُن میں سے ایک یہ کہ ایک دن آپ ذرا دیر سے باہر سے تشریف لائے دیکھا تو پھاٹک پر ایک چھوٹا سا لڑکا کھڑا رو رہا ہے۔ آپ نے پہرے والے سے پوچھا یہ لڑکا کون ہے اور کیوں رو رہا ہے۔ سپاہی نے کہا حضور یہ چھوکرا ملکہ معظمہ کو دیکھنا چاہتا ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتی ہے میں نے اُس سے کہہ دیا۔ لاکھ سمجھایا مانتا ہی نہیں جب سے کھڑا رو رہا ہے شہزادے نے جھٹ اُس لڑکے کا ہاتھ پکڑ لیا اور بڑی محبت سے کہا، دو میاں! تم میرے ساتھ آؤ یہ پہرے والے تو میرے تابعدار ہیں ملکہ کو تم دیکھنا چاہتے ہو تو میں تم کو ضرور دکھلا دوں گا۔ شہزادے نے اپنا وعدہ پورا کیا لڑکے کو لے جا ملکہ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اُس نے اس نیک نہاد ملکہ کو دیکھا کیسی پیاری مگر تمکین صورت تھی۔ آپ نے بہت سے شفقت آمیز کلمات فرمائے لڑکے کا نام اور اُس کی عمر پوچھی اور چلتے وقت اُسے ایک اشرفی بھی دی ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

یہ لڑکا اب بڈھا پھونس ہو گیا سارے بال سفید گالا ہو گئے مگر ملکہ کے کریمانہ اور محبت بھرے الفاظ اُس کے دل پر نقش ہیں اور اُس کے نزدیک سب سے عزیز چیز وہی اشرفی ہے جسے اُس نے اپنے کلیجے سے لگا رکھا ہے۔ وکٹوریا اور ایڈورڈ دونوں کا وجود صفحۂ دنیا سے مٹ گیا لیکن نیکی کے کام نہ کبھی مٹے ہیں نہ مٹیں گے۔ اُن کے

نام ہمارے دلوں میں زندہ رہیگا اور ہمیشہ ہمیشہ ہمارے دلوں پر ایسا ہی نقش رہیگا۔

نئی پرانی چھتریوں کا لطیفہ

ایک مرتبہ آپ کسی دوست کے ساتھ پھرتے پھراتے ایک گاؤں میں جا نکلے۔ یکایک زور کا مینہ آگیا تھوڑی دیر کے لئے آپ نے ایک نان بائی کی دکان میں آسرا لیا لیکن مینہ کے کھلنے کے آثار نہ تھے۔ آپ کے دوست نے دکاندار سے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی چھتری بھی ہے؟ اُس نے کہا کہ میرے پاس ایک چھوڑ دو دو چھتریاں ہیں ایک نئی اور ایک پرانی۔ نئی چھتری تو میں کسی وقت کسی کو بھی نہ دوں خواہ وہ پرنس آف ویلز ہی کیوں نہ ہو ہاں پرانی چھتری حاضر ہے وہ بھی اس شرط سے کہ آپ واپسی کا ذمہ لیں۔ اُس کا مطلب کسی بڑے آدمی سے تھا۔ رہا پرنس کا نام آسخن نکل گیا کیونکہ اُن سے بڑا اور تھا کون۔ اُس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ پرنس آف ویلز تو یہی ہیں۔ عے یار در خانہ و ما گرد جہاں می گردیم۔ غرض وہ پرانی چھتری بھی اس وقت متعینات سے ہوگئی۔ پرنس نے محل میں پہنچتے ہی اُس کی عمر یا شو چھتری شکریہ کے ساتھ واپس کی اور اسی کے ساتھ ایک عمدہ نئی تہہ دینی چھتری اور بھیج دی جس کو دیکھ کر نان بائی کی آنکھیں کھل گئیں۔ دیکھنے میں تو یہ ذرا سی بات ہے مگر ایک بادشاہ ذی جاہ کو ایسی جزئیات کا خیال رہنا کیا نعمتِ الٰہی سے کم ہے۔

تاج پوشی

اگرچہ بالعموم تخت نشینی سے سال بھر بعد تاج پوشی کی رسومات ادا ہوتی ہیں مگر ۵ر اگست ۱۹۰۱ء کو آپ کی ہمشیرہ یعنی پرنسس فریڈرک شاہ جرمن کی والدہ کا انتقال ہوگیا اور ٹرنسوال میں جنگ چھڑ گئی لہذا کچھ تاخیر ناگزیر ہوگئی۔ کچھ دنوں بعد اعلان کر دیا گیا کہ انگلستان میں ۲۶ر جون ۱۹۰۲ء اور ہندوستان میں یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو جشن تاج پوشی منایا جائے گا۔ آپ کا تاج نہایت خوشنما، شاندار اور پندرہ لاکھ روپیے کی قیمت کا نہایت مرصع تھا۔ ملکہ کے لئے ہلکا اور سبک جڑاؤ تاج کیرنگٹن ریجنٹ سٹریٹ کے جوہری نے بڑی نزاکت اور نفاست سے تیار کیا تھا

جو بیش قیمت جواہرات سے لدا ہوا تھا اور اسی میں کوہ نور نامی مشہور ہیرا بھی دمک رہا تھا اس میں سب ملا کر (۸۸ ۷ ۳۰) ہیرے تھے یعنی کوئین وکٹوریا آنجہانی کے تاج سے بھی (۵۸۸۶) زیادہ تاجپوشی کے اخراجات کے لیے سوا لاکھ پونڈ کی منظوری ہوئی تھی چنانچہ زریں لباسوں اور درباری تلواروں اور موٹروں پر (۳۵) لاکھ اور آرائش اور جلسوں پر پورے دو کروڑ روپیہ صرف ہوا۔ علاوہ بہت سے ہندوستانی رؤسا و امرا وغیرہ کے ہندوستانی فوج کے ایک ہزار جوان اور سو جوان امپیریل سروس ٹروپس کے بھی مدعو کیے گئے تھے ہندوستانی شاہی مہمانوں کو بڑی بڑی بھاری بھاری پُر تکلف دعوتیں دی گئیں جن کی تفصیل طول طویل ہے۔

حضور کی ناگہانی علالت اور عین وقت پر جشن کا التوا

لندن میں جشن کی تیاریاں بڑے اہتمام اور زور شور سے اصلی پیمانے پر ہو رہی تھیں اور مختلف دیار و امصار اور ممالک سے معزز و محترم مہمانوں کی تعداد کثیر آن پہنچی تھی اور بظاہر اسباب اس تقریب کے بروقت انجام پانے میں کوئی کسر نہ تھی مگر مشیت ایزدی کچھ اور ہی تھی کہ عین وقت پر بادشاہ سلامت کی طبیعت ناساز ہو گئی ۱۳ ؍ جون کو مزاج کچھ کسل مند رہا پھر اگلے دن کمر میں درد ہوا جو باوجود علاج معالجے کے روبہ ترقی تھا۔ ڈاکٹروں نے آپ کو آرام لینے کے لیے کہا مگر ایسے موقع پر آرام کہاں۔ ۱۸ ؍ جون کو تپ بھی آ گئی اور دائیں پسلی میں آماس معلوم ہوا۔ ۲۴ ؍ جون کو اس میں پیپ پڑ گئی جس کے لیے آپریشن ناگزیر تھا۔ آپ کو بہ مقابلے اپنی رعایا اور مہمانوں کی مایوسی کے اپنی بیماری کا مطلق خیال نہ تھا ڈاکٹروں سے کہا کہ کوئی ایسی صورت نکالو کہ یہ تقریب نہ رکے ورنہ لوگوں کو بڑی ناامیدی تکلیف اور حرج ہوگا اگر میں کھڑے ہو کر رسوم تاجپوشی ادا نہ کر سکوں تو خیر بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے ہی سہی۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ آپریشن کے بعد نقل و حرکت سراسر خلاف احتیاط ہے اور آپریشن کی تاخیر میں بھی مرض کے جڑ پکڑ جانے کا سخت خطرہ ہے جب بادشاہ

کی جان کے ہی لالے پڑے تھے کیسی تاجپوشی اور کہاں کا دربار جب جان ہی تو جہان ہے۔ ارل آف مارشل نے اس شدید مجبوری سے جشن کے التوا کا اعلان کر دیا۔ اس خبر کے سنتے ہی ایک عام افسردگی چھا گئی اور مجمع کا تمام رخ شاہی محل کی طرف ہو گیا اور مجمع جب تک کہ آپریشن کامیابی سے ختم نہیں ہوا اور لوگوں کی جان میں جان نہ آئی وہاں سے نہ پلٹا۔ ٹھیک بارہ بجے دن کے سر فریڈرک ٹریوس نے عمل جراحی نہایت کامیابی سے کیا۔ ۵½ انچ گہرا نشتر دے کر گیارہ چھٹانک پیپ[1] نکالی۔ اس کے بعد دو وقتہ ملک معظم کی حالت صحت سے بلیٹن[2] شائع ہونے لگے۔ عمل جراحی کے بعد جب آپ نے آنکھ کھولی تو سب سے پہلے آپ نے شہزادے ویلز سے کہا "کیا میری رعایا میری اس مجبوری کی وجہ سے مجھے معاف کرے گی" جس سے آپ کے اس بے حد انس اور پیار کا پتہ چلتا ہے جو آپ کو اپنی رعایا کے ساتھ تھا۔ آپ کی صحت یابی کے لیے انگلینڈ تو انگلینڈ تمام ممالک اور ہندوستان میں دعائیں کی گئیں خدا جانے کس کی دعا لگی کہ آپ کو صحت ہو گئی زخم کے اندمال اور پوری صحت کا اندازہ مشکل تھا لہٰذا سفراء دول خارجہ اور جنگی جہازوں کو رخصت کرنا پڑا۔ لیکن ہندوستانی فوج کے لوگوں کو گو کہ اجازت مل گئی تھی مگر وہ اپنی خوشی سے بادشاہ کی صحت عاجل کے لیے دعا کرتے ہوئے دو دو پڑے رہے۔ بعض تقریبیں بہ فہرست خطابات کا شائع ہونا۔ فوجی ریویو۔ روشنی۔ دربار لیوی بہ نیابت پرنس آف ویلز۔ غربا کی دعوت وغیرہ پوری کر دی گئیں۔ ۳۰ جون کو بادشاہ کی صحت یابی کا اعلان کیا گیا اور اسی دن روشنی کے الاؤ جلائے گئے۔ ۲ جولائی کو فوجی ریویو اور لارڈ لینس ڈاؤن کی طرف سے ایک پُر تکلف دعوت دی گئی۔ ۴ جولائی انڈیا آفس میں دربار لیوی۔ ۵ جولائی غربا کی شاہی دعوت جس کے انتظام علاوہ اراکین سلطنت کے حضور پرنس آف ویلز اور ڈیوک آف کناٹ آپ کے چچا نے بھی خود جا کر ملاحظہ فرمایا اور حضور ملک معظم نے بھی لارڈ میئر کو اس دعوت کا خاطر خواہ انتظام کرنے کو لکھا کہ ہمیں غریبوں کی دعوت سمجھ کر دعوت کو بھی

---

[1] آپ کو اپنڈی سائٹس Appendicitis کی خطرناک بیماری تھی جو ایک قسم کا ورم امعا ہوتا ہے۔ [2] وہ تحریری نوٹس جو کسی امر اہم کے متعلق بطور سرکاری شائع کیا جائے۔ ۱۲

غریب نہ سمجھ لیجئے گا۔ دعوت کا اندازہ اس پر کیجئے کہ فی کس للعہ کا صرفہ بیٹھا۔ دعوت میں (۲۵) لاکھ رکابیاں۔ دو لاکھ چھری کانٹے۔ دس لاکھ چمچے استعمال ہوئے تھے۔ اتنی بڑی دعوت ایک جگہ کیسے ہو سکتی تھی اس لئے ٹکڑے ٹکڑے کرکے مختلف مقامات پر ہوئی اور ہر جگہ شہزادہ ویلز بہ نفس نفیس تشریف لے گئے۔ غرباء نے نہ صرف پیٹ بھر کر لذیذ کھانے کھائے بلکہ شہزادے کو دیکھ کر دل بھی خوش کیا۔

قرض کردم کہ بیاد تو دلم خورسند است آخر ایں دیدۂ دیدار طلب را چہ علاج

۱۸ جولائی کو حضور پرنس آف ویلز نے اپنے عالی شان ایوان میں ہندوستان کے معزز مہمانوں کو شرف باریابی بخشا۔ اسی شام کو گلڈ ہال میں نہایت اعلیٰ پیمانے پر چھ سو معزز مہمانوں کی دعوت ہوئی جس کے صدر لارڈ آنسلو تھے۔ اس دعوت میں مہاراجہ صاحب بہادر کولہاپور نے بھی تقریر فرمائی۔ ملک معظم کی طبیعت اب روز چاق ہوتی جاتی تھی ۲۶ جولائی کو آپ نے اپنے پریوی کونسلرز کو جہاز پر طلب فرما کر جشن تاجپوشی کے لیئے ۹ اگست کی تاریخ مقرر فرما دی اور بوجہ نقاہت کے بہت سی رسموں کی کاٹ چھانٹ فرما دی۔ اس خبر مسرت اثر سے پبلک میں جان آ گئی بالخصوص ہندوستانی مہمانوں کو کہ وہ اسی دن کے انتظار میں پڑے ہوئے تھے۔ تاج پوشی کی تقریب اپنی جگہ کیا کم مسرت بخش تھی چہ جائیکہ جب اس کے ساتھ بادشاہ سلامت کی صحت و عافیت کا مژدہ جاں بخش بھی منضم ہو غرض دہری خوشی ہوئی۔ ۸ اگست کو انڈیا آفس میں لارڈ جارج ہیملٹن نے تمام والیان ریاست ہندی رؤسا و افسران فوج کو مدعو فرما کر مراسم تاج پوشی کی تعلیم فرمائی۔

تاج پوشی کا مبارک دن

آج صبح سویرے سے توپوں کی گرج شروع ہوگئی ویسٹ منسٹر ایبی کا گرجا دلہن بنا ہوا تھا جس شارع عام سے جلوس گزرنے والا تھا صبح سویرے ہی سے لوگ آن ڈٹے تھے۔ جہاں جلوس تین بجے پہنچا تھا وہاں بھی لوگ صبح ہی سے چشم براہ تھے۔ رستے میں آٹھ جگہ بینڈ باجے کی ٹکڑیاں تھیں۔ اگرچہ عام طور پر درباریوں کی آمد آٹھ بجے ہی سے شروع ہوگئی تھی مگر ممبران

خاندان شاہی ۱۰ ½ بجے اور حضور شاہزادہ ویلز مع اسٹاف، اور ہندوستانی ایڈی کانگوں۔ مہاراجگان کوٹھاپور۔ ایڈر اور گوالیار کے جو گھوڑوں پر سوار تھے پونے گیارہ بجے دربار میں پہنچے۔ حضور ملک معظم مع ملکہ معظمہ کے ٹھیک گیارہ بجے قصر بکنگھم سے برآمد ہوئے چنانچہ جس وقت محل شاہی سے گھوڑوں نے پہلا قدم اٹھایا اسی وقت توپوں کے دغنے نے لوگوں کو چونکا دیا۔ حضور ملک معظم اور ملکہ معظمہ دونوں ہشاش بشاش دو طرفہ بڑے تپاک سے لوگوں کا سلام لیتے ہوئے گیارہ بج کر (۲۵) منٹ پر گرجا میں داخل ہوئے۔ دربار میں بادشاہ سے دو منٹ پہلے ملکہ معظمہ داخل ہوئیں جن پر ابہی سکول کے طلباء نے "خدا ملکہ الگزینڈرا کو سلامت رکھے" کا ترانہ گایا اور دو منٹ بعد ملک معظم تشریف لائے جن کی ٹرین (دامن) کو کئی معزز بیرن اٹھائے ہوئے تھے۔ بادشاہ کی تشریف آوری پر لڑکوں نے "خدا ایڈورڈ ہفتم کو ابد الآباد تک زندہ رکھے" کا گیت گایا۔ چونکہ آپ کو اتنی ہی نقل و حرکت سے قدرے تکان ہو گئی تھی اس لیئے آپ کو ایک کمرے میں جو آپ کے آرام کے لیئے بنایا گیا تھا لے گئے۔

مراسم تاج پوشی

ساڑھے گیارہ بجے لارڈ سالسبری اور ڈیوک آف ڈیون شائر لمبے لمبے چغے پہنے دربار ہال میں آئے ٹھیک گیارہ بج کر (۵۵) منٹ پر بادشاہ سلامت دربار ہال میں رونق افروز ہوئے اور رسوم مقررہ شروع ہوئیں جن کی تفصیل کے لیئے جگہ درکار ہے۔ بڑی رسم یہ تھی کہ بادشاہ سلامت کو تاج پہنایا گیا تخت پر آپ نے قدم دھرا اور خیر و برکت کی دعا ہوئی اور تمام ممبران خاندان شاہی اور حاضرین دربار نے اظہار اطاعت کیا اور پھر توپوں کی سلامی پر اس مبارک رسم کا اختتام ہوا۔ واپسی کے وقت جلوس کی وہی شان تھی جو آمد کے وقت تھی سب کا سلام لیتے ہوئے بادشاہ محل شاہی میں داخل ہوئے لیکن مشتاقین دیدار شاہی کا جم غفیر محل کو گھیرے ہوئے تھا لہذا آپ دوبارہ پھر رعایا کی خاطر درشن دینے کو دریچے میں برآمد ہوئے۔

اسی دن مہاراج کمار ٹیگور نے ہندی مہمانان کی طرف سے ایک ایڈریس مبارک باد کا ملک معظم کے حضور میں پیش کیا۔ اسی طرح خواتین ہند کی طرف سے نواب بیگم صاحبہ مرشد آباد نے تہنیتی ایڈریس گزرانا۔

بادشاہ سلامت کا پیام رعایا کے نام

اسی دن ملک معظم کا یہ فرمان شائع ہوا:- "تاج پوشی کی تقریب سعید کے متعلق جو ہماری زندگی کا اہم اور سنجیدہ واقعہ ہے ہماری خواہش ہے کہ اپنی تمام رعایا کی نسبت جو خاص ہمارے وطن اور نو آبادیوں اور ہندوستان میں آباد ہے اور جس نے اپنی گہری ہمدردی مابدولت کی خطرناک بیماری کے دنوں میں ظاہر کی ہے اپنا دلی شکریہ ظاہر کریں کیوں کہ ہمارا خیال ہے کہ ہماری بیماری کے دنوں میں جو ناگہانی طور پر ظاہر ہوئی تھی ان سب کو سخت تکلیف اور رنج کا مقابلہ کرنا پڑا ہے کیوں کہ وہ اس تقریب کو تاریخ مقررہ پر نہایت فرحت و شادمانی سے منانا چاہتے تھے اور پھر اس کے ناگزیر طور پر ٹل جانے سے اُنھوں نے قابل تعریف صبر و اعتدال کا لحاظ رکھ کر دلی خلوص سے ہماری صحت اور سلامتی کی دعاؤں میں مصروفیت دکھائی پس ان سب کو خوشی ہوگی کہ خدا وند تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول فرما کر ہماری زندگی کو تمام خطرات سے بچایا اور ہم کو صحت و طاقت عطا فرمائی جس کا سچا شکریہ یہ ہے کہ ہم اُن فرائض کو بوجہ احسن انجام دیں جو بلحاظ ایسی وسیع سلطنت کی فرماں روائی کے ہم پر عائد ہوتے ہیں"

قصر آسبورن کا قوم کو عطا کیا جانا

حضور ملک معظم نے کمال مہربانی سے محل آسبورن کو سوائے چند خاص شاہی کمروں کے حضور ملکہ معظمہ آنجہانی کی یادگار ہیں قوم کو عطا فرما دیا

قوم کی طرف سے چوبیس لاکھ کا پیشکش

۱۳ اگست کو لارڈ میئر آف لندن نے پیشگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر قوم کی طرف سے غسل صحت اور تاج پوشی کی مسرت میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ کا ایک چک پیش کیا جس کو آپ نے بڑی خوشی سے قبول فرما کر شفا خانوں میں دے دیا اور خود بھی امداد کا وعدہ فرمایا۔

ہندوستانی رؤسا کی باریابی

اسی دن ہندوستانی والیان ریاست کو شرف باریابی بخشا اور اُن کی دلی مسرت و وفاداری پر اظہار تشکر فرمایا۔

ہندی فوج کا سلام

۱۳ آر اگست کی سہ پہر کو ہندوستانی فوج کے افسروں کو حضور ملک معظم نے اپنے دست مبارک سے تمغے سرفراز فرمائے اور ہندوستانی فوج کے متعلق ہمت افزا کلمات بھی فرمائے۔

بحری ریویو

۱۶ آر اگست کو بحری ریویو ہوا جس میں (۱۰۸) جہاز تھے اور رات کو روشنی بھی ہوئی۔

پرنس آف ویلز کا ہندوستان بھیجنا

آواخر ۱۹۰۶ء میں حضور ملک معظم نے حضور پرنس آف ویلز کو مع اُن کی بیگم صاحبہ کے سیاحت ہند کے لیے روانہ فرمایا تاکہ وہ بھی اپنے والد ماجد کی طرح ملک ہندوستان کی مقامی حالت اور والیان ملک سے ذاتی واقفیت پیدا کریں۔

پیام شاہی ۱۹۰۸ء

ملکہ معظمہ کے اعلان یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو چونکہ یکم نومبر ۱۹۰۸ء کو پورے پچاس برس ہو چکے اس لیے ملک معظم نے اُس اعلان کی تجدید یکم نومبر ۱۹۰۸ء کو فرمائی۔ یکم نومبر کو اتوار آن پڑی لہذا ۲ نومبر کو حضور وائسرائے لارڈ منٹو نے جو بتقریب دورہ جودھپور میں تھے وہیں ذیل کا شاہی اعلان دربار میں پڑھا اور شائع فرمایا:۔

اعلان شاہی موسومہ شہزادگان و اشخاص ہندوستان مورخہ ۲ نومبر ۱۹۰۸ء

وہ آج سے پچاس سال پیشتر ہماری والدہ کی مادر مشفقہ اور محترمہ ہیں رہ ملکہ معظمہ وکٹوریا نے جو اُس وقت تخت سلطنت پر متمکن تھیں مختلف اہم وجوہ کی بنا پر اور پارلیمنٹ کے مشورے اور رضامندی سے اس ملک کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تھی جو اُس وقت تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر انتظام تھا۔ وہ عظیم الشان کام جو اُس وقت نہایت استحکام سے عمل میں لایا گیا تھا اُس کی یادگار میں ہم بدولت مناسب سمجھتے ہیں کہ اس اہم سالگرہ کے موقع پر والیان ریاست و رعایائے ہند کو مخاطب

کریں۔ آپ کی طویل تاریخ میں پچاس سال کی مدت نہایت قلیل ہے پھر بھی یہ نصف صدی جو آج ختم ہوتی ہے آپ کے تاریخی سیلابوں کے درمیان نہایت نمایاں اور ممتاز نشان کا کام دے گی۔ ملک براہ راست تخت کے ماتحت ہونے کے اعلان نے حکومت ہند کے اتحاد پر گویا مہر کر دی تھی اور اس سے ایک نئے عہد کا آغاز ہوا تھا۔ سفر چونکہ نہایت دشوار تھا اس لیے ممکن ہے کہ بعض وقت رفتار سست معلوم ہو۔ مگر برٹش ہدایات و اقتدارات کی بہت سی نہایت مختلف الخیال جماعتوں اور تقریباً تیس کروڑ نوع انسان کے اتحاد نے ثابت قدمی کے ساتھ مسلسل ترقی کی ہے۔ ہم اپنی گزشتہ صدی کی محنتوں کو صفائی نظر اور اطمینان قلب کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

جس قسم کی مشکلات ہر زمانے اور ہر مقام پر تمام انسانی حکومتوں کو پیش آتی رہتی ہیں وہ وقتاً فوقتاً اس ملک پر بھی پڑی ہیں لیکن تاج برطانیہ کے خدام نے ان مشکلات کا مقابلہ ایسی جفاکشی اور ہمت و صبر کے ساتھ اور ایسی دانش مندی اور استقلال کے ساتھ کیا ہے جس میں کبھی نقص یا لغزش واقع نہیں ہوئی۔ اگر کبھی غلطی واقع ہوئی تو ملک و دولت کی گورنمنٹ کے کارپردازوں نے اس کی اصلاح میں تکلیف اور ایثار نفسی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اگر کہیں نقائص ثابت ہوگئے تو ان کے رفع کرنے کے لیے فوراً طاقتور ہاتھ بڑھے ہیں۔

سلطنت کا کوئی ہاتھ قحط اور وبا کی مصیبت کو ٹال نہیں سکتا مگر تجربہ کار منتظموں نے تمام وہ تجاویز عمل میں لائیں جو قابلیت اور سرگرمی کے امکان میں ہیں اور قدرت کی ہیبت ناک سختیں ایسی جلد رفع ہوگئیں کہ آپ کے ملک کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ہے۔ آپ اپنی حدود کے اندر ہولناک جنگوں سے مامون و مصئون ہوگئے ہیں۔ قومی ترقی کا سلسلہ کبھی نہیں ٹوٹا۔

سنہ ۱۸۵۸ء کے اعلان شاہی میں ملکہ وکٹوریہ نے آپ کو واثق یقین دلایا تھا کہ ہر مجسٹی کی یہ دلی آرزو ہے کہ ہندوستان کی حرفت باز زندہ ہو فوائد عام کے کاموں میں ترقی ہو اور ملک پر حکومت تمام باشندگان کے فائدے کی خاطر کی جائے۔ اس اعلان میں وہ تجاویز ہیں جو آپ ہی کی آسائش اور ترقی کی خاطر وضع کی گئی اور عمل میں لائی گئی ہیں۔ یہ وہ تجاویز ہیں جو اپنی وسعت اور افادیت میں بے مثل ہیں

اور جو دنیا کے روبرو شہادت پیش کرتی ہیں کہ کس فیاضی اور ہمدردی کے ساتھ ان وعدوں کا ایفا کیا گیا ہے۔

ماتحت اور خود مختار والیان ریاست کے حقوق و مراعات کا لحاظ کیا گیا ہے انھیں قایم رکھا گیا ہے اور ان کی حفاظت کی گئی ہے اور اُن کی وفادارانہ خیر خواہی بھی مستحکم رہی ہے۔ مابدولت کی رعایا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کو بوجہ اُس کے مذہب یا عقیدے یا طریقہ عبادت کے تکلیف دی گئی ہو یا آزار پونہچایا گیا ہو یا اُس کے ساتھ رعایت برتی گئی ہو۔ کل رعایا نے قانون کی حفاظت سے نفع اُٹھایا ہے خود قوانین اس طور پر وضع کیئے گئے ہیں کہ اُن میں آپ کے مذہب و قومیت اور آپ کی مراسم و روایات کا لحاظ رکھا گیا ہے جو آپ کی تہذیب میں جڑ پکڑے ہوئے ہیں۔ قوانین کو سادہ رکھا گیا ہے اور اُس کے کل پرزوں کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ وہ ان قدیم جماعتوں کی ضرورتوں کے مطابق ہو سکے جو آہستگی کے ساتھ نئی دنیا میں داخل ہو رہی ہیں۔

مابدولت کی گورنمنٹ کے ساتھ بے شمار بنی نوع انسان کی قسمتیں زمانہ حال و زمانہ مستقبل کے لیئے وابستہ ہیں پس یہ اہم ترین فرض ہے کہ ان مفسدانہ سازشوں کا جن کے لیئے کوئی معقول وجہ یا جن کا کوئی مناسب مقصد نہیں ہے قوت بازو کے ساتھ استیصال کیا جاوے۔ ایں جانب واقف ہیں کہ یہ سازشیں ہماری ہندوستانی رعایا کے کثیر التعداد وفاشعار حصے کے لیئے سخت جان گسل ہے پس ایں جانب ان کو ہرگز اجازت نہ دیں گے کہ وہ ایں جانب کو اپنے امن و عافیت کی تقسیم کرنے سے باز رکھیں۔

چوں کہ مابدولت کو یہ منظور نہیں ہے کہ یہ قابل یادگار سالگرہ الطاف مراحم خسروانہ کے نمایاں آثار کے بغیر رہے اس لیئے مابدولت نے حکم دیا ہے جیسا کہ سنہ ۱۹۰۳ء کے دربار تاج پوشی کے قابل یادگار موقع پر حکم دیا گیا تھا کہ لوگ جن کو مابدولت کی عدالتوں نے قانون کی خلاف ورزی پر سزا دی ہو اُن کی سزائیں معاف یا مختلف درجوں میں کم کر دی جائیں اور مابدولت کی یہ خواہش ہے کہ ایسے غلط کار لوگ اس شاہی ترحم کو یاد رکھیں اس کے بعد اپنی غلط کاریوں سے باز آئیں۔

اس قسم کی کوشش کی جا رہی ہے کہ اعلیٰ سرکاری عہدوں کے حاصل کرنے کے لیئے قومیت کا امتیاز محو کر دیا جائے۔ مابدولت کو یقین کامل ہے کہ جوں جوں تعلیم پھیلتی جائے گی تجربہ پختہ ہوتا جائے گا اور ہندوستان کے ذہین و قابل لوگوں کو ذمہ داری کے سبق ازبر ہوتے جائیں گے اور اس جانب ترقی کی رفتار مضبوط اور یقینی ہوتی جائے گی۔

ابتدا ہی سے قیام مقامی کا اصول مد نظر رکھا گیا تھا اور اب وہ وقت آ گیا ہے کہ مابدولت کے وائسرائے اور گورنر جنرل اور دوسرے مشیر اس اصول کو ترقی دیں۔ آپ کے درمیان جو قابل لحاظ طبقے ہیں اور جو ان خیالات کے قائم مقام ہیں جو برٹش حکومت نے قائم کئے ہیں اور جن کو برٹش حکومت نے ترقی دی ہے ان کو شہریت کی مساوات اور قانون سازی و حکومت میں زیادہ حصہ دیا جائے گا۔ ان مطالبات کے پورا ہونے سے موجودہ حکومت اور اقتدار کو ضعف نہیں پہنچے گا بلکہ اس کو تقویت ہوگی نظم و نسق اور زیادہ مکمل ہو جائے گا اگر وہ عہدہ دار جن کے ہاتھ میں اس کی باگ ہے ان لوگوں کو جن پر وہ موثر ہیں باقاعدہ میل جول کے زیادہ مواقع دیں اور نیز ان لوگوں کو جو ایسے ابواب میں عام رائے پر پورا اثر ڈالتے ہیں۔ میں ان تدابیر کا ذکر نہیں کروں گا جو اب بڑی تن دہی سے ان اغراض کے لیئے مرتب کی جا رہی ہیں جو بہت جلد آپ کو معلوم کرائی جائیں گی اور مابدولت کو یقین ہے کہ آپ کے معاملات کی مفید ترقی کا ایک ممتاز دور شروع ہو جائے گا۔

میں اپنی ہندوستانی افواج کی شجاعت اور وفاداری کو تسلیم کرتا ہوں اور آغاز سال میں میں حکم دے چکا ہوں کہ ان کی جنگی دانشمندی اُن کی باشکوہ تعلیم و تربیت (آراستگی) اور اُن کی وفادارانہ مستعدی خدمت کی نسبت میری اعلیٰ درجے کی قدردانی کو ایک مستقل شکل میں اظہار کا موقع دیا جائے۔

ہندوستانیوں کی بہبودی ملکہ وکٹوریا کو سب سے زیادہ عزیز تھی۔ جب سے کہ ۱۸۷۵ء میں میں گیا ہوں ہندوستان اس کے شہزادگان اور لوگوں کی بہبودی کو میں ایسا محبتانہ آرزومندی سے دیکھتا رہا ہوں جو امتداد زمانہ سے کم نہیں ہو سکتی۔ مابدولت کے فرزند پرنس آف ویلز اور شہزادی ویلز آپ کے درمیان سیاحت کر کے واپس آتے وقت آپ کے ملک کے ساتھ گہری وابستگی اور

اُس کی بہبودی اور فلاح کا حقیقی اور دلی شغف اپنے ساتھ لائے ہیں ہندوستان کے ساتھ ایسے مخلصانہ عملی ہمدردی اور توقعات کے جذبات جو بادولت کے شاہی خاندان اور نسل کو ہیں یہ صرف ایک اظہار ہی جو در حقیقت ایک واقعی اظہار ہے اُس گہرے اور متحدہ ارادے اور مقصد کا جو اس سلطنت کے لوگوں کو ہے

دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی حفاظت اور مہربانی دانائی اور باہمی خیر سگالی کو تقویت بخشے جو ایک ایسے عظیم الشان مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے جو کبھی کسی علاقے یا سلطنت کے تاریخی زمانے میں حکمرانوں یا محکوموں کو پیش نہیں آیا تھا

آپ کا عہد گو بہت مختصر تھا مگر کام بہت بڑے بڑے ہوئے۔ پرانی عمارات کی نگہداشت کے لیے ایک جداگانہ محکمہ آثار قدیمہ کا قائم ہوا جس نے بہت سی نادر الوجود تاریخی عمارتوں کو جو کس مپرسی کی حالت میں پڑی تھیں اچھی طرح سنبھال لیا جو بجا تھا بقائے نام سلاطین ماضیہ ایک بڑا اہم کام تھا۔ لارڈ کرزن وائسرائے کی جدت پسند طبیعت نے ڈھاکے اور مشرقی بنگال کو ملا کر ایک نیا صوبہ ایک جدید لفٹننٹ گورنر کے ماتحت قائم کیا۔ آپ کا زمانہ پُر امن ہونے کے سوا ملکی سود و بہبود کے لیے بھی بہت اچھا گزرا کیونکہ آپ ہی کے زمانے میں شاہان یورپ ملنے آئے اور ان کی خون ریز جنگوں کی موقوفی اور عالمگیر امن کے سوال پر توجہ کی اسی لیے آپ کو پیس میکر (امن پسند) کہتے تھے۔ آپ اپنی رعایا کو جائز حقوق دینے میں ہمیشہ فیاض طبیعت ثابت ہوئے۔ آپ کی تخت نشینی کے وقت انگلستان و ٹرینسوال کے بوئروں میں جنگ جاری تھی مگر جب انگریزوں نے ٹرینسوال فتح کر لیا اور بوئروں کے جنرل حضور ممدوح کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ نے اُن کی درخواست پر نہایت فیاضی سے جداگانہ پارلیمنٹ اور حکومت خود اختیاری منظور فرمائی۔

ہندوستان میں جب آپ نے ہندوستانیوں کو اعلیٰ ملازمت میں حصہ لینے اور انتظامی معاملات میں دخل دینے کے لیے جدوجہد کرتے دیکھا تو لارڈ منٹو جیسے مشہور مدبر نے پراونشل کونسلوں کے علاوہ امپیریل کونسل میں بھی ہندوستانیوں کے زیادہ لیے جانے کی سکیم کو منظور فرمایا۔ انڈیا کونسل میں بھی ہندوستانی ممبر کا لیا جانا منظور ہوا حضور وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل سے وائسرائے کا اندرونی حق

کے سات ممبر ہوتے ہیں جو پہلے ساتوں کے ساتوں یورپین ہوا کرتے تھے لیکن اب ہندوستانی بھی ہونے لگے۔

انتقال پُرملال

یکم مئی ۱۹۱۰ء کو آپ پیرس سے بعض پولیٹیکل گتھیوں کو سلجھا کر تشریف لائے تو ۲ مئی کو آپ کے گلے میں خراش شروع ہوئی جس نے خناق کی خطرناک شکل اختیار کر لی۔ اگرچہ پہلے بھی دو دفعہ آپ کو یہی شکایت ہوئی تھی مگر چونکہ زندگی کے دن باقی تھے صحت ہو گئی اور اس دفعہ آناً فاناً میں مرض ترقی کر گیا باوجودیکہ ایک چھوڑ سات ڈاکٹر جان توڑ کوشش کر رہے تھے مگر موت کے آگے کس کی چلتی ہے مرض کسی کے قابو میں نہ آیا حلق کی نالیاں ماؤف ہو گئیں اور سخت کھانسی کے ساتھ غشی طاری ہونے لگی۔ بیماری کی حالت میں بھی آپ کا سارا خیال اپنی عزیز رعایا کی طرف بٹا ہوا تھا جب آپ ہوش میں آتے تو تیمارداروں کی تشفی یوں فرماتے "کچھ فکر نہیں جس طرح پہلے آرام ہو گیا تھا اگر خدا نے چاہا تو اب بھی ہو جائے گا۔ ذرا افاقہ ہو جائے تو میرا منشا یہ ہے کہ دم واپسیں تک ملک و اہل ملک کی خدمت کروں" جس وقت لوگوں کو بادشاہ کی علالت کی خبر ملی تو سارے کاروبار بند ہو گئے اور لوگ سراسیمہ قصر شاہی کی طرف آپ کے لیے دعائے صحت مانگتے ہوئے دوڑے اور انٹرنس ہال میں لوگوں کا ایک ٹھٹ لگ گیا کہ آرچ بشپ آف کنٹربری کی باریابی بھی دیر تک نہ ہو سکی۔ بادشاہ کے بستر کے گرد سارا خاندان شاہی جمع تھا۔ ابھی لوگ امید و بیم ہی میں تھے کہ یکایک حالت میں تغیر ہوا اور دم زدن میں روح پرواز کر گئی اور معاً شاہی جھنڈا سرنگوں کر دیا گیا۔ آپ نے ۶۹ برس کی عمر میں ۸ مئی ۱۹۱۰ء کو صرف سوا نو سال سلطنت کر کے انتقال کیا۔ آپ کی امن پسندی، نیک مزاجی اور ہر دل عزیزی کی وجہ سے آپ کی وفات کا بہت رنج ہوا اور چونکہ ہندوستان فطرتاً بادشاہ پرست واقع ہوا ہے اس لیے اس ملک میں بھی بہت کچھ رنج و غم کا اظہار کیا گیا چنانچہ ہندوستان میں بے شمار جلسہ ہائے تعزیت ہونے کے علاوہ جابجا شہنشاہ کی یادگاریں قائم کی گئیں۔ لاہور میں پندرہ لاکھ روپیہ کے صرف سے آپ کی یادگار میں میو ہاسپٹل کی توسیع منظور کی گئی جس میں والیان ملک اور پبلک

کی طرف سے بھی معتد بہ چندہ وصول ہوا اور ایک آل انڈیا میموریل دہلی میں قرار پایا جس کا سنگ بنیاد ۸ر دسمبر ۱۹۱۱ء کو ملک معظم جارج پنجم نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔

وہیں کو سینٹ جیمس پیلس میں دوپہر کو ارکان و عمائدین سلطنت جمع ہوئے اور جارج پنجم کی تخت نشینی کا اعلان فرمایا اس دربار میں حضور ملک معظم مع ملکہ معظمہ میری کے تشریف فرما ہوئے اور تخت نشین ہوئے۔ بعدہ رسم تخت نشینی کے ذیل کی تقریر ایک پُر درد لہجے میں فرمائی:-

"میرا دل اس وقت رنج و محن کا مخزن بنا ہوا ہے بولنے کا یارا نہیں مگر کیا کروں اس وقت کا فرض مجبور کرتا ہے کہ کچھ کہوں اور جو کہوں تو یہ کہ والد محترم کی وفات کی خبر وحشت اثر کا اعلان عام ہوا اس سانحہ جانکاہ سے جو غم کا پہاڑ ہم پر اور کل ماتحت قلمرو پر آپڑا ہے اس کا اندمال ہماری ہونے والی رعایا کا اظہار ہمدردی ہے جو ہمارے غم میں شریک ہو کر اپنے اس فرماں روا کے ماتم میں حصہ لے رہی ہے جس نے ان کی خوشی اور ترقی کو اپنی خوشی اور ترقی سمجھ رکھا تھا۔ کیا کہوں ان کے انتقال سے ہمارے سر پر سے نہ صرف پدر بزرگوار کا سایہ اٹھ گیا بلکہ ہمارا اعلیٰ درجے کا اتالیق اور جلیل القدر مشیر بھی کھویا گیا ہے۔ والدہ مکرمہ کے ساتھ رعایا کی طرف سے جو ہمدردی ہو رہی ہے اس نے میرا دل اور بھی بڑھا دیا ہے۔ والد بزرگوار نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے سے پہلے فرمایا تھا کہ دم واپسیں تک رعایا کے سود و بہبود کا خیال رکھوں گا چنانچہ جس خوش اسلوبی سے انھوں نے اس کو پورا کیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے میں بھی یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میری زندگی کا اصول یہی ہوگا اور انھیں کے نقش قدم پر چل کر ممالک غیر کے تعلقات کو اپنی رعایا کی بہبودی کی غرض سے اور بھی مستحکم کروں گا۔ بادولت کو ان بھاری ذمہ داریوں کا بڑا ہی خیال ہے جن کا بوجھ دفعۃً ہمارے سر پر آپڑا ہے اور ہم کو پوری توقع ہے کہ پارلیمنٹ جزائر برطانیہ کے رہنے والوں اور سمندر پار کی رعایا ہمارے فرض حکومت کی سر انجام دہی میں خاص مدد سے دریغ نہ کریں گے اور ہمیں امید واثق ہے کہ پروردگار عالم عالمیان رعایا کی دعاؤں کے اثر سے میری ذات میں ایسی طاقت و ہدایت نمایاں فرمائیں گے جس سے

تمام گتھیاں سلجھ جائیں گی۔ ہماری تسکین خاطر کے لیئے یہ بات کم کچھ کم نہیں ہے کہ ہماری ملکہ نے بھی ہماری رعایا کے سود و بہبود کے ان جملہ امور میں ہماری مدد کا خاص اظہار کیا ہے۔"

ملکہ معظمہ الگزینڈرا کا قوم سے دردبھرا خطاب[1]

May 10th 1910

Buckingham Palace

From the depth of my poor x broken heart I wish to express to x the whole nation x our kind x People we love so well, my deep – x felt – thanks for all their x touching sympathy in my over – x whelming sorrow and unspeakable x anguish – not alone have I lost x every thing in him, my beloved x husband but the nation too x has suffered irreperable loss x in their best friend, father x Sovereign thus suddenly called x away – may God give us all His devine help to bear this keenest x of losses. Which he has seen x fit to lay upon us – "His will be x done". Give me a thought in

[1] یہ خط ملکہ معظمہ الگزینڈرا کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے جس کا فوٹو چھاپ کر تقسیم کیا گیا تھا۔ اگرچہ ہم نے اس خط کا ترجمہ تا بہ امکان بہتر سے بہتر کیا ہے لیکن پھر بھی کلام الملوک ملوک الکلام اس لیئے اصل خط بھی نقل کر دیا ہے کہ انگریزی داں اصحاب اس سے متمتع ہوں۔ آپ کی ولادت یکم دسمبر ۱۸۴۴ء کو ہوئی اس حساب سے آپ کا سن شریف (۶۵) سال کا ہے اور بہ افضال الٰہی صحیح و سلامت ہیں (من المصنف) ۱۲

your prayers which will sustain & comfort me, in all I have to go through —

Let me take this opportunity of expressing my heartfelt thanks for all the touching letters & tokens of sympathy I have received, from all classes high & low, rich & poor, which are so numerous that I fear it will be impossible for me ever to thank every body individually. I confide my dear Son into your care who I know will follow in his dear Father's footsteps, begging you to show him the true loyalty & devotion you showed his dear Father — I know that both my dear Son and daughter-in-law will do their utmost to merit & keep it.

Alexandra.

ترجمہ

۱۰ رمئی ۱۹۱۰ء

بکنگھم پیلس

اپنے بیکس و مغموم دل کی تہ سے اپنی تمام قوم و رعایا سے مہربان جن سے ہم کو خاص
محبت تھی اُن کی دل پر اثر کرنے والی ہمدردی کا شکریہ ادا کرتی ہوں جو انھوں
نے میرے صدمہ ہوش ربا و ناقابل اظہار حادثے میں ظاہر کی ہے میری تو دعا ہے

شوہر محبوب کے ساتھ ختم ہو گئی قوم کو بھی ایک سچے دوست اور باپ اور بادشاہ کے دفعتہً چلے جانے سے ایسا نقصان پونہچا ہے کہ اُس کی تلافی ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس صدمۂ عظیم کی برداشت کی قوت ہم سب کو عطا فرمائے جو اُس نے ہمارے مناسب حال تصور فرمایا۔ مشیت ایزدی میں چارہ نہیں۔ آپ لوگ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیں جس سے میرے ہر حال میں تقویت اور تسلی ہو۔ مجھے اس بات کا موقع دیجئے کہ میرے پاس جن لوگوں کے جاں گداز خطوط تعزیت آئے ہیں اور جنھوں نے اظہار ہمدردی کیا ہے میں اُن کا دلی شکریہ ادا کروں۔ ان میں سب ہی درجے کے آدمی ہیں عالی خاندان بھی ہیں معمولی اشخاص بھی۔ امیر بھی ہیں غریب بھی۔ جو اس قدر کثیر التعداد ہیں کہ ہر ایک کا شکریہ فرداً فرداً ادا کرنا ناممکن ہے۔ میں اپنے فرزند دلبند کو آپ صاحبوں کے سپرد کرتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے والد کے قدم بقدم چلے گا اور آپ لوگوں سے استدعا کرتی ہوں کہ جیسی سچی وفاداری اور اطاعت اُس کے پیارے باپ کے ساتھ کی ہے ایسی ہی اس لڑکے کے ساتھ بھی کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ میرا فرزند دلبند [illegible] حتی الامکان اپنے آپ کو مستحق و اہل ثابت کریں گے۔"

الگزینڈرا۔

تجہیز و تدفین

جب تک آپ کا دفن ہوا آپ کا جسد مبارک فیلڈ مارشل کے لباس میں رکھا رہا اور ہر روز ایک خاص وقت پر دعا کے بعد شرف نصیب اہل خاندان کو چہرہ مبارک کی زیارت کرائی جاتی تھی۔ اعلان شاہی کی رو سے تدفین کی تاریخ ۲۰ مئی سنہ ۱۹۱۰ء یوم جمعہ مقرر کی گئی اور حکم دیا گیا تھا کہ اس عالم گیر ماتم کے روز ٹھیک ایک بجے دن کے ہر جگہ دعائے مغفرت مانگی جائے۔ چنانچہ شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ توپ گاڑی پر جنازہ رکھکر فوجی جلوس کے ساتھ سینٹ جارج کے گرجا کے قبرستان کی طرف روانہ ہوا جس کے ساتھ خود مختار فرماں روا۔ سفیر نمایندے قیصر جرمن و ولی عہد دولت عثمانیہ کے علاوہ ہر قسم کے بے تعداد لوگ شامل تھے۔ قبرستان میں پونہچ کر آرچ بشپ آف کنٹربری نے پہلے انجیل کا کچھ

حضور پُر نور مرحوم کے کچھ حالات اس طرح بیان کئے گئے کہ سننے والوں کے دل ہل گئے۔ چنانچہ ایک طرف آنکھیں اور دوسری طرف رومال تر بتر تھے مغموم و مصیبت زدہ ملکہ الگزینڈرا گھٹنے ٹیک کر دعاے مغفرت میں مصروف تھیں۔ جب جنازے کو پیوند خاک کرنے کا موقع آیا تو صندوق جنازے پر سے لوازم شہنشاہی الگ کر لیئے گئے اور گارٹر کنگ ایٹ آرمز نے دستور کے مطابق شہنشاہ متوفی کی تدفین کے بعد شہنشاہ موجودہ کا نام نامی علی رؤس الاشہاد سنایا۔ اس کے بعد قصر بکنگھم میں ایک بڑی بھاری شاہانہ دعوت دی گئی جس میں قیصر جرمن کے علاوہ سات آٹھ بادشاہ اور ڈیڑھ سو کے قریب امراء و ارکان سلطنت شریک تھے۔ ملک معظم جارج پنجم نے اول بری و بحری فوج کی نسبت اپنی ذاتی خصوصیات کا موزوں الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے نو آبادیوں کے ایڈریس کے جواب میں اتحاد و یک جہتی کے بے نظیر اور قابل قدر خیالات کا اظہار فرمایا جس سے اُن کے خلوص و محبت میں ترقی ہو اور ہندوستانی رؤسا و رعایا کے اظہار عقیدت کی نسبت ارشاد فرمایا۔

پیام ملک معظم جارج پنجم

والد مکرم کے انتقال پر ملال کی خبر وحشت اثر سن کر والیان ریاست و رعایاے ہند نے جو پیام بھیجا تھا اُس میں جس خاص ہمدردی و خیر خواہی کا ذکر کیا گیا ہے ہم اُس کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس ماتم کے ہنگام کا جس طریق سے اظہار کیا گیا ہے اُس سے ہمارے دل پر خاص اثر ہوا ہے ہم اپنی سیاحت ہندوستان کے زمانے کو دلچسپی سے یاد کرتے ہیں اور ہندوستان کی بہبودی کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں۔ بابدولت کو اپنے ذاتی تجربے سے بخوبی معلوم ہے کہ والیان ریاست اور رعایاے ہند کو پایۂ تاج کی خیر خواہی کا کیسا بھاری خیال ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ جس اطاعت کا اظہار ہماری جانشینی کے موقع پر کیا گیا ہے اُس کا اعتراف خاص طور پر ہو کیوں کہ بابدولت کو بھی اپنی ہندوستانی رعایا کی بہبودی کا اسی طرح خیال ہے جس طرح جدہ مکرمہ اور والد مکرم کو تھا۔

ایام ماتم

قرار پایا کہ چھ مہینے تک یعنی نومبر ۱۹۱۰ء تک بادشاہ آنجہانی کا ماتم رکھا جائے اور اس کے بعد جشن تاج پوشی کی باضابطہ تاریخ مقرر ہو۔

پارلیمنٹ میں سب سے پہلی تقریر

اے ارکین و عمائد سلطنت و معزز اصحاب!

تا بدولت اپنے عہد کی اس سب سے پہلی پارلیمنٹ کے افتتاح کرنے سے پہلے اس بھاری نقصان کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو اس مملکت کو والد مکرم کے انتقال پر ملال سے ہوا۔ ابھی کوئی ایک برس بھی نہیں گزرا ہوگا جب آپ لوگوں نے اپنے تخت کی پیچ دعائیں دی تھیں اور کسی کو خواب میں خیال بھی نہ تھا کہ آپ کی زندگی وفا نہ کرے گی اور جس مستعدی سے آپ اپنی رعایا کی خدمت کر رہے تھے اس قدر سریع الزوال ہوگی۔ رضا بالقضا اب شہنشاہ عالم و عالمیان کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں آنجہانی کی مثال کو نمونہ قرار دے کر بڑے زور سے کہتا ہوں کہ ایسے وقت میں جب کہ چاروں طرف مجھ پر غم و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا ہر طرف سے وفادار اور جاں نثار رعایا کے ہمدردی سے بھرے ہوئے تعزیت ناموں نے میری ہمت بڑھا دی۔ اب میرے محترم چچا ڈیوک آف کناٹ بھی جنوبی افریقہ والے مشن سے تشریف لے آئے ہیں جہاں کے مختلف شہروں اور قصبوں سے جب ان کا گزر ہوا تو بڑی خوشی کا مقام ہے کہ ہر ایک جماعت نے آپ کا خاطر خواہ استقبال کیا۔ واضح رہے کہ ہمارا تعلق ممالک غیر سے دوستانہ رہے گا۔ ہم ابھی سے بڑے اشتیاق کے ساتھ اس کانفرنس کا انتظار کرتے ہیں جس میں ہمارے وزرائے سلطنت خاص مع وزیران خاص انگلستان میں آئندہ ماہ مئی میں اس غرض سے اجلاس کریں گے کہ وہ اہم امور جو سلطنت کی طرف سے ان کی تحویل میں دیے جائیں ان پر غور کریں۔ ہمارا یہ بھی ارادہ ہے کہ یہاں کی تاج پوشی کے بعد ایک دفعہ پھر ہندوستان جائیں اور جلسہ تاج پوشی وہاں بھی خود بنفس نفیس جا کے کریں۔ عن قریب آپ کے سامنے ایسی تجاویز بھی پیش ہوں گی جن کی رو سے دار العوام و دار الامراء کے باہمی تعلقات کو ایسی صورت پہنایا جائے کہ عملی کارروائی بطور احسن ظہور پذیر ہو جن مقاصد کے حصول کے لیے ابھی [illegible]

ہو چکا ہے آپ کے روبرو ایسے وسائل سے پیش کیئے جائیں گے جو پارلیمنٹوں کے اجلاس میں اس سے پہلے اسی غرض سے پیش ہو چکے ہیں کہ جن کبر سنوں کو باوجود از کار رفتہ اور کبر سنی کے غریب رلیف فنڈ سے امداد حاصل کرنے کا مستحق نہیں سمجھا جاتا اور جو خاص مستحق پیشہ ور اور از کار رفتہ تاجروں کے روزینہ کے متعلق ہیں میں دعا کرتا ہوں کہ پروردگار ہماری محنتوں میں برکت دے"

ضمیمہ چہارم

ملک معظم جارج پنجم دام سلطنتہم کے مختصر حالات

آپ کی ولادت شب درمیانی ۲ و ۳ جون ۱۸۶۵ء کی شب درمیانی میں ایک بج کر اٹھارہ منٹ کو مارلبرو ہاوس کے قلعہ بالمورل میں ہوئی۔ آپ ایک ہی مہینے کے تھے کہ جس کمرے میں آپ اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش میں آرام فرما رہے تھے چھت کو آگ لگ گئی لیکن فوراً خبر ہو گئی۔ آپ کو اور آپ کی والدہ کو معاً دوسرے کمرے میں بھیج دیا گیا اور چھت اُدھیڑ وا دینے سے آگ فرو ہو گئی۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی والدہ کو بال بال بچا لیا۔ آپ کے اصطباغ کی رسم ۷۔ جولائی ۱۸۶۵ء کو ونڈزر کیسل کے سینٹ جمیس گرجا میں بڑی کروفر سے ہوئی۔ آپ کی دادی صاحبہ نے نرس کی گود سے آپ کو لے کر آرچ بشپ آف کنیٹربری کے سامنے اصطباغ کے لیئے پیش کیا۔ آپ کے دینی باپ ڈیوک آف کیمبرج اور دینی ماں اُن کی ڈچس بنیں۔ آپ کے بڑے بھائی پرنس البرٹ کی اور آپ کی تعلیم ساتھ ساتھ ہوتی تھی حرف شناسی کے بعد آپ کی تعلیم پادری ڈبلیو۔ بک آنسلو کے سپرد کی گئی اور انھیں جتلا دیا گیا کہ تعلیم میں شہزادگی کی خصوصیت کا لحاظ نہ رہے بلکہ جس طرح دنیا جہان کے بچے پڑھتے ہیں یہ بھی پڑھائے جائیں چنانچہ پادری صاحب علاوہ تعلیم

دنیوی کے دینی تعلیم پر بھی زور دیا کرتے تھے۔ اخلاقی تعلیم والدین نے اپنے ذمے رکھی اور واقعی بات بھی یہی ہے کہ ماں باپ جیسی دل سوزی اور کون کر سکتا ہے۔ دونوں شہزادگان والا تبار البرٹ اور جارج ایک ساتھ رہتے ایک ساتھ پڑھتے ایک جان دو قالب تھے بشپ وسبر فورس نے چھٹپنے ہی میں یہ حکم لگا دیا تھا کہ "بڑا اپنے باپ کی طرح کسی قدر ملول رہتا ہے چھوٹا خوش مزاج تیز اور زندہ دل ہے" ایک اور مستند شخص نے لکھا ہے کہ "پرنس البرٹ کا وقار زیادہ تھا۔ مخلوق اُن کو خاص نظر سے دیکھتی تھی (خاص کر اس وجہ سے کہ آگے چل کر بادشاہ ہونے والے تھے) دونوں کی تعلیم ایک ہی طریقے پر تھی۔ گو دونوں کی عمر میں تھوڑی سی چھٹائی بڑائی تھی مگر چھوٹے صاحب قوی الجثہ تن درست اور تنومند ہونے سے بڑے بھائی کے برابر ہی سر ابر معلوم دیتے تھے بلکہ وہ اپنی حاضر جوابی۔ باریک بینی اور جرات کے سبب تمام اُن مشاغل میں جن میں زیادہ سرگرمی اور آمادگی درکار تھی زیادہ نمودار اور ممتاز رہا کرتے تھے" ایک تیسرے صاحب کہتے ہیں۔ دونوں بھائیوں کو اس بات کا موقع دیا جاتا تھا کہ تا بہ امکان ہنسی خوشی سے رہیں چنانچہ جس طرح ان کے والد ولی عہدی کے زمانے میں سینڈرنگھم میں رہا کرتے تھے ان کو بھی وہیں رکھا گیا تھا۔ ان دونوں میں استقلال۔ گرم جوشی۔ فراخ دلی۔ راست بازی کوٹ کوٹ کر بھری تھی چنانچہ کسی قصور کے اعتراف یا اصول کی پابندی میں وہ کبھی مستقل مزاجی اور دیانت داری کو ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ ایک اور مورخ نے بچپنے کے حالات میں لکھا ہے کہ "پرنس جارج کی شوخی طبع اور تیزی عام طور پر مشہور ہے۔ ایک مرتبہ ملکہ وکٹوریا کے ساتھ ناشتے میں جارج بھی تھے اور کچھ شرارت کر رہے تھے۔ آپ کو بچوں کی بے موقع شرارت پسند نہ تھی۔ پہلے تو آپ نے دو ایک دفعہ منع کیا لیکن جب نہ مانا تو کہا میز کے نیچے چلے جاؤ اور جب تک تم اچھے بچے نہ بنو خبردار میز کے نیچے سے نہ نکلنا۔ نیچے تو تھے ہی آپ نے کیا کیا کہ میز کے نیچے گھس سارے کپڑے اُتار ننگے چم ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد دادی صاحبہ نے فرمایا۔ اچھا اب باہر نکل آؤ۔ باہر نکلے تو اس حیثیت سے۔ ملکہ معظمہ دیکھ کر بے اختیار مسکرا دیں اور کہا کہ کپڑے پہنو۔ جب آپ کپڑے پہن چکے تو پیار کر کے اپنے برابر بٹھا لیا اور

کہا کہ دو صاحبزادے! جو پہلے خود دوسروں کا حکم ماننا سیکھتے ہیں وہی آگے چل کر حکم کرنا بھی سیکھتے ہیں۔ ڈچیز آف کیمبرج اپنے روزنامچے میں لکھتی ہیں۔ ملکہ وکٹوریا اپنے بچوں کو ہمیشہ علیحدہ رکھتی تھیں اس لیے بچوں کو اہل دربار سے اختلاط کا بہت کم موقعہ ملتا تھا۔ ان دونوں بھائیوں کی تعلیم میں پیار اور محبت سے کام لیا جاتا ہے۔ انھیں ان کی والدہ تقریباً ہر موقع پہ اپنے ساتھ رکھتی ہیں جس سے ان کا میل جھل اہل دربار سے بہ آسانی ہو گیا تھا۔ بچوں کو اپنے والدین سے قدرتی محبت ہوتی ہے ایک مرتبہ ملکہ وکٹوریا تشریف فرما تھیں اور ڈچیز آف کیمبرج بھی باریاب تھیں اور ایک لیڈی بھی تھیں کہ اسی میں پرنس جارج کھیلتے کھیلتے آن نکلے تیسری لیڈی صاحبہ نے شہزادے کو اپنے پاس بلایا اور باتوں باتوں میں پوچھا تو بھلا یہ تو بتاؤ کہ مردوں میں تمھیں کون سا نام بھلا معلوم ہوتا ہے شہزادے نے کہا۔ ایڈورڈ۔ لیڈی۔ اور بھلا عورتوں میں؟۔ جارج۔ الگزینڈرا۔ اور جب کتابوں میں سے عمدہ کتاب کا نام پوچھا تو کہا "میری اٹ" جس میں سمندروں کے عجائبات ہیں اسی سے قیافہ شناسوں نے تاڑ لیا کہ ان کا نام بحری قابلیتوں میں خوب چمکے گا۔ قبل اس کے کہ ان کو بحری کالج میں داخل کیا جائے اس اصول پر کہ امیر غریب سب کو اپنا کام آپ کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے ان دونوں نونہالوں کو باغ باغیچے کھیتی باڑی۔ مویشیوں کا رکھ رکھاؤ اور پرورش یہ ساری باتیں سکھائی گئیں سینڈرنگھم تو آپ کے والدین کا گھر ہی تھا مگر دونوں شہزادے کوپن ہیگن (دار الخلافہ ڈنمارک) اپنی ننھیال کو بھی جایا کرتے تھے جہاں سیر و شکار کا مشغلہ رہتا تھا۔ گرما کی تعطیلیں اپنے خلیرے بھائیوں قیصر جرمن اور زار روس کے ساتھ بسر کرتے تھے پھر لندن کے مارلبرو ہوس میں آ جاتے اور برسات کا موسم اپنی دادی کے ساتھ ہالینڈ کے مشہور قلعے اسبرن ہال وادی میں بسر کرتے۔ کچھ عرصے بعد پادری جان نیل ڈالٹن آپ کے اتالیق مقرر ہوئے جنھوں نے پرنس کی تعلیم ایسی خوش اسلوبی سے انجام دی کہ آپ کے والد ماجد بہت خوش ہوئے جب خدا رکھے آپ ہوشیار ہوئے اور آپ کی باقاعدہ تعلیم کا وقت آیا تو عام خیال یہ تھا کہ دوسرے شہزادوں کی طرح آپ ایٹن کالج میں داخل کیے جائیں گے مگر آپ کے والد ماجد نے جدہ امجدہ کی صلاح اور مشورے سے ونڈزر کے کپتان

پادری ڈالٹن کی نگرانی میں دونوں بھائیوں کو جون ۱۸۷۷ء کو بحری جنگی تجربہ حاصل کرنے کے لیے برطانیہ نامی جہاز پر بھیج دیا جو سو برس سے بحری سکول کا کام دیتا ہے جس میں دو تین سو لڑکے تعلیم پاتے ہیں۔ اس بات کی تاکید کر دی گئی تھی کہ ان کی تعلیم میں کوئی خاص امتیاز شہزادگی کا نہ کیا جائے بلکہ سب طلبا میں ملے جلے رہیں ہاں صرف سونے بیٹھنے کا کمرہ الگ دیا جائے۔ جب پرنس تعلیمی کورس سے فارغ ہوئے تو ۱۸۷۹ء میں بیکانٹی نامی جہاز پر دنیا کی سیاحت کی اور مئی ۱۸۸۰ء کو لندن واپس تشریف لائے۔ ابھی آن کر دو ہی ہفتے ہوئے تھے کہ یکم جولائی ۱۸۸۰ء کو پھر اسی جہاز پر بحری قواعد میں شرکت کی غرض سے چلے گئے وہاں سے ۱۹ اگست کو واپس آئے۔ ۱۰ ستمبر کو اسی جہاز پر جنوبی امریکہ جنوبی افریقہ۔ آسٹریلیا۔ چین۔ جاپان کے سفر پر روانہ ہوئے۔ پرنسوں کو آسٹریلیا بہت پسند آیا چنانچہ انہوں نے اپنے اپنے روزنامچے میں لکھا ہے کہ وطن کے بعد ہمیں آسٹریلیا پسند آیا۔ ایڈیلیڈ میں آپ سیر کو جا رہے تھے شہر کے باہر کوئی ایک بزرگ صورت ایک بڑا سا جھنڈا لیے ہوئے گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ گھوڑا بدکا۔ بڈھا بے چارہ بے طور گرا۔ آپ فوراً گاڑی سے اترے اور اس شخص کو اٹھا کر کمال مہربانی سے پوچھا کہ کہیں آپ کو چوٹ تو نہیں لگی؟ اور اپنی گاڑی میں اسے بٹھلا کر سرائے تک پہنچا دیا۔ (۴۷۴۴۴) میل کا سفر طے کر کے آپ ۲۱ اکتوبر کو یوکوہاما (جاپان) پہنچے۔ جہاں جاپان کے بادشاہ میکاڈو نے آپ کے نزول اجلال کے لیے ایک شاہانہ محل آراستہ کر رکھا تھا۔ آپ کو شاہانہ جلوس کے ساتھ اس محل میں پہنچایا گیا۔ باہمی ملاقاتوں کے علاوہ بڑی خاطر مدارات ہوئی شہر میں روشنی کی گئی۔ رعایا نے بھی آپ کا شاہی اعزاز کیا۔ آپ نے مشہور مقامات کی سیر فرمائی اور مختلف کھیل تماشے ملاحظہ فرمائے۔ آسٹریلیا سے جو عجیب و غریب جانور ہمراہ لائے تھے وہ شاہ میکاڈو کو بطور تحفہ دیے۔ شاہ میکاڈو کو مع جاپانی افسروں کے جہاز پر دعوت دی گئی۔ جاپان میں ہاتھ گدوانے کا بہت رواج ہے۔ آپ نے بھی ہاتھ گدوایا۔ یہاں پروں کے پھول بڑی نفاست سے بنتے ہیں۔ آپ نے

بھی ایک گلدستہ بنوا کر اپنی والدہ ماجدہ کے لیئے بھجوایا۔ آخری نومبر میں آپ
بیکانٹی جہاز چھوڑ کر فلائی نامی جہاز پر سوار ہو کر چین کی طرف روانہ
ہوئے۔ جہاں آپ کے واسطے بڑی بڑی تیاریاں کی گئیں تھیں شینگھائی
میں آپ نے شکار کھیلا۔ ہانگ کانگ میں کرسمس ہوا۔ نوروز کو سنگاپور
روانہ ہوئے۔ یہاں آپ کی مدارات میں چھ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ جب سیام
پہنچے تو بادشاہ کی دختر لورہ خودمختار شاہزادے اور والیان ریاست استقبال
کو آئے۔ بادشاہ سیام نے ملکہ معظمہ کے نام خط دیا اور طلائی طشت نذر بھجوایا
اور شہزادوں کو چھوٹے چھوٹے خوب صورت طلائی پیالے دیئے سلطان جہور
نے آپ کو بڑے اہتمام سے اپنا مہمان کیا جہاں بودھ مذہب کے مندروں اور قدیم
عمارتوں کا آپ نے ملاحظہ فرمایا سفر بیت المقدس یکم مارچ سنہ ۱۸۹۲ء کو پرنس
سوئیز پہنچے جہاں ایم ڈی لیسیپس جو اسماعیلیہ میں آپ کا منتظر تھا۔
نہر سوئیز کا راستہ صاف کرا رکھا تھا۔ دو روز بعد اسماعیلیہ پہنچے اور جب تک
بیکانٹی جہاز اسکندریہ میں واپس نہیں پہنچا خدیو مصر کے مہمان رہے جنھوں
نے آپ کے استقبال اور مہمان داری کی بڑی تیاریاں کیں تھیں۔ احرام مصر
کی سیر فرمائی۔ بڑے مینار پر جب شہزادوں نے سنہ ۱۸۶۲ء کی سیاحت کے
زمانے کے اپنے والد کے دستخط دیکھے تو وہیں دونوں بھائیوں نے اپنے
دستخط بھی کر دیئے اور اس سنگین پختہ عمارت کو ملاحظہ فرمایا جہاں بڑے بڑے
بادشاہوں اور نامور لوگوں کی نعشیں ہزاروں برس سے ایسا مسالا لگا کر محفوظ
کی گئی ہیں جو اب تک صحیح و سالم معلوم دیتی ہیں اس سیاحت میں برگش بے
ہمراہ رکاب تھے جو مقامی حالات سے آپ کو واقف کرتے جاتے تھے۔ خدیو کی
کشتی میں آبشار کا ملاحظہ فرمایا۔ پھر قاہرہ میں خاص طور پر ملاقات ہوئی جس
میں آپ نے خدیو کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا فرمایا۔ یہاں سے بیت المقدس
تشریف لے گئے۔ میجر کانڈی جو سنہ ۱۸۶۲ء میں آپ کے والد کے ساتھ اس
سفر میں تھے وہی شہزادوں کی معیت میں بھی تھے۔ سب سے پہلے جافہ
اُترے۔ آخر مارچ میں پرنس کانسل کے ساتھ علاقہ شام کا سفر کیا۔

مسٹر مور نے جو آپ کے والد کے ساتھ بھی رہے یہاں کی سیر کرائی۔ آپ کی سیاحت کے متعلق ملکہ معظمہ نے سلطان المعظم کو ایک اشفاق نامہ لکھا کہ "ان شہزادوں کو وہ تمام مقامات متبرکہ دکھلانے کی اجازت دیجئے کا جو ۱۸۶۲ء میں ان کے والد البرٹ ایڈورڈ کو دکھلائے گئے تھے" چنانچہ سلطان المعظم کی جانب سے بلحاظ روابط و اتحاد خاص ہر ایک موقع پر پرنسوں کی شایان شان خاطر مدارات کی گئی۔ رؤف پاشا مع ایک دستہ فوج یروشلم سے حیران پر استقبال کے لئے موجود تھے جنہوں نے نہایت عمدگی سے مقابر و معابد کی سیر کرائی۔ حیران میں آپ نے تاریخی کا وہ درخت دیکھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے جس پر پرنس جارج چڑھے بھی چنانچہ اس درخت پر چڑھتے کے ساتھ ہی وہ تمام قدیم واقعات جو انجیل مقدس میں درج تھے آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ وہاں سے بیروت واپس ہوئے اور سلطان ٹرکی کے علاقے سے رخصت ہونے سے پہلے بذریعہ تار سلطان معظم کی مدارات کا شکریہ کرتے ہوئے رؤف پاشا اور احمد علی بیگ مصاحبین کی خدمات کا اعتراف بھی فرمایا اور مصاحبین کو تحفے اور تحائف بھی عطا فرمائے۔ ایتھنز دار الخلافہ یونان جاتے ہوئے سفر کی تکان کے سبب درد سر اور تپ کی شکایت سے پرنس جارج کا مزاج وہاج کچھ ناساز ہو گیا اور اسی حالت میں ۱۷ مئی کو جہاز ایتھنز پہنچا۔ شاہ یونان مع ملکہ جہاز پر استقبال کو تشریف لائے اور فوراً شاہی ڈاکٹر کو مقرر کیا چونکہ مزاج عالی بے حظ تھا پرنس البرٹ وکٹر کو اپنے ساتھ لے گئے جہاں وہ ماموں ممانی سے ملے اور ایتھنز کے علاوہ اٹیکا کے مناظر بھی دیکھے۔ ۱۲ مئی کو کریٹ ہو کر بحر الکاہل کی کشتیوں کی دوڑ دیکھی۔ امتحان سر پر آ پہنچا تھا صرف دو مہینے رہ گئے تھے ۲ جون کو کرفیو روانہ ہوئے وینس اور جبرالٹر کی سیر فرماتے ہوئے بندرگاہ [illegible] پہنچے آسبورن پر آپ کے والد و والدہ اور چند ممبران خاندان شاہی پہنچے ہوئے تھے۔ جہاز سے اتر سب کے سب ملکہ معظمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ۸ اگست کو آرچ بشپ آف [illegible] نے دینیات میں آپ کا امتحان لیا اور آپ کی

اعلیٰ قابلیت سے سرور ہوئے اور اسی دن سہ پہر کو ونگھم گرجا میں دونوں شہزادوں کی کنفرمیشن کی رسم ادا ہوئی جس کے خاتمہ پر آرچ بشپ نے ایک جامع اور مانع اور موثر تقریر کے خاتمے پر ارشاد فرمایا: "اے شہزادو! خدا کرے تمہارے ہاتھوں وہ باتیں ظاہر ہوں جو سچے شہزادوں کے سزاوار ہو سکتی ہیں۔ کام کرنے کے لیئے آپ کے سامنے ایک وسیع میدان ہے اور بہت کچھ بھلائی کر سکتے ہیں"

ایگزیکٹیو یعنی کاروباری زندگی

پرنس جارج جب اپنے بھائی پرنس وکٹر کے ساتھ جہازی تجربہ اور دنیا کے بہت سے حصے کی سیر فرما چکے تو بڑے بھائی تو ولی عہد تھے ہی آپ نے اپنے لیئے بحری ملازمت کو پسند فرمایا۔ یکم مئی ۱۸۸۶ء کو آپ کپتان ڈ اجہاز کے لفٹننٹ ہوئے۔ سنہ ۱۸۸۹ء میں ٹارپیڈو نمبر (۷۹) کے کمانڈر ہوئے۔ ۹ جون ۱۸۹۱ء کو تھرش کے کمانڈر ہوئے حسب اتفاق ایک دن آپ کا جہاز سالونیکا میں کوئلہ لینے کے لیئے لنگر انداز ہوا تو وہاں کے ایک مقامی ترکی پاشا نے یہ سن کر کہ ملکہ معظمہ کا پوتا اس جہاز پر ہے کپتان سے مل کر پرنس سے ملنے کی خواہش کی۔ کپتان نے آپ کو بلوا بھیجا آپ کوئلہ بھروا رہے تھے ایسے کپڑے بدلے ویسے ہی فوراً چلے آئے۔ ترکی افسر نے آپ کے سیاہی آلود لباس کی وجہ سے آپ کو نہیں پہچانا اور متعجب ہو کر کہا کہ یہ کون ہیں؟ میں تو شہزادے سے ملنا چاہتا ہوں۔ کپتان نے کہا یہی پرنس جارج ہیں۔ ترکی افسر: "اللہ اکبر بادشاہ کا پوتا اور یہ کام!" کپتان: "خدمت سے عظمت ہے اور ادائے فرائض میں چھوٹے بڑے سب برابر ہیں" —

ترکی افسر: "سچ ہے "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد""

بے شک یہ ایک عمدہ مثال ہے مبارک ہے وہ ملک جہاں کے فرماں رواؤں کی یہ حالت ہو اور یہ دنیا میں نام آوری پیدا نہ کریں گے اور ترقی نہ کریں گے تو کون کرے گا تھرلیش جہاز کی کپتانی کے زمانے میں کسی ایک دوسرے جہاز پر ایک شخص ملازم تھا جو اپنی نافرمانی اور بدچلنی کے سبب کئی دفعہ جرمانے دینے کے علاوہ قید بھی بھگت چکا تھا چنانچہ اس کے اعمال نامے میں ان امور کا اندراج تھا۔ اس کی حالت پر ترس کھا کر اس کو اپنے جہاز پر بدلوا لیا اور اس کا اعمالنامہ دیکھ کر کہا دیکھو یہ باتیں

ایک بہادر سپاہی کے لئے کیسی نازیبا ہیں اگر تم مجھ سے پکا وعدہ کرو کہ اب سے ایسے کام نہ کرو گے تو تمھارے اعمال نامے کی کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ آپ کی ہمدردی کا اس پر اتنا بڑا اثر ہوا کہ اس نے اپنی ساری حرکات ناشایستہ سے توبہ کرلی آپ نے اسی وقت اس کا اعمال نامہ اس کے روبرو ہی چاک فرما دیا۔ حسب معمول سرشام ہیر سپاہی کو لوگ شہر گئے یہ بے چارہ جھگڑ پراگندہ روزی پراگندہ دل جہاز پر ہی پڑا رہا۔ جب آپ کو اس کی تنگ دستی کا حال معلوم ہوا تو اسے بلا کر ایک پونڈ دیا اور کہا کہ تم بھی سیر کر آؤ۔ بالآخر آپ کے اس سلوک کا ایسا عمدہ اثر ہوا کہ وہ سچ مچ کا ایک نیک اور محنتی شخص بن گیا اور تھوڑے ہی عرصے میں وہ ترقی کرتے کرتے میجری کے عہدے پر جا پونہچا۔

۱۸۹۱ء میں شہزادہ جارج جہاز کے مستقل کمانڈر ہوگئے۔

شہزادہ ایلبرٹ وکٹر کا انتقال اور پرنس جارج کی ولی عہدی

جھک گیا اے فورٹ ولیم آج کیوں جھنڈا ترا
کیسی چھائی ہوئی ہے تجھ پہ کیوں اے انڈیا
کہہ تو اے انگلینڈ و یورپ تجھ پہ کیا صدمہ پڑا
کس لئے غمگین ہے افریقہ و اے ایشیا
کیوں گلی کوچوں میں اے لندن ترے ماتم ہے آج
مر گیا ہے کون عالی جاہ کس کا غم ہے آج

قیصر انگلینڈ و ہندوستاں کے دل پہ ہے الم
ہے پرنس آف ویلز کے دل پہ ہوا کوئی ستم
پھول سے چہرے بچوں کے یک بیک کمھلا گئے
ہیں پرنس آف ویلز روتے آہ بھر کر دم بدم
سارا شاہی خاندان ہے مبتلائے درد و غم
کون سی آئی ہوا دل جس سے یوں مرجھا گئے

آج ہیں غمگیں گورنر جنرل ہندوستاں
صاحبان ملک کے بازو پہ ہے غم کا نشاں
کس کے مرنے نے زمانے کو تہ و بالا کیا؟
اور چھوٹے لاٹ سارے رنج میں ہیں بے گماں
افسران ملکی و فوجی ہیں مصروف فغاں
رنج میں ہے کل رعیت موت تو نے کیا کیا؟

یہ جنازہ کس کا اٹھا ہے بصد عز و وقار؟
ہیں پرنسس آف ویلز جس کو دیکھ کر یوں بے قرار
یہ جنازہ حضرت شہزادہ وکٹر کا ہے
ہیں پرنس آف ویلز روتے ساتھ جس کے زار زار
سن کے جس کا حال ہے ساری رعایا دلفگار
جو بڑا پوتا ہماری ہند کی قیصر کا ہے

اُٹھ گیا شہزادہ وکٹر جہاں سے ہائے ہائے ۔ کیسا سخت افسوس ہے ایسے جواں کو موت آئے
سلطنت کی آنکھ کے تارے پہ یاں اندھیر چھائے ۔ عیش و عشرت کا پلا یوں قبر کے کونے میں جائے
کیسا ہیبت ناک ہے ہر کام تیرا اے اجل ۔ کس قدر بدنام دیکھا نام تیرا اے اجل
اُس کی وہ صورت وہ حسن اور وہ جوانی ہائے ہائے ۔ اُس کی وہ یاد اور ساری زندگانی ہائے ہائے
کر دیا اے موت تو نے کس کو فانی ہائے ہائے ۔ وہ نہیں ہے اُس کا غم اُس کی نشانی ہائے ہائے
بولتی تصویر اے افسوس یوں خاموش ہو ۔ یوں اجل بے ہوش کر دے اُس کو جو ذی ہوش ہو
یاد ہے کچھ تجھ کو سن چوہتر کی ماہ جنوری ۔ تیرے آنے کی ہوئی تھی کیسی دنیا میں خوشی
آٹھویں تاریخ شہزادے کی پیدائش کی تھی ۔ آج اے سن بانوے کچھ اپنے دل میں سوچ بھی
یہ جوانی اور مرنا سخت تر افسوس ہے ۔ یورپ تا ہند جس کا گھر بہ گھر افسوس ہے
اے جہاں! پورے نہیں گزرے ابھی تک تین سال ۔ آئے تھے ہندوستان میں وکٹر فرخندہ فال
دیکھ کر شہزادۂ مرحوم کا خلق و جمال ۔ ہند کی ساری رعایا ہو گئی تھی بس نہال
کل جو تھا موجود سب میں آج وہ معدوم ہے ۔ کل جو تھا زندہ سلامت آج وہ مرحوم ہے
تھا ابھی لاہور میں جو اک شفاخانہ کھلا ۔ آپ کے ہی نام سے اُس کی ہوئی تھی ابتدا
واں سے ملتی تھی مریضوں اور غریبوں کو دوا ۔ آن میں واں آن کر ہر دکھ سے پاتے تھے شفا
یہ شفاخانہ بنا جس کے سبب وہ مر گیا ۔ داغ مرگ نوجوانی سب کے دل پر دھر گیا
سارے اہل محفل میں یہ ہی پہلے شخص تھے ۔ خانداں میں اپنے جو شادی کو راضی ہو گئے
تھیں پرنسس لیڈی آف ٹک اُن کی لیڈی ہائے ہائے ۔ تھوڑے ہی سے دن بس اب باقی رہے تھے بیاہ کے
پھول کھلنے بھی نہ پائے پھول خود کملا گیا ۔ بیاہ سے پہلے ہی پہلے موت کا دن آ گیا
یہ وہ غم صدمہ نہیں ہے جس کی ہم سب تاب لائیں ۔ پر وہ صدمہ ہی نہیں ہے جس کو جلدی بھول جائیں
کیوں نہ مارے غم سے چیخیں کیوں نہ ہم آنسو بہائیں ۔ پر خدا کے حکم سے مجبور ارشد سر جھکائیں
جو خدا چاہے کرے کچھ بس نہیں انسان کا ۔ میہماں دنیا میں ہے یہ آدمی کچھ آن کا
یا خدا دے حضرت قیصر کو روز افزوں حیات ۔ اور پرنس آف ویلز کی بے غم رہے دنیا میں ذات
دے پرنس ویلز کو بیٹے کے صدمے سے نجات ۔ بخش دے شہزادہ وکٹر کی روح پر صلوات

لطف عیسیٰ آسماں پر حامی و غم خوار ہو
مرنے والا ہے اکیلا تو ہی اس کا یار ہو

پرنس البرٹ وکٹر ولی عہد ہونے سے ڈیوک آف کلیرنس کہلاتے تھے ان کی نسبت ڈیوک آف ٹیک کی صاحب زادی پرنسس وکٹوریا میری سے ہو چکی تھی۔ ۱۸۹۱ء میں کرسمس کے تہوار کے وقت آپ کو کچھ انفلوانزا کی شکایت تھی اور مزاج بشاش نہ تھا۔ بعد میں شکایت بڑھ گئی اور ۱۴ر جنوری ۱۸۹۲ء کو یہ موذی مرض جان لے کر ہی ٹلا۔ پرنس وکٹر کی جواں مرگی سے سارا خاندان نہیں سارا انگلستان اور ہندوستان ماتم کدہ بن گیا یہ تہرا صدمہ تھا ایک نوجواں مرگی۔ دوسرے ولی عہد کا اٹھ جانا تیسرے شادی میں خانہ بربادی ہو جانا تسلی ہے تو محض اس بات سے کہ یہ مرحلہ ہر کس و ناکس کو درپیش ہے۔ کوئی آگے کوئی پیچھے سب کو یہ سفر ناگزیر ہے۔ پرنس جارج کو برادر بزرگ کے بھائی اپنے قوت بازو کے دفعتًہ اٹھ جانے کا بڑا قلق ہوا۔ آپ کو بحیثیت ضروری جہاز کی خدمت پر سے طلب کر لیا گیا۔ ۲۵ر مئی ۱۸۹۲ء کو پرنس کو حضور ملکہ معظمہ نے ایڈورڈ ہفتم کا ولی عہد تسلیم فرما کر ڈیوک آف یارک۔ ارل آف انورنیس سکاٹ لینڈ اور بیرن آف کلارنی آیرلینڈ کے خطابات دیئے۔ ۱۷ر جون ۱۸۹۲ء کو آپ نے ولی عہدی کا حلف لیا اور ۱۸۹۳ء میں ہوس آف لارڈز میں آپ بطور ڈیوک آف یارک کے شریک ہوئے۔

شادی

چوں کہ آپ کا سن شریف تیس کے لگ بھگ تھا آپ کی شادی کی نسبت چو طرف خیال دوڑایا گیا مگر بہتر سے بہتر یہی بات قرار پائی کہ پرنس وکٹر کی منگیتر سے بہتر اور کون ہے۔ پرنس وکٹر کے سبب قرار داد ہو کر ان کی موت نے جو کھنڈت ڈال دی اشک شوئی بھی ہو جائے گی ۳ر مئی ۱۸۹۳ء کو اس انعقاد کا شاہی اعلان بھی نافذ ہو گیا اور ۶ر جولائی کی سبھ گھڑی قرار پائی۔ اس شادی کی بہار کا بیان صفحۂ قرطاس پر خارج از امکان ہے۔ بڑی دھوم دھام سے جلوس نکلا۔ ساری سڑکیں اور رستے پٹے پڑے تھے۔ شاہ ڈنمارک۔ زار روس۔ پرنس جرمن اور دیگر سلطنتوں کے سفیر۔ ہز ہائنس مہاراجہ کپورتھلہ۔ ٹھاکر صاحب گونڈل۔ ہز ہائنس سر آغا خاں اور سارے ممبران دودمان شاہی اس مبارک تقریب میں شریک تھے۔ بکنگھم پیلس میں شاہانہ

دعوت ہوئی۔

اس شادی سے لوگ نہال نہال تھے۔ دولہا دلہن کے دیدار کے واسطے بے قرار۔ ملکہ معظمہ آنجہانی کو اپنی عزیز رعایا کی دل جوئی فرض اولین تھا چنانچہ حضور ممدوحہ محل کی چھت پر مع دولہا دلہن کے برآمد ہوئیں اور رعایا کو خوب دل بھر کر دولہا دلہن اور عروسی جوڑے کے دیکھنے کا موقع دیا۔ مسٹر گلیڈسٹون وزیر اعظم نے ملکہ معظمہ کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ "وہ پرنس جارج گو ابھی کم سن ہیں مگر چشم بددور اپنی صفات حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کے سبب رعایا کے دلوں کو مسخر کر چکے ہیں۔ انھوں نے اپنی ساری عمر ملک کی اس خاص بحری خدمت کی انجام دہی میں صرف کی ہے جس پر ان کے اہل وطن کو بجا ناز ہے۔"

حضور ملکہ معظمہ کا اعلان

چونکہ ملکہ معظمہ نے اپنے پیارے پوتے کی شادی خانہ آبادی پر رعایا برایا کا سچا جوش اور خوش عقیدتی کو بہت بڑھا ہوا پایا آپ نے مراحم خسروانہ سے یہ فرمان عطوفت نشان صادر فرمایا:۔

"مابدولت اپنی رعایا کے اس جوش مسرت کے اظہار پر از حد خوش ہیں جو انھوں نے ہمارے پوتے کی شادی کے موقع پر ظاہر کی ہے۔ واقعی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ ہماری رعایا ہماری شادی و غم میں سچی ہمدردی کا اظہار کرتی رہی ہے۔ مابدولت اپنی رعایا کی ہمدردی سے بخوبی آگاہ ہیں کیونکہ ایسا رشتۂ اتحاد جو رعایا اور شاہ کے مابین ہوتا ہے استحکام سلطنت کا باعث ہوتا ہے۔ حضور مابدولت اپنی رعایا کی اس دعا میں تہ دل سے شریک ہیں کہ جو ہمارے پیارے شہزادوں کی خوشی اور سلامتی کے لئے وہ منا رہے ہیں۔"

پانچ بجے شام کے قریب ایک چار اسپہ گاڑی میں دولہا اور دلہن سوار ہو کر سینڈرنگھم کو روانہ ہوئے اور سارے رستے ان پر پھولوں کی بچھاور ہوتی رہی۔ کیمبرج میں مبارکباد کا ایڈریس پیش کیا گیا۔ آپ کو جس قدر خطاب ملے ان کے ساتھ کوئی نقدی عطیات نہ تھے سوائے ڈیوک آف کارنوال کے کہ اس کی نو لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی تھی۔

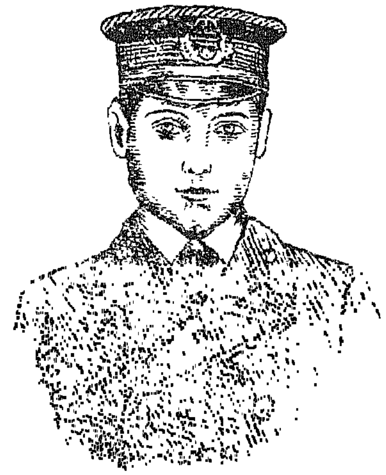
آپ کی بیگم صاحبہ کا بھی نو لاکھ وظیفہ مقرر کیا گیا۔

اولاد

(۱) پرنس ایڈورڈ البرٹ کرسچین جارج اینڈریو پیٹرک ڈیوڈ

پرنس آف
۲۳ جون ۱۸۹۴ء
فریڈرک آرتھر جارج
(۳) وکٹوریا الگزینڈرا
ولادت ۲۵ اپریل
ہنری ولیم
۳۱ مارچ ۱۹۰۰ء
الگزینڈر ایڈمنڈ
(۶) جان چارلس
۱۲ جولائی ۱۹۰۵ء

ویلز ولادت
(۲) البرٹ
پیدائش ۱۴ دسمبر ۱۸۹۵ء
ایلس میری (پرنسس میری)
۱۸۹۷ء (۴)
فریڈرک البرٹ پیدائش
(۵) جارج ایڈورڈ
ولادت ۲۰ دسمبر ۱۹۰۲ء
فرانسس ولادت
وفات ۱۹۱۹ء



شاہزادہ ویلز

شادی سے ولی عہدی تک

۱۸۹۷ء میں آپ مع اپنی بیگم صاحبہ کے سرکاری طور پر آئرلینڈ تشریف لے گئے

گورنمنٹ ہوس میں جہاں آپ ٹھیرے تھے آئرلینڈ والوں نے ایڈریس پیش کیا بڑی شاندار دعوت ہوئی۔ آپ کوئی ایک ہفتہ تک ڈبلن دارالخلافہ آئرلینڈ میں تشریف فرما رہے اور مختلف مقامات کی سیر فرمائی اور مناسب تقریریں کیں۔ پھر ۱۸۹۹ء اور ۱۹۱۱ء میں پرائیوٹ طور پر آئرلینڈ کی سیر کو تشریف لے گئے۔ بیسویں صدی کے شروع میں بحر ہند وغیرہ کی نوآبادیوں میں سلطنت کے اعلیٰ تعلقات کے متعلق بالکل نئی تحریکیں شروع ہوئیں دور دور کے علاقوں سے جنرل گارڈن کی مدد اور خرطوم کی واپسی کے لئے فوجیں آئیں جن میں نہ صرف آئرلینڈ اور کینیڈین ہی شامل تھے بلکہ نیوزیلینڈ لنکا۔ طسمانیہ اور سنگاپور کی پلٹنیں بھی شریک تھیں چنانچہ ان نوآبادیوں کے لوگوں نے اپنی وفاداری اور نمک حلالی کے صلے میں پارلیمنٹ ملنے کی

خواہش کی یکم جنوری سنہ ۱۹۰۱ء کو کوئین وکٹوریا نے ان کی درخواست کو شرف
قبولیت بخشا اور اعلان فرما دیا کہ جزائر نیو ساؤتھ ویلز وکٹوریا جنوبی و غربی
آسٹریلیا، کوئینز لینڈ اور طسمانیہ کو حکومت متحدہ آسٹریلین کامن ویلتھ
کے نام سے عطا کی جائے جس کے افتتاح کے لیے پرنس جارج ڈیوک
آف یارک مقرر ہوئے لیکن اسی اثناء میں کوئین وکٹوریا کی وفات کا سانحہ
پیش آیا اور خیال ہوا کہ اب شاید پرنس نہ جا سکیں لیکن آخر کار یہی بات ٹھیری
کہ ملکۂ آنجہانی کے فرمان کی تعمیل ہونی چاہیے اور اعلیٰحضرت ایڈورڈ ہفتم نے
عنان حکومت اپنے دست قدرت میں لیتے ہی ارشاد فرمایا کہ "ما بدولت
کو اگرچہ اس زمانے میں اپنے لخت جگر کی جدائی شاق ہوگی مگر اس خیال سے
کہ والدۂ مکرمہ کی خواہشات کی تکمیل ہونی چاہیے اور چونکہ آنکھیں اور ان
کے ساتھ ما بدولت کو بھی اپنی رعایا سے آنروئے یکجہتی سے خاص دلآویزی
ہے اس لیے ہم نے قرار دیا ہے کہ آسٹریلیا کا دورہ موقوف نہ ہو بلکہ اس میں
نیوزیلینڈ کا دورہ بھی شامل ہو"۔ پرنس کی روانگی کے لیے اوفیر نامی جہاز
آراستہ و پیراستہ کیا گیا جس میں چھاپے خانہ، لائبریری اور شفا خانہ بھی تھا
چھوٹے بڑے افسر ملا کر سوا پانسو ہمراہی تھے۔ ۱۶ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء کو پرنس مع
اپنی بیگم صاحبہ کے روانہ ہوئے۔ ۲۰ مارچ کو جبرالٹر میں پہنچے وہاں کے
گورنر نے بڑا اہتمام کیا۔ جبرالٹر سے مالٹا اور مالٹا سے عدن پہنچے جہاں پانچ
میل تک سڑک کے دو رویہ آرائش کی گئی تھی۔ مختلف مقامات کے عرب سردار
سومالی لینڈ کے حکام اور افواج استقبال کے لیے موجود تھے مختلف
سلطنتوں کے جہازوں اسٹیمروں پر ویلکم (خوش آمدید) کے پھریرے
اڑ رہے تھے۔ اوفیر کے پہنچتے ہی (۳۱) توپوں کی سلامی ہوئی۔ عدن میں آپ نے
آتش خیز پہاڑی چشموں اور تالابوں کی سیر کے بعد شہر کے مشہور مقامات
ملاحظہ کیے جس کے بعد مسٹر اچ سی ولشا نے ایڈریس پیش کیا اور پرنس کی طرف
سے اکابر اور حکام کو دعوت دی گئی یہاں سے سیلون روانہ ہوئے۔ کلمبو
پہنچے پیشوایان [illegible] نے ایڈریس پیش کیا مختلف مقامات کے ملاحظہ کے

بعد دربار عام ہوا جس میں والیان ریاستہائے سیلون نے اطاعت و فرماں برداری کا اظہار کیا۔ **عرابی پاشا** جو بطور اسیر سلطانی یہاں تھے وہ بھی باریاب ہوئے۔ جن کو معاف فرماکر اپنے وطن مالوف بھجوادیا۔ **سنگاپور** میں سلاطین ملایا سے ملاقات ہوئی۔ سنگاپور کے گرد کے جزائر کی بھی سیر فرمائی۔ ۶ مئی کو آپ کا جہاز **ملبورن** کے بندر پر لنگر انداز ہوا جہاں آسٹریلیا کے چار جہازوں نے سلامی دی اور (۳۵) ہزار لڑکوں نے جو سمندر کے کنارے جمع تھے **ہپ ہپ ہرا** کے نعرے لگائے اس موقع پر بے حد مجمع تھا اور گردو نواح سے پونے چار لاکھ آدمی سمٹ آئے تھے۔ شاہی سواری کا بڑا بھاری جلوس نکلا ایک بڑا سلسلہ فوج اور نفیس گاڑیوں کا تھا شہزادے مع خاتون محترمہ کے ایک پر تکلف گاڑی میں سوار تھے آپ کے پیچھے بہت سی گاڑیاں تھیں جلوس کے دوسرے دن نمائش گاہ والے مکان میں دربار **لیوی** ہوا لارڈ **ہوپ ٹون** گورنر جنرل نے ایڈریس پڑھا جس کے جواب میں شہزادے نے فرمایا۔ ”اگرچہ جدہ ماجدہ کی زندگی میں ہی میرا یہاں آکر پارلیمنٹ کا افتتاح کرنا قرار پاچکا تھا مگر اُن کے فوری انتقال پُر ملال سے سب کو یہی خیال پیدا ہوا کہ شاید میرا یہاں آنا ملتوی رہے لیکن والد مکرم نے اس فرمان کو پورا کرنے کا اعلان اپنی پہلی سپیچ میں فرمایا۔ جنگ ٹرنسوال میں جس قدر امداد آسٹریلیا کے بہادروں نے دی وہ ابدالآباد تک بھولنے والی نہیں۔ آسٹریلیا تاج برطانیہ کا ایک درخشندہ جواہر ہے۔ اس کی سرسبزی میں گورنمنٹ انگریزی کی سرسبزی ہے اور اس کی بہتری و خوشی ہمیشہ فرمانروائے تخت برطانیہ کو ملحوظ خاطر ہے۔ اب میں والد مکرم کی طرف سے اس امر کا اظہار ضرور سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں کو جنگ ٹرنسوال میں ہمدردی کی وجہ سے میں آپ کو متحدہ کامن ویلتھ دینے کا اعلان کرتا ہوں تاکہ جو اختیارات اس پارلیمنٹ کو حاصل ہوں انہیں عمل میں لانے میں تاج برطانیہ کی خیر خواہی اور ارادت مندی کو ترقی ہو اور آخیر میں ہم احکم الحاکمین خداوند عالم و عالمیان سے دعا کرتے ہیں کہ یہ اتحاد جو آسٹریلیا اور گورنمنٹ انگلشیہ کے مابین قائم ہوا ہے۔ رعایائے آسٹریلیا کی ترقی اور بہبودی کے حق میں اور بھی مفید ثابت ہو اور اس گورنمنٹ عالیہ کو اور بھی قوت اور استحکام حاصل ہو۔“ **کوئینز لینڈ** **نیو ساؤتھ ویلز** کے مدد مقامات کے دورے کے بعد جزائر

ماریشش - جاوا - نیوزیلینڈ - کیوبک - طسمانیہ وغیرہ دیکھے - جنوبی اسٹریلیا
سے جنوبی افریقہ تشریف لے گئے راستے میں جزیرہ ماریشش میں چار
روز مقام رہا - ۱۳ ر اگست کو ڈربن پونہچ کر سرکاری فوج کا ملاحظہ کیا جس میں لارڈ کچنر
بھی شریک تھے - زولو قوم کے پچپن سرداروں نے سلامی دی چوں کہ بوئروں
سے جنگ چھڑے تھوڑے ہی دن گزرے تھے اس لیئے درباری تقریر میں آپ
نے فرمایا - "خدا کرے زمانہ جو بڑے بڑے غموں کو بھلا دینے والا ہے یہاں کے باشندوں
کو بھی کامل صبر عطا فرمائے اور یہ ملک جلد ان مصائب سے نجات پائے - سرداران
حبش کے ایڈریس کے جواب میں فرمایا - "ہماری دادی صاحبہ آں جہانی کو جو محبت
اپنی رعایا سے تھی والد مکرم بھی اُسے بوجہ احسن قائم رکھیں گے اُنھوں نے اپنی والدہ
محترمہ کا برتاؤ رعایا سے دیکھا ہے ان شاء اللہ ان کے قدم بقدم چلیں گے اور انھیں
کی مثال کا نمونہ بنا کر حبش کی رعایا پر خاص توجہ مبذول فرمائیں گے - کیپ ٹاؤن
کے لڑکوں کی دعوت ہوئی اُنھوں نے بڑے خلوص سے ایک ٹٹو آپ کو نذر دیا کہ
"یہ ناچیز تحفہ اپنے شہزادے پرنس ایڈی (موجودہ ولی عہد ملک معظم جارج پنجم) کے
لیئے قبول فرمایئے" یہاں کی یونیورسٹی نے آپ کو چینسلر مقرر کیا - یہاں آپ کینڈا
گئے جہاں لارڈ منٹو گورنر جنرل تھے (جو ہندوستان میں بھی سنہ ۱۹۰۵ء تک گورنر
جنرل رہے) اس نوآبادی کے دار الصدر کیوبک نے بھی ایڈریس دیا اور
یہاں کی مشہور یونیورسٹی نے آپ کو ایل ایل ڈی کی ڈگری دی - مشہور تاریخی
مقامات کی سیاحت کے بعد اٹاوہ یونیورسٹی اور دیگر درس گاہوں کو ملاحظہ فرمایا
پھر ونکوور اور وکٹوریا دیکھنے کے بعد اس لمبے سفر کا خاتمہ ہوا - واپسی کے وقت
آپ ٹارنٹو - آبشار نیاگرا دیکھ کر کنسٹن ہو کر سینٹ لارنس پونہچے - ۱۹ ر
اکتوبر کو ہیلی فیکس اور ۲۱ ر کو نیو فونڈ لینڈ ہوتے ہوئے مع الخیر والعافیت وطن داخل
ہوئے - چوں کہ ۹ ر نومبر سنہ ۱۹۰۱ء کو آپ کی عدم موجودگی میں آپ کو باقاعدہ طور پر
ولی عہد اور ارل آف چیسٹر مقرر کیا گیا تھا اس لیئے لندن کی تشریف آوری
پر آپ کا جلوس شاہی حیثیت سے بڑی دھوم دھام سے نکلا - سفر سے واپسی پر
گلڈ ہال میں آپ نے ایک معرکۃ الآرا اسپیچ فرمائی جس میں سفر کے تجربات نوآبادیوں

کے حالات اور ہندوستان کی تجارت کی ترقی اور خیر خواہی کے حالات حب وطنی ساتھ ہندوستان کی قواعد اور سب کیفیتیں مفصل بیان فرمانے کے بعد آخر میں یہ فرمایا کہ "اگر ہمارے انگلستان کے کاریگر ان لوگوں کی ضرورت کے مطابق مال تیار کریں اور ان منڈیوں کو نظر میں رکھیں تو معقول فائدے اٹھا سکتے ہیں" اس کے بعد آپ چند سال وطن میں رہے۔ اگرچہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ سلطنت کے ان حصوں کو دیکھیں جو باقی رہ گئے ہیں لیکن ملک معظم کی ناگہانی علالت کی وجہ سے جشن تاج پوشی رک گیا تو ایسی نازک حالت میں آپ کیسے جا سکتے تھے۔

ولی عہد کی حیثیت سے ہندوستان کی سیاحت

جب آپ تاج پوشی کے دربار پر باضابطہ ولی عہد مقرر ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے خواہش ظاہر فرمائی کہ آپ ہندوستان جاکر دیکھیں چنانچہ لارڈ کرزن وائسرائے نے یکم جنوری ۱۹۰۳ء کی دربار تاجپوشی کی سپیچ میں اس بات کا اعلان فرما دیا تھا۔ ملک معظم نے اواخر ۱۹۰۵ء آپ کی سیاحت کا وقت مقرر فرمایا اور یہ بھی مژدہ اہل ہند کو سنایا کہ آپ کی لیڈی صاحبہ بھی ساتھ ہوں گی۔ رینوون نامی جہاز جس میں ڈیوک آف کناٹ ہندوستان تشریف لائے تھے وہی آپ کے لیے آراستہ کیا گیا جس میں کھانے، سونے، نشست، ناچ، ہسپتال، لیبرری اور دیگر ضروریات کے کمرے جدا جدا سجائے گئے۔ آپ کے مصاحبین میں سر والٹر لارنس اور کئی نامور اصحاب تھے اور اسی طرح لیڈی صاحبہ کے ساتھ چند نامور لیڈیاں تھیں۔ ملک معظم نے آپ کی سیاحت کا تفصیلی پروگرام اپنی ذاتی نگرانی میں مرتب فرما دیا تھا اور یہ بھی اعلان فرما دیا تھا کہ کوئی تحفہ قبول نہ کریں گے البتہ میونسپلٹیوں اور دیگر جماعتوں کے ایڈریس مع کاسکٹ (صندوقچی) کے منظور فرمائیں گے۔

۹ر نومبر ۱۹۰۵ء کو آپ کا جہاز مع خدم و حشم کے سہ پہر کے وقت بندرگاہ بمبئی میں پہنچا۔ لارڈ اور لیڈی کرزن استقبال کے لیے موجود تھے۔ آنریبل سر فیروز شاہ مہتہ نے کارپوریشن کی طرف سے مبارکباد کا ایڈریس پڑھا جس میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ "شہنشاہ بیگم شاہی خاندان کی پہلی لیڈی ہیں جنھوں نے سرزمین

ہندوستان کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مفتخر فرمایا۔ **ولی عہد بہادر کا جواب** ۔ "کوئی بیس برس ہوئے ہوں گے جب کہ والد مکرم نے اس جگہ تقریر فرمائی تھی۔ اگرچہ اُن کی سیاحت کا زمانہ مثل خواب ہی مگر وہ اُس کو فراموش نہیں کرتے وہی اشتیاق مجھے بھی کشاں کشاں لایا ہی اور میں تہ دل سے مشکور ہوں کہ آپ نے اس خواب کو سچ کر دکھایا ہی۔ والد مکرم کے قدم بقدم چلنے سے اس بارے میں ہم نے پرانی روایات کو مستحکم کر دیا ہی اور مجھے امید ہی کہ ہماری آیندہ نسلیں بھی اس کی تقلید کریں گی۔ میں نے پدر بزرگوار اور جدۂ ماجدہ سے ہندوستان اور ہندوستان والوں سے محبت ترکہ میں پائی ہی اور ایام طفولیت سے ہندوستان کے ساتھ مہربانی۔ وفاداری خوش اخلاقی اور بہادری کو منسوب کرتے آئے ہیں اور ہم بوثوق کہتے ہیں کہ یہ ابتدائی خیالات آیندہ چند ماہ کے تجربے سے اور مضبوط ہو جائیں گے"!

بمبئی میں شاندار جلوس کے علاوہ پبلک نے نہایت پرجوش استقبال کیا۔ والیان ریاست ہندو مسلمان پارسی جنٹلمینوں سے ملاقاتیں کیں۔ کئی ملوں (پتلی گھر) اور خاص خاص حرفتی کارخانوں کو ملاحظہ فرمایا ایک عالی شان دربار میں شرکت فرمائی اور چھ روز کے قیام کے بعد **اندور** تشریف لے گئے یہاں سرکار عالیہ **بیگم صاحبہ بھوپال** مہاراجہ صاحبان **رتلام۔ اورچھا۔ دتیا۔ چرکھاری** سے ملاقات فرمائی اور ایک شاندار دربار میں ان والیان کو تمغے پہنائے جو ملک معظم نے بھجوائے تھے۔ ریذیڈنسی میں ایک **گارڈن پارٹی** ہوئی جس میں مہاراجہ دتیا کے ایک ہاتھی نے خوب خوب کرتب دکھائے۔ شام کو غربا کو کھانا کھلایا گیا۔ مئو کے رسالے اور بھوپال کے لانسرز کی قواعد بہت پسند آئی۔ ملک معظم کی یادگار میں **کنگ ایڈورڈ ہال** کا افتتاح فرمایا۔ **اودی پور** میں آپ نے زرہ بکتر والے بہادر سپاہی اور تیس گھوڑوں سانڈنیوں اور ہاتھیوں پر سوار ملاحظہ فرمائے ہز ہائنس کی صرف ایک ہی رانی سن کر اور نیز اُن کی قادر نشانہ بازی پر تحسین و آفرین کی۔ یہیں خورد سال ٹھاکر صاحب بیدلہ بھی باریاب ہوئے جو وہی تلوار لگائے ہوئے تھے جو اُن کے والد کو غدر کی وفاداری خدمات کے صلے میں ملی تھی۔ اودی پور کی جھیل کا نظارہ بہت پسند آیا۔ **جے پور** ہز ہائنس مہاراجہ صاحب بہادر کو ولایت میں شرف باریابی حاصل ہو چکا تھا یہاں شاہی دعوت

کے علاوہ شیر کا شکار بھی ہوا۔ مہاراجہ صاحب نے آپ کی تشریف آوری کی یادگار میں انڈین قحط ریلیف فنڈ میں عطیہ سابقہ کے علاوہ تین لاکھ روپیہ عطا فرمایا۔ ہز ہائینس نے اپنی تلوار نکال کر آپ کے قدموں پر رکھ دی۔ بیکانیر یہاں کے مہاراجہ صاحب کو بھی ولایت سے نیاز حاصل تھا۔ بڑا پرجوش استقبال ہوا۔ جنگلی کبوتر وں اور سور کا شکار رہا۔ آپ کی تشریف آوری کی مسرت میں اپنی فوج کا بقیہ نصف حصہ بھی امپیریل سروس میں دے دیا۔ شاہزادے صاحب نے بیکانیر کیمل کور کی تعریف فرمائی۔ لاہور یہاں لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب اور دیگر حکام کے علاوہ والیان ریاست ہائے کشمیر۔ پٹیالہ۔ بہاولپور۔ جیند۔ نابھہ۔ کپورتھلہ۔ منڈی۔ سرمور۔ مالیر کوٹلہ۔ فرید کوٹ۔ چمبہ۔ سکیت وغیرہ استقبال میں شریک تھے۔ سارا شہر آراستہ تھا۔ میونسپلٹی اور پنجاب ایسوسی ایشن کی طرف سے ایڈریس پیش ہوئے۔ شہر میں بھی جلوس نکلا۔ والیان ریاست اور بعض معززین کو شرف باریابی دیا گیا۔ چھاؤنی میاں میر میں فوجی قواعد ملاحظہ فرمائی جس میں ریاستوں کی فوجیں شامل تھیں۔ لاہور کے چار روزہ قیام کے بعد پشاور کا نمبر آیا۔ یہاں تمام سرحدی رؤسا و قبائل حاضر تھے۔ آپ نے درۂ خیبر۔ لنڈی کوتل۔ علی مسجد وغیرہ سرحدی مقامات کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ آفریدی جرگوں نے نہایت خلوص و عقیدت سے عرض کیا کہ ہمارے سر اور ہماری جائدادیں حضور پر نثار ہیں اور اپنے دستور کے موافق شہد کے چھتے اور بھیڑیں نذر دیں۔ راول پنڈی میں لارڈ کچنر کمانڈر انچیف نے آپ کو (۲۵) ہزار فوج کی مشقی جنگ دکھلائی۔ جموں میں بڑی دھوم دھام رہی دعوت اور روشنی بڑی پر لطف تھی۔ آپ کی تشریف آوری کی یادگار میں پرنس آف ویلز کالج قائم ہوا۔ غربا کو کھانا کھلایا گیا۔ آپ نے چار ہزار امپیریل سروس ٹروپس کا ملاحظہ فرمایا۔ امرتسر میں دربار صاحب کا مشہور سنہری مندر اور خالصہ کالج ملاحظہ فرمایا اور ایڈریس قبول فرمایا۔ جس کیسکٹ میں ایڈریس تھا اس پر دربار صاحب کا نہایت خوبصورت نقشہ کندہ تھا۔ دہلی تاریخی مقام ہے۔ قلعہ قطب صاحب کی لاٹ۔ ہمایوں

صفدر جنگ کے مقبرے۔ جامع مسجد۔ غدر کی یادگاروں میں سے فلیگ سٹاف ٹاور
ہندو راؤ کا مکان سب جگہیں ملاحظہ اقدس سے گزریں۔ مقامی رؤسا بھی
باریاب ہوئے۔ آگرہ۔ بڑی چیز تاج گنج اور دوسری مشہور عمارتیں مثل قلعہ
ومقبرہ اعتماد الدولہ سکندرہ وغیرہ ملاحظہ ہوئیں اور ملکہ وکٹوریا کے سنگی مجسمہ کا
افتتاح فرمایا۔ ۲۰ دسمبر گوالیار۔ یہاں کے مہاراجہ سے بھی آپ کی پہلی ملاقات تھی
آپ نے ایک بہت بڑا نادر جلوس ہاتھیوں کا نکالا۔ ہاتھیوں کے روپہلی سنہری
ہودے اور عماریاں اور ان کی سجاوٹ اور جھلمل جھلمل کرتی ہوئی جھولیں سے گھنٹے
عجیب کروفر اور ایک نادر نظارہ تھا۔ دوسرے دن دربار میں ہز ہائنس تعظیماً
اپنی مسند سے نیچے اتر آئے۔ فوجی قواعد دکھلائی اور اس خوبی سے کام کیا کہ
لوگ دنگ رہ گئے۔ ریاست کے دو عمدہ کالج دکھلائے۔ پھر شکار ہوا جس میں
آپ نے ایک شیر مارا۔ بڑا دن بھی یہیں ہوا۔ شب میں بڑی بھاری دعوت ہوئی
لکھنؤ میں سر جیمس لاٹوش لفٹنٹ گورنر نے مع تعلقہ دار صاحبان اودھ
استقبال کیا۔ بڑا بھاری جلوس نکالا گیا جس کے بعد ریزیڈنسی اور دیگر مشہور عمارات
کا ملاحظہ ہوا اور تعلقہ دار صاحبوں کا ایڈریس قبول فرمایا۔ یہاں آپ نے شاہ مینا
کے میدان میں میڈیکل کالج کا سنگ بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھا
جو تعلقہ داران اودھ نے آپ کی تشریف آوری کی یادگار میں قائم کرنا تجویز کیا
تھا اور جس کے لیے سر ہارکورٹ بٹلر جو ڈپٹی سکرٹری موجودہ لفٹنٹ گورنر
بہادر نے بڑی سعی فرمائی اور تعلقہ دار صاحبان اودھ کی دریا دلی سے بارہ لاکھ
روپیہ کی خطیر رقم ایک قلیل عرصے میں جمع ہو گئی۔ اس چندے میں بڑی بھاری
بھاری رقمیں راجہ سر تصدق رسول خاں۔ راجہ سر علی محمد خاں محمود آباد اور مہاراجہ
صاحب بلرام پور کی تھیں۔ ۲۹ دسمبر سے ۶ جنوری تک کلکتہ مقام رہا۔ لارڈ منٹو
گورنر جنرل نے مراسم استقبال کے ساتھ ایک ایڈریس پیش کیا۔ امپیریل
کیڈٹ کور کے ممبروں کو دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے۔ گورنمنٹ ہوس میں
ایک دربار لیوی بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوا جس میں بڑے بڑے مقامی لوگ حاضر
تھے۔ حضور نے کنگز اون رجمنٹ کو جھنڈے تقسیم فرمائے۔ گھوڑ دوڑ

ملاحظہ فرمائی۔ یکم جنوری سنہ ۱۹۰۷ء میں کلکتہ میدان میں بڑی بھاری پریڈ ہوئی اور دوسرے
اسی میدان میں ہندوستانیوں کے کھیل تماشے اور جلسے ہوئے۔ کلکتہ کے صوبہ
کے رؤسا کے علاوہ تبت کے تاشی لامہ۔ بھوٹان اور سکم کے رؤسا
بھی موجود تھے۔ وکٹوریا میموریل ہال کا سنگ بنیادی رکھتے وقت
حضور نے ارشاد فرمایا "ہم یہاں آج ایک بہت بڑے رنج و محبت کی یادگار قائم کرنے کے لیئے جمع ہوئے ہیں۔ اس وسیع
اور بوقلمون ملک میں مجھ کو اور میری بیگم کو قریباً ہر روز اس بات کا ثبوت ملتا رہا کہ ہندوستان نے کس وسیع طریق پر اپنی
اول ملکہ قیصرہ کی محبت کا جواب دیا ہے۔ اس عجیب و غریب طریقہ اظہار شکر گزاری نے
ہمارے لیئے ایک لازمی طور سے فخر اور گرم جوشانہ امیدوں کو پیدا کر دیا ہے تاج محل
جس نے ہم کو مسرور و مفتون کر دیا اپنی خوبیوں میں آپ ہی نظیر ہے لیکن آیندہ نسلوں
کے زمانے میں ایک بہت بڑی ملکہ کی یادگار جس کی ہمدردی نے فاصلے اور وسعت
کی دیواریں توڑ دیں ایک مورخ کے دل میں ویسے ہی خیالات پیدا کر دے گی جو تاج محل
کو دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں"
مہاراجہ سر رامیشور سنگھ بہادر آف دربھنگہ نے شہزادہ والاجاہ کے حضور
میں ایک لاکھ روپیہ کی گراں قدر رقم اس غرض سے پیش کی تھی کہ حضور جس کار خیر
میں پسند فرمائیں اسے لگا دیں۔ اس میں سے نوے ہزار روپیئے آپ نے میڈیکل کالج
کو مرحمت فرمائے۔ کلکتہ سے دارجلنگ دیکھ کر ۹ جنوری کو آپ بارک پور میں رہے
اور برھما جاتے جاتے دو دن رنگون میں اقامت فرمائی۔ مانڈلے میں آپ نے
ہاتھیوں کے جنگل سے بڑی بڑی شہتیریں لانے ان کے اٹھا لنے اور چڑھانے کے
عجیب و غریب کام دیکھے کہ حضرت انسان بھی حیوانات کو کس طرح سدھا کر اپنے قابو
میں کر لیتے اور کس خوبی سے اپنا کام نکالتے ہیں۔ مانڈلے جو ہزار مندروں کے لیئے
مشہور ہے یہاں کے مشہور شوے ڈیگن اور ارکان کے مندر حضور نے ملاحظہ
فرمائے۔ یہاں کی جھیلوں اور دلدلوں میں بطوں کا شکار ہوا۔ مدراس یہاں کے
گورنر لارڈ ایمپتھل نے مع والیان ریاست کے استقبال فرمایا۔ گونڈ (ایک جنگلی قوم)
لوگوں کا عجیب و غریب ناچ آپ کو ملاحظہ کرایا گیا۔ شاہی دعوت۔ جلوس اور روشنی
سب قابل دید تھی۔ میسور دعوت ہوئی ٹیکنیکل کالج سرنگاپٹن میں حیدر علی خاں

اور ٹیپو سلطان کا مقبرہ ملاحظہ فرمایا اور ہاتھیوں کی گرفتاری کا تماشہ جو کھیدا کہلاتا ہے اور بڑی بہار کا تماشہ ہے دیکھا۔ ۸ر فروری کو حیدرآباد دکن ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست میں قدم رنجہ فرمایا۔ ریلوے سٹیشن پر حضور پُرنور اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی نواب میر محبوب علی خاں بہادر مرحوم و مغفور نے بہ نفس نفیس استقبال فرمایا۔ جلوس سے سواری آئی دوسرے دن صبح سویرے سکندرآباد میں جو بڑی فوجی چھاؤنی ہے پریڈ ہوئی جس میں کوئینز اون رجمنٹ کو جھنڈے تقسیم کیے گئے۔ حضور پُرنور باوجود اپنی صاحبزادی کی سخت علالت کے نہایت استقلال سے شریک رہے اور وہیں آپ کو خبر انتقال کی بھی پہنچی مگر آپ نے ایسا ضبط کیا کہ ذرا بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔ شاہزادے کی مہمان داری کا انتظام بڑے اعلیٰ پیمانے پر تھا اگر حضور پُرنور کو اپنی بڑی صاحبزادی کی جواں مرگی کا سخت صدمہ تھا مگر آپ نے فرمایا کہ سارے لوازمہ مہمان داری کے پوری طرح ادا کیے جائیں۔ گو ساری تقاریب حسب پروگرام ہوئیں مگر اداسی چھا گئی تھی۔ جب شاہزادے کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے بڑا افسوس کیا اور گہری ہمدردی کا اظہار فرمایا اور شہزادی صاحبہ محل میں تعزیت کو تشریف لے گئیں۔ چونکہ راقم بھی ان تقاریب میں حاضر تھا مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہزادہ والا جاہ نے رزیڈنٹ صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ آپ نے ہم کو صاحبزادی صاحبہ کی ایسی شدید علالت کی اطلاع نہیں دی ورنہ ہم اس موقع پر اپنا آنا ملتوی کر دیتے۔ شکار بھی ہوا جس میں آپ نے ایک شیرنی۔ دو چیتے اور ایک تیندوا مارا۔ وکٹوریا زنانہ ہاسپٹل کا افتتاح بھی آپ نے فرمایا۔ ۱۷ر فروری کو سواری بادبہاری الور آئی یہاں بھی پورا پورا انتظام تھا۔ مشہور مقامات ملاحظہ ہوئے اور دعوت ہوئی۔ بنارس میں شان دار جلوس نکلا۔ مشہور مقامات ملاحظہ ہوئے۔ گنگا میں روشنی کی بڑی بہار رہی۔ جن بہادر گورکھوں نے کانگڑے کے زلزلے میں نمایاں خدمات کی تھیں اُن کو تمغے مرحمت ہوئے۔ ہندو کالج کا ملاحظہ ہوا۔ مسز اینی بسنٹ کے ہال میں چائے نوشی فرمائی۔ بنارس کے بعد نیپال کا قصد کیا مگر وہاں ہیضہ پھوٹ پڑنے سے ملتوی رہا اور بجائے اس کے دوبارہ گوالیار میں دو ہفتے تک آپ مصروف سیر و شکار رہے جہاں راجہ صاحب بہادر نے جنگلات میں کافی انتظام فرمایا تھا

۶ مارچ کو آپ محمڈن کالج علی گڑھ مسلمانوں کی سب سے بڑی تعلیم گاہ میں تشریف لائے ہز ہائینس سر آغا خاں اور نواب محسن الملک بہادر مع ٹرسٹیوں اور معززین کے استقبال کیا۔ آپ نے کالج کو بڑے شوق سے ملاحظہ فرمایا اور ایڈریس بھی قبول کیا اور سرسید علیہ الرحمہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ بعد میں تمام ٹرسٹیان کالج کے ساتھ لنچ تناول فرما کر عزت افزائی کی۔ شملہ کی سیر فرمائی۔ ۱۲ مارچ کو کوئٹہ تشریف لے گئے جہاں سرحدی سرداروں نے آپ کا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ خان قلات اور جام لسبیلا سے بھی ملاقات کی۔

سیاحت سندھ بخیر و خوبی ختم فرما کر ۱۷ مارچ کو آپ کراچی میں داخل ہوئے یہاں آپ نے کوئین وکٹوریا کے سنگ مرمر کے مجسمہ کا افتتاح فرمایا۔ بلوچی رجمنٹ نمبر (۱۳۰) کا ملاحظہ فرمایا جس کے کرنل خود بدولت ہی ہیں اور حسب حکم شاہی کے مطابق خطابات اور تمغے مرحمت فرمائے اس تمام سفر میں مہاراجہ کرنیل سر پرتاب سنگھ بہادر مہاراجہ ایدر آپ کے ہمراہ تھے جو یہاں سے رخصت ہوئے۔ علی گڑھ ہندو اور خالصہ کالجوں میں آپ نے اپنی تصاویر کو اپنے دستخط سے مزین فرما کر بطور یادگار دیں اور ہر جگہ کے معابد گاہوں میں معقول نذرانے بھی چڑھائے۔ ۱۹ مارچ کو آپ کراچی سے اسی جہاز میں جس میں کہ تشریف لائے تھے روانہ ہوئے۔ کراچی سے رخصت ہوتے وقت آپ نے یہ تقریر فرمائی:-

"جو لوگ میدانی ملکوں کی سخت تکلیف رساں آب و ہوا میں رہ کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں میں نے اُن کی حالتوں کو فراموش نہیں کیا ہم کو بخوبی معلوم ہے کہ قحط کے دنوں میں صابر اور محنتی کاشتکاروں پر کیا گزرتی ہے۔" راستے میں مصر دیکھتے ہوئے پورٹ سعید کی بندرگاہ پر رونق افروز ہوئے وہاں آپ کے صاحبزادے اپنے الدین سے ملنے کے لیے موجود تھے۔ لندن پہنچے تو بڑا بھاری استقبال ہوا وزیر ہند۔ وزیر اعظم لارڈ کرزن کے علاوہ حضور ملک معظم مع ملکہ الگزینڈرا موجود تھے۔ بخیر و خوبی سفر ختم ہونے پر ویسٹ منسٹر ایبی میں نماز شکرانہ ادا کی گئی۔ آپ کی مع الخیر واپسی پر گلڈ ہال میں ایک بڑی پر تکلف دعوت دی گئی جس میں بڑے بڑے امرائے انگلستان کے علاوہ چند ہندوستانی معززین بھی موجود تھے۔ آپ نے ایک بہت بڑی اسپیچ اس سفر کے متعلق دی جس کا اقتباس یہ ہے:-

وہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اس ہندوستان کے سفر کا میرے دل پر کیا اثر ہوا تو میں فوراً یہ جواب دوں گا کہ ہندوستان کی سیر کو جب ہم لوگ جاتے ہیں تو اس کی وسعت کا مطلق لحاظ نہیں کرتے۔ اس کا رقبہ روس کو چھوڑ کر کل یورپ کے برابر ہے جس میں تیس کروڑ مختلف قوموں فرقوں اور نسلوں کے لوگ بستے ہیں جن کی شائستگی کا معیار جدا اور خیالات مختلف ہیں۔ ہندوستان کی وسعت۔ اس کی عظمت۔ اس کی مختلف آب و ہوا۔ سر بفلک برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑ نامتناہی ریگستان۔ بڑے بڑے دریا۔ عظیم الشان عمارات اور قدیم روایات نے ہم کو محو حیرت بنا دیا۔ ہندوستانیوں کا صبر و استقلال۔ سیدھی سادی زندگی۔ اطاعت شعار۔ عقیدت مندی۔ مذہبی جوش کا خاص خاصہ ہے۔ ہم سے یہ بات مخفی نہیں رہی کہ ہمارے انصاف اور ایمانداری پر ہندوستانیوں کو کافی بھروسہ ہے۔ جہاں تک ہم نے ہندوستانیوں کو دیکھا اور ان کی نسبت سنا ہے ہم اس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر طرز حکومت میں ہمدردی کا عنصر اور بڑھا دیا جائے تو ہندوستان کی حکومت بہت ہی آسان ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی بطور پیشین گوئی کہتے ہیں کہ اگر ایسا کیا جائے تو جو معاوضہ ہندوستانیوں کی طرف سے پیش کیا جائے گا وہ خاصہ ہوگا۔ وہ انگریز جو ہندوستان میں حکومت کرنے کے لئے جاتے ہیں انھیں چاہئے کہ ہندوستان جا کر خود اہل ہند کی ضروریات کو دریافت کریں اور حاکم و محکوم میں ایسا رشتۂ اتحاد قایم کریں جس سے انگلستان اور ہندوستان کے باہمی تعلقات اور بھی مستحکم ہو جائیں" آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بے اثر نہ رہے اس کے بعد ہی ۲ نومبر سنہ ۱۹۰۸ء کو پنجاہ سالہ زمان سلطنت کا اعلان شایع فرمایا۔ (جو دوسری جگہ درج ہوا ہے) جس میں حضور ملکہ معظمہ کا مشہور فرمان ۱۸۵۸ء کا دہرایا گیا۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں توسیع کونسل کا قانون پاس کر کے وایسریگل لیجسلیٹو کونسل میں ہندوستانی ممبروں کی تعداد بڑھا دی اور وایسرائے کی اگزیکیوٹو کونسل میں بھی ایک ہندوستانی کا تقرر منظور ہوا۔ سکرٹری آف سٹیٹ کی کونسل میں بھی دو ہندوستانیوں کا شمول ہوا۔ پریوی کونسل میں ریسٹ آنریبل سید امیر علی کو لیا گیا۔ آپ نے چلتے چلاتے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ وہ ہمیشہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کو گوشۂ خاطر میں جگہ دیں گے۔

بادشاہوں کا قول قول ہوتا ہے آپ نے اس وعدے کو خوب نبایا۔ حیدرآباد دکن میں جب رود موسی کی طغیانی کی بلائے بے درمان آئی تو آپ ہی نے سب سے پہلے حضور نظام کو ہمدردی کا پیام بھیجا۔ جو معزز ہندوستانی اس کے بعد انگلستان پہنچے اُن کو محل شاہی میں مدعو فرما کر اعزاز باریابی بخشا چنانچہ والیان ریاست اور رؤسا کے علاوہ قابل ترین آدمیوں میں سے بھی آنریبل مسٹر گوکھلے کو بھی اپنے محل خاص میں کھانے پر مدعو فرما کر سرفراز فرمایا۔

سیاحت ہند کے بعد کچھ عرصے تک آپ وطن میں رہے سنہ ۱۹۰۶ء میں آپ اپنی چچیری بہن پرنسس وکٹوریا آف بیٹن برگ کی شادی کی تقریب میں اسپین تشریف لے گئے۔ جب دولہا دلہن گرجا سے واپس آ رہے تھے اور اُن سے بعد کی گاڑی میں آپ تھے کسی نے دونوں گاڑیوں کے بیچوں بیچ تاک کر بم پھینکا مگر فضل خدا شامل حال تھا کسی کو صدمہ نہ پہنچا البتہ چند ادھر اُدھر کے آدمی قربان ہو گئے۔ پھر آپ اپنے بہنوئی پرنس چارلس آف ڈنمارک کے ناروے کے بادشاہ ہونے پر تاجپوشی کی تقریب میں مع بیگم صاحبہ کے تشریف لے گئے تھے کچھ عرصہ بعد بطور نائب مالک معظم کیوبک اور کینیڈا کے ٹرسینٹنری تہوار میں تشریف لے گئے جہاں آپ نے ایک عظیم الشان فوج کا ابراہم کی بلندیوں ملاحظہ فرمایا سنہ ۱۹۰۹ء میں اپنی ذات جاگیر کارنوال کا پانچ دن میں دورہ کرکے کاشتکاروں سے نہایت رحم و انصاف کا برتاؤ کیا اور اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا کہ میں اس کو اپنا فرض اولین سمجھتا ہوں کہ تم لوگوں کے آرام و خوشی کا بندوبست کروں تاکہ میرے کاشتکار پہلے مجھ کو اپنا دوست سمجھیں اور بعد کو آقا مجھ کو یقین ہے کہ ان کا آرام اور خوشی میری بھی خوشی کا باعث ہوگا۔

ذاتی حالات

بالکل بے تکلفانہ اور سادی سی زندگی گزران کرتے ہیں کسی پر شاہی دبدبہ ڈالنے کے روادار نہیں۔ امیر غریب سب سے ملتے ہیں بڑی کشادہ پیشانی اور کریمانہ اخلاق سے۔ ع۔ نہد شاخ پرمیوہ سر بر زمین کے پورے مصداق ہیں۔ گفتگو میں اگرچہ محتاط ہیں مگر جب تقریر کرنے لگتے ہیں تو ہو بہو نقشہ سامنے کھڑا کر دیتے ہیں۔ آپ کا کلام بالکل صاف و سلیس چھوٹے چھوٹے

جماعوں کا عام فہم اور بڑا پُر اثر ہوتا ہے۔ ہر معاملے پر نہایت فراخ دلی اور صفائی قلب سے اظہار رائے فرماتے ہیں جس سے الجھا ہوا معاملہ بھی سلجھ جاتا ہے۔ ہمدردی اور فیاضی دونوں صفات اللہ تعالیٰ نے آپ میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں۔ مصائب اور حوادث میں سب سے پہلے آپ کا دست کرم بڑھتا ہے ۱۸۹۷ء کے ہندوستان کے قحط اور ۱۹۰۴ء کے کانگڑے کے زلزلے میں آپ نے ہمدردی کا تار دیا اور مصیبت زدوں کے لئے ولایت میں چندہ کھولا۔ اسی طرح ہسپتالوں محتاج خانوں اور غربا کے ہر قسم کے کاموں میں امداد دیا کرتے ہیں تعلیم کے کاموں سے بھی آپ کو بڑی دلچسپی ہے چنانچہ آپ نے اپنی تاجپوشی کی یادگار میں پچاس لاکھ روپیہ سالانہ کی بیش قرار امداد منظور فرمائی۔ کتب تواریخ سے آپ کو خاص دلچسپی ہے۔ باوجود بادشاہ ہونے کے بھی جب کبھی آپ کو کوئی پرانا رفیق یا بحری فوج کا ملازم مل جاتا ہے تو آپ اُس سے بڑے تپاک سے ملتے ہیں اور جن رئیسوں سے بزمان ولی عہدی تعارف ہو گیا تھا بادشاہ ہونے پر بڑے خلوص سے ملے چنانچہ ہز ہائینس مہاراجہ صاحب بہادر بیکانیر کو اپنا اے ڈی کانگ مقرر فرمایا۔ اور منشی عبدالکریم صاحب سی آئی ای انڈین سکرٹری حضور ملکہ معظمہ کے پوتے کو خاص شرف باریابی بخشنے کے واقعات آپ کی قدر پروری کی عمدہ مثالیں ہیں۔ کھیلوں میں کرکٹ۔ بلیرڈ۔ گھوڑ دوڑ۔ باکسنگ اور شکار کی طرف میلان طبع ہے پر لئے ٹکٹ جمع کرنے کا آپ کو بڑا مذاق ہے۔

اعلان شاہی دربارہ تقرر تاریخ تاجپوشی

جارج آر۔ آئی

جیسا کہ ہم اعلان شاہی مطبوعہ ۱۹ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء میں مع اور امور کے اپنے شاہی ارادے کا اظہار شہنشاہی دربار تاجپوشی منعقد کرنے کے متعلق کر چکے ہیں جس کے مطابق ہماری پیاری ملکہ آئندہ جون میں ویسٹ منسٹر کے گرجا میں کوئین تسلیم کی جائیں گی ہم نے اس مبارک تقریب کو خداوند تعالیٰ کی برکات و عنایات سے منعقد کرنے کے لئے ۲۲ جون سنہ ۱۹۱۱ء یوم پنجشنبہ قرار دیا ہے۔

پس ہم اس اعلان شاہی کے ذریعے نہ صرف اطلاع دیتے بلکہ اس تقریب سعید پر فرائض مقرر کرتے ہوئے اپنی پیاری رعایا کو حکم دیتے ہیں کہ وہ فرائض جس جس عہدے اور پوزیشن اور جس جس قسم کے یا جن جن لوگوں خواہ افسران ماتحتوں اور مہمانوں کے متعلق ہوں ہمارے دربار کارونیشن میں خدمات انجام دینے اور اس تقریب کو کامیاب بنانے میں مدد دیں۔

اس موقع پر کل تین تقریبیں ہوں گی جن کے جواب دہ ڈپٹی ہوں گے اور ہر ایک شخص جس کے متعلق کسی فرض کی ادائی عائد کی گئی ہو وہ خود یا اس کے ماتحت اسے بحسن و خوبی انجام دیں ورنہ اگر بغیر عذر اور ہماری اجازت کے کسی نے کوتاہی کی تو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس کی بابت ہم بعد میں سوچیں گے۔

جیسا کہ ہم نے اس اعلان شاہی میں اظہار کیا ہے اور اس سے پہلے ۱۹ر جولائی کے اعلان میں ظاہر کر چکے ہیں کسی طرح بھی ہمارا ارادہ تبدیل نہ ہوگا کیوں کہ ہم اس خیال کو شاہی مرضی خیال کرکے دربار تاجپوشی کو جو ویسٹ منسٹر ہال میں منعقد ہوگا ایک مسرت آمیز تقریب خیال کرتے ہیں۔ ما بدولت کی پیشگاہ سینٹ جیمس سے آج ۷ر نومبر ۱۹۱۱ء کو ما بدولت کے جلوس کے سال اول میں صادر ہوا۔ خداوند تعالیٰ حضور ملک معظم کو سلامت رکھے۔

چوں کہ جون کا مہینا موسم خوش گوار ہونے سے برس کی رانی کہلاتا ہے اس لیے عموماً رسم تاجپوشی اسی مبارک مہینے میں کی جاتی ہے۔ جلوس کی گزرگاہوں پر آرائش اور زیبائش کا انتظام بڑے بھاری پیمانے پر کیا گیا۔ ویسٹ منسٹر ابی میں سات ہزار مہمان جلیل القدر کی نشست کا بندوبست کیا گیا۔ تمام یورپ کے سلاطین اور سفراء کو دعوت دی گئی جن میں سے بہت سے شریک ہوئے۔ ملکہ وکٹوریا کی تاجپوشی پر ساڑھے دس لاکھ اور ایڈورڈ ہفتم کے وقت میں پونے انیس لاکھ صرف ہوئے لیکن اس دفعہ بہت بڑا اہتمام تھا اور (۵۴) لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ دربار کا وقت ساڑھے نو بجے مقرر تھا مگر آٹھ بجے تک اکثر صاحبان نے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی تھی۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے سواری مبارک بسواری بگھی رونق افروز ہوئی اور ابی کا مغربی دروازہ آپ کی آمد کے لیے کھول دیا گیا۔ سب سے اول ولی عہد جرمنی اور شہزادیاں آئیں جب وہ بیٹھ لیں تو بگل بجا جس کے ساتھ ہی شاہی خاندان کے

ممبروں کی آمد شروع ہوئی جن میں سب سے پہلے حضور ولی عہد بہادر تشریف لاکر صف اول میں متمکن ہوئے آپ کے ایک طرف ڈیوک آف کناٹ اور پرنس آرتھر اور دوسری طرف پرنس اور پرنسس جلوہ فرما تھیں پھر آرکیسٹرا بجا اور حضور ملک معظم رونق افروز ہوتے ہی سب حاضرین سروقد مؤدب کھڑے ہوگئے بعد میں ملکہ معظمہ بڑی شان و شوکت سے تشریف لائیں۔ اس کے بعد ملک معظم اور ملکہ معظمہ منصے پر تشریف فرما ہوئے اور مراسم تاجپوشی اصول مقررہ کے موافق ادا ہوئے جو بہت طول طویل ہیں شائقین خواہان تفصیل انگریزی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔ بعد اختتام مراسم پھر اسی جلوس اور شان و شوکت سے جیسے کہ سواری باد بہاری رونق افروز ہوئی تھی شاہی گاڑیوں پر سوار ہوکر رعایائے مشتاق کے جم غفیر کے سلاموں کا جواب دیتے ہوئے محل بکنگھم کو تشریف لے گئے شب میں بڑی بھاری دعوت محل شاہی میں ہوئی غربا کی ایک بڑی تعداد کو بھی کھانا کھلایا گیا۔ شہر میں روشنی کی گئی اور آتش بازی چھوڑی گئی۔ دربار سے فراغت کے بعد ہندوستانی رؤسا کی باریابی ہوئی جن میں مہاراجہ صاحب بہادر اندور۔ مہاراجہ صاحب بہادر بڑودہ۔ ٹھاکر صاحب بہادر گونڈل۔ ٹھاکر صاحب بہادر شاہ پورہ۔ سر آغا خاں سے تھے۔ لندن کی تاجپوشی کا وہ جشن جس میں پینتالیس لاکھ صرف ہوئے ہوں اس کا بیان پینتالیس سطروں میں کیسے سما سکتا ہے لہذا جو کچھ لکھا گیا اس کو محض ایک جھلک سمجھنا چاہئے اس قابل دید اور پر تکلف جشن کی خبر کا انصرام بڑے کروفر سے لندن میں ہوا۔ چونکہ ملک معظم نے ملک ہندوستان میں بمقام دہلی بنفس نفیس رونق افروز ہوکر اپنی تاجپوشی کی تقریب ہمایوں کا انعقاد فرمایا لہذا اس کی کیفیت حصہ اول میں درج کی گئی ہے

سنہ ۱۹۱۴ء میں جب کہ دنیا کی ساری قومیں ایک ایسی ہولناک لڑائی میں جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی ایک دوسرے کو تکا بوٹی کر رہی تھیں اس معرکہ عظیم نے ہندوستان کی قابل قدر دلی وفاداری کو خوب دیکھ لیا کئی سپاہیوں کو وکٹوریہ کراس ملی ہندوستانی فوج کے ہر طبقے نے یورپ۔ ایشیا اور افریقہ میں بلا تفریق ملت و مذہب خواہ ہندو ہو یا مسلمان یا سکھ یوریپنوں کے ساتھ ساتھ ایک جان و قالب ہوکر اس طرح مل مل کر حقیقی اور بے لوث امداد کی کہ بھروسہ اور اعتماد کا بیمہ ہو گیا ہے

اور حضور ملک معظم کا ارشاد بہت بجا ہے کہ ہندوستانی رعایا کے خانگی اور پبلک تعلقات میں آیندہ روز بروز اتحاد اور موافقت کا عنصر غالب رہے گا۔ توقع کی جاتی ہے کہ حضور اقدس و اعلیٰ جو بہ مشاورت اپنے دانش مند وزرا اور ارکان سلطنت کے وقتاً فوقتاً اصلاحات فرما رہے ہیں وہ ملک اور رعایا برایا کے حق میں مفید ثابت ہوں گی اور ہر آنے والا ویسرائے جو سلطنت کے نظم و نسق کے بار گراں کو اپنے دوش پر لے خداوند کریم اُسے ایسی عقل سلیم اور وہ دانش مندی بخشے جس کی ضرورت ایسی ایک سلطنت کے لئے نہایت ضروری ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہے اور نیز یہ کہ ہندوستان کی تمام مختلف قومیں اپنے بادشاہ اور حکام کو پوری وفادارانہ امداد دیں جس کے بدون کسی سلطنت کی ترقی ناممکن ہے۔ جنگ کے آغاز میں جو اعلان شاہی سنہ ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا ہے وہ اور سنہ ۱۹۱۹ء کا وہ اعلان عطوفت نشان جو مسٹر مانٹیگو وزیر ہند اور لارڈ چیمسفورڈ والیسرائے کی تجویزوں پر صادر ہوا ہے نہایت غور سے پڑھنے کے قابل ہے:۔

سنہ ۱۹۱۴ء کا پیغام شاہی من جانب ملک معظم جارج پنجم

حضرت ممدوح کی بالذات حکمران گورنمنٹوں اور رعایا کے نام

گزشتہ چند ہفتوں سے میری دولت کی سلطنت کے کل لوگ خواہ وہ ہوم سلطنت کے ہوں یا ماوراء البحر کے یک دل اور یک جہت ہو کر اس حملے کی مقاومت اور انسداد کے لئے جو قیام سولیزیشن اور امن انسانی پر کیا گیا ہے ایسے آمادہ ہو گئے ہیں کہ جس کی نظیر نہیں ہے۔ یہ مصیبت ناک معرکہ میرا برپا کیا ہوا نہیں ہے۔ میری ساری پکار امن کی طرف تھی۔ میرے وزرا نے ایسے جھگڑے کو جس کو میری سلطنت سے تعلق نہ تھا ٹھنڈا کرنے اور اختلاف مٹانے کی سر توڑ کوشش کی۔ اگر میں اُن معاہدات کے علی الرغم علیحدہ کھڑا ہو جاتا جس کی ایک فریق میری سلطنت تھی سرزمین بلجیم ویران ہو جاتی اور اس کے شہر اجڑ جاتے۔ جب کہ فرنچ قوم کا وجود خود عین معرض خطر میں تھا تو میں گویا اپنی وقعت کو بٹہ لگاتا اور اپنی سلطنت اور نسل انسانی کی آزادی کو تباہ کرتا۔ میں خوش ہوں کہ

میری سلطنت کا ہر حصہ اس فیصلے میں میرے ہم خیال ہے۔ معاہدات کی اہمیت۔ حکم رانوں اور لوگوں کے مواثیق کا سب سے مقدم خیال رکھنا برطانیہ عظم اور اس کی سلطنت کی ہمیشہ سے میراث رہی ہے۔ میری خود حکم راں سلطنتوں کی رعایا نے بلا شائبۂ شک ظاہر کر دیا ہے کہ وہ دل و جان سے اس اہم فیصلے سے ہم زبان ہیں جس کے اختیار کرنے کی ضرورت داعی تھی۔ ماورا البحر کی سلطنتوں کی وفاداری اور جاں نثاری کے متعلق میرے ذاتی علم نے مجھے اس امید پر آمادہ کر دیا ہے کہ وہ بطیب خاطر بڑی کوششیں کریں گے اور بڑے نقصانات برداشت کریں گے جو معرکۂ حالیہ کے ساتھ مستلزم ہیں۔ جس طرح پورے طور پر انھوں نے اپنی خدمات اور ذرائع آمدنی مابدولت کے اختیار میں دے دیئے ہیں اس نے مجھے احسان مندی سے مملو کر دیا ہے اور مجھے فخر ہے کہ میں دنیا پر اس امر کے اظہار کے قابل ہوا ہوں کہ میرے ماورا البحر کے لوگ بھی اس حق بہ جانب معاملے کو کام یاب انجام پر پہنچانے کے لئے ایسے ہی تلے ہوئے ہیں جیسے کہ ممالک متحدہ کے لوگ۔

کینیڈا کی سلطنت۔ آسٹریلیا کی جمہوری سلطنت اور نیوزیلینڈ کی سلطنت نے اپنی بحری افواج مابدولت کے اختیار میں تفویض کر دی ہیں جو سلطنت کے لئے اب تک بھی اچھی خدمات کر رہے ہیں۔

کینیڈا۔ آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ میں زبردست حملہ آور لشکر محاذ کی خدمات کے لئے تیار کئے جا رہے ہیں اور جنوبی افریقہ کی یونین نے تمام انگریزی افواج کو سبک دوش کر کے تمام اہم فوجی ذمہ داریاں اپنے ذمے لے لی ہیں جن کا انصرام سلطنت کے لئے بے انتہا قیمتی ہوگا۔

نیو فونڈلینڈ نے اپنی بحری شاہی رزرو فوج کی شاخ کی تعداد کو المضاعف کر دیا ہے اور محاذ کی عملی کارروائی میں حصہ لینے کے لئے ایک (معقول) تعداد سپاہیوں کی بھیج رہے ہیں۔

کینیڈا کی سلطنت اور پراونشل گورنمنٹوں کی جانب سے سامان رسد کے کثیر التعداد اور قابل قدر تحائف میرے بحری اور فوجی دونوں لشکروں اور ممالک متحدہ کی مصائب کی تخفیف کے لئے روانہ ہو چکے ہیں جن کا لڑائی کی ہلچل میں ہونا لازمی ہے۔

اس طریقے سے میری سلطنت کے ماوراء البحر کے تمام حصص نے باوجودیکہ اُن کے حالات اور مواقع مختلف ہیں اصول اتحاد سلطنت کو یقینی طور پر ثابت کر دیا ہے۔

ہندوستانی رؤسا اور رعایا کے نام

اُن بہت سے واقعات میں سے جن کے سبب سے مابدولت کی سلطنت کے باشندے ایک دم اتحاد اور راست بازی کی محافظت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں کسی چیز نے میرے دل پر اس سے زیادہ اثر نہیں کیا ہے جتنا کہ اُس ولولۂ جاں نثاری نے جو میرے تخت کے ساتھ رعایا اور باج گزار رؤسا و والیان ہند دونوں نے ظاہر کیا ہے اور نیز اُن کے جان و مال کے فیاضانہ پیشکش نے جو انھوں نے سلطنت کے معرکے میں کیا ہے۔

اس معرکے میں پیش قدمی کے لیے اُن کے ہم آہنگ مطالبے نے میرے دل پر خاص اثر کیا ہے اور اُس محبت اور خلوص کو اعلیٰ ترین درجے پر پہنچا دیا ہے جس نے میں بخوبی جانتا ہوں کہ ہمیشہ سے ہندوستانی رعایا کو اور مابدولت کو وابستہ کر دیا ہے۔ ہندوستان کا وہ قابل قدر پیغام خیر سگالی اور یگانگت جو انگریزی قوم کو فروری ۱۹۱۲ء میں میری واپسی کے وقت دہلی میں میرے دربار تاجپوشی کے سنجیدہ مراسم کے بعد پیش کیا تھا مجھے یاد ہے اور اس آزمائش کی گھڑی میں میں ایک بھرپور ثمرہ اور ایک شریفانہ ایفاء اُس اطمینان کا جو آپ نے دلایا تھا کہ برطانیۂ اعظم اور ہندوستان کا سنجوگ ناقابل انفکاک طور پر جوڑا گیا ہے پاتا ہوں۔

اعلان شاہی

جارج پنجم بفضل ایزدی تاجدار ممالک متحدہ برطانیہ عظمیٰ و آئرلینڈ و مقبوضات برطانوی ماورائے بحر۔ شاہ۔ دین پناہ شہنشاہ ہند کی طرف سے مابدولت کے وائسرائے اور گورنر جنرل ہندوستانی والیان ریاست اور مابدولت کی تمام رعایائے ہند بلا امتیاز نسل و مذہب کو بعد از سلام واضح ہو کہ

(۱) ہندوستان کی تواریخ میں آج سے ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ مابدولت نے

ایک ایسے قانون کی شاہی منظوری عطا کی ہے۔ جو اُن عظیم تواریخی تدابیر میں شامل ہوگا جو اس سلطنت کی پارلیمنٹ نے ہندوستان کے نظام حکومت کی بہتری اور اُسکے باشندگان کے اطمینان کی افزونی کے لیئے وقتاً فوقتاً منظور کی ہیں ۱۷۷۳ء کے ایکٹ آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر کے زیر تحت باقاعدہ نظم ونسق اور عدل وانصاف کے انتظام کی غرض سے وضع کیئے گئے تھے۔ ۱۸۳۳ء کے ایکٹ نے ہندوستانیوں کے لیئے سرکاری عہدوں اور ملازمت کے دروازے کھول دئیے تھے ۱۸۵۸ء کے ایکٹ کی رو سے عنانِ حکومت کمپنی بہادر کے ہاتھ سے نکلکر تاج برطانیہ کی طرف منتقل کردی گئی۔ اور ہندوستان کی موجودہ پبلک زندگی کی بنیاد پڑی۔ ۱۸۶۱ء کے ایکٹ نے ہندوستان میں نیابتی مجالس کا بیج بویا اور اُس بیج نے ۱۹۰۹ء کے ایکٹ سے نشوونما حاصل کی۔ جو ایکٹ اب قانون کی صورت میں منظور کیا گیا ہے اُس کے زیر اثر باشندگان کے منتخب شدہ نمائندوں کو حکومت میں مخصوص حصہ تفویض کیا جاتا ہے۔ اور یہ ایکٹ بعد میں مکمل ذمہ دارانہ حکومت کا راستہ بتاتا ہے۔ اگر جیسا کہ بدو کو کامل اُمید ہے۔ وہ پالیسی جو اس ایکٹ کی رو سے اختیار کی جاتی ہے۔ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی تو اُس کے نتائج انسانی ترقی کی تاریخ میں نہایت اہم ہوں گے اور اس وقت مناسب اور برمحل ہے کہ مابدولت تمھیں آج اس امر کی دعوت دیں کہ اس پر غور کرو۔ اور ہمارے ساتھ آیندہ کی اُمیدوں میں شریک ہو۔

(۲) جب سے ہندوستان کی خیر و فلاح ہمیں تفویض کی گئی ہے۔ ہمارے شہنشاہی گھرانے اور ہمارے خاندان نے اس کو ایک مقدس امانت تصور کیا ہے۔ ۱۸۵۸ء میں ملکہ معظمہ وکٹوریا آنجہانی نے باضابطہ طور پر اپنے آپ کو اپنی ہندوستانی رعایا کے ساتھ انہیں فرائض کے احساسات سے وابستہ کیا جن سے وہ اپنی دوسری رعایا سے وابستہ تھیں۔ اور ان کو ان کی مذہبی آزادی اور قانون کی مساوی اور غیر جانبدار حفاظت کا یقین دلایا۔ اُس پیغام میں جو ہمارے پیارے والد معظم شاہ ایڈورڈ ہفتم نے ۱۹۰۳ء میں ہندوستانیوں کے نام ارسال فرمایا تھا۔ اعلان کیا تھا کہ ان کا مصمم ارادہ ہے کہ اُنہی ہمدردانہ اور منصفانہ انتظام حکومت کے اصولوں کو غیر متغیر انداز سے برقرار رکھا جائے۔ پھر ۱۹۰۸ء کے اعلان میں اعلیحضرت آنجہانی نے گزشتہ پچاس سال کے وعدوں کی تجدید کی۔ اور اس ترقی

ایک نظر باز گشت ڈالی جوان کی وجہ سے ظہور میں آئی تھی ۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں تخت نشین ہونے پر خود مابدولت نے ہندوستان کے والیان ریاست اور باشندگان کے نام ایک پیغام بھیجا تھا جس میں مابدولت نے ان کی وفاداری اور مطابعت کا اعتراف کیا تھا کہ ہندوستان کی خوشحالی اور شادمانی ہمارے لئے ہمیشہ انتہائی دلچسپی اور وابستگی کا موجب ہوگی ۔ ایک سال بعد مابدولت نے علیا حضرت شہنشاہ بیگم کی معیت میں ہندوستان کا سفر کیا ۔ اور اپنی اس ہمدردی کا جو مابدولت کو اس کے باشندوں کے ساتھ ہے اور اپنی اس آرزو کا جو مابدولت کے دل میں ان کی بہتری کے لئے ہے ثبوت دیا ۔

(۳) یہ وہ جذبات محبت و شفقت ہیں جن سے مابدولت اور ہمارے پیشرو متاثر ہوتے رہے ہیں ۔ ساتھ ہی پارلیمنٹ اور اس قلمرو کے باشندگان اور ہمارے جو عہدہ دار ہندوستان میں ہیں ہندوستان کی اخلاقی اور مادی ترقی کے لئے یکساں سرگرمی سے مستعد رہے ہیں ہم نے ہندوستان کے لوگوں کو ان کثیر التعداد برکات سے مستفیض کرنے کی کوشش کی ہے ۔ جو خدائے تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہیں ۔ لیکن ابھی تک ایک عطیہ باقی ہے جس کے بغیر کسی ملک کی ترقی مکمل نہیں ہو سکتی ۔ اس عطیہ سے ملک کے باشندگان کا اپنے معاملات کا انتظام اور اپنے مفاد کی حفاظت کرنے کا حق مراد ہے ۔ بیرونی حملوں کے خلاف ہندوستانی مدافعت کا کام تو امپیریل مفاد اور افتخار کا مشترکہ فرض ہے ۔ مگر اس کے اندرونی معاملات کا انصرام ایک ایسا بوجھ ہے جو ہندوستان جائز طور پر اپنے کندھوں پر اٹھانے کی تمنا کر سکتا ہے یہ بار گراں تمام و کمال حیثیت سے اس وقت تک نہیں اٹھایا جا سکتا جب تک کہ وقت کے گذرنے اور تجربہ کے حاصل ہونے سے لوگوں میں اس کے اٹھانے کی طاقت پیدا نہ ہو جائے لیکن اب ان کو تجربہ کی ترقی اور انجام دہی کی قابلیت کے ساتھ ساتھ ذمہ داری کی زیادتی کا موقع دیا جائے گا ۔

(۴) مابدولت کی نیابتی مجالس کے حصول کے واسطے اپنے باشندگان ہند کی روز افزوں تمنا کو سمجھتے ہیں ۔ اور اسے ہمدردی سے ملاحظہ کرتے رہے ہیں یہ تمنا قلیل ابتدا سے شروع ہو کر ملک کے سمجھدار طبقہ میں اپنے اثر کو رفتہ رفتہ مضبوط کرتی گئی ہے ۔ تحریک ہذا آئینی حدود کے اندر رہ کر اخلاص اور جرأت سے ترقی کرتی گئی ہے ۔ اور اس بدنامی کو مٹا کر زندہ رہی ہے جو مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر نافرمان لوگوں کے رویہ سے جو حب الوطنی کے

جنہیں ہیں سرکشانہ افعال کا ارتکاب کرتے رہے ہیں۔ اس خواہش پر عائد ہوتی ہے۔ اس آرزو کو اسی نصب العین سے جن کے لیئے برطانوی اقوام کی دولت مشترکہ جنگ عظیم میں لڑتی رہی ہے اور زیادہ تقویت پہنچی ہے۔ اور اس حصے سے جو ہندوستان نے ہماری مشترکہ جدوجہد اندیشیوں اور فتوحات میں لیا ہے۔ اسے اپنے دعوے میں تائید حاصل ہوتی ہے۔ حقیقت میں سیاسی ذمہ داری کی خواہش کا سرچشمہ ہندوستان کے ساتھ برطانوی تعلق کی بنیاد میں موجود ہے۔ انسانی تواریخ اور خیالات سے زیادہ گہرے اور زیادہ وسیع مطالبے جس کا موقع اس تعلق سے ہندوستانی لوگوں کو حاصل ہوا ہے۔ لازمی طور پر اس آرزو کو پیدا کر دیا ہے۔ اس کے بغیر ہندوستان میں اہل برطانیہ کا کام نامکمل رہ جاتا ہے۔ اس لیئے وہ تدابیر دانشمندانہ تھیں۔ جن سے کئی سال پہلے نیابتی مجالس کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ ان کے حلقہ اثر کو منزل بمنزل وسیع کیا گیا۔ تا اینکہ اب ہمیں نظر آرہا ہے کہ ذمہ دارانہ حکومت کی راہ میں ایک اور قدم بڑھایا گیا ہے۔

(۵) اسی ہمدردی اور بیش از بیش دلچسپی کے ساتھ مابدولت اس راہ پر ترقی کے متمنی ہوں گے۔ یہ راستہ آسان نہیں اور منزل مقصود کی جانب قدم زن ہونے میں مابدولت کی رعایائے ہند کے تمام طبقوں اور قوموں کو اس میں بردباری اور استقلال کی ضرورت ہوگی۔ مابدولت کو اعتماد ہے کہ یہ اعلیٰ صفات یقینی طور پر پیدا ہو جائیں گی۔ ہم نئی مجالس عامہ پر اعتماد کرتے ہیں۔ کہ وہ ان لوگوں کی خواہشات کی دانشمندی سے ترجمانی کریں گی۔ جن کے وہ نمایندے ہیں اور ان عوام کے مفاد کو بھول نہ جائیں گی جنہیں ابھی حقوق انتخاب نہیں دیئے جا سکتے۔ مابدولت لوگوں کے لیڈروں یعنی آئندہ کے وزراء پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ اس ذمہ داری کے لیئے تیار ہوں گے غلط فہمیوں کو برداشت کریں گے اور سلطنت کے مشترکہ مفاد کی خاطر بہت ایثار سے کام لیں گے اور اس امر کو یاد رکھیں گے۔ کہ صحیح حب الوطنی فرقہ بندی اور جماعت وار حدود کی پابندیوں سے بالاتر ہے۔ اور مجلس قانونی کا اعتماد قایم رکھ کر غیر ضروری اختلاف کو دور کرنے اور عادل اور مہربان حکومت کے ضروری معیار کو قایم رکھنے کے لئے مابدولت کے عہدہ داروں کے ساتھ مشترکہ بہبودی کی خاطر شریک کار ہوں گے اس کے ساتھ ہی مابدولت اپنے عہدہ داروں سے متوقع ہیں کہ وہ اپنے نئے شرکائے کار کا احترام کریں گے۔ اور ان کے ساتھ مل کر مروت اور ہم آہنگی سے کام کریں گے۔ باشندوں اور ان کے نمایندوں کو آزادانہ مجالس کی جانب پر اس پیش قدمی میں امداد دیں گے۔ اور ان نئے کاموں میں زمانہ ماضی کی طرح مابدولت کی

رعایا کی ایماندارانہ خدمت کے اعلیٰ ترین مقصد پورا کرنے کا تازہ موقع پائیں گے۔

(۶) اس موقع پر ہماری یہ صادق آرزو ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو۔ ہماری رعایا اور اُن لوگوں کے درمیان جو ہماری طرف سے حکومت کے ذمہ دار ہیں۔ رنجش کے تمام نشانات محو کر دیئے جائیں جو لوگ زمانہ ماضی میں سیاسی ترقی کی سرگرمی میں قانون کی خلاف ورزی کر چکے ہیں اُن کو چاہیئے کہ مستقبل میں قانون کا احترام کریں۔ اور جو باامن اور باقاعدہ حکومت رکھنے کے لیئے ذمہ دار ہیں۔ ان کے لیئے یہ ممکن ہونا چاہیئے کہ ان ناجائز سرگرمیوں کو فراموش کر سکیں جن کا انہیں انسداد کرنا پڑا تھا۔ ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ لازم ہے کہ اس کا ایک مشترکہ مقصد کے لیئے ہماری رعایا اور حکام کی باہمی شرکت کے عزم سے آغاز ہو۔ اس لیئے ہم اپنے وائسرائے کو ہدایت کرتے ہیں۔ کہ وہ ہماری طرف سے اور ہمارے نام پر سیاسی مجرموں پر انتہائی وسعت تک مراحم خسروانہ کا استعمال کریں جو وائسرائے کی رائے میں امن عامہ کے متناقض نہ ہو۔ ہماری آرزو ہے کہ اس شرط پر اس رعایت کو اُن اشخاص تک وسیع کر دیا جائے جو گورمنٹ کے خلاف جرائم کے پاداش میں یا خاص فوری قوانین کے ماتحت مقید ہیں۔ یا جن کی آزادی پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان لوگوں کو جو اس سے مستفیض ہوں۔ آئندہ روش اس ترحم کی موزونیت کو ثابت کر دے گی اور ہماری تمام رعایا اس قسم کی روش اختیار کرے گی جس سے آئندہ اس قسم کے جرائم کے لیئے قوانین کا نفاذ غیر ضروری ہو جائے۔

(۷) برطانوی ہند میں نئے نظام ترکیبی کے نفاذ کے ساتھ ساتھ ہی ماہدولت نے بخوشی والیان ریاست کی ایوان مشاورت کی قیام کے لیئے منظوری عطا فرمائی ہے۔ ماہدولت کو اعتماد ہے کہ ان کے مشورے ریاستوں اور ان کے والیان کے لیئے دائمی طور پر مفید ہوں گے۔ ان مفاد کو ترقی دیں گے۔ جو ان کے علاقوں اور برٹش انڈیا میں مشترکہ ہیں۔ اور بحیثیت مجموعی سلطنت کے لیئے فائدہ مند ہوں گے۔ ماہدولت اس موقع پر دوبارہ پھر ہندوستان کے والیان ریاست کو اپنے عزم مصمم کا یقین دلاتے ہیں کہ ان کے استحقاقات حقوق اور مراتب کو بدستور سابق برقرار رکھا جائیگا

(۸) ماہدولت کا ارادہ ہے کہ اپنے فرزند دلبند پرنس آف ویلز کو آئندہ موسم سرما میں ہندوستان بھیجیں۔ تاکہ وہ ماہدولت کی طرف سے والیان ریاست کے نئے ایوان مشاورت اور برطانوی ہند میں نئے نظام ترکیبی کی افتتاحی رسم ادا کریں۔ ماہدولت کی دعا ہے کہ ان کو ان لوگوں میں ایک جہتی اور اعتماد نظر آئے جن پر ملک کی آئندہ خدمت گذاری منحصر ہے۔ تاکہ اُن کی تشفیں اور

ہوں اور اُن کا نظام حکومت تدریجی ترقی سے وابستہ ہو۔ مابدولت اپنی تمام رعایا کے ساتھ ہم آواز ہو کر خدائے بزرگ و برتر کے حضور میں دعا کرتے ہیں کہ اُس کی مشیت اور ہدایت سے ہندوستان آگے سے زیادہ خوش حالی اور فارغ البالی حاصل کرے اور اُسے سیاسی آزادی کی انتہائی وسعت نصیب ہو۔

۲۵ دسمبر ۱۹۱۹ء

(ضمیمہ چہارم تمام ہوا)

خاتمہ

در شمار ارچہ نیاورد کسے حافظ را
شکر کیں محنت بے حد و حساب آخر شد

نحمدک اللّٰھم[1] أن مننت علینا بنیل الأوطار ونشکرک أن أحسنت إلینا بما تشحذ الأذھان من جلیل الأسفار ونصلی ونسلم علیٰ نبیک المرسل بما ھو أبھی من نیرات اللہ داری وعلیٰ آلہ وأصحابہ وأتباعھم المستغیثین علیٰ اغتنام المفاخر بعون الباری۔

أنتم للورىٰ کواکب علم ۔۔۔ فی اقتداء إن غابت الأقمار
یا محبا للہ دولۃ قد حوتکم ۔۔۔ کل عز وزاد فیہ الفخار

دو برس کی لگاتار محنت کے بعد خدا خدا کر کے آج میں اس کہنے کے قابل ہوا کہ ع ایں بار گراں بود ادا شد چہ بجا شد یعنی میں کتاب کی تدوین سے فارغ ہوا۔ اگر میں اس انتظار میں رہتا کہ کتاب

[1] اے اللہ ہم تیری حمد و ثنا کرتے ہیں اس احسان کے لیئے کہ تو نے ہمارے مقاصد بر لایا اور ہم تیرا شکر کرتے ہیں اس بات پر کہ تو نے ہم پر احسان کیا کہ جس سے لوگوں کے ذہن تیز ہو جائیں گے جیسا کہ بڑی کتابوں کے مطالعے سے ہوتا تھا اور صلوٰۃ اور سلام تیرے بھیجے ہوئے نبی پر جو ایسے اوصاف والے ہیں کہ وہ روشن تر ہیں ستاروں اور شمس و قمر سے اور اُن کی آل و اصحاب پر اور تابعین پر ہم تجھ ہی سے استمداد کرتے ہیں اُن فخروں پر جو تیری مدد سے ہم کو حاصل ہوئے ہیں۔ تم دنیا میں علم کے ستارے ہو اگر چاند سورج غائب ہو جائیں تو تمھاری روشنی سے پیروی کی جا سکتی ہے۔ سنو جی اللہ کی محبت بھی کیسی دولت ہے جو تمام عزتوں پر فخر مزید کے ساتھ حاوی ہے۔ ۱۲

پوری ہو لے جب چھپے تو شاید میری زندگی وفا نہ کرتی ع تا سال دگر کہ خورد زندہ کہ ماند؟ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ تصنیف اور چھپائی دونوں کام ساتھ ساتھ چلتے رہے جس سے اُمید بندھتی ہے کہ دیر سویر کتاب شائع ہو جائے گی۔ جلدی کے مارے کہ کسی طرح یہ کام سلٹ جائے کتاب یہ تقاریق چار جگہ چھپ رہی ہے اور چار ہی کاتب لکھ رہے ہیں لیکن لکھائی اور چھپائی نہ میرے ہاتھ کا کام ہے نہ میرے بس کا ہے۔ تقاضا اور تقاضائے شدید اور مصارف کی برداشت میرا کام ہے اُس میں ذرا ڈھیل نہیں اب جن کے ہاتھ میں کام ہے خدا اُنھیں توفیق دے کہ وہی اسے انجام کو پونہچائیں اور خاکسار کو زحمت مزید کے انتظار سے بچائیں۔ انواع و اقسام کی جو جو دقتیں کاتبوں کی بے جا ناز برداری اور اہل مطابع کی خلاف توقع سہل انگاری کی جو مجھے پیش آئیں اور پیش آرہی ہیں نہایت دل آزار اور دل شکن ہیں۔ مگر ؎

چہ تواں کرد مرداں انیست | با ہمیں مرداں بباید ساخت

میں حصہ اول میں منشی اشتیاق احمد صاحب چشتی نظامی کا شکریہ ادا کر چکا ہوں مگر کچھ اور صاحبوں نے بھی میرا ہاتھ بٹایا ہے اُن کی مشارکت کا اعتراف بھی من لم یشکر الناس فلم یشکر اللہ تقاضائے انصاف ہے منشی حافظ محمد یوسف صاحب اور عزیزی اختر حسن صاحب اور میری عزیزہ مخدرات عصمت حامدہ بیگم اور اشرف جہاں بیگم صاحبان بھی میرے دلی شکریہ اور امتنان کی مستحق ہیں کہ اُنھوں نے کاپیوں اور پروف کے مقابلے اور تصحیح میں کافی مدد دی۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ اتنی بڑی کتاب کا لکھنا جس کی تین ضخیم جلدیں ہیں۔ سیکڑوں کتابوں کی اُلٹ پلٹ۔ مقامات اور عمارات کی دیکھ بھال کے لیئے دوا دوش پر جب نظر کرتا ہوں تو خواہ کوئی داد دے یا نہ دے میں خود کہتا ہوں ع ازیں تن ضعیف مرا ایں گماں نبود۔ مگر فضل خدا شامل حال تھا یہ مشکل آسان ہو گئی۔ ؎

بہ ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد | اگر خارے بود گلدستہ گردد

خدا کرے کہ کتاب لوگوں کی پسند آئے تو میری محنت ٹھکانے لگے اور مراد بر آئے والسلام

دہلی مارچ ۱۹۲۰ء   بشیر الفقیر الی اللہ عفی عنہ

(بقلم ناقص رقم رفعت شبیر خاں)

انگریزی سلطنت کے بعض اہم تاریخی واقعات

سنہ	خلاصہ
۱	۲
	(ایسٹ انڈیا کمپنی کا عہد)
۳۱ دسمبر سنہ ۱۶۰۰ء	ملکہ الزبتھ کا چارٹر (فرمان)
سنہ ۱۶۰۰ء	چارلس دوم کا چارٹر (فرمان)
سنہ ۱۷۰۸ء	ہم سر کمپنیوں کا انضمام۔
سنہ ۱۷۷۳ء	رگیولیٹنگ ایکٹ (گورنر جنرل بنگال)
سنہ ۱۷۸۴ء	پٹ کا انڈیا ایکٹ (بورڈ آف کنٹرول)
سنہ ۱۷۹۳ء	تجدید چارٹر
سنہ ۱۸۱۳ء	" (ہند کی تجارت کھول دی گئی)
سنہ ۱۸۳۳ء	" (کمپنی کے تجارتی حقوق کی تنسیخ چین کی تجارت کا اجراء)
سنہ ۱۸۵۳ء	سول سروس کا امتحان مقابلہ
سنہ ۱۸۷۴ء	باقاعدہ طور پر کمپنی کا توڑا جانا۔
سنہ ۱۸۵۷ء	غدر۔ (ہندوستان براہ راست تاج شاہی کے تحت میں)
سنہ ۱۸۵۹ء	رنٹ ایکٹ۔
سنہ ۱۸۶۰ء	تعزیرات ہند۔
سنہ ۱۸۶۱ء	قانون کونسل۔ سول سروس ہند کا قانون۔ ہائی کورٹوں کا چارٹر۔
سنہ ۱۸۶۳ء	امیر دوست محمد خاں کا انتقال اور امیر شیر علی خاں کی جانشینی
سنہ ۱۸۶۶ء	اوڑیسہ کا قحط
سنہ ۱۸۶۹	نہر سوئز کا افتتاح۔
سنہ ۱۸۷۵-۷۶ء	ہز رائل ہائینس شاہزادہ ویلز کی سیاحت ہند
سنہ ۱۸۷۶ء	کوئٹہ پر قبضہ
یکم جنوری سنہ ۱۸۷۷ء	دربار قیصری۔

سنہ	خلاصہ
۱	۲
۱۸۷۶-۷۸ء	جنوبی اور مغربی ہندوستان میں قحط
۱۸۷۸-۸۰ء	دوسری جنگ افغانستان۔
۱۸۸۵ء	معاملات پنجدہ۔ تیسری جنگ برمہا۔
یکم جنوری ۱۸۸۶ء	برمہا کے بالائی حصے کا شمول۔
۱۸۹۰ء	پرنس البرٹ وکٹر کی تشریف آوری ہندوستان میں۔
۱۴ جنوری ۱۸۹۲ء	" " " کا انتقال پُر ملال۔
۱۸۹۵ء	مہم چترال۔
۱۸۹۶ء	بمبئی میں طاعون کا شیوع۔
۱۸۹۸ء	مہم تیراہ۔
۱۸۹۹ء	ترویج سکہ طلائی۔
۱۹۰۰ء	قحط
۱۹۰۱ء	ملکہ معظمہ وکٹوریا کا انتقال اور شہنشاہ معظم ایڈورڈ ہفتم کی تخت نشینی۔ امیر عبدالرحمٰن خاں کی وفات اور امیر حبیب اللہ خاں کی جانشینی
یکم جنوری ۱۹۰۳ء	دربار تاجپوشی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم۔
۱۹۰۴ء	مہم تبت۔ یونیورسٹیوں کا قانون۔
۱۹۰۵ء	بنگال کی تجزی۔
۹ نومبر ۱۹۰۵ء	پرنس جارج کی سیاحت ہند بطور ولی عہد۔
۲۶ جنوری ۱۹۰۷ء	دہلی میں ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خاں کی تشریف آوری۔
۱۹۰۹ء	خیالات باغیانہ۔ انڈیا کونسل ایکٹ۔
۱۹۱۰ء	شاہ ایڈورڈ ہفتم کا انتقال اور ملک معظم جارج پنجم کی تخت نشینی۔
۷ دسمبر ۱۹۱۱ء	ملک معظم و ملکہ معظمہ کی ہندوستان میں رونق افروزی۔ دربار تاجپوشی۔
۱۹۱۲ء	لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل پر بم اندازی سے قاتلانہ حملہ۔

سنہ	خلاصہ
۱	۲
۴ اگست ۱۹۱۴ء	یورپ کی عظیم الشان جنگ۔ جرمن وار کا آغاز۔
۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء	اختتام جنگ یورپ۔
۱۹۱۹ء	ہز میجسٹی امیر حبیب اللہ خاں کا قتل اور ہز میجسٹی امیر امان اللہ خاں کی جانشینی۔ کابل وار کا آغاز اور مصالحت پر اختتام۔ شاہی اعلان مزید ۲۵ دسمبر ۱۹۱۹ء

گورنر جنرل صاحبان کی فہرست

نمبر	سنہ	نام گورنر جنرل بہادر
۱	۲	۳
۱	اکتوبر ۱۷۷۴ء	(۱) بنگال کے فورٹ ولیم کے گورنر جنرل حسب ریگولیشن ایکٹ بابت ۱۷۷۳ء رائٹ آنریبل وارن ہیسٹنگز سکوائر۔ یکم فروری ۱۷۸۵ء سر جان میکفرسن
۲	ستمبر ۱۷۸۶ء	ارل (مارکوئیس) کارنوالس
۳	اگست ۱۷۹۳ء	سر جان شور (لارڈ ٹین منوتھ)۔ (مارچ ۱۷۹۸ء سر ایلیورڈ کلارک)
۴	مئی ۱۷۹۸ء	ارل آف مارننگٹن (مارکوئیس ولزلی)
	۳۰ جولائی ۱۸۰۵ء	مارکوئیس کارنوالس (دوبارہ)۔ (۵ اکتوبر ۱۸۰۵ء سر جارج بارلو)
۵	۱۸۰۷ء	بیرن (ارل آف) منٹو اول۔
۶	۴ اکتوبر ۱۸۱۳ء	ارل آف مائرا (مارکوئیس آف ہیسٹنگز۔ یکم جنوری ۱۸۲۳ء جان ایڈم سکوائر)
۷	یکم اگست ۱۸۲۳ء	بیرن (ارل) ایمہرسٹ (۸ مارچ ۱۸۲۸ء ولیم بٹرورتھ بیلی سکوائر)

نمبر	سنہ	نام گورنر جنرل بہادر
۱	۲	۳
۸	جولائی ۱۸۲۸ء	لارڈ ولیم کیونڈش بنٹنک۔
		(۲) گورنر جنرل ہند حسب چارٹر ایکٹ ۱۸۳۳ء
	۱۸۳۳ء	لارڈ ولیم کیونڈش بنٹنک ۲۰ مارچ ۱۸۳۵ء سر چارلس (لارڈ) مٹکاف
۹	یکم مارچ ۱۸۳۶ء	بیرن (ارل آف) آکلینڈ۔
۱۰	۱۸۴۲ء	بیرن (ارل آف) ایلن برو۔
۱۱	۱۸۴۴ء	سر ہنری (وائی کاؤنٹ) ہارڈنگ۔
۱۲	۱۸۴۸ء	ارل (مارکوئیس) آف ڈلہوزی۔
۱۳	۱۸۵۶ء	وائی کاؤنٹ (ارل) کیننگ۔
		(۳) گورنر جنرل و وائسرائے حسب اعلان ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا
	یکم نومبر ۱۸۵۸ء	ارل کیننگ۔
۱۴	۱۸۶۲ء	ارل آف ایلجن اول۔ ۱۸۶۳ء سر رابرٹ نیپیر (لارڈ نیپیر آف میگڈالا) ۱۸۶۳ء سر ولیم ڈینزن۔
۱۵	۱۸۶۴ء	سر جان (لارڈ) لارنس۔
۱۶	۱۸۶۹ء	ارل آف میو۔ ۱۸۷۲ء سر جان اسٹریچی (۱۸۷۲ء لارڈ نیپیر آف مرچسٹون)
۱۷	۱۸۷۲ء	بیرن (ارل آف) نارتھ بروک۔
۱۸	۱۸۷۶ء	بیرن (ارل) آف لٹن
۱۹	۱۸۸۰ء	مارکوئیس آف رپن
۲۰	۱۸۸۴ء	ارل آف ڈفرن (مارکوئیس آف ڈفرن اینڈ آوا)
۲۱	۱۸۸۸ء	مارکوئیس آف لینسڈون۔
۲۲	۱۸۹۴ء	ارل آف ایلجن دوم۔
۲۳	۶ جنوری ۱۸۹۹ء	بیرن (ارل) کرزن آف کڈلسٹن۔ ۱۹۰۴ء لارڈ ایمپتھل
	۱۹۰۴ء	بیرن (ارل) کرزن آف کڈلسٹن (دوبارہ)

نمبر	سنہ	نام گورنر جنرل بہادر
۱	۲	۳
۲۴	۱۹۰۵ء	ارل آف منٹو (ثانی)۔
۲۵	۱۹۱۰ء	بیرن ہارڈنگ آف پنشرسٹ۔
۲۶	اپریل ۱۹۱۶ء	لارڈ چیمسفورڈ (موجودہ وائسرائے و گورنر جنرل)

نوٹ:۔ جن ناموں کے نیچے خط کھنچا ہوا ہے وہ عارضی اور قایم مقام تھے۔

نوٹ ۱:۔ جو صاحب قانون بدلنے پر بدستور قایم رہے اُن پر جداگانہ نمبر نہیں ڈالا گیا۔ اتنے وائسرایوں میں صرف ایک لارڈ کرزن ہی ایسے تھے جو ولایت تشریف لے گئے اور دوبارہ گورنر جنرلی پر آئے ۱۹۰۴

انگلستان کے بادشاہوں کی فہرست

نمبر	نام بادشاہ	زمانہ سلطنت	نمبر	نام بادشاہ	زمانہ سلطنت
۱	۲	۳	۱	۲	۳
۱	ولیم اول	۱۰۶۶-۸۷ء	۱۲	رچرڈ دوم	۱۳۷۷-۹۹ء
۲	ولیم دوم	۱۰۸۷-۱۱۰۰ء	۱۳	ہنری چہارم	۱۳۹۹-۱۴۱۳ء
۳	ہنری اول	۱۱۰۰-۳۵ء	۱۴	ہنری پنجم	۱۴۱۳-۲۲ء
۴	سٹیفن (آف بلا)	۱۱۳۵-۵۴ء	۱۵	ہنری ششم	۱۴۲۲-۶۱ء
۵	ہنری دوم	۱۱۵۴-۸۹ء	۱۶	ایڈورڈ چہارم	۱۴۶۱-۸۳ء
۶	رچرڈ اول	۱۱۸۹-۹۹ء	۱۷	ایڈورڈ پنجم	۱۴۸۳ء
۷	جان (لیکلینڈ)	۱۱۹۹-۱۲۱۶ء	۱۸	رچرڈ سوم	۱۴۸۳-۸۵ء
۸	ہنری سوم	۱۲۱۶-۷۲ء	۱۹	ہنری ہفتم	۱۴۸۵-۱۵۰۹ء
۹	ایڈورڈ اول	۱۲۷۲-۱۳۰۷ء	۲۰	ہنری ہشتم	۱۵۰۹-۴۷ء
۱۰	ایڈورڈ دوم	۱۳۰۷-۲۷ء	۲۱	ایڈورڈ ششم	۱۵۴۷-۵۳ء
۱۱	ایڈورڈ سوم	۱۳۲۷-۷۷ء	۲۲	میری اول	۱۵۵۳-۵۸ء

نمبر	نام بادشاہ	زمانۂ سلطنت	نمبر	نام بادشاہ	زمانۂ سلطنت
۱	۲	۳	۱	۲	۳
۲۳	الزبتھ	۱۵۵۸ء — ۱۶۰۳	۳۱	جارج دوم	۱۷۲۷ء — ۶۰
۲۴	جیمس اول	۱۶۰۳ء — ۲۵	۳۲	جارج سوم	۱۷۶۰ — ۱۸۲۰
۲۵	چارلس اول	۱۶۲۵ء — ۴۹	۳۳	جارج چہارم	۱۸۲۰ — ۳۰
۲۶	چارلس دوم	۱۶۴۹ء — ۸۵	۳۴	ولیم چہارم	۱۸۳۰ء — ۳۷
۲۷	جیمس دوم	۱۶۸۵ء — ۸۸	۳۵	وکٹوریا	۱۸۳۷ء — ۱۹۰۱
۲۸	ولیم سوم اور میری دوم	مختصر وقفہ کے بعد ۱۶۸۹ء — ۱۷۰۲	۳۶	ایڈورڈ ہفتم	۱۹۰۱ء — ۱۹۱۰
۲۹	اینی	۱۷۰۲ء — ۱۴	۳۷	جارج پنجم	۱۹۱۰ء
۳۰	جارج اول	۱۷۱۴ء — ۲۷			

شاہا بقائے عمر تو باشد ہزار سال | لیکن بایں حساب بصد حشمت و جلال
سالے ہزار ماہ و ماہے ہزار سال | یوم ہزار سال و ساعت ہزار سال

نظم

اے سرزمین دہلی چمکا ترا ستارہ | پھر پائے تخت شاہی سلطان نے سنوارا
گیتی فروز اب ہے وہ خسرو معظم | یورپ کے دل سے نکلا ارمان اک ہمارا
دنیا ترے کرے کو جس نے کیا منور | خورشید بن کے چمکا مغرب سے وہ ستارا
تعلیم اس نے دی ہے گرمی نگہ سے | علمی ترقیوں کا بڑھتا چلا ہے پارا
موجودہ سلطنت کے دیکھ آکے کارنامے | اب خواب ہوگئے ہیں افسانہائے دارا
گزرے ہوئے سلاطیں ہیں پردۂ عدم میں | کرتی ہیں ان کی روحیں اس جشن کا نظارا
برطانیہ حکومت کرتی ہے ناز جس پر | وہ آفتاب اب ہے دہلی میں جلوہ آرا
وہ کون عدل گستر ہے سلطان جارج پنجم | دنیا ہے ایک پیکر اور جان جارج پنجم
گر نفس سلطنت کی توقیر ہے تو یہ ہے | الفاظ کی مجسم تصویر ہے تو یہ ہے
دیکھو سیاست اس کی دیکھو حکومت اس کی | تدبیر ہے تو یہ ہے تقدیر ہے تو یہ ہے
دنیا کو جگمگا دے نیر فروغ سطوت | بس خواب سلطنت کی تعبیر ہے تو یہ ہے

بس دیکھنے کے قابل ہے سرنوشت اس کی — قدرت کے قلم کی تحریر ہے تو یہ ہے
شایاں ہے اس کی شاہی دنیا ہے سب اسی کی — اجمال ہے تو یہ ہے تفسیر ہے تو یہ ہے
اس کی نگہ کی ہیبت ہے دشمنوں پہ غالب — ترکش میں تیرے دنیا گر تیر ہے تو یہ ہے
دنیا کی ساری قوم اس پر فدا ہو دل سے — حق میں تمھارے کوئی اکسیر ہے تو یہ ہے
یہ تمہارے درست ہوں کے مجھے مبارک — سلطان کی پائے بوسی دہلی کو یہ مبارک

(محمد ہادی عزیز لکھنوی)

فہرست ان اردو اور فارسی کتابوں کی جن سے مدد لی گئی

نمبر	نام کتاب	مصنف	نمبر	نام کتاب	مصنف
۱	۲	۳	۱	۲	۳
۱	آثار الصنادید سنہ ۱۸۴۷ء	سید احمد خاں	۱۲	استشفاع والتوسل بآثار الصالحین وسید الرسول	پیر جی [illegible] صاحب
۲	اخبار الاخیار سنہ ۱۲۸۹ھ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی			
۳	اخبار الاخیار	ظہیر الدین احمد عرف محمد اشرف علی لکھنوی	۱۳	دیوان ذوق	مرتبہ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد
۴	یادگار دہلی سنہ ۱۹۰۵ء	سید احمد دہلوی	۱۴	آب حیات سنہ ۱۸۷۸ء	
۵	دہلی گائیڈ	سید حسن نظامی	۱۵	مخبر الواصلین سنہ ۱۲۶۵ھ	ابو عبد اللہ فاضل اکبر آبادی
۶	روضۃ الاقطاب سوانح عمری حضرت نظام الدین اولیا	صاحبزادہ مرزا بلاقی	۱۶	دیوان غالب	نظامی پریس بدایوں
			۱۷	یادگار غالب	شمس العلماء مولوی الطاف حسین صاحب حالی
۷	فوائد الفوائد		۱۸	مراۃ الحقایق	منشی برکت علی
۸	سیر الاولیاء		۱۹	تاریخ دربار تاجپوشی سنہ ۱۹۱۱ء	شمس العلماء مولوی نذیر احمد
۹	سیر المحتشم		۲۰	یادگار دربار تاجپوشی سنہ ۱۹۱۱ء	منشی دین محمد ایڈیٹر میونسپل گزٹ لاہور
۱۰	دربار اکبری سنہ ۱۸۹۸ء	شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد			
۱۱	تذکرۃ العابدین و امداد العاشقین	حاجی محمد نذیر احمد دیوبندی	۲۱	سوانح دہلی سنہ ۱۸۹۴ء	شہزادہ مرزا محمد اختر گورگانی خلف اکبر مرزا دارا بخت ولی عہد ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ

نمبر	نام کتاب	مصنف
۱	۲	۳
۲۲	عجائب الاسفار شیخ ابن بطوطہ کا سفرنامہ ۱۸۹۸ء	خان بہادر پیرزادہ مولوی محمد حسین ایم اے
۲۳	خواتین ۱۹۱۴ء	حافظ محمد اسلم جیراجپوری
۲۴	مخدرات حصہ اول ودوم ۱۹۱۵ء ۱۹۱۶ء	سید ظہور الحسن قومی پریس دہلی
۲۵	تاریخ دربار دہلی	؍؍
۲۶	تاریخ بیجانگر ۱۹۱۰ء	خاکسار بشیر الدین احمد
۲۷	واقعات مملکت بیجاپور ۱۹۱۵ء	؍؍
۲۸	حیات قیصرہ ۱۹۰۱ء	؍؍
۲۹	ذکر شہنشاہ جارج پنجم	خان بہادر قاضی عزیز الدین
۳۰	مفتاح التواریخ ۱۸۶۲ء	طامس ولیم بیل صاحب
۳۱	سیاحت ہند ۱۹۰۹ء	حافظ عبدالرحمن امرتسری
۳۲	کلیات شیفتہ و حسرتی ۱۹۱۶ء	نواب محمد اسحٰق خاں
۳۳	آثار اکبری ۱۳۲۴ھ	محمد سعید احمد مارہروی
۳۴	یادگار داغ	اکبر علی خاں افسوس شاہجہاں پوری
۳۵	صحیفہ زریں ۱۹۰۲ء	نولکشور پریس لکھنؤ
۳۶	آئین اکبری	
۳۷	تاریخ فرشتہ لکھنؤ ۱۹۰۵ء	
۳۸	مآثر الامراء	نواب شمس الدولہ شاہنواز خاں
۳۹	مزارات اولیائے دہلی ۱۸۸۱-۹۱ء ۱۳۴۴-۱۹۲۶	محمد عالم شاہ
۴۰	منتخب اللباب	خافی خاں
۴۱	تاریخ فیروز شاہی	شمس سراج عفیف
۴۲	اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	شمس العلماء شبلی نعمانی
۴۳	فغان دہلی ۱۳۱۳ھ	غدر کے متعلق متفرق نظموں کا مجموعہ
۴۴	حضور ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کے مختصر حالات	مطبع مفید عام آگرہ

List of works consulted — فہرست ان انگریزی کتابوں کی جن سے امداد لی گئی ہے

1 Archaeological Survey of India Report of the year 1871-72 Delhi and Agra Vol: IV by Beglar and Carlleyle under the Superintendence of Major General A. Cunningham C.S.I. Director General of Archaeological Survey of India 1874

2 The Archaeology and Monumental remains of Delhi by Carr Stephens. 1876

3 Life of H. M. Queen Victoria, G. Barnett Smith 1887

4 Picturesque India, W. S. Caine 1891

5 Delhi past & present. H. C. Fanshaw. 1902

6 Seven Cities of Delhi: Gordon Risley Hearn. 1906

7 Keen's Handbook of visitors to Delhi. 1906

8 Royal tour in India 1905-6, Stanely Reed 1906

9 Storia do Mogor, 1658-1708, Niccolo Manucci 1908

10 Sketches of Rulers of India Vol: IV Babar, Akbar & Aurangzib, G. D. Oswell. 1908

11 Life of Akbar. Col: Malleson. 1908

12 Lane Poole's Life of Aurangzeb

13 Delhi the Imperial City, Renton Denning 1911

14 All about Delhi, G. A. Natesan & Co. 1911

15 Coronation Durbar. Pundit Banke Rae 1911

16 The Book of the Coronation, Cassell & Co. 1911

17 Delhi Durbar Railway, Burt & Freeland 1911

18 History of India, Sri Hemlota Devi. 1911

19 Imperial Coronation Durbar. 2 Vols: 1911 Khosla Bros.
20 The Portrait Book of our Kings & Queens 1066–1911.
21 The King & Queen in India, Stanely Reed Hare & Pascoe 1912
22 A Handbook to Agra & the Taj, E. V. Havell 1912
23 Delhi Museum Catalogue. 1913
24 Indian History. E. Marsden. 1914
25 The Historical Record of the Imperial Visit to India 1911. Compiled from Official Records 1914
26 Easy Stories from Indian History. E. Marsden 1915
27 The Oxford Students History of India Vincent A. Smith. 1916
28 History of India, Ram Prasad & Man Mohan 1916
29 History of India, Thompson.
30 The King's Indian Allies, St Nihal Singh 1916
31 List of Muhammadan & Hindu Monuments Shahjahanabad Vols I & II Gordon Sanderson 1915–16
32 V. R. I. Her Life and Empire, Marquis of Lorne, His Grace the Duke of Argyll.
33 Edward VII, his Life & Times, Sir Richard Holmes
34 From Cradle to Crown 1902 J. E. Vincent.
35 King Edward VII, Thomas Nelson & Sons.
36 George V Our Sailor King, Robert Hudson.
37 Medieval India, S. Lane Poole.
38 Report of Lady Hardinge Medical College and Hospital for Women and Children 1918

تقاریظ اور قطعات تاریخی

میرے جن کرم فرماؤں نے ابنائے الغیب میری نئی کتاب کو سراہا اور فرط محبت سے تقریظیں اور قطعات تعریفی لکھ کر میرا حوصلہ بڑھایا ہے ان سب صاحبوں کی اس عنایت بے غایت کا دل سے شکر گزار اور ممنون ہوں۔ بعض کرم فرماؤں کی نثری یا نظمی چھوٹے چھوٹے قطعات تاریخی اصل کتاب میں جہاں جہاں تھی درج کر دیئے گئے ہیں جو زیادہ بڑے تھے یا جن کی گنجائش نہ نکل سکی یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ تقدم و تاخر قطعات میں کسی کو ترجیح یا ترجیح دینا مرکوز خاطر نہیں میرے گوشۂ دل میں سب کی یکساں جگہ ہے۔

تقریظ دلپذیر و پُر تاثیر از قلم چکیدہ رقم جناب خواجہ حسن صاحب نظامی دام مجدہم

"دہلی کی ایک اور تصویر"

بیچاری دلی کی بگڑی سنوری شکل کی بیسیوں تصویریں مسلمانوں اور انگریزوں نے اتاری ہیں یعنی دلی کی تاریخی۔ عماراتی۔ تمدنی و سیاسی سرگزشت پر متعدد ہندو اور مسلمان مصنفوں نے کتابیں لکھی ہیں مگر نئی تصویر یعنی نئی تاریخ۔ نئی سرگزشت۔ ابھی حال میں ایک ایسی ہی دہلی کے مشہور محقق اور مورخ کی قلم سے لکھی گئی ہے۔ مولانا بشیر الدین احمد صاحب خلف شمس العلماء مولانا حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم ایک لائق اور محنتی مصنف ہیں۔ ان کے والد ماجد نے جو سرمایہ اردو زبان میں علمی و اصلاحی کارناموں کا چھوڑا ہے مولانا بشیر الدین احمد صاحب اس کی حفاظت ہی میں کوشش نہیں کرتے بلکہ رات دن اضافہ کی سعی کرتے رہتے ہیں۔ وہ اپنے پدر بزرگ کے اکلوتے وارث نہیں ہیں بلکہ ان کی موجودہ علمی و ادبی خدمات اور ان کے والد کی شہرۂ آفاق کارگزاریوں کا لحاظ کر کے ان کو وارث الادب بالکل جائز خطاب دیا ہے جو ہندوستان کے تمام اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ مولانا بشیر الدین احمد صاحب ریاست حیدرآباد میں کلکٹر رہ چکے تھے پنشن لے کر گھر پر آئے تو آرام طلبی اور عیش و عشرت میں وقت برباد نہ کیا جو آج کل بے فکر دولت مندوں کا ایک لازمی شعار ہو گیا ہے بلکہ رات دن تصنیف و تالیف میں مصروف رہنے لگے چنانچہ چند سال کے عرصہ میں دس بارہ کتابیں انھوں نے تیار کر لیں جن میں زیادہ حصہ خانگی و نسوانی اصلاح کا ہے جس سے مولانا کو خاص مناسبت و دلچسپی ہے اور جو ان کے والد کا مقصود زندگی بھی تھا۔ مولانا کی ان اصلاحی اور تمدنی کتابوں کو ملک میں خاص شوق سے پڑھا جاتا ہے اور صرف پبلک ہی ان کو پسند نہیں کرتی بلکہ سلطنت میں بھی یہ کتابیں مقبول ہیں اور ابھی حال میں گزشتہ سال صوبۂ دہلی کی گورنمنٹ نے ایک معقول انعام ان کی ایک اصلاحی کتاب پر دیا ہے۔ مولانا کو آثار قدیمہ اور قدامت کے تذکروں سے ایک دلی لگاؤ ہے۔ قیام دکن کے زمانہ میں انھوں نے تاریخ بیجاپور کے نام ایک نہایت ضخیم کتاب لکھی تھی

جو اتنی وزنی ہو کہیں اٹھا کر چلوں تو ہانپ جاؤں۔ اس میں سلاطین دکن کے تذکرے اور آثار قدیم کے حالات و تصاویر ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے نہایت محنت و تلاش سے اس کو طیار کیا ہوگا۔ اب گورنمنٹ دہلی کی خواہش سے انھوں نے دہلی کے آثار پر ایک زبردست اور تاریخ بیجاپور کے طریقے پر مستند کتاب لکھی ہے۔ جس میں دہلی قدیم و دہلی حال کے تمام جزو و کل حالات ہیں اور جو ایسی عمدہ ترتیب سے قلم بند ہوئے ہیں کہ اس کتاب کو دہلی کی تصویر کہہ سکتے ہیں جیسا کہ میں نے عنوان میں کہا ہے انگریزوں نے جو کتابیں دہلی پر لکھیں ان کو ناپسند نہیں کیا جاتا مگر اس کتاب کو جو مولانا بشیر الدین احمد صاحب نے لکھی ہے یقیناً بہت پسند کیا جائے گا کیونکہ یہ اردو زبان میں ہے اور ایسے شخص نے لکھی ہے جو انگریزوں کی بہ نسبت دہلی کو اور اس کے حالات کو زیادہ گہرائی سے دیکھ سکتا تھا اور دلی تعلق سے قلم بند کر سکتا تھا جیسا کہ کیا گیا ہے۔ اگر انسان کوئی مشین ہے۔ تو مولانا بشیر الدین احمد صاحب لکھنے کی مشین ہیں[1] جو اتنی جلدی تصنیف تیار کر دیتے ہیں جس پر انگریزی مشینوں کی بنی ہوئی اشیاء کا یہ مشہور اشتہاری فقرہ صادق آتا ہے "ہاتھوں کے چھوئے بغیر تیار ہوئی ہیں" نہیں جانتا وہ اس کبرسنی میں اتنا زیادہ۔ اتنا جلدی اور اتنا عمدہ کام کیونکر کر سکتے ہیں؟ مجھ کو بھی دو ہفتے میں ایک مستقل اور دو سو صفحے کی تصنیف تیار کر دینے کا ملکہ ہے مگر مولانا مذکور کی تیز نگاری کے سامنے میری سریع النویسی کچھ بات ہے

مجھے امید ہے کہ مولانا کی یہ تازہ تصنیف دہلی کی یادگاروں میں ایک مفید و دلچسپ اور مستقل یادگار ہوگی اور آئندہ نسلیں اس سے اخذ کرنے کا فائدہ اٹھائیں گی جس طرح کہ آثار الصنادید مصنفہ سر سید احمد خاں مرحوم سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے یہی میری دعا ہے اور یہی میری آخری اور دلی خواہش ہے۔

---

[1] اگر یہی مشین کی رفتار ہے کہ دو برس الگ سے تو مشین نہیں چھکڑا ہے چھکڑوں کی چال چلا ہے لیکن بات یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی نظر مہر و کرم میرے معائب کو بھی محاسن میں ڈھال دے گی۔ ابھی حضرت! ہاتھوں کے چھوئے بغیر یہ مشین قابل بیان نہ تھی ہاتھوں کے علاوہ پاؤں بھی گھسیٹے گھسیٹے چھالے پڑ گئے کیونکہ [illegible] دیکھنے کو کوسوں [illegible] نہیں پیدل چلنا پڑا لیکن جس محنت اور زحمت کے بعد اختتام ہوا ایسی تکلیف نہیں اٹھی [illegible] میں بتاؤں۔

رباعی۔ خوش بیٹھے ہیں گھر پر [illegible] کی طرح [illegible] پہلوانوں کی طرح

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

تقریظ عربی تحریر فاضل اجل و عالم بے بدل مولوی فاضل و منشی فاضل جناب مولوی نور محمد صاحب مدرس فارسی و عربی سینٹ سٹیفنز ہائی سکول دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اعلم ان اللہ خلق السموات والارض فقال لهما ائتيا طوعا او كرها فقالتا اتينا طائعين
وجعل فيهما الشمس ضياء والقمر نورا وجعل الارض ذات قرار وبث فيها من كل زوج بهيج
واجرى الانهار تجري فيها لتكون من اسباب المعيشة لسكان البر وجعل كل شيء من الماء
حيا۔ وخلق الانسان وجعله خليفة في الارض وانزل معه العدل والميزان وعلمه ما لا يعلم
واختصه بالسلطنة والنبوة وسخر له كل شيء وكرمه تكريما والهمه دقة الصنائع
واتخاذ المنازل وبناء البيوت وتمدن البلاد فتكاثروا حتى ملئت الارض عنهم طولا
وعرضا وعمروا الامصار والمدن المشيدة وجاءت القرون ومضت ثم جاءت الاخرى
ومضت وسوط الفناء مسلط عليهم وهم في غفلة منه والبشرى لمن اعتبر بهم وعمر
دنياه وصدق بالحسنى والذين يتقون ويعلمون حق عبادته ليسوا من في الارض هونا

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) دل اُن کے ظرف اُن کے ہیں جو کرتے ہیں ٹیپو   ہنس پڑ کے پیری کو جوانوں کی طرح

سلہ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

سلہ دیکھیے کہیں نظر نہ لگ جائے ع۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ جناب والا آپ نے
سنا ہوگا کہ دور کے ڈھول سہاونے ع عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ۔

سلہ جو کاتبوں اور مطبع والوں کی مہربانی سے باسی ہو گئی۔

سلہ میں کہاں اور کہاں ہوائے بہشت۔ تا نگزیدم بلطف تو نرفت۔ ہاں مگر آپ جیسے
بزرگوں کی دعا نے کمر بہت مضبوط کر دی۔ سہ

مابہ یں مقصد عالی نتوانیم رسید   ہاں مگر لطف شما پیش نہد گامے چند

وينظرون إلى آثار الذين سبقوهم في الفناء وحصونهم المحصنة وصروحهم المرتفعة
التي أكثرها اليوم خاوية على عروشها فيقشعر جلودهم ثم تلين قلوبهم بذكر الله
ولما كان دهلي من أعظم مناظر الأرض وأكبرها وليس لها عديل على وجه الأرض
في الآثار القديمة وأم أمصار هند فلا جرم أن ملوكها كثير لا يعتد به وكم من بئر
معطلة فيها وقصر مشيد وكأين من حصن وصرح بها لا يعلم بانيها وبعض آثارها القديمة
خارجة عن حد الإحصاء وواقعة مسافة طولها سبعة وعشرون ميلا وعرضها
تسعة أميال هي أم البلاد ومشهورة في أكناف العالم المتمدن لأنها مرجع الملوك
ومقر سلطنتهم وصنفت في تحرير آثارها القديمة العجيبة كتب بكثرة
أساميها ولكن ما أحاطت بعجائبها وغرائبها ومن هذا إذا يسئل أحد عن الكتاب الذي
أحاط بجملة الآثار وعمارات الدهلي لا يقول في جوابه إن الكتاب كذا وكذا
كان لهذا البيان في ذلك المقصد العالي بل يقول قولا مؤيدا بالعدم
وجود الكتاب هكذا وكنا على سبيل الانتظار لوجود الكتاب المحيط
على أخبار الذين خلوا من قبلنا في هذه البلدة الطيبة و
الملوك وآثارهم وحصونهم وصروحهم المشيدة فالحمد لله الذي
يتبع بعض الناس على بعض في الفناء وخلق الموت والحياة للابتلاء على أن
عطف قلب العلامة الحبر النحرير وصاحب الفضل العظيم المولانا المولوي
بشير الدين أحمد خلف شمس العلماء المولانا المولوي
نذير أحمد الدهلوي الذي اسمه السامي شائع معروف
في أكناف الهند إلى تسويد هذا الكتاب الجامع لبيان جميع الأمكنة
المقدسة من الحصون والمقابر والمساجد التي بعضها قائمة
والأخرى على سبيل الفناء والحق أن في مناظرها عبرة
للناظرين والبيان بجميع الملوك الذين تمكنوا على سرير سلطنتها
من أول يوم جعلها الله قائمة الهند ولله در المصنف إذ حرر
هذا الكتاب الجامع الذي أغنانا من كتب الآخرين لمعرفة فله
تلك العجائب والعجب كل العجب أنه ما من رطب ولا يابس

الآن هو جامعة ومن سلالة عبادته وصحة بيانه
أحمد ذُبيان يعلون عند كل شائق لأخبار الدين
خادم من الأمم في هلي لا البقعة الفن سار دهلي نسخته لتلو عن عند بشأنه
إن أخبر حاليين في الزمان كتاب -

کلام بلاغت نظام و فصاحت انضمام لسان العصر حضرت اکبر[له] الہ آبادی مدظلہم العالی

ہیں علم کی محفل کی رونق دہلی میں بشیر الدین صاحب — حالی ہیں خیالات اُن کے بہت ہے اُن کی نظر فائز بے حد
اک قوم ہے اُن کے والد کی وہ بھی ہیں سعادت مند بشیر — تصنیف کی تاریخ لکھی ہے مخزن علم و فن و ہنر
گو علم کا چرچا تھا ظاہر سو پیدا ہوئے لکھنے والے بھی — پر مجمل اس رسم تک دہلی کی کوئی تاریخ نہ تھی
جب گلشن علم مولانا سے تازہ و رنگیں گل یہ کھلا — "دہلی کی پہلی تاریخ" اس فقرے میں سال طبع ملا

۱۳۳۷

له دلی میں آپ تشریف لائے ہوئے تھے اور حضرت سلطان المشائخ کی درگاہ شریف میں جناب خواجہ حسن صاحب نظامی کے پاس فروکش تھے میرے والد مرحوم سے نہ صرف جناب ممدوح کو نیاز تھا بلکہ آپ کے خاندان سے تعلقات خاص اس زمانے سے تھے جب کہ میرے والد الہ آباد میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ اس آن بان اور اس شان کے لوگ اب پیدا نہیں ہیں پرانی وضع کا نبھانا انہیں بزرگوں کا کام ہے بڑے شوق سے حاضر خدمت ہوا تھا اس سے زیادہ آپ کے خلوص اور شفقت بزرگانہ سے مالا مال آیا۔ باپ کو کیسے دیکھتا کہ مر چکے تھے اُن کے دیکھنے اور چاہنے والوں کو دیکھ کر قلب مضطر کو تسکین ہوئی۔ آپ نے جب سنا کہ نذیر احمد کا لڑکا ہے باوجودیکہ علیل اور مضمحل تھے کھڑے ہو کر گلے لگایا۔ مجھے باپ کی محبت یاد آئی۔ ان کی نورانی شکل دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس روز ایسی حالت تھی کہ بہتیرا کہنا چاہا مگر زبان گنگ تھی کچھ نہ کہا گیا۔ دوسری ملاقات میں مدعا سے ضروری الاظہار عرض کرنا چاہا پاس ادب اور آپ کی بیماری نے زبان پکڑ لی مگر غرض بار آور ہوتی ہے۔ لینا و تبرک آپ کے قطعہ تاریخی کا طلبگار تھا۔ جذب عالم پوری کا مادہ "دہلی کی پہلی تاریخ" بہترین تھا آپ کی خدمت میں اس غرض سے پیش کیا کہ زحمت جستجو اور طبیعت پر فکر کا بار نہ ہو اور نظم کر دینے کی خواہش کی۔ غرض مختصر تیسری ملاقات میں یہ مرحلہ محض میری خاطر سے حل ہوا (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

قطعات تاریخی نوشتہ جناب راگھو راؤ صاحب جذب منصبدار عالم پوری (ضلع رائچور)

بے شک اے جذب بشیر احمد نے
لکھی ہے دہلی کی اچھی تاریخ
اس کی تاریخ جو کوئی پوچھے
کہہ دو کم "دہلی کی پہلی تاریخ"
۱۳۳۷ ھ

(۲)

کب مجھ سے ہو ثنائے جناب بشیر من
روشن ہیں مہر کی طرح جب آپ کے صفات
محسن جہاں بھر کے ہیں اس میں نہیں ہے شک
ہاں کر چکے ہیں وقف جہاں آپ اپنی ذات
تصنیف کردہ جتنی کتب ہیں۔ انھیں جہاں
آنکھوں سے ہے لگاتا ہے مثل تبرکات
ہر نقطہ بے نظیر ہے ہر بات لاجواب
ہر فقرے میں ہے آپ کے اک کوزہ نبات
فیض آپ کی کتب سے اٹھاتے ہیں یکساں
مردان علم دوست ہوں یا ہوں مخدرات
خاموش کیسے بیٹھیں گے عالم میں بے نظیر
اور خوب جانتے ہیں کہ دنیا ہے بے ثبات
تاریخ تین جلدوں میں لکھی ہے بے نظیر
کوزے میں بند کر دیئے دنیا کے واقعات
اس طرح سے کسی نے مفصل لکھی نہیں
اب تک قدیم دار حکومت کے واقعات
ہیں کیا کہ اک جہاں ہے مصنف کا مدح خواں
سچ ہے بقا ہے نام بھی ہے دائمی حیات
تاریخ اس کتاب کی یوں جذب نے کہی
"چھاپے لگ گئے پہ خجستہ دہلی کے واقعات"
۱۳۳۸ ھ

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ورنہ جناب معز کی نسائی گوارائے زحمت کی متقاضی نہ تھی میری ناچیز تصنیف کو چار چاند لگ گئے آپ نے مجھ ناچیز کو بن داموں خرید لیا ہے

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است — من المصنف ۱۲

سلہ ۵ گئے ہیں اکثر محققین نے وہی لی ہیں اس حساب سے دس بڑھ جاتے ہیں لیکن بعض بعض مثالیں (ہ ۲۴) اعداد محسوب کرنے کی بھی ملیں گی اور اسی مناسبت سے شق آخر یہی اختیار کی گئی ہے ۱۲

قطعات تاریخی از قلم سراپا کرم جناب ابو الکمال مولوی محمد صدیق حسن صاحب سفیر گنگوہی

بشیر احمد دہلوی نے لکھی ہے
یہ تاریخ دہلی کی با حسن تحسین
مصنف مؤلف مورخ ہیں کامل
ہر اک میں ہے حاصل انہیں حق یا مدرس
یہ اپنے زمانے کے علامۂ دہر
یہ اپنے زمانے کے سحبان و قیس
مفید زمانہ سفیر ان کی تصنیف
بنا ہے ادب کو ہر اک فصل تاسیس
نکالا جب اک سن کو دو طرح میں نے
"لکھی اس کی تاریخ" نیرہ سخن تیس

۱۳۳۴ھ

(۴۰۰) (۳۰۰) رقم کی ہے بشیر الدین نے تاریخ
(۷) زمانے بھر میں یہ بہتر سے بہتر
(۲) بتایا ہے یہاں دلی کو تب کن
(۱) ابھی پردے میں ہے پردے کے اندر
(۴) ور نایاب مضمون مرصع
(۳۰) لگا کر سر پہ دیباچے کا جھومر
(۱۰) مزین طبع کے زیور سے ہو کر
(۲) پری بن کر جب آئے گی باہر
(۵۰) نگاہ برق کو خیرہ کرے گی
(۲۰) گرے گی بجلیاں حاسد کے دل پر
(۹۰) صحیح ہیں واقعات اس میں قلم سب
(۳۰) کہ خود موقع پہ کی تحقیق جا کر
(۱۰) سنی بھی اور دیکھی بھی ہیں میں نے
(۴۰) تواریخی کتب دنیا کی اکثر
(۶۰۰) خدا شاہد کہ یہ تاریخ دہلی
(۴۰۰) تواریخوں میں ہے بہتر سے بہتر
(۲۰۰) عمارات کہن کا تازہ فوٹو
(۶۰) سلاطین سلف کی زندہ پیکر
(۹۰۰) خزینہ پر ز معلومات نادر
(۴) دفینہ پر ز گوہر ہائے خوشتر
(۵) ہوئی تاریخ کی جب فکر مجھکو
(۸) حروف اشعار سے اول کے لے کر
(۶۰) سب اعداد ان کے جب میں نے ملائے
(۵) ہوئے پیدا سن عیسٰی سراسر
(۶۰) سن ہجری کی ہے مصرع سے آخر
(۳۰۰) شروع کے حرف اول سے اٹھا کر
(۷۰) عدد ابجد کی رو سے جب نکالے
(۲) کیئے حاصل سن ہجری سراسر
(۸) حساب ابجد کا ہیں تاریخیں دونوں
(۲۰) سفیر اس قطعہ سے نکلیں برابر

۱۹۱۶ء ۱۳۳۴ھ

(۳) یہ تاریخ دہلی کی جامع کتاب
بشیر احمد دہلوی نے لکھی
سفیر اس کی تاریخ برجستہ تم
"کہو خوب تاریخ دہلی چھپی"

قطعۂ تاریخ نوشتۂ جناب مولوی حکیم لطیف[۱] احمد صاحب رئیس تہتلی ضلع سارن

شہیر زماں مولوی ال ال ڈی — ہے تصنیف و تالیف میراث جن کی
بشیر ان کے بیٹے ہیں حق وار جائز — کہ یہ دولت لازوال ان سے پائی
دکن میں رہے مدتوں یہ کلکٹر — وظیفہ ملا ان کو خواہش پہ اپنی
ہوئے قوم کے کام میں آکے مصروف — دعائیں لگے لینے خلق خدا کی
شب و روز مشغول تصنیف و تالیف — یہی ان کا روزہ یہی ان کی روزی
ذہانت میں یکتا متانت میں فائق — ہے پر زور ان کی طبیعت غضب کی
تمام ان کا عالم میں ہے نام روشن — کہاں ہے نہیں روشنی ان کے دم کی
نظیر و مثال ان کی عالم میں عنقا — عرب سے عجم تک نہیں کچھ یہ مخفی
مقولہ ہے لوگوں کا میرا عقیدہ — کہیں اس زمانے میں یہ فخر دہلی
اٹھانے قلم سامنے ان کے آئے — کسی کو اگر کچھ ہو دعوائے علمی
اگر وارث الالسنہ ان کو کہیے — تو اردو زباں ان کے گھر کی ہے لونڈی
وطن کے ہیں خواہ و حامی و ہمدرد — شب و روز فکر اصلاح قومی
تباہی قلم رو میں علم و عمل کے — رکھی اپنے والد کی آباد کرسی
ضرورت بہت رہبری کی ابھی ہے — خدا ان کو دے زندگی خضر کی سی
جو دہلی کے دل میں لگی تھی یہ حسرت — اب ان کے قلم کی بدولت وہ نکلی
بعہد جہانداری جارج پنجم — بصد کامیابی یہ تاریخ لکھی

---

۱ تاریخ گوئی میں آپ کو بڑا ملکہ ہے کلام آپ کی بہت برجستہ آمد ہوتی ہے۔ میں نے آپ کو کبھی دیکھا نہ آپ نے مجھے مگر سالہا سال سے دور بیٹھے دوستی کو ایسا نباہ رہے ہیں کہ جیسا اس کا حق ہے آپ کی خوش اخلاقی اور قابلیت نے میرے دل میں خاص جگہ پیدا کی ہے۔ آپ نہ صرف میری ہر کتاب پر کئی کئی تاریخیں لکھ دیتے ہیں بلکہ ہر بچے کی پیدائش اور ان کی تقاریب شادی وغیرہ پر بھی اظہار محبت فرماتے ہیں غرض خاکسار کو اس قدر زیر بار احسان کیا ہے کہ آپ کے شکریہ سے عہدہ برآ ہونا ناممکن ہے۔ آپ نے ایک چھوڑ چار قطعے لکھے ہیں۔ ایک یہاں اور تین اور جگہ حسب موقعہ اس کتاب میں آگئے ہیں۔ ۱۲ منہ المصنف۔

خدا اس کے لکھنے کا ان کو صلہ دے
یہی اب دعا ہے دلی ہے ہماری

پسندیدہ اخلاق تہذیب ادب ہیں
لکھی ہیں انھوں نے کتابیں بہت سی

مگر اس میں شاید ہی ایسی کوئی ہو
کہیں سے لکھی ہو نہ تاریخ جس کی

اب اس تازہ تصنیف کا ذکر سن کر
ہوئی دل میں پیدا پھر اک گدگدی سی

کسی سے نہ پوچھا نہ سوچا نہ سمجھا
نہ کچھ اس میں فکر رسا سے مدد لی

مصنف کی خوش نیتی کی بدولت
ہوئی اک لطیف اس میں تائید غیبی

کہ از بہر سال الٰہی فلک سے
ندا آئی "تذکار شاہان دہلی"

پھر اب عیسوی کوئی پوچھے تو کہہ دو
کہ ہے درۃ التاج "تاریخ دہلی"

۱۹۱۹ء

تاریخ طبع زاد جناب برکت شیر خاں صاحب ادیب میرٹھی

سابق ایڈیٹر "ہمدرد" و مصنف کتب متعددہ

اے بشیر الدین احمد دہلوی
آپ کے اوصاف ہوں کیوں کر بیاں

جانشین علامۂ دوراں ہیں آپ
کیوں نہ ہوں پھر نکتہ سنج و نکتہ داں

خوبیاں ہر صنف کی مرحوم سے[۱]
ورثہ والا میں آئیں بے گماں

اس زمانے میں نہیں دیکھا سنا
دلنشیں و ذی اثر اور بیاں

وہ وہ لکھی ہیں کتابیں لاجواب
معترف خوبی کا جن کی اک جہاں

آپ کی تصنیف میں پاتے ہیں ہم
مستند دلی کی ٹکسالی زباں

فہم میں آ جائے فوراً دیکھ کر
اتنا سیدھا سادہ عمدہ ہے بیاں

کچھ نہیں تعقید الجھن انتشار
نثر ہے اک چشمۂ شیریں رواں

صاف اور شستہ عبارت دیکھ کر
نقش حیرت کیوں نہ ہوں اہل زباں

خوب کی تحریر یہ تاریخ لو
دہلی والوں کی ہے جس میں داستاں

اس زمیں پر نامور جتنے ہوئے
حی و قائم ہیں زیر آسماں

[۱] یعنی میرے والد مرحوم ۱۲

اُن کی تصنیفات اُن کے فن اُن کے کمال
کارنامے سب کے کرتی ہے عیاں

ہیچ خواں جس کا جہاں ہے آج تک
کرتی ہے اُن کی بیاں یہ خوبیاں

کچھ ہیں ایسے بھی کہ ہیں جن کا مزار
نام باقی ہے نہیں لیکن نشاں

دامنِ صحرا میں ہیں آسودہ خواب
خاک تک جن کی نہیں دامن کشاں

کون تھے کیا جانے کس کا ڈھیر ہے
سیکڑوں ہیں مرد و زن خورد و کلاں

دیتی ہے سب کا پتہ تاریخ یہ
تھے یہاں ابن فلاں ابن فلاں

کیں مصنف نے بہت جانکاہیاں
اجر دے اس کا خداوندِ جہاں

بالیقیں مجموعۂ خوبی ہے یہ
کیوں نہ ہو منظورِ چشمِ مردماں

کاکسی طرح کیجیے مختصر
لطف سے لبریز ہے گو داستاں

خوب ہے تاریخ بے مثل اے ادیب
رشحون یادگارِ رفتگاں

۱۳۳۸ھ

تاریخ قلم زدہ جناب رفعت شیر خاں صاحب لبیب فرزند ادیب صاحب کاتب کتاب ہذا

وہ تاریخ دہلی لکھی آپ نے
مفصل لکھا جس میں دہلی کا حال

ہے تصنیف بھی آپ کی بے مثل
کہ جس طرح سے آپ ہیں بے مثال

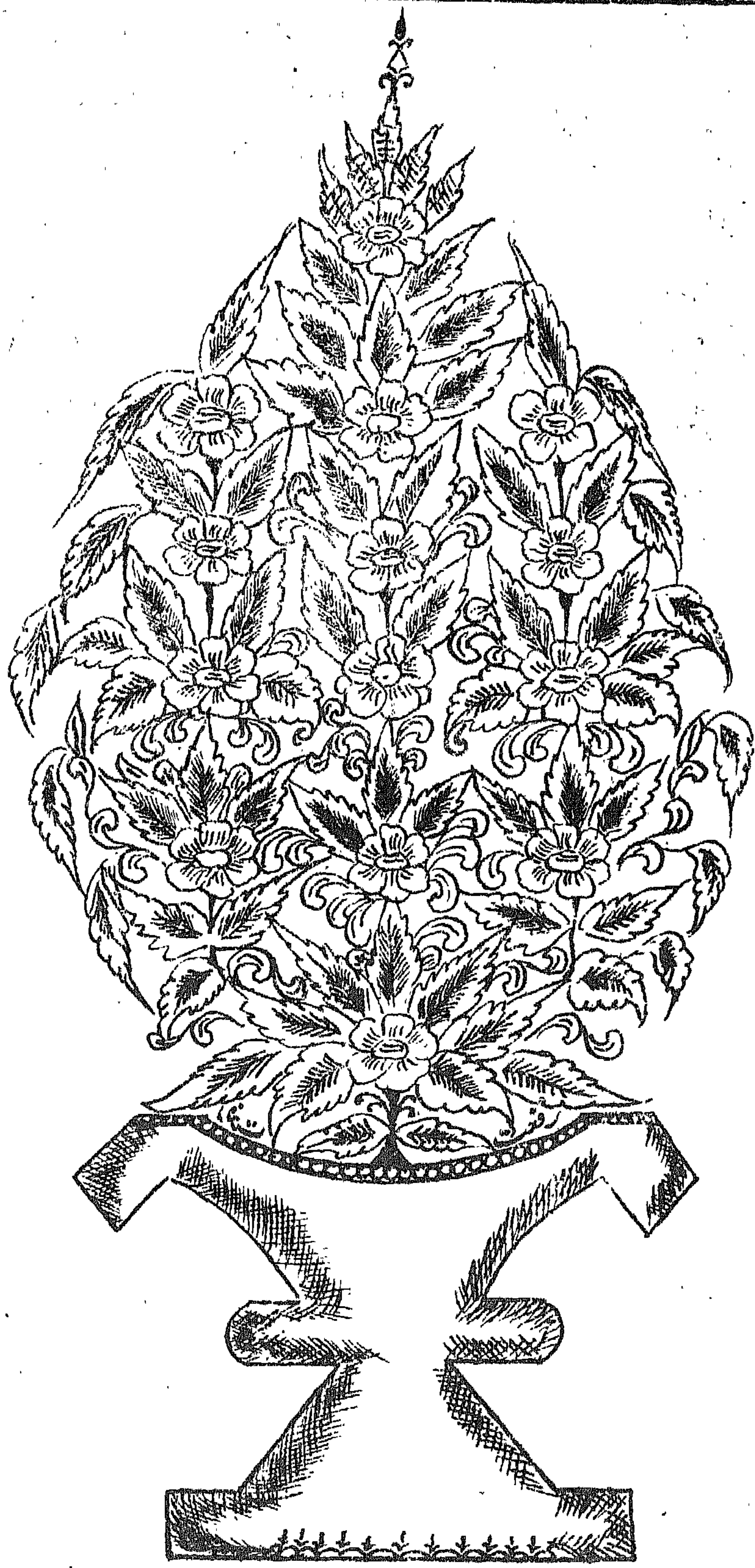
ہوئی فکر تاریخ کی جب مجھے
فلک پر تجسس میں پہنچا خیال

بشارت دی ہاتف نے یہ اے لبیب
کہ لکھ دیجیے تاریخ اہلِ کمال

۱۳ ھ ۳۸

الحمد للہ علی احسانہ کہ حصہ سوم واقعات دار الحکومت دہلی مع ضمیموں کے ختم ہوا

نوٹ۔ امید تھی کہ یہ کتاب ۱۹۱۹ء ۱۳۳۷ھ میں شائع ہو جائے گی مگر خدا بھلا کرے اُن کا جنھوں نے ایک سال کھلا کر دوسرا سال لگا دیا اسی سبب سے کچھ تاریخیں ۱۳۳۷ھ کی ہیں اور کچھ ایک سال بعد کی۔ ۱۲



HISTORY

OF

DELHI THE IMPERIAL CITY

A MOST COMPREHENSIVE ACCOUNT OF THE HISTORY AND ARCHÆOLOGY OF DELHI

(WITH NUMEROUS ILLUSTRATIONS)

BY

BASHIR-UD-DIN AHMAD, M.R.A.S.,

FIRST TALUKDAR (COLLECTOR AND DISTRICT MAGISTRATE) RET.

H. E. H. THE NIZAM'S GOVERNMENT,

AUTHOR OF THE HISTORIES OF VIJAYANAGAR AND BIJAPUR, IQBAL DULHAN, HUSN-E-MUASHRAT, ISLAH-E-MAISHAT, ETC., ETC., AND TRANSLATOR OF DR. STALL'S SELF AND SEX SERIES.

VOL. III.

Archæology (*continued*)

DELHI

1919

1st Edition] [1,000 Copies

I. M. H. P., Delhi.